شیخ الکل حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی

★

ناشر

اہلحدیث اکادمی کشمیری بازار لاہور

طلب العلم فریضة علیٰ کل مسلم ومسلمة

حضرت شیخ الکل فی الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی م ۱۳۲۰ھ ۱۹۰۲ء

کے

مکتوبہ اور مصدقہ فتاویٰ کا بےنظیر مجموعہ

فتاوی نذیریہ

مبوب و مترجم

جلد اوّل

ناشر

اہل حدیث اکادمی

کشمیری بازار لاہور
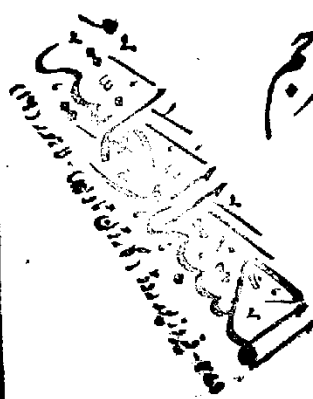
ن ذ ی ۔ ف سلسلہ مطبوعات نمبر ۱۵

طابع .... شیخ محمد اشرف

ناشر .... اہلحدیث اکادمی لاہور

مطبع .... اشرف پریس لاہور

تاریخ اشاعت

طبع اول .... ۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۴ء

طبع ثانی .... ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۱ء

قیمت

جلد اول مجلد .... ۱۸ روپے

جلد دوم مجلد .... ۱۵ روپے

جلد سوم مجلد .... ۱۲ روپے

کامل سیٹ ۴۵ روپے
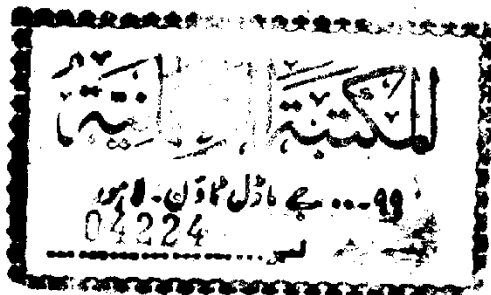
بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفٰی وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی

تصدیر

اللہ عزوجل کی توفیق سے علمائے اہل حدیث کثر اللہ سوادھم نے برصغیر میں اسلام کی تجدیدی خدمات کے سلسلہ میں ایک بنیادی خدمت یہ ہے کہ "فقہ الحدیث" کے موضوع پر عربی، فارسی اور اردو میں مدلل اور مخصوص قسم کی کتابوں کا ایک وافر ذخیرہ نہ صرف کہ تیار بلکہ طبع و اشاعت کے ذریعہ (متحدہ) ہندوستان کے کونے کونے تک ان کو پھیلا بھی دیا۔ جزاھم اللہ تعالیٰ

"فقہ الحدیث" کا موضوع اسلام کی پوری تعلیم پر حاوی ہے جس میں عقائد، عبادات، معاشرت، معیشت، سیاست، اخلاق وغیرہ سارے مسائل پر خالص قرآن و حدیث کی تصریحات اور سلف امت ــــ صحابہ و تابعین وفقہائے محدثین ــــ کی تنقیحات کی روشنی میں مسائل کا حل موجود ہے۔ معتدل طریق فکر و عمل سے روزمرہ پیش آنے والے مسائل کا حل موجود ہے۔ مثال کے لئے اس مبارک فن ــــ فقہ الحدیث ــــ کی ایک اہم کتاب "فتاویٰ نذیریہ" کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے جو اس وقت آپکے سامنے ہے۔

فتاویٰ نذیریہ ــــ میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے سلسلۂ فکر کے گل سرسبد حضرت شیخ العرب والعجم مولانا سید محمد نذیر حسین [ف ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء] نور اللہ مرقدہٗ اور آپ کے تلامذہ کرام کے لکھے ہوئے فتاویٰ کا ایک عظیم مجموعہ ہے جو بیشتر تحقیقات نادرہ پر مشتمل ہے۔ گویہ ضروری نہیں کہ ہر مسئلے میں ہر شخص کسی مفتی سے اتفاق کر سکے یا یہ کہ کسی استدلال میں کوئی خامی نہ ہو۔

دو ضخیم جلدوں کا یہ فتاویٰ حضرت موصوف کے دو خصوصی شاگردان رشید حضرت مولانا محمد شمس الحق محدث عظیم آبادیؒ [ف ۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء] اور مولانا محمد عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ [ف ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۴ء] کی مساعی حسنہ نیز نظر ثانی اور حضرت مولانا محمد شرف الدین دہلویؒ [ف ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۱ء] کی تصحیح و مختصر تعلیقات سے حضرت اقدس کے نبیرگان کے اہتمام سے ۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۴ء میں دہلی سے شائع ہوا۔

یہ فتاویٰ کافی مدت سے اب بالکل نایاب ہوگیا تھا جبکہ اس کی ضرورت بعض وجوہ سے سابقہ دور سے بھی زیادہ ہے قدیم تعلیم کے علماء، طلباء اور متوسط درجے کے عوام کے علاوہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کا بھی ایک حلقہ فقہ الحدیث کی کسی جامع سی کتاب کا متلاشی ہے۔

چند سال ہوتے ہیں کہ حضرت الاستاذ مولانا محمد عطاء اللہ صاحب حنیف نے "اہل حدیث اکادمی" کے منصرم جناب شیخ محمد اشرف صاحب سے مزید تنقیح کے بعد فتاویٰ نذیریہ سے طبع ثانی کی ضرورت اور اہمیت بیان کی تو شیخ صاحب آمادہ ہو گئے۔

حضرت مولانا محمد اسماعیلؒ (گوجرانوالہ) نے یہ ارشاد فرمایا کہ ان فتاویٰ میں آمدہ عربی فارسی عبارتوں کے اردو ترجمے بھی ساتھ ہو جائیں۔ تاکہ اردو دان طبقہ بھی اس سے مستفید ہو سکے۔ چنانچہ ۱۳۸۷ھ / ۱۹۶۷ء میں کام شروع کر دیا گیا۔ اور چار سال کی محنت شاقہ اور صرف زر کثیر کے بعد بحمد اللہ پوری کتاب جو اب تین ضخیم جلدوں میں ہے — طباعت کے سارے مراحل طے کر کے نظر نواز ناظرین ہے۔

موجودہ اشاعت چند باتوں میں سابقہ اشاعت سے ممتاز نظر آئے گی۔

بعض مسائل، متعلقہ ابواب کے سوا دوسرے ابواب میں ضمناً آگئے تھے (مثلاً نماز کے بعض مسائل بیوع یا نکاح (مثلاً) کے سوالات کے ساتھ مذکور ہو گئے تھے) لیکن موجودہ اشاعت میں ان سے اکثر کو ہر مسئلہ متعلقہ موضوع کے تحت لانے کی کوشش کی گئی ہے۔

عموماً عربی اور فارسی عبارتوں کے اردو ترجمے حاشیہ میں کر دیئے گئے ہیں۔

فہرست مضامین سابق سے زیادہ تفصیلی ہے۔

فتاویٰ میں مذکور مفتیان کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اور مصدقین کے اسمائے گرامی کی ایسی فہرست آخر میں لگا دی گئی ہے۔ جس سے معلوم ہو سکے گا کہ کس مفتی یا مصدق کا فتویٰ یا تصدیق کون کون سے صفحہ میں ہے۔

امید ہے کہ یہ کاوش افادیت میں اضافہ کا سبب ہو گی۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ اشاعت دین کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور ہم سب کو اخلاص کی نعمت سے نوازے۔ آمین وصلی اللہ علی سیدنا محمد و آلہ وسلم۔

یوم الترویہ سنہ ۱۳۹۰ھ

خاکسار۔ نذیر احمد سبحانی

مینجر اہلحدیث اکادمی لاہور

فہرست مضامین استفتاہائے مجموعۂ فتاویٰ نذیریہ جلد اول

کتاب الایمان والعقائد

کتاب التقلید والاجتہاد

كِتَابُ الْاِعْتِصَامِ بِالسُّنَّةِ وَالْاِجْتِنَابُ عَنِ الْبِدْعَةِ

کتاب العلم

کتاب الطہارۃ

کتاب الصلوٰۃ

كِتَابُ الْجُمُعَةِ

كتاب العيدين

كتاب التراويح

ق

کتاب ایصال ثواب الی الموتےٰ

تمہید

(طبع اوّل)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی مَا اَسْبَغَ عَلَیْنَا نِعْمَۃً فِی الْقَدِیْمِ وَالْحَدِیْثِ وَاَرْسَلَ اِلَیْنَا رَسُوْلَہُ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ بِاَحْسَنِ الْحَدِیْثِ الَّذِیْ بَیَّنَ لَنَا مَا اُحِلَّ لَنَا فِیْہِ مِنَ الطَّیِّبِ وَحُرِّمَ عَلَیْنَا مِنَ الْخَبِیْثِ وَوَضَعَ عَنَّا آصَارَ الرُّسُوْمِ وَاَغْلَالَ الْاَوْھَامِ فَسِرْنَا بِلُطْفِہٖ السَّیْرَ الْحَثِیْثَ وَاَوْصٰی اِلٰی اَصْحَابِہٖ وَخُلَّصِ اَحْبَابِہٖ اَنْ یُّبَلِّغُوْا عَنْہُ مَا سَمِعُوْا مِنَ الْحَدِیْثِ فَمَا لَوْا جُھْدَھُمْ فِیْ اِشَاعَۃِ عِلْمِہٖ وَاِذَاعَۃِ اَمْرِہٖ بِالسَّیْرِ السَّرِیْعِ وَالطَّلَبِ الْحَثِیْثِ فَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلَیْھِمْ وَعَلٰی مَنْ جَلَسَ مَجَالِسَ الْعِلْمِ لِلْحَدِیْثِ اَمَّا بَعْدُ

اس مجموعہ فتاوٰی کے قدرے حالات، ہدیہ ناظرین کرنے بھی خالی از دلچسپی نہیں اس لئے عرض ہے کہ حضرت مولانا شمس العلماء مولوی سید محمد نذیر حسین صاحب المعروف میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو فتوے خود لکھے یا تلامذہ و فرزندان وغیرہم سے لکھوائے اور اُن کو اپنی مہر و دستخط و اصلاح سے مزین فرمایا۔ اگر یہ سب دستیاب ہوتے تو یقیناً فتاوٰی عالمگیری سے چہار چند یا اس سے بھی زائد ہو جاتے مگر حضرت ممدوح کے زمانہ میں نہ اس کا خیال ہوا نہ نقل فتووں کی مہلت ملی مگر چند سال عالیجناب مولوی سید محمد شریف حسین صاحب مرحوم والد ماجد احقران نے نقل کا التزام کیا مگر صاحب موصوف کی عمر نے وفا نہ کی اور چند حوادثات مثل کثرت برسات و تبدیلی مکانات وغیرہ سے یہ مجموعہ بھی مجموعہ پریشانی ہی میں رہا۔ اور سوءِ اتفاق سے ایک بار آتشزدگی نے سامان خانہ داری کے علاوہ اس مجموعہ پر بھی ہاتھ صاف کرنا چاہا مگر عجب اتفاق ہے کہ یہ مجموعہ بالکل ضائع نہ ہوا۔ البتہ اس کے درست و مرتب کرنے میں محنت کثیر و زر خطیر صرف کرنا پڑا اگرچہ اس کام میں دیر لگی اور حضرت میاں صاحب موصوف کے بعض معتقدین نے بعد انتظار بسیار نا امیدی سی اختیار کر لی مگر جن اجزائے سوختہ و پریشان اور جن جواہر زواہر کو فراہم و اندوختہ کرنا تھا اس

کے مرتب ومنسلک کرنے میں جناب مولوی شمس الحق صاحب مرحوم ڈیانواں نے اور مولوی عبدالرحمن صاحب مبارک پوری نے جس قدر محنت وجانفشانی سے کام کیا ہے وہی اس کے شاہد عادل بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ فتاویٰ کس قدر دقت اور صرف سے مہیا ومرتب ہوئے ہیں بایں ہمہ علمائے کرام وناظرین خواص وعوام سے استدعا ہے کہ جو سہو واغلاط اس میں پائیں اس کی اصلاح فرماکر خاکساران کے ذمہ لگائیں اور جس قدر حظ وفائدہ ان سے اٹھائیں۔ اس کے بدلے ہم عاجزان کو بھی دعائے خیر میں شریک فرمائیں۔ ؎

جمادے چند دادم جان خریدم

بحمد اللہ عجب ارزاں خریدم

الملتمسان سید محمد عبد السلام وسید محمد ابو الحسن غفر لہما

(نبیرگان حضرت میاں صاحبؒ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

جلد اوّل

كِتَابُ الْإِيْمَانِ وَالْعَقَائِدِ

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس عقیدہ میں، کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اپنے نور میں سے جدا کیا، اور اس کا نام محمدؐ رکھا، پھر اس نور کو حکم کیا، کہ تو مخلوقات کو پیدا کر چنانچہ اس نور کے ہر ایک عضو و پسینہ سے آسمان و زمین و عرش و کرسی و لوح و قلم وغیرہ پیدا ہوئیں، بلکہ بہشت و دوزخ و فرشتے وغیرہ سب اس نور سے ظاہر ہوئے، جیسا کہ مفصل رسالہ معروف نور نامہ میں مذکور ہے، دلائل واضح سے بیان فرمائیں بینوا بالآیات والحدیث توجروا:۔

الجواب :- یہ بات بالکل غلط اور خطا ہے، اور مخالفت اس کی نصوص سے ظاہر ہے، کیونکہ نصوص ظاہرہ اس پر دلالت کرتی ہیں، کہ سب سے پہلے عرش اور پانی پیدا ہوئے، بعد اس کے پیدائش زمین و آسمان اور سب چیز کی ہوئی، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے وھو الذی خلق السموات والارض فی ستۃ ایام وکان عرشہ علی الماء۔[1] کمالین حاشیہ جلالین میں ہے ای فوقہ یعنی ماکان تحتہ قبل خلق السموات والارض الا الماء وفیہ دلیل علی ان العرش والماء کانا مخلوقین قبل خلق السموات والارض۔[2]

اور امام بخاری علیہ الرحمۃ نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ جئنا[3] لنتفقہ فی الدین ولنسألک عن اول ھذا الامر ما کان قال کان اللہ ولم یکن شئ

---

[1] اور اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، اور اس کا عرش پانی پر تھا [2] یعنی اس کے اوپر تھا یعنی عرش الٰہی کے نیچے آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے پہلے پانی کے سوا اور کوئی چیز نہ تھی، اس میں دلیل ہے، کہ عرش اور پانی کی تخلیق آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے پہلے ہو چکی تھی [3] ہم آپ کے پاس دین سمجھنے کے لئے آئے ہیں، اور یہ بھی

قبلہ وکان عرشہ علی الماء ثم خلق السموات والارض رواہ البخاری۔ مشکوۃ باب بدء الخلق۔ کہا شیخ عبدالحق نے لمعات میں دل الحدیث علی ان العرش والماء کانا مخلوقین قبل السموات انتہی۔

وعن[۲] عائشۃ رضی اللہ عنہا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال خلقت الملئکۃ من نور وخلق الجان من مارج من نار وخلق ادم مما وصف لکم رواہ مسلم مشکوۃ باب بدء الخلق۔ یہ حدیث صاف دلالت کرتی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مٹی سے پیدا ہوئے، نہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے نور سے جدا کیا، کیونکہ آپ اولاد آدم علیہ السلام میں سے ہیں اور آدم علیہ السلام کی پیدائش اور چیزوں کی پیدائش سے پیچھے ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔ عن[۳] ابی ھریرۃ قال اخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدی فقال خلق اللہ التربۃ یوم السبت وخلق فیہا الجبال یوم الاحد وخلق الشجر یوم الاثنین وخلق المکروہ یوم الثلثاء وخلق النور یوم الاربعاء وبث فیہا الدواب یوم الخمیس وخلق ادم بعد العصر من یوم الجمعۃ فی اخر الخلق فی اخر ساعۃ من النہار فیما بین العصر الی اللیل رواہ مسلم۔ مشکوۃ باب بدء الخلق۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام اور چیزوں سے پیچھے مخلوق ہوئے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم آدم علیہ السلام سے پیدا ہوئے جیسے اور تمام آدمی ان سے پیدا ہوئے، پس ثابت ہوا کہ کوئی چیز حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں پیدا ہوئی، اور نہ آپ سب چیز سے پہلے پیدا ہوئے، بلکہ سب سے پہلے پانی اور عرش عظیم پیدا ہوئے، بعد ان کے اور سب چیزیں پیدا ہوئیں، اور نہ

معلوم کرنا چاہتے ہیں، کہ اس دنیا کی ابتدا کس طرح ہوئی؟ آپ نے فرمایا سب سے پہلے اللہ تعالیٰ ہی تھے، ان سے پہلے کوئی چیز نہ تھی، اور اس کا عرش پانی پر تھا پھر اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اس کو بخاری نے روایت کیا ۱۲ [۱] حدیث دلالت کرتی ہے، کہ عرش اور پانی آسمانوں کی پیدائش سے پہلے پیدا شدہ ہیں ۱۲ [۲] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں، اور جنوں کی تخلیق آگ کے شعلے سے ہوئی اور آدم کی پیدائش تم کو پہلے بتا ہی دی گئی ہے اس کو مسلم نے روایت کیا ۱۲ [۳] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا اللہ نے ہفتہ کے روز مٹی کو پیدا کیا اور اتوار کے دن اس میں پہاڑ بنائے، اور سوموار کے روز سبزیاں اور درخت پیدا کئے اور تمام بری چیزیں منگل کے روز پیدا ہوئیں اور نور کی پیدائش بدھ کو ہوئی اور جمعرات کے روز تمام جانور اس میں پھیلا دیئے اور جمعہ کے دن عصر کے بعد آدم کو پیدا کیا گیا یہ خدا کی آخری مخلوق تھی جو آخری وقت میں پیدا ہوئی یعنی عصر سے لے کر رات تک اس کو مسلم نے روایت کیا۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے بنایا۔ ایسا عقیدہ رکھنا جیسا کہ نورنامہ والے نے لکھا ہے، نہایت برا اور سخت گندہ، مخالف کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہے، ہر مسلمان کو ایسے عقیدے سے دور ہونا اور بھاگنا چاہیئے، اور نورنامہ والا بہت بڑا جاہل کندۂ ناتراش ناواقف قرآن مجید اور حدیث شریف سے ہے، اس کی باتوں کو ہرگز نہیں تسلیم کرنا چاہیئے، بلکہ اس کو جھوٹا کہنا مناسب ہے۔ حررہ العبد الضعیف الراجی رحمۃ ربہ المنان المسمی بعبد الرحمن الفنجابی ٭ الجواب صحیح والرای نجیح

سید محمد نذیر حسین

الجواب صحیح سید محمد عبد السلام سید محمد ابوالحسن

واضح ہو کہ جو بعض لوگ کہتے ہیں، کہ خلق ارواح واشیاء جو عالم غیب کے اندر ہوا ہے، اس میں آپ کے خلق کا تقدم تمام مخلوقات سے معلوم ہوتا ہے، اور اس مضمون پر حدیث اول ما خلق اللہ نوری سے استدلال کرتے ہیں، تو ماہران اصول حدیث وفقہ پر مخفی نہیں، کہ حدیث معلق بلا سند قابل استدلال واحتجاج کے ہرگز نہیں ہوسکتی، کیونکہ یہ اقسام مردود سے ہے کذا فی النخبۃ و شرحہا اور اسی طرح سے حدیث مروی راویان مجہول سے لائق تسلیم نہیں، اس صورت میں حدیث اول ما خلق اللہ نوری کا متصل مرفوع اور صحیح ہونا حسب قواعد محدثین صاحبان تخریج کے تحریر فرماویں، تو مقبول ہوگی، بلا ریب، اور مشکوۃ میں خلاف اس حدیث مشہور بافواہ عوام کے مذکور ہے۔ عن[1] عبادۃ بن الصامت قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول ما خلق اللہ القلم فقال لہ اکتب قال ما اکتب قال اکتب القدر فکتب ما کان وما ھو کائن الی الابد رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب اسنادا انتہی ما فی المشکوۃ۔ اور بعض ملاحین اپنے ذوق وشوق میں جو تاویلات بعیدہ خلاف مسلک محدثین متقدمین ومتاخرین صاحبان تخریج کر رہے ہیں، قابل اعتبار نہیں ؎ پائے چوبیں سخت بے تمکین بود وما علینا الا البلاغ۔ حررہ السید محمد نذیر حسین

سید محمد نذیر حسین

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عالم کہتا ہے، کہ جو شخص خداوند کریم کو بلاکیف عرش پر کہے یا جانے وہ کافر ہے پس اس عالم کا یہ قول غلط ہے یا صحیح بینوا توجروا۔

---

[1] عبادہ بن صامت سے روایت ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا، اور اسے حکم دیا کہ لکھ، اس نے عرض کیا، کیا لکھوں؟ حکم ہوا کہ تقدیر کو لکھ، سو اس نے وہ سب کچھ لکھ دیا جو ہو چکا ہے اور جو کچھ ہمیشہ تک ہونے والا ہے، اس کو ترمذی نے روایت کیا، اور کہا یہ حدیث سند کے لحاظ سے غریب ہے، انتہی۔

الجواب:- جو عالم یہ کہتا ہے، وہ عالم نہیں ہے، بلکہ وہ جاہل ہے، اور اس کا یہ قول سراسر غلط و باطل ہے، کیونکہ قرآن مجید کی ایک نہیں بلکہ بہت سی آیتوں سے اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا ثابت ہے، اور اسی طرح بہت سی احادیث سے بھی یہ بات ثابت ہے، مگر اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کی کیفیت مجہول و نامعلوم ہے، تمام صحابہ اور تابعین و تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہی قول و اعتقاد تھا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے، اور استوار علی العرش کی کیفیت مجہول و نامعلوم ہے، اللہ تعالیٰ کے عرش پر بلا کیف ہونے کے ثبوت میں آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ اور اقوال ائمہ دین کو بسط و تفصیل کے ساتھ دیکھنا ہو، تو کتاب العلو للحافظ الذہبی کو مطالعہ کرنا چاہیے یہاں دو تین آیتیں اور حدیثیں لکھ دی جاتی ہیں:-

قال اللہ تعالیٰ - ان[1] ربکم اللہ الذی خلق السموات والارض فی ستۃ ایام ثم استوی علی العرش (سورہ اعراف) اللہ[2] الذی رفع السموات بغیر عمد ترونھا ثم استوی علی العرش (سورہ رعد) تنزیلا[3] ممن خلق الارض والسموات العلی الرحمن علی العرش استوی (سورہ طہ) وقال[4] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فھو عندہ فوق عرشہ (متفق علیہ) وقال[5] ادخل علی ربی وھو علی عرشہ (رواہ البخاری)

ائمہ دین میں سے صرف ائمہ اربعہ کا قول یہاں نقل کر دیا جاتا ہے، امام ابو حنیفہ رح نے وصیت میں فرمایا کہ ہم اقرار کرتے ہیں، اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے، بے اس کے کہ اس کو حاجت ہو، امام مالک رح نے فرمایا کہ استوار معلوم ہے اور کیفیت نامعلوم، اور ایمان اس پر واجب، اور سوال اس کی کیفیت سے بدعت، طبرانی نے کہا، کہ امام شافعی رح قائل ہیں استوار کے، امام احمد رح نے فرمایا کہ ہم اقرار کرتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے جس طرح اس نے کہا واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ حررہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ　　سید محمد نذیر حسین

سوال:- قرب و معیت و احاطہ وغیرہ جو صفات باری تعالیٰ ہیں، آیا یہ بالذات ہیں، یا

[1] تمہارا رب وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر عرش پر قرار پکڑا ۱۲ [2] اللہ وہ ہے جس نے بغیر ظاہری ستونوں کے آسمانوں کی چھت کو بلند کیا، پھر عرش پر قرار پکڑا ۱۲ [3] یہ قرآن اتارا گیا ہے اس ذات پاک کی طرف سے جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا، وہ رحمن ہے جس نے عرش پر قرار پکڑا ۱۲ [4] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اس کے پاس عرش پر ہے ۱۲ [5] اور فرمایا میں اپنے رب کے پاس جاؤنگا اور وہ اپنے عرش پر ہے، اس کو بخاری نے روایت کیا ۱۲

بالعلم ہیں

الجواب:۔ قرب ومعیت وغیرہ صفات میں بہت اختلاف ہے بعض بالذات مراد لیکر تاویلات کرتے ہیں، اور بعض بالعلم لیتے ہیں لیکن تحقیق مذہب جمہور کا یہ کہ جملہ صفات باری کا ایمان بغیر سوال کیف وبلا تشبیہ لانا چاہیئے قال اللہ تعالی لیس کمثلہ شئ[۱] وقال اهل العلم قد ثبت الروایات فی هذا ونؤمن بها ولا یتوهم ولا یقال کیف وهکذا اروی عن مالك بن انس وسفیان بن عیینة وعبد الله بن المبارك انهم قالوا فی هذه الاحادیث امروها بلا کیف وهکذا اقول اهل العلم من اهل السنة والجماعة کذا فی الترمذی یہ تحقیق مطابق مذہب اہل سنت ہے، گو علماء نے اس میں بہت طوالت کی ہے، اور قسم قسم کے رسائل تالیف کئے ہیں، لیکن خلاصہ تحقیق محققین یہی ہے، اور اسی پر اعتقاد رکھنا چاہیئے فقط واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب حررہ العبد الضعیف الراجی رحمة ربه القوی ابو محمد عبد العزیز الملتانی غفر الله له ولوالدیه واحسن الیهما والیه۔ الجواب صحیح والرای نجیح

سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱	سید محمد عبد السلام غفرلہ ۱۲۹۹	سید محمد ابو الحسن ۱۳۰۰	ابو سعید محمد حسین سلمہ ۱۳۰۹

سوال زید کہتا ہے، کہ کنجیاں رزق مخلوقات کی اللہ تعالی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تفویض کر دی ہیں، جس کو جتنا چاہیں دیں، عمرو اس کے خلاف ہے، وہ کہتا ہے، کہ یہ بات بالکل غلط ہے، کسی کو ایک ذرہ بھر اختیار نہیں دیا، سب کچھ اللہ واحد لا شریک لہ کے قبضہ میں ہے، جس کو جو چاہے دیوے نہ چاہے نہ دے، ان دونوں میں کون سچا ہے۔

سوال دوم، روح مبارک صلی اللہ علیہ وسلم کی سب گھروں اور مقاموں میں گشت اور دورہ کرتی ہے، آیا یہ بات صحیح ہے یا غلط۔

الجواب:۔ رزق مخلوقات کی کنجیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہونے کی یوں بات ہے، کہ اس امر میں زید کا قول بالکل غلط ہے، زید مذکور نے یا قرآن وحدیث کو دیکھا سنا نہ ہوگا یا جان بوجھ کر ہٹ دھرمی کرتا ہے، قرآن وحدیث نے توڑے زور سے اس بات کی تردید کر دی ہے، فرمایا اللہ تعالی نے سورہ ہود کے پہلے رکوع میں "وما من دابة فی الارض الا علی الله

---

[۱] اس کی کوئی مثل نہیں ہے، اہل علم نے کہا، اس میں جو روایات وارد ہوئی ہیں، ہم ان پر ایمان لاتے ہیں، اس میں شک نہ کیا جائے کیفیت نہ پوچھی جائے، مالک بن انس، سفیان بن عیینہ، عبد اللہ بن مبارک کا یہی قول ہے کہ ان اوصاف کو بلا کیف تسلیم کیا جائے، اہل علم اہل سنت کا یہی مذہب ہے ۱۲

دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا" یعنی کوئی نہیں چلنے والا زمین پر مگر اللہ پر ہے روزی اس کی یعنی چلتا پھرتا، جیتا جاگتا، جو کوئی ہے سب کو اللہ ہی رزق دیتا ہے، اور سورہ فاطر کے پہلے رکوع میں ہے "ہل من خالق غیر اللہ یرزقکم من السماء والارض" یعنی کوئی ہے بنانے والا اللہ کے سوائے جو روزی دیتا ہے تم کو آسمان اور زمین سے، اور سورہ شوری رکوع دوم میں ہے "لہ مقالید السموات والارض یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر انہ بکل شیء علیم" یعنی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں کنجیاں آسمانوں کی، اور زمین کی، پھیلا دیتا ہے روزی واسطے جس کے چاہے اور ماپ دیتا ہے، وہ ہر چیز کی خبر رکھتا ہے، مطلب یہ ہوا، کہ نہ تو رزق کی کنجیاں کسی اور کے ہاتھ میں ہیں، اور نہ کسی کو یہ خبر ہے، کہ کس کو روزی زیادہ ملنی چاہیے اور کس کو کم، اور سورہ ذاریات کے تیسرے رکوع میں ہے "ان اللہ ہو الرزاق ذو القوۃ المتین" یعنی اللہ جو ہے وہی ہے روزی دینے والا زور آور مضبوط، اور سورہ ذاریات کے پہلے رکوع میں ہے "وفی السماء رزقکم" یعنی اور آسمان میں ہے روزی تمہاری، یعنی رزق کا خزانچی اور کفیل اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے، سب کی روزی آسمان سے اللہ تعالیٰ اتارتا ہے،

اور مشکوۃ باب الاستغفار میں مسلم کی روایت سے آیا ہے، فرمایا اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں یا عبادی کلکم جائع الا من اطعمتہ فاستطعمونی اطعمکم یا عبادی کلکم عار الا من کسوتہ فاستکسونی اکسکم یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے، کہ اے میرے بندو! تم سب کے سب بھوکے ہو، مگر جس کو میں کھلا دوں، پس تم مجھ سے روزی مانگو، میں تم کو روزی کھلاؤں گا، اور اے میرے بندو! تم سب کے سب ننگے ہو، مگر جس کو میں پہنا دوں، پس تم مجھ سے کپڑا مانگو، میں تم کو کپڑا دوں گا، پس قرآن وحدیث میں صاف صاف بیان ہو گیا، کہ روزی رزق کی کنجیاں محض اللہ پاک کے ہاتھ میں ہیں، اس میں ذرہ برابر کسی دوسرے کا دخل یا تعلق نہیں ہے اور جو صفات ایسے ہیں، جو اللہ پاک کے واسطے خاص ہیں، ان میں کسی کا دخل یا تعلق سمجھنا شرک ہے، ایسے عقیدے سے بہت بچنا چاہیے۔

اور یہ قول بھی بالکل غلط ہے، کہ روح مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب گھروں میں اور مقاموں میں گشت اور دورہ کرتی ہے، اس لئے کہ مشکوۃ باب الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت ابن مسعودؓ سے مرفوعاً روایت ہے، "ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام" رواہ النسائی والدارمی یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ کچھ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے اس کام پر تعینات کر دیا ہے، کہ وہ دنیا میں پھرتے رہتے ہیں، جو کوئی شخص میری امت

سے میرے اوپر درود وسلام پڑھتا ہے، وہ فرشتے اس درود وسلام کو میرے پاس پہنچا دیتے ہیں اور حضرت ابوہریرہ رضی سے مرفوعاً یہ لفظ آئے ہیں، من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیا ابلغته رواہ البیهقی فی شعب الایمان یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کوئی شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود وسلام پڑھتا ہے، اس کو میں خود سن لیتا ہوں، اور جو کوئی شخص دور کا رہنے والا میرے اوپر درود وسلام پڑھتا ہے، وہ میرے پاس پہنچایا جاتا ہے یعنی فرشتے لاتے ہیں، پس اگر روح مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب گھروں اور سب مقاموں میں گشت کرتی ہوتی، تو حدیثوں میں یوں بیان آتا کہ جہاں کہیں میرا ذکر ہوتا ہے، یا درود وسلام پڑھا جاتا ہے میں سن لیتا ہوں یا موجود ہو جاتا ہوں، اور فرشتوں کے پہنچانے کی حاجت نہ ہوتی۔

افسوس! کہ مسلمان کہلاتے ہیں، اور عقیدے ایسے رکھتے ہیں، جو قرآن وحدیث کے صریح خلاف ہیں، یا د رکھنا چاہیئے کہ ہر جگہ حاضر وناظر ہونا اور ہر چیز کی ہر وقت خبر رکھنا خاص ذات وحدہ لاشریک لہ باری تعالیٰ کے واسطے ہے، کسی دوسرے کے واسطے اس صفت کو لگاتا، یا سمجھنا کھلا ہوا شرک ہے، اس سے بہت بچنا اور پرہیز کرنا چاہیئے، واللہ یهدی من یشاء الی صراط مستقیم وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ وعلی آلہ واصحابہ وسائر عباد اللہ الصالحین۔ حررہ حمید اللہ عفی عنہ ۲۰ ذی الحجہ سنہ ۱۳۱۶ھ

سید محمد نذیر حسین

سوال شخصے درحالت نزع بزبان انگریزی مضمون شہادتین وکلمہ طیبہ ادا کردہ جان بحق تسلیم نمود آیا خاتمہ او با ایمان تواں دانست یا نہ بدیگے از جماعت مجوزین قرأت کلام المجید بلسان عجم قائل ثبوت ایمان آن کس است بینوا توجروا۔

الجواب بلاشبہ ایمان پر مرا، جیسے اصحابنا مقام اسلمنا کے معتبر ہوا تھا، واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ حررہ ابوالحسن عفی عنہ

سید محمد ابوالحسن — سید محمد نذیر حسین

سوال کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں، کہ ایک شخص دعوی کرتا ہے، کہ عیسی موعود میں ہوں، اور وہ عیسے مر گئے، سو ایسا دعوی کرنے والا کافر ہے یا مومن اور جو ایسے شخص کا معتقد ہو، وہ کیسا ہے؟

سوال دیگر۔ جن لوگوں کی عورتیں پردہ میں رہتی ہیں، مگر ناچ، تماشہ وتعزیہ وغیرہ بے تکلف دیکھنے جاتی ہیں، اور شوہر وغیرہ مانع نہیں ہوتے، آیا یہ لوگ دیوث ہوتے یا نہیں، اور ان عورتوں پر کیسا

گناہ ہوگا۔ بینوا توجروا

الجواب:- جو شخص اپنے کو عیسےٰ موعود کہتا ہے، اور عیسیٰ علیہ السلام کی موت کا قائل ہے، وہ بڑا دجال، کذاب، منکر قرآن واحادیث متواترہ کا ہے، قال اللہ تعالیٰ وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ ای قبل موت عیسیٰ کما قال ابن عباسؓ وابو ہریرہؓ وغیرھما من السلف وھو الظاھر کما فی تفسیر ابن کثیر وفتح القدیر للشوکانی هکذا فی الفتح، یہ آیت صاف دلالت کرتی ہے، کہ عیسےٰ علیہ السلام مرے نہیں، بلکہ زندہ ہیں، احادیث صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے، کہ آخر زمانہ میں شام میں ان کا ظہور ہوگا، دجال کو قتل کریں گے، لوگوں کو اس کے شر وفساد سے بچا دیں گے، ان کی دعا سے یاجوج ماجوج کی قوم ہلاک ہوگی، ان کے ہاتھ سے شر وفساد کا دروازہ بند ہو جاوے گا، جمیع اقوام یہود ونصاریٰ وغیرہ اسلام قبول کریں گے، عدل وانصاف سے سارا زمانہ معمور ہو جائے گا، سات برس تک یہی حالت رہے گی، پھر آپ دنیا سے رحلت فرما دیں گے، یہ قصہ تمام کتب احادیث وعقاید میں مرقوم ہے اور اس پر تمام اہل سنت والجماعت کا اعتقاد ہے، ہاں بعض فرقہ ضالہ نے احادیث نزول عیسیٰؑ کو حدیث انا خاتم النبیین سے منسوخ سمجھا، اور تناقض خیال کر کے جملہ احادیث صحاح کو رد کیا، ان کی سو فہمی نے انہیں چاہ ضلالت میں ڈالا، فی الحقیقت کوئی تناقض نہیں ہے، کیونکہ اس میں شک نہیں، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا، اور جو حضرت عیسیٰؑ کا نزول آخر زمانہ میں ہوگا، سو مستقل اور جدید شریعت کے ساتھ نہیں ہوگا،

بالجملہ جمیع اہل سنت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں، اور جو شخص ان کی حیات کا منکر اور مثل یہود مردود کے قتل ہونے کا یا خود بخود فوت ہونے کا قائل ہو، اور اپنے آپ کو عیسےٰ کہتا ہو، ایسے شخص کے کفر میں کوئی شبہ نہیں، اور جو شخص ایسے اعتقاد والے کا پیرو ہو، وہ بھی احاطہ اسلام سے باہر ہے، واللہ اعلم

جواب سوال ثانی، وہ عورتیں بڑی گنہگار وفاسقہ ہیں، اور ان کے شوہر جو ان کو روکتے نہیں، وہ بلاشبہ دیوث ہیں، حررہ عبد الحفیظ عفی عنہ، ۳۰ رجب ۱۳۱۶ھ

سید محمد نذیر حسین

لہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، تمام اہل کتاب ان کی موت سے پہلے ان پر ایمان لائیں گے یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے جیسا کہ ابن عباسؓ اور ابو ہریرہؓ اور دیگر سلف صالحین نے کہا ہے، اور یہ بات بالکل ظاہر ہے، جیسا کہ تفسیر ابن کثیر اور شوکانی کی فتح القدیر میں ہے، اور فتح البیان میں بھی مذکور ہے ۱۲

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورہ زلزال کے معنی غلط سمجھے۔ وہ کہتا ہے، کہ حضرت عیسیٰ یوسف نجار کے بیٹے تھے، وہ کہتا ہے کہ حضرت رسول اکرم کو ابن مریم اور دجال کی خبر نہیں دی گئی، وہ کہتا ہے، کہ حضرت عیسیٰ کا انتقال ہوگیا، کشمیر میں قبر ہے، ایسے شخص کی اقتدا موجب نجات ہے یا نار، ایسا عقیدہ رکھنے والا کیسا ہے اور وہ مدعی ہے، کہ عیسیٰ موعود میں ہوں، اور کوئی عیسیٰ نہیں آئیگا حضرت رسول اکرم خاتم النبیین نہیں اس کے اور ایسے صدہا عقیدے ہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ ایسا عقیدہ رکھنے والا بلاشبہ دائرہ اسلام سے خارج ہے، اور ایسے شخص کی اقتدا سراسر ضلالت و موجب نار ہے، جتنی باتیں اس شخص کے سوال میں نقل کی گئی ہیں، وہ محض غلط و باطل ہیں، اور الحاد و زندقہ کی باتیں ہیں، اس نالائق شخص نے رسول کو رسول خود اللہ تعالیٰ کو جھوٹا بنایا معاذاللہ اللہ تو فرماتا ہے وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی، اور فرماتا ہے ثم ان علینا بیانہ یعنی قرآن کے معنی اور مطلب کا بیان کر دینا، اور آپ کو سمجھا دینا ہمارے ذمہ ہے اور یہ نالائق کہتا ہے، کہ آپ سورۂ زلزال کے معنی غلط سمجھے نعوذ باللہ من ذلک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قالت انی یکون لی غلام ولم یمسسنی بشر ولم اک بغیا قال کذلک قال ربک ھو علی ھین ولنجعلہ ایۃ للناس ورحمۃ منا وکان امرا مقضیا یہ آیت اور مثل اس کے اور آیتیں صاف صاف ناطق ہیں، کہ عیسیٰ بن باپ کے پیدا ہوئے اور یہ نالائق کہتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام یوسف نجار کے بیٹے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین اور یہ نالائق کہتا ہے، کہ آپ خاتم النبیین نہیں تھے، رسول اللہ صلعم تو قسم کھا کر فرماتے ہیں، کہ عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے، اور پھر آپ نے ان کے نازل ہونے کا پورا قصہ و نیز دجال کا مفصل حال بیان فرمایا ہے کما ھو مروی فی کتب الاحادیث اور یہ نالائق مردود کہتا ہے، کہ آپ کو ابن مریم اور دجال کی خبر نہیں دی گئی اور

لہ (نبی) اپنی خواہش سے نہیں بولتا وہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی وحی ہوتی ہے ۱۲ سلہ (مریم) نے کہا میرے ہاں بچہ کیسے پیدا ہوگا، کہ مجھے ابھی تک کسی آدمی نے ہاتھ نہیں لگایا اور میں بدکار بھی نہیں ہوں (فرشتہ) نے کہا تیرے رب نے ایسا ہی فرمایا ہے کہ اس کا پیدا کرنا میرے لئے بڑی آسان بات ہے۔ تاکہ ہم اس کو لوگوں کے لئے ایک نشان بنائیں اور ہماری طرف سے رحمت (کا اظہار) ہو اور اس بات کا فیصلہ ہو چکا ہے ۱۲ سلہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور آخری پیغمبر ہیں ۱۲

علیے کا انتقال ہوگیا، اور اپنے آپ کو پر مردود علیے موعود بتاتا ہے، الحاصل یہ شخص بالکل ملحد اور ضال ومضل اور دجال وکذاب ہے، جمیع اہل اسلام کو لازم ہے، کہ ایسے شخص سے نہایت ہی احتراز کریں

حررہ محمد علی عفی عنہ — سید محمد نذیر حسین

سوال:- جو شخص ہمارے نبی محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے کچھ ذرہ بھی بغض رکھے، اور تمامی جہان پر آنحضرت کے بزرگ وافضل ہونے کا قائل نہ ہو، اور شفاعت کا اور آنحضرت کے خاتم النبیین ہونے کا انکار کرتا ہو، وہ کافر ہے یا نہیں بینوا۔

الجواب:- جس نے ایسا اعتقاد رکھا، وہ کافر ہے، جنت اس پر حرام ہے، ہمیشہ دوزخ میں رہے گا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوست، وہ اللہ کا دوست، اور کوئی چاہے، کہ بعد بعثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلا وساطت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ سے دوستی رکھے وہ مردود ہے، ایسے ہی لوگوں کے واسطے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل[1] ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ اور فضیلت وبزرگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام جہان پر قرآن وحدیث سے صاف ظاہر وباہر ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اور کسی نبی کو اس لقب سے یاد نہیں فرمایا ہے، وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین اے نبی ہم نے تم کو سب کے واسطے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ میں ہے

عن[2] ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فضلت علی الانبیاء بست اعطیت جوامع الکلم ونصرت بالرعب واحلت لی المغانم وجعلت لی الارض طھورا ومسجدا وارسلت الی الخلق کافۃ وختم بی النبیون وفی روایۃ اعطیت الشفاعۃ اور دوسرے مقام میں ہے انا سید[3] ولد آدم اور خاتم الانبیاء ہونا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل آفتاب نیم روز کے کتاب اللہ وسنت رسول اللہ سے واضح ولائح ہے

---

[1] آپ کہہ دیں، اگر تم اللہ تعالےٰ سے محبت رکھتے ہو، تو میری پیروی کرو، اللہ تعالیٰ تم کو اپنا محبوب بنا لے گا ۱۲

[2] ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے دوسرے انبیاء پر چھ فضیلتیں عطا کی گئی ہیں، میں جامع کلمات عطا کیا گیا ہوں، رعب سے میری مدد کی گئی ہے، میرے لئے غنیمتیں حلال کی گئی ہیں، میرے لئے تمام زمین وضو کے قائم مقام اور مسجد بنا دی گئی ہے، میں تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، اور میرے ساتھ نبیوں کو ختم کیا گیا ہے، اور ایک روایت میں ہے مجھے شفاعت عطا کی گئی ہے

[3] میں آدم کی تمام اولاد کا سردار ہوں ۱۲

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین اور صحیح مسلم کے کتاب الفضائل میں ہے، باب کونہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین۔ عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال مثلی ومثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بنیانا فاحسنہ واجملہ الا موضع لبنۃ من زاویۃ من زوایاہ فجعل الناس یطوفون بہ ویعجبون لہ ویقولون ھلا وضعت ھذہ اللبنۃ قال فانا اللبنۃ وانا خاتم النبیین وفی روایۃ فانا موضع اللبنۃ جئت فختمت الانبیاء علیہم السلام۔

اور آنحضرتؐ کا شفاعت کرنا قیامت میں اپنی امت کے لئے بلکہ تمام امتوں کے واسطے قرآن وحدیث سے خوب صاف ہر کسی کو معلوم ہو جاتا ہے کچھ پوشیدہ امر نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا اور فرماتا ہے ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ حدیث میں ہے وعن عوف بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتانی اٰت من عند ربی فخیرنی بین ان یدخل نصف امتی الجنۃ وبین الشفاعۃ فاخترت الشفاعۃ وھی لمن مات لایشرک باللہ رواہ الترمذی وابن ماجۃ۔ وعن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال شفاعتی لاھل الکبائر من امتی رواہ الترمذی وابوداؤد

لہ محمدؐ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں، اور نبیوں کو ختم کرنے والے ہیں کلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا۔ ابوہریرہ رضہ سے روایت ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایک آدمی جیسی ہے، جس نے ایک عمارت بنایا، اور اچھا بنایا، اور بہت خوبصورت بنایا، مگر اس کے کونوں میں سے ایک گوشے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی رہ گئی، لوگ اس کے گرد پھرنے لگے، اور اس کی خوبصورتی سے تعجب کرنے لگے، اور کہنے لگے کاش اس جگہ اینٹ لگا دی جاتی، تو آپ نے فرمایا میں وہ اینٹ ہوں میں خاتم النبیین ہوں، اور ایک روایت میں ہے، میں اس اینٹ کی جگہ آگیا ہوں، سو میں نے نبیوں کو ختم کر دیا ہے ۳ ہے تم کو تمہارا رب مقام محمود میں پہنچائے گا ۴ اور آپ کو آپ کا رب اتنا دے گا، کہ آپ راضی ہو جائیں گے ۵ اور عوف بن مالک رضہ سے روایت ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا آیا، اور مجھ کو اختیار دیا، کہ یا تو میری امت میں سے نصف امت جنت میں داخل ہو جائے گی، اور یا پھر آپ شفاعت کرلیں، سو میں نے شفاعت کو پسند کرلیا، اور وہ ہر اس آدمی کے لئے ہوگی جو اس حال میں مر جائے، کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو، اس کو ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا، اور انس رضہ سے روایت ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ والوں

ابن ماجہ عن جابر۔ اور ایک بڑی حدیث میں بخاری ومسلم کے آیا ہے، کہ قیامت یعنی حشر کے روز سب لوگ واسطے طلب شفاعت کے آدم ونوح وموسیٰ وعیسیٰ تمام انبیاء علیہم السلام کے پاس جاویں گے وہ سب اپنا اپنا قصور بیان کریں گے، شفاعت نہیں کریں گے، حضرت عیسیٰ فرماویں گے، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ، حضرت کے پاس آویں گے، پہلے دروازہ شفاعت کا ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھولیں گے، بعدہ سب شفاعت کریں گے، حضرت کے آگے کسی کی دم مارنے کی طاقت نہیں رہے گی، اللہ تعالیٰ حد مقرر فرما دے گا، اس کے موافق حضرت بار بار حکم اللہ کا لینے جاویں گے، سجدہ کرنے جاویں گے، اور شفاعت کرتے جاویں گے، اور صدہا احادیث اسی مضمون کی صحاح ستہ وغیرہ میں موجود ہیں، جس کا جی چاہے، وہ دیکھ لے، اور بعد اس کے بھی جو شخص حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی اور خاتم ہونے کا، اور قیامت میں شفاعت کرنے کا منکر ہو، تو موجب آیت ماذا بعد الحق الا الضلال گمراہ، کافر، خالد مخلد دوزخ کا کندہ بن رہے گا۔ المجیب ابو البرکات محمد عبد الحی تقی عرف صدر الدین احمد حیدر آبادی۔

الجواب صحیح والرای نجیح ومنکرہا مردود کافر۔ حررہ العاجز محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ پنجاب کے بعض عالم کہتے ہیں، کہ دجال کا کچھ وجود نہیں، دجال یہی حاکم ظالم ہیں اور جنت ونار اس کی یہی ریل گاڑی ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہوگئے، عیسیٰ موعود میں ہوں، اس واسطے علمائے دیندار اہل سنت والجماعت سے استفتاء ہے، کہ پنجاب کے اس عالم کے یہ اقوال سچ ہیں یا محض غلط، بیان کرو، کہ عوام کا شک وشبہ رفع دفع ہوجاوے۔

الجواب:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بارہ تیرہ صحابی وصحابیہ حذیفہ بن اسید الغفاری وابوہریرہ وعمران بن حصین وعبداللہ بن مسعود وانس بن مالک وحذیفہ بن یمان، ونواس بن سمعان وابوسعید خدری وابی بکرہ وفاطمہ بنت قیس وعبداللہ بن عمرو وابی عبیدۃ بن الجراح واسماء بنت یزید بن السکن ومغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم روایت کرتے ہیں، کہ قرب قیامت کے دجال ظاہر ہوگا، اور شبیہ عبدالعزیٰ بن قطن کے ہوگا، کہ یہ مشرکین میں سے گذرا ہے، اور وہ مثل ابر کے تمام دنیا میں پھیل جاتے گا، اور قیام اس کا چالیس دن ہوگا، ایک دن مثل برس کے، اور ایک دن مہینے بھر کا ہوگا، اور ایک دن ہفتہ بھر کا ہوگا، باقی دن اپنے حال پر بدستور رہیں گے، صحابہ نے عرض کیا، کہ برس

کے مرتکب لوگوں کے لئے ہوگی، اس کو ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت جابر رضہ سے روایت کیا ہے ۱۲

دن کی نماز کیوں کر ادا ہوگی، آیا ایک دن کی نماز کافی ہوگی، فرمایا نہیں، وقت کا اندازہ کر کے پانچوں نماز پڑھتے رہنا، اور مشکوٰۃ شریف باب العلامات بین یدی الساعۃ وذکر الدجال میں دجال کا احوال دیکھنا چاہیئے، یہاں ایک دو حدیثیں نقل کی جاتی ہیں، اور دجال کے بعد حضرت عیسیٰ اتریں گے، اور وہ دجال کو قتل کریں گے، اور مشکوٰۃ میں ایک خاص باب نزول عیسیٰ علیہ السلام کا منعقد کیا ہے سب احوال عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا اس باب میں دیکھنا چاہیئے، اور عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا بیان صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں مفصلاً مذکور ہے، اور قرآن شریف میں سورہ زخرف سے نازل ہونا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صاف واضح ہوتا ہے۔ وانہ ای عیسی لعلم للساعۃ تعلم بنزولہ وقرأ ابن عباس بفتحتین للمبالغۃ کذا فی الکمالین۔ اور اسی طرح سے تفسیر مدارک و بیضاوی وکبیر و معالم وغیرہ میں مذکور ہے،

وانہ بدرستیکہ عیسیٰ علیہ السلام لعلم للساعۃ علم است مر ساعت را یعنی بدو بدانید کہ نزدیک است قیامت چہ یکے از علامات قیامت نزول عیسیٰ علیہ السلام است کہ بعد از تسلط دجال از آسمان بر زمین فرود آید نزدیک منارۂ بیضاء در طرف شرقی دمشق وجامہ رنگین پوشیدہ باشد و ہر دو کف دست خود را بر بالہائے دو فرشتہ نہادہ و رخسارہ مبارکش عرق کردہ چون سر در پیش افگند قطرات از روئش ریزان گردد و چون سر بالا کند آن قطرہا بر روئے وے چون مروارید روان شود، و نفس وے بر ہر کافر کہ رسد بمیرد، و ہر جا کہ چشم وے افتد نفس وے برسد، پس در طلب دجال روان گردد، و در باب لد کہ موضعے است در ولایت شام بدو رسد و او را بکشد، آنگہ یاجوج ماجوج بیرون آیند، و عیسیٰ علیہ السلام بکوہ طور برد مومنان را و آنجا متحصن گردد، از القصہ چون معلوم شد، کہ عیسیٰ علیہ السلام نشانہ قرب قیامت است کذا فی التفسیر الحسینی،

اور اس آیت کی مفسر حدیثیں صحاح ستہ کی ہیں، کما لا یخفی علی الماہر بہذا الفن، پس منکر نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فاسق ہے، بلکہ کافر کیونکہ صریح نص کا منکر ہے اور تاویل اس کی باطل اور مردود خلاف سبیل مومنین کے ہے، ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدی و یتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولی ونصلہ جھنم، الی اخر الایۃ کا مصداق

لہ اور وہ یعنی عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی نشانی ہیں، آپ کے نازل ہونے سے قیامت کے وقت کا قرب معلوم ہو جائے گا عبداللہ بن عباس لعلم کو مبالغہ کے لئے بفتحتین پڑھتے تھے، کمالین میں ایسا ہی منقول ہے ۱۲ ؎ جو آدمی ہدایت واضح ہو جانے کے بعد بھی رسول کی نافرمانی کرے، اور ایمانداروں کی راہ چھوڑ کر کوئی اور راہ اختیار کرے تو ہم اس کو جدھر جاتا ہے جانے دیں گے اور بالآخر اس کو جہنم میں ڈالدیں گے ۱۲

ہے وانہ لعلم للساعۃ وان عیسی لعلم للساعۃ ای شرط من اشراطہا تعلم بہ فسمی الشرط الدال علی الشئی علما لحصول العلم بہ وقرأ ابن عباس لعلم وھو العلامۃ انتہی ما فی التفسیر الکبیر مختصرًا وانہ لعلم للساعۃ یعنی نزولہ من اشراط الساعۃ تعلم بہ وقرأ ابن عباس وابو ھریرۃ وقتادۃ وانہ لعلم للساعۃ بفتح اللام والعین ای امارۃ وعلامۃ۔ انتہی ما فی معالم التنزیل۔

مشکوۃ کے باب العلامات بین یدی الساعۃ وذکر الدجال میں ہے عن النواس بن سمعان رضی اللہ عنہ قال ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدجال وقال ان یخرج وانا فیکم فانا حجیجہ دونکم وان یخرج ولست فیکم فامرء حجیج نفسہ واللہ خلیفتی علی کل مسلم انہ شاب قطط عینہ طافیۃ کانی اشبھہ بعبد العزی بن قطن فمن ادرکہ منکم فلیقرأ علیہ فواتح سورۃ الکہف وفی روایۃ فلیقرأ علیہ بفواتح سورۃ الکہف فانہا جوارکم من فتنتہ انہ خارج خلۃ بین الشام والعراق فعاث یمینا وعاث شمالا یا عباد اللہ فاثبتوا قلنا یا رسول اللہ وما لبثہ فی الارض قال اربعون یوما یوم کسنۃ ویوم کشہر ویوم کجمعۃ وسائر ایامہ کایامکم قلنا یا رسول اللہ فذلک الیوم الذی کسنۃ ایکفینا فیہ صلوۃ یوم قال لا اقدروا لہ قدرہ قلنا یا رسول اللہ وما اسراعہ فی الارض قال کالغیث استدبرتہ الریح فیاتی علی القوم فیدعوھم فیؤمنون بہ فیامر السماء فتمطر والارض فتنبت فتروح علیہم سارحتہم اطول ما کانت ذری واسبغہ ضروعا وامدہ خواصر ثم یاتی القوم فیدعوھم فیردون علیہ قولہ فینصرف عنہم فیصبحون ممحلین لیس بایدیہم شئی من اموالہم ویمر بالخربۃ فیقول لہا اخرجی کنوزک فتتبعہ کنوزھا کیعاسیب النحل ثم یدعو رجلا ممتلیا

---

[1] اور وہ قیامت کا ایک نشان ہیں یعنی عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں، ان کے آنے سے قیامت کا وقت قریب ہونا معلوم ہو جائے گا۔ شرط دال علی الشئی کو علم سے تعبیر کیا کیونکہ ان کے آنے سے قیامت کا علم ہو جائے گا۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کو عَلَم پڑھا ہے جس کے معنی نشانی ہیں تفسیر کبیر کا خلاصہ ختم ہوا۔ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول قیامت کی نشانیوں میں سے ہے، عبداللہ بن عباس، ابوہریرہ، قتادہ وغیرہ نے اس کو عَلَم پڑھا ہے، جس کے معنی علامت اور نشانی ہے ۱۲

شابا فیضربه بالسیف فیقطعه جزلتین رمیة الغرض ثم یدعوه فیقبل یتهلل
وجهه یضحك فبینما هو كذلك اذ بعث الله المسیح بن مریم فینزل عند المنارة
البیضاء شرقی دمشق بین مهرودتین واضعا كفیه علی اجنحة ملكین اذا طاطا
راسه قطر واذا رفعه تحدر منه مثل جمان كاللؤلؤ فلا یحل لكافر یجد من ریح
نفسه الا مات ونفسه ینتهی حیث ینتهی طرفه فیطلبه حتی یدركه بباب لد
فیقتله ثم یاتی عیسی قوم قد عصمهم الله منه فیمسح عن وجوههم و
یحدثهم بدرجاتهم فی الجنة فبینما هو كذلك اذ اوحی الله الی عیسی انی قد
اخرجت عبادا لی لا یدان لاحد بقتالهم فحرز عبادی الی الطور فیبعث الله
یاجوج وماجوج وهم من كل حدب ینسلون فیمر اوائلهم علی بحیرة طبریة
فیشربون ما فیها ویمر اخرهم فیقول لقد كان بهذه مرة ماء ثم یسیرون
حتی ینتهوا الی جبل الخمر وهو جبل بیت المقدس فیقولون لقد قتلنا من
فی الارض هلم فلنقتل من فی السماء فیرمون بنشابهم الی السماء فیرد الله علیهم
نشابهم مخضوبة دما ویحصر نبی الله واصحابه حتی یكون راس الثور لاحدهم
خیرا من مائة دینار لاحدكم الیوم فیرغب نبی الله عیسی واصحابه فیرسل
الله علیهم النغف فی رقابهم فیصبحون فرسی كموت نفس واحدة ثم یهبط
نبی الله عیسی واصحابه الی الارض فلا یجدون فی الارض موضع شبر الا ملأه
زهمهم ونتنهم فیرغب نبی الله عیسی واصحابه الی الله فیرسل الله طیرا كاعناق
البخت فتحملهم فتطرحهم حیث شاء الله وفی روایة تطرحهم بالنهبل و
یستوقد المسلمون من قسیهم ونشابهم وجعابهم سبع سنین ثم یرسل
الله مطرا لا یكن منه بیت مدر ولا وبر فیغسل الارض حتی یتركها كالزلفة ثم
یقال للارض انبتی ثمرتك وردی بركتك فیومئذ تاكل العصابة من الرمانة
ویستظلون بقحفها ویبارك فی الرسل حتی ان اللقحة من الابل لتكفی الفئام
من الناس واللقحة من البقر لتكفی القبیلة من الناس واللقحة من الغنم لتكفی
الفخذ من الناس فبینما هم كذلك اذ بعث الله ریحا طیبة فتاخذهم تحت
اباطهم فتقبض روح كل مؤمن وكل مسلم ویبقی شرار الناس یتهارجون فیها

تمارج الحمر فعلیھم تقوم الساعۃ رواہ مسلم وکا الروایۃ الثانیۃ وھی قولہم تطرحہم بالنہبل الی قولہ سبع سنین رواہ الترمذی

حضرت نواس بن سمعان رضہ کہتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر کیا پس فرمایا اگر وہ میری موجودگی میں ظاہر ہوا، تو تم سب کی طرف سے میں اس سے جھگڑوں گا، اگر میرے بعد نکلا، تو ہر ایک شخص خود اس سے جھگڑلے گا، اور اللہ میرا خلیفہ ہے، ہر مسلمان پر وہ دجال جوان ہوگا، گھونگروالے بال والا اس کی آنکھ نکلی ہوئی ہوگی، یعنی کانا ہوگا، پس ایسا ہوگا، جیسے عبدالعزی بن قطن کو جانتے ہو سو جو اس کو پاوے، تو اس پر سورہ کہف کی ابتدائی آئتیں ضرور پڑھ لے، کیونکہ وہ اس کے فتنہ سے اس کو بچائیں گی، وہ شام اور عراق کے درمیان میں سے نکلنے والا ہے، اور دائیں بائیں دکیا بلکہ ہر طرف بھوڑنے والا ہے، سوائے اللہ کے بندو ثابت رہنا، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ زمین میں کس قدر ٹھہرا رہے گا، فرمایا چالیس دن، ایک دن سال بھر کا، ایک دن مہینہ بھر کا، ایک دن ہفتہ بھر کا، اور باقی دن یہ تمہارے معمولی دن ہوں گے ہم نے عرض کیا، یا حضرت تو اس سال بھر کے دن میں ایک دن کی نماز ہم کو کافی ہوگی یا نہ فرمایا نہیں، ان معمولی دلوں کے انداز سے پڑھتے رہنا اور مہینے اور ہفتے بھر کا دن بھی اسی قیاس پر ہم نے پوچھا، حضرت اس کا جلد جلد پھرنا زمین میں کیسا ہوگا، فرمایا جیسے ہوا ابر کو پھیلاتی ہے، سو وہ دجال ایک قوم کے پاس آئے گا، اور ان کو اپنے دین کی طرف بلائے گا، وہ اس کا کہنا مان لیں گے، تو آسمان کو حکم کرے گا خوب بارش ہوگی، اور زمین میں سبزی خوب اگے گی، اور ان کے مویشی کھا کھا کر خوب پلیں گے، اور دودھیلے ہوں گے، اور ایک قوم کے پاس آئے گا ان کو بھی اپنی طرف بلائے گا، وہ اس کا کہنا نہ مانیں گے، وہاں سے چلا آئے گا، اور وہاں بارش بند ہو جائے گی، اور وہ لوگ نہایت مفلس ہو جائیں گے، پاس کچھ بھی نہ رہے گا، اور کھنڈر آئیں جائے گا، اس کو کہے گا، اپنے سب خزانے نکال، تو سب کے سب دفینے نکل کر اس کے ساتھ شہد کی مکھیوں کی طرح ہولیں گے، اور پھر ایک جوان کو بلا دے گا، اور پھر اس کو تلوار سے مار کر دو ٹکڑے کر دے گا، اور ادھر ادھر نشانے کی طرح پھینک دے گا، اور پھر اس کو بلا کر دوبارہ مارے گا، اور وہ شخص منہ چمکتا ہوا ہنسے گا، سو دجال اسی اوج موج میں ہوگا، کہ اتنے میں اللہ تعالیٰ مسیح عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو (آسمان سے) اتارے گا، سو وہ دو رنگین کپڑے پہنے ہوئے دمشق کے مشرقی سفید منارہ پر اتریں گے، دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے سر کو جھکا لیں گے

تو پسینے کے قطرے گریں گے، اور جب سر اٹھا دیں گے، تو موتیوں کے سے قطرے اتریں گے
سو جس کافر کو ان کے سانس کی بو پہنچے گی، بس مر ہی جائے گا، اور جہاں تک ان کی نظر پہنچے گی
وہیں تک ان کا سانس پہنچے گا، سو اس کو باب لُد پہ پاکر مار ڈالیں گے، فقط
یہ ترجمہ ہم نے نواس بن سمعان کی حدیث کا بقدر ضرورت کیا ہے، سو سائل کو ثبوت خروج
دجال اعور حقیقی لعنہ اللہ اور نزول حضرت عیسیٰ مسیح ابن مریم علیہما السلام میں کافی وافی شافی ہے
جس کو تفصیل درکار ہو مشکوٰۃ شریف میں پورے باب کو تحقیق کی نظر سے دیکھ لے، یہی خلاصہ
صحاح ستہ وغیرہ کتب حدیث کا ہے، اگر کوئی زمانے تو اس کو اختیار ہے، اور وہ بعض
عالم پنجاب کے جو اس کے خلاف کے قائل ہیں، وہ نادان، جاہل و پاگل اور کاذب ہیں،
بلکہ اہل علم کے زمرے کی بو سے بھی بے نصیب اور محروم ہیں، اور منجملہ فرق اہل الحاد ہیں نعوذ
باللہ من شرہ۔ حررہ ابو اسمٰعیل یوسف حسین الخانپوری عفی عنہ

وانہ لعلم للساعۃ، اور بے شک عیسیٰ علیہ السلام خبر دینے والے ہیں قیامت
کی یعنی ان کا اترنا آسمان سے ایک نشانی ہے قیامت کی، دجال کے پیدا ہونے کے بعد
حضرت عیسیٰ علیہ السلام آویں گے، اور دجال کو قتل کریں گے، پھر یاجوج ماجوج پیدا ہو کر سارے
عالم کو خراب کریں گے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام مومنوں کو لے کر کوہ طور پر جا کر چھپیں گے غرضکہ
حضرت عیسیٰ علیہ السلام نشانی ہیں قیامت کی، تمام ہوئی عبارت شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ
اللہ علیہ کی، پس پنجاب کا وہ عالم بلاشبہ نصوص مذکورہ بالا کا منکر ملحد ہے، بلکہ کافر کما لا
یخفی علی الماہر بالشریعۃ الغراء حررہ خادم العلماء الطاف حسین فاضلپوری

فی الواقع جواب اول و دوم بلاریب صحیح ہے، کیونکہ قریب قیامت کے ظاہر ہونا دجال
کا، بعد اس کے اترنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اور قتل کرنا دجال کا برحق ہے، اور منکر
اس کا ضال مضل و ملحد و بدین اور مخالف اجماع مسلمین کے ہے، چنانچہ کتب صحاح ستہ
و دیگر کتب سیر اس پر شاہد عدل ہیں، اور تاویل مرزا قادیانی، اور اس کے حواری کی نزدیک
اہل حق کے باطل و مردود ہے۔ سید محمد نذیر حسین

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص اپنی تعلی میں باوصفے کہ
افراد انسانی میں سے ایک فرد مبتذل ہو انبیاء کرام سے اپنی برتری بیان کرے، اور اس شعر کے
ساتھ تفاخر کناں ہو کر اپنی بڑائی میں زبان کو نجاست آلود کرے، شعر

تکیہ ام بر ذات پاکت بر عصا زعمش بود — از کلیم اللہ علیٰ پایہ بالا رسے من!

آیا بسبب اہانت اور استخفاف انبیاء اللہ کے یہ شخص کافر ہے یا باوجود ایسی دریدہ دہنی اور بے ادبی کے ہنوز مومن ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:- درصورت مرقومہ مستفتی وصدق سائل جو شخص کہ اپنے تئیں افضل اور اکمل اور برتر تمامی انبیاء سے جانے اور کہے، وہ بلاشک کافر ہے اور بے تامل قابل قتل ہے، اور وہ بلاریب مُہین اور منقص اور مستخف انبیاء علیہم السلام کا ہے، اور منکر قرآن اور احادیث متواتر کا، رسول بحسب اعتقاد اس شخص کے مفضول ہوئے، اور یہ فاضل حالانکہ تفضیل نبی کی امتی پر قرآن اور احادیث اور اجماع سے ثابت ہے، اور باوجود اس عقیدہ مذمومہ کے بطعن پیش آوے اور تفوہ کرے، کہ میرا تکیہ اور اعتماد او پر ذات الٰہی کے ہے، اور حضرت موسیٰ کا تکیہ اوپر عصا کے معاذ اللہ! پھر کون سا امر کہ کفر میں شک رہا، رہی یہ بات کہ اگر ایسا شخص توبہ کرے، تو اس کی توبہ مقبول ہے یا نہیں بعضے ائمہ دین حکم دیتے ہیں کہ اس کو قتل کیا جائے اور توبہ نہ قبول کی جائے، اور بعضے کہتے ہیں، کہ توبہ قبول کی جائے، کتاب الشفا فی حقوق المصطفیٰ میں ہے من[1] شتم الانبیاء واحدا منھم او تنقصہ قتل ولم یستتب الخ وقال ابوحنیفۃ واصحابہ علی اصلھم من کذب باحد من الانبیاء او تنقص احدا منھم او برئ منہ او شك فی شئ من ذلك فھو مرتد فقط

| از محمد یعقوب و ارد امید شفاعت | محمد شفیع |

الجواب صحیح | سید محمد نذیر حسین |

سوال کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ ایک شخص اہل علم ابتدائے دین محمدی میں تھا، رفتہ رفتہ چلہائے غیر مشروعہ مروجہ صوفیہ میں منہمک ہوا، اور گاہے مذہب نیچری کو اور گاہے مذہب عیسائی کو ٹھیک بتاتا ہے، بعض لوگوں نے اس کو ان کے معابد میں شامل ہوتے دیکھا، اس کا والد کہتا ہے، کہ اس کو خفقان ہے، اب اس شخص کا کیا حکم ہے، زید کہتا ہے کہ یہ شخص اگر توبہ کرے، تو اس کے ساتھ سلام وکلام وشادی وغمی میں شامل ہونا درست ہے لیکن برادر کے ہوتے ہوئے، اور امام کے ہوتے ہوئے اس کو امام وسردار نہ بنانا چاہیئے، اور حدیث شریف

---

[1] جو آدمی کسی نبی کو گالی دے، یا اس کی توہین کرے، اس کو قتل کر دیا جائے، اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے الخ اور امام ابوحنیفہ اور آپ کے شاگردوں کا فتویٰ ہے، کہ جو شخص کسی نبی کو جھٹلائے یا اس کی توہین کرے، یا اس سے بیزاری کا اظہار کرے یا اس کی نبوت میں شک کرے، وہ کافر ہے ۱۲۔

اس سے نہ قبول کرنی چاہیئے، اگر وہ شخص نماز پڑھتا ہو اور کوئی شخص اس کی اقتدا کرے تو جائز ہے، پس ایسے شخص کو سردار وغیرہ بنانا درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ جو شخص ادیان باطلہ کفریہ کی صراحتہً تصویب کرے، اور ساتھ اس کے ان کے معابد میں بھی شامل ہو، تو وہ باتفاق اہل علم کافر ہے، ایسا شخص اگر توبہ صحیحہ کرے جس کے آثار علانیہ پائے جائیں، تو البتہ وہ دائرہ اسلام میں داخل ہوگا، اور جمیع احکام میں مثل سائر اہل اسلام کے ہوگا، اس کے ساتھ سلام و کلام اور اس کی شادی وغمی میں شریک ہونا اور نماز میں اس کی اقتدا کرنا وغیرہ سب کچھ جائز ودرست ہوگا، رہا یہ امر کہ بعد توبہ صحیحہ کے اس کو سردار وامام بنانا درست ہے یا نہیں، سو واضح ہو کہ ہر مسلمان سرداری وامامت کی قابلیت واہلیت نہیں رکھتا ہے، اس منصب جلیل کی شرعاً جو اہلیت وقابلیت رکھے، اس کو بنانا چاہیئے، رہی یہ بات کہ شخص مذکور کو خفقان یا جنون ہے یا نہیں، سو واضح ہو کہ خفقان یا جنون امراض مشاہدہ وبدیہیہ سے ہیں اگر اس شخص میں خفقان یا جنون کے آثار وعلامات پائے جاتے ہیں، تو یہ شخص مجنون یا مبتلا بخفقان قرار دیا جاوے گا، ورنہ نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ محمد عبد الحق ملتانی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں، علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہ عقیدہ رکھنا کیسا ہے کہ کوئی بشر کچھ نہیں کرسکتا ہے، جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے، ایک حضرت جاہل مسلمانوں میں نہایت زور کے ساتھ علی الاعلان عقیدہ مندرجہ بالا کو کہتے ہیں، کہ خاص اہل سنت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے، پس سوال یہ ہے، کہ اگر ایسا ہی عقیدہ عند الشرع درست ہے اور خاص اہل سنت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے، تو سب کو تسلیم کرنا چاہیئے، اور اگر عند الشرع درست نہیں ہے اور خلاف عقیدہ اہل سنت ہے، تو جواب شافی فرمایا جائے کہ ایسے عقیدے والے کا کیا حکم ہے، اور ایسے شخص کے پیچھے نماز بھی ہوگی یا نہیں، کیونکہ غریب ناواقف مسلمان گرداب بلا میں مبتلا ہوکر تباہ ہو جاویں گے، یہ معاملہ عقائد کا ہے، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ اگر شخص مذکور کا یہ مطلب ہے، کہ نفع وضرر حقیقت میں خدا ہی کی جانب سے ہوتا ہے، خدا کے سوا کسی اور میں یہ طاقت نہیں ہے، کہ کسی کو بغیر اذن خدا کے نفع وضرر پہنچاوے تو یہ عقیدہ بے شک اہل سنت والجماعت کا ہے، اور ایسا ہی عقیدہ ہر مسلمان کو رکھنا چاہیئے اس عقیدہ کے حق ہونے پر متعدد آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ صاف اور صریح طور پر دلالت

کرتی ہیں قال اللہ تعالیٰ[1] قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ما شاء اللہ، اور اگر شخص مذکور کا یہ مطلب ہے کہ انسان مجبور محض ہے، اس کو کچھ بھی اختیار نہیں ہے، اس کے حرکات مثل جمادات کے ہیں، تو یہ عقیدہ بالکل غلط و باطل ہے، اور یہ عقیدہ فرقہ جبریہ کا ہے، ایسے عقیدہ باطلہ سے ہر مسلمان کو بچنا فرض ہے، ایسے عقیدے سے ان آیتوں کا انکار لازم آتا ہے ھل[2] تجزون الا ما کنتم تعملون۔ فمن شاء فلیؤمن[3] ومن شاء فلیکفر۔ جزاء[4] بما کانوا یعملون ایسے عقیدہ باطلہ والے کے پیچھے نماز پڑھنے سے احتراز چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں، علمائے دین ان مسائل میں:۔

(۱) زید مریض کو دیکھ کر بولا کہ اکثر حکماء یوں کہتے ہیں کہ ہماری دوا استعمال کرتے ہی اس مریض کو آرام ہوگا حالانکہ آرام نہیں ہوتا ہے، اس پر خالد نے بنگلہ میں بطور استفہام انکاری کے یوں کہا کہ جس کا ترجمہ اردو میں یہ ہوتا ہے، کہ کیا وہ لوگ خدا کے خالہ زاد بھائی ہیں، آیا اس کہنے پر خالد عاصی ہوگا یا نہیں؟

(۲) اگر سہواً یا خطاءً کلمہ کفر کسی مومن کی زبان پر جاری ہو، اس کا کیا حکم ہے، کافر ہوگا یا نہیں؟

(۳) اگر کوئی شخص خالد مذکور یا شخص خاطی مذکور کو کافر کہے، اس پر کیا حکم ہے، بینوا بالدلیل والبرھان توجروا عند الرحمٰن۔

الجواب:۔ (۱) ہرگز خالد عاصی نہیں، کیونکہ قول خالد کا یہاں بطور استفہام انکاری کے ہے اور استفہام انکاری جس پر داخل ہوتا ہے، اس کا خلاف مقصود ہوتا ہے یعنی اگر مثبت پر داخل ہو، تو مراد منفی ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا ہے[5] فارجع البصر ھل تری من فطور، اور اگر استفہام انکاری منفی پر داخل ہو، تو مراد مثبت ہوتا ہے، جیسا کہ قول اللہ پاک کا "الیس[6] ذلک بقادر علی ان یحیی الموتی وقولہ تعالیٰ۔ الیس[7] اللہ باحکم الحاکمین، اور جب استفہام بلا قرینہ ہو، تو

[1] (آپ) کہہ دیجئے، کہ میں اپنی جان کے نفع اور نقصان کا مالک بھی نہیں ہوں، مگر جو اللہ چاہے (وہی ہوگا) ۱۲

[2] تم صرف وہی بدلہ دیئے جاؤ گے جو تم کیا کرتے تھے ۱۲ [3] پھر جو شخص چاہے ایمان لے آئے، اور جو چاہے کفر کرے ۱۲ [4] بدلہ ہے اس چیز کا جو وہ کیا کرتے تھے ۱۲ [5] اپنی نگاہوں کو بار بار گھماؤ، کیا تم کسی قسم کا نقص دیکھتے ہو؟ ۱۲ [6] کیا یہ (خدا) اس بات پر قادر نہیں ہے، کہ مردوں کو زندہ کرسکے ۱۲ [7] کیا خداوند تعالیٰ سب حاکموں کے حاکم نہیں ہیں ۱۲

دو احتمال رکھتا ہے، تقریری اور انکاری لیکن متکلم جو مراد لے گا، وہی متعین ہوگی، اس کو متکلم ہی خوب جانتا ہے غیر کو کیا دخل ہے، اور اگر قرینہ خواہ حالیہ یا مقالیہ موجود ہو، تو مخاطب بھی سمجھ سکتا ہے، اور اس محل میں قرینہ مقالیہ موجود واظہر من الشمس ہے، کیونکہ جب زید بولا، کہ اکثر حکما یوں کہتے ہیں، کہ ہماری دوا استعمال کرتے ہی اس مریض کو آرام ہوگا، حالانکہ آرام نہیں ہوتا ہے، اس پر خالد بولا، کہ کیا وہ لوگ خدا کے خالہ زاد بھائی ہیں، یعنی نہیں ہیں، کیونکہ اگر ہوتے، تو آرام کیوں نہیں ہوتا، پس کلام زید کا قرینہ ہے اس بات پر کہ کلام خالد میں استفہام انکاری ہے، پس جب کہ خالد انکار کر رہا ہے، کہ وہ لوگ خدا کے خالہ زاد بھائی نہیں ہیں، اور اس کے لئے قرینہ بھی موجود ہے، تو خالد اس کلام کے کہنے پر عاصی نہیں ہوگا۔

(۲) سہواً یا خطاءً کلمہ کفر کہنے سے مسلمان کافر نہیں ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے رفع[1] عن امتی الخطاء والنسیان۔ وفی[2] العالمگیریۃ۔ الخاطی اذا جری علی لسانہ کلمۃ الکفر خطاء بان کان یرید ان یتکلم بما لیس بکفر فجری علی لسانہ کلمۃ الکفر خطاً لم یکن ذلک کفرا عند الکل کذا فی فتاوی قاضی خاں

(۳) جب عدم کفر خالد شخص خاطی مذکور کا قرآن وحدیث وفقہ سے ثابت ہوا، تو اب جو شخص ان دونوں کو یا ایک کو کافر کہے گا، وہ خود کافر ہے، جیسا کہ صحیح بخاری شریف جلد ثانی صفحہ ۸۹۲ میں ہے عن[3] ابی ذر انہ سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یرمی رجل رجلا بالفسوق ولا یرمیہ بالکفر الا ارتدت علیہ ان لم یکن صاحبہ کذلک۔ ھکذا احکم الکتاب

حررہ محمد حمید الرحمن | سید محمد نذیر حسین

ھو الموفق:۔ اگرچہ خالد نے جس مقصود وغرض سے کلمہ مذکورہ (یعنی کیا وہ لوگ خدا کے خالہ زاد بھائی ہیں) کو استعمال کیا ہے، اس مقصود وغرض کے لحاظ سے وہ بے شک عاصی نہیں ہے، مگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شان میں اس کا استعمال کرنا سوء ادب سے خالی نہیں ہے، مثال کے طور پر

---

[1] میری امت سے خطاء اور نسیان اٹھالیا (معاف کر دیا) گیا ہے ۱۲ [2] فتاوی عالمگیری میں ہے کہ اگر غلطی سے کسی گنہگار کی زبان پر کفر کا کلمہ جاری ہو جائے، اس طرح کہ وہ کوئی ایسی بات کہنا چاہتا تھا، جو کفر نہیں تھی لیکن غلطی سے اس کی زبان سے کفر کا کلمہ نکل گیا، تو یہ سب کے نزدیک بالاتفاق کفر نہیں ہے، فتاوی قاضیخاں میں بھی اسی طرح ہے ۱۲ [3] حضرت ابوذر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے، جو آدمی کسی کو فاسق ہونے کی تہمت لگائے، یا اسے کافر کہے تو اگر وہ آدمی فاسق یا کافر نہ ہو، تو وہ فسق یا کفر فتوی کہنے والے پر لوٹ آتا ہے، قرآن مجید کا فیصلہ بھی یہی ہے ۱۲

سمجھو، کہ اگر خالد مذکور کی شان میں کوئی شخص استفہام انکاری کے طریقہ پر یوں بولے، کہ کیا خالد بدمعاش ہے، یا یوں بولے، کہ کیا خالد حرامزادہ ہے، تو خالد کو یہ کلمہ ضرور ناگوار و ناپسند ہوگا، اور ہرگز اپنے لئے ایسے کلمہ کے استعمال کرنے کی اجازت نہیں دے گا، اگرچہ استفہام انکاری کے طریقہ پر اس کلمہ کے بولنے سے مطلب یہ ہے، کہ خالد بدمعاش نہیں ہے، اور خالد حرامزادہ نہیں ہے، پس اسی طور سے سمجھو، کہ اگرچہ خالد کا مطلب یہ ہے، کہ وہ لوگ خدا کے خالہ زاد بھائی نہیں ہیں، مگر یہ کلمہ ہرگز اس قابل نہیں ہے، کہ جناب باری جل و علیٰ کی شان میں استعمال کیا جائے، پس خالد کو چاہئے، کہ آئندہ اس کلمہ کے بولنے سے احتراز کرے، اور جس مطلب کے ادا کرنے کے لئے اس کلمہ کو بولا ہے، وہ اور کلمات سے بھی ادا ہو سکتا ہے۔ کتبہ محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سوال: ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین سوالات مندرجہ ذیل میں:۔

(۱) نحوست انسان بالخصوص عورات از روئے شرع شریف ثابت ہے یا نہیں مثلاً کسی عورت کے کسی حصہ بدن پر بالخصوص پشت پر بال وھبوتری ہو جس کو عوام جہلا بتقلید مذہب ہنود ساپن کے نام سے تعبیر کرتے ہیں، اور ایسی عورت کے ساتھ نکاح کرنے کو باعث ہلاکت زوج اعتقاد کرتے ہیں، ثابت ہے یا نہیں؟

(۲) بصورت اخیر ایسا اعتقاد کرنا داخل شرک ہے، یا معصیت کبیرہ یا صغیرہ۔

(۳) اگر شرک ہے، تو کیا اس قسم کے شرک میں داخل ہے، جس کے معتقد کا نکاح باطل ہو جاتا ہے؟

الجواب: ۔ شوم و نحوست کے بارے میں حدیثیں مختلف آئی ہیں، ان احادیث مختلفہ کی تطبیق و توفیق کے متعلق شیخ عبد الحق محدث دہلوی ترجمہ مشکوۃ میں لکھتے ہیں:۔

"بدانکہ احادیث واردہ در باب طیرہ مختلف آمدہ، از بعضے نفی تاثیر طیرہ و نہی از اعتقاد و اعتبار آن مطلق مفہوم گردد، و این بسیار است و از بعضے ثبوت آن در مرأۃ و دابہ و دار بصیغہ جزم چنانکہ در حدیث بخاری و مسلم آمدہ انما الشوم فی ثلاث الفرس والمرأۃ والدار و در روایتے در ربع و خادم و فرس یا بلفظ شرط چنانکہ درین حدیث (یعنی حدیث ابی داؤد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا ھامۃ ولا عدوی ولا طیرۃ وان تکن الطیرۃ فی شیء ففی الدار والفرس والمرأۃ) و مانند آن آمدہ و از بعضے انکار ثبوت شوم، و این امور مثل سائر امور چنانکہ در حدیث ابن ابی ملیکہ از ابن عباس آمدہ، و در بعضے احادیث آمدہ کہ اعتقاد شوم درین امور در اہل جاہلیت بود، چنانکہ در حدیث عائشہ رض آمدہ، و وجہ تطبیق آنکہ تاثیر بالذات منفی است و اعتقاد

آن از امور جاہلیت است، ومؤثر در کل اشیاء اللہ تعالیٰ است، وہمہ بخلق وتقدیر او ست و
اثبات آن درین اشیاء بجریان عادۃ اللہ است کہ پیدا کردہ وانہا را اسباب عادیہ ساختہ
وحکمت در تخصیص آن اشیاء بخصائص واحوال موکول ومفوض بعلم شارع است پس نفی راجع بتاثیر
ذاتی است واثبات بسبب عادی، چنانکہ در عدوی وجذام وامانند آن گفتہ اند وبعضے گفتہ اند،
کہ مراد آن است کہ تطیر در ہیچ چیز نیست، واگر فرض کردہ شود ثبوت وے درین اشیاء مظنہ و
محل آن است وجائے آن دارد، کہ درینہا ثابت باشد بر طریقہ قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
لوکان شئی سابق القدر لسبقتہ العین، چنانکہ گذشت وبرین طریق است کلام
قاضی کہ گفتہ بعقب قول وے لاطیرۃ باین شرط دلالت دارد، کہ شوم وتطیر منفی است از آنہا
یعنی اگر شوم را وجودے وثبوتے می بودے درین اشیاء می بود کہ قابل تر اند آن را ولیکن وجود
وثبوت نیست درینہا، پس اصلاً وجود ندارد، انتہی وبعضے گویند کہ شوم در زن ناسازگاری اوست
وآنکہ زائندہ نباشد واطاعت زوج نکند یا مکروہ ومستقبح باشد نزد وے، ودر سرا وخانہ تنگی جاو بدی
ہمسایہ وناخوشی ہوا است، ودر اسپ حرونی وگرانی بہا وناموافق غرض ومصلحت ومثل این دور
خادم نیز دیا شوم محمول بر کراہت وناخوشی است بحسب شرع یا طبع پس نفی شوم وتطیر بر عموم
وحقیقت محمول باشد، انتہی کلام الشیخ۔ امام نووی شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں۔

واختلف العلماء فی ھذا الحدیث رای حدیث الشوم فی الدار والمرأۃ و
الفرس) فقال مالک وطائفۃ ھو علی ظاہرہ وان الدار قد یجعل اللہ تعالیٰ سکناھا
سببا للضرر او الھلاک وکذا اتخاذ المرأۃ المعینۃ او الفرس او الخادم قد یحصل
الھلاک عندہ بقضاء اللہ تعالیٰ ومعناہ قد یحصل الشوم فی ھذہ الثلاثۃ کما
صرح بہ فی روایۃ ان یکن الشوم فی شئی الخ

حاصل وخلاصہ ان دونوں عبارتوں کا یہ ہے، کہ بہت سی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی
چیز میں شوم ونحوست نہیں ہے، نہ کسی مرد میں اور نہ کسی عورت میں اور نہ کسی اور چیز میں، اور بعض
احادیث سے ثابت ہوتا ہے، کہ عورت اور گھر اور گھوڑا، ان تین چیزوں میں شوم ونحوست ہے
امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ایک جماعت کا قول انہیں بعض احادیث کے موافق ہے، یہ لوگ
کہتے ہیں، کہ کبھی ایسا ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور اس کی قضا سے یہ تینوں چیزیں باعث
ضرر یا ہلاکت کا ہوتی ہیں، یعنی یہ تینوں چیزیں بذاتہ مؤثر نہیں ہیں، بلکہ مؤثر بالذات اللہ تعالیٰ ہے

مگر اللہ تعالیٰ گاہے ان چیزوں کو ضرر یا ہلاکت کا سبب بنا دیتا ہے، اور یہ لوگ ان احادیث کثیرہ کو جن سے مطلقاً شوم ونحوست کی نفی ثابت ہوتی ہے، نفی تاثیر بالذات پر محمول کرتے ہیں اور ان لوگوں کے سوا باقی تمام اہل علم کا قول احادیث کثیرہ کے مطابق ہے یعنی ان کا یہ قول ہے کہ کسی چیز میں شوم ونحوست نہیں ہے، نہ عورت میں اور نہ گھر میں، اور نہ گھوڑے میں اور نہ کسی اور چیز میں، اور یہ لوگ بعض احادیث کو ظاہر پر محمول نہیں کرتے، بلکہ ان کی تاویل کرتے ہیں، جب یہ سب باتیں معلوم کر چکے، تو اب سوالات مذکورہ کا جواب لکھا جاتا ہے،

جواب سوال اول و دوم وسوم۔ شرع شریف سے کسی شے میں نحوست اس معنی سے ثابت نہیں ہے کہ وہ بذاتہ ضرر پہنچانے والی یا ہلاک کرنے والی ہو، نہ کسی مرد میں ثابت ہے، اور نہ کسی عورت میں، اور نہ کسی اور شے میں، پس کسی عورت میں کوئی خاص علامت مثلاً پشت پر بال و بھونری دیکھ کر اس کو اس معنی سے منحوس سمجھنا، اور ایسی عورت کے ساتھ نکاح کرنے کو باعث ہلاکت زوج اعتقاد کرنا، جیسا کہ ہنود وکفار اعتقاد کرتے ہیں، اور ان کی تقلید سے عوام وجہلا مسلمان بھی اعتقاد کرتے ہیں بلاشبہ داخل شرک ہے، ہاں امام مالک وغیرہ نے عورت اور گھر اور گھوڑے میں جس معنی سے نحوست وشوم ثابت کیا ہے، اس معنی سے ان تینوں چیزوں میں نحوست سمجھنا داخل شرک نہیں ہے

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب، کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ | سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ چہ مے فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع دین دربارہ شخصے محمد حسین نامی از اولاد حضرت بابا فریدالدین چشتی پاک پٹنی رحمۃ اللہ علیہ کہ خلاف عقاید اہل اسلام قائل تناسخ شدہ است والزام دروغ گوئی خویش بنام گرامی بابا فریدالدین گنج شکر صاحب منسوب ساختہ در رسالہ سیف فریدی، مطبوعہ مطبع دبیر ہند واقع شہر امرتسر پنجاب بالائے صفحہ شصت ویک این ابیات کہ دال بر دعوی باطلہ تناسخ وے اند برائے معاینہ ومشاہدہ علماء وفضلا نقل ابیات وے رقم مے شود تا کہ عقاید باطلہ وے معلوم گردد۔ نقل ابیات از سیف فریدی ؎

لہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ایک شخص محمد حسین نامی کے متعلق جو کہ حضرت بابا فریدالدین چشتی پاک پٹنی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہے، وہ اہل اسلام کے عقیدہ کے برخلاف تناسخ کا قائل ہے، اور اپنی دروغ بیانی کو اس نے بابا فریدالدین گنج شکر کی طرف منسوب کر رکھا ہے، اس نے اپنے رسالہ سیف فریدی، مطبوعہ مطبع، دبیر ہند واقع شہر امرتسر میں صفحہ ۶۱ پر یہ اشعار بابا فریدالدین کے نام پر شائع کئے ہیں، جو کہ اس کے دعوائے باطلہ تناسخ پر دلالت کرتے ہیں علماء وفضلاء کے معائنہ ومشاہدہ کے لئے ان اشعار کو نقل کیا جاتا ہے تا کہ اس کے باطل عقیدے معلوم ہو سکیں (اشعار اگلے صفحہ کے متن پر ملاحظہ فرمائیں)

کروں پہلے تعریف ہائے رسول لکھوں حال پیر اپنے کا ہو قبول
یہ تھا حکم بابا فرید زماں سہ کرر لکھا دیکھا ہیں نے عیاں
کہ ہو تین باری جہاں ہیں ظہور میرا چار سو بسکہ نزدیک و دور
زمانہ یہ اول تو موجود ہے کہ ظاہر میرا نام مسعود ہے
زمانہ دگر ہیں ہوں ثانی فرید باسم براہیم ہوں میں پدید
زمانہ ثلث ہیں جب پھر آؤں گا محمد حسین نام دھرواؤں گا
اسی ہیں کسی وقت ہیں ہونگا پدید سمجھنا مجھے گویا ثالث فرید
کہ آخر زمانہ کا ہے یہ ظہور ہے اسرار ثالث فریدی کا نور
زمانہ وہ ثالث کا اب آگیا! یہ ارشاد بابا کا پورا ہوا

پس بینوا توجروا، از جواب این مسئلہ تناسخ کہ بابا فرید صاحب بحسب تحریر محمد حسین پاک پٹنی بعد از وفات دو مرتبہ اندرین جہان فانی بذریعہ والدین دیگر تولید یافتہ اند مرتبہ اول پیدا شدند بنام شیخ ابراہیم کہ سجادہ نشین پاک پٹن بود موسوم گردیدند و مرتبہ دوم بعد شش صد سال در خانہ تاج محمود چشتی پاک پٹنی ظہور تولید یافتند و محمد حسین نام نہادند و این محمد حسین مانند مرزا غلام احمد قادیانی در کتاب اسرار عترت فریدی خویش مکذب نویسی از قادیانی سبقت بردہ است، این سائل را مسرور و ممتاز فرمایند و جوابش بروایات کتب معتبرہ تحریر نمایند، بندہ سائل سید حسن شاہ بخاری النقوی ساکن موضع پانہ جہار ڈاک خانہ بصیر پور تحصیل دیپال پور ضلع منٹگمری، معروضہ ۲۹ ماہ ربیع الثانی ۱۳۲۰ھ واقف حقائق معقول و منقول کاشف دقائق فروع و اصول مظہر حسنات مصدر برکات

پس اس مسئلہ کا تناسخ کا جواب دیا جائے، خدا آپ کو جزائے خیر دے کہ بابا فرید صاحب محمد حسین پاک پٹنی کی تحریر کے مطابق وفات کے بعد دو مرتبہ اس جہان فانی میں بذریعہ دوسرے والدین کے پیدا ہو چکے ہیں، پہلی مرتبہ جب وہ پیدا ہوئے تو شیخ ابراہیم سجادہ نشین پاک پٹن کے نام سے موسوم ہوئے، اور دوسری مرتبہ چھ سو سال کے بعد تاج محمود چشتی پاک پٹنی کے گھر پیدا ہوئے، اور اب ان کا نام محمد حسین رکھا گیا ہے اور اس محمد حسین نے مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح اپنی کتاب "اسرار عترت فریدی" میں اس قدر جھوٹ بولے ہیں کہ غلام احمد قادیانی سے بھی سبقت لے گیا ہے اب آپ اس سائل کو مسرور و ممتاز فرمائیں، اور روایات کتب معتبرہ سے اس کا جواب تحریر کریں۔ بندہ سائل سید حسین شاہ بخاری نقوی ساکن موضع پانہ جہار ڈاک خانہ بصیر پور تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری، معروضہ ۲۹ ماہ ربیع الثانی ۱۳۲۰ھ معقولات و منقولات کے حقائق سے واقف، اصول و فروع کی باریکیوں کو کھولنے والے

برہان المتکلمین شمس العلماء قمر الفقہاء زبدۃ الاماثل والاواخر عالی جناب معلی القاب مولوی سید محمد نذیر حسین صاحب مدظلہم العالی بالجاہ والمعالی والقاکم اللہ تعالےٰ علی مفارق المسلمین الی یوم الدین۔ این خاکسار راجی الی رحمۃ اللہ سید حسن علی شاہ بخاری النقوی بخدمت اقدس آنجناب پس از تبلیغ سلام ہدیہ سنت جناب حضرت خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام واشتیاق زیارت التماس پذیر میشود، کہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی ودیگر علماء فقط برنفس مسئلہ مذکورہ اکتفا فرمودہ جواب تناسخ تحریر نمودہ اند وعبارت فاضل گنگوہی این است

ہ الجواب، تعدد تولد کہ مبنی بر تناسخ است مذہب اہل سنت والجماعت باطل است ونسبت آن بحضرت شیخ یعنی بابا فرید گنج پاک پٹنی علیہ الرحمۃ محض افتراست ومدعی این نسبت واین مذہب محض جاہل است تصدیق دعاوش نارواست واقوالش محض خطاء ازانجا کہ مسئلہ تناسخ در جملہ کتب کلام مدون است وکذب این بیان باشارات آیات واحادیث مبین وبندہ بوجہ معذوری چشمان از نقل روایات مجبور لہذا برنفس مسئلہ اکتفا کردہ شد، واللہ تعالیٰ اعلم، بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ [رشید احمد]

الجواب :۔ ہو الملہم للصواب، منکرین قیامت وبعث وحشر دو قسم کے ہیں، ایک تو وہ جن کا عقیدہ وقول یہ ہے، کہ مرنے کے بعد پھر زندہ ہونا نہیں ہے، نہ قالب اول میں اور نہ قالب آخر میں، اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ان کے اس عقیدہ وقول کو بیان فرماتا ہے ان ھی الا موتتنا الاولی وما نحن بمنشرین یعنی بس ہماری پہلی موت ہے، جو ہم مرے بس پھر ہم زندہ ہو کر اٹھنے والے

نیکیوں کے منبع برکات کے مصدر متکلمین کے راہنما علماء کے سورج، فقہاء کے چاند اولین وآخرین کے خلاصہ عالی جناب بلند القاب سید محمد نذیر حسین صاحب خدا تعالیٰ ان کی بلند اقبال زندگی کو مسلمانوں کے لئے قیامت تک باقی رکھے، ان کے جاہ ومرتبہ کے سایہ کو ان کے سروں پر قائم رکھے، یہ خاکسار اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار سید حسن علی شاہ بخاری نقوی آنجناب کی خدمت میں ہدیہ سنت خیر الانام علیہ التحیۃ والسلام یعنی سلام اور اشتیاق زیارت کے بعد ملتمس ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور دیگر علماء نے فقط نفس مسئلہ پر اکتفا کر کے تناسخ کا جواب ارسال فرمایا ہے۔ فاضل گنگوہی کی عبارت یہ ہے "الجواب، کئی بار دنیا میں پیدا ہونا جس پر کہ تناسخ کی بنیاد ہے اہل سنت والجماعت کے نزدیک باطل ہے، اور حضرت شیخ یعنی بابا فرید گنج پاک پٹنی علیہ الرحمۃ کی طرف اس کو منسوب کرنا سراسر بہتان ہے، اور اس نسبت اور اس مذہب کا مدعی محض جاہل ہے، اس کے دعوی کی تصدیق کرنا ناجائز ہے، اس کے اقوال بالکل غلط ہیں، کیونکہ تناسخ کے مسئلہ کو علم کلام کی تمام کتابوں میں بیان کیا گیا ہے اور اس بیان کا جھوٹ ہونا آیات واحادیث سے صاف ظاہر ہے، اور بندہ آنکھوں کی مجبوری کی وجہ سے روایات نقل کرنے سے معذور ہے، لہذا نفس مسئلہ پر اکتفا کیا گیا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم، بندہ رشید احمد گنگوہی"

نہیں ہیں، اور دوسرے مقام میں فرماتا ہے ان ھی الا حیاتنا الدنیا وما نحن بمبعوثین یعنی ہماری بس دنیا ہی کی زندگی ہے، پھر ہم اٹھائے نہیں جائیں گے۔

اور دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں، جو تناسخ کے قائل ہیں، جن کا عقیدہ مقولہ ہے، کہ ہم اسی دنیا میں زندہ ہوتے ہیں، پھر مرتے ہیں، پھر زندہ ہوتے ہیں، پھر مرتے ہیں، کبھی قالب اول میں مر کر زندہ ہوتے ہیں، اور کبھی قالب آخر میں، اس دنیا کی زندگی کے سوائے اور کوئی زندگی ہماری نہیں ہے، اللہ تعالیٰ سورہ جاثیہ میں ان کے عقیدہ مقولہ کو بیان فرماتا ہے ان ھی الا حیوتنا الدنیا نموت ونحیا وما یھلکنا الا الدھر[۱] اور سورہ مؤمنون میں فرماتا ہے ان ھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما نحن بمبعوثین[۲] چونکہ یہ دونوں قسم کے منکرین قیامت انکار حیات اخروی میں ہم عقیدہ ومتفق اللسان ہیں، اس لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان دونوں قسم کے لوگوں کا ایک طریقہ پر جواب دیا ہے، سورہ جاثیہ میں فرماتا ہے۔ قل اللہ یحییکم ثم یمیتکم ثم یجمعکم یوم القیمۃ لا ریب فیہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون یعنی کہہ دیجئے، کہ اللہ تعالیٰ ہی تم کو زندہ کرتا ہے پھر تم کو مارے گا، پھر تم کو قیامت کے دن اکٹھا کرے گا، جس میں کچھ شک نہیں ہے، لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوا، کہ دنیا کی زندگی کے بعد مرنا ہے، پھر مرنے کے بعد قیامت کے دن سب کو زندہ ہو کر جمع ہونا ہے، پس اس سے قیامت کا بھی ثبوت ہوا، اور اس بات کا بھی ثبوت ہوا، کہ مرنے کے بعد پھر اس دنیا میں زندہ ہونا نہیں ہے، بلکہ قیامت ہی کے دن اٹھنا ہے بناءً علیہ اس آیت نے دونوں قسم کے منکرین کی صاف تردید کر دی ہے، سورہ طٰہٰ میں فرماتا ہے منھا خلقناکم وفیھا نعیدکم ومنھا نخرجکم تارۃ اخری، یعنی ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، اور اسی میں تم کو پھر لوٹائیں گے، اور اسی سے پھر دوسری بار تم کو نکالیں گے، اس آیت نے بھی دونوں قسم کے عقیدہ مقولہ کو صاف باطل کر دیا، اور تناسخ کو بھی صاف اڑا دیا، سورہ بقرہ میں فرماتا ہے کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون، یعنی کیونکر تم اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہو، حالانکہ تم مردے تھے، سو اس نے تم کو زندہ کیا، پھر تم کو مارے گا، پھر جلا دے گا، پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے، سورہ یٰسین

---

[۱] ہماری یہ صرف دنیا ہی کی زندگی ہے، ہم مرتے ہیں، اور زندہ ہوتے ہیں، اور ہمیں صرف زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے۔ [۲] ہماری یہ صرف دنیا ہی کی زندگی ہے، ہم مرتے بھی رہتے ہیں اور زندہ بھی ہوتے رہتے ہیں، اور قیامت کو اٹھائے نہیں جائیں گے۔

میں فرماتا ہے۔ وضرب لنا مثلا ونسی خلقہ قال من یحیی العظام وھی رمیم قل یحییھا الذی انشاھا اول مرۃ وھو بکل خلق علیم۔ قرآن مجید میں اس مضمون کی بہت سی آیتیں ہیں جن سے تناسخ کا بطلان آفتاب کی طرح روشن ہے

تناسخ کا بطلان ان احادیث سے بھی صاف ثابت ہوتا ہے، جن سے صدقات وخیرات و حج وصیام وغیرہ کا ثواب میت کو پہنچنا ثابت ہے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا کہ بتقلب قوالب لوگ زندہ ہی رہا کرتے، تو ان پر نہ میت کا اطلاق ہوتا، اور نہ ان کو ثواب پہنچتا، و نیز ان احادیث سے بھی تناسخ کا بطلان صاف ظاہر ہوتا ہے، جن سے عذاب قبر ثابت ہوتا ہے، کیونکہ اگر لوگ قالب بدل بدل کر دنیا ہی میں زندہ رہا کرتے، تو عذاب قبر کس پر ہوتا، و نیز قیامت کے دن صور کی آواز سے تمام لوگ اپنے مرقد سے یعنی قبروں سے نکل کر میدان محشر میں جمع ہوں گے۔ قال[2] اللہ تعالیٰ ونفخ فی الصور فاذا ھم من الاجداث الی ربھم ینسلون قالوا یویلنا من بعثنا من مرقدنا ھذا ما وعد الرحمن وصدق المرسلون۔ وقال[3] تعالیٰ یوم یخرجون من الاجداث سراعا کانھم الی نصب یوفضون ○ پس قائلین تناسخ کے عقیدہ کے مطابق تمام لوگ دنیا ہی میں بتقلب قوالب زندہ رہا کرتے، تو قیامت کے دن قبروں سے اٹھے گا کون؟ تناسخ کے بطلان پر یہ چند دلیلیں قرآن وحدیث سے مختصراً نقل کی گئی ہیں، علاوہ ان کے قرآن وحدیث میں بہت سی دلیلیں موجود ہیں ولکن فی ھذا القدر عبرۃ لاولی الالباب ہاں میں نے بمقابلہ قرآن وحدیث کے دلائل عقلیہ سے اعراض کیا، واللہ اعلم بالصواب

حررہ عبدالوہاب عفی عنہ — سید محمد نذیر حسین

ھو الموفق: ۔ تناسخ کا بطلان قرآن مجید کی اس آیت سے نہایت صریح اور صاف طور پر ثابت ہے، سورہ مومنون میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حتی اذا جاء احدھم الموت قال رب ارجعون لعلی اعمل صالحا فیما ترکت کلا انھا کلمۃ ھو قائلھا ومن ورائھم برزخ

---

[1] (اس کافر نے) ہمارے لئے مثال بیان کی اور اپنی پیدائش کو بھول گیا، کہنے لگا کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کریگا، آپ کہہ دیں، کہ ان کو وہ اللہ زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا، اور وہ پیدائش کے تمام طریقے جانتا ہے۔

[2] اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اور نرسنگا پھونکا جائے گا، تو وہ تمام اپنی قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف سرکنے لگیں گے اور کہیں گے ہائے افسوس ہمیں ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھایا، یہ وہ دن ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا، اور پیغمبروں نے سچ فرمایا تھا۔ [3] اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس دن وہ قبروں سے دوڑتے ہوئے نکلیں گے گویا کہ وہ اپنے بتوں کی طرف دوڑ رہے ہونگے۔

الی یوم یبعثون یعنی یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آدے تو کہتا ہے کہ اے میرے رب مجھے دنیا میں پھر لوٹادو، اور مصیر دو، شاید کہ میں اچھا عمل کروں، اس چیز میں جو چھوڑ آیا ہوں، ہرگز نہیں یہ ایک بات ہے، کہ اس کا وہ کہنے والا ہے، اور ان کے آگے ایک پردہ ہے (جو ان کو پھر دنیا میں لوٹ کنے سے مانع ہے) اس دن تک جس میں لوگ اٹھائے جائیں گے یعنی قیامت تک، مولانا شاہ عبدالقادر صاحب اس آیت کے فائدے میں لکھتے ہیں، معلوم ہوا یہ جو لوگ کہتے ہیں، کہ آدمی مرکر پھر آتا ہے سب غلط ہے، قیامت کو اٹھیں گے، اس سے پہلے ہرگز نہیں انتہی، کتبہ محمد عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

سوال:۔ زید کسی بزرگ کی قبر پر جاکر یہ التجا کرتا ہے، کہ یا حضرت آپ رب کریم سے دعا فرما دیں گے، رب العالمین مجھ کو اولاد عطا فرمائے گا، یہ امر جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی قبر پر جاکر یہ التجا کرنا جائز نہیں، اس واسطے کہ یہ کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں، علاوہ بریں یہ التجا اس بنا پر ہے، کہ زندوں کی التجا مردے سنتے ہیں، اور قبر میں ان کی التجا پر دعا کرتے ہیں، اور ان کی دعا مقبول ہوتی ہے، حالانکہ یہ باتیں کسی دلیل صحیح سے ثابت نہیں، پس یہ التجا کیونکر جائز ہوسکتی ہے، واللہ تعالےٰ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ مولانا محمد نذیر حسین صاحب دام ظلکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے بعد آداب سے دست بستہ جناب کے شاگردان شاگردوں کی خدمت بابرکت میں ایک عرضداشت بدیں خیال ارسال کرتا ہوں، کہ آنجناب کی شان علمی اللہ جل شانہ نے ہندوستان تو کیا میرے نزدیک بلاد اسلام میں ایک پیدائی ہے اور یہ للہ کام ہے میرے دل میں ایک وسوسہ عرصہ سے کانٹے کی طرح کھٹک رہا ہے، اور میں کئی بزرگان دین سے بھی اور اور لوگوں سے بھی بذریعہ عریضہ دریافت کرچکا ہوں، مگر کسی صاحب نے اس کا جواب دینا اپنی کسر شان تصور کیا یا کیا خیال فرمایا، مجھ کو محروم رکھا اور جواب نہ دیا، حضور کی ذات والاصفات سے امید قوی ہے، کہ للہ بنظر ترحم اپنے کسی شاگرد صاحب کو کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے عالم ہی ہوتے ہیں، اگر ارشاد فرما دیں گے، تو وہ تحریر فرماکر مرحمت کردیں گے، وھو ہٰذا:۔

میں ایک روز احیاء العلوم کے ترجمہ مذاق العارفین کی پہلی جلد کو دیکھ رہا تھا، جب دیکھتے دیکھتے سوورق کی نوبت پہنچی، تو دہریوں کے رد میں جو رسالہ قدسیہ درج ہے دیکھا، اس میں عقلی دلیلوں سے پہلے خدا تعالیٰ کا ہونا، پھر ازلی پھر ابدی ہونا وغیرہ وغیرہ ثابت کیا ہے، تیسری اصل میں لکھا ہے:۔

"یہ جاننا چاہیئے، کہ خدائے تعالےٰ باوجود ازلی ہونے کے ابدی بھی ہے، کہ اس کے وجود کا انجام

نہیں، بلکہ وہی اول ہے، وہی آخر، وہی ظاہر، وہی باطن، اس لئے کہ جس کا قدیم ہونا ثابت ہوگیا، اس کا معدوم ہونا محال ہے، یعنی ناممکن"

اتنا پڑھا تھا، کہ دل میں خیال آیا، اسی دلیل کے بموجب جو شے معدوم نہیں ہوتی یا نہ ہوگی، وہ ازلی ہوئی، اور روح کے بارے میں علماء کہتے ہیں، کہ اس کو فنا نہیں، گویا ابدی ہے، اچھا جب ابدی ہے، تو ازلی بھی ہوئی، کیونکہ یہ لازم وملزوم بات ہے، اور یہ اعتقاد اہل ہنود کا ہے، نہ اہل اسلام کا، ان کے اور ہمارے مذہب میں یہی فرق ہے، جب ہی وہ آواگون مانتے ہیں، اور حدیثوں سے ثابت ہے، کہ روح مخلوق یعنی حادث ہے، پس جو شے حادث ہے، وہ ازلی نہیں، تو ابدی کہنی کیسے ہوگی، علاوہ اس کے قرآن مجید کی ان آیات سے جو سورہ ہود کی ۱۰۶ سے ۱۰۸ تک ہیں دوزخیوں اور اہل جنت کے واسطے فرمایا ہے خالدین فیہا مادامت السموات والارض الا ماشاء ربك ان ربك فعال لما یرید (جب تک رہیں آسمان اور زمین) آسمان زمین اب ہوں یا جب ہر حالت میں ہر دو حادث، پھر قدامت کیسی، اور اس پہ "إِلَّا" کا طرہ الگ رہا۔

راقم محروم عبدالقیوم بڈلاڈھا اسٹیشن ای، سی، پی ریلوے، ضلع حصار ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ

الجواب:۔ مذاق العارفین کی اس عبارت کا جو آپ نے نقل کی ہے، یہ مطلب ہے، کہ اللہ ازلی ابدی ہے، اور جو ذات کہ ازلی ابدی ہو، وہ قدیم ہے، اور جو ذات کہ قدیم ہو، اس کا معدوم ہونا محال ہے، اور ازلی ابدی کو معدوم نہ ہونا لازم ہے اور اس عبارت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جو ذات ابدی ہو، اور اس کا عدم بعد الوجود نہ ہو، وہ ازلی ہے، روح کا ازلی ہونا اس وقت لازم آتا، کہ جب ہر ابدی کو ازلی ہونا ضرور ہوتا، لیکن ہر ابدی کا ازلی ہونا ضرور نہیں کیونکہ ازلی اس ذات کو کہتے ہیں جس کا وجود بعد العدم نہ ہو، یعنی جس کے وجود کی ابتدا نہ ہو، اور ابدی اس ذات کو کہتے ہیں جس کا عدم بعد الوجود نہ ہو، یعنی اس کے وجود کا زمانہ استقبال میں انتہا نہ ہو، پس کچھ ضرور نہیں، کہ جو چیز معدوم بعد الوجود نہ ہو یعنی ابدی ہو، وہ موجود بعد العدم نہ ہو یعنی ازلی ہو، ہوسکتا ہے، کہ ایک چیز کے وجود کا زمانہ استقبال میں انتہا نہ ہو، مگر وجود اس کا بعد العدم ہو، یعنی پہلے معدوم تھی، بعد اس کے موجود ہوئی ہو، بناءً علیہ روح کے ابدی ہونے اور اس کے زمانہ استقبال میں فنا نہ ہونے سے اس کا ازلی ہونا ثابت نہیں ہوتا، اور روح کا ابدی ہونا، اس کے حادث ہونے میں کچھ خلل نہیں ڈالتا بلکہ روح ابدی ہے، اور اس کے ساتھ حادث بھی ہے، کیونکہ حادث کے لئے یہ ضرور نہیں ہے کہ زمانہ استقبال میں اس کا فنا ضرور ہو۔

حادث کی دو قسمیں ہیں، حادث بالذات اور حادث بالزمان، حادث بالذات اس شے کو کہتے ہیں جو اپنے وجود میں غیر کی محتاج ہو، اور حادث بالزمان اس شے کو کہتے ہیں، جو مسبوق بالعدم ہو یعنی بعد عدم کے موجود ہو، روح پر حدوث کے دونوں معنی صادق آتے ہیں، پس روح حادث بالذات بھی ہے، اور حادث بالزمان بھی، اور روح کے ابدی ہونے کو روح کا حادث بالذات اور حادث بالزمان ہونا منافی نہیں ہے، ہماری اس تحریر کا خلاصہ یہ ہے، کہ ابدی کو ازلی ہونا لازم نہیں ہے روح ابدی ہے، اور اس کو زمانہ استقبال میں فنا نہیں، اور ازلی نہیں ہے، بلکہ حادث ہے، پس آپ کو جو ابدی اور ازلی کے لازم وملزوم سمجھنے کی وجہ سے خدشہ اور وسوسہ پیدا ہوا تھا، وہ رفع ہو گیا واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ احقر عباد اللہ العلیم محمد ابراہیم بہاری عفی عنہ سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ چہ مے فرمایند علمائے محققین از اہل سنت والجماعت کہ ایمان فی نفسہ یا بتفاضل اعمال قابل زیادت ونقصان است، یا نہ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ بہر دو طریق قابل زیادت ونقصان وقوت وضعف است بلا ریب، چنانکہ بر اہل بصیرت پوشیدہ نیست، کہ نور حسی شمس وقمر ونجوم متفاوت است، چہ نور شمس بہ نسبت نور قمر زیادہ وتر تاباں ودرخشاں است، ہم چنین نور ہر ستارہ بہ نسبت دیگرے بیشتر، ونور چراغ پیش آفتاب پر توے ندارد، وہم چنین ظلمت متفاوت است زیرا کہ تاریکی شب ماہ بلا ابر مقابلہ شب تاریک وظلمت ابر کثیف در تہ خانہ وغار کوہ وتہ دریا بجوے نیرزد، وعلی ہذا القیاس نور معنوی ایمانی در قلوب عباد مؤمنین بحسب استعداد فطری وقوت نظری وریاضت نفسی وامتثال ماموارات و انقار از منہیات بمقتضائے مشیت الٰہی مراتب مختلفہ ومدارج متفاوتہ می دارد قل کل یعمل علی شاکلتہ فربکم اعلم بمن ھو اھدی سبیلا۔

سوال:۔ اہل سنت والجماعت کے محققین علماء کی کیا رائے ہے، کہ ایمان بذاتہ یا اعمال کی وجہ سے بڑھتا گھٹتا ہے، یا نہیں؟

الجواب:۔ دونوں لحاظ سے ایمان میں کمی بیشی بھی ہوتی ہے، اور قوت وضعف بھی، آپ غور فرمائیں کہ ظاہری نور مثلاً سورج، چاند اور ستاروں کے نور میں کتنا فرق ہے، علی ہذا القیاس اندھیروں میں بھی کمی بیشی ہے، چاندنی چھٹکی ہوئی رات کی تاریکی، اور ابر آلود اندھیری شب کی تاریکی میں بہت بڑا فرق ہے، خصوصاً جب کہ آدمی کسی غار یا سمندر کی تہ میں بھی ہو معنوی نور کی بھی یہی کیفیت ہے، فطری استعداد، ریاضت نفسی اور تعمیل اوامر اور اجتناب عن المعاصی کے مختلف مراتب ومدارج کے لحاظ سے نور ایمانی میں بھی کمی بیشی ہوتی ہے۔

ونور ایمانی انبیاء علیہم السلام بیش از بیش از دیگر مومنین مانند صدیقین وشہداء وصالحین بدرجہا تم است اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ الایۃ وقد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین الایۃ ومراد از نور در اینجا ذات بابرکات آنسرور کائنات است بہ سبیل مبالغہ بعد ازین نور دیگر مومنین ہم مراتب متفاوتہ دارد، زیرا کہ نور قلوب صدیقان زیادہ تر است بہ نسبت نور قلوب شہداء ونور قلوب شہداء زائد است بہ نسبت قلوب دیگر مومنان ونور قلوب مومنین کاملین زیادہ تر بہ نسبت نور عامہ مومنین، زیرا کہ نور ایمانی وہبی است وہبہ وانعام بر کافہ انام از خاص وعام حسب مشیت ایزد منعام متفاوت الدرجات است یختص برحمتہ من یشاء الایۃ چنانکہ بر ذوی الافہام کہ بر مبادی احکام مستبصر ومتدبر اند مخفی نیست، چنانچہ آیت کریمہ فاولئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین باختلاف مراتب نور ایمانی وتفاوت درجات وجلائی بنا بر شرح صدور وحلاوت لوحانی این مراتب متفاوتہ میدہد، واز اینجا قاضی ناصر الدین بیضاوی در تفسیر خود گفتہ قسمہم اربعۃ اقسام بحسب منازلہم۔ انتہی مافیہ مختصراً۔

پس درین صورت چگونہ گفتہ شود کہ ہمہ عباد مومنین در ایمان مساوی اند لایزید ولاینقص ومنشائے این عدم تدبر قرآن وحدیث است ومبنائے ایشان تقلید متکلمین است، زیرا کہ آیات قرآنیہ مانند یخرجہم من الظلمات الی النور الایۃ وقولہ تعالیٰ لیخرج الناس من الظلمات

چنانچہ انبیاء علیہم السلام کا نور ایمانی بہ نسبت دوسرے مومنوں مثلاً صدیقین، شہداء اور صالحین کے نور ایمانی کے بہت زیادہ ہوتا ہے، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے کہ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور روشن کتاب آئی ہے اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو بہ سبیل مبالغہ "نور" فرمایا ہے، اور پھر دوسرے مومنوں کے نور ایمانی میں بھی فرق ہے، شہداء کا نور ایمانی دوسرے مومنوں سے زیادہ ہے، اور عام مومنوں کے نور سے خواص کا نور ایمانی زیادہ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان ایک وہبی چیز ہے، اور وہبی چیز مشیت ایزدی پر موقوف ہوتی ہے، یختص برحمتہ من یشاء جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے نگاہ دوررس عطا کر رکھی ہے، وہ جانتے ہیں کہ آیت اولئک الذین انعم اللہ علیہم الایۃ نور ایمانی کے مختلف درجات ومراتب کی طرف اشارہ کر رہی ہے، یہی وجہ ہے کہ قاضی ناصر الدین بیضاوی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مراتب کے لحاظ سے چار درجوں میں تقسیم کر دیا ہے پس اس صورت میں کیسے کہا جا سکتا ہے، کہ تمام مومنوں کا نور ایمانی ایک جیسا ہے، اس میں کمی بیشی نہیں ہے، دراصل ایمان میں کمی بیشی نہ ہونے کا خیال محض قرآن میں عدم تدبر کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، اور اس کی بنیاد متکلمین کی تقلید ہے، قرآن مجید میں بہت

الی النور الایۃ وقولہ تعالیٰ وجعلنا لہ نورا یمشی بہ فی الناس کمن مثلہ فی الظلمات الایۃ وقولہ تعالیٰ نور علی نور یھدی اللہ لنورہ من یشاء وغیرھا من الایات الکثیرۃ در ہر جاکہ واقع شدہ مراد از آن کفر و ایمان است باتفاق مفسرین مگر در سورہ انعام جعل الظلمات والنور کہ مراد از آن لیل و نہار است،

دیگر ظاہر کہ وجود عینی ایمان نور است و این نور ایمانی حسب مراتب شرح صدور است بدلیل این آیت۔ افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ الایۃ فمن یرد اللہ ان یھدیہ یدیعہ فی طریق الایمان (یشرح صدرہ للاسلام۔ فیتسع لہ وینفسح وھو کنایۃ عن جعل النفس قابلۃ للحق مھیاۃ لحلولہ مصفاۃ عما یمنعہ و ینافیہ والیہ اشار علیہ السلام حین سئل عنہ فقال نور یقذفہ اللہ فی قلب المؤمن فینشرح وینفسح فقالوا ھل لذلک امارۃ یعرف بھا فقال نعم الانابۃ الی دار الخلود والتجافی عن دار الغرور والاستعداد للموت قبل نزولہ کذا فی البیضاوی وغیرہ۔ پس انابت و تجافی و استعداد بقدر انشراح صدر حاصل خواہد بود و انشراح صدر متفاوت الدرجات است۔ پس این امور قلبیہ باندازہ شرح صدر نیز متفاوت خواہند بود، کما لا یخفی علی المتأمل الماہر و الم نشرح لک صدرک باختلاف استعداد ہر کس تفاوت بسیار میدارد و مراد از شرح صدر منبسط شدن صدر بنور الٰہی است، چنانچہ امام راغب در مفردات قرآن گفتہ و در بسط و انبساط آن مراتب متفاوتہ است، کہ در مابین ہر مرتبہ بون بعید است، چہ بسط کامل نور در شرح صدر انبیاء علیہم السلام اتم از اتم است، و انتہا شرح صدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوقیت زیادت کمال میدارد، لہٰذا در آیت الم نشرح لک صدرک لفظ لک واقع شد

سی آیتوں مثلا یخرجھم من الظلمات الی النور الایۃ لیخرج الناس من الظلمات الی النور الایۃ وجعلنا لہ نورا یمشی بہ فی الناس کمن مثلہ فی الظلمات الایۃ نور علی نور یھدی اللہ لنورہ من یشاء الایۃ وغیرہ میں جہاں کہیں بھی نور کا ذکر ہے وہاں نور ایمانی مراد ہے۔ ماسوائے سورہ انعام کی آیت کے جعل الظلمات والنور الایۃ کہ وہاں ظلمت اور نور سے رات اور دن مراد ہیں۔

یہ بات تو ظاہر ہے کہ ایمان کا وجود عینی نور ہے، اور یہ نور شرح صدر سے پیدا ہوتا ہے، اور شرح صدر کے مدارج چونکہ مختلف ہیں، اس لئے لازمی طور پر نور ایمان کے مراتب بھی مختلف ہوں گے، چنانچہ امام راغب نے مفردات قرآن میں اسی کو تفصیل سے بیان کیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرح صدر کا مرتبہ چونکہ تمام انبیاء سے

تاکمال شرح صدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنور علمی ونور ایمانی از ہمہ فوق مافوق گردد، کہ ازیں جہت
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمودند، کہ انا اتقاکم واعلمکم باللہ وبعثت لاتمم
مکارم الاخلاق۔ نعم ما قیل ؎ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

وبنا بر تفاوت صدر شرح صدر محبت ورغبت الی اللہ ہمہ تن وخوف وخشوع وتضرع
وخشیت وصبر وقناعت وتسلیم ورضا بالقضاء وتنفر از زخارف دنیا واجتناب از معاصی وحرص و
ہوا در دل مومن پیدا میشود ہر کہ بصفات تمام متصف گردید مومن کامل شدہ وہر کہ متصف بعض
صفات شدہ مومن ناقص خواہد بود۔ ان الذین اوتوا العلم من قبلہ اذا یتلی علیہم آیاتنا
یخرون للاذقان سجدا ویقولون سبحان ربنا ان کان وعد ربنا لمفعولا۔ و
یخرون للاذقان یبکون ویزیدہم خشوعا الایۃ قال اللہ تعالیٰ تقشعر منہ
جلود الذین یخشون ربہم الایۃ قد افلح المومنون الذین ہم فی صلوتہم خاشعون
الایۃ ویدعوننا رغبا ورہبا وکانوا لنا خاشعین الایۃ الخشیۃ خوف یشوبہ
تعظیم واکثر ما یکون عن علم بما یخشی منہ ولذلک خص بعض العلماء بہا فی قولہ
تعالیٰ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء کذا فی مفردات القرآن للامام راغب
انما المومنون الکاملون فی الایمان الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبہم واذا
تلیت علیہم آیاتہ زادتہم ایمانا لزیادۃ المومن بہ لاطمینان النفس ورسوخ
الیقین بتظاہر الادلۃ او بالعمل بموجبہا وہو قول من قال الایمان یزید بالطاعۃ
وینقص بالمعصیۃ بناء علی ان العمل داخل فیہ وعلی ربہم یتوکلون الذین
یقیمون الصلوۃ ومما رزقناہم ینفقون اولئک ہم المومنون حقا لانہم
حققوا ایمانہم بان ضموا الیہ مکارم اعمال القلوب من الخشیۃ والاخلاص و
التوکل ومحاسن افعال الجوارح التی ہی العیار علیہا الصلوۃ والصدقۃ انتہی
ما فی البیضاوی مختصرا واز آیت قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا تا این جا آنچہ

بلند ہے لہذا ان کا ایمان بھی سب سے زیادہ ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی فرمایا ہے
انا اتقاکم واعلمکم باللہ الحدیث۔ چنانچہ محبت ورغبت الی اللہ، خشوع وخضوع، صبر وقناعت
تسلیم ورضا، اور اجتناب از معاصی، وحرص وہوا کے تفاوت درجات کی بنا پر ایمان میں زمین وآسمان کا فرق پیدا
ہو جاتا ہے بیضاوی نے اس مقام وخشوع اور زیادت ایمان کی آیات کو جمع کیا ہے۔

مذکور شد ارکان ایمان وواجبات اعتقادی بود حالا او ہادی مطلق می فرماید، کہ برین قدر قناعت
نہ کنید، بلکہ ازین مرتبہ بالا ترقی جوئید بگوئید کہ ما اختیار کردیم صبغۃ اللہ یعنی رنگ خدا را وخود را برنگ
او رنگین گردیم، چنانچہ رنگ در ظاہر و باطن جامہ نفوذ می کند وآن جامہ از جامہ ہائے دیگر ممتاز می
شود ہمچنین ما رنگ خدا است، کہ از تہ دل می جوشد ودر درون وبیرون ما رنگین می کند ومن
احسن من اللہ صبغۃ، نیست خوبتر از خدا ہمرنگ کردن، واین رنگ خدا جامع اقوال رنگ
ملکہ راسخہ انقیاد واطاعت واطمینان باوامر ونواہی او ست عز شانہ وتشریح این در تفسیر عزیزی
باید دید۔

غرض مطلب از بیان آیت صبغۃ اللہ این است، کہ رنگ خدا کہ عبارت از ملکہ انقیاد
تام است متفاوت الدرجات است بنظر استعداد فطری ہر انسان ہر کسیکہ بصفات کاملہ
متصف است، پس او مومن کامل است وکسیکہ بر تمام صفات کاملہ متصف نیست او ناقص
است، پس ازین زیادت ونقصان در ایمان متحقق گردید، نعم ما قیل ؎

آنانکہ خاک راہ تا طوطیا کنند — بے پردہ گر بدیدہ در آئی چہا کنند

حالا بر اصل مقصد می آئیم کہ قول ابراہیم در قرآن مجید ادل است بر این کہ ایمان فی نفسہ قابل
زیادت ونقصان است، زیرا کہ مرتبہ اطمینان کہ بمشاہدہ عیان شود اقوی واعلی است از مرتبہ
استدلال والیقان قال اللہ تعالیٰ اذ قال ابراھیم رب ارنی کیف تحی الموتی
قال اولم تومن قال بلی ولکن لیطمئن قلبی الآیۃ وقال ابراھیم علیہ السلام
ولکن لیطمئن قلبی اشارۃ الی تفسیر سعید بن جبیر ومجاھد وغیرھما ھذہ

اب تک جو کچھ بیان ہوا ہے، وہ ایمان کے ارکان اور اعتقادی واجبات تھے، خداوند تعالیٰ تو اس سے بھی زیادہ
بلند مراتب کی طرف راہ نمائی کرتے ہوئے فرماتے ہیں، کہ تم کہو ہم نے اللہ کا رنگ اختیار کیا، اور اللہ کے رنگ سے
اور کونسا رنگ بہتر ہو سکتا ہے اور رنگ کپڑے کے ظاہر اور باطن میں نفوذ کر جاتا ہے، اور رنگ سے مراد یہاں پوری
اطاعت اور فرمانبرداری ہے، پھر جس طرح کپڑے پر کبھی رنگ گہرا ہوتا ہے اور کبھی ہلکا، یہی کیفیت اطاعت کی کمی بیشی
سے پیدا ہوتی ہے جو لوگ صفات کاملہ سے متصف ہوتے ہیں، ان کا ایمان زیادہ ہوتا ہے۔ اور جو صفات کاملہ سے
ناقص ہوتے ہیں، ان کا ایمان بھی کم ہوتا ہے، اب ہم اس بحث کو ایک اور طریقہ سے شروع کرتے ہیں، قرآن مجید
میں ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ مذکور ہے، کہ آپ نے عرض کیا رب ارنی کیف تحیی الموتی قال اولم تومن
قال بلی ولکن لیطمئن قلبی، یہ آیت سب سے بڑی دلیل ہے کہ نفس ایمان میں بھی کمی بیشی ہوتی رہتی ہے

الایۃ فروی ابن جریر بسند صحیح الی سعید بن جبیر قال قولہ لیطمئن قلبی ای لیزداد یقینی وعن مجاھد قال لازداد ایمانا الی ایمانی واذا ثبت ذلک عن ابراھیم مع ان نبینا امر باتباع ملتہ کان کانہ ثبت عن نبینا صلی اللہ علیہ وسلم انتہی مافی فتح الباری مختصرا وھکذا فی التفاسیر وازیں جااست قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم الصبر نصف الایمان کما رواہ ابو نعیم فی الحلیۃ والبیہقی فی الزھد ولفظہ النصف صریح فی التجزیۃ انتہی مافی فتح الباری مختصرا وعن ابی سعید الخدری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یدخل اھل الجنۃ الجنۃ واھل النار النار ثم یقول اللہ عزوجل اخرجوا من النار من کان فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من ایمان کما رواہ البخاری وغیرہ ونیز در آخر صحیح بخاری مذکور است فمن وجد تم فی قلبہ مثقال ذرۃ من ایمان فاخرجوہ از ابو سعید خدری مروی ست، این قدر ایمان اقل القلیل است ونہایت کثر وزیادت را حدے نیست وما ثبت من امور الآخرۃ لادخل فیہ للعقل کذا فی فتح الباری۔

بدانکہ مذہب سلف آن ست کہ ایمان اعتقاد است بجنان وقول است بلسان وعمل است بارکان ومراد آنہا آن است کہ اعمال داخل یا شرط اند در کمال ایمان نزد نفس آن وازہمیں جا ممکن شد برائے آنہا قائل شدن بانکہ ایمان زیادت ونقصان قبول می کند ومرجیہ گویند کہ ایمان عبارت

اگر ایمان صرف تصدیق اور اقرار ہی کا نام ہو، تو اس میں کبھی اضافہ کی گنجائش نہیں ہے، اور نہ ہی ابراہیم علیہ السلام کی تصدیق اور اقرار میں کچھ فرق آیا تھا۔ اور ابو سعید خدری کی حدیث میں صاف مذکور ہے، کہ جب جنتی لوگ جنت میں اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے، تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، کہ جس کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو، اس کو بھی دوزخ سے نکال لو۔ اور ابو سعید کی دوسری حدیث میں جس کو بخاری نے روایت کیا ہے یہ لفظ ہیں کہ جس کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی ایمان ہو اسے نکال لو۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ ایمان شرعی ایک ذرہ تک بھی معتبر ہے، اور زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اگر ابوبکر کے ایمان کو تمام امت کے ایمان سے تولا جائے، تو بھی ابوبکر کا ایمان ان سے بڑھ جائے گا"

سلف صالحین کا مذہب یہ تھا، کہ ایمان دل کے اعتقاد، زبان کے اقرار اور اعضا کے اعمال کا نام ہے، اور وہ اعمال کو ایمان کا جز یا شرط قرار دیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ ایمان کی کمی بیشی کے قائل ہیں، مرجیہ کا عقیدہ یہ ہے، کہ ایمان دل کے اعتقاد اور زبان کے اقرار کا نام ہے فقط۔

از اعتقاد است بدل و اقرار بزبان پس بس و کرامیہ گویند کہ ایمان عبارت از نطق لسان است بشہادتین و بس و معتزلہ گویند کہ ایمان عبارت است از اعتقاد و قول و عمل و فرق درمیان قول سلف و معتزلہ آن است، کہ سلف اعمال را شرط در کمال ایمان می کنند و معتزلہ شرط در صحت ایمان دیزید و ینقص یعنی ایمان زیادہ می شود و کم۔

و درین مسئلہ نیز اختلاف است، پس مذہب سلف آن است کہ ایمان زیادت و نقصان می پذیرد، و اکثر متکلمین ازین منکر اند، و ہمین مذہب حنفیہ است و گویند کہ اگر قبول کند زیادت و نقصان را پس آن شک و کفر باشد، و این فہم محض ایشان است، چہ دلیلے شرعی برآن نیست، زیرا کہ شارع نقصان آن را بمقدار دانہ خردل یا ذرہ اعتبار کردہ پس حد نقصان تا مقدار دانہ خردل یا ذرہ نزد شارع معتبر است و کمتر ازان معتبر و مقبول نیست، چنانکہ از حدیث ابوسعید خدری بہ کہ سابق گذشت مستفاد می شود و مادون خردل و ذرہ موجب شک و کفر خواہد بود، و مخفی ظاہر کہ زیادت و نقصان امر اضافی است، و نقصان کم از دانہ خردل نزد شارع مراد نیست، کما لا یخفی علی المتامل الماہر بالنصوص، و مختار آن است، کہ نفس تصدیق نیز زاید و ناقص می شود بکثرت نظر غائر و وضوح ادلہ چنانکہ قول حضرت ابراہیم لیطمئن قلبی الآیۃ برآن دلیل است و اگر نفس تصدیق متفاوت نمی بود پس لازم می آید کہ ایمان انبیاء علیہم السلام و ایمان عامہ مومنین مساوی باشد، حالانکہ این چنین نیست فی الواقع، و لہذا ایمان صدیقین قوی تر است از ایمان سائر مومنین، چنانکہ در حدیث وارد شدہ ولو اتزن ایمان ابی بکر بایمان الامۃ لرجح ایمان ابی بکر کما فی الجامع الصغیر للسیوطی وغیرہ من کتب الحدیث للبیہقی قولہ یزید و ینقص الخ الکلام ہنا فی المقامین احدھما کونہ عملا و قولا والثانی انہ یزید و ینقص فاما القول فالمراد بہ النطق بالشہادتین واما العمل فالمراد بہ ما ہو اعم من عمل القلب والجوارح لیدخل الاعتقاد والعبادات والمراد من ادخل ذلک فی تعریف الایمان ومن نفاہ انما ہو بالنظر الی ما عند اللہ تعالی فالسلف قالوا

کرامیہ کا عقیدہ یہ ہے، کہ ایمان صرف توحید و رسالت کے اقرار کا نام ہے معتزلہ کا خیال ہے، کہ ایمان دل کے اعتقاد، زبان کے اقرار اور اعضاء کے اعمال کا نام ہے بسلف صالحین اور معتزلہ کے مذہب میں فرق یہ ہے کہ سلف اعمال کو کمال ایمانی کے لئے شرط قرار دیتے ہیں، اور معتزلہ صحت ایمانی کے لئے، چنانچہ بخاری شریف کے باب الایمان یزید و ینقص کے تحت علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں اس بحث کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔

هو اعتقاد بالقلب ونطق باللسان وعمل بالارکان وارادوا بذلک ان الاعمال
تشترط فی کماله ومن ههنا نشأ لهم القول بالزیادة والنقصان کما سیأتی و
المرجئة قالوا هو اعتقاد ونطق فقط والکرامیة قالوا هو النطق والمعتزلة قالوا
هو العمل والنطق والاعتقاد والفارق بینهم وبین السلف انهم جعلوها شرطا
فی کماله وهذا کله کما قلنا بالنظر الی ما عند الله تعالی واما بالنظر الی ما عندنا
فالایمان هو الاقرار فقط فمن اقر اجریت علیه الاحکام فی الدنیا ولم یحکم علیه
بالکفر الا ان اقترن به فعل یدل علی کفره کالسجود للصنم واما المقام الثانی
فذهب السلف الی ان الایمان یزید وینقص وانکر ذلک اکثر المتکلمین وقالوا
متی قبل ذلک کان شکا قال الشیخ محی الدین الاظهر المختار ان التصدیق یزید
وینقص بکثرة النظر ووضوح الادلة ولهذا کان ایمان الصدیق اقوی من
ایمان غیره بحیث لا یعتریه الشبهة ویؤیده ان کل احد یعلم ان ما فی قلبه
یتفاضل حتی انه یکون فی بعض الاحیان اعظم یقینا واخلاصا وتوکلا منه
فی بعضها وکذلک فی التصدیق والمعرفة بحسب ظهور البراهین وکثرتها و
قد نقل محمد بن نصر المروزی فی کتابه تعظیم قدر الصلوة عن جماعة من
الائمة نحو ذلک وما نقل عن السلف صرح به عبد الرزاق فی مصنفه عن سفیان
الثوری ومالک بن انس والاوزاعی وابن جریج ومعمر وغیرهم وهؤلاء فقهاء
الامصار فی عصرهم وکذلک نقله ابو القاسم اللالکائی فی کتاب السنة عن الشافعی
واحمد بن حنبل واسحق بن راهویه وابی عبید وغیرهم من الائمة وروی بسنده
الصحیح عن البخاری قال لقیت اکثر من الف رجل من العلماء بالامصار فما

یہ بھی یاد رہے، کہ ایمان کی کمی بیشی کی بحث کا تعلق یوم آخرت اور خدا تعالیٰ سے ہے، کہ قیامت کے دن
خداوند تعالیٰ ایمان کی کمی بیشی کے لحاظ سے فرق مراتب کریں گے، ورنہ دنیا میں کسی کے ایمان میں فرق نہیں ہوسکتا،
جو شخص بھی ایمانیات کا اقرار کرے گا، اس کو ہم مومن ہی کہیں گے، اور اس پر مومنوں کے احکام جاری ہوں گے، تا
وقتیکہ وہ کسی صریح عمل کفر کا ارتکاب نہ کرے، مثلاً کوئی بت کو سجدہ کردے، محمد بن نصر مروزی اور قاسم لالکائی
نے بہت سے اماموں اور فقہا کے نام گنائے ہیں، جن کا مذہب تھا، کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے، اور قاسم نے
بسند صحیح امام بخاری سے نقل کیا ہے، کہ وہ کہتے ہیں، کہ میں مختلف شہروں میں قریباً ایک ہزار عالم سے ملا ان میں

رایت احدا منہم یختلف فی ان الایمان قول وعمل ویزید وینقص واطنب ابن
ابی حاتم واللالکائی فی نقل ذلک بالاسانید عن جمع کثیر من الصحابۃ والتابعین
وکل من یدور علیہ الاجماع من الصحابۃ والتابعین۔ وحکاہ فضیل بن عیاض
ووکیع عن اہل السنۃ والجماعۃ وقال الحاکم فی مناقب الشافعی حدثنا ابو
العباس الاصم انبانا الربیع قال سمعت الشافعی یقول الایمان قول وعمل
ویزید وینقص واخرجہ ابو نعیم فی ترجمۃ الشافعی من الحلیۃ من وجہ اخر
عن الربیع وزاد یزید بالطاعۃ وینقص بالمعصیۃ ثم تلا ویزداد الذین امنوا
ایمانا ثم شرع المصنف (ای البخاری) یستدل لذلک بآیات من القران مصرحۃ
بالزیادۃ وثبوتہا یثبت المقابل فان کل قابل للزیادۃ قابل للنقصان ضرورۃ
انتہی ما فی فتح الباری من ابتداء شرح کتاب الایمان للبخاری وامام بخاری
در ابتدار کتاب الایمان آوردہ الحب والبغض فی اللہ من الایمان واستدل علی ذلک
ان الایمان یزید وینقص لان الحب والبغض یتفاوتان وقولہ ایضا فان
للایمان فرائض ای اعمالا مفروضۃ وشرائع ای عقائد دینیۃ وحدودا ای
منہیات ممنوعۃ وسننا ای مندوبات فمن استکملہا ای الفرائض وما
معہا فقد استکمل الایمان والمراد انہا من المکملات لان الشارع اطلق
علی مکملات الایمان ایمانا انتہی ما فی فتح الباری مختصرا عن ابن عمر رضا
قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام بنا کردہ شدہ است
اسلام علی خمس برپنج ارکان واسلام بنظر حقیقت شرعیہ با ایمان اتحاد میدارد در تصدیق و
علی ہذا قال اللہ تعالی فاخرجنا من کان فیہا من المؤمنین فما وجدنا فیہا
غیر بیت من المسلمین الایۃ ہر یک از پنج ارکان ستون است برائے اسلام پس

ے ایک نے بھی ایمان کی کمی بیشی سے اختلاف نہیں کیا، امام بخاری نے حدیث الحب والبعض فی اللہ بیان
کرکے اس سے بھی ایمان کی کمی بیشی کا استدلال کیا ہے، اور حدیث میں یہ بھی ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے
تو ضروری ہے کہ ان میں سے اگر کوئی رکن رہ جائے گا، تو اس قدر اسلام کم ہو جائے گا، اور شرعی اعتبار سے اسلام
اور ایمان ایک ہی چیز ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فاخرجنا من کان فیہا من المؤمنین اور پھر فرماتے ہیں فما
وجدنا فیہا غیر بیت من المسلمین تو جس قدر اسلام کم ہوگا ایمان بھی کم ہوگا۔

درین کلام آن خیر الانام تشبیہ دادہ شد اسلام رابیک چیزے کہ مبنی بر ستونہا باشد بر سبیل استعارہ بالکنایۃ و مضاف کردہ شد بسوئے اسلام بنارا کہ از خواص مشبہ بہ است بر طریق تخییل،

و اگر گفتہ شود کہ چہار اخیرہ کہ در حدیث مذکور اند مبنی بر شہادتین مذکورین اند چہ آن ہر چہار بدرجہ صحت نمیر سند مگر وقتے کہ شہادت موجود باشد و یافتہ شود، پس ضم مبنی بسوئے مبنی علیہ در یک مسمی چگونہ صحیح باشد جوابش آن است کہ جائز است اول یک شے مبنی بر یک امر باشد، بعد ازان ہمان ہر دو یک شے ثالث مبنی شود، و آن ہر دو مبنی علیہ از برائے آن شے ثالث باشند، و اگر گفتہ شود مغایرت مبنی بر مبنی علیہ لازم است، جواب آنکہ مجموع از جہت انفراد غیر است و از جہت جمع عین است، چنانکہ یک خانہ از موئے بنا کردہ شود بر پنج ستونہا کہ یکے از آنہا وسط باشد، و دیگر ہر چہار طرف ارکان باشند پس وقتے کہ وسط قائم باشد ہر آئینہ مسمی بیت و خانہ قائم است، اگرچہ بعضے از ارکان ہائے وے بیفتد و در ہنگامے کہ وسطا فتد مسمی بیت و خانہ زائل گردد، اگرچہ ہر چہار ارکان قائم باشند، پس خانہ من حیث المجموع خود یک شے است و بنظر افراد اشیاء کثیرہ است و بنظر باساس اصل است و بنظر بارکان تبع هذا خلاصة ترجمة ما فی فتح الباری وغیرہ شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله واقام الصلوة وایتاء الزكوة والحج وصوم رمضان كما رواه البخاری وفی بعض الروایة صوم مقدم علی الحج واطلاق ایمان بر اسلام باعمال ازین حدیث ثابت گردید، و نیز زیادت و نقصان ازان بوضوح پیوست، پس مذہب سلف کہ ایمان باعتقاد جنان است و قول بلسان و عمل است، راست و برحق شد کما لا یخفی علی المتامل المتفطن، امام بخاری باب امور الایمان منعقد گردانید، و درین باب آیات آورد و حدیث از ابو ہریرہ رضؓ نقل کرد، چنانکہ می آید یعنی باب است در بیان اعمال و اقوال کہ عین

یہاں بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے، کہ پانچ ارکان اسلام میں سے آخری چار چیزوں کی بنیاد کلمہ توحید اور رسالت پر ہے، کیونکہ اگر شہادتین نہ ہوں، تو باقی چار چیزیں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ قبول نہ ہوتیں، تو معلوم ہوا کہ کلمہ شہادتین مبنی علیہ ہے، اور باقی چار چیزیں مبنی ہیں، اور مبنی اور مبنی علیہ میں مغائرت ہوتی ہے، اس سے ثابت ہوا کہ اعمال ایمان کی اصلی حیثیت سے خارج ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے، کہ ایک چیز کی بنیاد کسی شے پر ہو، اور پھر وہ دونوں چیزیں مل کر ایک تیسری چیز کے لئے بنیاد ہوں یہ ہو سکتا ہے، مثلاً ایک مکان ہی کو سمجھیے، اس میں بحیثیت افراد اینٹ لکڑی، مٹی، لوہا وغیرہ بہت سی چیزیں ہیں، اور بحیثیت مجموعی ان تمام چیزوں کو ایک ہی لفظ مکان سے تعبیر کر لیا جاتا ہے

ایمان اندریں باب است درمیان امورے کہ خصوصیت بایمان دارند در تحقق حقیقت وتکمیل ماہیت او، باب امور الایمان بالاضافۃ البیانیۃ لان المراد بیان الامور التی ھی الایمان لان الاعمال عند المؤلف ھی الایمان او بمعنی اللام ای باب الامور الثابتۃ للایمان فی تحقق حقیقتہ وتکمیل ذاتہ کذا فی ارشاد الساری وقال فی فتح الباری المراد بیان الامور التی ھی الایمان والامور التی للایمان انتہی کلامہ عن ابی ھریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الایمان بضع وسبعون شعبۃ بالضم قطعۃ والمراد الخصلۃ والجزء انتہی مافی فتح الباری مراد مؤلف رحمۃ اللہ علیہ آن است کہ ازین حدیث معلوم می شود بطریق صراحت نہ بطور اشارت کہ اطلاق اسم ایمان براقوال وافعال صحیح است وزیادت ونقصان اوان صریح است حسب فرمودہ صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کما لایخفی علی ادنی طالب العلم وآیت کریمہ وما کان اللہ لیضیع ایمانکم ای صلوتکم عند البیت کما فی البخاری وغیرہ من کتب الحدیث والتفسیر مؤید اطلاق ایمان براعمال وحدیث الایمان بضع وسبعون شعبۃ نیز مشعر ومخبر است براشتمال اعمال درایمان ان ھذہ الشعب تتفرع عن اعمال القلب واعمال اللسان واعمال البدن فاعمال القلب فیہ المتعقدات والنیات وتشمل علی اربع وعشرین خصلۃ الایمان باللہ ویدخل فیہ الایمان بذاتہ وصفاتہ وتوحیدہ وبانہ لیس کمثلہ شیء واعتقاد حدوث مادونہ والایمان بملائکتہ وکتبہ ورسلہ والقدر خیرہ وشرہ والایمان بالیوم الآخر ویدخل فیہ المسئلۃ فی القبر والبعث والحساب والمیزان والصراط والجنۃ والنار ومحبۃ اللہ والحب والبغض فیہ ومحبۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واعتقاد تعظیمہ ویدخل فیہ الصلوۃ علیہ واتباع سنتہ والاخلاص ویدخل فیہ ترک الریاء والنفاق والتوبۃ والخوف والرجاء والشکر والوفاء والصبر والرضاء بالقضاء والتوکل والرحمۃ والتواضع ویدخل فیہ توقیر الکبیر ورحم الصغیر وترک الکبر والعجب وترک الحسد وترک الحقد وترک الغضب واعمال اللسان تشتمل علی سبع خصال التلفظ

ایک درخت اپنی شاخوں کی حیثیت سے بہت سی چیزوں پر مشتمل ہے، اور بحیثیت مجموعی وہ ایک "درخت" ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایمان کو درخت سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا کہ ایمان کی ساٹھ سے کچھ اوپر شاخیں، اور وہ شاخیں سب اسلام کے احکام ہیں، فتح الباری میں ان تمام شاخوں کو ایک ایک کرکے گنایا

بالتوحید وتلاوة القرآن وتعلم العلم وتعلیمہ والدعاء والذکر ویدخل فیہ الاستغفار واجتناب اللغو واعمال البدن تشتمل علی ثمان وثلاثین خصلة منہا ما یختص بالاعیان وہی خمسة عشر خصلة التطہیر حسا وحکما ویدخل فیہ اجتناب النجاسات وستر العورة والصلوة فرضا ونفلا والزکوة کذلک وفک الرقاب والجود ویدخل فیہ اطعام الطعام واکرام الضیف والصیام فرضا ونفلا والاعتکاف والتماس لیلة القدر والحج والعمرة کذلک والطواف والفرار بالدین ویدخل فیہ الھجرة من دار الشرک والوفاء بالنذر والتحری فی الایمان واداء الکفارات ومنہا ما یتعلق بالاتباع وہی ست خصال التعفف بالنکاح والقیام بحقوق العیال وبر الوالدین وفیہ اجتناب العقوق وتربیة الاولاد وصلة الرحم وطاعة السادة والرفق بالعبید ومنہا ما یتعلق بالعامة وہی سبع عشرة خصلة القیام بالامرة مع العدل ومتابعة الجماعة وطاعة اولی الامر والاصلاح بین الناس ویدخل فیہ قتال الخوارج والبغاة المعاونة علی البر ویدخل فیہ الامر بالمعروف والنہی عن المنکر واقامة الحدود والجہاد والمرابطة واداء الامانة ومنہ اداء الخمس واکرام الجار وحسن المعاملة وفیہ جمع المال من حلہ وانفاق المال فی حقہ وفیہ ترک التبذیر والاسراف ورد السلام وتشمیت العاطس وکف الضرر عن الناس واجتناب اللہو واماطة الاذی عن الطریق فہذہ تسع وستون خصلة ویمکن عدہا تسعا وسبعین خصلة باعتبار افراد ما ضم بعضہ الی بعض بما ذکر واللہ اعلم انتہی ما فی فتح الباری واستدل الشافعی واحمد وغیرہما علی ان الاعمال تدخل فی الایمان بہذہ الآیات وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین حنفاء ویقیموا الصلوة ویؤتوا الزکوة وذلک دین القیمة وقال لیس علیہم جناح من ہذہ الآیة وایضا استدل علی ذلک ان الایمان یزید وینقص انتہی ما فی فتح الباری

ہے، اور تمہارے قول کے مطابق تو ایمان کی سرے سے کوئی شاخ ہے ہی نہیں، بلکہ وہ صرف تصدیق اور اقرار ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے احکام کو ایمان کی شاخیں قرار دے کر ان کو ایمان کا جزو بنا دیا۔
قرآن مجید کی ان آیات پر بھی غور کرو۔ اور ان کو حکم دیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں ایک سو ہو کر اس کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے، اور نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ دیں، اور یہی ہے سیدھا دین" اس سے معلوم ہوا کہ نماز

بدانکہ استدلال امام شافعیؒ واحمدؒ ودیگر سلف صالحین این است کہ مشار الیہ ذلک
کل ماتقدم است وہمیں صحیح و حق است بدلیل سوال جبرئیل علیہ السلام از اسلام وایمان واحسان
وفرمودن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ را ھذا جبرئیل جاء یعلم الناس دینھم پس
ہمہ را دین قرار داد، چنانکہ تمام حدیث عنقریب می آید ہرگاہ کل ماتقدم مشار الیہ ذالک شد
پس کل ماتقدم مسمی بالدین گردید واعمال در دین داخل شد ودین اسلام است لقولہ تعالی
ان الدین عند اللہ الاسلام الایۃ واسلام عین ایمان است، زیرا کہ ایمان اگر غیر اسلام
باشد پس آن مقبول عند اللہ ہرگز نخواہد بود لقولہ تعالی ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن
یقبل منہ الایۃ فثبت ان الاعمال دین والدین اسلام والاسلام ایمان فلزم ان
یکون داخلۃ فی الایمان؛ حدیث سوال کردن جبرئیل علیہ السلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
را از ایمان واسلام واحسان مؤید است در دخول اعمال کاملہ در دین فقال ما الایمان یعنی
جبرئیل علیہ السلام قال یعنی جواب فرمود رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم برائے آن مرد الایمان ان
تؤمن باللہ وملائکتہ وبلقائہ ورسلہ وان تؤمن بالبعث قال بازگفت آن مرد سائل
ما الاسلام قال فرمود رسول مقبول رب العالمین الاسلام ان تعبد اللہ ولا تشرک بہ شیئا
وتقیم الصلوۃ وتؤدی الزکوۃ وتصوم رمضان الی اخر الحدیث الطویل ثم ادبر
پس تر پشت داد آن مرد وبیرون آمد ثم قال پس فرمود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ردوہ پس بیارید
آن مرد را فلم یروہ پس ندیدند اورا فقال پس فرمود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ھذا جبرئیل
جاء این مرد غائب جبرئیل بود کہ آمدہ بود یعلم الناس دینھم در حالیکہ تعلیم کند مردان را دین پس

اور زکوۃ دین ہیں، اور عند اللہ دین اسلام ہے، چنانچہ اللہ تعالی نے فرمایا، کہ اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے، اب غور
طلب یہ چیز ہے، کہ ایمان اسلام ہے یا نہیں؟ اگر ایمان اسلام ہے تو فبہا، ورنہ وہ اللہ تعالی کے نزدیک مقبول نہیں ہوگا،
چنانچہ ارشاد خداوندی ہے "جو اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرے گا، تو وہ اس سے کبھی قبول نہ کیا جائے گا" قرآن آیات
سے ثابت ہوا، کہ اعمال دین ہیں، اور دین اسلام ہے، اور اسلام ایمان ہے، تو نتیجہ یہ نکلا کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں
پھر جبریل علیہ السلام کی حدیث پر غور کرو کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان اور اسلام کے
بارے میں سوالات کئے، اور آپ نے فرمایا، کہ یہ جبریل تھے، وہ لوگوں کو ان کا دین سکھانے کے لئے آئے
تھے، اب اسلام کے احکام بھی دین کی حقیقت میں شامل ہوئے، اور اعتقادات بھی اب یہ تمام چیزیں مل کر دین ہیں
تو ان کی کمی بیشی سے دین واسلام میں کمی بیشی ہوگی۔

ازیں حدیث مذکور صاف ظاہر شد که گردانید رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم این ہمہ مذکورہ بالا را از دین در قول خود که فرمود یعلم الناس دینهم درین صورت، قول و فعل و زیادت و نقصان در دین و ایمان متحقق گردید کما لا یخفی علی الماہر بالشریعة

واز حدیث حلاوت ایمانی زیادت و نقصان ایمان ہم ظاہر است عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فرمود رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ثلاث سه خصلت اند من کن فیه که ہر آن کسے که موجود شوند آن سه خصلت در وے وجد حلاوة الایمان بیابد آن کس شیرینی و لذت ایمان را دریافت که تشبیہ داد ایمان را بچیزے شیرین و ثابت کرد برائے وے خواص مشبہ به که حلاوت است، و بر زبان ہر انسان حلاوت شہد و حلاوت قند سیاه و قند سفید و مصری یکساں نیست بلکه کیفیات متفاوته است ان یکون الله ورسوله احب الیه مما سواهما وان یحب المرء لا یحبه الا لله وان یکره ان یعود فی الکفر کما یکره ان یقذف فی النار کما رواه البخاری، پس چنانچه مشبه به متفاوت الکیفیت است ہم چنان مشبه نیز متفاوت الکیفیت است یعنی زیادت و نقصان می پذیرد، چنانکه شہد صحیح المزاج را حلاوت زیاده تر خواہد داد بخلاف مزاج صفراوی از ینجا است قول او حق سبحانه فی قلوبهم مرض فزادهم الله مرضا و ہم چنین خواب دیدن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم از قمیصہا بر مردمان و قمیص حضرت عمر را فراخ تر از ہمه مردمان و تعبیر دادن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم از قمیصہا بدینہائے مردمان و تعبیر فراخی قمیص عمر فاروق بفراخی و زیادتی دین، پس قمیص مشبه به شد و دین مشبه بقمیص گردید یعنی چنانکه قمیص متفاوت میشود در زیادت و نقصان و ہم چنین اہل دین و ایمان متفاضل و متفاوت اند عن ابی امامة بن سهل بن حنیف انه سمع ابا سعید الخدری یقول قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بینا انا نائم رایت الناس یعرضون علی وعلیهم قمص فمنها ما یبلغ الثدی ومنها

پھر حضرت انسؓ کی حدیث پر بھی غور کرو کہ آپ نے فرمایا جس میں تین چیزیں ہوں اس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا یہ ایمان کے تین اجزاء قابل غور ہیں اگر ایمان نفس تصدیق و اقرار کا نام ہے، تو اس کے اجزاء نہیں ہو سکتے، اور اگر اعمال اس میں شامل ہوں تو اس کے اجزا قرار دیئے جائیں گے، اعمال کی کمی بیشی سے ایمان کی کمی بیشی ہوگی۔

پھر حضرت ابو سعید خدری کی اس حدیث پر بھی غور کرو جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک خواب کی کیفیت بیان فرمائی ہے، کہ میں سویا ہوا تھا، لوگ میرے سامنے پیش کئے جا رہے تھے، ان کے جسموں پر قمیصیں تھیں، کسی کی قمیص چھاتی تک تھی، اور کسی کی اس سے نیچے (حضرت) عمر کو بھی مجھ پر پیش کیا گیا، ان کی قمیص زمین پر

دون ذلک وعرض علی عمر بن الخطاب وعلیہ قمیص یجرہ وحالانکہ بردے پیراہنے بود کہ می کشید آن را زیر پائے خود از جہت درازی دسے قالوا فما اولت یا رسول اللہ صحابہ کرام گفتند پس چہ تاویل وتعبیر کردی اے رسول خدا این خواب را قال الدین فرمود رسول مقبول رب العالمین در جواب آن جماعت سوال کنندگان تعبیر گرفتم دین را کما رواہ البخاری یعنی تعبیر از قمیص بدین فرمود وایمان ودین متحد اند ودین را تشبیہ بقمیص نمود وقمیص متفاوت می باشد پس ثابت شد بقول رسول مقبول رب العالمین کہ اہل دین وایمان متفاوت ومتفاضل اند در ایقان، وازین جا امام نووی در شرح مسلم گفتہ کہ درین حدیث فوائد بسیار است، اول آنکہ اعمال داخل در ایمان است، دوم اینکہ ایمان ودین متحد اند سیوم اینکہ اہل ایمان متفاوت اند در ایقان، چہارم اینکہ بیان فضیلت عمر فاروق رض بردیگران وفضیلت حضرت ابوبکر صدیق بر حضرت عمر رض بدلائل دیگر ثابت شدہ کہ بیانش بموضع خود مذکور است، چنانکہ بر علماء شریعت مخفی نیست۔

وختم این مبحث بر تحریر دلپذیر مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ می شود، در تفسیر خود می نویسند تحقیق المقام آن است، کہ چنانچہ ہر چیز راسہ نحو وجود است، وجود عینی ووجود ذہنی ووجود لفظی ہم چنان ایمان رانیز این سہ نحو وجود متحقق است، وقاعدہ مقرر است، کہ وجود عینی ہر چیز اصل است وباقی وجودات فرع وتابع آن وجود اند پس وجود عینی ایمان نوری است، کہ در دل حاصل می شود بسبب رفع حجاب بینہ وبین الحق وہمیں نور است، کہ در آیت کریمہ مثل نورہ کمشکوۃ فیہا مصباح تمثیل آن باشباع تمام مذکور فرمودہ اند، ودر آیت اللہ ولی الذین امنوا یخرجہم من الظلمات الی النور سبب آن را بیان نمودہ، واین نور مانند سائر انوار محسوسہ قابل قوت وضعف واشتداد وانتقاص است، چنانچہ در آیت واذا تلیت علیہم آیاتہ زادتہم ایمانا

گھسٹتی آرہی تھی" لوگوں نے سوال کیا یا رسول اللہ آپ نے اس کی تعبیر کیا فرمائی آپ نے فرمایا "دین" تو اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں کا دین کم وبیش تھا جیسے کہ قمیص بھی بڑی چھوٹی تھی، اس حدیث سے حضرت عمر رض کی تمام امت پر فضیلت ثابت ہوتی ہے، اور حضرت ابوبکر کی ان سے افضلیت دوسرے دلائل سے ثابت ہے جس کا بیان اپنی جگہ پر مذکور ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر عزیزی میں اس مقام پر ایک عجیب بحث فرمائی ہے، فرماتے ہیں، کہ ہر چیز کے تین وجود ہوتے ہیں، وجود عینی، وجود ذہنی، وجود لفظی، ایمان کے بھی یہ تین وجود ہیں، وجود عینی ہی کا دوسرا نام نور ہے، جو کہ حجابات کے اٹھ جانے کے بعد دل میں پیدا ہوتا ہے، اور یہی اس کا اصلی وجود ہے مادر مثل نورہ کمشکوۃ الآیہ میں یہی نور مراد ہے اور دوسرے تمام ظاہری انوار کی طرح اس میں بھی کمی بیشی ضعف وقوت پایا

ودیگر آیات بسیار بآن اشارت فرمودہ اند وطریق زیادتش آن است، کہ ہر گاہ حجابے مرتفع میشود آن نور زیادت می پذیرد، وایمان قوت می گیرد، تا آنکہ باوج کمال خود رسد، ونور منبسط وفراخ شدہ جمیع قویٰ واعضار را احاطہ کند، پس اول انشراح صدر حاصل گردد وبر حقائق اشیاء مطلع شود وصدق انبیاء آنچہ اخبار فرمودہ اند اجمالاً وتفصیلاً وجدانی گردد وبقدر نور یا زیادت انشراح صدر داعیہ دلی نسبت شود بآن کہ موافق ہر امر الٰہی بجاآرد واز ہر محظور شرعی اجتناب ورزد ودرین حالت انوار اخلاق فاضلہ وملکات حمیدہ واعمال صالحہ متبرکہ با انوار معرفت منضم گشتہ بیک جا شدہ طرفہ چراغانی در شبستان ظلمت طبیعت بہیمیہ وشہویہ روشن سازند آہ

ووجود ذہنی ایمان دو مرتبہ دارد، اول ملاحظہ اجمالی وآن معارف متجلیہ وآن غیوب منکشفہ بوجہ کلی کہ مفاد کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ است، واین ملاحظہ را تصدیق اجمالی گردیدن وباور کردن نامیدہ اند، دوم ملاحظہ تفصیلی، ہر ہر فرد از افراد غیوب متجلیہ وحقائق منکشفہ با ربطے کہ فیما بین دارد وملاحظہ را تصدیق تفصیلی نامیدہ اند،

ووجود لفظی ایمان در اصطلاح شارع نام شہادتین است وبس وظاہر است کہ وجود لفظی ہر چیز بدون تحقق حقیقت آن چیز اصلاً فائدہ نمی کند، ولا تشنہ را نام آب گرفتن سیراب می کرد وگرسنہ را نام نان گرفتن تسلی می بخشید، مگر آنکہ تعبیر ما فی الضمیر چون بدون واسطہ نطق وتلفظ در عالم بشریت امکان ندارد ناچار تلفظ کلمہ شہادت را مدخلے عظیم دادہ اند در حکم بایمان شخص فرمودہ اند امرت ان

جاتا ہے، جب بھی کوئی حجاب اٹھتا ہے، تو یہ نور زیادہ ہو جاتا ہے، اور ایمان قوت پکڑ جاتا ہے، یہاں تک کہ کمال کے آخری مقام پر پہنچ جاتا ہے، ایمان کا دوسرا وجود ذہنی ہے، اور اس کے دو مراتب ہیں، ایک ملاحظہ اجمالی اور دوسرا تفصیلی، کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے مفاد کے طور پر جب معارف وغیوب بحیثیت کلی منکشف ہو جاتے ہیں، تو اس کا نام ملاحظہ اجمالی یا تصدیق اجمالی ہے، اور جب افراد غیبیہ روشن ہوتے ہیں تو ان کا آپس میں ربط معلوم ہوتا ہے، تو اس کا نام تصدیق تفصیلی ہے، اور ایمان کا وجود لفظی شارع کی اصطلاح میں شہادتین کا نام ہے۔ اور یہ تو ہر آدمی جانتا ہے، کہ ایمان کا لفظی وجود بغیر حقیقت کے تحقق کے کچھ فائدہ نہیں دے سکتا اگر ایسا ہوتا، تو پیاسے کی پیاس پانی کا نام لینے سے بجھ جاتی، اور روٹی کا نام لینے سے بھوکے کی بھوک دور ہو جاتی، لیکن ایسا نہیں ہوتا، لیکن چونکہ نطق اور تلفظ کے بغیر ما فی الضمیر ادا نہیں ہو سکتا، لہٰذا مجبوراً کلمہ شہادت کے تلفظ کا اشخاص کے ایمان میں بہت بڑا دخل ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "مجھے حکم دیا گیا ہے، کہ میں اس وقت تک لوگوں سے لڑ سکتا ہوں، جب تک کہ وہ کلمہ لا الہ الا اللہ نہ کہیں، جب انہوں نے

اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ فاذا قالوھا عصموا منی دماءھم واموالھم الا بحقھا وحسابھم علی اللہ واز ہمیں تحقیق معلوم شد کیفیت زیادت ایمان ونقصان آن وقوت وضعف آن ونیز واضح گشت آنچہ وارد است کہ لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مومن والحیاء من الایمان ولا یؤمن احدکم حتی یامن جارہ بوائقہ ہمہ محمول برکمال ایمان است در وجود عینی خود وکسانیکہ نفی زیادت ونقصان کردہ اند مراد ایشان مرتبہ اول است از وجود ذہنی ایمان پس نزاعے وخلافے نیست، انتہی ما فی تفسیر العزیزی بقدر الحاجۃ

بدانکہ بعد املاء عبارت تفسیر عزیزی رسالہ امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ دستیاب شد و نقل کردن بندے عبارت ازان رسالہ مذکورہ ضرورتے افتاد زیراکہ ہمہ علماء ہر چہار مذہب امام احمد بن حنبل را پیشوائے دین وامام چہارم از اہل سنت والجماعت بالیقین میدانند لہذا سطرے چند ازان رسالہ نگاشتہ می شود پس کسے کہ ازان غیظ وغضب کند بر ایشان کند چہ من صرف ناقل کلام ایشان ام قال احمد بن محمد بن حنبل ھذہ مذاھب اھل العلم واصحاب الاثر واھل السنۃ المتمسکین بعروتھا المعروفین بھا المقتدی لھم فیھا من لدن اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی یومنا ھذا وادرکت من علماء الحجاز والشام وغیرھما علیھا فمن خالف شیئا من ھذہ المذاھب اوطعن فیھا اوعاب قائلھا فھو مخالف مبتدع خارج عن الجماعۃ زائل عن منھج السنۃ و

یہ کلمہ کہہ دیا، تو انہوں نے اپنے خون اور مال ماسوائے حقوق اسلام کے مجھ سے بچا لئے" اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ رہے گا" اس بحث سے یہ معلوم ہوا کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے، پھر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ "حیا ایمان ہے" اور "زانی جب زنا کرتا ہے، تو اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا" اور "کوئی تم میں سے اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اس کا ہمسایہ اس کی ایذا رسانیوں سے محفوظ نہ ہو جائے" یہ تمام احادیث کمال ایمانی پر دال ہیں، اور یہ اچھی طرح جان لینا چاہیئے، کہ جو لوگ ایمان میں کمی بیشی کے قائل نہیں ہیں، ایمان سے ان کی مراد وجود ذہنی ہے نہ کہ غیر۔

خیال تھا کہ شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ کے اقتباس پر اس بحث کو ختم کیا جائے لیکن اس کے بعد امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ کا ایک رسالہ نظر سے گذرا، جو اپنے انداز کے لحاظ سے بڑا عجیب ہے، اگر اس عبارت میں آپ کوئی لفظ سخت محسوس کریں تو مجھ پر ناراض نہ ہونا، کیونکہ میں تو صرف ناقل ہوں، اصل عبارت امام اہل سنت والجماعت احمد بن حنبل کی ہے "ایمان میں کمی بیشی کا عقیدہ اہل علم اور اہل حدیث اور اہل سنت کا عقیدہ ہے، اور یہی عقیدہ صحابہ کرام سے لے کر آج تک چلا آرہا ہے اور آج علمائے شام اور حجاز کا بھی یہی عقیدہ ہے، جو اس عقیدہ کا مخالف ہے وہ بدعتی ہے

سبیل الحق فکان قولهم ان الایمان قول وعمل ونیة وتمسك بالسنة والایمان یزید وینقص فلهم ان یکون بشك انما هو سنة ماضیة عن العلماء فاذا سئل الرجل مؤمن انت فانه یقول انا مؤمن ان شاء الله تعالی ومؤمن ارجوا و یقول امنت بالله وملائکته وکتبه ورسله ومن زعم ان الایمان قول بلا عمل فهو مرجی انتهی ما فیها وایضا یقول المتکلمون المخالفون واصحاب البدع والمرجئة وهم الذین یزعمون ان الایمان مجرد وان الناس لا یتفاضلون فی الایمان وان ایمانهم وایمان الملائکة والانبیاء صلوت الله وسلامه علیهم واحد وان الایمان لا یزید ولا ینقص وان الایمان لیس فیه استثناء وان من امن بلسانه ولم یعمل فهو مؤمن حقا هذا کله قول المرجئة وهو اخبث الاقاویل انتهی ما فیها

اندکے باتو بگفتم و بدل ترسیدم کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

والله اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب۔ الراقم العاجز طالب الحسنیین محمد نذیر حسین عافاہ اللہ تعالی فی الدارین

سوال:۔ جو شخص اللہ تعالی کے خاص بندوں یعنی اولیاء اللہ سے کہ مومن کامل وہی لوگ ہیں جن کی فضیلت میں اللہ تعالی فرماتا ہے الا ان اولیاء الله لا خوف علیهم ولا هم یحزنون الذین امنوا وکانوا یتقون) عداوت و دشمنی رکھے اس کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا

اہل سنت والجماعت سے خارج ہے سبیل حق سے منحرف ہے، کیونکہ سلف صالحین کا عقیدہ تو یہی تھا، کہ ایمان قول اور عمل اور نیت کا نام ہے اور ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے، جب ان سے سوال کیا جاتا ہے، کہ تو مومن ہے تو کہتے ہیں، کہ ہاں میں انشاء اللہ مومن ہوں، اور جس آدمی کا یہ عقیدہ ہو کہ ایمان قول بلا عمل ہے وہ مرجیہ ہے اور متکلمین، بدعتی اور مرجیہ ہی وہ لوگ ہیں، جو کہتے ہیں، کہ ایمان مجرد عقیدہ کا نام ہے، اور سب لوگوں کے ایمان برابر ہیں، حتی کہ نبیوں اور فرشتوں اور ان کا اپنا ایمان سب برابر ہیں اور ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی اور ایمان میں استثناء نہیں ہے، اور جو صرف زبان سے اقرار کرے، وہ پکا مومن ہے، یہ تمام اقوال مرجیہ کے ہیں، اور یہ بدترین اقوال ہیں سے میں نے تجھ سے تھوڑی سی باتیں کی ہیں، اور میں دل میں ڈرتا ہوں کہ تو آزردہ دل نہ ہو جائے، ورنہ کہنے کی باتیں تو بہت تھیں، واللہ اعلم بالصواب، اے عقلمندو! نصیحت حاصل کرو۔

؎ خبردار! اللہ تعالی کے دوستوں پر کوئی خوف نہ ہوگا، اور نہ ہی انہیں کسی قسم کا کوئی غم ہوگا (اللہ کے دوست وہ ہیں) جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے ۱۲

الجواب: جس شخص نے اللہ کے دوستوں سے اس کی دوستی کی وجہ سے ذرا بھی دشمنی رکھی، وہ خدا اور رسول کا دشمن ہے، بلکہ خداوند تعالیٰ اپنے دوستوں کی تائید فرما کے ان لوگوں کا دشمن ہو جاتا ہے، اور حکم فرماتا ہے کہ تم میرے دوستوں سے جو عداوت رکھتے ہو، گویا مجھ سے لڑائی کرتے ہو، حدیث میں آگیا ہے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حق تعالیٰ ارشاد کرتا ہے من عادی لی ولیا فقد اذنتہ بالحرب رواہ البخاری خدا کی پناہ جس کا خدا دشمن ہو اس کا کون دوست اور کہاں ٹھکانا ملے گا[1]، پس ایسا شخص مردود و شیطان ہے، اور خدا کا دشمن ہے اہل اسلام کو چاہیے، کہ ایسے خدا کے دشمن سے اپنے کو الگ بچائے رکھیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یا ایھا الذین امنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء[2] جو ان سے دوستی رکھے گا، وہ بھی خدا کے دشمنوں میں محسوب ہوگا، واللہ اعلم بالصواب، المجیب ابوالبرکات محمد عبدالحی تقی عرف صدرالدین احمد حیدر آبادی۔ الجواب صحیح سید محمد نذیر حسین ۱۲۹۹

سوال: حدیث من لم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیۃ ودیگر من مات ولیس فی عنقہ بیعۃ مات میتۃ جاھلیۃ ان حدیثوں کا کیا منشا ہے، اور کس درجہ کی ہیں، اور کس محدث نے روایت کیا ہے، بینوا توجروا۔

الجواب: حدیث من لم یعرف امام زمانہ الخ کی نسبت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں: حدیث متن مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیۃ صحیح الاسناد است ومقولہ جناب نبوی است صلی اللہ علیہ وسلم ومعنی معرفت وجوب اطاعت است در صورت وجود امام وتحذیر از منازعت ومخالفت چنانکہ از لفظ مات میتۃ جاھلیۃ ظاہر است کہ اہل جاہلیت اتباع رئیس واحد ندا شتند، وہر فرقہ برائے خود رئیس می کردند (فتاوی عزیزی صفحہ ۷۷ جلد دوم) شاہ صاحب نے اس حدیث کو صحیح الاسناد

---

[1] جو آدمی میرے کسی دوست سے دشمنی رکھے، تو میں اس کو اعلان جنگ کرتا ہوں، اس کو بخاری نے روایت کیا ہے۔

[2] اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ ۱۲ [3] یہ حدیث کہ جو شخص مر گیا اور اس نے اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچانا، وہ جاہلیت کی موت مرا، اس کی سند صحیح ہے اور حدیث مرفوع ہے، اور یہاں "معرفت" (پہچان) کا معنی "اطاعت" ہے یعنی جب امام عادل (بادشاہ) موجود ہو، اور پھر آدمی اس کی مخالفت کرے، تو وہ جاہلیت کی موت مرا، کیونکہ جاہلیت کے زمانہ میں لوگ ایک بادشاہ کی اطاعت نہیں کیا کرتے تھے ہر قبیلہ اپنے لئے علیحدہ اپنا امیر مقرر کرتا تھا ۱۲

بتایا ہے، مگر حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی نسبت منہاج السنۃ صفحہ ۲۷ جلد ۱ میں لکھتے ہیں ھذا الحدیث بھذا اللفظ لا یعرف انما المعروف مثل ما روی مسلم فی صحیحہ عن نافع قال جاء عبد اللہ بن عمر الخ ثم ذکر حدیث ابن عمر ومن مات ولیس فی عنقہ بیعۃ مات میتۃ جاھلیۃ یہ حدیث بہت صحیح ہے، امام مسلم نے اس کو اپنی صحیح میں حضرت ابن عمر رضہ سے روایت کیا ہے، یہ حدیث صحیح مسلم کی کتاب الامارۃ صفحہ ۱۲۸ جلد ۲ میں مذکور ہے۔

پوری حدیث اس طرح ہے من[1] خلع یدا من طاعۃ لقی اللہ یوم القیمۃ لا حجۃ لہ ومن مات ولیس فی عنقہ بیعۃ مات میتۃ جاھلیۃ اس حدیث کے جملہ اخیرہ یعنی ومن مات ولیس فی عنقہ الخ کا مطلب و منشا یہ ہے، کہ جو شخص امام وقت کے ہوتے ہوئے اس کی بیعت نہ کرے، اور بلا بیعت کے مرجائے، تو وہ جاہلیت کی موت مرا یعنی گمراہی پر مرا یا اہل جاہلیت کی موت مرا کہ جیسے ان کا کوئی امام مطاع نہیں، اس کا بھی کوئی امام مطاع نہیں مجمع البحار میں ہے وفی شرح الفتن فقد مات میتۃ جاھلیۃ بالکسر حالۃ الموت ای کما یموت اھل الجاھلیۃ من الضلال والفرقۃ لہ من خرج من السلطان مات میتۃ جاھلیۃ[2] ای کموت اھل الجاھلیۃ حیث لم یعرفوا اماما مطاعا ولا یرید انہ یموت کافرا بل عاصیا امام نووی شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں بکسر المیم ای علی صفۃ موتھم من حیث ھم فوضی لا امام لھم انتہی۔

جناب نواب صدیق الحسن خان صاحب رح بغیۃ الرائد فی شرح العقاید صفحہ ۹۲ میں

یہ حدیث ان الفاظ سے نہیں ملتی، اس کے معروف الفاظ وہی ہیں، جو حضرت عبداللہ بن عمر رض کی روایت میں آئے ہیں "جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کی گردن پر کسی کی بیعت نہیں ہے، وہ جاہلیت کی موت مرا" ۱۲

[1] جو شخص ایک بالشت بھر بھی اطاعت سے نکلا وہ قیامت کے دن اس حال میں خدا سے ملے گا، کہ اس کے پاس حجت نہ ہوگی، اور جو اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں بیعت نہ ہو، وہ جاہلیت کی موت مرا ۱۲

[2] جاہلیت کی موت مرنے کا مطلب یہ ہے کہ جیسے جاہلیت والے گمراہی اور بے اتفاقی میں مرتے تھے، اسی طرح وہ آدمی بھی مرے گا، جو بادشاہ کی اطاعت سے باہر نکل گیا کہ اس نے اپنے امام کو نہ پہچانا، یہ مطلب نہیں، کہ وہ کفر کی حالت میں مرے گا بلکہ گنہگار ہوگا ۱۲ [3] ان جیسی موت مرنے کا مطلب یہ ہے، کہ جیسے وہ اپنے بادشاہ کی نافرمانی کرتے تھے، یہ بھی بادشاہ کی نافرمانی کرتا ہے ۱۲

لکھتے ہیں، مراد بمردن جاہلیت آن است کہ باوجود امام دست بیعت باوندہد و متابعت او نکند واگر زمانہ آید کہ امامے دراں موجود نباشد و نصب امام صورت نہ بندد، امید آن است کہ داخل درین وعید نباشد انتہی، شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں، وآنچہ از ابن عمر رض نقل کردہ، کہ من مات ولیس فی عنقہ بیعۃ الا مات میتۃ جاهلیۃ صحیح است لیکن مراد آن است کہ بعد از انعقاد امامت امام باجماع اہل حل وعقد اگر عادل باشد در تسلط واستیلاء بلا منازع اگر جائز باشد توقف در بیعت روا نیست، انتہی (فتاوی عزیزی جلد دوم صفحہ ۷۷) واللہ اعلم بالصواب

حررہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ | سید محمد نذیر حسین

مسئلہ: الانبیاء لا یموت. قول مہمل ہے کسی جاہل کا قول ہے کیونکہ نہ لفظاً ٹھیک نہ معنیً صحیح، اور یہ قول کسی کتاب معتبر حدیث وفقہ بلکہ کتب معتبرہ تصوف میں اس کی کچھ اصل نہیں پائی جاتی، ایسے جاہل لا یعقل کی شان میں یہ حدیث صحیح متواتر پڑھنی چاہیئے من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار کما فی الصحاح الستۃ وغیرہا، اور جو کوئی ایسا عقیدہ رکھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اطلاق موت اور وفات کا گناہ اور عصیان ہے، تو یہ شخص بھی اجہل الناس میں سے ہے، اور منکر شرع مبین ہے قال اللہ تعالی انک میت وانہم میتون الآیۃ وکل نفس ذائقۃ الموت الآیۃ اور صحیح بخاری وغیرہ میں قصہ خطبہ پڑھنے کا ابوبکر صدیق رض کے منقول وارد ہے، حضرت عائشہ سے ان ابابکر اقبل علی فرس من مسکنہ[1] بالسنح

ے جاہلیت کی موت مرنے کا مطلب یہ ہے، کہ امام کے ہوتے ہوئے اس کے ہاتھ پر بیعت نہ کرے، اور اس کی اطاعت نہ کرے، اور اگر کوئی ایسا وقت آجائے کہ اس میں کوئی بادشاہ نہ ہو، اور نہ کسی کو بادشاہ بنانے کی صورت پیدا ہو سکے تو امید ہے، کہ وہ لوگ اس وعید میں شامل نہ ہوں گے ۱۲ ے اور جو حدیث ابن عمر رض سے منقول ہے کہ جو آدمی اس حالت میں مرا کہ اس کی گردن میں کسی کی بیعت نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا صحیح ہے، لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل حل وعقد کے مشورہ سے جب کسی امام کی امامت منعقد ہو جائے، اگر وہ اپنے تسلط میں منصف اور عادل ہو تو بالاتفاق فوری طور پر، اور اگر جابر بادشاہ ہو، تو اس کی بیعت میں توقف نہ کرنا چاہیے ۱۲ ے جو آدمی مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے ۱۲ ے اللہ تعالی نے فرمایا ہے، تو مرنے والا ہے، اور وہ بھی مرنے والے ہیں ۱۲ ے ہر نفس موت کو چکھنے والا ہے ۱۲ ے حضرت ابوبکر رض گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے محلے سے آئے، آپ گھوڑے

(۱) قولہ من مسکنہ بالسنح بضم المہملۃ وسکون النون وبضمہا ایضا بعدہا حاء مہملۃ منازل بنی الحرث وکان ابوبکر رض متزوجا فیہم ۱۲ ابو سعید محمد شرف الدین

حتى نزل فدخل المسجد فلم يكلم الناس حتى دخل على عائشة فتيمم[1] رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو مغشى بثوب حبرة فكشف عن وجهه ثم أكب عليه فقبله وبكى ثم قال بأبي أنت وأمي والله لا يجمع الله عليك موتتين أما الموتة التي كتبت عليك فقد متها انتهى ما في صحيح البخاري وأيضا فيه فقال أبو بكر أما بعد من كان منكم يعبد محمدا فإن محمدا قد مات ومن كان منكم يعبد الله فإن الله حي لا يموت الى آخر ما فيه، اور حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اپنی اپنی قبر میں زندہ ہیں، خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ فرماتے ہیں، کہ جو عند القبر درود بھیجتا ہے، میں سنتا ہوں، اور دور سے پہنچایا جاتا ہوں، چنانچہ مشکوۃ وغیرہ کتب احادیث[2] سے واضح ہوتا ہے، لیکن کیفیت حیات کی اللہ تعالے جانتا ہے، اور دوں کو اس کی کیفیت بخوبی معلوم نہیں۔

سید محمد نذیر حسین

ے اتر کے مسجد میں داخل ہوئے اور لوگوں سے کوئی بات نہ کی حضرت عائشہ رض کے پاس آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو چکا تھا، اور آپ پر ایک چادر ڈالی ہوئی تھی آپ نے چہرے سے چادر اٹھائی، پھر جھک کر آپ کا بوسہ لیا اور رونے لگے، پھر کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان، خدا کی قسم! اللہ تعالی آپ پر دو موتیں جمع نہ کرے گا، جو موت اللہ تعالی نے آپ کے لئے لکھ رکھی تھی، وہ آپ کو آ گئی، اور بخاری میں یہ بھی ہے، کہ حضرت ابوبکر نے کہا، جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عبادت کرتا تھا، وہ تو مر گئے، اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا، تو اللہ تعالی ہمیشہ زندہ ہے کبھی نہ مرے گا ۱۲

(1) قوله فتيمم أي قصد قوله حبرة بكسر المهملة وفتح الموحدة بوزن عنبة نوع من برود اليمن مخططة غالية الثمن قوله فقبله أي بين عينيه وقد ترجم عليه النسائي وأورد بصوريها فتح الباري ۱۲

(2) چنانچہ مشکوۃ وغیرہ کتب سے واضح ہوتا ہے الخ أقول أخرج أبو بكر بن أبي شيبة والبيهقي في الشعب عن أبي هريرة رض قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى علي عند قبري سمعته ومن صلى علي نائيا بلغته انتهى ومعنى قوله نائيا أي بعيدا عني وبلغته بصيغة المجهول ثم أي بلغته الملائكة سلامه وصلاته علي وأخرج أبو الشيخ في كتاب الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم ثنا عبد الرحمن بن أحمد الأعرج ثنا الحسين بن الصباح ثنا أبو معاوية ثنا الأعمش عن أبي صالح عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى علي عند قبري سمعته ومن صلى علي من بعيد بلغته قال ابن القيم في جلاء الأفهام وهذا الحديث غريب جدا انتهى أقول وكذا الحديث الأول أيضا غريب جدا وفي الباب عن عمار بن ياسر بسند ضعيف عند البزار وأبي الشيخ بن حبان والطبراني في الكبير ولم يثبت في الباب شيء مشكوة المصابيح والترغيب والترهيب وعون المعبود شرح سنن أبي داود ۱۲ أبو سعيد محمد شرف الدين

سوال کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس باب میں کہ زید کہتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کو قدرت نہیں کہ مثل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدا کر سکے، اور عمرو کہتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کو قدرت تو ہے مگر موافق اپنے وعدہ کے پیدا نہ کرے گا، ان دونوں میں کون سچا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب ۔ درصورت مرقومہ معلوم کرنا چاہیئے کہ زید اپنے قول میں جھوٹا ہے، اور دعوے اس کا خلاف عقاید مسلمین کے ہے، اور عمرو اپنے دعوے میں سچا ہے، اور اعتقاد اس کا موافق عقائد اہل سنت والجماعت کے ہے، اور اعتقاد زید کا گمراہی ہے، ایسے شخص کو گمراہ اور اہل بدعت سے سمجھنا چاہیئے، ایسے شخص کے کفر اور عدم کفر میں علماء مختلف ہو رہے ہیں، اور قریب کفر کے ہونے میں کچھ شک وشبہ نہیں ہے، واللہ اعلم بالصواب، حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین	محمد قطب الدین	خواجہ ضیاء الدین	محمد اسد علی

حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ

سوال :۔ یا شیخ عبدالقادر وخواجہ سلیمان وغیرہ کا ورد کرنا جائز ہے یا شرک ؟

الجواب :۔ ورد کرنا یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئا للہ وغیرہ کا حرام ہے، قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے ترجمہ ارشاد الطالبین میں لکھا ہے، آنکہ جہال می گویند کہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئا للہ یا خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی شیئا للہ جائز نیست واگر روح حضرت شیخ را متصرف الامور اعتقاد می کند کفرے دیگر است وفی البحر الرائق من ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون اللہ واعتقد بذلک یکفر انتہی۔[1]

سید محمد نذیر حسین

ابو الفیض محمد عبداللہ حنفی | الجواب صحیح | احمد الدین

رشید احمد گنگوہی | جواب سب صحیح اور درست ہیں | جواب سب صحیح ہیں

محمد ہاشم | سید محمد عبدالسلام غفرلہ | پیر محمد دار مصلی شکر کی من

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد چاہنا یعنی یوں کہنا، کہ فلاں کام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد سے کروں گا، جائز ہے یا نہیں، اس کا جواب

[1] وہ جو جاہل لوگ یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئا للہ اور یا شیخ شمس الدین ترک پانی پتی شیئا للہ کہتے ہیں جائز نہیں ہے اور اگر شیخ کی روح کو متصرف فی الامور خیال کرے تو یہ دوسرا کفر ہے، بحرالرائق میں ہے، جو آدمی یہ عقیدہ رکھے کہ میت اللہ کے سوا امور میں تصرف کر سکتی ہے، وہ کافر ہے ۱۲

فقہاء کے قول سے تحریر فرما دیں۔

الجواب:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد چاہنا یعنی یوں کہنا کہ فلاں کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد سے کروں گا، جائز نہیں ہے کیونکہ یہ شرک ہے مجمع البحار میں ہے کو کان مالک ان یقول زرنا قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم وعللوہ بان لفظ الزیارۃ صار مشترکا بین ما شرع وما لم یشرع فان منہم من قصد بزیارۃ قبور الانبیاء والصلحاء ان یصلی عند قبورہم ویدعو عندھا ویسئلہم الحوائج وھذا لا یجوز عند احد من علماء المسلمین فان العبادۃ وطلب الحوائج والاستعانۃ حق اللہ وحدہ انتہی

سید محمد نذیر حسین

مسئلہ:۔ باید دانست کہ ازیں حدیث وان اراد عونا فلیقل یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی چنانکہ صاحب حصن حصین از طبرانی نقل کردہ کسے کہ استدلال وحجت گیرد درباب استغاثت ومدد خواستن بغیر او تعالٰی جل شانہ از اموات چہ اعلیٰ وچہ ادنیٰ جائز نیست ونمی تواند شد بچند وجوہ در امورے کہ موجبات شرک وکفر باشد۔

وجہ اول:۔ آنکہ در سند ایں حدیث ابن حسان راوی ضعیف است، کما قال الہیثمی ودیگر راوی دریں حدیث عتبہ بن غزوان مجہول الحال است، کما قال فی التقریب من کتب اسماء الرجال، پس بنا بر ضعیف ومجہول الحال بودن راوی ایں حدیث قابل اعتماد

ف امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس بات کو مکروہ سمجھتے تھے کہ آدمی کہے ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کی، کیونکہ زیارت کا لفظ مشروع اور غیر مشروع طریقہ میں مشترک ہو گیا ہے بعض وہ بھی ہیں جو انبیاء اور صلحاء کی قبروں کی زیارت کرتے ہیں ان کی قبروں کے پاس نمازیں پڑھتے ہیں، دعائیں مانگتے ہیں ان سے حاجتیں طلب کرتے ہیں، یہ وہ افعال ہیں جن کو علماء اسلام میں سے کوئی بھی جائز نہیں سمجھتا کیونکہ حوائج کا طلب کرنا اور مدد مانگنا صرف اللہ اکیلے کا حق ہے

مسئلہ:۔ صاحب حصن حصین نے جو طبرانی کی حدیث نقل کی ہے کہ اگر مدد طلب کرنا چاہے تو کہے اے اللہ کے بندو میری مدد کرو اے اللہ کے بندو میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو میری مدد کرو، اس سے خدا تعالیٰ کے سوا مُردوں سے مدد مانگنے پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے خواہ وہ مُردے اعلیٰ مرتبہ کے ہوں یا ادنیٰ درجہ کے۔ ان سے استدلال کرنا کئی طرح سے غلط ہے۔

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اس حدیث کا ایک راوی ابن حسان تو ضعیف ہے اور دوسرا عتبہ بن غزوان مجہول الحال ہے،

واحتجاج نماندہ ومراد از عباد اللہ ملائکہ حفاظت کنندگان ونگہبان ہستند نہ اموات چنانکہ در فیض القدیر شرح جامع الصغیر مذکور است حیث قال فی فیض القدیر ان للہ ملائکۃ فی الارض یسمون الحفظۃ یکتبون ما یقع فی الارض من ورق الشجر فاذا اصاب احدکم حرجۃ واحتیاج الی عون بفلاۃ من الارض فلیقل اعینونی یا عباد اللہ رحمکم اللہ فانہ یحصل ان شاء اللہ رواہ ابن السنی والطبرانی من حدیث الحسن بن عمر وعن ابن حسان عن سعید بن ابی عروبۃ عن قتادۃ عن ابن بریدۃ عن ابن مسعود قال ابن حجر حدیث غریب وفیہ معروف وقالوا فیہ منکر الحدیث وقد تفرد بہ وفیہ انقطاع بین ابن بریدۃ وابن مسعود انتہی وقال الھیثمی فیہ معروف بن حسان ضعیف قال وجاء فی معناہ خبر اخرجہ الطبرانی بسند منقطع عن عتبۃ بن غزوان مرفوعا اذا اضل احدکم شیئا او اراد عونا وھو بارض لیس بھا انیس فلیقل یا عباد اللہ اعینونی ثلاثا فان للہ عبادا لا تراھم الی اخرما فی فیض القدیر شرح جامع الصغیر پس ازیں حدیث حجت مدد خواستگان از موتے ثابت نمی شود،

وجہ دوم - آنکہ اگر مورد ایں حدیث را بر طلب منافع وسلب مضار بسبب فراخی و تنگی وصحت ومرض وطلب رزق وفرزند ودیگر حاجات از غیر خدا تعالے حمل کنی، پس ایں اصلا جائز نخواہد شد زیرا کہ ایں معنی را آیات قرآنیہ واحادیث صحیحہ واجماع امت قرون ثلثہ وغیرہ ردمی کند، چہ ایں خبر واحد است وخبر واحد معارض ومقابل قرآن شریف نمی شود، اگر چہ ایں خبر

لہٰذا یہ حدیث حجت اور استدلال کے قابل نہیں ہے، اور "اللہ کے نیک بندوں" سے مراد حفاظت کرنے والے فرشتے ہیں، نہ کہ مردے، جیسا کہ فیض القدیر شرح جامع الصغیر میں اس کی پوری تشریح اور تصریح کی گئی ہے، اور اس حدیث کو ابن السنی نے بھی اسی سند سے روایت کیا ہے، لہٰذا اس کی روایت بھی قابل استدلال نہیں ہے لہٰذا مردوں سے مدد مانگنے والوں کا اس حدیث سے استدلال درست نہ ہوا،

دوسری وجہ یہ ہے، کہ اگر اس حدیث کا مطلب یہ لیا جائے کہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور سے منافع کے حصول اور مصائب کے دور کرنے میں یا رزق کی تنگی یا فراخی میں یا صحت و بیماری کے متعلق مدد حاصل کی جائے تو یہ قطعاً ناجائز ہے کیونکہ قرآن کی آیات اور احادیث صحیحہ اور قرون ثلاثہ میں امت کا اجماع اس کی تردید کرتے ہیں، پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے، کہ یہ خبر واحد ہے، اور خبر واحد اگر صحیح بھی ہو تب بھی قرآن مجید کے معارض نہیں ہو سکتی، چہ جائیکہ

بسند صحیح باشد چہ جائیکہ بسند ضعیف و منکر باشد پردخبر الواحد فی معارضۃ الکتاب کان الکتاب مقدم لکونہ قطعیاً متواتر النظم لا شبہۃ فی سندہ کما فی التوضیح و التلویح وشاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ در حجۃ اللہ البالغہ می نویسند کہ ومنہا ای من مظنات الشرک انہم کانوا یستعینون بغیر اللہ فی حوائجہم رجاء برکتہا فاوجب اللہ علیہم ان یقولوا فی صلواتہم ایاک نعبد و ایاک نستعین وقال اللہ تعالیٰ ولا تدعوا مع اللہ احدا ولیس المراد من الدعاء العبادۃ کما قال بعض المفسرین بل ہو الاستعانۃ لقولہ تعالیٰ بل ایاہ تدعون فیکشف ما تدعون انتہی خلاصۃ ما فی حجۃ اللہ البالغۃ پس از آیت ایاک نعبد و ایاک نستعین واز آیت واستعینوا باللہ واز آیت ولا تدعوا مع اللہ احدا وغیرہ استعانت بغیر خدا تعالیٰ در امورے کہ موہم شرک باشد ناجائز شد و موجب شرک، ولہذا محمد طاہر محدث در مجمع البحار گفتہ است کہ من قصد لزیارۃ قبور الانبیاء والصلحاء ان یصلی عند قبورہم ویدعو عندہا ویسألہم الحوائج ہذا لا یجوز عند احد من علماء المسلمین فان العبادۃ وطلب الحوائج والاستعانۃ حق للہ وحدہ انتہی کلامہ۔

وجہ سیوم۔ آنکہ مخالف و معارض ازین حدیث مذکور در مضمون واحد حدیثے دیگر نیز در طبرانی و ابن ابی شیبہ وارد است و در حصن حصین موجود است، خلاصہ مضمونش اینکہ وقت گم شدن یا گریختن غلام، خدا تعالیٰ را ندا کردہ بگوید یا اللہ باز گردان چیز گم شدہ و گریختہ را قال فی حصن حصین واذا ضاع لہ شئ اوابق اللہم راد الضالۃ وہادی الضلالۃ انت تہدی من الضلالۃ اردد علی ضالتی بقدرتک وسلطانک فانہا من عطائک وفضلک رواہ الطبرانی

حدیث بھی ضعیف ہو جیسا کہ توضیح و تلویح میں مذکور ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ شرک کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ مشرک لوگ اللہ کے سوا اوروں سے مدد مانگا کرتے تھے، لہٰذا ان کو حکم دیا گیا کہ نماز میں ایاک نعبد وایاک نستعین کہو اور ولا تدعو مع اللہ احدا اور یہاں دعا سے عبادت مراد نہیں ہے، جیسا کہ مفسرین نے لکھا ہے، بلکہ اس سے مدد مانگنا مراد ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کے بالکل مخالف مضمون ایک اور حدیث میں آیا ہے جس کو طبرانی اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے، اور حصن حصین میں بھی موجود ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ جب کسی کی کوئی چیز ضائع ہو جائے یا بھاگ جائے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ یا اللہ اپنے فضل و کرم سے میری یہ چیز مجھے واپس کر دے۔

وهكذا رواه ابن ابي شيبة پس درین حدیث بطریق شرط وجزا که آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نیز ارشاد فرمودند که در ہیچ امور که از او تعالے برائے رد و استرداد آن مدد می خوانند نیز از و تعالے استعانت باید نمود و از غیر وے نہ شاید واللہ تعالی اعلم وعلمہ اتم

حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ اعتقاد داشتن باین وجہ کہ ذات سرور کائنات در حالت برزخ بر اقوال و احوال و وقایع مطلع و واقف اند و آن ذات شریف را بر ہمہ احوال امت اطلاعے میدہند بای وجہ کہ آن صحیح است یا نیست، اگر نیست کفر است یا فسق، ہر چہ نزد آن صاحب مقرر است بنویسند بسند معتبر و عبارت کتاب بعینہ فقط۔

الجواب:۔ اعتقاد داشتن بہ ہیچ مضمون سوال بای وجہ درست نیست، بلکہ بدعت وضلالت است، پس این چنین ہرگز نہ شاید شرعاً زیرا کہ این از جملہ اعتقادیات است و در اعتقادیات علم و یقین ضروری است، و برین اعتقاد ہیچ دلیل شرعی کہ قابل حجت باشد یافتہ نشدہ، پس چگونہ اعتماد و اعتقاد بلا دلیل شرعی بر آن کردہ شود لان الاعتقاد لا يحصل مع الظن بخلاف الاعمال كذا ذكر العلامة المولوي عبد الحي اللكهنوي في شرح تحرير الاصول لابن الهمام رحمة الله عليه و مع ہذا مخالف و معارض آن عقیدہ در صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہما من کتب الصحاح باسانید صحیحہ از چند صحابہ کبار بطرق متعددہ مروی است مرفوعاً عن انس رضی عنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لیردن علی ناس من اصحابی

اس حدیث میں شرط اور جزا کے طور پر مضمون ادا کیا گیا ہے یعنی جب بھی کوئی ضرورت پیش آئے تو اللہ تعالے ہی سے مدد مانگے۔

سوال:۔ اس طرح کا عقیدہ رکھنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم برزخ میں امت کے تمام حالات کی اطلاع ہوتی رہتی ہے خواہ کسی طرح بھی ہو صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح نہیں ہے تو ایسا عقیدہ رکھنا کفر ہے یا فسق؟ جو بھی آپ کے نزدیک درست ہو تحریر فرمادیں۔

جواب:۔ اس طرح کا عقیدہ رکھنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے، بلکہ بدعت اور گمراہی ہے، کیونکہ عقیدہ کے لئے کوئی قطعی دلیل ہونا چاہیئے، اور ایسی کوئی دلیل موجود نہیں ہے، جیسا کہ مولانا عبد الحی لکھنوی نے ابن ہمام کی "تحریر الاصول" کی شرح میں لکھا ہے۔

اور پھر یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے، کہ اس عقیدہ کے برخلاف صحیح بخاری صحیح مسلم اور دیگر صحاح کی کتابوں میں بہت سے

الحوض حتی عرفتهم اختلجوا دونی فاقول اصحابی فیقول انك لا تدری ما احدثوا بعدك الحدیث وعن ابی هریرة رض فاقول یا رب اصحابی فیقول انك لا علم لك بما احدثوا بعدك الحدیث وعن حذیفة وسهل بن سعد وابن عباس وعمر بن عباس وعبد الله بن مسعود عن النبی صلی الله علیه وسلم هكذا

اکنون این حدیث باسانید صحیحہ از ہر صحابی کہ مروی است مرفوعاً جدا جدا زیر قلم می آید کہ صحت و شہرت این حدیث بر ہر خاص و عام ظاہر شود و از ان اعتقاد ہر کس کہ باشد باز آید در صحیح بخاری در پارہ بست و ہفتم مرقوم است۔

حدثنا مسلم بن ابراهیم قال حدثنا وهیب قال حدثنا عبد العزیز عن انس عن النبی صلی الله علیه وسلم قال لیردن علی ناس من اصحابی الحوض حتی عرفتهم اختلجوا دونی فاقول اصحابی فیقول لا تدری ما احدثوا بعدك وعن سهل بن سعد قال قال النبی صلی الله علیه وسلم انا فرطهم علی الحوض من مر علی شرب ومن شرب لم یظمأ ابدا لیردن علی اقوام اعرفهم ویعرفونی ثم یحال بینی وبینهم فاقول منی فیقال انك لا تدری ما احدثوا بعدك فاقول سحقا سحقا لمن غیر بعدی عن سعید بن المسیب عن ابی هریرة رض انه كان یحدث ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال یرد علی یوم القیمة رهط من اصحابی فیحلئون او یطردون عن الحوض فاقول یا رب اصحابی فیقول انك لا علم لك بما احدثوا بعدك الی اخر الحدیث عن ابن المسیب انه كان یحدث عن اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم ان النبی صلی الله علیه وسلم قال یرد علی الحوض رجال من اصحابی فیحلئون عنه فاقول یا رب اصحابی فیقول انك لا علم لك بما احدثوا بعدك الی اخر الحدیث۔ عن عطاء بن یسار عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال بینا انا قائم اذا زمرة حتی اذا عرفتهم خرج رجل من بینی وبینهم فقال لهم هلم فقلت این قال الی النار والله قلت وما شانهم قال انهم ارتدوا بعدك علی ادبارهم القهقری ثم

کیا ہے متعدد سندوں سے ایک مرفوع حدیث آئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، حوض کوثر پر میرے صحابہ میں سے کچھ لوگ میرے پاس آئیں گے میں ان کو پہچان لوں گا، تو ان کو مانگ کر دور سے ہٹایا جائے گا، میں کہوں گا یہ تو میرے صحابی ہیں تو جواب ملے گا، تم کو معلوم نہیں، کہ ان لوگوں نے تمہارے بعد کیا کچھ کیا" ۱۲

اذا زمرۃ حتی اذا عرفتہم رجل خرج من بینی وبینہم فقال ہلم قلت این قال الی النار واللہ قلت وما شأنہم قال انہم ارتدوا علی ادبارہم القہقری الحدیث عن ابن ابی ملیکۃ عن اسماء بنت ابی بکر قالت قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انی علی الحوض حتی انظر من یرد علی منکم وسیؤخذ ناس دونی فاقول یا رب منی ومن امتی فیقال ہل شعرت ما عملوا بعدک واللہ ما برحوا یرجعون علی اعقابہم الحدیث انتہی ما فی الجزء السابع والعشرین من صحیح البخاری

عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تحشرون حفاۃ عراۃ غرلا ثم قرأ کما بدأنا اول خلق نعیدہ وعدا علینا انا کنا فاعلین ثم یؤخذ برجال من اصحابی ذات الیمین وذات الشمال فاقول اصحابی فیقال انہم لم یزالوا مرتدین علی اعقابہم منذ فارقتہم فاقول کما قال العبد الصالح عیسی بن مریم وکنت علیہم شہیدا ما دمت فیہم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم وانت علی کل شیء شہید الحدیث انتہی ما فی الجزء الثالث عشر من صحیح البخاری

ودر صحیح مسلم مذکور است عن ابی حازم عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترد علی امتی الحوض وانا ازود عنہ الناس کما یزود الرجل ابل الرجل عن ابلہ قالوا یا نبی اللہ اتعرفنا قال نعم لکم سیما لیست لاحد غیرکم تردون علی غرا محجلین من اثار الوضوء ولیصدن عنی طائفۃ منکم فلا یصلون فاقول یا رب ہؤلاء اصحابی فیجیبنی ملک فیقول وہل تدری ما احدثوا بعدک انتہی ما فی صحیح مسلم۔ قال النووی شارح المسلم اختلف العلماء فی المراد علی اقوال احدہا ان المراد بہ المنافقون والمرتدون فیجوز ان یحشروا بالغرۃ والتحجیل فیناداہم النبی صلی اللہ علیہ وسلم للسیماء التی علیہم فیقال لیس ہؤلاء ممن وعدت لہم ان ہؤلاء بدلوا بعدک ای لم یموتوا علی ما ظہر من اسلامہم والثانی ان المراد بہ من کان فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وارتدوا بعدہ فیناداہم

یہ حدیث حضرت انس رض، ابو ہریرہ رض، حذیفہ رض، سہل بن سعد رض، ابن عباس رض، ابن عمر رض اور عبداللہ بن مسعود رض سے مروی ہے، کسی روایت میں تفصیل ہے کسی میں اجمال ہے۔

وان لم یکن علیہم سیماء الوضوء لما کان یعرفہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حیاتہ من اسلامھم فیقال ارتدوا الثالث ان المراد اصحاب المعاصی الکبائر الذین ماتوا علی التوحید واصحاب البدع الذین لم یخرجوا ببدعتھم عن الاسلام انتھی ما فی شرح مسلم مختصرًا۔

و بر ماہران اسانید پوشیدہ نیست، کہ این حدیث مذکور بطرق خمسہ وستہ منقول است پس بلاریب بدرجہ شہرت رسیدہ لان الحدیث المشھور عند المحدثین ما لہ طرق محصورۃ باکثر من اثنین کذا فی نخبۃ الفکر وغیرہ من کتب الاصول حاصل کلام آنکہ ازین روایات صحیحہ مذکورہ، مقبولہ عند جمہور العلماء والمحدثین صاف ہویدا گردید، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را در عالم برزخ از احوال واقوال امت اطلاعے نمی شود، چہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را باحوال ایشان اطلاع شدے، پس این چنین چرا مے فرمودند اصحابی اصحابی باوجودیکہ این جماعت مذکورین صحبت بابرکت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را دریافتند وبعد انتقال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مرتد شدند، یا در دین احداث بدعت قبیحہ نمودند، ودر حقوق واجبہ تقصیر نمودند باز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باحوال ایشان از روز وفات تا روز قیامت اصلا مطلع نشدند وبنا برہمیں عدم اطلاع دراں روز خواہند فرمود کنت علیہم شہیدا ما دمت فیہم الآیۃ وازین صاف ہویدا گردید کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در عالم برزخ از احوال امت اطلاع نہ دارند، پس درین صورت چگونہ اعتقاد کردہ شود، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را باحوال امت در عالم برزخ اطلاع می دہند ھل ھذا الا الاختلاق، بالفرض اگر کسے از اہل سیر روایتے ضعیف

اور ماہران اسانید پر پوشیدہ نہیں ہے، کہ یہ حدیث پانچ چھ سندوں سے منقول ہے، پس یقیناً یہ حدیث شہرت کے درجہ پر پہنچ چکی ہے، کیونکہ محدثین کے نزدیک حدیث مشہور وہ ہے، جو دو سے زیادہ سندوں سے مروی ہو جیسا کہ نخبۃ الفکر وغیرہ کتب اصول میں مذکور ہے۔

حاصل کلام یہ کہ ان روایات صحیحہ سے صاف ظاہر ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم برزخ میں امت کے احوال کی خبر نہیں ہوتی، ورنہ آپ قیامت کے دن ایسا نہ فرماتے، جیسا کہ اسی حدیث کے ایک طریق میں آنحضرت کے یہ الفاظ ہیں، کہ اے اللہ میں جب تک ان میں موجود تھا ان کی نگرانی کرتا رہا، اور جب تو نے مجھ کو اٹھا لیا، تو پھر تو ہی نگران تھا، الآیۃ، پھر ایسی صورت میں کیونکر یہ عقیدہ رکھا جا سکتا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم برزخ میں امت کے حالات کی خبر ہوتی ہے۔

بلا سند صحیح برین معنی نقل کند، در حسب روایات صحیح بخاری و مسلم مقبول نخواہد بود، بلکہ مردود می شود عند العلماء المحققین المتصفین کما لا یخفی علی ماہر فن الحدیث والفقہ، واللہ اعلم بالصواب

حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ — سید محمد نذیر حسین

سوال:- اولیاء اللہ بچشم ظاہری در بیداری بلا تاویل خدائے تعالے را در دنیا می بینند یا نہ؟

الجواب:- درصورت مرقومہ نمی بینند باتفاق اہل سنت و جماعت و مدعی آن کاذب است، چنانچہ جملہ مالہ وما علیہ از منح الازہر نگاشتہ می شود ھل یجوز رؤیۃ اللہ تعالی فی الدنیا بعین البصر للاولیاء فقد جاء فی سوال واقعۃ الحال فی من ادعی ذلک فی بعض الاشخاص فکتبت الجواب بحسب ما ظہر لی وجہ الصواب فہو اجماع الائمۃ من اہل السنۃ والجماعۃ علی ان رؤیۃ اللہ تعالی بعین البصر جائزۃ فی الدنیا والاخری عقلا وثابتۃ فی العقبی سمعا ونقلا واختلفوا فی جوازہا فی الدنیا شرعا فاثبتہا الاکثرون ونفاہا آخرون ثم الذین اثبتوہا خصوا وقوعہا لہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ الاسراء علی خلاف فی ذلک بین السلف والخلف من العلماء والاولیاء والصحیح انہ صلی اللہ علیہ وسلم انما رای ربہ تعالی بفوادہ لا بعینہ

سوال:- اولیاء اللہ ظاہری آنکھوں سے بیداری کی حالت میں بغیر کسی تاویل کے خدا تعالےٰ کو دنیا میں دیکھ سکتے ہیں، یا نہیں؟

جواب:- صورت مرقومہ میں نہیں دیکھ سکتے، اور اس پر تمام اہل سنت کا اجماع ہے، اور اس کا دعوی کرنے والا جھوٹا ہے، چنانچہ منح الازہر میں اس مسئلہ پر پوری بحث کی گئی ہے، لکھتے ہیں: میرے پاس (مندرجہ بالا مضمون کا) ایک سوال آیا میں نے اپنی صوابدید کے مطابق اس کا جواب لکھا ہے، اور اسی پر اہل سنت والجماعت کے تمام ائمہ کا اجماع ہے، کہ عقلی طور پر دنیا اور آخرت میں اللہ تعالےٰ کی رؤیت ظاہری آنکھوں سے جائز ہے، اور آخرت میں نقلاً و سمعاً ثابت ہے اور دنیا میں رؤیت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق اختلاف ہے، اکثریت کا خیال ہے کہ جائز ہے دوسرے اس کا انکار کرتے ہیں، لیکن جو اس کے جواز کے قائل ہیں، وہ صرف اس وجہ سے قائل ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کو معراج کی رات دیکھا ہے، اور دوسرے کسی کے لئے اس کو ثابت نہیں کرتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے کے متعلق بھی تو سلف میں اختلاف تھا صحیح یہی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالےٰ کو اپنے دل سے دیکھا ہے آنکھ سے نہیں دیکھا، چنانچہ شرح عقائد میں اس کی تصریح ہے۔

كذا في شرح العقائد وغيره

فان قال قائل بانی اری الله تعالى فى الدنيا ان اراد به رؤيته في المنام فلا في جوازه خلاف مشهور بين الانام مع ان رؤية المنامية لا تكون بالحاسة البصرية بل التصورات المثالية والتمثيلات الخيالية وان اراد بها حال اليقظة فان قصد بها حذف المضاف واراد انه يرى انوار صفاته ويشاهد آثار مصنوعاته فذا جائز بلا مرية واما من ادعى بهذا المعنى لنفسه من غير تاويل فهو فى اعتقاد فاسد وزعم كاسد وفي حضيض ضلال وتضليل وفي مطعن وبيل وبعيد عن سواء السبيل فقد قال صاحب التعرف وهو كتاب لم يصنف مثله فى التصوف اجمع المشائخ كلهم على تضليل من قال ذلك وتكذيب من ادعى هنالك وصنفوا فى ذلك كتبا ورسائل منهم ابو سعيد الخراز والجنيد وصرحوا بان من قال ذلك المقال لم يعرف الله الملك المتعال واقره الشيخ علاء الدين القونوى فى شرحه وقال ان صح عن احد دعوى نحوه فيمكن تاويله بان غلبة الاحوال يجعل الغائب كالشاهد اذا كثر اشتغال الشئ بشئ واستحضاره له كانه حضر بين يديه انتهى ويؤيده حديث ان تعبد الله كانك تراه وكذا حديث عبد الله بن عمر وحال الطواف كنا نترائ الله تعالى

وقال صاحب العوارف المعارف فى كتابه اعلام الهدى وعقيدة ارباب التقى ان رؤية العيان متعذرة فى هذه الدار لانها دار الفناء والآخرة هى دار القرار فلقوم من العلماء نصيب من علم اليقين فى الدنيا والآخرين من اعلى منهم رتبة نصيب من عين اليقين كما قال قائل راى قلبى ربى انتهى والحاصل ان

اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا ہے، تو یہ جائز ہے، کیونکہ وہ ظاہری آنکھ سے دیکھنا نہیں ہے، بلکہ تصورات مثالیہ اور تمثیلات خیالیہ کا دیکھنا ہے، اور اگر کوئی یہ کہے، کہ میں نے خدا تعالیٰ کی صفات کے مظاہر دیکھے ہیں، تو یہ ٹھیک ہے، اور اگر کوئی یہ کہے، کہ میں نے بذاتہ خدا تعالیٰ کو دیکھا ہے، تو پرلے درجہ کا بے دین اور گمراہ ہے، اس کو تعزیر لگانی چاہیے، اور شہر میں پھرانا چاہیے۔

صاحب "تعرف" کا قول ہے ــــ یہ کتاب تصوف کے مضمون میں بے مثال ہے ــــ کہ مشائخ طریقت کا اس پر اجماع ہے، کہ دنیا میں کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو ظاہری آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا، رؤیت خداوندی کا محل آخرت ہے

الامۃ قد اتفقت علی انہ تعالی لا یراہ احد فی الدنیا بعینہ ولم یتنازعوا فی ذلک الا لنبینا صلی اللہ علیہ وسلم حال عروجہ علی ما صرح بہ فی شرح عقیدۃ الطحاوی ثم ھذا ان قبل الشادلی السابق فیہما والا فان کان مصمما علی مقولہ لم یرجع بالمنقول عن معقولہ یجب تعزیرہ وتشہیرہ بما یراہ الحاکم الشرعی وقال بعض ارباب العقائد المنظومۃ من قال فی الدنیا یراہ بعینہ فذلک زندیق طغی وتمرد وخالف اللہ والرسول وزاغ عن الشرع الشریف

قد قال ابن الصلاح وابو شامۃ انہ لا یصدق مدعی الرؤیۃ فی الدنیا حال الیقظۃ ومنع منہ کلیم اللہ موسی علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام واختلف ھذا المرام لنبینا صلی اللہ علیہ وسلم فی ذلک المقام کیف تسمح لمن لم یصل الی مقامہ انتہی کلامہما وقال الکورشی فی سورۃ النجم ومعتقد رؤیۃ اللہ تعالی ھھنا بالعین لغیر محمد صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلم وقال الاردبیلی فی کتاب الانوار ولو قال انی رای اللہ تعالی عیانا فی الدنیا کفر انتہی لکن الاقدام علی التکفیر بمجرد دعوی الرؤیۃ من اصحاب الخطر فان الخطاء فی انتاء الف کافر اھون من الخطاء فی افناء مسلم فالصواب ما قدمناہ انہ ان انضم الی الدعوی ما یخرج عن عقیدۃ اھل انتی فحکم علیہ بانہ من اھل الضلالۃ والردی والسلام علی من اتبع الھدی انتہی ما فی منح الازھر شرح فقہ اکبر ملا علی قاری

واظہر من الشمس است کہ ہرگاہ خطاب لن ترانی بموسی علیہ السلام وارد شد پس احاد امت بصفت لن ترانی چگونہ موصوف نشود ونعم ما قیل ؎

جلوہ یار گراں بارکہ بردا شتنی است کہ طاقت کوہ وکمر مور یکے است

ومنشور لامع النور "وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ" ھی وجوہ المومنین یومئذ یوم القیمۃ ناضرۃ حسنۃ ناعمۃ الی ربہا ناظرۃ مشعر ومخبر بدیدار رب غفار

دنیا نہیں ہے اور اگر کوئی ایسا دعوی کرے تو وہ زندیق ملحد شریعت کا منکر اور سنت کا مخالف ہے۔ جب موسی علیہ السلام کو یہ جواب ملتا ہے کہ تو مجھے کبھی نہیں دیکھ سکتا تو اور کون ہے جو دوست کا دعوی کر سکے۔ ملا علی قاری کی منح الازہر شرح فقہ اکبر میں یہ تمام تفصیل موجود ہے۔

پھر یہ بھی غور طلب ہے کہ خداوند تعالی نے فرمایا وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ تو روبت کو قیامت

در شقے است یعنی در جنت نہ در دنیا زیرا کہ احساس و قویٰ دنیا از بس ضعیف کہ معرض فنا است از یں راہ گذر دیدار الٰہی بلاد دنیا متعذر بخلاف احساس و قویٰ دار البقا کہ قوی و باقی خواہد بود بتقویت رب العزت و قوائے سرمدیت و دیدار حضرت صمدیت میسر خواہد بود و کلمات طیبات آں سرور کائنات ستروں ربکم یوم القیٰمۃ بخطاب عالمتاب در بارہ دیدار بعین البصر بسوئے ہمہ صحابہ کرام کہ خلفائے راشدین درین خطاب داخل اند وارد واین چنین نفرمودند کہ ستروں ربکم یوم القیٰمۃ کما ترونہ فی الدنیا پس از آیت و حدیث واضح گردید کہ دنیائے فانی مقام دیدنی نیست،

و از ینجا تمام اہل سنت و جماعت اتفاق کردند بریں مسئلہ کہ کسے از احاد امت بچشم ظاہری در بیداری در دار دنیا خدائے تعالیٰ را نمی بیند و نخواہد دید و مدعی آں کاذب است قیدھا بالقیامۃ اشارۃ الی ان الرؤیۃ فی الاخرۃ دون الدنیا کذا فی فتح الباری و الکرمانی و العینی شرح البخاری در بارہ حدیث در صحیح بخاری از ابو موسی اشعری اینست کہ فرمود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وما بین القوم و بین ان ینظروا الی ربھم الا رداء الکبریاء علی وجھہ فی جنۃ عدن ای جنۃ اقامۃ وھو ظرف للقوم لا للہ تعالیٰ وقولہ فی الجنۃ متعلق بمعنی الاستقرار فی الظرف فیفید المفھوم انتفاء ھذا الحصر فی غیر الجنۃ والیہ اشار الشیخ التوربشتی بقولہ یرید ان المؤمن اذا تبوأ مقعدہ فی الجنۃ بتوا والحجب مرتفعۃ والموانع التی تحجب عن النظر الی ربہ مضمحلۃ الا ما یصدھم من ھیبۃ الجلال و سبحات الجمال و ابھۃ الکبریاء فلا یرتفع ذلک منھم الا برافتہ و رحمتہ تفضلا منہ علی عبادہ۔

قال الحافظ ابن حجر وحاصلہ ان رداء الکبریاء مانع لرؤیتہ فکان فی الکلام حذف تقدیرہ بعد قولہ الا رداء الکبریاء فانہ یمن علیھم برفعہ فیحصل لھم الفوز

کے دن پر معلق کیا، اگر دنیا میں بھی رویت ہو سکتی، تو قیامت کے دن کی قید بالکل بے معنی تھی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ تم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھو گے، اگر دنیا میں بھی دیدار خداوندی ممکن ہوتا، تو قیامت کے دن کی قید لگانے کی کیا ضرورت تھی، اسی طرح فرما دیتے، کہ تم جس طرح دنیا میں خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہو، آخرت میں بھی دیکھو گے، امام نووی کا قول ہے کہ تمام اہل سنت کا عقیدہ یہی ہے کہ رویت خداوندی دنیا میں نہیں ہو سکتی، آخرت میں ہو گی، اور اس میں متکلمین کے سلف اور خلف بھی متفق ہیں، واللہ اعلم بالصواب ۱۲

بالنظر الیہ فکان المراد ان المؤمنین اذا تبوؤا مقاعدہم من الجنۃ لولا ما عندہم من ہیبۃ الجلال لما حال بینہم وبین الرؤیۃ حائل فاذا اراد اکرامہم خصہم برافتہ وتفضل علیہم بتقویتہم علی النظر الیہ سبحانہ وتعالیٰ انتہی ما فی ارشاد الساری مختصرا۔ وقال النووی اعلم ان مذہب اہل السنۃ قاطبۃ ان رؤیۃ اللہ تعالیٰ ممکنۃ غیر مستحیلۃ واجمعوا ایضا علی وقوعہا فی الآخرۃ نقلا ورؤیۃ اللہ تعالیٰ فی الدنیا ممکنۃ لکن الجمہور من السلف والخلف من المتکلمین وغیرہم انہا لا تقع فی الدنیا انتہی ما فی المرقاۃ مختصرا واللہ اعلم بالصواب۔ فاعتبروا یا اولی الالباب فقط نعم المولی ونعم النصیر

سید محمد نذیر حسین

زہرت سید کونین سعد شریف حسین | سید احمد حسین | خادم شریعت رسول الثقلین محمد تلطف حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ حدیث ان[1] اللہ خلق سبع ارضین فی کل ارض آدم کآدمکم ونوح کنوحکم وابراہیم کابراہیمکم وعیسیٰ کعیسکم ونبی کنبیکم کفر ہے، اور جو اس کا اعتقاد رکھے وہ کافر ہے، اور جو اس کے ناقل ہیں وہ کافر ہیں، اور عمرو کہتا ہے، کہ یہ حدیث صحیح ہے اور جو اس کا اعتقاد رکھے، وہ مسلم صحیح الاعتقاد ہے، اور جو اس کے ناقل ہیں، وہ ائمہ دین وہداۃ مسلمین ہیں، ان دونوں قولوں میں سے کون سا قول صحیح ہے، اور کون غلط، اور زید مسلمان ہے یا کافر ہے، بینوا توجروا۔

الجواب: زید جھوٹا ہے اور فاسد الاعتقاد اور عمرو سچا ہے، اور صحیح الاعتقاد، اور اعتقاد زید کا درست نہیں ہے، اور جہالت ہے، کیونکہ حدیث مذکور مستدرک حاکم وتفسیر ابن جریر وغیرہ میں موجود ہے، اور اس کے ائمہ دین مثل ترجمان القرآن حضرت ابن عباس اور ابو الضحیٰ، اور شعبہ امیر المؤمنین فی الحدیث اور عطاء بن السائب اور عطاء بن یسار اور عمرو بن مرہ ومحمد بن المثنی اور عمرو بن علی اور محمد بن جعفر اور عبید بن غنام اور علی بن حکیم وشریک اور حاکم اور بیہقی وجلال الدین سیوطی کہ مستند مخالفین کے ہیں، اور محمد بن جریر طبری کہ بڑے معتمد مخالفین کے ہیں، اور ابن ابی حاتم کہ بڑے محدث ہیں، اور عبید بن حمید اور ابن الضریس اور ابن حجر عسقلانی صاحب فتح الباری

[1] اللہ تعالیٰ نے سات زمینیں پیدا کی ہیں، ہر ایک زمین میں تمہارے آدم جیسا آدم ہے، اور تمہارے نوح جیسا نوح ہے اور تمہارے ابراہیم جیسا ابراہیم ہے، اور تمہارے عیسیٰ جیسا عیسیٰ ہے اور تمہارے نبی جیسا نبی ہے۔

وغیرہم قائل یا ناقل ہیں۔

اخرج[1] الحاکم فی المستدرک من طریق عبید بن غنام النخعی عن علی بن حکیم عن شریک عن عطاء بن السائب عن ابی الضحی عن ابن عباس قال فی کل ارض نبی کنبیکم وآدم کآدمکم ونوح کنوحکم وعیسی کعیسکم وقال صحیح الاسناد وقال[2] ابن جریر حدثنا عمرو بن علی ومحمد بن المثنی قالا حدثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبۃ عن عمرو بن مرۃ عن ابی الضحی عن ابن عباس انہ قال فی کل ارض آدم کآدمکم ونوح کنوحکم وابراہیم کابراہیمکم ونبی کنبیکم

اور ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں: - ویشہد[3] للقول الظاہر ما رواہ ابن جریر من طریق شعبۃ عن عمرو بن مرۃ عن ابی الضحی عن ابن عباس فی ہذہ الآیۃ ومن الارض مثلہن قال فی کل ارض مثل ابراہیم ونحو ما علی الارض من الخلق ہکذا اخرجہ مختصرا واسنادہ صحیح واخرجہ الحاکم والبیہقی من طریق عطاء بن السائب عن ابی الضحی مطولا واولہ ای سبع ارضین فی کل ارض آدم کآدمکم ونوح کنوحکم وابراہیم کابراہیمکم وعیسی کعیسکم ونبی کنبیکم قال

---

[1] حاکم نے مستدرک میں عبید بن غنام نخعی کے ذریعہ سے روایت کیا ہے، اس نے علی بن حکیم سے اس نے شریک سے اس نے عطاء بن سائب سے اس نے ابوالضحی سے اس نے ابن عباس سے، انہوں نے کہا کہ ہر زمین میں ایک نبی ہے تمہارے نبی جیسا اور تمہارے آدم جیسا آدم ہے، تمہارے نوح جیسا نوح ہے، تمہارے عیسی جیسا عیسی ہے، اور کہا اس کی سند صحیح ہے ۱۲

[2] اور ابن جریر نے کہا، کہ ہم کو عمرو بن علی اور محمد بن مثنی نے حدیث سنائی، انہوں نے محمد بن جعفر سے سنی، اس نے شعبہ سے، اس نے عمرو بن مرہ سے، اس نے ابوالضحی سے اس نے ابن عباس سے، آپ نے کہا کہ ہر زمین میں ایک آدم ہے تمہارے آدم جیسا، اور نوح ہے تمہارے نوح کی طرح، اور ابراہیم ہے تمہارے ابراہیم جیسا اور عیسی ہے تمہارے عیسی جیسا ۱۲

[3] ظاہر قول کی تائید کرتی ہے وہ روایت، جس کو ابن جریر نے شعبہ عن عمرو بن مرۃ عن ابی الضحی عن ابن عباس اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے ومن الارض مثلہن (اور زمینیں بھی اتنی ہی ہیں)، ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہر زمین میں ابراہیم جیسا پیغمبر ہے، اور اسی طرح ہر زمین میں مخلوق ہے اس کو اس نے مختصر روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے، اور اس کو حاکم اور بیہقی نے عطاء بن السائب عن ابی الضحی کے طریق سے مفصل روایت کیا ہے، اور اس کی ابتدا اس طرح ہے یعنی سات زمینیں ہیں ہر زمین میں آدم ہے تمہارے آدم جیسا، اور نوح ہے تمہارے نوح جیسا، اور ابراہیم ہے تمہارے ابراہیم جیسا اور عیسی ہے تمہارے عیسی جیسا

البیہقی اسنادہ صحیح الا انہ شاذ انتہی۔

اور تدریب الراوی شرح تقریب النواوی میں مرقوم ہے۔ ولم ازل اتعجب من تصحیح الحاکم لہ حتی رایت البیہقی قال اسنادہ صحیح ولکنہ شاذ بمرۃ

اور تفسیر در منثور میں مسطور ہے۔ واخرج عبید بن حمید وابن الضریس وابن جریر عن ابن عباس فی قولہ ومن الارض مثلھن قال لو حدثتکم بتفسیرھا لکفرتم وکفرکم تکذیبکم بھا واخرج ابن جریر وابن ابی حاتم والحاکم وصححہ والبیہقی فی شعب الایمان وفی الاسماء والصفات من طریق ابی الضحی عن ابن عباس فی قولہ ومن الارض مثلھن قال سبع ارضین فی کل ارض نبی کنبیکم وآدم کآدم کم ونوح کنوحکم وابراھیم کابراھیمکم وعیسی کعیسکم قال البیہقی اسنادہ صحیح لکنہ شاذ بمرۃ لا اعلم لابی الضحی علیہ متابعا انتہی

اور ایسے ہی تفسیر مظہری اور معالم وغیرہ میں ہے۔ اور موافق قاعدہ محدثین کے یہ حدیث حکما مرفوع ہے پس معاذاللہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تک نوبت پہنچتی ہے واللہ اعلم بالصواب والیہ الایاب فی کل باب۔ نمقہ الخامل الجانی السید امیر احمد النقوی السہسوانی عاملہ اللہ بالنور الشعشعانی

سید محمد نذیر حسین

سید محمد اسد علی | محمد حسین | سید شریف حسین

امنی ہے تمہارے نبی جیسا بیہقی نے کہا اس کی سند صحیح ہے، مگر یہ روایت شاذ ہے ۱۲

لہ اور میں حاکم کے اس حدیث کی تصحیح کرنے کو ہمیشہ تعجب کی نگاہ سے دیکھتا رہا، یہاں تک کہ میں نے بیہقی کو دیکھا کہ اس نے اس کی سند کو صحیح بتایا ہے، لیکن وہ مرہ کی وجہ سے شاذ ہے ۱۲

سے اور عبید بن حمید اور ابن الضریس اور ابن جریر نے ابن عباس رض سے ومن الارض مثلھن کی تفسیر میں ان کا یہ قول نقل کیا ہے، کہ اگر میں تم کو اس کی تفسیر بتاؤں، تو تم کفر کرو، اور تمہارا کفر تمہاری اس تفسیر کی تکذیب ہوگا۔ اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم اور حاکم نے بھی اس کو روایت کیا، اور صحیح کہا، اور بیہقی نے اس کو "شعب الایمان" اور "الاسماء والصفات" میں ابوالضحی عن ابن عباس کے طریق سے ومن الارض مثلھن کی تفسیر میں ان کا قول نقل کیا ہے کہ آپ نے کہا سات زمینیں ہیں اور ہر زمین میں نبی ہے تمہارے نبی جیسا اور آدم ہے تمہارے آدم کی طرح اور نوح ہے تمہارے نوح کی طرح اور ابراہیم ہے تمہارے ابراہیم جیسا اور عیسی ہے تمہارے عیسی جیسا بیہقی نے کہا اس کی سند صحیح ہے لیکن وہ شاذ ہے۔ ابوالضحی کا کوئی متابع مجھے معلوم نہیں ہو سکا ۱۲

سوال :- مولانا محمد اسمٰعیل شہید و مولوی خرم علی باوردن کلمات توہین انبیاء و اولیاء کردہ تقویۃ الایمان اند کافر و کتاب او شان لائق خرق بچند وجہ، وجہ اول در باب مذمت شرک در ترجمہ آیت ان الشرک لظلم عظیم گفتہ کہ جاننا چاہیئے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا اللہ تعالیٰ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے آہ، اور اسی طرح کے کلمات و کسے از مفسران در تفاسیر قدیمہ و جدیدہ بایں طور معنے و فائدہ ننوشتہ اند، از ادلہ اربعہ شرعی جواب فرمایند۔

الجواب :- در پردہ مباد کہ منشائے اعتراض معترض بر صاحب تقویۃ الایمان عدم تدبر است و یا تعصب و غباوت، پس در صورت اولیٰ اگر طرز سوق کلام مصنف آں ملا از اول تا آخر کتاب مذکور بتدبر تام و امعان نظر از راہ انصاف دیدے بلا تامل بر در رخ بالغیب کلوخ انداز حرف گیری نہ پسندیدے، زیرا کہ او رب العالمین بنا بر عدم غور و تدبر قرآن مشرکان و اہل کتاب را بار بار الزام دادہ افلا یتدبرون القرآن الآیۃ کما لا یخفی علی الماہر بالقرآن المجید، و در صورت ثانیہ لن یصلح العطار ما یفسد الدہر ؎

بے بصیرت چہ شناسد سخن صائب را تلخ در شیریں بمذاق دل رنجور یکے است

بر دل دانشمندان شرع شریف مخفی نیست کہ مقصود اصلی جناب مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مغفور

سوال :- مولوی خرم علی اور مولانا محمد اسمٰعیل شہید جو اپنی کتابوں میں انبیاء و اولیاء کی شان میں توہین آمیز کلمات لاتے ہیں، چنانچہ مذمت شرک کے باب میں آیت ان الشرک لظلم عظیم کے تحت فائدہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "جاننا چاہیئے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا اللہ تعالیٰ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے" الخ اور اس طرح کے اور بھی چند ایک اقوال ہیں، اور مفسرین میں سے کسی نے بھی اپنی تفسیروں میں اس طرح کا فائدہ نہیں لکھا ہے، کیا ایسے کلمات کی وجہ سے مولانا کافر ہیں؟ اور کیا ان کی کتاب پھاڑ دینے کے لائق ہے؟ ادلہ اربعہ شرعی سے جواب دیں

جواب :- یہ بات کھل کر سامنے آ جانی چاہیئے کہ مولانا اسمٰعیل شہید کی عبارت پر جو اعتراض کیا گیا ہے اس کی دو ہی وجہیں ہو سکتی ہیں یا تو اس عبارت کے سیاق و سباق پر پوری طرح غور نہیں کیا گیا یا پھر تعصب اور ہٹ دھرمی ہے اگر معترض آپ کی عبارت پر اچھی طرح غور کرتا، تو اس قسم کے الفاظ زبان پر لانے کی کبھی جرأت نہ کرتا، اللہ تعالیٰ نے کفار کو قرآن مجید میں کئی جگہ الزام دیا ہے، کہ وہ قرآن پاک کو سمجھنے کے لئے غور و فکر سے کام نہیں لیتے، اگر معترض اچھی طرح غور کرتا، تو اس کو صحیح سمجھ آ جاتی، اور اگر دوسری صورت ہے، تو اس کا کوئی علاج نہیں۔

شریعت کے واقف لوگ اچھی طرح جانتے ہیں، کہ مولانا کا اصل مقصود ان عوام کالانعام کے عقیدہ کی اصلاح

درحوم بیان احکام آنہیہ و پند و نصیحت و تنبیہ و تخویف عوام کالانعام از فرقہ مسلمانان بدکیش نا عاقبت اندیش است لان الامور بمقاصدہا کہ قاعدہ کلیہ فقہیہ است، کار بند شدہ اند چہ عوام بزعم باطل و اعتقاد فاسد خود چنیں دانند کہ اولیاء اللہ از جناب باری مختار اند ہرچہ خواہند می کنند، و ہر کرا خواہند اولاد و مال و منصب و جاہ می دہند، و ہر کرا خواہند ذلیل و خوار کنند بنا بر ہمیں اعتقاد شرکے ورند و نیاز و وظائف باسماء ایشان یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ، و یا علی یا علی، یا حسین یا حسین، یا خواجہ جی یا خواجہ جی، بتقرب تام و تذلل تمام اہتمام می کنند، و در ورطہ گور پرستی و پیر پرستی شب و روز مستغرق می مانند، و از احکام شرعیہ محض غافل و بے باک اند و از اولیاء اللہ چنداں می ترسند کہ از خالق بے نیاز و رازق کارساز عشر عشیر نمی ترسند، و شعار مسلمانان جہال در شرک و بدعت ہم چو شعار کفار سابق زمان گردیدہ است پس اعتقاد این چنیں کسان را رد کردہ اند

و از ینجا امام رازی در تفسیر کبیر در سورہ یونس تحت آیت کریمہ ویعبدون من دون اللہ ما لا یضرھم ولا ینفعھم ویقولون ھؤلاء شفعاؤنا عند اللہ الی آخر الایۃ می نویسند ورابعہا انہم وضعوا ھذہ الاصنام والاوثان علی صور انبیاءھم واکابرھم وزعموا انھم متی اشتغلوا بعبادۃ ھذہ التماثیل فان اولئک الاکابر علی اعتقادھم اذا عظموا قبورھم فانھم یکونون شفعاء لھم عند اللہ تعالی۔ انتہی مافی الکبیر بقدر الضرورۃ۔

ہے جن کا عقیدہ ہے کہ اولیاء اللہ جناب باری تعالیٰ کے مختار کل ہیں، جو چاہیں کرسکتے ہیں کسی کو ذلیل کریں، کسی کو عزت بخشیں کسی کو اولاد دیں یا نہ دیں، کسی کا رزق تنگ کریں یا فراخ سب ان کے قبضہ قدرت میں ہے، اور یہی وجہ ہے، کہ وہ ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں ان کے نام کا وظیفہ کرتے ہیں، مثلاً یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ، یا، یا علی، یا حسین، یا خواجہ جی وغیرہ وغیرہ، پھر ان کے سامنے پوری عاجزی کا اظہار کرتے ہیں ان کی قبروں پر سجدے میں گرپڑتے ہیں، اور ان سے اتنا ڈرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ سے اس کا سواں حصہ بھی نہیں ڈرتے، پہلے زمانہ کے کافروں کے بھی ایسے ہی عقیدے تھے، چنانچہ آپ کا مقصد یہ تھا، کہ ایسے عقاید باطلہ کی تردید کرکے صحیح عقیدہ ان کے سامنے پیش کیا جائے۔

امام رازی تفسیر کبیر میں سورہ یونس کی تفسیر میں آیت ہؤلاء شفعاؤنا عند اللہ کے تحت لکھتے ہیں، کہ ان لوگوں نے اپنے نبیوں اور ولیوں کی شکل کے بت بنا رکھے تھے، ان کا خیال تھا، کہ جب ہم ان کے سامنے سجدہ کرتے ہیں، تو ان کی روحیں خوش ہو کر اللہ کے پاس ہماری سفارش کرتی ہیں۔

ومولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرہ تحت آیت کریمہ فلا تجعلوا للہ اندادا می فرمایند
چہارم پیر پرستان گویند کہ چوں مرد بزرگے کہ بسبب کمال ریاضت و مجاہدہ مستجاب الدعوات
و مقبول الشفاعت عند اللہ شدہ بود ازیں جہاں می گذرد در روح او قوتے عظیم و وسعتے فخیم
پیدا می شود ہر کہ صورت او را برزخ سازد یا مکان نشست و برخاست او یا بر گور او سجود و تذلل تام نماید
روح بسبب وسعت و اطلاق بر آن مطلع شود و در دنیا و آخرت در حق او شفاعت نماید انتہی
مالی تفسیر العزیزی مختصرا

ومن اضل ممن یدعو من دون اللہ من لا یستجیب لہ الی یوم القیامۃ وھم
عن دعائھم غافلون الآیۃ لانھم اما جماد واما عباد مسخرون مشتغلون باحوالھم کذا
فی البیضاوی ؎

دلے کز نور الٰہی نیست روشن　　مخوانش دل کہ آن سنگ است و آہن
دلے کز گرد غفلت زنگ دارد　　ازاں دل سنگ و آہن ننگ دارد

داد واحد قہار ہمیں عظمت شان سرشار خود دربارہ مقربان مخلصان دربار خود بنابر زعم فاسد
مشرکان بدشعار تہدید تمام می فرماید ولو اشرکوا ای ولو اشرک ھؤلاء الانبیاء مع فضلھم وعلو
شانھم لحبط عنھم ما کانوا یعملون لکانوا کغیرھم فی حبوط اعمالھم بسقوط ثوابھم
انتہی ما فی البیضاوی ولکن برتسلی جملہ لکانوا کغیرھم عبارت بیضاوی را ملحوظ برداشت

مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ تفسیر عزیزی میں فلا تجعلوا للہ اندادا کے تحت فرماتے ہیں، کہ چوتھا طبقہ قبر پرستوں کا
ہے ان کا عقیدہ ہے کہ جب کوئی بزرگ آدمی اپنے مجاہدہ اور ریاضت کی وجہ سے مستجاب الدعوات ہو جاتا ہے، تو مرنے
کے بعد اس کی روح کو بہت طاقت اور وسعت نصیب ہو جاتی ہے، پھر اگر کوئی شخص ان کی قبر یا ان کی نشست
و برخاست کی جگہ یا ان کی تصویر کے سامنے جھکے، تو وہ (بزرگان دین) اس سے مطلع ہو کر خوش ہوتے ہیں، اور
ان کی سفارش کرتے ہیں

اور حقیقت یہ ہے، کہ خدا کے سوا کسی کو بھی کسی کی خبر نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اس آدمی سے گمراہ تر اور کون ہو
سکتا ہے جو اللہ کے سوا ان کو پکارے، جو قیامت تک بھی ان کو جواب نہ دے سکیں اور حقیقت یہ ہے کہ وہ ان کے پکارنے
سے مطلق بے خبر ہیں کیونکہ یا تو وہ پتھر ہیں جو سن ہی نہیں سکتے اور یا پھر خدا کے نیک بندے ہیں، جو اپنے حال میں مشغول ہیں
اور شرک ایسی بری بلا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اٹھارہ پیغمبروں کا ذکر کر کے فرمایا ہے، کہ اگر یہ لوگ بھی شرک کرتے
تو ان کے عمل بھی ضائع اور برباد ہو جاتے۔

کہ بچہ نکتہ گفتہ است

نزدیک عزلتش نہ نشیند غبار شرک ۔ با وحدتش کسے دم شرکت چساں زند

ہر طرح کہ نکتہ پوصفش خیال وہم ۔ دست کمال آتش غیرت دراں زند

برایں معنی اوتعالٰی شانہ دررد اعتقاد فاسد معتقداں حضرت عیسٰی علیہ السلام کہ از مرتبہ نبوت بمرتبہ الوہیت رسانیدہ بود ارشاد ہی فرماید لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم قل فمن یملک من اللہ شیئا ان اراد ان یھلک المسیح ابن مریم وامہ ومن فی الارض جمیعا الآیۃ۔ عاقلاں میدانند کہ حضرت عیسٰی وبادر وے قابل شائبہ ہلاکت وعذاب نبودند صرف بابطال زعم معتقدان الیشاں تنبیہ وزجر فرمودہ کہ معتقداں ایشاں ازیں عقیدہ باطلہ توبہ نمایند وبحکم خداوند قہار وجبار فرمانبردار شوند

صرصر قہر تو از گلشن وحدت بوزد ۔ خس وخاشاک وساوس ہمہ را با دبرد

ہر چہ در عرصہ موجود پدید آمدہ بود ۔ سیل غیرت ہمہ را تا عدم آبادبرد

پس ازیں جہت صاحب تقویۃ الایمان علیہ الرحمۃ والرضوان ہر دو ابطال زعم مذموم عوام کہ در حق بزرگان دین از اولیاء اللہ میدانند کہ ہر چہ خواہند مکنند نوشتہ کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا اللہ تعالٰی کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے۔

بدانکہ دریں جا بیان امتیاز فیما بین دو نسبت است یکے نسبت مخلوق با خالق ودیگرے نسبت مخلوق با مخلوق دیگر پس مقصود تمام وکشف مرام صاحب تقویۃ الایمان دریں مقام صرف شق اول است یعنی نسبت مراتب ہمہ مخلوقات نسبت مراتب خالق کائنات بمنزلہ ہیچ منشور است ومرتبہ

اور پھر اللہ تعالٰی نے ان بدشعار مشرکین کے عقیدہ کی تردید کرتے ہوئے بڑے سخت لفظ بھی فرمائے "یقیناً وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مسیح ابن مریم ہی خدا ہے، آپ فرمائیں اگر خداوند تعالٰی مسیح ابن مریم اور ان کی ماں اور تمام اہل زمین کو برباد کر دیں تو خداوند تعالٰی کو کون روک سکتا ہے"۔

عقلمند لوگ جانتے ہیں کہ مسیح اور ان کی والدہ تو برباد کر دینے کے لائق نہیں ہیں لیکن ان مشرکوں کے عقیدہ کی تردید کرنے کے لئے ایسا فرمایا ہے۔

یہ بھی یاد رہنا چاہیئے کہ یہاں دو نسبتیں الگ الگ ہیں ایک خالق سے مخلوق کی نسبت، اور دوسری مخلوق کی مخلوق سے نسبت، اور مولانا یہاں پہلی نسبت کے متعلق گفتگو کر رہے ہیں، کہ خالق کے ساتھ مخلوق کو کوئی ذرہ بھر کی بھی نسبت نہیں ہے، کجا حادث محتاج، اور کجا قدیم موجد اور مقتدر ان میں آخر کیا نسبت ہے؟ کجا ایک ذرہ بے مقدار اور کجا

ذرہ ہیچ گونہ معتد بہ نیست زیرا کہ حادث مفتقر را با قدیم موجد مقتدر ہیچ نا سبت و مشابہت لیس کمثلہ شیٔ وھو السمیع البصیر الآیۃ انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شیٔ والیہ ترجعون۔ عالی شان او ست تمم باقیس

حرفے است کاف کن از طوامیر صنع او از قاف تا بقاف بدین حرف گشتہ دال

باین دلیل قول صاحب تقویۃ الایمان کہ اللہ تعالی کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے، راست و بجا است، چہ ہر موحد ہوشمند اعتقاد میدارد کہ بمقابلہ عزت عظیم او عزیز ذو انتقام ہر مخلوق ذلیل یعنی بغایت ضعیف و عاجز بے سرو سامان ذرہ مثال است، بلکہ کمتر ازاں در معرض فنا و زوال است ؎ ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی،

وازیں زیادہ تر ذلیل خواہد بود کہ کل شیٔ ھالک الا وجہہ شان او ست و مراد از ذلیل بغایت ضعیف و بے چارہ است، و در عبارت تقویۃ الایمان چہ نقیض ذلت عزت است و او تعالی بعزت ذاتیہ قدیمہ مختص است و از ذلت منزہ و مبرا تمام است، چنانکہ خود میفرماید ولم یکن لہ ولی من الذل ای لم یذل فیحتاج الی ناصر وکبرہ تکبیرا ای عظمہ عظمۃ تامۃ عن اتخاذ الولد والشریک والذل وکلما لا یلیق بہ روی الامام احمد فی مسندہ عن معاذ الجھنی عنہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یقول آیۃ العز الحمد للہ الذی الخ انتھی ما فی الجلالین مختصرا۔ وان العزۃ للہ جمیعا الآیۃ وان القوۃ للہ جمیعا الآیۃ وان اللہ ھو الرزاق ذو القوۃ المتین الآیۃ

کیوان غلام بارگہ کبریائے تست گردوں غلام گردش دولت سرائے تست

پس شان ہر مخلوق از اعلی وادنی بہ نسبت شان عظمت نشان او خالق کائنات کہ متصف بصفات غیر متناہیہ و مستجمع جمیع کمالات ذاتیہ است، مثل ذرہ ہم نیست بخلاف شان چمار بہ نسبت شان بادشاہ دنیا امر اضافی است یعنی در وجود و بقا و افتقار بشری ہر دو برابر اند و در وجاہت و عزت و

صحرائے ناپیدا کنار وہ باقی یہ فانی، وہ ابدی ازلی اور اس کی ہستی ایک آنی، تو اس صورت میں مخلوق کو خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، خدا تعالی سے وہ نسبت کبھی نہیں ہو سکتی، جو ایک چمار کو بادشاہ سے ہو سکتی ہے، کیونکہ خالق اور مخلوق میں جو فرق ہے وہ اصلی اور ذاتی ہے، اور چمار اور بادشاہ میں جو فرق ہے، وہ صرف اضافی ہے حقیقی نہیں، کیونکہ زندگی، موت صحت بیماری، پریشانی اور خوش حالی، غمی اور خوشی میں بادشاہ اور چمار بہر حال برابر ہیں جیسے ایک چمار محل حوادث ہے، ویسے ہی بادشاہ بھی محل حوادث ہے فرق ہے تو صرف حال ہے، کہ وہ ظاہری طور پر دنیاوی بادشاہ ہے

شوکت ظاہری عارضی ہر چند بالفعل برافرستند، مگر در محل تغیر و زوال اند چنانچہ شائع است کہ مالک الملک گاہے بادشاہ صاحب شوکت را از سریر عزت بہ حضیض ذلت می نشاند و گاہے بیچارہ بے نوارا از حضیض ذلت بر سریر عزت میرساند ؎

تا ورا قدرت بے عجز نداری بکس ! | قدرت بے عجز تو داری و بس !

چنانکہ پیغمبر باید قل اللھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شیء قدیر الایۃ، نعم ما قیل ؎

سپہر دو گرچہ اوج چرخ گردد | کجا گردد رہا از مخلب باز

چہ خالق خالق است و مخلوق مخلوق ؎

مرغہا را دام گستر داست امواج نسیم | ماہیان را نیش قلاب ست موج چشمہ سار

این از شمہ قدرت و نمونہ صنعت او پروردگار است، کہ ہمہ مخلوق از ین صنعت و قدرت ذلیل و خوار ؎

جامہ در خون شہیداں کش و بخرام بناز | بتو اے شاخ گل این رنگ قبا می زیبد

لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون از علو شان اوست ؎

ثنا ہا ہمہ ایزد پاک را | فریادہ تارک تاک را

کہ خورشید یک صورت جام از وست | شراب شفق و زخم شام از وست

از صنائع بدائع بوقلمون اوست۔ نی ای صورت ما شاء رکبک طراز قدرت اوست ؎

غنچہ گل عطر دان سنبل موئے تو است | آفتاب از دور گردان سر کوئے تو است

پیش این نقش نگار ہمہ از عہدہ آن لاچار و ذلیل خوار اند و این امر از امور حقہ عقاید اہل اسلام و الا تبار است کہ منکر آن مشرک شقی بد اطوار ؎

متاع صبر و نقد آرمیدن | نیاز غارت و زدیدہ دیدن !

از صفات محبوبی اوست والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا اشارہ از وست ؎

دلم ز خوف تو خون است ندانم چون است | در دلم شوق جمالت زبیان بیرون است

اور یہ غریب اور نادار ہے، پھر بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے، کہ بادشاہ تخت شاہی سے معزول ہو کر ذلت کی زندگی بسر کرتے ہیں اور کبھی کوئی غریب آدمی تخت شاہی پر جلوہ فراز ہو جاتا ہے لیکن خداوند تعالی کی حکومت ہمیشہ سے ہمیشہ تک ہے اس میں

آہ صد آہ تو ہر روز فزوں مے گردد — دل شوریدہ من بین کہ چہ روز افزون است

آنچہ بگوش ہوش باید شنید کہ او رب العالمین بذات مقدس خود واجب الوجود است وتمام
مخلوقات علویہ وسفلیہ بایجاد او تعالی موجود اند ودر وجود وبقا بوے محتاج ہر آن اند ؎

گر ملطفیم سنے نوازد گر بنازم مے کشد — زندہ می سازد مرا آن شوخ وبازم می کشد

قولہ تعالی کنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون شان او
جل شانہ است خلقکم وما تعملون شان او تبارک الذی بیدہ الملک وھو علی کل
شیء قدیر الذی خلق الموت والحیوۃ شان اوست وھو القاھر فوق عبادہ وھو
الحکیم الخبیر شان اوست پس بمقابلہ چنین شاہنشاہے او رب العالمین واحسن الخالقین
ہمہ مخلوقات لاچار وذلیل وذرہ بے مقدار وضعیف وخوار وبدست قدرت کاملہ او مجبور وگرفتار
وچمار چندان بہ نسبت بادشاہ لاچار نیست زیرا کہ ہر دو در وجود وفنا ولوازم بشری مساوی اند
بخلاف نسبت مخلوق باخالق ہیچگونہ مشابہت ومناسبت نیست وہمین معنی صاحب تقویۃ الایمان
است نزد ارباب عقل ونقل کما لا یخفی علی المنصف الذکی وقولہ والقاھر یفید الحصر ومعناہ انہ
لا موصوف بکمال القدرۃ وکمال العلم الا الحق سبحانہ وعند ھذا یظھر انہ لا کامل
الا ھو وکل من سواہ فھو ناقص اذا عرفت ھذا فنقول انہ ادلۃ کونہ قاھرا اعلی
القدرۃ فلانا بینا ان ما عدا الحق سبحانہ ممکن بالوجود لذاتہ لا یترجح وجودہ
علی عدمہ ولا عدمہ علی وجودہ الا بترجیحہ وتکوینہ وایجادہ وابداعہ فیکون فی
الحقیقۃ قھر الممکنات تارۃ فی طرف ترجیح الوجود علی العدم وتارۃ فی طرف ترجیح
العدم علی الوجود ویدخل فی ھذا الباب کونہ قاھرا لھم بالموت والفقر والاذلال
ویدخل فیہ کل ما ذکرہ اللہ تعالی قل اللھم مالک الملک الی آخر الآیۃ انتہی ما
فی تفسیر الکبیر۔

بر معترض غافل نہادہ واجب است کہ تلاوت سورہ اخلاص بکند کہ در نعت شان او خلاق علیم

کبھی زوال نہیں، اور مخلوق اس کے مقابلہ میں ہمیشہ محتاج ہے اس کو کبھی قرار ذاتی نصیب ہی نہیں ہو سکتا پھر مخلوق
کو خالق سے وہ نسبت کب میسر ہو سکتی ہے جو ایک چمار کو بادشاہ سے ہے۔ اور تقویۃ الایمان والے کا مدعا
بھی یہی کچھ بیان کرنا ہے۔

معترض کو چاہیے کہ سورۂ اخلاص کی تلاوت بڑے غور سے کرے، اس میں خداوند تعالی کی دو صفتیں بیان کی گئی

و قہار حکیم و در دلش جاگیر د چہ دریں سورہ دو چیز مذکور است یکے احدیت دوم صمدیت و باقی صفات متفرع بریں ہر دو اند چہ شرکت گاہے در عدد مے باشد و آن را بلفظ احد نفی فرمود و گاہے در مرتبہ و جاہ و منصب می باشد و آن را بلفظ صمد نفی فرمود، و گاہے در نسب مے باشد و آن را بلم یلد و لم یولد نفی فرمود، و گاہے در کار و تاثیر مے باشد، و آن را لم یکن لہ کفوا احد نفی فرمود و معنی امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرمودہ اند کہ صمد آن ست کہ محتاج کس نہ بود و ہمہ محتاج او باشند و سلسلہ وجود از ذاتے کہ موصوف بصمدیت باشد چارہ نیست زیرا کہ در عالم سراسر احتیاج مشاہدہ میشود و چون ہر چیز محتاج شد لا بد ذاتے می باید کہ احتیاج بآن منتہی شود و او محتاج دیگرے نباشد و الا سلسلہ احتیاج منقطع نہ شود این از افادات بعض عالم از اہل تفسیر است، آیت کریمہ لیس کمثلہ شیء وھو السمیع البصیر برآن ذات صمدیت صفات منطبق و مرتب می شود، و ہمہ مخلوق این صفات ز سنگہا دور و عاری محض ہستند و ہمیں معنی است کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے یعنی محض ضعیف و لاچار است ہیچ از دست او نیست کردن نمی تواند خود ہر آن زیر حوادث پنہان است، و در دائرہ افتقار بے کس و بے سر و سامان و درکشان است ؎

شدا دار تا پی دریا ستدہ ایم	بہ نیر وسے تو یک بیک نندہ ایم
ہمہ زیر دستیم و فرمان پذیر	تو ئی یاوری دہ تو ئی دست گیر
چو در دست کرد شمن آری رحبیل	زمرغان کشی فیل و اصحاب فیل

پس در میان خالق غنی و بے نیاز و مخلوق متصف باد و نیاز مناسبت و مشارکت و مقاومت و مزاحمت و منازعت و مبارزت اصلاً نیست چہ او خالق مطلق و رازق برحق ازلاً و ابداً عزیز و قوی و مالک الملک و قاہر و غالب است ولہ الکبریاء فی السموات والارض الآیۃ و در حدیث قدسی الکبریاء ردائی والعظمۃ ازاری شان عزیز السلطان او ست ؎

مرا و را رسد کبریا و منی　　کہ ملکش قدیم است و ذاتش غنی

ہیں، ایک احدیت اور دوسری صمدیت، باقی تمام صفات انہی کی شاخیں ہیں، کیونکہ شرکت کبھی تعداد میں ہوتی ہے، اس کی نفی صفت احد سے فرمائی گئی ہے، اور کبھی شرکت صفات جاہ و مرتبہ منصب میں ہوتی ہے، اس کی نفی لفظ صمد سے فرمائی گئی ہے، اور صمد وہ ہے جو کسی کا محتاج نہ ہو، اور سب مخلوق اس کی محتاج ہو اور کوئی ایسی ہستی ضرور ہونی چاہئے، جہاں احتیاج ختم ہو جائے ورنہ تسلسل اور دور لازم آئے گا۔

بخلاف مخلوق چہ کبیر وچہ صغیر پیش او جبار قدیر ضعیف فانی وذلیل وحقیر جبلی است ؎

ہر کہ ہست آفریدہ او بندہ است | بندہ در بند آفریندہ است
پس کجا بندہ کہ در بند است | لائق شرکت خداوند است

چنانچہ او رب العزت بمقتضائے شان عزت وجلالت خود می فرمایان کل من فی السموات والارض الا اتی الرحمن عبدا، ذلیلا خاضعا کذا فی معالم التنزیل، الا اتی الرحمن عبدا، ذلیلا خاضعا یوم القیمۃ منھم عزیر وعیسی کذا فی الجلالین پس در جلالین منھم عزیر وعیسی را صراحۃ ذکر کردہ وذلیل شمردہ، چہ بے ادبی کردہ وحبذا ما قیل ؎

ہنر بچشم عداوت قبیح تر باشد | حسد بجاسہ طرحی فضیح تر باشد

أتی الرحمن عبدا حال ای خاضعا ذلیلا منقادا انتہی بمانی المدارک عبدا مطیعا خاشعا کذا فی التفسیر الکبیر مختصرا الخشوع ضراعۃ وضرع الرجل ضراعۃ ضعف وذل کذا فی مفردات القرآن للامام الراغب ؎

آن خداوند جہان راکہ از ہیبت او | باد بر غنچہ نیارد کہ کند پردہ دری

معترض غافل نہاد را کاش سیر سکندر نامہ نظامی علیہ الرحمۃ میسر بودے تا بر صاحب تقویۃ الایمان سخن بے ہودہ ولچر نہ نمودے ؎

ز تعظیم تو پیش تو ہست ونیست | اگر باشد وگر نباشد یکے است

یعنی در جنب جلال ذات والا صفات تو موجودات ومعدومات اگر باشند واگر نباشند برابر است، چرا کہ تو قادر ہستی مطلقا بر ہست کردن معدومات ونیست نمودن موجودات، پس نزد این شان جلال تست ان تو ہمہ موجودات از بس ذلیل وضعیف اند وہمیں مراد صاحب تقویۃ الایمان است کہ "چمار سے بھی ذلیل ہے" آہ ؎

بارہا گفتہ ام بار دگر مے گویم | من گم گشتہ نہ ازین راہ ز خود مے پویم
در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند | آنچہ استاد ازل گفت بگو مے گویم

برین معنے تصرف وتسلط بادشاہ بر چمار ذلیل ذرہ الیست موہوم بہ نسبت تصرف تام

جب باقی تمام مخلوقات اس کی محتاج ہوئی، تو پھر اس کے ساتھ برابری کیسے ہو سکتی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں کہ زمین اور آسمانوں میں جو کوئی بھی ہے، وہ اللہ کے پاس غلامی کی حالت میں آنے والا ہے، جلالین میں لکھا ہے، کہ عبدا کا معنے ذلیل اور خاضع ہے، پھر فرماتے ہیں تمام مخلوق اس کے سامنے ذلیل ہے، عزیر اور عیسیٰ علیہما السلام بھی،

وقدرت تمام او خالق انعام و تقدیر علام بر کافہ انام از خواص و عوام کہ علی الدوام است ؎

آن جہان دولتے کہ سر کز خط الشش سر بر کشید
روز گارش خط خذلان تا ابد بر سر کشید

وازیں جا ملا علی قاری ہروی کہ از اعاظم حنفیہ است انبیاء و اولیاء و فجرہ و کفرہ را زیر تسخیر و تصرف دو انگشت از اصابع الرحمن شامل کردہ تلبیق واحد ہمہ راذکر نمودہ چنانکہ در مرقاۃ شرح مشکوۃ در باب قدر زیر حدیث عبداللہ بن عمرو می نویسد عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان قلوب بنی آدم ای ھذا الجنس وخص لخصوصیۃ قابلیۃ التقلیب وبہ اکد بقولہ کلہا یشمل الانبیاء والاولیاء والفجرۃ والکفرۃ من الاشقیاء بین اصبعین من اصابع الرحمن یقلب واحد ویصرف کیف یشاء ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہم مصرف القلوب صرف قلوبنا علی طاعتک والظاہران کل واحد من العباد کما یفتقر الیہ تعالی فی الایجاد لا یستغنی عنہ ساعۃ من الامداد کما رواہ مسلم کذا فی المشکوۃ ؎

دیگران را این تصرف کے رواست
اختیار این تصرفہا تراست

واز جملہ علو شان بے نیازی او این است کہ لو ان اللہ عزوجل عذب اھل سمواتہ واھل ارضہ عذبہم وھو غیر ظالم لھم این حدیث بسبیل اختصار نقل کردہ شد و روایت کردہ این را احمد و ابوداؤد و ابن ماجہ از ابی بن کعب و ابن مسعود و حذیفہ و زید بن ثابت رضی اللہ عنہم چنانکہ در مشکوۃ وغیرہ بوجہ بسط مرقوم است ؎

کسے زچون و چرادم نمی تواند زد
کہ نقش بند حوادث ورائے چون و چراست

چرا گو کہ چرا دست بستہ قدرت است
زچون ملاف کہ چون نیز پائمال قضا است

وازیں جا قول مولوی صاحب مرحوم مطابق واقع است و مسلم نیز و عقلا خلاف للسفہاء وما قدروا اللہ حق قدرہ وھو العلی الکبیر المتعال رھو شدید المحال ؎

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکوۃ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث باب القدر کے تحت لکھتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمام بنی آدم کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، وہ جس طرح چاہے ان کو پھیرتا ہے" اور تمام بنی آدم کی تشریح اس طرح کرتے ہیں، کہ نبیوں اور ولیوں، کافروں، فاسقوں، فاجروں اور تمام بدبختوں کے دل خدا کے ہاتھ میں ہیں۔"

اولاً معترض غافل نہاد تکفیر ملا علی قاری ہروی کند کہ انبیاء و اولیاء و فجرہ و کفرہ را در یک مرتبہ زیر تسخیر و تصرف خداوند قدیر آوردہ و حفظ مراتب شان ننمودہ ثانیاً تکفیر صاحب تقویۃ الایمان کند نعوذ باللہ من سوء الظن۔

منکراں چون زدیدہ شرم وحیا برہم نہند تہمت آلودگی بر دامن مریم نہند

حاشا وکلا کہ در کلام ہر دو بزرگان تحقیر و توہین اکابر اعلام اصلاً نیست، بلکہ قصد بیان احکام شرعیہ حسب مرام کلام عزیز علام و سنت آن خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام است، چنانکہ سید احمد طحطاوی محشی درمختار در باب نذر للہ ولغیر اللہ می نویسد اعلم ان بیان الاحکام الشرعیۃ مما یجب علی العلماء ولیس فی ذلک تنقیص الولی کما یظنہ بعض من لا خلاق لہ بل ھذا مما یرضی بہ الولی ولو کان حیا وسئل عنہ ذلک اجاب بالحق واغضبہ نسبۃ التاثیر لہ وتامل قولہ تعالیٰ فی حق السید عیسیٰ علیہ السلام ان ھو الا عبد انعمنا علیہ۔ انتہی ما فی الطحطاوی۔ قال اللہ تعالیٰ ان ھو الا عبد انعمنا علیہ یعنی ما عیسیٰ الا عبد کسائر العبید۔

پس درین جا غور باید کہ برائے چہ این چنین نوشتہ اگر بقصد استخفاف واہانت نوشتہ کافر خواہد بود، حاشا کہ این مقصود امام ہمام نیست، بلکہ بنظر تنزیہ ذات باری از لوث شرک در رد بدعقیدگان نوشتہ، و صاحب تفسیر نیشاپوری تحت آیت کریمہ للہ ما فی السموات

اب معترض کو چاہیے کہ وہ صاحب جلالین اور ملا علی قاری پر بھی فتویٰ لگائے کہ یہ بھی عزیر اور عیسیٰ علیہما السلام کو ذلیل کہہ رہے ہیں، اور ملا صاحب بھی کافروں، فاسقوں اور فاجروں کو نبیوں اور ولیوں کے ساتھ ایک ہی صف میں کھڑا کر رہے ہیں اور بعد ازاں صاحب تقویۃ الایمان پر بھی فتویٰ لگائے۔

علامہ طحطاوی شارح درمختار باب نذر للہ ولغیر اللہ میں لکھتے ہیں کہ علماء پر احکام شریعت کا بیان کرنا ضروری ہے اور اس میں کسی کی تنقیص نہیں ہوتی، جیسا کہ بے سمجھ لوگ خیال کرتے ہیں، اگر بالفرض وہ ولی زندہ ہوتے، تو وہ بھی یہی کچھ بیان کرتے اور اس سے خوش ہوتے اللہ تعالیٰ کے قول پر غور فرماؤ، کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرماتے ہیں، کہ وہ تو صرف ایک بندہ تھا جس پر ہم نے احسان فرمایا (یعنی عیسیٰ علیہ السلام بھی) دوسرے بندوں کی طرح ایک بندے ہیں، تو غور فرمانا چاہیے کہ علامہ طحطاوی عیسیٰ علیہ کو دوسرے بندوں کی طرح ایک بندہ قرار دے رہے ہیں، اگر بنظر حقارت ایسا کہا جائے تو آدمی کافر ہو جائے حقیقت میں یہاں مشرکوں کے عقیدہ کی تردید کرنا مقصود ہے

صاحب تفسیر نیشاپوری آیت للہ ما فی السموات وما فی الارض یغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء

وما فی الارض یغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء واللہ غفور رحیم افادہ فرمودہ ثم ذلک لازم الملک والحکم فقال یغفر لمن یشاء تعمیم فضلہ فان کان من الکا نسۃ والفراعنۃ ویعذب من یشاء بحکم الارادۃ والقدرۃ وان کان من الملائکۃ المقربین والمصدقین انتہی کلامہ مختصرا ودر حق حضرت عیسی و مریم علیہما السلام می فرماید ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل وامہ صدیقۃ کسائر النساء اللاتی یلازمن الصدق او یصدقن الانبیاء کانا یاکلان الطعام ویفتقران الیہ افتقار الحیوانات۔ انتہی ما فی البیضاوی مختصرا ودر جلالین مذکور است کانا یاکلان الطعام کغیرھما من الحیوانات انتہی ما فی الجلالین

پس صاحب تفسیر بیضاوی و جلالین حضرت عیسی و مریم علیہما السلام را مانند دیگر حیوانات بنابر افتقار و ضعف و عدم اختیار تشبیہ دادند نہ بقصد حقارت و عدم تفاوت درجات ایشان ذکر کردند نعوذ باللہ من سوء الفہم و شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نیز بجلالت شان او خالق قہار و عزیز جبار سے فرمایند ؎

اگر بمحشر خطاب قہر کنند	انبیار را چہ جائے معذرت است
پردہ از روئے لطف گر بر دارد	اشقیار را امید مغفرت است

ہم چنیں قول صاحب تقویۃ الایمان کہ "چمارسے بھی ذلیل ہے" بابد فہمید ذلیل یعنی ضعیف و عاجز و لاچار و بے اختیار است زیرا کہ او جل شانہ مالک الملک و عزیز و سلطان و قادر مختار مطلق است، وہمہ مخلوق چہ اعلے چہ ادنی در جنب عزت و قدرت کاملہ او ذرہ وار ذلیل و خوار بلا ریب در عقیدہ اہل اسلام است الملک ھو القدرۃ والمالک ھو القادر فقولہ مالک الملک معناہ القادر علی القدرۃ والمعنی ان قدرۃ الخلق علی کل ما یقدرون علیہ لیست الا باقدار اللہ تعالی فھو الذی یقدر کل قادر علی مقدرہ و ذلیلات

کے تحت لکھتے ہیں، کہ یہاں تعمیم ہے، اگر وہ بخشنا چاہے، تو ابلیس اور فرعون کو بھی بخش دے، اور اگر سزا دینا چاہے، تو مقربین ملائکہ اور صدیقین کو سزا دے دے

اور بیضاوی حضرت عیسی علیہ السلام اور ان کی والدہ کے متعلق فرماتے ہیں کانا یاکلان الطعام کہ وہ بھی کھانے کے ایسے ہی محتاج تھے، جیسے دوسرے حیوانات محتاج ہوتے ہیں، جلالین میں بھی بالکل یہی لفظ ہیں اب دیکھئے صاحب تفسیر بیضاوی و جلالین حضرت عیسی اور ان کی والدہ کو حیوانوں سے تشبیہ دے رہے ہیں، حاشا وکلا ان کا مقصود ان کی توہین کرنا نہیں

کل مالک علی مملوکہ۔ انتہی ما فی التیسیر مختصرا

در مدارک تحت آیت کریمہ وھو القاھر فوق عبادہ می آرد القھر بلوغ المراد بمنع غیرہ عن بلوغہ انتہی کلامہ و ہمین معنی مراد از ذلیل است یعنی ذلیل ضعیف است از مقاومت و مصادمت در کارخانہ الٰہی چہ او عاجز سراپا است کہ بر جلب منافع و دفع مضار و موت و حیات و صحت و مرض و دفع حاجات خود ہیچ قدرت یک ذرہ ندارد چنانکہ عقل و شرع بدان ناطق است و قول صاحب تقویۃ الایمان بر آن صادق چہ بچہ او مالک الملک بابطال زعم مشرکان در سورہ فرقان می فرماید واتخذوا من دونہ آلھۃ لا یخلقون شیئا وھم یخلقون ولا یملکون لانفسھم ضرا ولا نفعا ولا یملکون موتا ولا حیوۃ ولا نشورا الآیۃ

حسن غیور او نہ پسندد شریک را آئینہ را بہ دست نگیرد نگار ما!

اکنون معنی ذل و ذلت باید دانست کہ چیست، ذل بضم خوار شدن ضد عز، ذلت کذلک فی الصراح و امام راغب در مفردات القرآن می نویسد الذل ما کان عن قھر و یقال الذل بالقلۃ الذلۃ القلۃ انتہی کلامہ فی الجملہ معنی ذل و ذلت ضعف و عجز و ناتوانی و بے سر و سامانی است از مقاومت با دیگرے و ضد و نقیض آن عز است بمعنی قوت و غلبہ چنانکہ امام فخر الدین رازی زیر آیت کریمہ لقد نصرکم اللّٰہ ببدر وانتم اذلۃ در تفسیر کبیر می آرد معنی الذل الضعف عن المقاومۃ ونقیضہ العز وھو القوۃ والغلبۃ انتہی ما فی التفسیر الکبیر

پر ظاہر کہ ہر مخلوق بمقابلہ قوت و غلبہ خالق بدیع السموات والارض بلا ریب ذلیل است یعنی ضعیف ذرہ وار خوار ناپائیدار در بند حوادث گوناگون گرفتار و منکران دیوانہ مضحکۃ الصبیان خواہد بود و تلاوت سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون در حق منکران می باید و توقیع رفیع ذرھم فی خوضھم یلعبون حسب حال ایشان می شاید در تفسیر ابو السعود نوشتہ اذلۃ جمع ذلیل وانما جمع جمع قلۃ للایذان باتصافھم حینئذ بوصفی القلۃ والذلۃ اذ کانوا ثلثمائۃ وبضعۃ عشر وکان ضعف حالھم فی الغایۃ انتہی ما فیہ مختصرا

ہے بلکہ ان کی محتاجی کو بیان کرنا مقصود ہے۔

تفسیر مدارک میں آیت وھو القاھر فوق عبادہ کے تحت لکھا ہے کہ قہر کا معنی ہے اپنی مرضی پوری کر لینا، اور دوسر کو اپنی مرضی پورا کرنے سے روک دینا" اور یہی ذلیل کا معنی ہے کہ کوئی بھی اس کے کارخانہ قدرت میں دم نہیں مار سکتا، کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا، کیونکہ وہ سب کے سب سراپا عاجز ہیں۔

ودر تفسیر بیضاوی مرقوم است وانما قال اذلة ولم یقل ذلائل لیدل علی قلتهم وذلتهم بضعف الحال وقلة المراکب والسلاح انتهی کلامه

پس از قرآن مجید وتفاسیر صاف واضح شد کہ او مالک الملک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم را بسبب ضعف وقلت مال ومثال کہ از مقاومت با کفار ضعیف وبے سرمایہ بودند ذلیل فرموده چہ جاکہ بمقابلہ عزت کاملہ وسلطنت قاہرہ وقوت باہرہ او مالک الملک کے رسند، وچہ گونہ ذلیل وضعیف وخفیف شمرده نشوند چہ ذلت وضعف وافتقار شان انسان است وفرمان عالی شان خلق الانسان ضعیفا بر آن برہان است ؎

اگر نہیب دہد چرخ واژگون گردد — دگر عتاب کند آفتاب خون گردد

وهو القاهر فوق عباده کہ شان عزیز السلطان اوست القهر هو الغلبة والتذلیل معا و یستعمل فی کل واحد منهما کذا فی مفردات القرآن للامام الراغب پس معنی آیت کریمہ این است کہ آن غالب ومذلل وتذلیل کننده بندگان خود است ؎

ہر کرا قہر تو راند کہ تواند خواندن — وآنکہ را لطف تو خواند کہ تواند راندن

وبطش ودارگیر بادشاه صاحب شوکت بر چار ذلیل وضعیف بمقابلہ بطش ودارگیر خداوند قدیر ذو الجلال لا یزال بذره نیرزد ؎

ہر کہ منصف بود بود انصاف — وصف تو نیست قدرت وصاف

ان بطش ربک لشدید ہر آئینہ دست برد پروردگار تو بسیار سخت است، زیرا کہ از دست برد دیگران خلاص شدن بمقابلہ دگر یہ وزاری وصبر وشفاعت ممکن است، واز عذاب او تعالی ہیچ وجہ خلاصی امکان ندارد، ونیز دست برد دیگیان ما نہایتش آن ست کہ منجر بموت وہلاک شود، وبعد از موت وہلاک نمی توانند کہ ایذائے رسانند زیرا کہ قدرت بر اعاده معدوم ندارند پس عذاب ابدی نمی توانند کرد، بخلاف او تعالی کہ بمردن وخاک شدن نیز از دست برد او خلاصی ممکن نیست، می تواند کہ زنده گرداند وباز عذاب کند تا ابد الآباد زیرا کہ انہ ہو یبدئ ویعید الی اخرما فی العزیزی وآیت کریمہ فیومئذ لا یعذب

پھر ایک اور طرح سے بھی اس پر غور کرنا چاہیے، کہ بادشاہ اگر ایک ذلیل جمار پر گرفت کرے، اور اس کو مروا دے، تو اس کی سزا بالکل محدود ہے، کیونکہ موت کے بعد وہ اس کو کچھ سزا نہیں دے سکتا، لیکن خداوند تعالیٰ اگر کسی بندے کو سزا دینا چاہے، تو اس کی سزا غیر محدود ہوگی، کیونکہ موت کے بعد بھی وہ اس کو بار بار زندہ کرنے پر قادر ہے، اور سزا دے

عذابه احد ولا یوثق وثاقه احد نیز بر عزت وقدرت کامله او عزیز حکیم ناطق که هر مخلوق بمقابله ومشابهه آن ذره وار ذلیل وخوار سرشار است ؎

هیچ میدانی چهاے سرو قامت می کنی | می کشی وزنده میسازی قیامت می کنی

وکل یوم هو فی شان ای امر یظهره فی العالم علی ماقدره فی الازل من احیاء واماتة واعزاز واذلال واعدام واعطاء وغیر ذلک صفات عزت سمات غیر متناهیه مختصه باو جل شانه است وانسان اگرچه کامل واکمل باشد که بصفات خدائے تعالےٰ مختص ومشابه شدن می تواند چنانکه بر عقلا اظهر من الشمس است ؎

کل یوم هو فی شان چه شان ست چه شان | یعنی اوصاف کمال تو نه دارد پایان
جلوه قدرت ترا غایت وپایانے نیست | هر زمان جلوهٔ دیگر شود از پرده عیان

فی الجمله او خداوند خلاق ومالک علی الاطلاق بشان عزت خالقیت وشان عزت الوهیت وشان عزت قومیت وشان عزت قهاریت، موصوف سرمدی است، وهر مخلوق بشان ذلت عبدیت وشان ذلت عبودیت وشان ذلت مقهوریت وشان ذلت افتقاریت، مجبور وپابند محصور ابدی است، پس مخلوق بمقابله شاهانه زنگارنگ او خالق غنی وبے نیاز سراپا در ذلتهائے گوناگون سر افگنده با عجز ونیاز است ؎

شکر فیض تو چمن چون کند اے ابر بهار | که اگر خار واگر گل همه پرورده تست

پس شرح وبیان عبارت تقویة الایمان حسب عنوان کلام ایزد منان ورسول مقبول آخر زمان وطرز تبیان علمائے ذی شان نگارش یافته اکنون صاحبان انصاف پرور را لازم است که بمقتضائے مکارم اخلاق غور فرمایند، وبر صاحب تقویة الایمان غیظ وغضب نه نمایند ؎

اندکے باتو بگفتم وبدل ترسیدم | که دل آزرده شوی ورنه سخن بسیار است

سید محمد نذیر حسین

سکتا ہے، تو خداوند تعالےٰ کے صفات غیر متناہی ہیں، اور بندہ اس کے مقابلہ میں سراپا عجز ونیاز ہے۔

پس تقویة الایمان کی عبارت کی شرح خدا تعالیٰ کی توفیق سے قرآن مجید اور حدیث شریف اور علماء ذی شان کے بیان کے مطابق ہو چکی ہے، اب انصاف پرور حضرات سے توقع ہے، کہ مکارم اخلاق کے مطابق اس پر غور فرمائیں گے، اور صاحب تقویة الایمان پر خواہ مخواہ ناراض نہ ہوں گے۔

سوال: پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم را برادر کلان خود خواندہ، حالانکہ جمیع انبیا خواہش اتباع وامت بودن او دارند، واگر آن سرور صحابہ یا امت را برادر خود خواندہ لازم نیست کہ دیگران ہم بگویند۔

الجواب: اعتراض معترض بر فائدہ تقویۃ الایمان کہ زیر حدیث اعبدوا ربکم واکرموا اخاکم مذکور است، نیز مشعر بر جہالت وعدم عبور او بر قرآن مجید وحدیث است مدفوع بدو وجہ است،

وجہ اول این کہ مسلمانان باہم چہ اعلیٰ وچہ ادنی با صل واحد کہ ایمان واسلام است منتسب می شوند یعنی ایمان واسلام بمنزلہ اَب است، وہمہ مسلمانان برادران دینی مستند وانتساب دینی واسلامی اشرف وافضل است از انتساب نسبتی، چنانکہ کفار باخودہا بمشارکت ملت کفریہ اخوان اند، خدائے تعالیٰ در قرآن مجید می فرماید انما المؤمنون اخوۃ جز این نیست کہ مومنان برادر انند ہریک دیگر را در دین چہ ہمہ منتسب اند با صل واحد کہ ایمان است انما المؤمنون اخوۃ من حیث انہم منتسبون الی اصل واحد وھو الایمان الموجب للحیوۃ الابدیۃ کذا فی التفسیر البیضاوی۔ المسئلۃ الاولی قولہ تعالی انما المؤمنون اخوۃ قال بعض اھل اللغۃ الاخوۃ جمع الاخ من النسب والاخوان جمع الاخ من الصداقۃ فاللہ تعالیٰ قال انما المؤمنون اخوۃ تاکید الامر واشارۃ الی ان ما

سوال: صاحب تقویۃ الایمان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا بھائی کہا ہے، حالانکہ تمام انبیاء آپ کی تابعداری کرنے اور امتی ہونے کی خواہش کرتے رہے، اور اگر حضور نے اپنے آپ کو صحابہ یا امت کا بھائی کہا ہے، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا، کہ ہم بھی ان کو اپنا بھائی کہیں

الجواب: معترض کا یہ اعتراض بھی صاحب تقویۃ الایمان کے فائدہ پر جو انہوں نے حدیث اعبدوا ربکم واکرموا اخاکم کے تحت لکھا ہے، سراسر جہالت اور قرآن مجید وحدیث شریف پر عدم عبور کی بنا پر ہے، اور یہ اعتراض دو طرح پر مردود ہے

وجہ اول یہ ہے کہ مسلمان آپس میں خواہ ادنیٰ ہوں یا اعلیٰ ایک اصل ایمان کی طرف منسوب ہونے کی بنا پر بھائی بھائی ہیں یعنی ایمان اور اسلام بمنزلہ باپ کے ہے، اور تمام مسلمان دینی بھائی ہیں علاوہ دینی اور اسلامی نسبت سب سے اشرف واعلیٰ ہے، اور کافر بھی اپنی ملت کفریہ کی وجہ سے آپس میں بھائی ہیں اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں کہ مومن سب آپس میں بھائی بھائی ہیں" یہ امر بھی ملحوظ رہے، کہ اَخ (بھائی) کی جمع دو طرح سے آتی ہے ایک اِخوۃٌ اور دوسری اِخوانٌ

بینھم ما بین الاخوۃ من النسب والاسلام کالاب قال قائلھم ؎

ابی الاسلام لا ابی لی سواہ اذا افتخروا بقیس او تمیم

انتہی ما فی التفسیر الکبیر وغیرہ من التفاسیر نعم ما قیل ؎

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد فدائے یک تن بیگانہ کا شنا باشد

وجہ ظاہر است، کہ صیغہ مومنون و مسلمون از جملہ الفاظ عام است العام ھو اللفظ المستغرق بجمیع ما یصلح لہ بحسب وضع واحد کما فی کتب اصول الفقہ پس آیت کریمہ انما المومنون اخوۃ من حیث الایمان مستوعب وشامل گردید رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم و ہمہ امت مومنہ را وتخصیص آن بلا مخصص شرعی مردود وغیر معقول است عند العلماء الفحول من اہل الاصول کان اخلاء المعنی من اللفظ العام الموضوع غیر معقول کما لا یخفی علی الماہر بالاصول

اگر معترض درین جا قیاس را دخل وہد و گوید، کہ من کثیف البال وسئی الحال کجا و آنحضرت ذات شریف جامع فیض وکمال کجا ازین جہت ذات بابرکات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم از عموم نص انما المومنون اخوۃ واز خطاب فاخوانکم فی الدین وغیرہ خارج است، پس درین صورت اطلاق اخوۃ وبرادر کلان بر آنحضرت جائز وروا نہ بود پس در صورت عدم جواز اطلاق اخوۃ بر آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سراسر گناہ وبے ادبی است، گویم کہ نص عام را بالقیاس خاص کردن کار ابلیس است کہ نص را بالقیاس خاص نمودہ خود را ازان خارج کردہ وازین رو ملعون شد چنانکہ از تفسیر کبیر وغیرہ ہویدا می گردد والوابع انہ تعالی امر الملائکۃ بالسجود لآدم حیث قال واذ

اہل لغت کہتے ہیں، کہ اخوۃ حقیقی بھائیوں کی جمع کے لئے آتا ہے اور اخوانٌ دوستی کی وجہ سے بھائی کی جمع پر بولا جاتا ہے اور یہاں جمع اخوۃ ہے یعنی مسلمان سب آپس میں حقیقی بھائی ہیں، اور یہ بھی ظاہر ہے، کہ لفظ مومنون اور مسلمون عام ہیں، جس سے مسلمانوں اور مومنوں کا کوئی فرد بھی باہر نہیں ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے خارج کرنا تخصیص بلا مخصص ہے۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے، کہ ہم بدحال لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا نسبت بلحاظ آپ کو عموم نص انما المومنون اخوۃ سے خارج سمجھا جائے گا، اور اس طرح آپ کو بڑا بھائی کہنا جائز نہ ہوگا، اور اس صورت میں آپ پر بھائی کا اطلاق کرنا سراسر بے ادبی اور گناہ ہوگا، تو میں اس کے جواب میں تفسیر کبیر کا اقتباس پیش کرتا ہوں، کہ لکھتے ہیں جب اللہ تعالٰے نے فرشتوں کو آدم کے سامنے سجدہ بجا لانے کا حکم دیا، تو شیطان

قلنا للملائكة اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابليس ثم ان ابليس لم يدخل هذا النص بالكلية بل خصص نفسه عن ذلك العموم بقياس هو قوله خلقتني من نار وخلقته من طين ثم اجمع العقلاء على انه جعل القياس مقدما على النص وصار بذلك السبب ملعونا وهذا يدل على ان تخصيص النص بالقياس تقديم للقياس على النص و انه غير جائز انتهى ما في التفسير الكبير في سورة النساء اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولي الامر منكم۔

وازیں جا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را گفتہ، کہ من برادر شما ام، و آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سخن ابوبکرؓ را تقریر نمودہ وانکار نہ فرمودہ وآغاز قصہ این است کہ جناب آن سرور خیر البشر پیام درخواست نکاح عائشہ صدیقہؓ بسوئے ابوبکرؓ فرستاد پس ابوبکر صدیق در جوابش گفت کہ من برادر توام واخوۃ مانع نکاح است، پس آنحضرت ارشاد فرمود او را کہ تو برادر دینی واسلامی بحکم کتاب اللہ ہستی واو یعنی عائشہ برمن حلال است و نکاح من از و جائز است واخوۃ اسلامی مانع نکاح نیست، بلکہ اخوۃ نسبی ورضاعی مانع می شود و آن مفقود است، چنانکہ در صحیح بخاری موجود است عن عروة ان النبي صلى الله عليه وسلم خطب عائشة الى ابي بكر فقال له ابو بكر انما انا اخوك فقال انت اخي في دين الله وكتابه وهي لي حلال كذا في صحيح البخاري في باب تزويج الصغار من الكبار من الجزء الحادي والعشرين قوله فقال له ابو بكر انما انا اخوك فقال صلى الله عليه وسلم انت اخي في دين الله وكتابه وهي لي حلال نكاحها لان الاخوة المانعة من ذلك اخوة

نے اس نص کو بالکلیہ رد نہیں کیا، بلکہ اپنے آپ کو اس آیت کے عموم نص سے قیاس کی بنا پر خاص کر لیا، اور کہا خلقتني من نار وخلقته من طين اور تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ شیطان نے قیاس کو نص پر مقدم کیا، اور اس سبب سے ملعون ہو گیا، اور یہ عبارت دلالت کرتی ہے، کہ قیاس کی بنا پر نص کی تخصیص کرنا حقیقت میں قیاس کو نص پر مقدم کرنا ہے، اور یہ جائز نہیں ہے، اب اس آیت کے عموم کو قیاس کی بنا پر خاص کرنے والے اپنے متعلق سوچیں کہ وہ کون ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت ابوبکر صدیق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ پوچھا تو حضرت ابوبکر نے اخوت اسلامی کی بنا پر عرض کیا، یا حضرت میں تو آپ کا بھائی ہوں تو آپ نے فرمایا ہاں واقعی تو میرا اسلامی بھائی ہے لیکن اس سے حرمت نکاح ثابت نہیں ہوتی، نکاح کی حرمت نسب یا رضاع سے ثابت ہوتی ہے۔

النسب والرضاع لا اخوۃ الدین کذا فی القسطلانی وفتح الباری وخبر عروہ بصورت ارسال است وبمعنی مرفوع است، چنانکہ از فتح الباری مستفاد می شود کما لا یخفی علی الماہر بالحدیث وآیت کریمہ سورۂ براءۃ فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ فاخوانکم فی الدین ترجمہ پس اگر باز گردند از کفر و بپائے دارند نماز را و بدہند زکوٰۃ را پس ایشان برادران شما اند در دین اسلام ایشان راست آنچہ شما را بود و برایشان است آنچہ بر شما باشد نیز موید وممد است مر آیت اولے را زیرا کہ خطاب بہ نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ تر مقتضی است کہ داعی وہادی الی الاسلام واکمل واعلم واتقی واکرم اند، پس منکر ازین خطاب بلاریب جاہل و گمراہ است، چنانکہ بر ماہران نصوص مخفی نخواہد بود بنا بران در تفسیر کبیر در سورہ اعراف گفتہ کہ لا یجوز تخصیص النص بالقیاس انتہی ما فیہ مختصراً

پس رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بدلیل ہر دو آیت کریمہ مذکورہ از راہ اخوت اسلامی برادر کلان و بزرگ تر شدند، وہمہ امت مسلمہ برادر خورد و کمتر گردیدند من حیث الایمان، چہ ایمان رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم الوف آلاف از ایمان تمام امت مؤمنہ ازید و افضل است، کما تقرر فی مقرہ عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتی المقبرۃ فقال السلام علیکم دار قوم مؤمنین وانا انشاء اللہ بکم لاحقون وددت انا قد رأینا اخواننا قالوا اولسنا اخوانک یارسول اللہ قال انتم اصحابی واخواننا الذین لم یاتوا بعدُ

اور قرآن مجید میں ہے، کہ اگر وہ توبہ کریں، اور نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں، اب اس آیت اور اوپر کی حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھائی ہونا ثابت ہوا۔ اِخْوَانُکُمْ میں ضمیر "کُمْ" کے اولین مخاطب تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوں گے، کیونکہ وحی اصالۃً آپ ہی کی طرف آتی تھی، اور دوسرے مسلمان بعد میں مخاطب تصور ہوں گے،

پس قرآن مجید کی دونوں آیات اور حدیث، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارا بھائی بنا رہی ہیں، اور چونکہ آپ کا ایمان ساری دنیا والوں کے ایمان سے بھی ہزارہا بلکہ کروڑ ہا گنا زیادہ ہے، لہذا آپ بڑے بھائی ہوں گے، اور باقی تمام امت چھوٹے بھائی۔

اس کے بعد اس حدیث پر بھی غور فرمائیں، کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان میں تشریف لائے، مردگان کے لئے دعا فرمائی، اور کہا کاش ہم اپنے بھائیوں کو دیکھ لیتے صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ کیا ہم آپ کے بھائی نہیں آپ نے فرمایا، تم میرے صحابی ہو، میرے بھائی وہ ہیں، جو ابھی پیدا نہیں ہوئے، بعد میں آئیں گے،

الی آخر ما رواہ مسلم کذا فی المشکوۃ فی الفصل الثالث من کتاب الطہارۃ۔ قال العلامۃ الطیبی فی شرح ہذا الحدیث لیس نفیا لاخوتہم لکن ذکرہ مزیۃ لہم بالصحبۃ علی الاخوۃ فہم اخوتہ وصحابتہ واللاحقون اخوۃ کما قال اللہ تعالی انما المؤمنون اخوۃ انتہی کلام الطیبی فی شرح المشکوۃ ترجمہ حدیث، دوست میدارم وآرزو می برم کہ کاش من وکسانے کہ با من اندمی دیدیم برادران خود را یعنے آنہا کہ بعد از ین بآیند، گفتند صحابہ کہ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بودند آیا برادری خوانی آنہا را و مانیستم برادران تو، فرمود شما اصحاب منستید، برادران ما آنہا اند کہ بعد از ین بیایند وایشان ہنوز باقلیم وجود قدم نہ نہادہ اند انتہی ما فی ترجمۃ الشیخ عبد الحق المحدث الدہلوی وجذب القلوب لہ،

وشیخ جلال الدین در جمع الجوامع چند حدیث بدین مضمون آوردہ است واز ین جہت شیخ محی الدین ابن العربی در باب پنجم فتوحات مکی نوشتہ فضلت الصحابۃ فانہم حصلوا الذات وحصلنا نحن الاسم ولما راعینا الاسم مراعاتہم الذات ضوعف لنا الاجر ایضا للحسرۃ التی لم تکن لہم فکان لنا تضعیف علی تضعیف فنحن الاخوان وہم الاصحاب انتہی کلامہ۔

پس قول صاحب تقویۃ الایمان مطابق قرآن مجید وقول وتقریر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم وقول ابوبکر صدیق واقوال دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم بپایہ صدق متلقی بالقبول گردید ومجال معترض نادان تنگ شد، توبہ در کار دما گر اعتقاد بہ عنوان قرآن وفرمود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ندارد بلاریب خاطی وگنہگار وشرمسار روزگار باشد واعتقاد بر آیت لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ کہ مژدہ کامرانی دوجہانے می بخشد باید داشت واز دائرہ شریعت پا بجہالت بیرون نباید گذاشت وعلم منشور لامع النور جاء الحق وزہق الباطل بر صداقت

علامہ طیبی کہتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے بھائی ہونے کی نفی نہیں فرمائی، بلکہ ان کی ایک اور فضیلت بیان کر دی، جو بھائی ہونے کے علاوہ ان کو نصیب تھی شیخ محی الدین ابن عربی فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں کہ صحابہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات نصیب ہوئی، اور ہمیں ان کا اسم گرامی ملا، ہم نے جب اس اسم کی رعایت ذات کی طرح کی اور پھر ہمارے دلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کی حسرت بھی رہی تو ہمارا اجر بہت بڑھا دیا گیا، ہم کو بھائی کا درجہ نصیب ہوا، اور ان کو صحابی کا"

تو ان تصریحات کی روشنی میں صاحب تقویۃ الایمان کی عبارت بالکل صحیح ہے اور معترض متعصب اور نادان ہے،

صاحب تقویۃ الایمان وحماقت معترض متعصب ونادان برا فراشتہ سوحق حقیق بجانب صاحب رسالہ باید پنداشت، چہا افسوس برافسوس کہ حس وعقل سلیم معترضین از غور وتامل نصوص مبدل گردیدہ کہ اعتراض بے ہودہ از نافہمی حق بر صاحب رسالہ ناحق می کنند وعارف رومی علیہ الرحمۃ والرضوان درشان ہمچو کسان نافہمان در مثنوی می فرمایند

از شراب قہر چون مستی دہی — نیست ہا را صورت ہستی دہی
چیست مستی بند چشم از دید چشم — تا نماید سنگ گوہر پشم پشم
چیست مستی حسہا مبدل شدن — چوب گر اندر نظر صندل شدن

وجہ دوم، وانچہ صاحب تقویۃ الایمان گفتہ کہ "انسان آپس میں سب بھائی ہیں، جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے سو اس کی تعظیم انسانوں کی سی چاہیے نہ خدا کی سی" الی آخرہ پس آن بنا بر اعتقاد فاسد مسلمانان جہلا وبعضے صوفیان سفہا، کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم را از حد لوازم بشریت واز مرتبہ نبوت ومنصب رسالت بر مدارج الوہیت وصفات رب العزت رسانیدہ امور متخیلہ کہ مختص بذات وصفات وافعال او ذو الجلال لایزال است برسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نسبت می کنند وبدان اعتقاد در کفر وشرک می افتند نوشتہ ومطابق کتاب اللہ تعالیٰ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بخوبی نگاشتہ ونقاب غفلت وخذلان از روئے جہلا برداشتہ وتفصیل اجمال این بربن منوال است، کہ بعضے صوفی جاہل کہ خود را پیشوائے دین واسلام می شمارند اعتقاد می کنند یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم را اللہ مجسم میدانند ومی گویند کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مظہر اسم اللہ اند وغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مظاہر اسماء دیگر، چون رحمن ورحیم، قاہر ومضل ومظہر بدان معنی گویند، کہ اسم اللہ متعین شد محمد نام شد، واگر محمد مطلق شود

دوسری وجہ یہ ہے، کہ صاحب تقویۃ الایمان نے جو یہ لکھا ہے کہ "انسان آپس میں سب بھائی ہیں، جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے، سو اس کی تعظیم انسانوں کی سی چاہیے نہ خدا کی سی" الخ تو یہ جاہل مسلمانوں اور بعض بے وقوف صوفیوں کے قول کی تردید کے لئے لکھا ہے، جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لوازم بشریت سے نکال کر بجائے منصب رسالت ونبوت کے مرتبہ الوہیت پر پہنچا دیتے ہیں، اور ناممکن افعال جو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے خاص ہیں، ان کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور اس طرح کفر وشرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں، چنانچہ وہ لوگ تو یہاں تک پہنچ گئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مجسم خدا ماننے لگے، اور کہہ دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو اسم اللہ سے پیدا ہوئے اور دوسری تمام مخلوقات دوسرے اسماء سے اور اس میں اتنا غلو کیا کہ کہنے لگے، کہ جب اللہ کا اسم متعین ہوا، تو اس کا نام محمد ہو گیا

اللہ گردد و نعوذ باللہ منہا ہنود مہادیو و رام را اوتاری گویند ایشان محمد صلی اللہ علیہ وسلم را گفتند شاید کہ ایشان ہم بنام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمبار زند و بہ پرستش پردازند، تمام شد کلام مولوی ظہور الحق صاحب عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ در تنویر الطالبین کہ در رد صوفیان جاہلین نوشتہ و این صریح کفر است بلا ریب و حذو النعل بالنعل قول یک فرقہ نصاری یعقوبیہ است چنانکہ او حق سبحانہ در قرآن مجید می فرماید

لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم وقال المسیح یا بنی اسرائیل اعبدوا اللہ ربی وربکم الآیۃ وھذا ھو قول الیعقوبیۃ لانھم یقولون ان مریم ولدت الٰھا ولعل معنی ھذا المذھب انھم یقولون ان اللہ تعالیٰ حل فی ذات عیسیٰ واتحد بذات عیسیٰ ثم حکی تعالیٰ عن المسیح انہ قال وھذا تنبیہ علی ما ھو الحجۃ القاطعۃ علی فساد قول النصاری وذلک لانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لم یفرق بین نفسہ وبین غیرہ فی ان دلائل الحدوث ظاھرۃ علیہ انتہی ما فی التفسیر الکبیر من سورۃ المائدۃ وقال فی المدارک ان بعض النصاری کانوا یقولون کان المسیح بعینہ ھو اللہ لان اللہ ربما یتجلی فی بعض الازمان فی شخص فتجلی فی ذلک الوقت فی شخص عیسیٰ ولھذا کان یظھر من شخص عیسیٰ افعال لا یقدر علیھا الا اللہ انتہی ما فی المدارک مختصرا۔

و شاہ عبد القادر صاحب مرحوم برادر خرد شاہ عبد العزیز قدس سرہما تحت آیت سورۃ انعام قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب ولا اقول لکم انی ملک ان اتبع الا ما یوحی الی قل ھل یستوی الاعمی والبصیر افلا تتفکرون مطابق قول صاحب تقویۃ الایمان در موضح القرآن می نویسند "یعنی پیغمبر آدمی کے سوا کچھ اور نہیں ہو جاتے، کہ ان

اور اگر محمد مطلق ہو جائے، تو اللہ بن جائے، نعوذ باللہ من ہذہ الخرافات، ہندو مہادیو اور رام چندر کو خدا کا اوتار کہتے ہیں یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں، ان کی یہ بات عیسائیوں کے فرقہ یعقوبیہ کی طرح ہے، جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کہا، ان کا عقیدہ یہ تھا، کہ عیسیٰ علیہ السلام میں خدا نے حلول کیا تھا یہی وجہ ہے، کہ عیسیٰ علیہ السلام سے ایسے افعال صادر ہوتے تھے، جو خدا کے ساتھ مختص ہیں۔

شاہ عبد القادر صاحب دہلوی نے موضح القرآن میں آیت قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ الآیۃ کے تحت لکھا ہے، کہ پیغمبر آدمی کے سوا اور کچھ نہیں ہو جاتے، کہ ان سے محال باتیں طلب کرے ایک اندھے اور دیکھنے کا فرق ہے

سے مخالف باتیں طلب کرے، ایک اندھے اور دیکھتے کا فرق ہے" انتہی کلامہ،

وصاحب تفسیر کبیر در رد عقیدہ شرکیہ ہمچو تقریر صاحب تقویۃ الایمان زیر ہمین آیت مذکورہ می نویسد فی الآیۃ مسائل. المسئلۃ الاولی اعلم ان ھذا من بقیۃ الکلام علی قولہ لولا انزل علیہ آیۃ من ربہ فقال اللہ تعالی قل لھؤلاء الاقوام انما بعثت مبشرا ومنذرا ولیس لی ان احکم علی اللہ تعالی وامرہ اللہ تعالی ان ینفی عن نفسہ امورا ثلاثۃ اولھا قولہ لا اقول لکم عندی خزائن اللہ فاعلم ان القوم کانوا یقولون لہ ان کنت رسولا من عند اللہ فاطلب من اللہ حتی یوسع علینا منافع الدنیا وخیراتھا ویفتح علینا ابواب سعاداتھا فقال تعالی قل لھم انی لا اقول لکم عندی خزائن اللہ فھو تعالی یؤتی الملک من یشاء ویعز من یشاء ویذل من یشاء بیدہ الخیر لا بیدی وثانیھا قولہ ولا اعلم الغیب ومعناہ ان القوم کانوا یقولون لہ ان کنت رسولا من عند اللہ فلا بد ان تخبرنا عما یقع فی المستقبل من المصالح والمضار حتی نستعد لتحصیل تلک المصالح ولدفع تلک المضار فقال تعالی قل انی لا اعلم الغیب فکیف تطلبون منی ھذہ المطالب والحاصل انھم کانوا فی المقام الاول یطلبون منہ الاموال الکثیرۃ والخیرات الواسعۃ وفی المقام الثانی کانوا یطلبون منہ الاخبار عن الغیب لیتوسلوا بمعرفۃ تلک الغیوب الی الفوز بالمنافع والاجتناب عن المضار والمفاسد وثالثھا قولہ ولا اقول لکم انی ملک ومعناہ ان القوم کانوا یقولون مال ھذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق ویتزوج ویخالط الناس فقال تعالی قل لھم انی لست من الملائکۃ

؎ تفسیر کبیر میں امام رازی نے اسی آیت کے تحت لکھا ہے آپ ان سے کہہ دیں کہ میرا کام تو صرف انذار اور تبشیر ہے، میں اللہ تعالیٰ سے زبردستی کوئی چیز نہیں منوا سکتا، اور آپ نے تین چیزوں کی نفی فرمائی، میرے پاس اللہ کے خزانے نہیں ہیں، میں غیب نہیں جانتا، اور میں فرشتہ نہیں ہوں، اس لئے کہ وہ کہتے تھے، اگر آپ اللہ کے رسول ہیں، تو ہمیں دولت مند بنا دیجیے، اگر یہ نہیں کر سکتے، تو کم از کم ہمیں غیبی خبریں ہی بتا دیجیے، تاکہ ہم چیزوں کے نرخ معلوم کر کے نفع حاصل کر سکیں، اگر یہ بھی نہیں ہو سکتا، تو کم از کم خود ہی ہماری سطح سے بلند ہو کر دکھایئے، کھانے پینے کی محتاجی جیسے ہم کو ہے تم کو نہیں ہونی چاہیے، تو ان کا ایک ہی جواب دیا گیا، کہ میں تو صرف ایک انسان ہوں اور خدا کا رسول ہوں"

واعلم ان الناس اختلفوا فی انہ من الفائدۃ فی ذکر نفی ھذہ الاحوال الثلاثۃ فالقول الاول ان المراد منہ ان یظھر الرسول من نفسہ التواضع للہ والخضوع لہ والاعتراف بعبودیتہ حتی لا یعتقد فیہ مثل اعتقاد النصاری فی المسیح علیہ السلام والقول الثانی ان القوم کانوا یقترحون منہ اظہار المعجزات القاھرۃ القویۃ لقولھم وقالوا لن نؤمن لک حتی تفجر لنا من الارض ینبوعا الی اخر الاٰیۃ فقال تعالی فی اخر الاٰیۃ قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا یعنی لا ادعی الا الرسالۃ والنبوۃ واما ھذہ الامور التی طلبتموھا فلا یمکن تحصلھا الا بقدرۃ اللہ تعالی فکان المقصود من ھذا الکلام اظہار العجز والضعف وانہ لا یستقل بتحصیل ھذہ المعجزات التی طلبوھا منہ والقول الثالث ان المراد من قولہ لا اقول لکم عندی خزائن اللہ معناہ انی لا ادعی کونی موصوفا بالقدرۃ اللائقۃ باللہ تعالی وقولہ ولا اعلم الغیب ای ولا ادعی کونی موصوفا بعلم اللہ تعالی وبمجموع ھذین الکلامین حصل انہ لا یدعی الالھیۃ ثم قال ولا اقول لکم انی ملک وذلک لانہ لیس بعد الالھیۃ درجۃ اعلی حالا من الملائکۃ فصار حاصل الکلام کانہ یقول لا ادعی الالھیۃ ولا ادعی الملکیۃ ولکنی ادعی الرسالۃ وھذا منصب لا تمتنع حصولہ للبشر فکیف اطبقتم علی استنکار قولی ودفع دعوٰی انتھی ما فی التفسیر الکبیر للامام الرازی۔ پس وندنہ صاحب تقویۃ الایمان دررد بدعقیدگان انبیاء ہم چو وندنہ صاحب تفسیر کبیر در ابطال عقیدہ مردمان اشقیاء کما لا یخفی علی الاذکیاء۔

۲ مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ در تفسیر سورہ جن می نویسند، باید دانست کہ ذکر و عبادت مستلزم طلب حضور آن چیز است، کہ اورا مذکور می کنند و معبود می سازند پس ذکر و عبادت غیر در مقامے کہ خصوصیت بحضرت حق تعالے داشتہ باشد ازان قبیل است کہ مکانے را برائے نزول و قدوم بادشاہے مہیا سازند، و ہمراہ او کسے را از رعایائے او نیز دعوت کنند

دیکھئے صاحب تفسیر کبیر کی تقریر بھی تو صاحب تقویۃ الایمان ہی کی طرح ہے ۲ اور شاہ عبدالعزیز سورہ جن کی تفسیر میں لکھتے ہیں جاننا چاہیے کہ ذکر اور عبادت کی مثال ایسی ہے کہ جیسے اپنے معبود مذکور کو کسی مقام پر بلایا جائے تو جیسے بادشاہ کو کسی جگہ اجلاس کرنے کی دعوت دی جائے اور اس کے ساتھ ہی کسی اور کو بھی دعوت دے دی

که کمال بے ادبی است وانه لما قام عبد الله وآنکه ہر گاہ بسے خیزد بندہ خدا ازان جہت
که بندہ است، او را خواندن خداوند خود ضرور است، تا عرض مطلب خود نماید ولہذا بر لسے این
بر می خیزد کہ یدعوہ یعنے بخواند خدا را و بسبب ذکر و خواندن او حضرت حق بر قلب او تجلی فرماید
و بہترین مکانات بدنش کہ دل است محل نزول نور الٰہی گردد واو تعالیٰ بدان محل مہمان شود کادوا
یکونون علیہ لبدا یعنے قریب است کہ آدمیان وجنیان ہلاکز بندہ ہجوم آوردہ باشند
نمد تو بر تو شوند یکے ازان بندہ طلب فرزندی کند و دیگرے طلب روزی و دیگرے طلب
خدمات دنیا و دیگرے کشف کونی وعلیٰ ہذا القیاس بسبب این ہجوم آوردن ہمہ اوقات او
را منغص ومشوش می کنند وہم خود در ورطہ شرک وکفر گرفتار می شوند زیرا کہ نمی فہمند کہ چون نور الٰہی بجا
درونے این بندہ بسبب کمال ذکر وعبادت نزول فرمود گویا این بندہ شریک کارخانہ خدائے
شدہ او را وجاہتے وقدرے نزد حق تعالیٰ پیدا شدہ کہ ہر چہ این بگوید حق تعالیٰ بعمل آرد
چنانچہ در دنیا مہمان را خاطر داری میزبان بہ ہمین مرتبہ می باشد، ولہذا اہل دنیا متجسس مے
باشند کہ بادشاہ وامیر وحاکم وفوجدار در خانہ ہر کسے آیند از وے حل مشکلات وحاجت روائی
مے جویند وبہ ہمین خیال فاسد کہ در حق بندگان خدا بخاطر ہم میرسانند در ورطہ پیر پرستی
وگور پرستی می افتند، ودرین حادثہ جنیان وآدمیان ہر دو شریک اند، وترا منصب رسالت ثقلین
است اگر درین امر در حق خود خوف کنی باین ہر دو فرقہ واشگاف قل انما ادعوا ربی یعنی بگو
سوائے این نیست، کہ من می خوانم پروردگار خود را تا ظلمت کدہ دل مرا بنور تجلی خود مشرف
سازد ولا اشرک بہ احدا یعنے وہرگز شریک نمی کنم با او ہیچ کس را چون من با او ہیچ کس را
شریک نمی کردم، وبخواندن پروردگار خود مشغول شدم پس از دیگران کے روا خواہم داشت کہ

جائے تو یہ بادشاہ کی انتہائی توہین ہے، ایسا ہی اگر خدا تعالیٰ کو پکاریں، اور اس کے ساتھ کسی اور کو بھی پکاریں، تو اس
سے خدا تعالیٰ کی توہین ہوتی ہے وانہ لما قام عبد اللہ یدعوہ جب بندہ خدا تعالیٰ کو پکارنے اور اس کی عبادت کرنے
لگا تو جنوں اور انسانوں نے سمجھ لیا، کہ اب یہ مقبول الدعوات ہو گیا، حق تعالیٰ نے اس پر تجلی فرمائی ہے، تو اس پر تہ
بہ تہ گرنے لگے، کوئی اس سے فرزند کا طلب گار ہوا، کوئی رزق کی فراخی کا، کوئی صحت اور خوش حالی کا، اور اس کے اوقات
کو پریشان کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان سے کہہ دیں کہ میں تو اپنے رب کو پکارتا ہوں، کہ وہ میرے ظلمت کدہ
دل کو پریشانی اوقات کی ظلمت سے منور کر دے، اور میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا، اور جب میں خود
اس کے ساتھ کسی کو شریک کرنے کے لئے تیار نہیں، تو میں یہ کب گوارا کر سکتا ہوں، کہ کوئی مجھ ہی کو خدا کا شریک

مرا بخوانند یا مرا با د شریک مقرر کنند، واگر این ہر دو فرقہ از تو، توقع نفعے یا ضررے داشتہ ترا بخوانند و شریک مقرر کنند پس صاف قل انی لا املک لکم ضرا ولا رشدا یعنے بگو بتحقیق من ہرگز مالک نیستم برائے شما ضررے و نہ تدبیر مطلب رس را چنانچہ پیش از من دکلاء وسفرائے جنیان وارواح ضالہ بنی آدم اہل دنیا را الطمع منفعتہا وخوف مضرتہا می فریفتند، وخود را نزد آنہا مالک نفع وضر نمودمی کردند، کہ حالا این دفتر را گاؤ خورد کردم واگر حادثہ ومصیبتے تو پناہ آرند وبخواہند کہ از غضب خدا در دامن تو پناہ گیرند پوست کندہ قل انی لن یجیرنی من اللہ احد یعنے بگو بتحقیق من خود درین حالت ام کہ ہرگز پناہ نمی تواند داد مرا از غضب خدا ہیچ کس ولن اجد من دونہ ملتحدا یعنے وہرگز نخواہم یافت در وجدان خود در ہیچ وقت سوائے خدا ہیچ جائے رجوع وسیلان تا بسوئے آن رجوع والتجا کنم تمام شد کلام مولانا شاہ عبدالعزیز در تفسیر عزیزی۔

قولہ انی لا املک لکم ضرا ولا رشدا ومعنی الکلام ان النافع والضار والمرشد والمغوی ہو اللہ وان احدا من الخلق لا قدرۃ علیہ انتہی ما فی التفسیر الکبیر باید دانست کہ روش وطرز بیان صاحب تقویۃ الایمان ونصیحۃ المسلمین مولوی خرم علی مرحوم در رد اشراک وابطال عقاید فاسدہ عوام ہمچو روش بیان مولانا شاہ عبدالعزیز وصاحب تفسیر کبیر است، چنانکہ بر ماہران کتب مذکورہ مخفی نخواہد بود باز قیل وقال کردن بر صاحب تقویۃ الایمان وصاحب نصیحت المسلمین خالی از غباوت وجہالت نیست نعوذ باللہ من الغبی الغوی،

واصل حدیث کہ معترض بر فائدہ آن اعتراض بر مولوی اسمٰعیل دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کردہ است نوشتہ می شود عن عائشۃ رض ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان فی نفر من المہاجرین والانصار روایت است از عائشہ رض کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بود در جماعت از مہاجرین وانصار فجاء بعیر فسجد لہ پس آمد شترے پس سجدہ کرد مر آنحضرت صلی اللہ علیہ

بنالیے اور اگر یہ دونوں فرقوں کو آپ سے نفع ونقصان کی امیدیں ہوں تو صاف کہہ دیجئے کہ میں تو اپنے نفع ونقصان کا مالک بھی نہیں ہوں، اور اگر خدا کی نافرمانی، اور بے ادبی اور گستاخی کر کے آپ کے دامن میں پناہ لینا چاہیں، تو آپ کہہ دیں کہ خود میرے لئے بھی خدا کے سوا کوئی پناہ کی جگہ نہیں ہے۔

اور معترض نے صاحب تقویۃ الایمان مولانا اسمٰعیل شہید کی جس عبارت پر اعتراض کیا ہے، وہ اس حدیث کا فائدہ ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین وانصار کی ایک جماعت میں تشریف فرما تھے، ایک اونٹ نے آکر

وسلم را فقال اصحابہ پس گفتند یاران آنحضرت یا رسول اللہ تسجد لک البہائم والشجر سجدہ می کنند ترا چہار پایہا و درختان فنحن احق ان تسجد لک پس مانسزاوار تریم بآنکہ سجدہ کنیم مر ترا فقال اعبدوا ربکم پس گفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کنید پروردگار خود را واکرموا اخاکم گرامی وعزیز دارید برادر خود را، عبارت ذات شریف خود داشت و لو کنت امرا احدا ان یسجد لاحد لامرت المرأۃ ان تسجد لزوجہا الی آخر ما فی المشکوۃ رواہ احمد

وازین حدیث دو فائدہ مستفاد شد، یکے آنکہ صحابہ کرام رض بفرط محبت وزیادت تعظیم خواستند کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را سجدہ کنند لیکن اجازت سجدہ کردن نداد، کہ غیر مشروع بود زیرا کہ سجود از اقصےٰ مرتبہ تعظیم است، برائے آنکہ اعلےٰ درجہ تعظیم ذاتی داشتہ باشد و آن مختص بذات پاک رب العالمین است،

فائدہ دوم، آنکہ قیاس صحابہ بر قیاس سجدہ کردن بہائم و درخت نزد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحیح ومقبول نہ شدہ، کہ قیاس مع الفارق بود زیرا کہ بہائم و درخت مکلف ہم چو جن وانس بر احکام شریعت انبیاء علیہم السلام نیستند، چہ سجدہ آنہا بتسخیر الٰہی می باشد و این از مباحث شرعیہ خارج است بخلاف جن وانس کہ بر احکام شرعیہ بواسطہ انبیاء علیہم السلام مسخر اند کہ ازین چارہ نیست ایشان را ولہذا فرمود اعبدوا ربکم چہ عبادت مختص بہ پروردگار است،

در روایت است در صحیح بخاری از حضرت عمر رض کہ لا تطرونی کما اطری عیسی بن مریم وقولوا عبد اللہ ورسولہ یعنے در مدح من مبالغہ از حد عبدیت زیادہ مکنید چنانکہ مبالغہ

آپ کو سجدہ کیا، تو صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ چارپائے جانور اور درخت آپ کو سجدہ کرتے ہیں، تو ہمارا زیادہ حق ہے کہ ہم آپ کو سجدہ کریں، تو آپ نے فرمایا، اپنے رب کی عبادت کرو اور اپنے بھائی کی عزت کرو، اگر میں اللہ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنے کی اجازت دیتا، تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے

جانور اور درخت چونکہ احکام شرعیہ کے مکلف نہیں ہیں، لہذا ان کو اس سے روکا نہیں جا سکتا، اور جن وانس چونکہ مکلف ہیں، اور شریعت میں حکم ہے، کہ خدا کے سوا کسی کو سجدہ نہ کیا جائے، لہذا انسانوں کو اس سے منع فرمایا گیا اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا، کہ صحابہ کا درختوں اور جانوروں کے سجدہ پر قیاس کر کے خود سجدہ کرنا حضور کے نزدیک مقبول نہ ہو سکا، کیونکہ یہ قیاس مع الفارق تھا، لہذا آپ نے فرمایا اپنے رب ہی کی عبادت کرو اور میری عزت کرو، بخاری کی حدیث میں ہے، کہ آپ نے فرمایا، میری تعظیم میں اس طرح مبالغہ نہ کرنا، جس طرح عیسائیوں نے

حضرت عیسی ابن مریم از حد عبدیت بمرتبہ الوہیت در مدح کردہ شد و بگوید و اعتقاد کنید بندہ او و رسول او، و ازین معنے شیخ عبدالحق محدث دہلوی در رسالہ نہم زیر حدیث الدین النصیحۃ از جملہ مکتوبات خود می نویسند کہ جمیع مراتب کمالات صوری و معنوی در عبدہ و رسولہ مندرج است و عبودیت خاصہ و مخصوص ذات شریف اوست، کہ بندہ حقیقی جز او کس نتواند بود، خدا خدا است و بندہ بندہ اد انتہی کلامہ مختصرا

ازین جا فرمودا کرموا اخاکم یعنی بسبب منصب رسالت از صفات بشریت ممتاز بودہ بصفات الوہیت متصف نہ شدہ ام کہ مرا عبادت کنید، و سجدہ نمائید انا سید ولد آدم و لا فخر برانید و اکرام کنید و گرامی دارید و اطلاق برادر بجہت بنی آدم بودن و انا بشر مثلکم است و بزرگ و کلان از لفظ اکرام و جملہ انا سید ولد آدم بوجہ احسن مستفاد گردید، قال اللہ تعالیٰ قد جاءکم رسول من انفسکم ای من جنسکم عربی مثلکم انتہی ما فی البیضاوی۔ قولہ من انفسکم و فی تفسیرہ وجوہ الاول یرید انہ بشر مثلکم کقولہ تعالیٰ اکان للناس عجبا ان اوحینا الی رجل منھم و قولہ انا بشر مثلکم و المقصود انہ لو کان من جنس الملائکۃ لصعب الامر بسببہ علی الناس علی ما مر تقریرہ فی سورۃ الانعام انتہی ما فی التفسیر الکبیر مختصرا

و در سورہ فصلت می نویسد قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی دبیان ھذا الجواب کانہ یقول انی لا اقدر علی ان احملکم علی الایمان جبرا و قھرا فانی بشر مثلکم و لا امتیاز بینی و بینکم الا بمجرد ان اللہ اوحی الی وما اوحی الیکم فانا ابلغ ھذا الوحی الیکم انتہی ما فی التفسیر الکبیر، و در بیضاوی زیر آیت مذکورہ نوشتہ قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الٰھکم الٰہ واحد لست ملکا و لا جنیا لا یمکنکم التلقی منہ انتہی ما فی البیضاوی و غیرہ من التفاسیر۔

عن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان فی نفر ای مع جماعۃ من

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف میں مبالغہ کیا، کہ ان کو عبدیت کے مقام سے نکال کر الوہیت کے مقام پر پہنچا دیا، تم بھی کہنے رہنا، کہ محمد اللہ کے بندے، اور اس کے رسول ہیں، میں تمہارے ہی جیسا ایک آدمی ہوں، ہاں اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا ہے، اور اس مرتبہ میں مجھ کو وہ مقام بخشا ہے، جو دوسرے لوگوں کو نصیب نہ ہوا، میں تمام بنی آدم کا سردار ہوں، فخریہ نہیں کہتا، بلکہ حقیقت کا اظہار کرتا ہوں۔

المهاجرين والانصار فجاء بعير فسجد له اى لرسول الله صلى الله عليه وسلم فقال اصحابه يا رسول الله تسجد لك البهائم والشجر فنحن احق ان نسجد لك فقال اعبدوا ربكم اى بتخصيص السجدة له فانه غاية العبودية ونهاية العبادة واكرموا اخاكم اى عظموه تعظيما يليق له بالمحبة القلبية والاكرام المشتمل على الطاعة الظاهرية والباطنية وفيه اشارة الى قوله تعالى وما كان لبشر ان يؤتيه الله الكتاب والحكم والنبوة ثم يقول للناس كونوا عبادا لى من دون الله ولكن كونوا ربانيين وايماء الى ما قلت لهم الا ما امرتنى به ان اعبدوا الله ربى وربكم واما سجدة البعير فخرق للعادة واقع بتسخير الله تعالى وامره فلا مدخل له صلى الله عليه وسلم فى فعله والبعير معذور واكرموا اخاكم هو بشر مثلكم ومخرج من صلب ابيكم آدم اكرموه اكرمه الله واختاره واوحى اليه كقوله تعالى قل انما انا بشر مثلكم يوحى الى انتهى ما فى المرقاة شرح المشكوة للملا على القارى بقدر الحاجة۔

قوله انما انا بشر مثلكم يوحى الخ البشر يطلق على الجماعة والواحد يعنى انه منهم والمراد انه مشارك للبشر فى اصل الخلقة ولو زاد عليهم بالمزايا التى اختص بها فى ذاته وصفاته والحصر هنا مجازى لانه يختص بالعلم الباطن ويسمى قصر قلب لانه اتى به ردا على من زعم ان من كان رسولا فانه يعلم كل غيب حتى لا يخفى عليه المظلوم انتهى ما فى فتح البارى وانما يعلمه الانبياء من الغيب ما اعلموا به بوجه من وجوه الوحى انتهى ما فى العينى شرح البخارى مختصرا۔

اگر معترض غافل نہاد سورۂ اعراف کا بتدبر امعان نظر تلاوت کردے ایں چنیں خرافات وترہات بر زبان نیاوردے زیراکہ خدائے تعالےٰ بنابرہمیں بشریت وہم جنسیت وبنی آدم بودن حضرت ہود وحضرت صالح وحضرت شعیب علیہم السلام را برادران کفار ومشرکین ارشاد فرمود، یا وصفیکہ کفار ومشرکین نجس اند کما قال اللہ تعالےٰ انما المشرکون نجس الآیۃ والی عاد اخاهم هودا الآية والى ثمود اخاهم صالحا الآية والى مدين

غافل مزاج معترض کو سورہ اعراف کی تلاوت بڑے غور سے کرنی چاہیئے کہ خداوند تعالیٰ نے انبیاء کو مشرکین کا بھائی قرار دیا ہے، حالانکہ قرآن کی نص کی رو سے مشرک ناپاک ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اور عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو

اخاھم شعیبا الآیۃ پس درین صورت اگر صاحب تقویۃ الایمان برد زعم فاسد بسیارے از جہلا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم را بمرتبہ الوہیت رسانیدہ اند یعنے مختار کل در کارخانہ خدائی میدانند، بادر کلان و بزرگ گفت چنانچہ بنقل بالا گذشتہ، بر وچہ گناہ و جرم شرعا عائد شد، بیان کند بدلیل شرع از کتاب و سنت والا الجبر واعتراض صورت مدعا نمی بندد کان الدعوی لا تسمع الا بالبینۃ

آخر اے آہوئے مشکین کہ رمیدی از ما ۔ چہ گناہ رفت وچہ کردیم وچہ دیدی از ما

صاحب تقویۃ الایمان در ہیچ مقامے نہ نوشتہ کہ بزرگان دین ودیگر اہل تمکین در خصائل مذمومہ ہم چو چمار اند حاشا وکلا کہ شخص ادنی این چنین نمی گوید چہ جا کہ مولوی صاحب مرحوم این چنین گویند و بر دعوئے من کلام مولوی صاحب ممدوح در تقویۃ الایمان جا بجا شاہد عدل است اولا کلام متنازع فیہ است کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا" آہ بر تفاوت درجات اشخاص مشعر است۔

ثانیا تحت آیت کریمہ قل لا املک لکم ضرا ولا رشدا می نویسند کہ سب بڑوں کے بڑے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم رات دن اللہ سے ڈرتے تھے" آہ

ثالثا ور فائدہ ایت کریمہ قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا می نگارند کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے، کہ انبیاء واولیاء کو جو اللہ نے سب لوگوں سے بڑا بنایا ہے، سو ان میں بڑائی یہی

بھیجا" الآیۃ اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا" اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا" الآیۃ

پس اس صورت میں اگر مولانا شہید نے بہت سے جہلاء کے فاسد عقیدہ کی تردید میں جو کہ آپ کو خداوندی مقام پر پہنچا دیتے ہیں، اور مختار کل جانتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا بھائی لکھ دیا ہے، تو شرعی لحاظ سے اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے اعتراض تو تب ہو سکتا، کہ وہ یہ لکھتے، کہ انبیاء و دیگر اہل تمکین اور بزرگان دین اپنے خصائل مذمومہ میں چماروں کی طرح ہیں، کلا و حاشا کہ کوئی ادنیٰ آدمی بھی ایسا لکھے، چہ جائے کہ مولانا صاحب مرحوم ایسا لکھتے، چنانچہ میرے اس دعوٰے پر تقویۃ الایمان ہی کی بہت سی عبارتیں گواہ ہیں، بطور مشتے نمونہ از خروارے تین چار عبارتیں ملاحظہ فرمائیں۔

اولاً اسی مقام پر غور فرمائیں، کہ یہاں "بڑا ہو یا چھوٹا" درجات کے تفاوت کی اطلاع دے رہا ہے۔

ثانیاً قل لا املک لکم ضرا ولا رشدا کے تحت لکھتے ہیں کہ "سب بڑوں کے بڑے پیغمبر خدا صلعم رات دن اللہ سے ڈرتے تھے"

ثالثاً آیت لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا کے تحت لکھتے ہیں، کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء اور اولیاء کو جو اللہ

ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی راہ بتاتے ہیں" آہ

رابعًا در ضمن حدیث اعرابی می فرمایند "سبحان اللہ اشرف المخلوقات محمد رسول اللہ کی تو اس کے دربار میں یہ حالت" آہ، مشت نمونہ از خروارے برائے افہام تفہیم معترض نقل کردہ شد، مولوی صاحب مرحوم خود در تقویۃ الایمان بہ نسبت بے ادبی کنندگان شرع می فرمایند، کہ کسے این بیت گفتہ ؎

دل از مہر محمد ریش دارم رقابت با خدائے خویش دارم

وکسے این چنین می نویسد ؎ باخدا دیوانہ باش و بامحمد ہوشیار

وکسے این چنین می گوید، کہ حقیقت محمدی الوہیت سے افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی باتوں سے پناہ میں رکھے، کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

از خدا خواہیم توفیق ادب بے ادب محروم گشت از فضل رب

انتہی ما فی تقویۃ الایمان مختصرا

طرفہ تماشا است، کہ صاحب تقویۃ الایمان سوء ادبی کنندگان شریعت را بے ادب می نویسند، و این غافلان مولوی صاحب را بے ادب می گویند، حالانکہ مولوی صاحب مرحوم رسالہ دو ورقہ بزبان عربی در جواب ازالہ وسوسہ و شبہات سید عبد اللہ بغدادی، و دیگر موسوسین غافلین نوشتہ بودند، کہ دراں ہمہ اعتراضات واہیہ معترضین و منکرین را بوجہ احسن دفع و رفع کردہ اند، مگر غباوت و کج فہمی را علاجے نیست چہ ہر گاہ پیشینان از راہ عداوت و غباوت در حق حضرت قرآن مجید ماذا اراد اللہ بھذا مثلا گفتند و جواب از رب الارباب چنین یافتند یضل بہ کثیرا و یھدی بہ کثیرا وما یضل بہ الا الفاسقین الآیۃ

نے سب لوگوں سے بڑا بنایا ہے، سو ان میں بڑائی یہی ہے، کہ وہ اللہ کی راہ بتاتے ہیں" الخ

رابعًا اعرابی کی حدیث کے ضمن میں فرماتے ہیں "سبحان اللہ اشرف المخلوقات محمد رسول اللہ کی تو اس دربار میں یہ حالت" الخ

عجیب معاملہ ہے، کہ مولانا شاہ اسمٰعیل صاحب تو شریعت کی بے ادبی کرنے والوں کو بے ادب فرماتے ہیں، اور یہ لوگ مولانا مرحوم ہی کو بے ادب کہنے لگے، اب مولانا مرحوم کے اس دو ورقہ رسالہ کا مضمون نقل کیا جاتا ہے، جو انہوں نے سید عبد اللہ بغدادی اور دوسرے معترضین کے جواب میں لکھا تھا، علمائے کرام سے درخواست ہے کہ وہ اس مضمون کو تعصب چھوڑ کر بغور ملاحظہ فرمائیں، پھر ان اعتراضات کی قلعی خود بخود ان پر کھل جائے گی، اگر انصاف سے کام نہ لیا جائے تو بہت سے منکرین نے تو قرآن پر بھی اعتراض کر دیئے تھے، ان کو جواب یہی ملا تھا کہ "یضل بہ کثیرا و یھدی بہ کثیرا وما یضل بہ الا الفاسقین"

پس چہ مجال مولوی صاحب کہ برگشتگان را براہ راست آرند وایشان را بجادہ سعادت بےکم وکاست گزارند، حبذا ما قال ؎

کسانے کہ زین راہ برگشتہ اند　　برفتند بسیار سرگشتہ اند

قول معترض حالانکہ جمیع انبیاء خواہش آہ بران نیست ہم سلطان از حدیث و قرآن ومن ادعی فعلیہ البیان بالبرہان، پس ازین بخدمت علماء ماہران متحلین بعدل والصاف وماہران متخلین از جور واعتساف بمقتضائے منطوق لازم الوثوق اعدلوا ھو اقرب للتقوی گذارش می کند کہ درین اوراق صدق وفاق بغور تامل ونظر بازند وبداب آداب علم وفضل خود شور وشغب وغیظ وغضب نہ سازند کہ موجب صلاح وفلاح گردد ؎

حافظا علم وادب ورز کہ در حضرت شاہ　　ہر کرا نیست ادب لائق خدمت نبود

ما علینا الا البلاغ - وھو ھذا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ من تفرد بالقدم فکل شئی من سواہ مسبوق بالعدم ولا شریک لہ فی الخلق والتدبیر ولا اختیار لاحد فی ملکہ من النقیر والقطمیر حتی لا یشفع الا نبیلہ الا بعد اذنہ ولا نجاۃ لاحد الا بلطفہ ومنہ ونصلی علی افضل البرایا شفیع الامم الذی لولاہ ما اخرجت الدنیا من العدم الذی علمنا براھین التوحید والاسلام واخرجنا من ظلمات الاشراک وعبادۃ الاصنام وعلی آلہ واصحابہ وعلی ناصر دینہ ومحبیہ۔ اما بعد فنخص بالتحیۃ والسلام ذات من ترقی علی مدارج الاسلام سلالۃ السید المحبوب الجیلانی السید عبد اللہ البغدادی العالم الربانی لا یخفی علیکم انی لما رأیت عوام مسلمی الھند قد انھمکوا بجھلھم فی الاشراک والبدعات وتمسکوا بالشبھات الواھیات وجعلوا یعبدون القبور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد وصلوۃ کے بعد میں اس ذات شریف کی خدمت اقدس میں سلام کا ہدیہ پیش کرتا ہوں، جو اسلام کی انتہائی بلندیوں پر فائز ہونے کے علاوہ نسبی لحاظ سے بھی حضرت محبوب سبحانی سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے تعلق رکھتی ہے یعنی سید عبد اللہ بغدادی عالم ربانی کی خدمت میں، آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے، کہ میں نے جب ہندوستان کے مسلمانوں کو دیکھا، کہ وہ شرک وبدعات میں مبتلا ہیں، اور واہیات دلائل سے استدلال کر کے قبروں

واھلھا وسالوا لھم حاجاتھم قبلھا وجلھا الفت رسالۃ فی رد الاشراک باللہ تعالیٰ واستدللت فیھا بستۃ وعشرین آیۃ من کلام اللہ وترجمتھا بالھندی تسھیلا لاستفادتھم وکشفا للغطاء عن قبح متمسکاتھم واستدلالاتھم فحمداً للہ قد ھدی الوفا من النساء والرجال اذ ما تردد فیھا الا بعض المعاندین الجھال وبلغنی ان رسالتی ھذہ قد قرأت بین یدیکم فقلتم حق الا ان تساوی الاصنام وجمیع الناس والانبیاء فی باب المخلوقیۃ وعدم الاختیار وان کان حقا داخلا فی العقیدۃ لکنہ نوع من سوء ادبہ لابد لہ من سند ودلیل لان الصنم نجس فکیف یذکر مع سید الطاہرین صلی اللہ علیہ وسلم۔

اقول وباللہ التوفیق ان ھذہ العبارۃ قد وقعت فی رسالتی ردا لسوال العوام حیث یقولون الاستعانۃ والعبادۃ والسجدۃ انما ھو ممنوعۃ للاصنام لا للانبیاء الکرام والاولیاء العظام فقلت الاستعانۃ الحقیقیۃ لا تجوز عند العقل الا من الذی لہ اختیار فی تدبیر العالم وقد ثبت من النصوص القطعیۃ القرانیۃ ان لا اختیار لغیر اللہ تعالیٰ فلیس للانبیاء والاولیاء فی ھذا الامر الخاص اعنی استحقاق السجدۃ وانزال المطر واعطاء الاولاد علی الاصنام وجمیع الناس

کی پرستش کرتے ہیں، ان سے اپنی حاجتیں مانگتے ہیں، تو ان کی تردید کے لئے ایک رسالہ تصنیف کیا، جس میں قرآن مجید کی چھبیس آیات سے استدلال کیا اور سہولت کے لئے ہندی زبان میں ان کا ترجمہ بھی کر دیا، اور خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس رسالہ کی بدولت ہزارہا مردوں اور عورتوں کے عقیدے درست ہو گئے، لیکن بعض جاہلوں نے اس پر اعتراضات کرنے شروع کر دیئے، مجھے معلوم ہوا، کہ میرا وہ رسالہ آنجناب کی خدمت میں پڑھا گیا ہے، آپ نے اس کے متعلق فرمایا ہے، کہ بات تو صحیح ہے لیکن عدم اختیار اور مخلوقیت کے بارے میں نبیوں اور عوام الناس اور بتوں کو برابر کر دیا ہے اگرچہ یہ بات ہمارے عقیدے میں شامل ہے، لیکن یہ ایک طرح کی بے ادبی اور گستاخی ہے، اس کے لئے کوئی دلیل ہونی چاہیئے، کیونکہ بت ناپاک ہیں، ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کیسے کیا جا سکتا ہے"

اس کے جواب میں گذارش ہے، کہ میرے رسالہ کی یہ عبارت ان لوگوں کے عقاید کی تردید میں واقع ہوئی ہے، جو کہتے ہیں، کہ بتوں سے مدد مانگنا، یا ان کی عبادت کرنا منع ہے، نبیوں اور ولیوں سے مدد مانگنا یا ان کی پوجا کرنا منع نہیں ہے، میں نے اس کے جواب میں لکھا ہے، کہ حقیقی استعانت عقل کے نزدیک صرف اسی سے جائز ہو سکتی ہے جس کا تدبیر عالم میں پورا اختیار ہو، اور یہ تو قرآن کی قطعی نصوص سے ثابت ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو اختیار نہیں ہے، تو

ترجیح اما قرب الانبیاء عند الله تعالیٰ وکمالاتھم وفضائلھم التی لا یصل دون سرادقاتھا غیرھم فمسلم وھو امر اٰخر لا دخل له فی الربوبیة والالوھیة انتھی والعجب کل العجب من جنابکم انکم اقررتم ان ھذا الامر حق داخل فی العقیدة ثم قلتم انه سوء الادب لیت شعری اذا کان ثابتا من البراھین داخلا فی العقیدة فکیف یتصور انه سوء الادب فلکلامکم یشیر الی اجتماع الضدین والسند یطلب لما لا یثبت بالدلیل وھذا الامر ثابت اجمالا فی القراٰن فما الجرم فی تفصیل الاجمال ومع ذلك قد قال الله تعالیٰ لنبیه فی القراٰن قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الٰھکم اله واحد ولا یخفی ان المخاطبین بقوله انما انا بشر مثلکم ھم المشرکون فکیف مثل الله تعالیٰ فی البشریة نبیه بالمشرکین الذین ثبت نجاستھم فی القراٰن حیث قال الله تعالیٰ انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام والاصنام من حیث انھا احجار وجمادات لا نجاسة فیھا والا یلزم ان یکون کل حجر نجسا انما النجاسة فیھا بسبب المشرکین الذین صوروھا و

نبیوں کو اس امر خاص یعنی سجدہ کرنے بارش برسانے اور اولاد عطا کرنے وغیرہ میں دوسری مخلوقات اور بتوں سے ترجیح نہیں ہے، اور ان کی عنداللہ قربت اور کمالات و فضائل کا ہرگز انکار نہیں ہے لیکن ان چیزوں کا ربوبیت اور الوہیت میں کوئی دخل نہیں ہے

آنجناب کی ذات سے بڑا تعجب ہوا، کہ جب آپ یہ اقرار کرتے ہیں، کہ یہ بات صحیح ہے اور عقیدے میں داخل ہے، تو پھر آپ اسے سوء ادبی کیوں فرماتے ہیں، کاش مجھے اس بات کی سمجھ آجائے کہ جب ایک چیز دلائل سے ثابت ہو، عقیدے میں شامل ہو، تو پھر وہ بے ادبی کس طرح بن جاتی ہے، آپ کا کلام اجتماع ضدین کی طرف اشارہ کرتا ہے اور پھر سند تو اس چیز کی طلب کی جاتی ہے جو دلیل سے ثابت ہو، اگر ایک چیز اجمالی طور پر قرآن مجید میں موجود ہو، اور اس کی تفصیل کر دی جائے، تو اس میں جرم کیا ہے، اور اس کی دلیل اور کیا درکار ہے؟ یہ تو آپ کو تسلیم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے، کہ آپ کہہ دیں میں تمہارے ہی جیسا آدمی ہوں، میری طرف وحی آتی ہے، کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے" اور یہ بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ متکلم کے مخاطب مشرک لوگ ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے بشریت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکوں کے ساتھ کیوں تشبیہ دے دی، حالانکہ خود خداوند تعالیٰ نے مشرکوں کی نجاست قرآن مجید میں "انما المشرکون نجس" کہہ کر بیان کر دی ہے

باقی رہا بتوں کا معاملہ، تو ان میں نجاست ذاتی نہیں، ورنہ تمام پتھر ناپاک ہوتے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، ان میں جو

جعلوها معبود بن فالمشرکون اشد نجاسة من الاصنام فافهم وتامل ان قیل وان کان هذا الامر ثابتا ولکن ما الضرورة فی ذکره قلت الضرورة فی ذکره رد شبهة العوام حیث یزعمون الانبیاء والاولیاء یتصرفون فی العالم فیفعلون ما یشاؤن۔

هذا وقد تحقق عندی ان الرجل البنجابی یوسوسکم فیا شیخ انک لست تعلم حاله فانه رجل مخبط العقل مختل الحواس غبی جاهل ویزعم لنفسه انه نحریر فاضل لا یدری الیمین عن الشمال فانه فی الحقیقة نائب الدجال لانه یقول تارة انا عبد المحبوب السبحانی وتارة یقول ان عبد القادر هو الرزاق معاذ الله من هذه الکلمات الکفریة لا یجوزها الجهلاء فضلا عن العلماء فالمسئول من جنابکم ان لا تصدقوا کلامه فی امری لانه رجل سامری هداه الله الصراط المستقیم وثبتنا وایاکم علی دینه القویم وصلی الله علی سیدنا ومطاعنا وشفیعنا محمد ن المصطفی وعلی اله شموس الهدی واصحابه بدور الدجی فقط

ثم هذا المکتوب حین کنت نزیلا فی الکانفور سنة الف ومائتین واربعین الی السید البغدادی حین وسوسه الجهال فبعد قراءة کتابی هذا جاءنی متعذرا وقال لقد صدقت فیما الفت فی رسالتک وما ظننت فیک کان من عدم درایة

نجاست آئی ہے وہ مشرکوں کے عمل سے آئی ہے، تو معلوم ہوا، کہ مشرک بتوں سے بھی زیادہ ناپاک ہیں، اور پھر بھی خدا تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو مشرکوں سے تشبیہ دی ہے، اور اگر آپ یہ کہیں کہ ایسا لکھنے کا فائدہ کیا تھا، تو اس کا جواب میں پہلے عرض کر چکا ہوں، کہ مشرکین کے فاسد عقاید کی تردید کرنا مقصود ہے

میں جانتا ہوں، کہ ایک پنجابی آدمی آپ کو وسوسے ڈالتا ہے، اے شیخ آپ اس کے حالات سے واقف نہیں ہیں، وہ ایک مخبوط الحواس اور جاہل آدمی ہے، اور حقیقۃً دجال کا نائب ہے، کیونکہ کبھی وہ کہتا ہے، کہ میں محبوب سبحانی کا بندہ ہوں، کبھی کہتا ہے شیخ عبدالقادر جیلانی دنیا کے رازق ہیں، نعوذ باللہ من ہذہ الکلمات الکفریۃ، ایسی باتیں تو کوئی جاہل بھی نہیں کہہ سکتا، چہ جائے کہ کوئی عالم کرے، جناب سے درخواست ہے، کہ آپ اس کی باتوں پر اعتبار نہ کریں، وہ ایک سامری آدمی ہے، اللہ اسے ہدایت دے۔

۱۲۴۰ھ میں، میں کانپور میں مقیم تھا، کہ جاہلوں نے سید بغدادی کے دل میں وسوسے ڈالے، جب میرا یہ خط آپ کے پاس پہنچا، تو وہ معذرت کرنے کے لئے تشریف لائے، اور فرمایا، کہ آپ کے رسالہ کا مضمون بالکل

کلامك لان کلامك فی رسالتك کان هندیا وانا رجل عربی لا افهم الهندی والرجل البنجابی قد افتری علیك واغلط فی الترجمة کثیرا فلا تغضب۔ تمت الرسالة المصنفة للعلامة النبیل محمد اسمٰعیل الدهلوی ابن الاخ للحبر الجلیل شاہ عبد العزیز قدس سرهما۔

سوال علمائے دین وفضلائے محققین موحدین سے یہ ہے، کہ کتاب مسمی بہ تقویۃ الایمان تصنیف مولوی اسماعیل صاحب کی، اور کتاب نصیحت المسلمین مولوی خرم علی صاحب کی جس میں شرک کی برائی کا بیان ہے، ان دونوں کا کیا حال ہے آیا ان پر عمل کرنا، اور ان کے موافق عقیدہ رکھنا ہدایت ہے یا گمراہی، اور ان کا مضمون موافق اہل سنت کے ہے یا نہیں، اور جو شخص ان کے مصنفوں کو، اور ان پر عمل کرنے والوں کو، بہ سبب اس تصنیف کے اور عمل کے کافر اور گمراہ کہے اس کا کیا حال ہے، اور اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب۔ نصیحت المسلمین اس فقیر کی نظر سے نہیں گذری اور نہ اس کے مصنف کا تفصیلی حال معلوم ہے، لیکن اگر اس کتاب میں شرک کی برائی کا بیان ہے، تو اس کے اچھے ہونے میں کس کو کلام ہے، اور تقویۃ الایمان کو نظر اجمال سے دیکھا ہے، باعتبار اصول اور اصل مقصود کے بہت خوب ہے، اور مولوی اسمٰعیل صاحب کو ایسا دیکھا، کہ پھر کسی کو ایسا نہ دیکھا، یہ لوگ ان میں سے ہیں، کہ جن کے حق میں حق سبحانہ تعالے نے فرمایا ہے ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر ویأمرون بالمعروف وینهون عن المنکر واولئك هم المفلحون اور یہ فرمایا ان الذین اٰمنوا والذین هاجروا وجاهدوا فی سبیل الله اولئك یرجون رحمة الله والله غفور رحیم۔ یختص برحمته من یشاء والله ذو الفضل العظیم پس جو ان کو کافر اور گمراہ کہے، وہ آپ گمراہ ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ محمد صدر الدین

محمد صدر الدین

صحیح ہے چونکہ یہ رسالہ ہندی زبان میں تھا اور میں ہندی زبان سے ناواقف تھا اس آدمی نے آپ کے کلام کا غلط ترجمہ کر کے مجھ کو بہکایا، اور آپ پر بہت سے الزام لگائے اب آپ ناراض نہ ہونا۔ رشاہ اسمٰعیل شہید کے رسالہ کا مضمون ختم ہوا) ۱؎ تم میں سے ایک جماعت ہونی چاہیئے جو بھلائی کی طرف بلاویں، اور اچھے کام کا حکم کریں اور برائی سے روکیں، اور یہی ہیں مراد پانے والے، اور فرمایا ایمان والے، مہاجر اللہ کی راہ میں جان ومال سے کوشش کرنے والے اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ تعالے بخشنے والا مہربان ہے، اور اللہ تعالی جسے چاہے اپنی رحمت سے خاص کرے اور اللہ تعالی بڑے فضل کا مالک ہے ۱۲

سائل لکھتا ہے کہ کتاب تقویۃ الایمان تصنیف مولوی اسمٰعیل صاحب کی اور کتاب نصیحۃ المسلمین مولوی خرم علی صاحب کی جس میں شرک کی برائی کا بیان ہے۔ الیٰ آخرہ فقط۔

الجواب:۔ سب خاص اور عام پر ظاہر ہے کہ شرک ایسی بری بلا ہے، جس کے دفع کرنے اور مٹانے کو، اور اس کی مذمت کے بیان کرنے کو سب انبیاء اور رسول ؑ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک علی نبینا وعلیہم السلام بھیجے گئے اور سب صحیفے اور کتابیں آسمانی اور فرامین رحمانی توراۃ سے لے کر فرقان تک اسی شرک کی برائی و مذمت کے بیان میں نازل ہوئیں، اور جو شخص زبان دان عربی واقف علوم دین و ماہر قواعد اصول شرع متین اول سے آخر تک قرآن شریف کو غور سے تلاوت کرے، اور اس کے مضامین عالی پر اپنے فکر صحیح اور سلیم نظر خرچ کرے، اس مطلب کو صراحۃً پاوے گا، کہ مراد اور مقصود اور مہتم بالشان حضرت رب العالمین جل ذکرہ کا نزول قرآن سے یہی دفع شرک اور اظہار توحید اور اثبات وحدانیت اپنی ذات پاک کا ہے، اور یہی خلاصہ مضمون سب اذکار اور سب ادیان حقہ اور کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ کا ہے جس کو سب انبیاء و اولیاء مقربین اور صوفیہ صافیہ رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین نفی اور اثبات سے تعبیر و بیان فرماتے ہیں، باقی مضامین اثبات رسالت و احکام معاد و احکام عبادت و معاش وغیرہ مبادی اور وسائل تحصیل اسی توحید ذاتی اور صفاتی حضرت رب العالمین کے ہیں، اور یہ توحید ذاتی اور صفاتی حضرت رب الارباب کے بلا فرق و تفاوت کے سب دینوں اور مذاہب حقہ میں چلی آئی ہے، کسی دین میں اس کا نسخ اور تبدیل نہیں ہوا، اور کلام برکت التیام حضرت خیر الاولین والآخرین رسول رب العالمین کا جو چھ کتابوں وغیرہ میں مندرج ہے جس کو صحاح ستہ کہتے ہیں، وہ سب اسی شرک و بدعت کے دفع کرنے، اور اظہار توحید ذاتی اور صفاتی اور اعلائے کلمۃ اللہ اور احیائے سنت رسول اللہ میں باآواز بلند ناطق ہے، اور حضرت خلفائے راشدین اور سب صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اور علمائے مجتہدین اور محدثین صوفیہ صافیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، دفع شرک و بدعت اور اثبات توحید ذاتی اور صفاتی اور اعلائے کلمۃ اللہ اور احیائے سنت رسول اللہ میں جس قدر سعی اور کوشش کر گئے ہیں ان کی کتابوں کے مطالعہ سے واضح و لائح ہے شکر اللہ سعیہم

اور متاخرین مثل امام غزالی اور امام رازی اور شیخ محی الدین ابن عربی اور حضرت قطب الاقطاب

عبدالقادر جیلانی اور حضرت مجدد الف ثانی اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی اور شاہ ولی اللہ صاحب محدث اور شاہ عبدالعزیز صاحب و شاہ رفیع الدین و شاہ عبدالقادر محققین علمائے دہلی نے اسی دفع شرک اور بدعت میں اور اثبات توحید ذاتی اور صفاتی میں اور اعلائے کلمۃ اللہ اور احیائے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں طرح طرح سے مضامین رنگا رنگ بیان فرمائے ہیں جو کچھ شک و شبہ ہو ان سابقین لوگوں کی کتابیں ملاحظہ کرے۔

الغرض اس مضمون میں یعنی بیان مذمت و برائی شرک و بدعت اور اثبات توحید ذاتی اور صفاتی حضرت واجب الوجود فائض الجود اور اعلائے کلمۃ اللہ اور احیائے سنت رسول اللہ میں وحی آسمانی اور کلام نبوی اور جماہیر اہل سنت والجماعت از سلف تا خلف متفق اور متحد ہیں، کسی کو اس میں مجال اختلاف اور انحراف کا نہیں ہے، کیونکہ یہ عین ایمان ہے، اس کا خلاف دین و ایمان کا خلاف ہے۔

پھر اب غور کیا چاہیئے، کہ جب یہ امر مانند آفتاب واضح ہو گیا، کہ کتاب تقویۃ الایمان تصنیف مولوی اسمٰعیل صاحب مغفور و مرحوم کی یا اور کوئی رسالہ مولوی خرم علی وغیرہ کا جس میں دفع شرک اور بدعت اور اثبات توحید ذاتی اور صفاتی اور اعلائے کلمۃ اللہ اور احیائے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان موافق قرآن مجید اور احادیث حمید کے ہو، وہ سراسر مطابق مذہب اہل سنت و جماعت کے ہے، اس پر عمل کرنا، اور اس کے موافق عقیدہ رکھنا عین ہدایت ہے، مخالف اس کا مخالف اہل سنت و جماعت کا ہے۔

مجیب نے تقویۃ الایمان کو اور رسالہ نصیحت المسلمین کو مطالعہ کیا، اس میں اول سے آخر تک آیات قرآن اور صحاح احادیث نبوی مندرج ہیں، اقرار ان پر عین ایمان اور انحراف اور اعراض ان سے عین کفر ہے۔

مولوی خرم علی اپنی تحریر رسالہ ہیں دربیان مسائل میں اکثر تابع تحریر اور تقریر مولانا صاحب کے ہے، اور تحریر اور تقریر مولانا صاحب کی تقویۃ الایمان میں مثل تحریر و تقریر امام رازی مفسر تفسیر کبیر کے ہے، اور مسائل اور احکام مندرجہ تقویۃ الایمان موافق کتب سلف اہل سنت کے ہیں، اور جب کہ یہ مضمون عالی مقصود اعظم متفق علیہ جماعت انبیاء اور اولیاء اور علمائے اولین و آخرین کا یعنی مضمون دفع شرک و بدعت اور اثبات توحید ذاتی اور صفاتی اور اعلائے کلمۃ اللہ اور احیائے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشرف مقاصد

دینی قرار پایا، پھر غور کیا چاہیئے. کہ جو کتاب محتوی اور حامل اس مضمون شریف کی ہے، وہ کس مرتبہ کی اشرف اور لائق تعظیم و تکریم ہو گی، اور تقویۃ الایمان میں اول سے آخر تک یہی مضمون شریف مندرج ہے

الحمد للہ! اس کتاب کی شرافت کس عالی درجہ میں علی الرغم مخالفان ثابت ہو گئی ہے پس اندریں صورت منکر اور مخالف کتاب تقویۃ الایمان پر ـــ جو کہ مضمون توحید ذاتی اور صفاتی حضرت واجب الوجود کا ہے ــــــ انکار لازم آیا، اور جس پر یہ انکار لازم آیا وہ اشد و اغلظ کفار و منافقین میں شامل ہوا، پھر کیونکر ایسے بدعقیدہ کے پیچھے اہل سنت کی نماز درست ہو گی، ہاں اگر وہ یوں تقریر کرے، کہ مجھ کو بعضے مسائل فرعیہ مندرجہ تقویۃ الایمان میں شک و شبہ ہے، تو انشاء اللہ تعالیٰ ہم اس کے شک و شبہ کو رفع کر دیں گے، اس سے تین برس قبل خفضل امام بدایونی نے تقویۃ الایمان اور صراط مستقیم تصنیف مولوی اسمٰعیل صاحب مرحوم پر دس شبہات لکھ کر ایک رسالہ "مقولات عشرہ" نام شائع کیا تھا، سو اس کے جواب اور دفع شکوک میں ہم نے ایک کتاب "لعشرہ" نام فارسی زبان میں لکھدی ہے، جس صاحب کو شوق ہو اس کا مطالعہ کرے۔

واضح ہو، کہ اس موقعہ پر حضرت مولوی اسمٰعیل صاحب مغفور و مرحوم مصنف کتاب تقویۃ الایمان کے چند اوصاف اور محامد کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اس راقم الحروف نے حضرت ممدوح کو بخوبی دیکھا، اور فیوض برکات زبانی ان کی صحبت سے اور انوار ایمانی ان کی مجالس وعظ و نصیحت میں پائے، اور ہزاروں منکرین خدائے تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرب اور ہزاروں فاسقین وائم الخمر اور زانی بدکاران کی صحبت کی برکت سے تائب اور پارسا ہو گئے، حضرت مولانا، حافظ قرآن مجید ضابط احادیث رسول حمید، حاجی الحرمین الشریفین، عالم ربانی، عامل، عارف معارف سبحانی باخیر غازی و مجاہد فی سبیل اللہ، مہاجر فی محبۃ رسول اللہ، قامع نبیان شرک اور بدعت، باعث احیائے سنت، حامی دین و ملت تھے، غرضکہ اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کو اس ذوالصفات نے محض محبت خدا و رسول میں نثار کر کے رتبہ شہادت کبریٰ حاصل کیا، اللھم ادخلہ[1] فی درجات رضوانک بفضلک ورحمتک۔

---

[1] اے اللہ اپنے فضل اور رحمت سے ان کو اپنی رضامندی کے درجات تک پہنچا دے ۱۲

نزدیک مجیب کے مولانا مرحوم مرتبہ اولیاء کاملین کا سا رکھتے ہیں ان میں اولیائے سابقین کے سے اوصاف پائے جاتے ہیں، کیونکہ شرع شریف کی رو سے خدا کا ولی اور رسول کا مقبول وہی ہو سکتا ہے، کہ جس کی صحبت میں خدا، رسول کی محبت زیادہ ہووے اور ایمان صیقل پاوے، گناہ چھوٹیں اور عبادت بڑھے، اللہ جل شانہ کا خوف اور رسول مقبول کی راہ کی محبت دل میں پڑے، دنیا سے بیزاری اور آخرت کے کاموں میں شوق زیادہ ہو، یہ سب خوبیاں حضرت مولانا محمد مرحوم کی صحبت میں موجود تھیں، اور نیز ان کی مصنفہ کتب میں پائی جاتی ہیں جن لوگوں کو دیدہ بصیرت اور نور ایمان اللہ تعالے کی ہدایت سے ہے، وہ دریافت کر لیتے ہیں، اور جو لوگ بغاوت اور شقاوت ازلی میں گرفتار ہیں، وہ اس نور کی روشنی سے محروم اور بے نصیب ہیں، ایسوں کی شان میں یہ صادق ہے اولئك كالانعام بل هم اضل[1] اکثر آیات قرآنی و اشارات رحمانی و احادیث صادقہ حضرت رسول مقبول کے مولانا کے حال صافی پر منطبق و صحیح مظنون ہیں، مگر بخوف طوالت بعض کو ذکر کرتا ہوں قال[2] اللہ تعالی ومن يخرج من بيته مهاجرا الى الله ورسوله ثم يدركه الموت فقد وقع اجره على الله الاية و لا تحسبن[3] الذين قتلوا فى سبيل الله امواتا بل احياء عند ربهم يرزقون فرحين بما اتهم الله من فضله الاية

الغرض مولانا صاحب کا اللہ تعالے کی راہ میں شہید ہونا، اور عالم دیندار، متقی اور پرہیزگار اور محدث اور حافظ قرآن ہونا، آفتاب کی مانند ثابت ہے، اور وہ جو حدیث میں وارد ہے، العلماء ورثة[4] الانبياء وہ ایسے ہی علماء کی شان میں ہے فنعم[5] ما قيل فمن سب العلماء فكانما سب الانبياء ومن سب الانبياء فدخل فى حزب اعداء الله ورسوله فاولئك حزب الشيطان الا ان حزب الشيطان هم الخاسرون۔ فقط

[1] یہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی گمراہ تر ۱۲ [2] اور جو شخص اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کے ارادہ سے اپنے گھر سے نکل کھڑا ہوا، پھر اس کو موت نے پالیا، تو اس کا اجر اللہ تعالی کے ذمہ واجب ہو گیا ۱۲

[3] اور ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں، مردہ نہ سمجھو، بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں رزق دیئے جاتے ہیں اور جو کچھ اللہ تعالی نے ان کو اپنے فضل سے عنایت کیا ہے، اس پر خوش ہیں ۱۲ [4] علماء لوگ نبیوں کے وارث ہیں ۱۲

[5] سو بہت ہی اچھا کہا گیا ہے، کہ جس نے علماء کو گالی دی اس نے نبیوں کو گالی دی، اور جس نے نبیوں کو گالی دی، تو وہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کے لشکر میں شامل ہوا، یہ لوگ شیطان کا لشکر ہیں، خبردار شیطان کا لشکر ہی خسارہ اٹھانے والا ہے ۱۲

ایسے دیندار عالمان ربانی کو کافر اور ان کی کتابوں کو، کہ جن میں بالکل آیات قرآنی، اور احادیث نبوی مندرج ہیں برا کہنا یا برا جاننا اشد فسق ہے، بلکہ خوف کفر ہے، ایسے عقیدہ رکھنے والے پر شرح فقہ اکبر باب بیان کلمات میں ملا علی قاری نے اس روایت کا یوں ذکر کیا ہے وفی الخلاصة من ابغض عالما من غیر سبب ظاهر خیف علیه الکفر وقیل یکفر باستخفاف العلماء وهو مستلزم لاستخفاف الانبیاء علیهم السلام لان العلماء ورثة الانبیاء انتهی ملخصا اور ایسے ہی شرح عقاید نسفی میں لکھا ہے المنع عن الصلوة خلف المبتدع فمحمول علی الکراهة اذ لا کلام فی کراهة الصلوة خلف الفاسق والمبتدع هذا اذا لم یؤد الفسق والبدعة الی حد الکفر فاما اذا ادی فلا کلام فی عدم جواز الصلوة، یعنی ایسے عقیدے والے کے پیچھے جس کا فسق و بدعت حد کفر کو پہنچا ہو، نماز پڑھنا اور اقتدا کرنا جائز اور درست نہیں واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واکمل۔ کتبہ العبد المسکین محمد تقی ختم اللہ لہ بالحسنیٰ

سید محمد نذیر حسین | محمد تقی خان

سوال: ۔ آنکہ صاحب تذکیر الاخوان بر حاشیہ در بابے از بابہائے کتاب خود از عوارف المعارف نقل آوردہ کہ لا یؤمن احدکم حتی یکون الناس عندہ کالاباعر یعنی کسے مومن نخواہد شد تا وقتے کہ تمامی مردمان نزد او مثل پشک نہ شوند حق است یا نہ؟

الجواب: ۔ آنچہ صاحب تذکیر الاخوان نقل کردہ حق است فماذا بعد الحق الا الضلال۔ عبارتہ هکذا فی الباب الثالث والستین فی ذکر شئ من البدایة والنهایة لا یتحقق صدق واخلاصه الا بالشیئین متابعة امر الشرع وقطع النظر

لہ اور خلاصہ میں ہے جو کسی عالم سے بغیر کسی ظاہری سبب کے بغض رکھے اس پر کفر کا خوف ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ علماء کی توہین کرنے کے باعث کافر ہو جاتا ہے اور علماء کی توہین انبیاء کی توہین کو مستلزم ہے کیونکہ علماء نبیوں کے وارث ہیں

سوال:۔ صاحب تذکیر الاخوان نے اپنی کتاب کے ایک باب کے حاشیہ پر عوارف المعارف کے حوالے سے یہ عبارت نقل کی ہے، کہ اس وقت تک کوئی آدمی مومن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ لوگ اس کی نگاہ میں ایک مینگنی کی طرح بس نظر نہ آنے لگیں۔ کیا یہ عبارت صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صاحب تذکیر الاخوان نے جو عبارت نقل کی ہے درست ہے، اس کا مضمون اس طرح ہے، کہ وہ تریسٹھویں باب میں لکھتے ہیں کہ آدمی کا صدق و اخلاص دو چیزوں پر منحصر ہے، پہلی شریعت کی اتباع اور دوسری تمام

عن الخلق فکل الآفات علی البدایات لموضع نظرهم الی الخلق وبلغنا عن رسول الله صلی الله علیه وسلم حدیث انه قال لا یکمل ایمان المرء حتی یکون الناس عنده کالاباعر انتهی ما فی العوارف یعنے سخن در توکل افتاد فرمود کہ اعتمادے برحق باید کرد و نظر بر ہیچ کس نہ باید داشت، بعد ازاں بر لفظ مبارک بر زبان راند کہ ایمان کسے تمام نشود، تا ہمہ مخلوق نزد او ہم چناں نماید کہ پشک شتر، چنانکہ حضرت نظام الدین اولیاء در فوائد الفواد در جلد ثالث در مجلس ششم می فرمایند پس مضمون ہر دو کتاب مذکور موافق کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم است، چنانکہ اللہ الذی جعل لکم الارض قرارا والسماء بناء وصورکم فاحسن صورکم ورزقکم من الطیبات ذلکم الله ربکم فتبارک الله رب العالمین هو الحی لا اله الا هو فادعوه مخلصین له الدین الحمد لله رب العالمین الآیة وقال تعالی ومن یتق الله یجعل له مخرجا ویرزقه من حیث لا یحتسب ومن یتوکل علی الله فهو حسبه ان الله بالغ امره قد جعل الله لکل شیء قدرا وایضا ومن یتق الله یجعل له من امره یسرا ذلک امر الله انزله الیکم الآیة

وہمہ مخلوقات را بہ پشک شتر تشبیہ دادہ است، بنا بر عدم قدرت بر موجود بودن و معدوم شدن ایشان است باختیار خود یعنے پشک بہ نسبت انسان ناچیز و حقیر محض است

مخلوقات سے امیدیں منقطع کر لینا، در زیادہ تر آفت اسی آخری چیز سے پیش آتی ہے، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ کسی آدمی کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا، جب تک کہ لوگ اس کی نگاہ میں مینگنی کی طرح بے بس نظر نہ آنے لگیں۔ (عوارف المعارف)

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے "فوائد الفواد" میں بالکل یہی مضمون نقل کیا ہے، اور ان دونوں کتابوں کا مضمون کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے عین مطابق ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "اس نے تم کو پاکیزہ چیزوں کا رزق دیا" "یہ اللہ ہے تمہارا پالنے والا، سو برکت والا ہے سارے جہانوں کا پالنے والا" "سب تعریفیں اسی کو ہیں، جو سارے جہانوں کا پرورش کرنے والا ہے" "اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لئے کشادگی بنا دیتے ہیں" "اور جو اللہ پر بھروسہ کرے، اللہ اسے کافی ہے" وغیرہ من الآیات

اور یہ جو تمام مخلوقات کو اونٹ کی مینگنی سے تشبیہ دی ہے، یہ صرف اس بات میں ہے، کہ کسی کو بھی معدوم چیز کو موجود کرنے کی یا موجود کو معدوم کرنے کی ذاتی طاقت نہیں ہے، جس طرح مینگنی انسان کی بہ نسبت

طورسے کہ خواہد آن را بگرداند، خواہ در آب اندازد، خواہ در آتش سوزاند، خواہ زیر پا مالد و پراگندہ وریزہ ریزہ کندے تواند ہم چنان مخلوقات از عرش تا فرش باعتبار قدرت قاہرہ وسلطنت باہرہ اوقادر مطلق وقاہر برحق عاجز ولاچار است، در وجود وبقاء وفنا بے اختیار، و در جلب منافع ودفع مضار مشیت وارادہ ایزدی مقہور ومجبور است، وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ الآیۃ ۔

تیغ بگرفت بکف گفت کہ نازم این ست سر فرو بردم وگفتم کہ نیازم این ست

قال اللہ تعالی وان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف لہ الا ھو وان یردک بخیر فلا راد لفضلہ یصیب بہ من یشاء من عبادہ وھو الغفور الرحیم الآیۃ

گر مرا بردار بندد یار بہر امتحان کیست کان سلوت بہ تیغ اندازکشاید مرا

اعلم انہ سبحانہ وتعالی قرر فی اخر ھذہ السورۃ ان جمیع الممکنات مستندۃ الیہ وجمیع الکائنات محتاجۃ الیہ والعقول والہۃ فیہ والرحمۃ والجود والوجود فائض منہ والآیۃ دالۃ علی ان الضرر والخیر والفقدان بقدرۃ اللہ تعالی وبقضائہ فیدخل فیہ الکفر والایمان والطاعۃ والعصیان والسرور والآفات والخیرات والآلام واللذات والراحات والجراحات فبین سبحانہ وتعالی انہ ان قضی لاحد شرا فلا کاشف لہ الا ھو وان قضی لاحد خیرا فلا راد لفضلہ البتۃ انتہی ما فی التفسیر الکبیر مختصرا۔

بالکل ناچیز اور حقیر ہے، کہ جس طرح آدمی چاہے، اس کو الٹ پلٹ سکتا ہے، پانی میں پھینک سکتا ہے، آگ میں ڈال سکتا ہے، پاؤں میں مسل سکتا ہے، ریزہ ریزہ کر سکتا ہے، ایسے ہی تمام مخلوقات فرش سے عرش تک خداوند تعالیٰ کی قدرت کے سامنے مجبور و مقہور ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں " اگر خدا تجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے، تو اس کو کوئی دور نہیں کر سکتا اور اگر تیرا بھلا کرنا چاہے، تو کوئی اس کو روک نہیں سکتا"

تفسیر کبیر میں امام رازی نے پانچویں پارہ کی اس آیت کے تحت بڑی تفصیل سے اس مضمون کو بیان کیا ہے لکھتے ہیں: تمام ممکنات اسی کی طرف منسوب ہے، تمام کائنات اس کی محتاج ہے رحمت، سخاوت، اور وجود اسی سے ملتا ہے، یہ آیت بیان کر رہی ہے، کہ نفع اور نقصان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، کفر و ایمان، طاعت و نافرمانی، خوشی اور مصیبت، خیرات اور دکھ، لذت و راحت، اور زخم و بیماریاں سب اسی نفع و نقصان کی تفسیر ہیں، اور یہ سب خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے"

دورنہ وہ سطر قبل ازین می نویسد ان من عرف مولاہ فلو التفت بعد ذلک الی غیرہ کان ذلک شرکا وھذا ھو الذی تسمیہ اصحاب القلوب بالشرک الخفی القیل السادس قولہ تعالی ولا تدع من دون اللہ ما لا ینفعک ولا یضرک والممکن لذاتہ معدوم بالنظر الی ذاتہ وموجود بایجاد الحق واذا کان کذلک فما سوی الحق فلا وجود لہ الا بایجاد الحق وعلی ھذا التقدیر فلا نافع الا الحق ولا ضار الا الحق فکل شئ ھالک الا وجہہ واذا کان کذلک فلا حکم الا للہ ولا رجوع فی الدارین الا الی اللہ ثم قال فی اخر الایۃ فان فعلت فانک اذا من الظالمین من سورۃ یونس یعنی لو استغلت بطلب المنفعۃ والمضرۃ من غیر اللہ فانت من الظالمین لان الظلم عبارۃ عن وضع الشئ فی غیر موضعہ فاذا کان ما سوی الحق معزولا عن التصرف کانت اضافۃ التصرف الی ما سوی الحق وضعا للشئ فی غیر موضعہ فیکون ظلما فان قیل فطلب الشبع من الاکل والری من الشرب ھل یقدح فی ذلک الاخلاص قلنا لا لان وجود الخبز وصفاتہ کلھا بایجاد اللہ وتکوینہ وطلب الانتفاع بشئ خلقہ اللہ للانتفاع بہ لا یکون منافیا للرجوع بالکلیۃ الی اللہ الا ان شرط ھذا الاخلاص ان لا یقع بصر عقلہ علی شئ من ھذہ الموجودات الا ویشاھد بعین عقلہ انہا معدومۃ بذواتہا وموجودۃ بایجاد الحق وھالکۃ بانفسہا وباقیۃ بابقاء الحق فحینئذ یری ما سوی الحق عدما محضا بحسب انفسہا ویری نور وجودہ وفیض احسانہ عالیا علی الکل انتہی ما فی التفسیر الکبیر من الجزء الخامس۔

پس ازین نظر ہمہ خلق را دہم چنان نماید کہ ریگ ستر را زچہار ذیل استصار واین کتر

اور اس سے نو دس سطر پہلے لکھتے ہیں اگر کوئی آدمی اپنے مولا کو پہچاننے کے بعد غیر کی طرف متوجہ ہو تو اہل اللہ کے نزدیک ایسا آدمی مشرک ہے، اور اگر کوئی آدمی اعتراض کرے کہ بھوکا روٹی کی طرف توجہ کرتا ہے، پیاسا پانی کی طرف رجوع کرتا ہے، تو کیا یہ مشرک ہے؟ تو جواب یہ ہے، کہ یہ شرک نہیں ہے۔ کیونکہ روٹی یا پانی کا وجود، اور اس کی سیر کرنے کی صفت سب اللہ تعالیٰ کی ایجاد و تکوین سے ہے، تو ان کی طرف رجوع کرنا، اللہ تعالیٰ کی طرف بالکلیہ توجہ کرنے کے منافی نہیں ہے، صرف اتنا خیال رکھنا چاہیئے، کہ تمام چیزیں بذات خود معدوم ہیں، اور خدا تعالیٰ کی ایجاد سے موجود ہیں۔ جب انسان کی نگاہ یہاں تک پہنچ جاتی ہے، تو پھر تمام مخلوقات اس کی نگاہ میں منگنی کی طرح بے حقیقت نظر آتی ہیں

از پشنگ شتر زیراکہ ساحت جولان گاہ قہر و جلال لایزال او ایزد متعال قابل تو بہ شدید المحال از بس وسیع و فسیح است، ہر کہ دران دشت خار خونخوار ناپیدا کنار بجاکساری اصل خود ذرہ وار گرد راہ تسلیم و رضا را کحل الجواہر بصیرت گرداند مرد جلیج است، ع

شہوار یکہ منم گرد رہ جولانش آفتاب از فرہ جاروب کش میدانش

سبحان ربك رب العزة عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان مسائل میں:-

(اول) یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ کا حاضر ناظر جان کر ورد کرنا جائز ہے یا نہ اور اس ورد کا پڑھنے والا کیسا ہے؟

(دوم) بغداد کی طرف جو منہ کر کے اور بعضے گلے میں کپڑا بھی ڈال کر دست بستہ ہو کر گیارہ قدم چلتے ہیں، اور پیر پرستی واستمداد واستعانت کرتے ہیں یہ لوگ کیسے ہیں؟

(سوم) گیارہویں جو واسطے ازدیاد مال اور استعانت اور استغاثہ کے مصائب میں کرتے ہیں، جائز ہے یا نہ، اور اگر یہ اعتقاد محض ایصال ثواب کے لئے کیا جاوے تو تعیین یوم کیسا ہے

(چہارم) جو شخص ان افعال مذکورہ کا مجوز و مفتی اور مروج اور مثبت اور مصر ہو وہ کیسا ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنی درست ہے یا نہ، اور اہل سنت والجماعت اور مذاہب اربعہ سے کسی مذہب میں داخل ہے یا نہ؟

(پنجم) جو لوگ افعال مذکورہ کے مرتکب اور معتقد ہوں، ان کے ساتھ مخالطت اور مجانست اور مواکلت اور مشاربت اور مناکحت درست ہے یا نہ؟ ان کے ساتھ السلام علیکم کرنا جائز ہے یا نہ؟

(ششم) جو شخص ان افعال مذکورہ سے مانع ہو اس پر فتوے تکفیر اور اتہام وہابیت وانکار ولایت اولیاء اللہ کا لگانا کیسا ہے؟ اور اس مانع کے پیچھے نماز پڑھنی درست ہے یا نہ بینوا بالآیات القرآنیۃ والاحادیث النبویۃ والروایات الفقہیۃ توجروا۔

الجواب: ان الحکم الا للہ قیود سوالات سائل سے صاف ظاہر ہے کہ جس کا یہ عقیدہ ہے، وہ مشرک ہے، کیونکہ غیر اللہ کو حاضر ناظر جاننا، اور اس کے نام کا مثل اسماء الٰہی ورد و وظیفہ کرنا، اور اس سے حاجات طلب کرنا، اور گیارہ قدم بسوئے بغداد بہ نیت توجہ جانب

قبر غوث الاعظم مثل واجب نماز دست بستہ ہو کر چلنا، اور پھر رجعت قہقری اسی آداب سے کرنا، کہ جس کو اصطلاح مشرکین مبتدعین میں "نماز غوثیہ اور ضرب الاقدام" کہتے ہیں اور استمداد و استعانت غیر اللہ سے کرنا، اور ایسے افعال شرکیہ بدعیہ کا مرتکب ہونا طریقہ مشرکین کا ہے کیونکہ عقیدہ ثبوت علم غیب کا سوائے ذات باری عز اسمہ علام الغیوب کے کسی نبی یا ولی یا غوث یا قطب یا پیر یا مرشد کے ساتھ رکھنا، عین شرک ہے، بدلیل آیات بینات قرآن مجید و احادیث رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم اور روایات فقہیہ کے

اما الآیات۔ قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ و ما یشعرون ایان یبعثون۔ ومن اضل ممن یدعو من دون اللہ من لا یستجیب لہ الی یوم القیمۃ وھم عن دعائھم غافلون۔ ولا تدع من دون اللہ ما لا ینفعک ولا یضرک فان فعلت فانک اذا من الظالمین۔

واما الاحادیث۔ ففی حدیث الجاریات قالت احدٰھن وفینا نبی یعلم ما فی غد فقال دعی ھذہ وقولی الذی کنت تقولین۔ وعن عائشۃ رض قالت من اخبرک ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الخمس التی قال اللہ تعالی ان اللہ عندہ علم الساعۃ الآیۃ فقد اعظم الفریۃ رواہ مسلم۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم واللہ لا ادری واللہ لا ادری وانا رسول اللہ ما یفعل بی ولا بکم

---

[1] آیات قرآنیہ تو یہ ہیں آپ کہدیں، کہ آسمانوں اور زمین میں کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے سوا غیب کی باتیں نہیں جانتا، اور کسی کو یہ بھی معلوم نہیں، کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔ اس آدمی سے زیادہ گمراہ کون شخص ہے، جو اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کو پکارے، جو اس کی التجاؤں کو قیامت تک بھی قبول نہیں کر سکتے، بلکہ وہ تو ان کے پکارنے ہی سے بے خبر ہیں۔ تو اللہ کے سوا ایسی چیزوں کو نہ پکارو جو نہ تجھے نفع دے سکیں اور نہ نقصان پہنچا سکیں، اگر تو نے ایسا کیا تو ظالموں میں سے ہو جائیگا

[2] اب رہیں احادیث، تو لڑکیوں والی حدیث میں یہ بھی ہے، کہ ایک لڑکی نے ان میں سے کہا ہم میں ایسے نبی ہیں جو کل ہونے والی باتیں جانتے ہیں، تو آپ نے فرمایا، اس بات کو چھوڑ دے اور جو پہلے کہتی تھی وہی کہتی جا، اور حضرت عائشہ سے روایت ہے آپ فرماتی ہیں، کہ جو آدمی تجھے یہ خبر دے، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان پانچ چیزوں کو جانتے تھے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، کہ اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم الآیۃ تو اس نے بہت بڑا جھوٹ بولا اس کو مسلم نے روایت کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خدا کی قسم میں نہیں جانتا، خدا کی قسم میں نہیں جانتا، حالانکہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، کہ میرے متعلق کیا کیا جائے گا، اور تمہارے متعلق کیا فیصلہ ہوگا، اس کو بخاری نے روایت

رواہ البخاری کذا فی المشکوۃ۔

اور بخاری ومسلم میں حدیث الافک مصرح ہے، کہ جب منافقین نے بہتان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر باندھا، ایک مدت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر اہتمام تحقیق برأت صدیقہ رضی اللہ عنہا میں رہا، اور قلب مبارک سے شک ذنب کا ان سے قبل از نزول آیات برأت کے بارگاہ قدوس سے رفع نہ ہوا، جب آیات برأت نازل ہوئیں، تب یقین ہوا اگر علم غیب آپ کو ہوتا تو اس قدر رنج وغم اور اہتمام شان حادثہ کیوں ہوتا، قصہ حدیث کا اس بات کے واسطے نذیر عریان ہے، اور اور حدیثیں بھی بہت ہیں۔

واما الروایات الفقہیۃ۔ قال الملا علی قاری فی شرح فقہ الاکبر ثم اعلم ان الانبیاء لا یعلمون المغیبات لمعارضتہ قولہ تعالی قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ۔ وقال فی البزازیۃ وغیرھا من الکتب الفتاوی من قال ارواح المشائخ حاضرۃ تعلم یکفر وقال الشیخ فخرین بن سلیمان الحنفی فی رسالتہ ومن ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون اللہ واعتقد بذلک کفر کذا فی البحر الرائق فعلم ان علم اللہ سبحانہ وتعالی ازلی وابدی محیط بما کان ومایکون من جمیع الاشیاء یقضھا وقضیضھا وقلھا وجلھا ونقیرھا وقطمیرھا وصغیرھا وکبیرھا ولا یخرج من علمہ وقدرتہ شیئی لان الجھل بالبعض والعجز عن البعض نقص وافتقار ھذہ النصوص القطعیۃ ناطقۃ لعموم

کیا مشکوۃ میں بھی اسی طرح ہے۔

اب رہیں فقہی روایات تو ملا علی قاری نے فقہ اکبر کی شرح میں کہا ہے "پھر جان لینا چاہئیے، کہ انبیاء (علیہم السلام) غیب کی باتیں نہیں جانتے، کیونکہ یہ عقیدہ اللہ تعالی کی اس آیت کریمہ کے خلاف ہے، کہ آپ کہہ دیں کہ کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالی کے سوا غیب نہیں جانتا، اور بزازیہ وغیرہ کتب فتاوی میں کہا ہے، کہ جو آدمی یہ کہے کہ بزرگوں کی روحیں حاضر ہیں اور سب کچھ جانتی ہیں، اس پر کفر کا فتوی دیا جائے گا، اور شیخ فخرین بن سلیمان حنفی نے اپنے رسالہ میں کہا ہے، کہ جو آدمی یہ عقیدہ رکھے، کہ مردہ اللہ تعالی کے سوا لوگوں کے امور میں تصرف کر سکتا ہے تو وہ کافر ہو جائے گا، البحر الرائق میں بھی اسی طرح ہے تو اب معلوم ہوا، کہ اللہ سبحانہ کا علم ازلی ابدی ہے، اور ما کان ومایکون (جو ہو چکا ہے اور جو ہوگا) سب اشیاء کو محیط ہے، خواہ وہ چھوٹی ہوں یا بڑی، تھوڑی ہوں یا بہت، اور اس کے علم اور قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے، کیونکہ بعض اشیاء سے بے خبری اور بعض اشیاء سے عاجز آ جانا نقص ہے

وشمول قدرتہ فھو بکل شئ علیم وھو علی کل شئ قدیر۔

پس یہ علم اور قدرت خاصہ باری عالم الغیب قادر مطلق کا ہے، اس میں شریک کرنا نبی کو یا ولی کو عین شرک ہے۔ اور جو امور غائبہ پر انبیا علیہم السلام یا اولیائے کرام کو انکشاف ہوا ہے، سو محض بوحی واعلام بالہام الٰہی ہوا قال اللہ تعالیٰ ولا یحیطون بشئ من علمہ الا بما شاء۔ اور یہ علم جو باعلام حق سبحانہ وتعالےٰ مقربان خاص الخاص کو ہوتا ہے خواہ سید کائنات علیہ الصلوٰۃ کو بہ نسبت اور انبیائے عظام اور اولیائے کرام کے اگرچہ بوجہ اکمل ہے لیکن علم علام الغیوب سے مماثل نہیں قال اللہ تعالیٰ قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب الآیۃ۔ وقال الامام فخر الدین الرازی رحمۃ اللہ علیہ فی تفسیرہ الکبیر تحت آیۃ قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ الآیۃ انہ لما بین انہ المختص بعلم الغیب والآیۃ سیقت لاختصاصہ تعالیٰ بعلم الغیب وان العباد لا علم لھم بشئ منہ واما قولہ وما یشعرون ایان یبعثون صفۃ لاھل السموات والارض نفی ان یکون لھم علم الغیب انتہی مختصرا

جواب سوال دوم۔ یہ گیارہ قدم چلنا اصطلاح اہل شرک وبدعت ہیں اس کا نام صلوٰۃ غوثیہ ہے، اور ضرب الاقدام بھی کہتے ہیں یہ بھی شرک ہے، کیونکہ نماز خاص عبادت معبود حقیقی کی ہے، وحدہ لا شریک لہ غیر کی عبادت بدنی ہو یا مالی شرک ہے، اور فاعل مشرک۔

جواب سوال سیوم۔ گیارہویں جو معمول ہے اور مہتم بالشان اہل بدعت کی یہ نیت نذر لغیر اللہ اور تقرب غیر اللہ کے ہے، یہ بھی شرک ہے، کیونکہ عبادت مالی بھی غیر معبود برحق کے لئے حرام اور شرک ہے، اور اگر نیت ایصال ثواب ہو، تو خالصاً لوجہ اللہ دے کر بے تعیین یوم ایصال

اور ان نصوص قطعیہ کا ثبوت بڑا تقاضا ہے، کہ اس کا علم عام ہے، اور اس کی قدرت ہر چیز کو شامل ہے اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۱ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور وہ اس کے علم میں سے کوئی چیز بھی معلوم نہیں کر سکتے مگر جو وہ چاہے ۲ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، آپ کہدیں کہ میں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، اور نہ ہی میں غیب جانتا ہوں الآیۃ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر کبیر میں آیت قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ کے ماتحت فرمایا ہے جب اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر کردیا کہ وہی علم غیب کے ساتھ مختص ہے، اور آیت اللہ تعالیٰ کے علم غیب کی خصوصیت کے متعلق پہلے گذر چکی ہے، اور بندوں کو اس کی باتوں میں سے کسی چیز کا علم نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول وما یشعرون ایان یبعثون یہ تمام آسمانوں اور زمین والوں کی صفت ہے، اور اس میں ان کے علم غیب کی نفی بیان کی گئی ہے۔ انتہی۔

میت کریں اور نام گیارہویں کا زائل کردینا واجب ہے، کیونکہ یہ نام رکھا ہوا اہل شرک و بدعت کا ہے، اگر کوئی خالص نیت سے گیارہویں نام رکھ کر ایصال کرے، تو بھی اہل توحید و سنت کے نزدیک محل تہمت ہے، اور مواضع تہمت سے بچنا ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے

جواب چہارم، جو شخص مجوز اور مفتی اور مروج ان امور کا ہے، العیاذ باللہ منہ، وہ رأس المشرکین ہے، یعنی اپنے تابعین مشرکین کا رئیس ہے، اس کے پیچھے نماز درست نہیں، اور جب کہ دائرہ توحید و سنت سے وہ خارج ہوا، تو کسی مذہب میں مذاہب اربعہ سے کب داخل رہا۔

جواب پنجم جن لوگوں کا یہ عقیدۂ بد اور ایسے افعال شرکیہ بدعیہ ہوں ان سے معاملہ ترک کرنا چاہیئے، جب تک تائب نہ ہوں، قد جاء فی الحدیث[1] من احب للہ وابغض للہ واعطی اللہ ومنع للہ فقد استکمل الایمان۔

جواب ششم، جو شخص ان افعال شنیعہ سے مانع ہو، وہ موحد سنی محب اولیا ہے قابل امامت ہے، اور اس کی امامت اولی اور انسب ہے، اور اس کی تکفیر خود مکفر کی تکفیر ہے، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ حررہ الفقیر محمد حسین الدہلوی عفا اللہ عنہ | فقیر محمد حسین |

کیف یکون عبد مساویا باللہ جل جلالہ وعز اسمہ لان اللہ کبیر المتعال ذو العظمۃ والجلال موجد ومعطی للعباد وھم الاخذون منہ والمحتاجون الیہ فی الدنیا والاخرۃ. کتبہ محمد ابراھیم الدھلوی

| یقال لہ ابراھیم | | قادر علی عفی عنہ | قادر علی عفی عنہ

اولا معلوم کرنا چاہیئے، کہ قرآن فرقان وکلام رحمٰن جو نازل اشرف المخلوقین پر ہوا، تو محض اسی عقیدہ کی درستی کے لئے نازل ہوا ہے، مشرکین کے عقاید بد تھے یعنی اللہ تعالیٰ و رسول کے نزدیک ورنہ فی زعمہم الباطل اپنے آپ کو تابعین ابراہیم کہلاتے تھے، اور حج بیت اللہ اور طواف وصوم وغیرہ عبادات کرتے تھے، ولیکن عقاید ان کے بد تھے، کہ انبیاء و اولیاء کی تصویریں اور مورتیں بنا کر ان کی تعظیم و نذر نیاز کیا کرتے تھے کما اخبر اللہ سبحانہ عنہم فی عدۃ مواضع و لیست بمخفیۃ علی من لہ ادنی مس من القرآن والحدیث جس طرح کہ آج کل کے مسلمان تمام عبادات صوم وصلوۃ وحج وغیرہ بجالاتے ہیں، اور انبیاء و اولیاء کے حق میں ایسے

[1] حدیث میں آیا ہے، جو شخص اللہ کے لئے محبت رکھے، اور اللہ کے لئے دشمنی رکھے، اور اللہ کے لئے دے، اور اللہ کے لئے بخل کرے، تو اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا ۱۲

عقائد رکھتے ہیں، جیسا کہ سائل نے بیان کیا، اور مجیب نے اسئلہ اللہ لما یحب ویرضی جواب دیا، تو حقیقت میں یہ لوگ مشرک باللہ ہیں وان صلوا وصاموا وزعموا انھم مسلمون جس طرح سے اللہ سبحانہ نے مشرکین مکہ کی عبادت قبول نہیں فرمائی، اور عقیدہ کی درستی کا ارشاد فرمایا، ویسے ہی جب تک آج کل کے مسلمان عقیدے ٹھیک موافق فرمان خدا اور رسول کے نہ کریں گے کوئی عبادت قبول، نہ ہوگی، واللہ اعلم، حررہ العاجز ابو محمد عبد الوہاب الفنجابی

خادم شریعت رسول الاداب ابو محمد عبد الوہاب

ایسا عقیدہ رکھنے والا سرے سے اسلام میں ہی داخل نہیں، چار مذہب کا کیا ذکر ہے۔ کریم الدین عظیم آبادی۔

ایسا عقیدہ صریح کفر اور شرک ہے۔ عبد الکریم بنگالی، الجواب صحیح۔ عبد الحمید عفی عنہ عظیم آبادی،

واقعی جواب دونوں مجیبوں کا صحیح ہے، رد شرک اور ندار غیر اللہ میں اور جھکنے کی طرف غیر اللہ کے شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ نے جھک کر سلام علیک کرنے کو یا جواب دینے کو نہایت منع لکھا ہے، اور لکھا ہے، کہ بعض علماء کو جھکتے ہوئے دیکھ کر فریب میں نہ آوے، عبیداللہ لیس حفیظ اللہ۔ الجواب صحیح، محمد زین الدین ساکن شہر بدایون حنفی المذہب۔

جواب بہت صحیح ہے۔ ولی محمد فیض آبادی

جو شخص ایسا عقیدہ رکھے، یا رواج دیوے، بلاریب وہ مشرک ہے۔ مصطفی خان سوتری

غلام حسین | غلام حسین ضلع مونگیر

ہذا الجواب صحیح۔ محمد دبیر الرحمٰن بنگالی | ابو عبد الرحمٰن محمد دبیر الرحمٰن | ابو محمد تائب علی

اس طرح کا عقیدہ رکھنے والا، فتوے دینے والا چاروں مذہب میں کافر اور مشرک ہے، لاریب ولاشک فیہ۔ ابو اسمٰعیل یوسف حسین خان پوری، پنجابی،

جواب صحیح ہے محمد عبد الحکیم عفی عنہ۔

چاروں امام علیہم الرحمۃ کے نزدیک بے شک ایسا عقیدہ شرک اور کفر ہے۔ محمد عبد الغفور امرتسری

سید محمد عبد السلام غفرلہ | سید محمد ابو الحسن | محمد عبد الحمید جلیسری

ایسا اعتقاد رکھنا سراسر شرک اور کفر ہے، اس کے معتقد کو ہرگز اسلام میں کچھ حصہ

ل اگرچہ وہ نمازیں بھی پڑھیں، اور روزے بھی رکھیں، اور اپنے آپ کو مسلمان بھی کہیں۔

و نصیب نہیں ہے رحیم اللہ پنجابی۔

اس عقیدہ والا آدمی جیسا کہ سائل نے لکھا ہے بے شک کافر اور مشرک ہے، چاروں مذاہب سے خارج ہونا تو برکنار ہے نور محمد

جس شخص کا یہ عقیدہ ہو، وہ شخص بلاشبہ مشرک ہے، کما ثبت، رحمت اللہ دیناپوری

المجیب مصیب، نمقہ علی احمد بن مولوی محمد سامرودی عفی عنہ الصمد۔

جس شخص کا یہ اعتقاد ہے، بلاشک سب اماموں اور صحابہ کے نزدیک کافر ہے، مسکین فضل الٰہی۔ الجواب صحیح والرائے نجیح محمد حیات اللہ عفی عنہ جلیسری۔

سوال :۔ سوائے خدا کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یا کسی اور نبی یا ولی وغیرہ کے لئے علم غیب اور ہر جگہ حاضر ناظر ہونا ثابت ہے یا نہیں اور در صورت نہ ہونے کے جو شخص سوا خدا کے کسی نبی یا ولی وغیرہ کے لئے علم غیب اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا ثابت کرے از روئے قرآن وحدیث کے اس پر کیا حکم ہوگا

الجواب :۔ علم غیب اور حضوری ہر جا کی مخصوص ہے ساتھ اللہ تعالیٰ کے، سوائے اس کے اور کسی میں خواہ نبی ہوں یا ولی یہ وصف حاصل نہیں، اور جو اعتقاد ان چیزوں کا ساتھ غیر خدا تعالیٰ کے رکھے، وہ مشرک ہے، حق تعالیٰ سورہ انعام میں فرماتا ہے وعندہ مفاتیح الغیب لا یعلمھا الا ھو یعنی اسی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی نہیں جانتا ان کو مگر وہی، اور سورہ نمل میں فرمایا قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ وما یشعرون ایان یبعثون یعنی کہو نہیں جانتے، جتنے لوگ ہیں آسمانوں میں اور زمین میں غیب کو، مگر اللہ اور نہیں خبر رکھتے کہ کب اٹھائے جاویں گے،

علامہ محمد بن محمد کردری فتاویٰ بزازیہ میں فرماتے ہیں [1] من قال ارواح المشائخ حاضرۃ تعلم یکفر علامہ سعد الدین شرح عقائد نسفی میں فرماتے ہیں [2] فبالجملۃ العلم بالغیب امر تفرد بہ اللہ سبحانہ لا سبیل الیہ للعباد انتہی مولانا قاری شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں [3] اعلم ان الانبیاء لم یعلموا المغیبات من الاشیاء الا ما علمھم اللہ احیانا و

[1] جو کہے کہ مشائخ کی ارواح حاضر ہیں، سب کچھ جانتے ہیں، وہ کافر ہے ۱۲

[2] قصہ مختصر علم غیب خدا تعالیٰ کا خاصہ ہے، بندوں کی وہاں تک رسائی نہیں ہے ۱۲

[3] نبی غیب چیزوں میں سے صرف اتنا ہی جانتے تھے، جتنا اللہ تعالیٰ ان کو معلوم کرا دیتے تھے علماء احناف نے

ذکروا الحنفیۃ تصریحا بالتکفیر باعتقاد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب لمعارضۃ قولہ تعالیٰ قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ۔ انتہی اور اسی طرح علامہ بیری نے حاشیہ شرح اشباہ والنظائر میں تصریح کی ہے۔ حررہ ابو الطیب محمد شمس الحق عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین	ابو الطیب ۱۲۹۵ محمد شمس الحق

سوال:۔ کسی نبی یا ولی یا اور کسی کو خدا تعالیٰ کے سوا اپنی مشکل کشائی اور حاجت براری کے لئے پکارنا، اور اس سے مدد میں چاہنا اور مرادیں مانگنا شریعت میں کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب:۔ سوائے خدا کے اور کسی کو خواہ نبی ہو یا ولی مشکل کے وقت پکارنا، اور ان سے مدد میں چاہنا، اور ان سے امید نفع اور ضرر کی رکھنا شرک ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، والذین یدعون من دون اللہ لا یخلقون شیئا وھم یخلقون اموات غیر احیاء وما یشعرون ایان یبعثون یعنی اور جن کو پکارتے ہیں اللہ کے سوا کچھ نہیں پیدا کرتے، اور خود آپ پیدا کئے گئے ہیں، مردے ہیں زندہ نہیں ہیں، ان کو خبر نہیں، کہ کب قبروں سے اٹھائے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یا ایھا الناس ضرب مثل فاستمعوا لہ ان الذین تدعون من دون اللہ لن یخلقوا ذبابا ولو اجتمعوا لہ وان یسلبھم الذباب شیئا لا یستنقذوہ منہ ضعف الطالب والمطلوب ما قدروا اللہ حق قدرہ ان اللہ لقوی عزیز۔ یعنی اے لوگو! ایک مثل کہی جاتی ہے، اس کو سنو! جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا ہرگز نہ بنا سکیں گے ایک مکھی اگرچہ سارے جمع ہوں، اور اگر کچھ چھین لے ان سے مکھی تو چھڑا نہ سکیں اسے، دونوں کمزور ہیں، مانگنے والا اور جس سے مانگا، لوگوں نے اللہ کی قدر نہیں سمجھی جیسی اس کی قدر ہے، بیشک اللہ زور آور ہے زبردست ہے۔

اور روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے قال کنت خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما فقال یا غلام احفظ اللہ یحفظک احفظ اللہ تجدہ تجاھک واذا سألت فسئل اللہ واذا استعنت فاستعن باللہ رواہ الترمذی، اور استعانت

اس آدمی کو صاف طور پر کافر کہا ہے، جو یہ اعتقاد رکھے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے تھے، کیونکہ یہ عقیدہ آیت قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ الآیۃ کے برخلاف ہے ۱۲ لے میں ایک دن رسول اللہ کے پیچھے سواری پر بیٹھا ہوا تھا، آپ نے فرمایا، بیٹا اللہ کی اطاعت کو ملحوظ رکھنا، خدا تجھے ملحوظ رکھے گا، اللہ کو اگر ملحوظ رکھے گا، تو اسے ہمیشہ اپنے پاس پائے گا، جب تو سوال کرے تو اللہ سے مانگ، اور جب مدد لینا چاہے، تو اللہ سے لے ۱۲

ایک قسم کی عبادت ہے، پس سوائے خدا کے کسی سے نہ چاہیے، تفسیر معالم التنزیل میں ہے کہ الاستعانۃ نوع تعبد انتہی اور مجمع البحار میں ہے فان العبادۃ وطلب الحوائج والاستعانۃ حق اللہ وحدہ انتہی۔ حررہ ابو الطیب محمد شمس الحق عفی عنہ

ابو الطیب ۱۲۹۵ محمد شمس الحق | سید محمد نذیر حسین

سوال: شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی گیارہویں کرنا اس نیت سے کہ پیر صاحب معظم اور مقرب الٰہی ہیں، ان کی تعظیم اور ان کے ساتھ تقرب حاصل کرنے کے واسطے ہم یہ مال خرچ کرتے ہیں، کہ وہ ہم سے راضی رہیں کیسا ہے، اور بے اس نیت کے صرف ایصال ثواب کے لئے کرنا بقید ماہ و تاریخ کے کیسا ہے؟

الجواب: گیارہویں کرنا شیخ عبدالقادر کی نیت مذکورہ بالا سے شرک ثابت ہوتا ہے، اس واسطے کہ یہ سب اوصاف خاص اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، غیر کو اس میں دخل نہیں، اور اگر بلا اس نیت کے کرے بقید ماہ و تاریخ تو بدعت ہے، حررہ ابو الطیب محمد شمس الحق عفی عنہ

ابو الطیب ۱۲۹۵ محمد شمس الحق | سید محمد نذیر حسین

سوال: چہ می فرمایند گروہ حق پژوہ علماء ورثۃ الانبیاء در معنی این عبارت یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ و بار د ساختن این عبارت و اسمائے دیگر صلحاء مثل یا بھیکھ و یا مجدد وغیرہ موجب ثواب است یا موجب کفر و ضلالت یا گناہ صغیرہ یا کبیرہ و در پس مجوزاین امور نماز باید خواند یا نہ یا مانع این امور از فرق ضالہ و مبتدعہ است، از کتب تفاسیر و احادیث و فقہ معتبرہ انتہا ارقام فرمایند

الجواب: در صورت مرقومہ باید دانست، کہ از خواندن یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ و یا بھیکھ کہ ندا بغائب است، قباحت بچند وجوہ لازم می آید اول اشراک فی العلم

ف مدد مانگنا عبادت کی ایک قسم ہے ۱۲ کہ عبادت، حاجات کا طلب کرنا اور مدد مانگنا یہ صرف اللہ کا حق ہے ۱۲

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام کہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ یا دوسرے بزرگوں کے نام کا وظیفہ کرنا مثلاً یا بھیکھ یا مجدد یہ موجب ثواب ہے یا موجب کفر یا گناہ صغیرہ ہے یا کبیرہ اور ایسے وظائف کو جائز کہنے والے آدمی کے پیچھے نماز پڑھنی چاہیے یا نہیں، اور ایسے وظائف کا منکر گمراہ اور بدعتی ہے یا حق پر ہے، کتب تفاسیر احادیث صحیحہ، اور فقہ معتبرہ سے فتویٰ تحریر فرمائیں

الجواب: غائب کو پکارنے سے کئی طرح پر شرک لازم آتا ہے اول یہ صفت علم میں شرک ہے

دوم اشراک فی التصرف که این دو وجه بعبادت متعلق است سوم اشراک فی العبادت

امابیان وجه اول و دوم پس احاطه علمی چه از دور چه از نزدیک سرًا و جهرًا مر آن از هر داعی و ذاکر بالسنهٔ مختلفه دانستن خاصهٔ خدائے تعالیٰ است که باین صفت موصوف و مختص است، و هم چنین صفت تصرف فی الامور باعتبار جلب نفع و دفع ضرر و نقصان و بلا خاصهٔ ذات باری است، چه اصول شرک سه است، یا بذات او سبحانه و تعالیٰ می باشد یا در عبادت یا در صفات مانند علم و سمع و بصر وغیره و کسے از مخلوق با باری تعالیٰ مشارک نیست، و درین چیزہائے مذکوره و عالم الغیب مطلق اوست جل شانه کما قال الله تعالیٰ وعنده مفاتح الغیب لا یعلمها الا هو کما فی سورة الانعام قال فی المدارک واراد انه هو المتوصل الی المغیبات وحده لا یتوصل الیها غیره انتهی ما فیه وهکذا فی التفسیر النیشاپوری وقال الله تعالیٰ قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا الله الآیة لیکن هرگاه کسے از مقبولان درگاه خود را احیانًا بر مغیبات مطلع گرداند اطلاع می شود والا نه تعالیٰ آنحضرت صلی الله علیه وسلم را با وجودے که در فضل و کمالات اشرف المخلوقات و سید الاولین والآخرین گردانید باین ہمیں تعلیم فرمود، قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ما شاء الله ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء ان انا الا نذیر وبشیر لقوم

دوم یہ صفت تصرف میں شرک ہے اور یہ دونوں چیزیں عبادت سے تعلق رکھتی ہیں، سوم شرک فی العبادت ہے۔

پہلی اور دوسری وجہ کی تشریح اس طرح ہے، کہ دور و نزدیک، ظاہر و پوشیدہ چیزوں کا علمی احاطہ کرنا، اور تمام پکارنے والوں کی دعاؤں کو سننا خواہ وہ کسی زبان میں ہوں، اور بیک وقت لاکھوں کروڑوں آوازوں کو سننا اور سمجھنا صرف خدا تعالیٰ کا خاصہ ہے، کوئی بھی مخلوقات میں سے اس صفت میں اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں ہے، اور اسی طرح تمام امور میں تصرف کرنا، کسی کو نفع و نقصان پہنچانا یہ بھی خدا کا خاصہ ہے، اور شرک کے اصول تین ہیں، یا ذات خداوندی میں شرک ہوگا، یا عبادت میں یا صفات میں، اور ان تمام پہلوؤں میں کوئی بھی مخلوق اللہ تعالیٰ کی شریک نہیں ہے اور غیب کا جاننا بھی اسی کی صفت اور خاصہ ہے، اس کو بھی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، قرآن مجید میں ہے" اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں ان کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا" الآیۃ اور فرمایا" آپ کہدیں اللہ کے سوا زمین اور آسمان میں کوئی بھی غیب نہیں جانتا" ہاں اگر وہ کسی کو اطلاع دے دے تو ہو جاتی ہے ورنہ نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوقات سے افضل و اشرف ہیں، اور پھر بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم فرمایا کہ آپ کہدیں میں اپنی جان کے نفع و نقصان کا بھی مالک نہیں ہوں، مگر جو اللہ چاہے" اور فرمایا" اگر میں غیب جانتا ہوتا، تو بہت سی بھلائیاں اکٹھی کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچی

یؤمنون الآیۃ

پس ازیں آیت کریمہ صاف واضح گردید کہ قدرت بندہ قاصر و علم وے قلیل وصفت بندہ ہمین است، چہ ہر کہ بندہ باشد صفتش ہمین خواہد بود بہ ندانستن علم غیب را نقصان وعیب نیست بآن بندہ کامل ومکمل امر نبیہ باظہار العبودیۃ حتی ینسب الیہ نقص ولا یعاب من قبل عدم العلم بالغیب فقال قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الی آخر الآیۃ وفیہ ان قدرتہ قاصرۃ وعلمہ قلیل وکل من کان عبدا کان کذلک والقدرۃ الکاملۃ والعلم المحیط لیس الا للہ تعالیٰ۔

وقال الکلبی ان اہل مکۃ قالوا یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) الا اخبرک ربک بالسعر الرخیص قبل ان یغلوا فتشتری فتربح وبالارض التی ترید ان تجدب فترتحل عنہا الی ما اخصبت فانزل اللہ تعالیٰ ہذہ الآیۃ المراد بالخیر فی قولہ تعالیٰ ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر ہو جلب منافع الدنیا وخیراتہا من الخصب والارباح والاکساب وقیل المراد بہ ما یتوصل بامر الدین یعنی لو کنت اعلم الغیب لکنت اعلم ان الدعوۃ الی الدین الحق تؤثر فی ہذا ولا تؤثر فی ذلک فکنت اشتغل بدعوۃ ہذا دون ذلک الی آخرما فی النیشاپوری وعن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہکذا فی معالم التنزیل مثل قول الکلبی ویلزم من کون غیرہ غیر متصرف فی ملکہ بوجہ من الوجوہ الا بامرہ کونہ عالما بالکل وکون غیرہ غیر عالم بالکل الا باعلامہ الی آخرما فی التفسیر النیشاپوری وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واللہ لا ادری وانا رسول اللہ ما یفعل بی ولا بکم رواہ البخاری والحکم بطریق

ہیں تو ایمانداروں کے لئے ایک ڈرانے والا، اور خوشخبری دینے والا ہوں۔

کلبی نے کہا ہے، کہ مکہ والوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تجھے تیرا رب سستے نرخ کی اطلاع کیوں نہیں دیتا کہ تجھے فائدہ ہو جایا کرے یا قحط سالی کی خبر کیوں نہیں دے دیتا، کہ تو کسی سرزمین شاداب میں چلا جائے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری، ولو کنت اعلم الغیب الآیۃ، اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد ایسے امور ہیں جو دین کی کامیابی میں معاون ہوں، کہ آپ ایسے لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کرتے جن پر اسلام کی تعلیم اثر کرتی، اور ایسے اشخاص پر توجہ نہ کرتے جن کی قسمت میں مسلمان ہونا نہیں تھا۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا، کہ میں اللہ کا رسول ہوں، اور یہ نہیں جانتا کہ میرے متعلق تقدیر خداوندی

الاعم هو الوجه الاتم والمراد من الامور الدنيوية بالنسبة اليه صلى الله عليه و سلم وهي الجوع والعطش والشبع والري والمرض والصحة والفقر والغنى وكذا حال الامة الحاصل انه صلى الله عليه وسلم يريد نفي علم الغيب عن نفسه وانه ليس يطلع على المقدر له ولغيره والمكنون من امره وامر غيره لانه متردد في امره غير متيقن بنجاته لما صح من الاحاديث الى آخر ما في المرقات شرح المشكوة لملا علي القاري وهكذا في الطيبي ثم اعلم ان الانبياء لم يعلموا المغيبات من الاشياء الا ما علمهم الله تعالى احيانا وذكروا الحنفية تصريحا بالتكفير باعتقاد ان النبي صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالى قل لا يعلم من في السموات و الارض الغيب الا الله كذا في المسامرة للشيخ ابن الهمام كذا في شرح فقه اكبر لملا علي القاري وفي الخانية والخلاصة لو تزوج بشهادة الله ورسوله لا ينعقد النكاح و يكفر باعتقاد ان النبي صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب انتهى ما في البحر الرائق في كتاب النكاح۔

ومولانا شاہ عبد العزیز قدس سرہ در تفسیر سورہ مزمل می فرماید کہ متقرب الیہ را دو چیز باید اول احاطہ علمی باذکار قلبیہ ولسانیہ ذکر این باوصف تخالف الکنہ وازمنہ ومدرکہ والسنہ تاذکر قلبی ولسانی ہر ذکر را معلوم کند دوم قوت نزدیک وور مدرکہ او درآمدن وآن را پر کردن بحکم صفت او پیدا کردن، کہ در عرف شرع آن را دنو وتدلی ونزول وقرب خوانند واین دو صفت خاصہ ذات پاک او تعالیٰ است

نے کیا فیصلہ کر رکھا ہے" اور اس سے بھوک، پیاس، صحت، بیماری وغیرہ دنیوی امور مراد ہیں، کیونکہ آنحضرت کے متعلق تو اللہ تعالیٰ آپ کو ان کے متعلق کامیابی کی اطلاع دے چکے ہیں، حنفیہ نے ایسے آدمی پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے، جو یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں، کیونکہ یہ عقیدہ اس آیت قرآنی کے مخالف ہے: قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ الآیۃ۔ شیخ ابن الہمام کے مسامرہ اور ملا علی قاری کی منح الازہر شرح فقہ اکبر میں بھی اسی طرح ہے، اور خانیہ اور خلاصہ میں ہے کہ اگر کوئی آدمی اللہ اور رسول کی شہادت سے نکاح کرے، تو وہ نکاح درست نہیں ہوگا، اور نکاح کرنے والا کافر ہو جائے گا، کیونکہ اس نے یہ عقیدہ رکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں۔

شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ سورۂ مزمل کی تفسیر میں فرماتے ہیں، کہ جس کا تقرب حاصل کرنا مقصود ہو اس میں دو چیزوں کا ہونا نہایت ضروری ہے ایک تو یہ کہ وہ دور و نزدیک سے ذاکر کے اعمال قلبیہ ولسانیہ سے واقف ہو جو مختلف زبانوں میں اس کی پکار کا مطلب سمجھتا ہو اور دوسری یہ کہ وہ ہر وقت اس کے قریب ہو تا کہ بر وقت اس کی مدد کر سکے، اور یہ دونوں

ہیچ مخلوق را حاصل نیست، آرے بعضے کفرہ در حق بعضے از معبودان خود و بعضے پیر پرستان از زمرہ مسلمین در حق پیران خود امر اول را ثابت می کنند، و در وقت احتیاج بہمین اعتقاد با آنہا استعانت می نمایند، انتہی ما فی التفسیر العزیزی،

پس ازین معلوم شد، کہ ورد یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئا للہ، دیا بھیکھ بجہت حاجت خواستن و درد فع مرض و بلا جستن ازین بزرگان رحمہم اللہ تعالیٰ از مسافت بعیدہ، قطع نظر از ترد قبر کہ بیانش خواہد آمد جائز نیست، کہ درین شرک لازم مے آید کہ علم غیب مخلوق ثابت کردن است وازین اشراک فی العلم می شود، بہر حال این چنین ہرگز نہ باید کرد، کہ ازین شرک پیدا می شود، چنانچہ از آیات کریمہ و احادیث و کتب عقاید ہویدا گردید، پس ہر کہ این چنین اعتقاد در بزرگان دارد کہ ندائے من از دور می شنوند و در ہر آن ازین جہت وظیفہ این کلمہ می دارد مشرک است، پس او نماز نباید خواند، کہ عقیدہ شرکیہ دارد، اگرچہ بظاہر خود را مسلم می گوید زیرا کہ صفت علم غیب از اماکن قریبہ و بعیدہ، سرًا و جہرًا ہر آنکہ خاصہ او عالم الغیب والشہادت است، باعتقاد فاسد خود در جناب انبیاء و اولیاء ثابت می کنند، کہ ازین اشراک فی العلم لازم می آید، بنا بر رد دعوے باطلہ اہل باطل او تعالیٰ در سورہ یوسف می فرماید وما یؤمن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون الآیۃ

و در تفسیر بیضاوی در سورہ احقاف تحت این آیت کریمہ ومن اضل ممن یدعو من دون اللہ من لا یستجیب لہ الی یوم القیمۃ وھم عن دعائھم غافلون نوشتہ لانھم اما جمادات واما عباد مسخرون مشتغلون باحوالھم انتہی ما فی البیضاوی پس ازین آیت ہم ندا کردن بغائب از دور اصلاً جائز نیست وہم از نزدیک چہ الیشان با حوال

صفتیں خدا تعالیٰ کا خاصہ ہیں، کسی بھی مخلوق کو حاصل نہیں ہیں، ہاں بعض جاہل لوگ اپنے پیروں کے متعلق پہلی صفت ثابت کرتے ہیں اور ان سے مدد مانگتے ہیں،

مندرجہ بالا اقتباسات سے معلوم ہوا کہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئا للہ اور یا بھیکھ وغیرہ وظائف کرنا ناجائز ہے اور اس میں شرک کرنا لازم آتا ہے، کیونکہ غیب کا علم خدا تعالیٰ کے سوا مخلوق میں ثابت کیا گیا ہے، جو ایسا عقیدہ رکھے اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہیئے کیونکہ وہ مشرک ہے، خدا تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا ہے،

وما یؤمن اکثرہم باللہ الا وہم مشرکون الآیۃ

تفسیر بیضاوی میں ہے، کہ جن کو خدا تعالیٰ کے سوا پکارا جاتا ہے، وہ یا تو پتھر وغیرہ ہیں، وہ تو کچھ سن ہی نہیں سکتے، اور یا پھر خدا کے نیک بندے ہیں، اور وہ اپنے حال میں مشغول ہیں، ان کو دوسروں کی خبر ہی نہیں۔

خود مشتغل اند از ندا و از دعائے داعی محض غافل اند کما اتضح من البیضاوی ولهذا قال العلامۃ التفتازانی فی شرح المقاصد ولا نزاع فی ان المیت لا یسمع انتہی ما فی شرح المقاصد ودر فتح القدیر وکافی وکفایہ وعنایہ وعینی وغیرہ کتب فقہ ازین کہ میت نمی شنود مشحون اند پس نزدیک رفتن ندا کردن بدرخواست دعا از ایشان مفید و جائز نہ شد و ازین جہت بسیارے از فقہا طلب دعا از میت انکار کردہ اند، چنانچہ در کشف الغطا شیخ الاسلام نوشتہ کان المراد من الکلام الاسماع والمیت لیس باھل للاسماع الا تری الی قولہ تعالی انک لا تسمع الموتی والی قولہ وما انت بمسمع من فی القبور انتہی کلام المحمود العینی فی حاشیۃ الہدایۃ

فی الجملہ ہر کہ باین اعتقاد از مسافت بعیدہ اولیاء اللہ را ندا کند کہ از احوال ما مطلع می شوند وارواح ایشان بر ندائے من علم میدارند، وکشائش رزق وفراخی آن ودفع بلا ونقصان ورفع تنگی مے کنند و یا گور و یا مکان نشست و برخاست ایشان صورت ایشان برزخ سازد او بے شک از زمرہ مشرکین است، چنانکہ مولانا شاہ عبد العزیز قدس سرہ در تفسیر فلا تجعلوا للہ انداداً می نویسد چہارم فرقہ پیر پرستان گویند چون مرد بزرگ کہ بسبب کمال ریاضت ومجاہدہ مستجاب الدعوات ومقبول الشفاعت عند اللہ شدہ بود ازین جہان می گذرد در روح او قوتے عظیم ووسعتے بس فخیم بہم می رسد ہر کہ صورت او را برزخ سازد یا در مکان نشست و برخاست او یا بر گور او سجود و تذلل تمام نماید روح بسبب وسعت واطلاق بران مطلع شود ودر دنیا و آخرت در حق او شفاعت نماید، تمام شد عبارت تفسیر عزیزی،

ولهذا قال فی البزازیۃ وغیرہا من کتب الفتاوی من قال ان ارواح المشائخ

علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد میں فرمایا ہے، کہ اس مسئلہ میں کوئی اختلاف ہی نہیں ہے، کہ میت نہیں سن سکتی اور اس مضمون سے فقہ کی کتابیں بھری پڑی ہیں، چنانچہ ہدایہ کے محشی علامہ محمود عینی نے بالآخر لکھا کسی کو بھی خدا تعالیٰ کے سوا پکارنا، اور اس سے حاجت طلب کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ پکارنے کا مطلب ہوتا ہے، سنانا اور میت سننے کی اہل ہی نہیں ہے، کیا تم قرآن مجید کی آیت پر غور نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تو مردوں کو نہیں سنا سکتا اور جو قبروں میں چلے گئے تو ان کو سنانے والا نہیں ہے"

قصہ مختصر ایسا عقیدہ ہرگز نہ رکھنا چاہیئے، کہ بزرگوں کی روحیں ہمارے حالات سے واقف ہیں، اور پھر ان کو پکارے اس سے شرک لازم آتا ہے، چنانچہ بزازیہ وغیرہ کتب فقہ میں صاف صاف فتوی دیا گیا ہے، کہ جو آدمی یہ عقیدہ رکھے، کہ "مشائخ کی ارواح حاضر ہیں، اور ہمارے حالات کو جانتی ہیں، وہ کافر ہے"

حاضرۃ تعلم یکفر کذا قال الشیخ فخر الدین ابو سعید عثمان الجیانی بن سلیمان الحنفی فی رسالته ومن ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون اللہ واعتقد بذلک کفر کذا فی البحر الرائق واستعانت لفراخی رزق و دفع بلا و طلب ولد وغیرہ ازیں کلمہ ازآں بزرگان ہرگز روا نیست، چہ استعانت از غیر خدائے تعالے دریں امور جائز نیست قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واذا سألت فاسئل اللہ واذا استعنت فاستعن باللہ الی آخر الحدیث کما رواہ احمد والترمذی کذا فی المشکوٰۃ، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم این را بکلمہ شرط و جزا ارشاد فرمودند، پس استعانت کہ از مخلوقات کردہ می شود، لامحالہ مفارن باستعانت باللہ خواہد بود، چہ جزا لازم شرط است وشرط ملزوم او وقاعدہ کلیہ از معقول و منقول مقرر شدہ، کہ وجود ملزوم بدون لازم محال است کذا فی المسلم والچلپی وغیرہما، پس خواہ نخواہ استعانت دریں امور مذکورہ بمقارنت استعانت خدائے تعالے می باید واز غیر وے تعالے ہرگز جائز نیست وایاک نعبد وایاک نستعین ہم مشعر این معنی است، وتقریر بسط دریں باب این است و در تحقیق استعانت رسالہ جداگانہ نوشتہ شد، دریں جا اشارہ ازاں کردہ شد،

واگر کسے گوید کہ او تعالے مفتاح علم ہمہ اشیاء است کلیہ وجزئیہ در ہر آن از مسافت بعیدہ اولیاء اللہ را دادہ و حوالہ ایشان کردہ بنا بریں می دانند و می شنوند پس این را در تفسیر نیشاپوری تحت ہمیں آیت کریمہ وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ھو الایۃ نوشتہ ولا یمکن ان یکون ھذہ المفاتح عند شیء من الممکنات لان المحاط لا یحیط بمحیطہ فلا یحیط دون

شیخ فخر الدین ابو سعید عثمان بن الجیانی حنفی اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں جو کہے میت اللہ تعالیٰ کے سوا امور میں تصرف کر سکتی ہے، اور یہی عقیدہ رکھے وہ کافر ہے" بحر الرائق میں بھی ایسا ہی ہے اور رزق کی فراخی مصیبتوں کے دفعیہ اور اولاد وغیرہ کی طلب کی مدد خدا کے سوائے کسی اور سے مانگنا جائز ہی نہیں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جب بھی تو مدد مانگے تو اللہ تعالیٰ سے مانگ" پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو شرط و جزا کے طور پر فرمایا ہے، کہ خدا سے مانگ تو یہ منقول و معقول کا مسلمہ قاعدہ ہے، کہ لازم کے سوا ملزوم کا پایا جانا محال ہے اور آیت ایاک نعبد و ایاک نستعین بھی تو یہی مضمون ادا کر رہی ہے۔

اگر کوئی آدمی یہ عقیدہ رکھے، کہ واقعی غیب کی چابیاں تو خدا تعالیٰ کے پاس ہیں، لیکن اس نے اپنے نیک بندوں کے سپرد کر رکھی ہیں، جس کی وجہ سے وہ سنتے اور جانتے ہیں، تو اس کے جواب میں تفسیر نیشاپوری کی عبارت کافی ہے، وہ اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: یہ غیب کی چابیاں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس ہو ہی نہیں سکتیں کیونکہ عقلی طور پر محاط

الواجب بالواجب فلا یکون مفتاح العلم بجمیع المعلومات الا عندہ انتہی ما فی التفسیر النیشاپوری۔

واما بیان اشراک فی العادت یعنی چنانکہ معاملہ از اللہ تعالیٰ بعادت خود می کند چنانکہ یا اللہ یا کریم می گوید ہم چنین یا علی یا حسین می گوید بعادت خود قطع نظر از نداکردن پس اگر این کلمہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ را قطع نظر از شنیدن ودانستن ایشان بطور عادت جبلی می گوید ازین ہم پرہیز کند کہ موہم شرک است واگر بارادہ سفارش وشفاعت کردن اللہ تعالیٰ از ایشان می خواہد یعنے او تعالیٰ را شفیع وسفارش کنندہ دانستہ این چنین می گوید تاہم جائز نیست کہ شان او تعالیٰ عظیم وبس فخیم است وشانی مطلق وفعال لما یرید ویفعل ما یشاء است وکسے از بندگان مقبولین خود را مختار علی الاطلاق نہ کردہ واختیار رندادہ کہ ترا مختار خزانہ رحمت خود گردانیدم کہ ہرچہ خواہی کن وہرکہ بخواہی بدہ کہ بعد ازین حاجت شفاعت خدائے تعالیٰ را گردد از آن بندہ مختار کل او کہ تو اگر سفارش کنی از فلان بندہ کہ حاجت روائی من کردہ دہد تا سرانجام کار من راست آید سبحانہ ما اعظم شانہ آن جل جلالہ را آن چنان نہ باید فہمید کہ پادشاہ دنیا از وزیر ذی الاقتدار نہ الاختیار خود در بعضے امور رعایائے کسے ادنیٰ تو کر خود سفارش وشفاعت می کند چونکہ آن وزیر عالی قدر مختار کل را بہر حال اختیار نظم ونسق وسیاست وحفاظت ملکی دادہ است کہ اگر خود آن پادشاہ در رکاب ازین امور مذکورہ بے اذن وزیر دخل دہد در ملک او خلل واقع شود بنا برین مصلحت از سوئے مزاجی وتندخوئی او شفاعت ادنیٰ تو کر خود می خواہد از آن وزیر ظہیر سلطنت خود پس طور این در جناب الٰہی اعتقاد نہ باید داشت کہ او قہار ومالک الملک وشانی ومختار علی الاطلاق است کہ درین اعتقاد تنقیص در شان عظمت نشان

اپنے محیط کا احاطہ نہیں کرسکتا، ایسے ہی واجب کا احاطہ غیر واجب نہیں کرسکتا، تو لازمی طور پر یہ چابیاں اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں گی۔

اور شرک فی العادت یہ ہے کہ جیسے یا اللہ یا رحیم یا کریم کہتا ہے ویسے ہی یا علی یا حسین وغیرہ کہنے کی عادت بنالے خواہ ان کو پکارنا مقصود نہ ہو اس سے بھی پرہیز کرنا چاہیئے، کہ اس سے شرک کی بو آتی ہے، اور اگر اس نظریہ سے ان کو پکارے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مختار بنا دیا ہے، اور اپنی رحمت کے خزانے ان کے سپرد کر رکھے ہیں، اور اب اللہ تعالیٰ بھی ان کی مرضی کے بغیر از خود کچھ نہیں کرسکتے، جیسے کہ دنیاوی بادشاہ اپنی حکومت کے بعض شعبے اپنے وزراء میں تقسیم کر دیتے ہیں، اور پھر ان کے معاملات میں بادشاہ بھی از خود کچھ دخل نہیں دیتے، تاکہ نظام ملکی میں بدنظمی نہ پیدا ہو، ہاں اگر ضروری ہو تو بادشاہ اپنے کارندے وزیر سے سفارش کر دے گا کہ یہ کام اس طرح کر دو، اگر ایسا ہی عقیدہ خدا کے متعلق رکھے کہ خدا تعالیٰ کو ان کے پاس سفارشی بناتے تو یہ خدا تعالیٰ کی شان میں انتہا درجہ کی گستاخی اور بے ادبی ہے۔

او لازم می آید تعالی اللہ عنہ علوا کبیرا۔

چنانکہ ابوداؤد از جبیر بن مطعم روایت کردہ قال اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعرابی وقال جهدت الانفس وجاع العیال ونهكت الاموال وهلكت الانعام فاستسق اللہ پس طلب باران کن از خدائے تعالے فانا نستشفع بك علی اللہ بدرستی کہ ما طلب شفاعت می کنیم بتو بخدا یعنے ترا شفیع می گیریم ونستشفع باللہ علیك وطلب شفاعت می کنیم بر تو یعنی خدا را شفیع می آریم نزد تو تا طلب باران کنی از وے فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم سبحان اللہ سبحان اللہ فما زال یسبح حتی عرف فی وجوہ اصحابہ پس ہمیشہ تسبیح می کرد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تا آنکہ شناختہ شد اثر غضب در روہائے اصحاب وے یعنی صحابہ بغضب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم متاثر شدند تا در روہائے ایشان نیز اثر آن ظاہر شد قال ویحك پستر فرمود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وائے بر تو وعجب از تو انہ لا یستشفع باللہ علی احد بدرستیکہ شان این است کہ طلب شفاعت کردہ نمی شود بخدا بر احدے یعنی او تعالی شفیع گردانیدہ نمی شود بر کسے کہ شفاعت از آن کس خواہد زیرا کہ مرتبہ شفیع کمتر میباشد از آن کسے کہ از و شفاعت می خواہد تا دری ما اللہ یعنی تو میدانی کہ چیست خدا وصفت عظمت او چیست ان عرشہ علی سمواتہ هکذا وقال باصابعہ مثل القبة علیہ وانہ لیئط بہ اطیط الرحل بالراکب یعنی بدرستیکہ عرش با برداشت عظمت ووسعت او ہر آئینہ آواز می کند مانند آواز پالان شتر بسوار یعنی عاجز می آید عرش از برداشت او تعالے، واین تقریر وتمثیل عظمت الٰہی است بقدر فہم اعرابی پس برائے قبولیت دعا وطلب حاجت روائی از کسے بزرگ ولی وشہید خدائے تعالے را شفیع آوردن پاس طور نشاید کہ از آن بزرگ بشفاعت خدائے تعالے حاجت خواستن ہم چنانکہ جملہ نستشفع

چنانچہ ایک بدوی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ تکلیف حد سے بڑھ گئی ہے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ بارش نازل فرمائے اور پھر یہ بھی کہدیا کہ جب خدا سے کام ہو تو ہم آپ کو سفارشی بناتے ہیں اور جب آپ سے کام ہو تو خدا تعالیٰ کو آپ کے ہاں سفارشی بناتے ہیں، تو بدوی کے اس کلام سے حضور کا چہرہ متغیر ہو گیا، آپ تسبیحات پڑھتے رہے اور پھر فرمایا، تجھ پر نہایت افسوس ہے، کہ تو اتنا نہ سمجھ سکا، کہ خدا تعالے کو کسی کے پاس سفارشی نہیں بناتے کیونکہ اس صورت میں اصلی اختیار تو کسی دوسرے کا ہوا، اور خداوند تعالے سفارش کرنے کے لئے اس کے پاس گئے تجھے کچھ معلوم بھی ہے، کہ خدا تعالے کی شان کیا ہے اس کا عرش آسمانوں کو لپیٹے گھیرے ہوئے رہا ہے، اور اس کی عظمت وہیبت سے چرچر کر رہا ہے۔

یا اللہ علیک تا آخر برآن مشعر است، کہ درین محل بے ادبی ادمی شود ے

از خدا خواہیم توفیق ادب بے ادب محروم گشت از لطف رب

ومنشور لامع النور و ما قدروا اللہ حق قدرہ نیز ہمین برہان قاطع است بہر صورت ازین کلمہ گفتن قباحت در قباحت پیش می آید، کما اجتناب ازآن ضرور است و باین اشارہ در درمختار از شرح وہبانیہ آوردہ ومن قال شیئا للہ عند بعض یکفر و یخشی علیہ الکفر عند بعض انتہی پس مناسب این است کہ بدین طور بگوید یا اللہ شیئا للشیخ عبد القادر یعنی یا اللہ عطاکن و دہ مرا ببرکت شیخ عبد القادر رحمۃ اللہ چہ این طور جواز است، چہ در دعا خواستن از خدائے تعالے بحرمت فلان یا ببرکت فلان مباح است و بحق فلان نشاید کہ حق کسے بر خدائے تعالے نیست، چنانچہ در ہدایہ و شرح وقایہ و دیگر کتب فقہ حنفیہ مذکور است۔ واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب فقط۔ کتبہ العبد الضعیف طالب الحسنیین فی الدارین محمد نذیر حسین عفا عنہ رب المشرقین والمغربین بجاہ سید الثقلین امام القبلتین جد الحسن والحسین رضی اللہ عنہما وعنہم فی الملوین

سید محمد نذیر حسین	ہو عبد الخالق دہلوی	محمد قطب الدین دہلوی	
برکت اللہ دہلوی	نور الحق دہلوی	سید علی دہلوی	غلام رسول قصوری
محمد محمد ولی بن بارک اللہ پنجابی	شاہ سید حسین قادری پنجابی	مفتی محمد احسن اللہ پشاوری	
مفتی برکت اللہ پشاوری	نصیر احمد پشاوری	قاضی منصور جان پشاوری	

سوال:۔ چہ می فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین در بارہ آنکہ شخصے لفظ یا رسول اللہ و یا علی و یا بھیکہ بار بار یا یک باری گوید و اعتقاد می کند کہ تعلیم طبعی جزئی اگر ادنسان

اور خدا تعالیٰ نے فرمایا و ما قدروا اللہ حق قدرہ پس ایسے کلمات سے پرہیز کرنا نہایت ضروری ہے، درمختار میں شرح وہبانیہ کے حوالے سے لکھا ہے، اگر کوئی اس طرح کہے شیئا للہ کوئی چیز مجھے اللہ کے لئے دے تو وہ بعض کے نزدیک تو کافر ہے، اور بعض کے نزدیک اس کے کفر کا خطرہ ہے ہاں اس طرح کہہ لینا جائز ہے، کہ یا الٰہی مجھے بحرمت فلاں یا ببرکت فلاں یہ چیز عنایت کردے، اور بحق فلاں نہیں کہنا چاہیے، کیونکہ خدا تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے، بعینہ یہ مضمون ہدایہ اور شرح وقایہ کتب فقہ حنفیہ میں بھی موجود ہے، واللہ اعلم ۱۲

سوال:۔ علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں، کہ اگر کوئی شخص اس خیال سے یا رسول اللہ یا یا علی، یا یا بھیکہ وغیرہ بار بار کہے، کہ ہو سکتا ہے کہ ان کو اپنے علم طبعی جزئی کے لحاظ سے میرے حال کی خبر ہوتی ہو اور یہ

را بر حال من خبر شود ممکن است، واگرنہ شود این ہم متصور و علم ذاتی کلی مر حق سبحانہ را ست تعالیٰ شانہ، پس بحصول این گمان گفتن این لفظ جائز است یا نہ و بکدام اعتماد دیگر گفتن این لفظ روا است یا نہ؟

الجواب:۔ باید دانست کہ علم غیب خاصہ حق سبحانہ است کلیہ باشد یا جزئیہ و علیہ یدل قولہ تعالیٰ قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ وما یشعرون ایان یبعثون وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ھو، ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما ادری ما یفعل بی ولا بکم ان اتبع الا ما یوحی الی وما انا الا نذیر مبین وقصہ عدم علم یعقوب علیہ السلام از حال یوسف علیہ السلام، وقصہ عزیر علیہ السلام وعدم علم او شان از مکث خود واز حمار خود وحیات خود وگرد ونواح خود، وقصہ اصحاب الکہف از عدم علم مدت خواب، وقصہ قذف عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، وعدم علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بطہارت او شان مگر بعد مدت دراز نزول وحی وقصہ عدم استطاعت جواب سائلان حقیقت روح واصحاب الکہف وذی القرنین و انقطاع وحی تا مدت دراز وغیرہ از قرآن مجید و شان نزول آن ثابت است وآیات بینات و مرویات احادیث و روایات کتب عقائد متقدمین ومتاخرین ازان مملو ومشحون است، وکافیست

بھی ہو سکتا ہے کہ خبر نہ ہوتی ہو، اور علم ذاتی کلی خداوند تعالیٰ ہی کے لئے جانتا ہو، تو اس گمان پر ایسے الفاظ کہنا جائز ہے یا نہیں، اور یا کسی اور طریقہ سے بھی ایسے الفاظ کہنے جائز ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ جاننا چاہیئے کہ غیب کا علم خواہ جزی ہو یا کلی خدا تعالیٰ کا خاصہ ہے اور اس پر یہ آیات دلالت کرتی ہیں "آپ کہہ دیں آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی بھی غیب نہیں جانتا بلکہ کسی کو بھی مر کر اٹھنے کا بھی علم نہیں ہے" "اور غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں ان کو صرف وہی جانتا ہے" "اگر میں غیب جانتا ہوتا، تو بہت سی بھلائیاں اکٹھی کر لیتا" "اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا، یا تمہارے ساتھ کیا ہوگا میں تو صرف وحی کی پیروی کرتا ہوں"

یعقوب علیہ السلام کو یوسفؑ کے حال کی خبر نہ ہو سکی، عزیر علیہ السلام اپنے ٹھہرنے کی مدت، گدھے کی کیفیت اور اپنے زندہ ہونے کا حال نہ جان سکے، اصحاب کہف کو اپنے سونے کی مدت کا علم نہ ہو سکا، حضرت عائشہ صدیقہ کی برأت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی نازل ہونے سے پہلے معلوم نہ ہو سکی، روح، اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق سوال کرنے والوں کو وحی نازل ہونے تک آپ جواب نہ دے سکے، یہ سب واقعات قرآن مجید میں ہیں اور احادیث

گاہے او سبحانہ تعالے ہر کرا از مقربان درگاہ خود از انبیا علیہم السلام بوحی والہام واز اولیاء بکشف والہام بر بعضے امور غیبیہ اطلاع دہد معلوم می شود، ولیعد از اعلام اللہ تعالے این غیب من حیث الغیب غیب نمی ماند زیرا کہ غیب نام چیزے است، کہ از ادراک حواس ظاہرہ و باطنہ غائب باشد نہ حاضر تا بمشاہدہ و وجدان دریافت شود واسباب وعلامات آن نیز در نظر وعقل وفکر آن در نیاید تا ببداہت واستدلال دریافتہ شود واین غیب مختلف می باشد، وپیش کور مادر زاد عالم الوان غیب است، وعالم اصوات ونغمات والحان شہادت وپیش عنین لذت جماع غیب است وپیش فرشتہ الم گرسنگی وتشنگی غیب است، ودوزخ وبہشت شہادت، ولہذا این قسم غیب را غیب اضافی گویند، وآنچہ نسبت بہمہ مخلوق غائب است مطلق مثل وقت آمدن قیامت واحکام کونیہ وشرعیہ باری تعالے در ہر روز، ودر ہر شریعت ومثل حقائق ذات وصفات او تعالے علی سبیل التفصیل واین قسم را غیب خاص او تعالے می نامند فلا یظہر علی غیبہ احدا الی آخر ما فی التفاسیر من العزیزی وغیرہ

وا ثبات حصول علم غیب جزئی مر ایشان را ہمان مثل راست آمد قد فر من المطر ووقف تحت المیزاب زیرا کہ این ہم در افراد علم غیب واخل است پس علم غیب کلیہ جزئیہ خاصہ حق سبحانہ تعالی باشد، چنانچہ احیاء وامانت خاصہ او تعالے است نہ اینکہ

اور متقدمین کی کتب اس مضمون سے بھری پڑی ہیں، ہاں اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو کچھ بتا دیں، تو اس کو علم ہو جاتا ہے، لیکن پھر وہ غیب بحیثیت غیب ہی نہیں رہ جاتا کیونکہ غیب تو وہ ہے، جو حواس ظاہری اور باطنی سے غائب ہو، ورنہ آدمی وجدان اور استدلال سے کئی باتیں معلوم کر لیتا ہے

اور پھر غیب بھی مختلف ہیں، مادر زاد اندھے کے لئے رنگوں کی دنیا غیب ہے، اور راگ اور نغمے کی دنیا حاضر بہرے کے لئے آوازوں کی دنیا غیب ہے اور رنگوں کی حاضر، نامرد آدمی سے لذت جماع غیب ہے، اور فرشتہ کے لئے بھوک پیاس غیب ہے اور جنت دوزخ حاضر علی ہذا القیاس، اس غیب کو غیب اضافی کہتے ہیں، اور جو تمام مخلوقات سے غیب ہے، مثلاً قیامت کے آنے کا وقت، اور خدا تعالیٰ کے احکام کونیہ جو روزانہ نازل ہوتے رہتے ہیں، یا خدا تعالیٰ کی ذات وصفات کا تفصیلی علم یہ حقیقی غیب ہے اور یہ صرف خدا تعالیٰ کا خاصہ ہے

اور بزرگان دین کے لئے غیب جزئی ثابت کرنا، تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی بارش سے بھاگ کر پرنالے کے نیچے جا کھڑا ہو یہ غیب بھی خدا تعالیٰ کا خاصہ ہے، اس کو یوں سمجھو کہ مارنا اور زندہ کرنا خدا تعالیٰ کا خاصہ ہے تو کوئی یوں کہہ سکتا ہے کہ کلی طور پر مارنا زندہ کرنا تو خدا کا خاصہ ہے، لیکن جزوی طور پر دوسرے بھی زندہ کرتے اور مارتے ہیں

احیاء واماتت کلیہ برائے او تعالےٰ باشد، وبعض جزئی را دیگرے ہم زندہ وہم مردہ می تواند کرد وہو باطل اجماعاً وقطعاً، واگر گوئی ما طبعی می گوئیم نہ ذاتی شاید وقتے کہ یا مدار ویا سالار ویا بھیکھ بگوئیم حق سبحانہ وتعالےٰ بکشف یا الہام اوشان خبر کردہ باشد، ولا محذور فیہ

گوئیم کہ غیب بودن این امر یقینی است، ودر گمان حصول علم بکشف یا الہام وغیرہا این امر ظنی ہیچ کی شود وشک نیست کہ شک بالیقین معارض نگردد معہذا حصول این علم از خرق عادات وکرامات است وبنائے کدام حکم شرعی برظن خرق عادات مبنی نمی شود و الا بظن خرق عادت رد الشمس من جانب الغروب احکام نماز وسنین وسال وحج وزکوۃ وغیرہ ہمہ درہم وبرہم می شود، شاید اولیائے کدامے ولی این خرق عادت صادر شود وآفتاب را بگرداند دو چہار ساعت یا یک دو روز یا یک سال یا دو سال یا صد سال ہموں طور بر آسمان استادہ دارد، پس نماز ظہر وعصر ہموں وقت ادا خواہم کرد، وبظن کرامت زندہ شدن موتے واحکام میراث وعدت وسوگ وغیرہ ہمہ مختل می شوند، علی ہذا القیاس جمیع خرق عادات لہذا بنائے احکام برامور عادت نہادہ اند نہ برظن خرق عادت، لیکن درجائے ظہور خرق عادت یقینی البتہ احکام یافتہ می شوند، چنانکہ در ایام دجال بطوالت ایام احکام نماز وغیرہ یافتہ می شوند، وجائے نہ فرمودہ اند کہ اگر گمان باز زندہ شدن کسے را پیدا شود، مال اورا تقسیم نکنند یا نہ کنند، ودر بیت المال داخل نہ کنند، وبگمان طی ارض قصر نکنند وبمکاشفہ صحیحہ دعوے دروغ

لہٰذا اگر یہ کہا جائے کہ ہم طبعی علم کے متعلق کہتے ہیں، نہ کہ ذاتی علم کے متعلق کیونکہ ہو سکتا ہے، کہ جب ہم ان کو پکاریں، تو اللہ تعالیٰ ان کو کشف یا الہام کی بنا پر مطلع کر دیتے ہوں۔

اس کا جواب یہ ہے، کہ اس کا غیب ہونا تو یقینی ہے، اور حصول علم ظنی، اور ظن یقین کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور پھر ایسا علم ہو جانا بھی تو خرق عادت یا کرامت کے طور پر ہوگا، اور شریعت کے کون سے حکم کی بنیاد کرامت یا خرق عادت پر رکھی گئی ہے، ہو سکتا ہے، کہ کسی ولی کی کرامت سے سورج دوبارہ مغرب سے طلوع ہو جائے یا ایک ہی جگہ پر گھنٹہ دو گھنٹہ، ایک دن یا ایک سال ٹھہرا رہے، کیا اس بنا پر اپنی نمازیں قضا کرو گے، کہ جلو اس وقت پڑھ لیں گے، علی ہذا القیاس تمام خرق عادات کا یہی حال ہے، ہاں اگر یقینی طور پر کوئی چیز ہونے والی ہو، تو شریعت اس کے متعلق اپنے حکم نافذ کرتی ہے، جیسا کہ دجال کے وقت دنوں کا لمبا ہو جانا، تو اس کے متعلق نمازوں کی کیفیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کر دی ہے، ہو سکتا ہے کہ کسی ولی کی کرامت سے مردہ سال بعد یا سو سال بعد زندہ ہو جائے، تو کیا اس خیال پر اس کا ورثہ تقسیم نہ کرو گے؟ اس کی عورت دوسرا نکاح نہ

باوجود شاہدین البطال دعوے کنند پس دستے کہ بمکاشفہ یقینیہ و صحیحہ ابطال مدعی باوجود شاہدین و تکفیر و قتل منافق و اخذ حق خود بمکاشفہ بلا دلیل و رجم زانی و زانیہ بلا شہود ثابت نمی شود، پس در صورت ظن مکاشفہ علم بغیب نانی او شان کہ خصوصیت بذات مقدس دارد، چہ گونہ اثبات می کنند پس کسانیکہ ہمیں عقیدہ می دارند، باید کہ بگمان زندہ شدن مردہ مال اورا تقسیم نہ کنند، چرا کہ این گمان در حق ہر مردہ جاری میشود، کہ بکرامت کدام ولی بعد دو روز یا سہ روز یا بعد سال یا صد سال باز زندہ شود، و احکام عدت وغیرہ ہمہ را ترک دہند دیگمارند حصول علم لدنی در تحصیل علم ایمان و اسلام و احکام باز مانند، چرا کہ این ہم بکرامت کدام ولی در حق ہر کس ممکن باشد، بنائے اعتقاد بریں عقیدہ فاسدہ بالحاد و زندقہ می کشد عیاذا باللہ سبحانہ من ذلک آری اگر باعتبار محبت بیے ارادہ اثبات علم غیب یاد شان کدام وقت یا رسول اللہ، یا غوث الاعظم وغیرہما برآید جائز خواہد بود فقط و بار بار بطور تکرار و ورد ذکر اسم او شان کہ علم باشد یا بغیر علم مواظبت نمودن شرک است وہکذا فی التفسیر العزیزی۔

و جابجا در قرآن مجید یدعون من دون اللہ و یدعون من دونہ فرمودہ اند دبراں شرک و کفر و وعید خلود نار اثبات نمودہ نصوص صریحہ ہستند، کہ تاویل دران جہل مرکب است، بل تحریف و تبدیل کلام الٰہی است، یک دو آیت بطور مشتے نمونہ از خروارے ذکر کردہ می شود قال اللہ تعالیٰ ولا تدع من دون اللہ ما لا ینفعک ولا یضرک فان فعلت فانک اذا من الظلمین وایضا قال اللہ تعالیٰ قل لا املک لنفسی نفعا و

کرے گی؟ زبین کے لیپٹے جانے کے خیال سے نماز قصر کرلو گے؟ کسی کشف کی بنا پر مدعی کا صحیح دعوے گواہان عادل کی موجودگی میں رد کردو گے؟ کشف کی وجہ سے کسی منافق کو قتل کردو گے؟ بغیر گواہوں کے کشف کی بنا پر زانی مرد و عورت کو سنگسار کرلو گے؟ آخر کشف و کرامت کی بنا پر آپ کیا کیا کرلیں گے؟ ایسے عقیدے کا نتیجہ سوائے کفر و الحاد اور زندقہ کے اور کیا ہوگا؟ خدا کی پناہ!

ہاں اگر کبھی غلبہ محبت کی بنا پر یا رسول اللہ، یا، یا غوث الاعظم زبان سے نکل جائے تو یہ جائز ہے لیکن بار بار اس کو تکرار کرنا، اور اس کا وظیفہ کرنا جائز نہیں ہے، شرک ہے، قرآن مجید میں جا بجا یدعون من دون اللہ اور یدعون من دونہ فرمایا گیا ہے، اور اس پر کفر و شرک کا فتوی اور خلود نار کی وعید سنائی گئی ہے ایسی صریح آیات کی تاویل کرنا جہل مرکب ہے، بلکہ قرآن مجید میں تحریف کے قائم مقام ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللہ کے سوا ان کو مت پکارو

لا ضرا الا ما شاء الله پس در لحاظ مجموع آتین معلوم می شود که آنحضرت صلی الله علیه وسلم را
برائے نفع و ضرر خواندن ظلم است و ایضاً قال الله تعالیٰ ومن اضل ممن یدعوا
من دون الله من لا یستجیب له الی یوم القیامة وهم عن دعائهم غافلون
و اگر از لفظ من دون الله غشاوه چشم انداخته گوئی که ایں در حق بتان است گویم من
برائے ذوی العقول است و جمع بالنون والواو ہم برائے او و کیف تصحح قولک
و اگر گوئی که بریں تقدیر پسر و یار و برادر و غیره را که قریب باشند نام او خواندن نیز روا نه
باشد گویم لفظ من لا یستجیب له و کلمه هم عن دعائهم غافلون جواب
شما می دہند

و اگر گوئی در ہیچ کدام از تفاسیر نیز ایں ہمہ آیات بینات نه نوشته اند که
یا آدم نه گویند و یا شیث نه خوانند و یا ادریس شرک است و یا نوح کفر است و یا ابراہیم
و یا اسمٰعیل و یا موسیٰ و یا عیسیٰ و یا رسول الله و یا علی و یا نبی و یا حسین و یا مدار و یا سالار
یا شیخ ممنوع است گویم لفظ من دون الله سیف قاطع است برائے شما و اگر ایں را
تحریف و تبدیل نموده پس پشت انداخته اید و طالب تفصیل جزئیات شوید گویم ہزاران ہزار

جبکہ کوئی نفع نقصان نہ دے سکیں اگر تو نے ایسا کیا تو تو ظالموں میں سے ہوگا اور فرمایا "آپ کہہ دیں میں اپنی جان کے
نفع و نقصان کا بھی مالک نہیں ہوں" ان دونوں آیتوں کے مجموعہ سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے
نفع و نقصان کے لئے پکارنا ظلم ہے اور فرمایا "اس سے زیادہ کون گمراہ ہے جو اللہ کے سوا ایسے اوروں کو پکارے
جو قیامت تک بھی اس کو جواب نہ دے سکیں وہ تو اس کے پکارنے سے بھی بے خبر ہیں"

اگر کوئی من دون اللہ کے لفظ سے اپنی آنکھوں پر پردہ ڈال کر کہے کہ یہ تو بتوں کے متعلق ہے تو میں اس
کے جواب میں کہوں گا کہ لفظ من ذوی العقول کے لئے آتا ہے اور واؤ و نون سے جمع بھی ذوی العقول
کے لئے آتی ہے تمہارا اعتراض کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ اس طرح تو اپنے بھائی بیٹے اور
عزیزوں کو بھی نہیں پکار سکے گا تو میں کہوں گا کہ لفظ "من لا یستجیب له" اور کلمہ "وہم عن دعائہم غافلون" تمہارے
اعتراض کا جواب دے رہے ہیں۔

اگر کوئی اعتراض کرے کہ کسی مفسر نے بھی اپنی تفسیر میں ایسا نہیں لکھا ہے کہ یا آدم نہ کہنا یا شیث نہ
پکارنا یا ادریس کہنا شرک ہے یا ابراہیم یا موسیٰ یا عیسیٰ یا رسول اللہ یا علی یا نبی یا حسین یا سالار
یا شیخ کہنا منع ہے کفر ہے تو میں کہوں گا کہ لفظ من دون اللہ ایک قاطع تلوار ہے جو تمہارے اعتراضات کا جواب

انبیاء و اولیاء و صدیقین و شہداء و ملائکہ و جن وغیرہ را مردمان خواندہ اند و می خوانند پس تفصیل اسماء ایشان چند مجلدات تیار می شوند و یک عمر طویل صرف شود، البتہ اگر مفسرین این چنین کار لغو می کردند شمارا اعتبار آمدے یا نہ آمدے۔

و در قرآن مجید و تفاسیر و فقہ جابجا اقیموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ و اٰمنوا وغیرہ علیہ آمدہ است، بر تقدیر تقریر شما لازم می آید کہ زید بگوید کہ بر من نماز فرض نیست و عمرو گوید کہ بر من زکوٰۃ واجب نیست و بکر گوید کہ بر من ایمان لازم نیست، چرا کہ اقم الزکوٰۃ یا زید و اٰت الزکوٰۃ یا عمرو و اٰمن باللہ یا بکر و لا تشرک باللہ یا خالد نہ گفتہ اند، و علیٰ ہذا القیاس کسے نہ گوید کہ در این تفاسیر نام دیبی و بھوانی و بھیروں و سیتا و جسرت و رام چندر و کرشن و کنہیا و شیخ سدو و میران وغیرہ نیامدہ است، پس مستثنیٰ از لات و عزیٰ باشد و پرستش این ہا جائز باشد، و بر این تقدیر اصول امام اعظم و امام شافعی و امام مالک و امام احمد بن حنبل و جمیع مجتہدین علیہ الرحمۃ بلکہ اجتہاد و استنباط ایشان و قیاس جمیع امت غلط میشود، و علم اصول و فروع کہ متفرع بر آن است ہمہ لاطائل و لغو میباشد، چرا کہ نزد شما مورد نصوص خاص است، و ہذا العلم خلاف ذلک، و نزدیک شما تا وقتے کہ تفصیل جزئیات آن نہ شود، نصوص ظاہر المعنے قابل پذیرائی نیست،

دے رہی ہے اور پھر بھی اگر کوئی کہے کہ نہیں جزئیات کی تفصیل ضروری تھی، تو میں کہوں گا، لوگ ہزاروں نبیوں، ولیوں صدیقوں، شہیدوں کو پکارتے ہیں، اگر ان کے ناموں کی تفصیل تفاسیر میں بیان کی جاتی تو اس سے کئی جلدیں تیار ہو جاتیں، مفسرین کی ایسے لغو کام میں عمریں بسر ہو جاتیں، اور پھر بھی تم کو شاید اعتبار آتا یا نہ آتا

اور پھر قرآن مجید، حدیث شریف اور فقہ کی کتابوں میں جابجا حکم آیا ہے "نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، اللہ پر ایمان لاؤ" تو تمہارے قول کے مطابق تو زید کہہ سکتا ہے، کہ مجھ پر نماز فرض نہیں ہے، کیونکہ میرا نام لے کر تو نہیں فرمایا گیا، کہ اے زید نماز قائم کر، عمرو کہتا ہے کہ میں زکوٰۃ نہیں دوں گا، کیونکہ یہ تو نہیں کہا گیا، کہ اے عمرو زکوٰۃ دے علیٰ ہذا القیاس کوئی یہ بھی کہہ دیتا، کہ قرآن میں تو صرف لات و عزیٰ کا ذکر آیا ہے، کالی دیوی، بھوانی، بھیروں، سیتا جسرت، رامچندر، کرشن کنہیا، شیخ سدو اور میراں وغیرہ کا نام نہیں آیا، لہٰذا ان کو سجدہ کرنا یا پکارنا جائز ہے

اور پھر امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ امام مالکؒ امام احمد بن حنبل اور دوسرے فقہاء اور محدثین کے تمام استنباط اور اجتہاد گاؤ خورد ہو جاتے، ہر آدمی بڑی آسانی سے کہہ جاتا، کہ یہ جزئیات اپنے مورد کے لئے خاص ہیں، میرے لئے تو کوئی حکم نہیں ہے۔

واگر گوئی کہ در حصن حصین در صلوۃ الحاجت لفظ یا محمد آمدہ است، جوابش چیست، گوئیم کہ این صورت در حضور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بودہ است، کہ خود موجود اند، و در آن محذور نیست، و اگر بعد ہم می خوانند پس در آن خیرے مودع است، کہ ببرکت آن اثر ظاہر می شود نہ آن کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را سامع اعتبار کردہ می خوانند چنانچہ اذ قال اللہ یا عیسی و در بعض جا یا موسی می خوانند، در آن تاثیرے نہادہ اند، کہ ببرکت آن اثر ظاہر می شود، نہ آنکہ ایشان را سامع اعتبار کردہ می خوانند ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرھم لا یعقلون دلالت بر رد شامی کند واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ المجیب المصیب نصیر الدین المعروف بغلام المولی

سید محمد نذیر حسین			
محمد قطب الدین ۱۲۶۱	نواز شش علی ۱۲۶۷	محمد برکت اللہ ۱۲۶۷	محمد بشیر الدین قنوجی ۱۲۶۷
سید محبوب علی جعفری	محمد بن بارک اللہ پنجابی	محمد حسین بٹالوی	احمد اللہ

سوال: نحمدہ و نصلی، کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس صورت میں، کہ زید موافق طریقہ سلف خیر نسبت شیخ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ کے اعتقاد ولایت و وقوع کرامت کا رکھتا ہے، مگر یہ کرامت منقولہ کہ　　جب اس کے مرید کی روح فرشتہ قبض کر کے روانہ ہوا، شیخ نے فرشتہ سے راہ میں مل کر کہا، کہ میرے مرید کی روح دے دے، فرشتہ نے کہا، کہ یہ امر میں نے بحکم ربی کیا ہے، اگر تم کو دے دینے کا حکم ہوتا، تو میں بلا شبہ دے دیتا، جب فرشتے نے انکار کیا، تو شیخ نے ارواح کی زنبیل فرشتہ سے چھین لی، جب فرشتہ اللہ پاک کے پاس ملول آیا، تو خدا نے فرمایا، کہ اے ملک الموت آج تیری محنت ضائع ہوئی، تو نے ایک روح اس کے مرید کی دے دی ہوتی، وہ تو اگر میری خدائی بھی بخش دے، تو مجھ کو کیا انکار ہو سکتا

اگر کوئی آدمی سوال اٹھائے، کہ حصن حصین میں صلوۃ حاجت کے بیان میں یا محمد کے لفظ آتے ہیں، پھر ان کا پڑھنا کیونکر جائز ہوا، تو اس کا جواب یہ ہے، کہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ اس کے پاس موجود تھے، اور اگر حکایت حال ماضیہ کے طریق پر آج بھی انہی الفاظ کو دہرا لیا جائے تو جائز ہے، کیونکہ ان فرمودہ الفاظ میں برکت ہے، کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکلے ہیں، بالکل ایسے ہی جیسے ہم قرآن مجید کی تلاوت میں یا عیسے یا موسے وغیرہ الفاظ ندائیہ پڑھتے ہیں، لیکن ان سے مقصود نہ تو ان کو سنانا ہوتا ہے، اور نہ یہ عقیدہ ہوتا ہے، کہ وہ کسن رہے ہیں۔

دوسری یہ کرامت منقولہ کہ جب منکر نکیر قبر میں شیخ کے مرید کے پاس آئے، تو پوچھا من ربک (تیرا رب کون ہے) اس کے جواب میں مرید نے کہا کہ میں خدا کو نہیں جانتا شیخ عبدالقادر کو جانتا ہوں، اس وقت فرشتوں نے عذاب شروع کیا، تب مرید نے شیخ سے فریاد کی، شیخ نے عذاب سے منع کیا، فرشتے نہ مانے، تو شیخ نے گرز عذاب چھین لیا، اور یہ کہا کہ جنت کو دوزخ کر دوں، اور دوزخ کو جنت، غرض فرشتوں پر غلبہ کر کے اپنے مرید کو عذاب سے بچا لیا،

تیسری یہ نقل کرامت، کہ ایک عورت شیخ کے پاس آئی، کہ میرے واسطے اولاد کے لئے دعا کرو، شیخ نے کہا، کہ اے بدبخت! تیری قسمت میں خدا نے اولاد نہیں چاہی، مگر ہم دعا کرتے ہیں، چنانچہ شیخ نے دعا کی، کہ خدایا اس کو بیٹا دے، حکم رب العالمین ہوا، کہ اس کی قسمت میں اولاد نہیں جف القلم بما هو كائن (قلم لکھ کر فارغ ہو گیا) پھر دعا کی کہ خدا اسے دو بیٹے دے حکم ہوا، کہ اس کے اولاد ممکن نہیں، غرض ساتویں بار جب سات بیٹوں پر دعا کی نوبت پہنچی تو خدا نے کہا، کہ اے شیخ بس کر ہم اس کو سات بیٹے دیں گے

الغرض زید ان تینوں کرامتوں کا انکار کرتا ہے، چونکہ ثبوت ان کا قرآن وحدیث واجماع سے نہیں، اور جو لوگ ان تین کرامت مذکورہ پر اعتقاد کریں، یہ اعتقاد ان کا کسی قاعدہ شرعی کے مخالف ہوگا یا نہیں فقط۔ اور ایک مسئلہ یہ بھی اس استفتاء میں شامل فرما دیجئے کہ قیامت کے دن حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ساڑھے تین کولیاں بھر کر سب مخلوق میں سے جنت میں ڈالیں گے، اور ان کے ہاتھ مشرق سے مغرب تک دراز ہوں گے، آیا یہ قول صحیح ہے یا غلط افتراء عوام کالانعام ہے۔

الجواب:- ان الحکم الا للہ صورت مسئولہ میں زید سنی العقیدہ موحد ہے، کہ امور شرکیہ کا منکر ہے، اور یہ انکار واجب ہے، کیونکہ یہ کرامات مندرجہ سوال بت پرستوں کے سے عقیدہ والوں کی ہیں وقد جاء فی الحدیث[1] من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ ومن لم یستطع فبلسانہ ومن لم یستطع فبقلبہ ولیس وراء ذلک حبۃ خردل من الایمان

[1] حدیث میں آیا ہے، کہ جو آدمی تم میں سے کوئی برائی دیکھے، اسے اپنی طاقت سے ختم کر دے، اور اگر اس کی طاقت نہ ہو، تو اپنی زبان سے اس کی تردید کرے، اور اگر اتنی بھی طاقت نہ ہو تو اسے اپنے دل سے برا سمجھے، اور اگر ایسا بھی نہ کرے تو اس کے دل میں ایک رائی کے برابر بھی ایمان نہیں ہے ۱۲

پس زید اس انکار سے گنہ گار کیسا بلکہ مستحق اجر عظیم اور ثواب نعیم کا ہوگا، اور جو لوگ ان کلمات شرکیہ مذکورہ کو حق جانتے ہیں، اور اس عقیدہ شرکیہ کفریہ پر ہیں، سراسر مخالف قرآن اور حدیث کے ہیں، اور مثل بت پرستوں کے عبدالقادر پرست ہیں، بندہ کو خدا اعتقاد کرتے ہیں، العیاذ باللہ بلکہ اس واحد وقہار وقیوم وجبار کو بندہ کے آگے مجبور جانتے ہیں، ایسے عقیدہ والے قطعی کافر اور مشرک ہیں، اگر کوئی ابتدائے تمیز سے اس عقیدہ پر ہے، تو پکا کافر ہے، جب تک اس کفریہ عقیدہ سے توبہ نہ کرے، اور تجدید اسلام کلمہ شہادۃ سے نہ کرے، مسلمان نہیں

قال اللہ تعالیٰ انہ من یشرک باللہ فقد حرم اللہ علیہ الجنۃ وماوٰہ النار وما للظالمین من انصار۔[1] اگر کسی مسلمان کے گناہوں سے ساری زمین لبریز ہو، اور شرک نہ ہو تو حق جل جلالہ اپنی رحمت سے اس کے بخشنے کا وعدہ فرماتا ہے، مگر شرک کافر ہرگز نہ بخشا جائےگا

ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء ومن یشرک باللہ فقد ضل ضلالا بعیدا۔[2] اور جو لوگ اول عقیدہ توحید کا رکھتے تھے، اور بعد میں اس شرکیہ عقیدہ پر ہو گئے ہیں، تو ان کے پہلے نیک عمل سب برباد گئے، اگر اسی کفر پر مر جائیں تو بموجب فرمان واجب الاذعان الٰہی کے وہ دوزخی ہیں، جیسا کہ فرماتا ہے۔ ومن یرتدد منکم عن دینہ فیمت وھو کافر فاولئک حبطت اعمالھم فی الدنیا والاخرۃ واولئک اصحاب النار ھم فیہا خالدون۔[3]

اور جو سوال آخر میں درج ہے۔ کہ قیامت میں عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ زمین کو لیاں بھر کر جنت میں ڈالیں گے، یہ صحیح ہے یا غلط، معاذ اللہ! کس قدر باطل اور دروغ اور کذب ہے اہل بدعت کا عقیدہ ہے، یہ سراسر غلط اور افتراء ہے۔ نعوذ باللہ من شر الکاذبین المبتدعین الباطلین الطاغین الفاسقین۔ واللہ اعلم بالصواب۔ فاعتبروا یا اولی

---

[1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے اللہ نے اس کے لئے جنت کو حرام کر دیا ہے اور اس کا ٹھکانہ آگ ہے، اور ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں ہے" ۱۲

[2] اللہ تعالیٰ کسی آدمی کو شرک معاف نہیں کرےگا، اور اس کے علاوہ دوسرے گناہ جس کو چاہے بخش دے، اور جو اللہ کے ساتھ شرک کرے، وہ بہت گہری گمراہی میں مبتلا ہے ۱۲

[3] جو آدمی بھی تم میں سے اپنا دین چھوڑ کر کفر کی حالت میں مر جائے، تو ان لوگوں کے تمام اعمال دنیا و آخرت میں برباد ہو جائیں گے، اور یہی لوگ جہنم والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۱۲

الالباب۔ حررہ فقیر محمد حسین

فقیر محمد حسین دہلوی — یقال لہ ابراہیم

سید محمد عبدالسلام غفرلہ — سید محمد ابوالحسن — امیدوار شفاعۃ محمد عبدالغادر

الجواب صحیح — الجواب صحیح — الجواب صحیح

محمد عبید اللہ — سید معتصم باللہ حنفی — محمد عبدالحق — محمد عبدالحکیم عفی عنہ

کرامات مذکورہ بے اصل ہیں، ان کے اعتقاد سے احتراز چاہیئے — محمد حسن عفی عنہ

کرامت مذکورہ کا معتقد مخالف قرآن وحدیث کا ہے، ایسے اعتقاد سے پرہیز لازم ہے

جواب مجیب کا اور مواہیر ودستخط صحیح ہیں۔ — محمد مسعود نقشبندی

حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ — جواب صحیح ہے — تلطف حسین

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ جو کوئی حاکم حقیقی پروردگار کو کہ ہر بات سنتا ہے، اور ہر چیز سے خبر رکھتا ہے، ساتھ حاکم مجازی دنیا کے بایں معنی تشبیہ دیوے، کہ جیسے حاکم دنیاوی سے کسی چیز کو مانگنا اور ان سے مدد چاہنا، اور استعانت کرنا بغیر وسیلہ کے نہیں ہو سکتا ہے، ویسا ہی خداوند تعالےٰ سے کہ دربار اس کا سب درباروں سے عالی ہے، بغیر وسائل کے حاجت روائی نہیں ہو سکتی ہے اور بغیر وسیلے کے اللہ کسی کی بات نہیں سنتا ہے، پس واسطے اس شخص کے از روئے شرع شریف کے کیا حکم ہونا چاہیئے؟

الجواب:۔ یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں توسل اولیاء وامواٹ کی حاجت نہیں، بلا وسیلہ وہ سنتا ہے، کیونکہ حق سبحانہٗ خود فرماتا ہے۔ نحن اقرب الیہ من حبل الورید[1] واسروا قولکم او اجہروا بہ انہ علیم بذات الصدور۔ وغیرھا من الآیات الکریمۃ حدیث شریف میں وارد ہے عن ابن عباس[2] قال کنت خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما فقال یا غلام احفظ اللہ یحفظک احفظ اللہ تجدہ تجاھک واذا سألت فاسئل اللہ واذا استعنت فاستعن باللہ رواہ احمد والترمذی کذا فی المشکوٰۃ۔ ملا علی قاری اس کی شرح میں لکھتے ہیں قولہ اذا سألت فاسئل اللہ ای

---

[1] ہم اس کی شاہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں، اور فرمایا، تم بات آہستہ کرو یا ظاہر کرو، وہ سینے کی باتیں بھی جانتا ہے ۱۲ [2] ابن عباس کہتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر تھا، آپ نے فرمایا، بیٹا اللہ کا خیال رکھنا اللہ بھی تیرا خیال رکھے گا، اور جب مانگے تو اللہ سے مانگ، اور مدد کی ضرورت ہو تو اللہ سے طلب کر ۱۲

فاسئله وحده لان خزائن العطايا عنده ومفاتيح المواهب والمزايا بيده و كل نعمة او نقمة دنيوية واخروية فانها تصل الى العبد او تندفع عنه برحمته من غير شائبة غرض وعلة لانه الجواد المطلق والغنى الذى لا يفتقر فينبغى ان لا يرجى الا رحمته ولا يخشى الا نقمته ويلتجى عظائم المهام اليه ويعتمد فى جمهور الامور عليه ولا يسأل غيره لان غيره غير قادر على العطايا والمنع والنفع والضرر وجلب النفع فانهم لا يملكون لانفسهم نفعا ولا ضرا ولا يملكون موتا ولا حياة ولا نشورا۔ انتہى ما فى المرقات لملا على القارى، قال ربكم ادعونى استجب لكم الاية، كيا رحمت كاملہ اس ارحم الراحمين كى ہے، كہ طلب دعا كے واسطے بصيغہ امر تاكيد ارشاد فرماتا ہے،

عن النعمان بن بشير قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الدعاء هو العبادة وفى رواية اخرى الدعاء مخ العبادة ثم قرء قال ربكم ادعونى استجب لكم رواه احمد والترمذى وابوداؤد وابن ماجة [۲]

در عدم ما مستحقان کے بدیم کہ برین جان و بدین دانش شدیم
ما نبودیم و تقاضا ما نہ بود لطف تو ناگفتۂ ما می شنود

عن [۳] ابى هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ينزل ربنا تبارك وتعالى كل ليلة الى السماء الدنيا حين يبقى ثلث الليل الآخر يقول من يدعونى فاستجب له من يسئلنى فاعطيه من يستغفرنى فاغفر له كما رواه البخارى وغيره من

---

[۱] صرف ایک اللہ سے مانگ، کیونکہ تمام خزانے اسی کے پاس ہیں، تمام دنیاوی اور اخروی نعمتیں اسی کے قبضہ میں ہیں، وہ بغیر کسی لالچ کے بندہ پر احسان کرتا ہے، اور اس کی تکلیفیں دور کرتا ہے، سو اسی پر بھروسہ رکھنا چاہیئے، اور اسی سے توقع رکھنی چاہیئے، اور تمام کام اسی کے سپرد کرنے چاہئیں، اور اس کے علاوہ اور کسی سے کوئی توقع نہ رکھنی چاہیئے، کہ کسی کے پاس کوئی بھی اختیار نہیں ہے، نہ لے سکتا ہے، نہ کوئی دے سکتا ہے، بلکہ کوئی بھی اپنے نفع و نقصان کا مالک نہیں ۱۲

[۲] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دعا ہی عبادت ہے" اور فرمایا "پکارنا عبادت کا مغز ہے" پھر آپ نے یہ آیت پڑھی "مجھے پکارو میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا" ۱۲ [۳] اللہ تبارک و تعالیٰ ہر رات پچھلے تیسرے حصہ میں آسمان دنیا کی طرف نزول اجلال فرماتے ہیں، اور کہتے ہیں کون ہے جو مجھے پکارتا ہے، کہ میں اس کی دعا کو قبول کروں کون مجھ سے مانگتا ہے، کہ میں اس کو دوں کون گناہوں کی معافی چاہتا ہے، کہ میں اس کو بخشوں ۱۲

المحدثین یعنی بخوانید مرا دازین خواہید کہ خزانہ عامرہ رحمت من مالامال است و کرم من بخشندہ آمال کدام گدائے دست نیاز پیش آوردہ کہ نقد مراد برکف امیدش نہ نہادم و کدام محتاج زبان سوال کشادہ کہ رقعہ حاجتش بتوقیع اجابت موشح نساختم اے غافلان مژدہ دلان بشنوید[1]

ہم آستان ارادت کہ سر نہاد شبے کہ لطف دوست بروئش ہزار در نکشاد

اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو کوئی دعا و استعانت و سوال اللہ جل شانہ کی جناب میں نہیں کرتا، تو اللہ کریم و رحیم اس سے ناخوش ہوتا ہے۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من لم یسأل اللہ یغضب علیہ رواہ الترمذی۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس شئی اکرم علی اللہ من الدعاء رواہ الترمذی[1]

یحبھم و یحبونہ چہ اقرار است بزیر پردہ نگر خویش را خریدار است

ارباب شریعت پر مخفی نہیں، کہ بندوں کی طاعت وسیلہ ہے ظاہر میں نجات کا یعنی امتثال اوامر و اجتناب نواہی وسیلہ ہے ظاہر میں، اور باطن میں نظر اور پر رافت کاملہ اور رحمت شاملہ کے چاہیئے۔ یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ من فعل الطاعات و ترک السیئات کذا فی المدارک و غیرہ من التفاسیر وجاھدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون الایۃ[2]

این طلب ما بے طلب تو دادہ گنج احسان برہمہ بکشادہ

این طلب درما ہم از ایجاد تست رستن از بیداد یا رب داد تست

این قدر ارشاد تو بخشیدہ تا بدین بس عیب ما پوشیدہ

قطرہ دانش کہ بخشیدی زپیش متصل گردان بدریا ہائے خویش

کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ انہ من عمل منکم سوءا بجھالۃ ثم تاب من بعدہ واصلح فانہ غفور رحیم[3]

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ سے نہ مانگے، اللہ اس پر ناراض ہو جاتا ہے اور فرمایا دعا سے بڑھ کر خدا کے نزدیک کوئی چیز بھی معزز نہیں ہے ۱۲ [2] اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور برائیاں چھوڑ کر اور نیکی کر کے اس تک پہنچنے کا کوئی وسیلہ جاؤ ۱۲ [3] مقرر کیا ہے تمہارے رب نے اپنے آپ پر مہربانی کرنی بے شک جو تم سے جہالت کی وجہ سے برے کام کرے، پھر اس کے بعد توبہ کرے اور اصلاح کرے، تو بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے ۱۲

دردمندان گنہ را روز و شب — شربتے بہتر ز استغفار نیست
آرزومندان وصل یار را — چارہ غیر از نالہائے زار نیست

قال[1] اللہ تعالیٰ ولا تکونوا کالذین قالوا سمعنا مباشید مانند آنانکہ گفتند شنیدیم مانند اہل کتاب یا منافقان وھم لا یسمعون وحالانکہ ایشان نمی شنوند شنیدنی کہ بدان نفع گیرند پس گویا کہ نمی شنوید

گو کہ می شنوم ہرچہ گفتی سعدی — چہ شد کہ می شنوی چون سخن نمی شنوی

قال[2] اللہ تعالیٰ انما المؤمنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم واذا تلیت علیھم آیاتہ زادتھم ایمانا وعلی ربھم یتوکلون الآیۃ چہ ہر کسے کہ در سطوت غلبہ نورانیت حق مضمحل و مقہور شد او را پروائے ماسوی اللہ نمی ماند

ہر کہ او در بحر مستغرق شود — فارغ از کشتی واز زورق شود
غرقۂ دریا بجز دریا ندید — غیر دریا ہست بروے ناپدید
تو ز روزی دہ بروزی وا ممان — از سبب بگذر مسبب بین عیان
از سبب می رسد ہر خیر و شر — نیست از اسباب و سائط اے پسر
اصل بیند دیدہ چون اکمل بود — فرع بیند دیدہ چون احول بود

تفسیر[3] بیضاوی میں تحت آیت کریمہ ومن اضل ممن یدعوا من دون اللہ من لا یستجیب لہ الی یوم القیامۃ وھم عن دعائھم غافلون لانھم اما جماد واما عباد مسخرون مشتغلون باحوالھم انتہی کلام قاضی البیضاوی، واضح ہو صاحبان دانش پر کہ کفار بھی معبودان باطلہ کو برابر خدا تعالیٰ کے کسی طرح کی قدرت میں نہیں جانتے تھے، بلکہ بمجرد تشبیہ تحقیق ان سے حاجت روائی چاہتے تھے۔ سو اللہ تعالیٰ نے

---

[1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ، جو منہ سے کہتے ہیں، کہ ہم نے سنا، اور وہ حقیقت میں نہیں سنتے" یعنی ایسا سننا جس سے کوئی نفع حاصل نہ ہو ۱۲ [2] اللہ تعالیٰ نے فرمایا، مومن وہ ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے، تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں، اور جب ان پر خدا کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان زیادہ ہو جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں ۱۲ [3] تفسیر بیضاوی میں اس آیت "اور کون آدمی اس سے گمراہ تر ہے، جو اللہ کے سوا کسی اور کو پکارے، جو قیامت تک اس کو جواب نہ دے سکے، اور وہ ان کے پکارنے سے بے خبر ہیں" کے تحت لکھا ہے، کہ یا تو وہ جمادات ہیں، یا بندے ہیں، جو اپنے حال میں مشغول ہیں ۱۲

ان کو اس تشبیہ مجرد پر مشرک فرمایا جیسا کہ تفسیر بیضاوی میں تحت آیت فلا تجعلوا للہ انداداً وانتم تعلمون کے مذکور ہے تسمیۃ ما یعبدہ المشرکون دون اللہ انداداً وما زعموا انہا تساویہ فی ذاتہ وصفاتہ ولا انہا تخالفہ فی افعالہ لانہم لما ترکوا عبادتہ الی عبادتہا سموہا آلہۃ شابہت حالہم حال من یعتقد انہا ذوات واجبۃ بالذات قادرۃ علی ان تدفع عنہم بأس اللہ وتمنحہم ما لم یرد اللہ بہم الی آخر ما فی البیضاوی[1]

اور چلہ کرنا قبروں کے پاس اس نیت سے کہ بسبب مجاورت اہل قبور کے حاجت روائی ہماری ہو جاوے گی، اور اس لئے لوگ مقبرہ بزرگان میں بامید استعانت چلہ کرتے ہیں تو اس طرح کے چلہ اور عکوف اصنام میں کہ عادت کفار کی تھی کچھ فرق نہیں، دونوں برابر ہیں کیونکہ چلہ عبارت اسی سے ہے کہ کسی بزرگ کی قبر پر اقامت اور مجاورت و بود و باش رات دن کا اختیار کرنا چند روزہ، اور یہی معنی عکوف کے ہیں، تو یہ چلہ نوع شرک ہے، کہ امید نفع وضرر کا اپنی حاجت برآری کے لئے اعتقاد کر کے چلہ بیٹھتے ہیں قبروں کے پاس اور اسی پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے الزام دیا اپنی قوم کو، عکوف بر چیزے مقیم بودن و روآوردن صلہ بعلی قولہ تعالی یعکفون علی اصنام لہم ویقال فلان عکف علی فرجہ حرام و گرد چیزے برگشتن عکف الجوہر فی النظم کذا فی الصراح۔ الاعتکاف والعکوف الاقامۃ علی الشیء و بالمکان ولزومہا کذا فی مجمع البحار للشیخ العلامۃ ابن طاہر الفتنی قال اللہ تعالی[2] ما ہذہ التماثیل التی انتم لہا عاکفون۔ ترجمہ شاہ ولی اللہ والد شاہ عبدالعزیز قدس سرہما۔ چیست این صورتہا کہ شما بر آن مجاورت دارید انتہی ما فی فتح الرحمن۔ ترجمہ شاہ عبدالقادر برادر شاہ عبدالعزیز قدس سرہما، یہ کیا مورتیں ہیں جن پر تم لگے بیٹھے ہو، موضح القرآن

[1] تفسیر بیضاوی میں تحت آیت "فلا تجعلوا للہ انداداً وانتم تعلمون" کے تحت لکھا ہے، کہ مشرکوں کے معبودوں کو انداد (برابر) فرمایا ہے، حالانکہ مشرکین کا یہ عقیدہ نہیں تھا، کہ وہ صفات واحوال میں خدا کے برابر ہیں، لیکن چونکہ وہ خدا کی عبادت چھوڑ کر ان کی عبادت میں مشغول ہو گئے تھے، تو گویا ان کی حالت اس آدمی جیسی ہوئی، جو یہ عقیدہ رکھے، کہ وہ ذوات واجب بالذات ہیں، اور خدا کا عذاب روکنے اور خدا کی بندگی ہوئی نعمتوں کو عطا کر دینے کی قدرت رکھتے ہیں ۱۲

[2] اعتکاف کا معنی ہے بیٹھنا، کسی جگہ کو لازم پکڑ لینا، اللہ تعالی نے فرمایا "یہ کیا مورتیاں ہیں جن پر تم دھرنا مار کر بیٹھے ہو" ۱۲

ان العلة التی نهی النبی صلی الله علیه وسلم لاجلها عن الصلوة عند القبور انما هو لئلا یتخذ ذریعة الی نوع من الشرك بالعکوف علیها وتعلق القلوب بها رغبة ورهبة ومن المعلوم ان المضطر فی الدعاء الذی قد نزلت به نازلة فیدعو لاستجلاب خیر کالاستسقاء او لدفع شر کالاستنصار فی حالة فی افتتانه بالقبور اذا رجا الاجابة عندها اعظم من حال من یؤدی الفرض عندها فی حالة العافیة فان اکثر المصلین فی حالة العافیة لا تکاد تفتتن قلوبهم بذلك الا قلیلا اما الداعون المضطرون ففتنتهم بذلك عظیمة جدا فاذا کانت المفسدة والفتنة التی لاجلها نهی عن الصلوة مخففة فی هؤلاء کان نهیهم عن ذلك اوکد وهذا واضح لمن فقه فی دین الله وتبین له ما جاءت به الحنیفیة فی الدین الخالص لله وعلم السنة امام المتقین فی تجرید التوحید ونفی الشرك بکل طریق فلا یخلو اما ان یکون الدعاء عند القبور افضل منه فی غیر ذلك البقعة او لا یکون فان کان الافضل لم یجز ان یخفی علم هذا عن الصحابة والتابعین وتابعیهم فتکون القرون الثلثة الفاضلة جاهلة بهذا الفضل العظیم ویعلمه من بعدهم ولم یجز ان یعلموا ما فیه من الفضل ویزهدوا فیه مع حرصهم علی کل خیر لا سیما الدعاء وهم یعلمون فضل الدعاء عند القبور ثم لا یقصدونه هذا محال طبعا وشرعا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کے پاس نماز پڑھنے سے روکا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قبر پر بیٹھنے سے شرک کا ایک اور ذریعہ پیدا نہ ہو جائے، اور ان کے دلوں میں ڈر اور امید کا تعلق نہ پیدا ہو، اور یہ تو واضح بات ہے کہ مصیبت زدہ آدمی بہ نسبت عافیت والے کے جلدی فتنہ میں مبتلا ہو جاتا ہے، اور دعا کرنے والے عموماً بے قرار اور مصیبت زدہ ہی ہوتے ہیں، تو اس خطرہ سے قبر کے پاس دعا و نماز سے روک دیا گیا، کہ مبادا قبروں سے لوگ مرادیں نہ مانگنے لگیں، اب قابل غور یہ امر ہے، کہ جب اس فتنہ سے بچانے کے لئے اس نماز اور دعا سے بھی روک دیا گیا ہے، جو خدا کے سامنے ہو تو صاحب قبر سے دعا مانگنے کی نہی تو اس سے بھی زیادہ مؤکد ہو گی۔

پھر یہ بھی سوچیں، کہ دعا کے لئے سب سے بہتر جگہ قبر ہے یا کوئی اور؟ اگر قبر سب سے افضل ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ اور تابعین اور دوسرے ائمہ ہدیٰ اس سے بے خبر تھے، کیونکہ کسی نے بھی قبر کے پاس جا کر کبھی دعا نہ کی، اور یہ ناممکن ہے، کہ ایک چیز بہتر ہو اور اس کا پتہ ان لوگوں کو نہ ہو، اور اگر کوئی اور جگہ

وان لم یکن الدعاء عندها افضل کان قصد الدعاء عندها ضلالۃ ومعصیۃ کما لو تحری الدعاء وقصدها عند سائر البقاع التی لا فضیلۃ للدعاء عندها وهذا الدلیل قد دل علیہ کتاب اللہ فی غیر موضع مثل قولہ تعالیٰ ام لهم شرکاء شرعوا لهم من الدین مالم یاذن بہ اللہ فاذا لم یشرع اللہ استحباب الدعاء عند المقابر ولا وجوبہ فمن شرعہ فقد شرع من الدین مالم یاذن اللہ وقال اللہ تعالیٰ انما حرم ربی الفواحش ما ظهر منها وما بطن والاثم والبغی بغیر الحق وان تشرکوا باللہ مالم ینزل بہ سلطانا وان تقولوا علی اللہ ما لا تعلمون وهذہ العبادۃ عند المقابر نوع من ان نشرک باللہ ما لم ینزل بہ علیکم سلطانا لان اللہ لم ینزل حجۃ تتضمن استحباب قصد الدعاء عند القبور وفضلہ علی غیرہ ومن جعل ذلک دین اللہ فقد قال علی اللہ مالم یعلم ثم اصحاب ابی حنیفۃ رح الذین ادرکوہ مثل ابی یوسف ومحمد وزفر والحسن بن زیاد وطبقتهم لم یکونوا یتحرون الدعاء لا عند قبر ابی حنیفۃ رح ولا غیرہ انتهی ما فی الصراط المستقیم لشیخ الاسلام احمد بن عبدالحلیم وهکذا فی صواعق الالٰهیۃ لعلامۃ القنوجی محمد بشیر الدین رحمۃ اللہ علیہ

طالب الحسنیین سید محمد نذیر حسین	از شریعت سید الکونین شد شریف حسین
الجواب صحیح وخلافہ قبیح	محمد عبدالحلیم — محمد حفیظ اللہ

محمد یوسف

جواب مجیب صحیح ہے، جو اس پر بھی نہ سمجھے تو جہل ہے خدا نے مہر ہے دل پر لگائی

محمد غلام اکبر خان سنی حنفی

ہست منصور علی از احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم، محمد حسن قادری وغفوری

محمد صدیق

بہتر ہے، مثلاً مسجد وغیرہ تو پھر دعا اور نماز اس جگہ ہونی چاہیئے، نہ کہ قبر کے پاس، یہ دین میں ایسی ایجاد ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں فرمائی، پھر امام ابو حنیفہ رح کے تمام شاگردوں میں سے کسی ایک نے بھی امام ابو حنیفہ رح کی قبر کے پاس جا کر دعا نہ کی ۱۲۔

سوال: قبر میں منکر نکیر کے سوال کے وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مردے کے پاس تشریف لانا ثابت ہے یا نہیں؟ اور در صورتے کہ ثابت نہ ہو، تو جو شخص ایسا اعتقاد رکھے، از روئے شریعت کے اس پر کیا حکم ہوگا؟

الجواب: وقت سوال منکر نکیر کے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا کسی حدیث یا آثار سے ثابت نہیں، اور اعتقاد رکھنے والا اس کا گمراہ ہے۔ حررہ ابو الطیب محمد شمس الحق عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین	ابو الطیب ۱۲۹۵ محمد شمس الحق

سوال: ما قولھم رحمھم اللہ اندریں صورت کہ بعضے کسان بعد صلوٰۃ مغرب یازدہ قدم بطرف عراق میروند برائے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ و می گویند کہ این عمل فرمودہ آن جناب است و معمول بہ است در طریقہ قادریہ چہ حکم است، فاعل آن مرتکب صغیرہ است یا کبیرہ یا کفر یا مستحب یا مباح۔

الجواب: باید دانست کہ فضائل و کمالات حضرت شیخ محی الدین ابو محمد عبد القادر جیلانی و مناقب و مفاخر ایشان مثل آفتاب است و کمالات و کرامات ایشان بحد تواتر رسیدہ، تا آنکہ گفتہ اند ما بلغ مبلغہ احد من شیوخ الآفاق در علم و عمل و زہد و تقوےٰ و حقائق و معارف اکمل کاملین و مقبول بارگاہ رب العالمین بودند و عظمت و جلالت مرتبہ ایشان بنا بر آن است کہ در اتباع سنت و تمسک بکتاب اللہ و رسولہ و تثبت فیما شرع اللہ و رسولہ و اقتفاء بسیرت و اعمال صحابہ عظام و لوقی

سوال: بعض آدمی مغرب کی نماز کے بعد شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی حضوری کی نیت سے عراق کی طرف منہ کر کے گیارہ قدم چلتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ نے اس طریقہ کی خود تعلیم فرمائی ہے، اور طریقہ قادریہ میں اس پر عمل کیا جاتا ہے، اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ ایسا کرنے والا گناہ صغیرہ کا مرتکب ہے یا کبیرہ کا، یا یہ فعل کفر ہے یا مستحب یا مباح؟

الجواب: حضرت شیخ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل و کمالات بے حد و بے حساب ہیں ان کی کرامات حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں، یہاں تک کہ مشائخ کا اس پر اجماع ہے، کہ جس مقام پر حضرت شیخ پہنچے ہیں، مشائخ میں سے کوئی بھی اس مقام تک نہیں پہنچا، یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ان کو یہ کمال اس لئے عطا ہوا، کہ وہ انتہا درجہ کے متبع سنت تھے، بدعات سے بے حد نفور تھے، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور سیرت صحابہ و تابعین سے تمسک کرنے میں بہت زیادہ مبالغہ کرتے تھے، عبادات میں اخلاص اور

نام از محدثات امور و توکل و اعتماد در جمیع احوال بر خدائے جل شانہ و اخلاص کامل در طاعات استقامت تمام داشتند، پس امرے کہ خلاف این امور قولاً یا فعلاً از آنجناب مروی و منقول شود، آن را مسلم نباید داشت، کہ از اکابر دین این چنین نباید مثل آنکہ از آنجناب روایت کردہ اند کہ ہر کہ بعد نماز مغرب یازدہ قدم جانب عراق بہ تعظیم تمام حرکت کند و در سے توجہ بدان طرف آوردہ نام من بر زبان آرد و حاجت خود خواہد حاجت او روا گردد چرا کہ این فعل خلاف ماثبت بالکتاب والسنۃ وطریقۃ الخلفاء الراشدین المہدیین است، کہ فرمود در حق آنہا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی و ہم بر طبق سیرت و عمل دیگرے از اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبودہ کہ در حق آنہا وارد شدہ اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم بلکہ از ہیچ یک تابعین و دیگر مشائخ کرام و ائمہ عظام مثل آن منقول و مروی نیست۔

وایں کہ عوام این عمل را از اعمال مشائخ می گویند قابل التفات نیست، چہ کسے از مشائخ کرام کہ اہل علم و فقہاء و ائمہ دین اند مثل آن تصریح نہ کردہ و قول و فعل بعضے غیر موثوق بہ معمول بہ نتواند شد، اتباع سواد اعظم می باید، واگر ہم چو عمل موجب ثواب و قربت الی اللہ بودے ہر آئینہ سلف کرام بلکہ خود حضرت عبدالقادر جیلانی تقدیم آن سمت مدینہ منورہ اختیار کردندے، زیرا کہ ہیچ یک مزار بر صفحہ زمین بزرگتر از مزار فائض الانوار حضرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نبودہ و صحابہ رضی اللہ عنہم در محبت و تعظیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نسبت بما مردم

استقامت رکھتے تھے، اگر کوئی ایسا فعل ان کی طرف منسوب کیا جائے جو سنت کے برخلاف ہو تو اس کو کبھی بھی تسلیم نہیں کیا جائے گا، مثلاً یہی کہ آنجناب نے فرمایا ہے، کہ جو شخص نماز کے بعد عراق کی طرف گیارہ قدم چلے اور ہر قدم پر میرا نام لے اور اپنی حاجت مانگے، تو اس کی حاجت پوری ہو جائے گی، کیونکہ یہ فعل کتاب اللہ سنت رسول اللہ اور طریقہ خلفاء راشدین کے خلاف ہے، نہ تو خلفاء راشدین میں سے کسی نے ایسا کیا، اور نہ دوسرے صحابہ نے بلکہ کسی تابعی اور کسی دوسرے مشائخ سے بھی ایسا منقول نہیں ہے، اگر کوئی غیر معتبر آدمی ایسی بات کہہ دے، تو اس کا اعتبار نہ کرنا چاہیے، بلکہ خود حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایسا نہ کیا اگر ایسا فعل جائز ہوتا، تو بلا شبہ آپ مدینہ منورہ کی طرف منہ کر کے گیارہ قدم چلتے، کیونکہ یہ تو ہر ایک کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے زیادہ کوئی متبرک مزار نہیں ہے، اور نہ ہی کسی اور نبی کے مزار

غالب تر ودر تحصیل ثواب وابتغاء مرضات اللہ حریص تر بودند۔

الحاصل بعد صلوٰۃ مفروضہ انحراف از قبلہ کردن وتعیین سمت مزار ہیچیک از نبی یا ولی نمودن وقدمے چند بہ ہیئت نماز گزارندگان یا تعظیم کنندگان بآن طرف رفتن وتذلل وخشوع تمام نمودن ہرگز درست نیست، اگرچہ بعضے علماء این فعل را شرک وکفر گفتہ اند، چنانچہ روایات آن مرقوم می شوند، مگر چون حکم کفر بدون جزم این معنی کہ مرتکب این فعل مرآن شخص را، کہ روے التجا بوے آوردہ مؤثر تام وحاجت روائی مستقل انگاشتہ نمی تواند شد، لامحالہ این فعل حرام واثم وگناہ عظیم است۔

فی دافع المبطلین من تصنیف الفاضل الکامل علامۃ الوری افضل المتاخرین ابراہیم بن محمود البلخی الحنفی رحمہ اللہ ما قول ائمۃ الدین رضی اللہ عنہما جمعین اندر آنچہ جماعت عادت خود ساختہ اند بر آن اصرار مے نمایند وممتنع نمی شوند وحجت می گیرند کہ در شہرہائے معظم چنین می کنند، ما نیز ہم چنین می کنیم مثل فلان فلان مشائخ ومثل ضرب اقدام نحو عراق بعد صلوٰۃ آیا مجرد این قول حجت می شود، یا نے، واین فعل از حرمت بدر آید یا نہ والشان معذور باشند یا نہ

جواب: نے "کتبہ محمد بن محمود الکشانی رحمہ اللہ" نے "کتبہ ابو المفاخر بن محمود البلخی رحمہ اللہ" نے "کتبہ محمد بن طاہر بخاری" نے "کتبہ یوسف بن محمد سمرقندی" نے "کتبہ المظفر بن منصور البلخی" نے "کتبہ محمد بن فخر الدین الحلواتی" نے "کتبہ عبد العزیز بن نجم الدین شیرازی" نے "کتبہ ابراہیم بن اسمٰعیل النیشاپوری" نے "کتبہ محمد بن ابی بکر الہندی" نے "کتبہ علی بن محمد بن قاضی حمید الدین ناگوری۔

ہکذا فی محک الطالبین فی فضل زیارۃ القبور للشیخ محمد سعید القادری المعروف بعبد السلام حسام الدین ابن حبیب العلوی الاموری الجلالی العربی ثم الکوری رحمۃ اللہ علیہ قال القاضی شہاب الملۃ والدین قد قررنا من

کی طرف آپ نے منہ کیا، تو ایسا کام کرنا ہرگز جائز نہیں بعض علماء نے تو اس کو کفر و شرک کہا ہے، اور بعض علماء نے اس کو گناہ کبیرہ کہا ہے، چنانچہ علامہ ابراہیم بن محمود بلخی حنفی کی کتاب "دافع المبطلین" میں اس کے متعلق ایک فتوی نقل کیا ہے جس پر کئی علماء کے دستخط ہیں، اور ان سب علماء نے اس کو ناجائز کہا ہے۔

اسی طرح محمد سعید قادری معروف بعبد السلام رحمۃ اللہ علیہ نے "محک الطالبین" میں لکھا ہے

قبل ان ضرب الاقدام بعد الصلوٰۃ نحو العراق کفر قائلہ وفاعلہ واقعان فی جریمۃ عظیمۃ ھکذا نقل من تحقیق احکام الفتاوی فی مدارج السالکین شرح منازل السائلین وما افتری علی المشائخ العظام من نحو ضرب الاقدام بعد الصلوٰۃ نحو العراق فھو کفر اولئک الذین یعلم اللہ ما فی قلوبھم فاعرض عنھم وعظھم وقل لھم فی انفسھم قولا بلیغا تا الھم ما بعد ھم عن حقیقۃ الایمان۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم نمقہ العبد المسکین محمد صدر الدین اعطی اللہ کتابہ بیمینہ فی یوم الدین۔

محمد صدر الدین	سید محمد نذیر حسین	
قاضی محمد فضل الرحمن خان ۱۲۶۱	محمد بشیر الدین قنوجی	محمد برکت اللہ ۱۲۶۵
سید محبوب علی جعفری	فقیر غلام علی خادم شرع جلی	محمد بن بارک اللہ

سوال:۔ ضرب الاقدام نحو العراق یعنی یازدہ قدم زدن بسوئے عراق وندا کردن نام ہائے شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بر ہر قدم کہ بعمل بعض صوفیہ این زمان است وعند السوال بعضے روایت بہجۃ الاسرار وغیرہ می آرند ملتمس از محققین ومحدثین آنکہ جواز وعدم جواز این فعل مذکور بوجہ تحقیق بیان فرمایند جزاھم اللہ عنا وعن سائر المسلمین خیر الجزاء۔

الجواب:۔ درصورت مرقومہ برارباب فطانت واصحاب دیانت مخفی نیست کہ آنچہ در بہجۃ الاسرار جواز ضرب الاقدام منقول است از الحاقات بعض فسقہ مبتدعین باشد، برائے اغوائے عوام چہ بسیارے از مفترین مغوین درکتاب ثقات

کہ عراق کی طرف نماز کے بعد چند قدم چلنا کفر ہے، اس کا قائل وفاعل بہت بڑے گناہ کا مرتکب ہے منازل السائلین کی شرح مدارج السالکین میں بھی اسی طرح فتوی دیا گیا ہے، اور اس کو کفر کہا ہے، اللہ تعالی ایسے لوگوں کو ہدایت دے، یہ لوگ ایمان کی حقیقت سے کتنے دور جا پڑے ہیں، واللہ اعلم۔

سوال:۔ عراق کی طرف گیارہ قدم چلنا اور ہر قدم پر شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو پکارنا، جیسا کہ اس زمانے کے بعض صوفیوں میں مروج ہے، اور سوال کرنے پر وہ بہجۃ الاسرار کی ایک عبارت اس کے جواز میں پیش کرتے ہیں، سو علمائے محققین سے گذارش ہے، کہ اس کے جائز یا ناجائز ہونے کے بارے میں بوجہ تحقیق جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب:۔ بہجۃ الاسرار کے حوالے سے جو عبارت نقل کی جاتی ہے، وہ عبارت اصلی نہیں ہے، بلکہ

از طرف خود خرافات درج کردہ، چنانکہ در بعضے تصانیف شیخ اکبر و بعضے تصانیف شیخ عبدالوہاب شعرانی وغیرہ این چنین الحاقات منکرہ یافتہ شد کما تیقنا ان بعض الیہود افتراہا علی الشیخ قدس سرہ انتہی ما فی الدر وتنبیہ الغبی فلیس اول قارورۃ کسرت فی الاسلام۔

ولہذا احمد عبدالقادر کابلی در رسالہ قادریہ مصنفہ خود کہ قریب ہفت ہشت جزء است، در حرمت ضرب الاقدام از مہر و دستخط سی چہل علماء ثقات بخارا وسمرقند وخوارزم وہرات وغیرہ نقل کردہ، بلکہ فاعل آن راکہ بوجہ عبادت بعمل می آرد وحاجت روائی ومشکل کشائی خود در آن پندارد کافر نوشتہ۔ واین رسالہ مذکورہ قبل جنگ آزادی درین جا موجود بود در ایام جنگ آزادی بتاراج رفت، وہم چنین در نافع المرشدین ومدارج السالکین وشرح منازل السالکین ومشارق شرح رقیمیہ وغیرہ مذکور است۔ مسئلۃ ضرب الاقدام الی العراق کفر کما ہو دأب بعض المفترین علی المشائخ الکرام قدس اسرارہم ۱۲، مدارج السالکین من ضرب الاقدام بعد الصلوۃ علی زعم ان ہذا زیارۃ فہو کافر وعلیہ الفتوی نقل من مشارق ۱۲ ضرب الاقدام نحو العراق من انواع الکفر لانہ عبادۃ والعبادۃ لغیر اللہ کفر ۱۲ نافع المرشدین۔ ومن اعتقد بتحلیل ضرب الاقدام بعد الصلوۃ للشیخ عبدالقادر الجیلانی قدس سرہ فہو کافر وعلیہ الاعتماد کذا قال ملا رشید فی شرح منازل السالکین ۱۲

بعض بدعتی اور فاسق لوگوں نے اس کتاب میں ملا دی ہے، جیسا کہ عوام کو گمراہ کرنے کے لئے معتبر لوگوں کی کتابوں میں اپنی طرف سے عبارتیں شامل کی گئی ہیں، چنانچہ شیخ اکبر اور علامہ عبدالوہاب شعرانی کی بعض کتابوں میں ایسی عبارتیں پائی جاتی ہیں، در اور تنبیہ الغبی میں لکھا ہے کہ وہ عبارتیں بعض یہودیوں نے ان کتابوں میں شامل کی تھیں۔

علامہ عبدالقادر کابلی نے اپنے رسالہ "قادریہ" میں جو کہ قریباً سو سوا سو صفحات کا رسالہ ہے اس مسئلہ پر مفصل بحث کی ہے، اور پھر اس پر بخارا، سمرقند، خوارزم اور ہرات کے چالیس چوٹی کے علماء کے دستخط کرا کے ہیں مہریں لگوائی ہیں، اس رسالہ میں اس فعل کو کفر کہا گیا ہے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے پہلے ہمارے پاس بھی اس کا ایک قلمی نسخہ موجود تھا لیکن جنگ آزادی میں وہ لوٹ مار میں ضائع ہو گیا۔

اس کے علاوہ نافع المرشدین، مدارج السالکین، منازل السالکین، مشارق شرح رقیمیہ وغیرہ میں اس فعل کو صریحاً کفر لکھا ہے

قطع نظر ازیں کل قول وفعل بلا دلیل مردود علی صاحبہ لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام من عمل عملا لیس علیہ امرنا فھو رد کذا فی صحیح البخاری وغیرہ من کتب الحدیث ودلیل مانعین مکفرین این است، کہ این عمل کنندگان بمقابلہ ہر قدم یک اسم مقرر کردہ اند کہ بآن اسم ندا مے کنند، وحاجت خود از پیران پیر مے طلبند وباین الفاظ ندا می نمایند یا قاضی الحاجات، یا دافع البلیات یا کاشف الکربات وعلی ھذا القیاس، ظاہر است کہ این صفات خاصہ خدائے تعالے است، بلا ریب ازین اعتقاد شرک جلی لازم مے آید، ودر ورطہ پیر پرستی می افتند، و از نہی لا تدعوا مع اللہ احدا محض غافل اند، وغیر خدارا درین صفات ہمسر خدا می کنند کما قال اللہ تعالی ومن اضل ممن یدعوا من دون اللہ من لا یستجیب لہ الی یوم القیمۃ وھم عن دعائھم غافلون لانھم اما جماد واما عباد متشغلون باحوالھم کذا فی البیضاوی قال اللہ تعالی والذین اتخذوا من دونہ اولیاء ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی وقال اللہ تعالی اولئک الذین یدعون یبتغون الی ربھم الوسیلۃ ایھم اقرب ویرجون رحمتہ ویخافون عذابہ ان عذاب ربک کان محذورا الایۃ۔ پس مومن باللہ والیوم الآخر را واجب کہ بمضامین آیات کریمہ مذکورہ بالا عمل نماید واز شرک جلی وخفی واعمال بدعیہ بسیار حذر و اجتناب نماید، تا ذائقہ ایمان وتوحید خالص دریابد وما علینا الا البلاغ واز اقوال وافعال بدعیہ فرسنگہا بگریزد، وجہلاء مبتدعین برا کا بر افترائے وبہتان می بندند بسبے

اس کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، کہ اگر کوئی ایسا کام دین میں پیدا کرے، جس پر ہمارا حکم نہیں ہے، تو وہ کام مردود ہے، اور جن لوگوں نے ایسا کام کرنے والوں کو کافر کہا ہے، ان کا استدلال یہ ہے کہ ایسا کام کرنے والوں نے ہر قدم کے لئے کچھ الفاظ بنا رکھے ہیں، جن سے شیخ عبدالقادر کو پکارتے ہیں، وہ صریحا شرک ہیں، مثلاً یا قاضی الحاجات یا دافع البلیات یا کاشف الکربات وعلی ہذا القیاس، اور یہ تمام خداوندی صفات ہیں جن کو شیخ عبدالقادر کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

خداوند تعالی نے قرآن مجید میں غیروں کو پکارنے سے منع فرمایا ہے، پس مومن کو چاہیے، کہ آیات قرآنیہ کے مطابق عمل کرے، اور شرک جلی وخفی سے پوری طرح پرہیز کرے، اور بدعت کے افعال واقوال سے دور بھاگے، اور گمراہوں کے الزامات اور دروغ گوئیوں پر مطلق توجہ نہ کرے، واللہ اعلم۔

انیاں التفات نہ کند، در باب توحید تمسک بکتاب و سنت باشد تا از دنیا سلامت برد۔
واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ سید محمد نذیر حسین
سید محمد نذیر حسین — محمد قطب الدین

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان مسائل میں :۔
(۱) قرآن شریف کلام الٰہی صفت قدیم قائم بالذات غیر مخلوق ہے یا نہیں، اور جو شخص اس کو مخلوق کہے وہ کافر ہے یا نہیں؟
(۲) اور کلام الٰہی جو صفت قدیم اور قائم بالذات ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے، آیا یہ کلام مجازی ہے یا حقیقی؟
(۳) اور رسالہ استوا میں جو نواب صدیق حسن صاحب نے بنایا ہے، وہ حق ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ واضح ہو کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولی ونصلہ جھنم وساءت مصیرا (ترجمہ) جو شخص مخالفت کرے رسول کی پیچھے اس کے کہ ظاہر ہو جاوے واسطے اس کے ہدایت، اور تابعداری کرے سوائے راستہ مومنوں کے پھیر دیتے ہیں ہم اس کو جدھر پھرا، اور داخل کریں گے ہم اس کو جہنم میں، اور وہ برا ٹھکانا ہے، اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد یعنی جو شخص ہمارے دینی امر میں کوئی نئی بات نکالے، جو پہلے اس میں نہ تھی، سو وہ مردود ہے، لہٰذا اب ہم قرآن و حدیث و اجماع و قیاس سے اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ جو شخص کہے، کہ قرآن اللہ کا کلام حقیقی نہیں، بلکہ اللہ کا کلام نفسی ہے، یا کہے کہ قرآن مخلوق ہے یا کہے، کہ اللہ کا کلام کلمات اور حروف اور آواز سے پاک ہے، تو ایسے شخص کو علماء نے کافر بھی لکھا ہے۔

قرآن شریف۔ تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض منھم من کلم اللہ ترجمہ۔ یہ رسول فضیلت دی ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر بعض ان میں سے ایسے ہیں کہ کلام کیا ان سے اللہ نے، اور فرمایا وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی۔ ترجمہ۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی خواہش سے بنا کر نہیں بولتا، نہیں یہ مگر وحی جو بھیجی جاتی ہے اس کی طرف، اور فرمایا ان ھذا الا قول البشر سا صلیہ سقر یعنی وہ کافر کہتا ہے، کہ نہیں یہ قرآن

مگر عبادت اور کلام آدمی کا سو ضرور داخل کروں گا میں اس کو جہنم میں، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وکلم اللہ موسی تکلیما اور فرمایا فتلقی آدم من ربہ کلمات فتاب علیہ اور فرمایا قل لو کان البحر مدادا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی و لو جئنا بمثلہ مددا اور فرماتا ہے برسٰلاتی وبکلامی اور فرمایا وناديناه من جانب الطور الایمن وقربناہ نجیا اور ایک کلام ہے اور ایک صفت کلام، یعنی کلام کرنے کی قدرت، سو جیسے اللہ کی ذات پاک قدیم ہے، اس کی قدرت بھی قدیم ہے، اور کلام حادث ہے، اللہ فرماتا ہے، ما یاتیھم من ذکر من ربھم محدث یعنی نیا، اور جان لینا چاہیئے، کہ ہر مخلوق حادث ہے، اور ہر حادث مخلوق نہیں، امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب الرد علی الجہمیہ میں جو کہ مطبع فاروقی میں تفسیر جامع البیان کے آخر میں چھپی ہے فرماتے ہیں، قولہ ما یاتیھم من ذکر من ربھم محدث انما ھو محدث الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یعلم فعلمہ اللہ تعالیٰ فلما علمہ اللہ تعالیٰ کان ذلک محدثا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حدیث شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ من قرا حرفا من کتاب اللہ فلہ بہ حسنۃ والحسنۃ بعشر امثالھا لا اقول الم حرف الف حرف ولام حرف ومیم حرف۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ سے ترمذی اور دارمی میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ جو شخص کتاب اللہ سے ایک حرف پڑھے اس کو ایک نیکی ہے، اور نیکی کا ثواب دس گنا تک دیا جاتا ہے، میں نہیں کہتا، کہ الم ایک حرف

لہ اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے بول کر کلام کی ۱۲ ؎ سو آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھ لئے، پھر اس نے آدم کی توبہ قبول کر لی ۱۲ ؎ آپ کہہ دیں کہ اگر سمندر میرے رب کے کلمات کے لئے سیاہی بن جائیں، تو میرے رب کے کلمات کے ختم ہونے سے پہلے پہلے سمندر ختم ہو جائیں گے اگرچہ ان کی مدد کے لئے اتنے سمندر اور بھی آجائیں ۱۲ ؎ میں نے تجھ کو اپنی پیغمبری اور اپنی کلام سے سرفراز کیا ۱۲ ؎ ہم نے اس کو طور کی دائیں جانب سے آواز دی، اور اسے مشورہ کے لئے اپنے قریب کر لیا ۱۲ ؎ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جب بھی کوئی نیا ذکر آتا ہے ۱۲ ؎ اللہ تعالیٰ کا قول کہ نہیں آتا ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے کوئی نیا ذکر، بات صرف یہ ہے، کہ وہ "نیا" نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے ہے، کیونکہ آپ اس کو اس سے پہلے نہیں جانتے تھے، سو اللہ تعالیٰ نے ان کو معلوم کرایا، تو جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو معلوم کرایا، تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نیا ہوا ۱۲

ہے۔ الف ایک حرف ہے، اور لام دوسرا حرف ہے، اور میم تیسرا حرف ہے، پس ندا دینا اور بچیا گیں تو آواز ثابت ہوتی، اور اس حدیث سے حرف ثابت ہوگئے، اور حضرت نے فرمایا ہے، کہ جو شخص کسی جگہ اترے اور کہے اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق تو وہاں سے کوچ کرنے تک امن میں رہے گا، اس حدیث سے کلمات ثابت ہوئے۔

قیاس جب اللہ تعالیٰ قدیم ہوا، تو اس کی صفات بھی قدیم ہوں گی، اور بالاتفاق کلام اللہ، اللہ کی صفت ہے، اس کے ساتھ قائم ہے، تو کلام قدیم ٹھہرا، اور جب اللہ کے ساتھ قائم ہے، اور اللہ غیر مخلوق ہے تو اس کا کلام بھی غیر مخلوق ہے، اور قرآن اللہ کا کلام ہے غیر کا کلام نہیں، اور قائم بھی اللہ کے ساتھ ہے، غیر کے ساتھ نہیں، کئی وجہ سے۔

احدھا انہ یلزم الجھمیۃ علی قولھم ان یکون کل کلام خلقہ اللہ کلاما لہ اذ کا معنی نکون القران کلام اللہ الا کونہ خلقہ وکل من فعل کلاما ولو فی غیرہ کان متکلما بہ عندھم ولیس للکلام عندھم مدلول یقوم بذات الرب تعالیٰ لوکان مدلول قائما یدل لکونہ خلق صوتا فی محل وان لیل یجب طردہ فیجب ان یکون کل صوت یخلقہ لہ کذلک وھم یجوزون ان یکون الصوت المخلوق علی جمیع الصفات فلا یبقی فرق بین الصوت الذی ھو کلام اللہ علی قولھم والصوت الذی لیس ھو بکلام۔

الثانی ان الصفۃ اذا قامت بمحل کالعلم والقدرۃ والکلام والحرکۃ

لے میں ہر اس چیز کی برائی سے جو اللہ نے پیدا کی ہے، خدا کے پورے کلمات سے پناہ لیتا ہوں ۱۲

جہمیہ کہتے ہیں، کہ ہر وہ کلام جس کو خدا تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، وہ حقیقت میں اسی کا کلام ہے، اور قرآن کے کلام اللہ ہونے کا مطلب بھی یہی ہے، کہ یہ اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے، اور جو بھی کلام کا فاعل ہے اگرچہ غیر ہی کیوں نہ ہو، وہ ان کے نزدیک اس کا متکلم ہے، اور ان کے نزدیک کلام کا کوئی مدلول ایسا نہیں ہے جو رب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہو، اور اگر کوئی مدلول ہے بھی تو وہ صرف یہی دلالت کرے گا، کہ اس نے آواز کو کسی جگہ میں پیدا کیا، اور دلیل کا بیان کرنا ضروری ہے تو جہمیہ پر الزام قائم ہوگا، کہ اگر ہر مخلوق آواز اسی کی ہے، اور آواز اپنی ہر صفت کے لحاظ سے مخلوق ہے، تو پھر اس آواز میں جو اللہ کا کلام ہے، اور اس آواز میں جو اس کا کلام نہیں ہے کیا فرق ہوگا؟

دوسرا الزام ان پر یہ ہے کہ جب کوئی صفت کسی محل کے ساتھ قائم ہو جیسے علم یا قدرت اور کلام وغیرہ تو

حکمہ الی ذلک المحل ولا یعود حکمہ الی غیرہ

الثالث ان مشتق المصدر منہ اسم الفاعل والصفۃ المشبھۃ بہ ونحو ذلک ولا یشتق ذلک لغیرہ وھذا کلہ بین ظاھر وھو مما یبین قول السلف والائمۃ ان من قال ان اللہ خلق کلاما فی غیرہ لزمہ ان یکون حکم المتکلم عائدا الی ذلک المحل لا الی اللہ۔

الرابع ان اللہ وکد تکلیم موسی بالمصدر فقال تکلیما قال غیر واحد من العلماء التوکید بالمصدر ینفی المجاز لئلا یظن انہ ارسل الیہ رسولا او کتب الیہ کتابا بل کلمہ منہ الیہ۔

الخامس ان اللہ فضل موسی بتکلیمہ ایاہ علی غیرہ ممن لم یکلمہ وقال ما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولا الآیۃ فکان تکلیم موسی من وراء الحجاب وقال یموسی انی اصطفیتک علی الناس برسالتی وبکلامی وقال انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ الی قولہ وکلم اللہ موسی تکلیما والوحی ما نزلہ اللہ علی قلوب الانبیاء بلا واسطۃ

تو اس کا حکم اسی محل کی طرف منسوب ہوگا، نہ کہ غیر کی طرف

تیسرا یہ کہ مصدر سے جب اسم فاعل یا صفت مشبہ مشتق ہو، تو وہ اسی فاعل کے لئے ہوتا ہے نہ کہ غیر کے لئے اور یہ سب باتیں بالکل واضح ہیں، اور سلف اور ائمہ کے اقوال کی تائید کرتی ہیں جو کہتے ہیں، کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کلام کو غیر میں پیدا کریں، تو وہ کلام اسی کی طرف منسوب ہوگی، نہ کہ خدا تعالیٰ کی طرف،

چوتھا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام کرنے کو مصدر سے مؤکد کیا ہے، اور علماء کا مذہب ہے کہ جب مصدر سے تاکید ہو، تو مجاز کی نفی ہوتی ہے تاکہ کوئی یہ خیال نہ کرے، کہ شاید اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف کوئی فرشتہ بھیجا ہو، یا آپ کو کوئی کتاب لکھ کر بھیج دی ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے بول کر کلام کیا

پانچویں بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فضیلت بخشی ہے، اور فرمایا ہے، کہ کسی آدمی کی یہ شان نہیں ہے، کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے، مگر وحی کے ذریعہ یا پردے کے پیچھے اور یا پھر کوئی فرشتہ بھیج دے الآیۃ اور موسیٰ علیہ السلام سے یہ گفتگو پردے کے پیچھے ہوئی، اور فرمایا، اے موسیٰ میں نے تجھے لوگوں پر اپنی رسالت اور کلام سے فضیلت عطا فرمائی، اور فرمایا ہم نے تیری طرف اسی طرح سے وحی کی ہے، جیسے کہ نوح کی طرف وحی کی تھی، اور اس کے بعد کے نبیوں کی طرف، یہاں تک کہ فرمایا، اللہ نے موسیٰ سے بول کر کلام کیا، وحی تو وہ ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نبیوں کے دلوں پر بلا واسطہ القا

فلو کان تکلیمہ لموسی انما ھو صوت خلقہ فی الھواء لکان وحی الانبیاء افضل منہ لان اولئک عرفوا المعنی المقصود بلا واسطۃ وموسی انما عرفہ بواسطۃ اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اور ائمہ اربعہ وغیرہ سب مجتہدین متقدمین میں سے کسی شخص نے نہیں کہا، کہ اللہ کی کلام کلام نفسی ہے، لہٰذا اللہ کے کلام کو کلام نفسی کہنا تکییف ہے، اور تکییف بالاتفاق باطل ہے۔

اجماع سلف - امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں۔ لم یزل متکلما بکلامہ والکلام صفۃ فی الازل وخالقا بتخلیقہ والتخلیق صفۃ فی الازل و فاعلا بفعلہ والفعل صفۃ فی الازل والفاعل ھو اللہ تعالی والفعل صفۃ فی الازل والمفعول مخلوق وفعل اللہ تعالی غیر مخلوق وصفاتہ فی الازل غیر محدثۃ ولا مخلوقۃ فمن قال انہا مخلوقۃ او محدثۃ او وقف فیہا او شک فیہما فھو کافر باللہ تعالی والقرآن فی المصاحف مکتوب وفی القلوب وعلی الالسن مقروء وعلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم منزل ولفظنا بالقرآن مخلوق وکتابتنا و قراءتنا لہ مخلوق والقرآن غیر مخلوق۔

پھر کہا وکلام اللہ تعالی غیر مخلوق وکلام موسی وغیرہ من المخلوقین مخلوق

کرتے ہیں، اگر موسیٰ علیہ السلام سے کلام کرنے کا مطلب یہ ہو کہ اللہ تعالےٰ نے اس آواز کو ہوا میں پیدا کیا ہو تو دوسرے نبیوں سے آپ کی وحی بہتر ہو گی، کیونکہ انہوں نے معنی مقصود کو بلا واسطہ معلوم کیا ہے، اور موسیٰ علیہ السلام نے ہوا کے واسطہ سے۔

اللہ تعالےٰ ہمیشہ سے اپنے کلام کے ساتھ متکلم رہا ہے، اور کلام اس کی ازلی صفت ہے، اور وہ اپنی تخلیق کے ساتھ خالق ہے، اور تخلیق اس کی ازلی صفت ہے، اور اپنے فعل کے ساتھ فاعل ہے، اور فعل اس کی ازلی صفت ہے، اور فاعل اللہ تعالےٰ ہے، اور فعل اس کی ازلی صفت ہے، اور مفعول مخلوق ہے، اور اللہ کا فعل غیر مخلوق ہے، اور اس کی تمام صفتیں ازلی ہیں، حادث اور مخلوق نہیں ہیں، جو شخص صفات کو مخلوق یا حادث کہے یا اس کے متعلق اسے شک ہو وہ اللہ کا منکر ہے، اور قرآن کتاب کی صورت میں لکھا گیا ہے، دلوں میں محفوظ ہے، زبانوں سے پڑھا جاتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا ہے، قرآن پڑھتے وقت ہمارے اپنے الفاظ مخلوق ہیں اور ہماری کتابت اور تلاوت مخلوق ہے اور قرآن غیر مخلوق ہے

اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے، اور موسیٰ علیہ السلام اور دوسری مخلوقات کی کلام مخلوق ہے، اور قرآن اللہ کا کلام ہے

والقرآن کلام اللہ تعالیٰ فھو قدیم لا کلام ھم و سمع موسی کلام اللہ تعالیٰ کما قال اللہ تعالیٰ وکلم اللہ موسی تکلیما وقد کان اللہ تعالیٰ متکلما ولم یکن کلم موسی واما مالک بن انس رحمہ اللہ تعالیٰ فنقل عنہ من غیر وجہ الرد علی من یقول القرآن مخلوق واستتابتہ وھذا المشہور عنہ متفق علیہ بین اصحابہ واما احمد بن حنبل فکلامہ فی مثل ھذا مشہور متواتر وھو الذی اشتہر بمحنۃ ھؤلاء الجہمیۃ وکذلک قال الشافعی لحفص الفرد وکان من اصحاب ضرار بن عمرو ممن یقول القرآن مخلوق فلما ناظر الشافعی وقال لہ القرآن مخلوق قال لہ الشافعی کفرت باللہ العظیم ذکرہ ابن ابی حاتم فی الرد علی الجہمیۃ وروی عن علی بن ابی طالب من وجہین انہم قالوا لہ یوم صفین حکمت رجلین فقال ما حکمت مخلوقا ما حکمت الا القرآن وعن عکرمۃ قال کان ابن عباس رضی فی جنازۃ فلما وضع المیت فی لحدہ قام رجل وقال اللہم رب القرآن اغفر لہ فوثب الیہ ابن عباس رض فقال مہ القرآن منہ وعن عبد اللہ بن مسعود رض من حلف بالقرآن فعلیہ بکل آیۃ

اور قدیم ہے، نہ کہ لوگوں کا کلام، اور موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا کلام سنا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اللہ نے موسیٰ سے بول کر کلام کیا اور اللہ تعالیٰ ہی متکلم تھے، اور موسیٰ علیہ السلام متکلم نہیں تھے،

اور امام مالک بن انس رحمہ اللہ تعالیٰ سے کئی طرق سے ان لوگوں کی تردید منقول ہے، جو قرآن کو مخلوق کہتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل سے توبہ کرانی چاہیئے یہی امام مالک کا مشہور مذہب ہے، اسی پر آپ کے پیرؤوں کا اتفاق ہے اور امام احمد بن حنبل سو ان کا کلام قرآن مجید کے متعلق مشہور اور متواتر ہے، آپ کی تکالیف جو آپ نے قرآن کے بارے میں جہمیہ سے اٹھائیں مشہور ہیں، اور امام شافعی رحمہ اللہ نے حفص بن عمرو کو جو کہ قرآن کے مخلوق ہونے کے قائلین میں سے تھا، کہا تھا، جب کہ اس نے امام شافعی سے مناظرہ کرتے ہوئے کہا، کہ قرآن مخلوق ہے، تو نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا اس کو ابن ابی حاتم نے "الرد علی الجہمیہ" میں روایت کیا ہے، اور علی بن ابی طالب سے دو سندوں سے مروی ہے کہ خوارج نے جب ان کو صفین کے دن دو آدمیوں کے حکم تسلیم کرنے پر الزام دیا، تو آپ نے فرمایا، میں نے کسی مخلوق کو حکم تسلیم نہیں کیا، میں نے قرآن کو حکم تسلیم کیا ہے۔

عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں، کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ایک جنازہ میں تھے، جب میت لحد میں رکھی گئی تو ایک آدمی اٹھا اور کہنے لگا "اے قرآن کے رب اس کو بخش دے" تو عبداللہ بن عباس اس پر جھپٹے اور فرمایا ارے ٹھہر، قرآن اسی میں سے ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رض کہتے ہیں، جو قرآن کی قسم اٹھالے، اس پر ہر آیت کے بدلے

یمین وھذا ثابت عن ابن مسعود وعن سفیان بن عیینۃ قال سمعت عمرو بن دینار یقول ادرکت مشائخنا والناس منذ سبعین سنۃ یقولون القرآن کلام اللہ منہ بدأ والیہ یعود وفی لفظ یقولون القرآن کلام اللہ غیر مخلوق وقال حرب الکرمانی حدثنا اسحق بن ابراھیم یعنی ابن راھویہ عن سفیان بن عیینۃ عن عمرو بن دینار قال ادرکت الناس منذ سبعین سنۃ من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فمن دونھم یقولون اللہ الخالق وما سواہ مخلوق الا القرآن فانہ کلام اللہ منہ خرج والیہ یعود وعن جعفر بن محمد الصادق وھو مشھور عنہ انھم سألوہ عن القرآن خالق ھو ام مخلوق فقال لیس بخالق ولا مخلوق ولکنہ کلام اللہ وھکذا روی عن الحسن البصری وایوب السختیانی وسلیمان التیمی وخلق من التابعین وعن مالک بن انس واللیث بن سعد وسفیان الثوری وابن ابی لیلی وابی حنیفۃ والشافعی واحمد بن حنبل واسحق بن راھویہ وامثال ھؤلاء من الائمۃ وکلام ھؤلاء الائمۃ واتباعھم فی ذلک کثیر مشھور بل اشتھر عن ائمۃ السلف تکفیر من قال القرآن مخلوق وانہ یستتاب فان تاب والا قتل کما ذکروا ذلک عن مالک بن انس وغیرہ ونقل ذلک ابو جعفر الطحاوی الحنفی فی الاعتقاد عن ابی حنیفۃ النعمان بن ثابت الکوفی

ایک قسم ہے، اور سفیان بن عیینہ نے کہا، میں نے عمرو بن دینار سے سنا آپ کہتے تھے میں ستر سال سے اپنے مشائخ اور دوسرے لوگوں سے سنتا آرہا ہوں، کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اسی سے شروع ہوا، اسی کی طرف لوٹے گا، اور ایک روایت کے یہ لفظ ہیں قرآن اللہ کا کلام ہے، اور غیر مخلوق ہے، حرب کرمانی نے سند عمرو بن دینار سے روایت کیا کہ میں ستر سال سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور بعد کے لوگوں سے سنتا آرہا ہوں کہ اللہ خالق ہے، اور قرآن کے سوا باقی ہر شئی مخلوق ہے، وہ اللہ کا کلام ہے، اسی سے نکلا اور اسی کی طرف لوٹے گا، امام جعفر صادق سے منسوب ہے، کہ لوگوں نے ان سے قرآن کے متعلق سوال کیا، کہ وہ خالق ہے یا مخلوق؟ تو آپ نے فرمایا نہ وہ خالق ہے نہ مخلوق، بلکہ وہ اللہ کا کلام ہے، اور حسن بصری، ایوب سختیانی، سلیمان تیمی اور تابعین کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے، اور احمد بن حنبل، اسحق بن راھویہ اور ان جیسے دیگر ائمہ اور ان کے متبعین کے اقوال قرآن کے متعلق مشہور ہیں، بلکہ ائمہ سلف سے تو ان لوگوں پر کفر کا فتویٰ اور ان سے توبہ کرانے کے اقوال بھی شہرت تک پہنچ چکے ہیں، اگر وہ توبہ کرے تو فبہا، ورنہ اسے قتل کر دیا جائے یہ فتویٰ امام مالک بن انس اور طحاوی کے قول کے مطابق امام ابو حنیفہ، ابو یوسف اور امام حسن بن شیبانی رحمہم اللہ سے منقول ہے۔"

وابي يوسف يعقوب بن ابراهيم الانصاري وابي عبد الله محمد بن حسن الشيباني رحمهم الله تعالى

سو یہ بات صحابہ اور تابعین اور جمیع ائمہ مجتہدین سے ثابت ہو چکی ہے، کہ قرآن شریف اللہ کا کلام ہے، اور کلام اس کی صفت قدیمہ ہے، اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے، اور غیر مخلوق ہے، اور جو شخص اس کو مخلوق کہے، سو وہ کافر ہے، اور جس شخص کو زیادہ تحقیق منظور ہو، وہ کتاب العلو امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اور خلق افعال العباد امام بخاری کا، اور متن فقہ اکبر کا، اور کتاب الرد علی الجہمیۃ للامام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ لے، واللہ اعلم بالصواب، اور اللہ کلام لفظی کے ساتھ کلام کرتا ہے، کلام نفسی کا سلف صالحین میں کہیں پتہ نہیں۔

(۲) اور جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کا کلام اترا ہے، حقیقی ہے، مجازی نہیں اس واسطے کہ حقیقت اصل ہے، اور مجاز فرع، جب تک کوئی قرینہ تو یہ صارفہ نہ پایا جاوے حقیقت نہیں چھوڑی جا سکتی۔

(۳) اور نواب صاحب مرحوم کا جو رسالہ استوا کے بارے میں موسوم با حتواء ہے، حق ہے، اور سب موافق سلف صالحین کے ہے۔ واللہ اعلم۔ حررہ ابو اسمٰعیل یوسف حسین عفی عنہ۔ هذا هو الصواب والله در من اجاب، محمد اوسط عفی عنہ بهاری، رحم الله المجيب. فقد اجاب جوابا شافيا لا شك في صحته وكونه صوابا

ابو تراب عبد التواب الملتانی عفی عنہ | سید محمد نذیر حسین

سید محمد عبد السلام غفر لہ | سید محمد ابو الحسن

سوال ما قولکم رحمکم اللہ اندریں مسئلہ کہ یا رسول اللہ گفتن بر غیر مزار شریف درست است یا نے بینوا توجروا

الجواب:- یا رسول اللہ ندا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم است وندا برائے حاضر می باشد پس این قول دلیل بر آن ست، کہ این کس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم را حاضر بہر مکان وزمان اعتقاد می کند و این معنی بدون علم محیط امکانے ندارد والعلم المحیط لیس الا للہ تعالی

سوال:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے علاوہ اور کسی جگہ پر یا رسول اللہ کہنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- یا رسول اللہ کا لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا ہے، اور پکارا اسی کو جاتا ہے جو حاضر ہو لیے آدمی کا عقیدہ گویا یہ ہے، کہ آپ ہر جگہ موجود ہیں، اور یہ چیز علم محیط کے بغیر نہیں ہو سکتی، اور علم محیط اللہ تعالی کا خاصہ ہے

کما فی التفسیر الکبیر وغیرہ پس اثبات ہمچو علم بغیر خدا شرک باشد،
و در مفتاح القلوب لملا حسین الخباز مرقوم است و از کلمات کفر است ندا کردن اموات
غائبات بگمان آنکہ حاضر اند مثل یا رسول اللہ و یا شیخ عبد القادر دانند آن انتہی و از ہمیں جا است
کہ در عامہ کتب فقہ مسطور است لو تزوج بشہادۃ اللہ ورسولہ لا ینعقد النکاح ویکفر
لاعتقاد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب کذا فی البحر الرائق وغیرہ
والفرق در میان ندائے نبی وندائے غیر نبی و در میان با درود وسلام وندا بدون درود
سلام از فہم ما مردم عالی است، چہ ندا برائے حاضر مے باشد، ونبی حاضر درین جا ہمچو
غیر نبی نہ با درود وسلام ونہ بدون درود وسلام، وآنچہ درباب درود وسلام ثابت
است، ہمیں قدر است، کہ ملائکہ صلوۃ وسلام رامیرسانند، وایں مستلزم حضور نیست پس
ندا مطلقا مشعر با عتقاد حضور مذکور باشد، وایں اعتقاد شرک است در غیر خدا پس تلفظ
ہمچو کلمات کہ مشعر ایں اعتقاد باشند بحسب ظاہر شرک باشد ونحن نحکم بالظاہر
کما فی المواقف وندا صلوۃ الحاجۃ بحضور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بود والنون برتقدیر
عموم آن صلوۃ بنابر حکایت آن وقت خواہد بود، وہمچنیں خطاب در تشہد بطریق حکایت بود
شیخ عبد الحق دہلوی در رسالہ مسمی تحصیل البرکات فی معنی بیان التحیات مے نویسد

اور ایسا علم کسی دوسرے کے لئے ثابت کرنا شرک ہے۔

ملا حسین خباز نے اپنی کتاب "مفتاح القلوب" میں لکھا ہے "اموات غائبات کو اس حیثیت اور اعتقاد
سے پکارنا، کہ وہ حاضر ہیں، مثلاً یا رسول اللہ اور یا شیخ عبد القادر جیلانی وغیرہ، یہ کفر ہے" یہی وجہ ہے، کہ کتب فقہ
میں لکھا ہے، کہ اگر کوئی آدمی اللہ اور رسول کی شہادت سے نکاح کرے، تو وہ نکاح منعقد نہیں ہوگا، اور نکاح کرنے
والا کافر ہو جائے گا، کیونکہ اس کا عقیدہ یہ ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں (بحر الرائق وغیرہ)
اور نبی یا کسی دوسرے کو ندا کرنے یا درود اور غیر درود میں ندا کرنے کا جو فرق کیا جاتا ہے، وہ ہماری سمجھ سے
تو بالا تر ہے، کیونکہ ندا تو حاضر کے لئے ہوتی ہے، اور نبی بھی حاضر نہیں ہوتا، نہ درود کے وقت اور نہ کسی دوسرے
وقت، درود کے متعلق صرف اتنا ثابت ہے، کہ اس کو فرشتے پہنچا دیتے ہیں، پس ندا حاضر ہونے کے عقیدہ کی طرف
اشارہ کرتی ہے، اور یہ عقیدہ شرک ہے، تو ایسے الفاظ شرکیہ سے پرہیز کرنا نہایت ضروری ہے، اگر کوئی "صلوۃ
الحاجۃ" کی روایت سے استدلال کرے، تو اس کا جواب یہ ہے، کہ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم حاضر تھے،
اور اب ان الفاظ کو حکایت حال ماضی کے طور پر پڑھ دیتے ہیں، جیسے نماز کے التحیات میں پڑھتے ہیں، شیخ عبد الحق

اگر گویند کہ خطاب مر حاضر راست، و آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم درین مقام حاضر نیست، پس توجیہ این خطاب چہ باشد، جوابش آن است، کہ در شرح صحیح بخاری می گوید، کہ صحابہ در زمان جناب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بصیغہ خطاب می گفتند، و بعد از زمان حیاتش این چنین می گفتند السلام علی النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ بلفظ خطاب یا این کلمہ در اصل یعنے در شب معراج بصیغہ خطاب بود، و بگر تغیرش ندادند و بر ہمان اصل گذاشتند انتہے، پس استدلال بہ ہیچو ندا و خطاب جز خطا نبود، واللہ اعلم بالصواب، ومنہ الہدایۃ فی کل باب، کتبہ محمد بشیر الدین عفی عنہ، مرقومہ ۱۶ رمضان ۱۲۰۷ھ

النداء للغیب لا یجوز۔ محمد قطب الدین

سید محمد نذیر حسین

سوال: عمرو کہتا ہے، کہ غیب کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو مخصوص ہے، ماسوا اللہ کے کسی کو علم غیب حاصل نہیں الا ماشاء اللہ من شاء اللہ باذنہ، خالد اور اس کے تبعین کہتے ہیں، کہ علم غیب اللہ کے سوا اوروں کو بھی بالذات حاصل ہے، چنانچہ بزرگان دین اکثر غیب کی باتیں بتا دیتے ہیں، بھلا یہ علم غیب نہیں، تو پھر کیا ہے، یہ لوگ خدا کی ذات و صفات وقدرت میں تصرف، وشرکت رکھتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے، کہ عمرو و خالد کے اقوال مذکورہ سے کس کا قول حق و موافق شریعت کے ہے، اور کس کا قول ناحق، وخلاف شریعت ہے؟

الجواب: عمرو کا قول حق ہے، اور خالد اور اس کے تابعین کا قول سراسر باطل اور مردود ہے، بلاشبہ علم غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، ماسوا اللہ کے علم غیب کسی کو حاصل نہیں قال اللہ تعالیٰ وعندہ مفاتیح الغیب لا یعلمہا الا ھو (پارہ ۷، رکوع ۱۳) وقال قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ما شاء اللہ

محدث دہلوی نے اپنے رسالہ "تحصیل البرکات فی بیان معنی التحیات" میں لکھا ہے، کہ اگر کوئی یہ کہے، کہ التحیات میں خطاب کے انداز میں سلام پڑھا جاتا ہے، حالانکہ رسول پاک وہاں موجود نہیں ہوتے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسے حکایت حال ماضی کے طور پر پڑھا جاتا ہے، اور اس کے علاوہ بخاری شریف میں مروی ہے، کہ صحابہ آپ کی زندگی میں خطاب سے پڑھتے تھے، اور آپ کے بعد "السلام علی النبی" (نبی پر سلام ہو) کے الفاظ پڑھنے لگے تھے، پس ان الفاظ سے استدلال کرنا درست نہیں ہے، واللہ اعلم ۱۲

سلہ اسی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں، اس کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا ۱۲ سلہ آپ کہدیں اللہ کی مشیت کے

ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء ان انا الا نذیر وبشیر لقوم یؤمنون (پارہ ۹ رکوع ۱۳) اس بارے میں کہ علم غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، ماسوا اللہ کے کسی کو حاصل نہیں بہت سی آیتیں اور حدیثیں آئی ہیں، یہاں صرف دو آیتیں نقل کی گئی ہیں، واللہ اعلم بالصواب، حررہ سید محمد نذیر حسین

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ جو شخص اللہ کو واحد اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول برحق جانے، اور قیامت وغیرہ اعتقادی امور کو مانتا ہے، شرک نہیں کرتا، اور نماز کو بھی فرض جانتا ہے، مگر نماز تمام عمر نہیں پڑھتا، وہ شخص مسلمان ہے یا کافر؟

الجواب:۔ واضح ہو کہ جو شخص اللہ کو واحد جانتا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مرسل مانتا ہے، اور امور ایمانیہ واعتقادیہ کا اقرار کرتا ہے، وہ بے شک مسلم ہے، کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ اس کو کافر کہے، مگر ہاں جس قدر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تارک صلوٰۃ کو کافر کہا اس قدر ہم بھی تارک صلوٰۃ کو کافر کہہ سکتے ہیں، سوائے اس کے زیادہ حکم کہ وہ سرے سے مسلمان ہی نہیں ہے یہ نہیں لگا سکتے، اور یہی مذہب امام احمد کا بھی ہے، واللہ اعلم

سید محمد نذیر حسین ۱۲

سید محمد ابو الحسن ۱۳۰۵

سید محمد عبد السلام غفرلہ ۱۲۹۹

سوا میں اپنی جان کے نفع ونقصان کا بھی مالک نہیں ہوں، اور اگر میں غیب جانتا ہوتا، تو بہت سی بھلائیاں اکٹھی کر لیتا، اور مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی، میں تو صرف ایمانداروں کو ڈرانے اور بشارت دینے والا ہوں ۱۲

کِتَابُ التَّقْلِیْدِ وَالْاِجْتِہَادِ

سوال :۔ بعض عالم تقلید کو فرض بتاتے ہیں، اور آیت فاسئلوا اھل الذکر اور آیت یاایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم میں اہل الذکر اور اولی الامر سے ائمہ مجتہدین مراد لیتے ہیں، کیا ان کی یہ بات صحیح ہے؟

الجواب :۔ بعض علماء کی یہ بات صحیح نہیں ہے، کیونکہ ان دونوں آیتوں سے تقلید کا کچھ بھی تعلق نہیں ہے، ان دونوں آیتوں میں اہل الذکر اور اولی الامر سے ائمہ مراد نہیں ہیں، بلکہ پہلی آیت میں اہل الذکر سے مراد اہل کتاب ہیں، اور اس آیت کے مخاطب کفار مکہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے انکار کرتے تھے، اور کہتے تھے، کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو آدمی ہیں، پیغمبر کیونکر ہوئے، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کفار کو جواب دیا، کہ پہلے بھی جتنے پیغمبر ہوئے سب آدمی ہی تھے، فرشتہ نہ تھے، اگر تم کو یہ بات معلوم نہ ہو تو یاد والوں یعنے اہل کتاب یہود و نصاریٰ سے دریافت کرلو، پوری آیت اس طرح ہے۔ وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیھم فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (سورہ نحل) شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کا ترجمہ اس طرح لکھتے ہیں، ونہ فرستادہ ایم پیش از تو مگر مردانے را، کہ وحی می فرستادیم بسوئے ایشان، پس سوال کنید از اہل کتاب اگر نمی دانید، اور اس آیت کے فائدہ میں لکھتے ہیں کہ یعنی پیغمبران سابق آدمی بودند، فرشتہ نبودند، انتہیٰ، اور شاہ عبدالقادر صاحب

لہ اہل ذکر سے پوچھ لو ۱۲ سلہ اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول اور اپنے حاکموں کی اطاعت کرو ۱۲

سلہ ہم نے آپ سے پہلے آدمی ہی رسول بنا کر بھیجے ہیں، اگر تم کو اس بات کا علم نہیں تو اہل ذکر سے پوچھ لو ۱۲

اس آیت کا ترجمہ اس طرح لکھتے ہیں، اور تجھ سے پہلے بھی ہم نے یہی مرد بھیجے تھے، کہ حکم بھیجتے تھے ان کی طرف، سو پوچھو یاد رکھنے والوں سے، اگر تم کو معلوم نہیں، اور شاہ صاحب موصوف اس کے فائدہ میں لکھتے ہیں " یاد رکھنے والے یعنی اہل کتاب، کہ اگلے احوال جانتے تھے

الحاصل بعض علماء کا اہل الذکر سے ائمہ مراد لینا، اور اس آیت سے تقلید کو فرض بتانا نہایت غلط اور واہی بات ہے، اور دوسری آیت میں اولوالامر کے معنی حکومت والے ہیں اور یہی معنے مراد بھی ہیں، یعنی بادشاہ اسلام اور حاکم جو صاحب حکومت اور با اختیار ہوتے ہیں، شاہ ولی اللہ صاحب اس آیت کا ترجمہ اس طرح لکھتے ہیں اے[1] مومنان فرمانبرداری کنید خدارا و فرمانبرداری کنید پیغامبر را و فرمانروایان را از جنس شما، اور شاہ عبدالقادر صاحب اس طرح لکھتے ہیں، اے ایمان والو! حکم مانو اللہ اور اس کے رسول کا، اور ان کا جو تم میں سے اختیار والے ہیں، اور فائدہ میں لکھتے ہیں " اختیار والے بادشاہ اور قاضی، اور جو کسی کام پر مقرر ہوں ان کے حکم پر چلنا ضرور ہے الخ

پس بعض علماء کا اس دوسری آیت میں اولی الامر سے ائمہ مجتہدین مراد لینا، اور اس سے تقلید ائمہ مجتہدین کی فرض بتانا بالکل غلط ہے، کیونکہ ائمہ مجتہدین میں سے کوئی بھی صاحب حکومت نہیں تھے، اور اگر بالفرض ان میں کوئی صاحب حکومت و با اختیار ہوتا بھی تو بھی اس آیت سے اس کی تقلید کرنے کا ثبوت نہیں ہوتا ہے، ہاں اس آیت سے اس کے زیر حکومت رعایا پر اس کے حکم کا ماننا فرض اور ضروری ہوتا، اور یہ بھی اس کے حاکم ہونے کی وجہ سے، نہ کہ اس کے امام دین ہونے کے سبب سے، اور حاکم کا حکم ماننا اور بات ہے، اور مسائل دینیہ میں اس کی تقلید کرنا اور بات، دیکھو مثلاً سلطان روم کی تمام رعایا جو ان کے زیر حکومت ہیں، ان کے حکم ماننے کو ضروری سمجھتے ہیں، اور مانتے بھی ہیں، مگر نہ ان کی تقلید کو ضروری سمجھتے ہیں، اور نہ ان کے مقلد ہیں

المختصر تقلید نہ تو کسی آیت قرآنیہ سے ثابت ہے، اور نہ کسی حدیث سے، اور نہ کسی امام نے اپنی تقلید کرنے کی اجازت دی ہے، تقلید کے بطلان میں بہت اچھے اچھے رسالے تصنیف ہو چکے ہیں، اس کے بطلان کی وجوہ مفصل طور پر دیکھنا ہو، تو ان رسالوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے، کتبہ علی محمد عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

[1] اے مومنو! خدا کی فرمانبرداری کرو، اور پیغمبر کی فرمانبرداری کرو، اور اپنی جنس کے بادشاہوں اور حاکموں کی فرمانبرداری کرو ۱۲

سوال:- عبادات یا معاملات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے یا مجتہدین کے قول پر عمل کرنے سے آدمی گنہگار ہوتا ہے یا نہیں؟
المستفتی میر پاچھا میاں بن ابراہیم ساکن وانمباڑی

الجواب:- یہ ہے، کہ مخالفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر طرح ناجائز ہے اور گنہگار ہوگا، جیسا کہ قرآن شریف سے ظاہر ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ ترجمہ۔ البتہ تحقیق ہے واسطے تمہارے بیچ رسول خدا کے پیروی اچھی۔ فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم الخ ترجمہ، پس قسم ہے پروردگار تیرے کی نہیں ایمان لاویں گے۔ یہاں تک کہ حاکم ٹھہرائیں تجھ کو بیچ اس چیز کے کہ پڑے جھگڑا درمیان ان کے۔

سید محمد نذیر حسین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ساز آباد خدایا دل ویرانے را   یا مدہ مہر بتان ہیچ مسلمانے را

مخفی نہ رہے، کہ حقیقت تقلید کی علمائے حنفیہ متاخرین کے نزدیک عبارت اس سے ہے، کہ کلام کسی غیر معصوم کا اپنے اوپر بلا دلیل شرعی کے لازم کر لینا، اور اس کو مستحکم پکڑنا، حالانکہ یہ طریق مذموم تشریع جدید مخالف حکم خدا تعالیٰ ہے۔ اس لئے کہ بندگان خدا مامور و مجبور ہیں، اوپر التزام احکام و کلام خدا و رسول کے ہیں، نہ غیر کے، چنانچہ سورہ یوسف وغیرہ میں خدا فرماتا ہے ان الحکم الا للہ (حکم صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے) اسی التزام کلام غیر پر اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو الزام دیا، اور رد کیا، چنانچہ سورہ توبہ میں فرماتا ہے اتخذوا[1] احبارھم علماء الیھود ورھبانھم عباد النصاری اربابا من دون اللہ۔ کذا فی التفسیر الجلالین والتفسیر البیضاوی والتفسیر الکبیر وغیرہ پس عباد اللہ پر اطاعت خدا و رسول کی واجب ہے، نہ غیر کی، چنانچہ خدا تعالیٰ سورہ محمد میں فرماتا ہے۔ اطیعوا[2] اللہ واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم، اور سورہ نساء میں فرماتا ہے۔ اطیعوا[3] اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم

---

[1] انہوں نے اپنے علماء اور پیروں کو خدا کے سوا اپنا رب بنا لیا ۱۲ [2] اللہ و رسول کی اطاعت کرو، اور اپنے اعمال ضائع نہ کرو ۱۲ [3] اللہ و رسول اور اپنے حاکموں کی اطاعت کرو، اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے، تو اس کا فیصلہ اللہ و رسول سے کراؤ، اگر تم اللہ و قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو ۱۲

تؤمنون باللہ والیوم الآخر الآیۃ، اور لغور ملاحظہ کرو، کہ مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحت اسی آیت مذکورہ کے تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں، کہ [1] اطاعت امام مشروط ومقید است بہماں چیزہا، کہ معصیت آنہا از شرع معلوم نہ باشد والا اطاعت فرض نمی ماند و رجوع باحکام قرآن واوامر ونواہی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم باید نمود۔

اور اسی طرح تفسیر عزیزی مطبوعہ لکھنو صفحہ [2] میں مولانا علیہ الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں تحت آیت بل نتبع ما الفینا علیہ آباءنا کے، کہ دریں آیت اشارہ است بابطال تقلید بدو طریق، اول آنکہ از مقلد باید پرسید، کہ ہر کرا تقلید می کنی نزد تو محقق است یا نے اگر محقق او را نمی شناسی، پس با وجود احتمال مبطل بودن او چرا او را تقلید می کنی، و اگر محقق بودن او را می شناسی، پس بکدام دلیل می شناسی، اگر بتقلید دیگرے می شناسی سخن دراں خواہد رفت وتسلسل لازم خواہد آمد، واگر بعقل می شناسی، پس آن را چرا در معرفت حق صرف نمی کنی وعار تقلید برخود گوارا میداری۔

طریق دوم آنکہ کسے را کہ تقلید می کنی، اگر ایں مسئلہ را او ہم بتقلید دانستہ است پس تو و او برابر شدید، او را چہ ترجیح ماند کہ تقلید او می کنی، واگر او بدلیل دانستہ است پس تقلید وقتے تمام می شود، کہ تو ہم آں مسئلہ را بہماں دلیل بدانی والا مخالف او باشی نہ مقلد او وچوں تو

---

[1] امام کی اطاعت ان چیزوں کے ساتھ مشروط ہے، جن میں گناہ کا علم نہ ہو، ورنہ اطاعت فرض نہیں رہے گی، اور قرآن وحدیث کی طرف رجوع کرنا فرض ہو جائے گا۔

[2] آیت بلکہ ہم نے اسی طریقہ پر اپنے باپ دادا کو پایا، کے تحت لکھتے ہیں، کہ اس آیت میں دو طرح سے تقلید کا ابطال ہے، پہلا یہ کہ مقلد سے پوچھنا چاہیئے، کہ جس کی تو تقلید کرتا ہے، وہ محقق ہے یا نہیں؟ اگر محقق نہیں ہے، تو اس کی تقلید کیوں کرتا ہے؟ اور اگر اس کو محقق سمجھتا ہے، تو کس طرح سمجھتا ہے، کیا کسی کے جاننے سے یا از خود، اگر کسی کے بتلانے سے اس کو محقق سمجھتا ہے، تو پھر یہی سوال اس کے متعلق ہو گا، اور اس طرح دور لازم آئے گا، اور اگر تو اپنی عقل سے سمجھتا ہے، کہ وہ محقق ہے، تو اس عقل کو تو معرفت حق میں کیوں خرچ نہیں کرتا اور کیوں اپنے لئے تقلید کی عار گوارا کرتا ہے۔

دوسرا اس طریق سے کہ جس کی تو تقلید کرتا ہے، اس نے بھی یہ مسئلہ کسی دلیل سے حاصل کیا ہے، یا کسی کی تقلید سے، تو اگر وہ بھی کسی کی تقلید کرتا ہے، تو تو اور وہ برابر ہوں گے اس کے لئے وجہ ترجیح کیا ہے، کہ تو اس کی تقلید کرے اور اگر اس نے اس کو دلیل سے معلوم کیا ہے، تو اس کی تقلید تو یہ ہے، کہ تو بھی اس کو دلیل

ہم آن مسئلہ را بدلیل دانستی تقلید ضائع شد۔ تمام ہوئی عبارت تفسیر عزیزی، اور اسی طرح امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں تم بھی تفسیر عزیزی اور تفسیر کبیر کو بچشم خود دیکھنا، کہ تم کو یقین ہو جائے۔ ع شنیدہ کے بود مانند دیدہ

تم لوگ ادنیٰ دنیا کے مقدمہ کے لئے تو لندن پہنچتے ہو، اور مقدمہ دین متین سے سراسر غافل نہاد ہو ؎ غم دین خور کہ غم، غم دین است

اور مضمون اس آیت کریمہ ماذا اجبتم المرسلین سے تم سے قیامت میں پرسش ہوگی، الحمد للہ کہ دریں ولایت تین ترجمہ کا قرآن شریف چھپ گیا، اور قیمت اس کی تین روپے یا چار روپیہ ہے، اور خداوند کریم سورہ قمر میں فرماتا ہے ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر الآیۃ ترجمہ اردو میں اس کے معنی سے واقف ہو جاؤ اور ہم ایسے مقلد مثل شتر بے مہار کے نہیں ہیں، کہ ہر کسی کی بات بلا دلیل مان لیں ہم تو رعیت اور محکوم خدا و رسول کے ہیں، چنانچہ سورہ حشر میں فرماتا ہے۔ [1] ما اتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا ؎

خیالات نادان خلوت نشین ہم بر کند عاقبت کفر و دین

علامہ محب اللہ بہاری اپنی کتاب اصول مسلم الثبوت میں فرماتے ہیں۔ [2] الواجب الا ما اوجبہ اللہ تعالیٰ لہ ولم یوجب علی احد ان یتمذھب بمذھب رجل من الائمۃ فایجابہ تشریع شرع جدید انتھی ما فی مسلم الثبوت وشرحہ لمولانا بحر العلوم اللکھنوی۔ اور امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ مجتہد مطلق بلاریب ہیں، لیکن یہ بھی ان کے ساتھ دامن گیر ہے، کہ المجتہد یصیب و یخطی اسی بنا پر یہ مصرع موزون ہے ع متاع نیک ہر دکان کہ باشد

اور جس قیاس کا مقیس علیہ امر واقع ہے، وہ قیاس صحیح اور قابل عمل ہے، اور جس کا مقیس علیہ صحیح اور امر واقع نہیں ہے، وہ حجت اور قابل عمل نہیں، یہ چند سطریں بطور نمونہ مشتے از

سے معلوم کرے، ورنہ تو اس کا مقلد نہیں ہوگا، بلکہ مخالف ہوگا، اور اگر تو بھی دلیل سے معلوم کرے گا، تو تقلید ضائع ہو جائے گی ۱۲

[1] جو تم کو رسول دے اسے لے لو، اور جس سے منع کرے باز آ جاؤ ۱۲

[2] واجب صرف وہی ہے جسے اللہ نے اپنے بندوں پر واجب کیا ہے، اور اللہ نے کسی آدمی پر یہ واجب نہیں کیا، کہ کسی خاص آدمی کا مذہب اختیار کرے، اور اس کو خود واجب کر لینا، اس کی ایک خود ساختہ شریعت ہے ۱۲

از خوردارے پیش نظر مولوی اجیر الحق صاحب لکھو منا ہوں گی ؎

اندکے با تو بگفتم و بدل ترسیدم کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

زیادہ سلام خیر الختام

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غیر مقلد کی نماز مقلد کے پیچھے ہوتی ہے یا نہیں اور مقلد کی نماز غیر مقلد کے پیچھے ہوتی ہے یا نہیں؟

(۲) تقلید امام اعظم کی کرنا شرک ہے یا نہیں؟

(۳) جو شخص یہ کہے کہ غیر مقلد کی نماز مقلد کے پیچھے نہیں ہوتی، اس کے لئے حکم شارع کیا ہے، مندرجہ بالا سوالات کے جوابات حدیث سے ہونے چاہئیں۔

الجواب:۔ ہر مسلمان کے پیچھے نماز ہوتی ہے، وہ مقلد ہو یا غیر مقلد بشرطیکہ مشرک اور مبتدع بدعت مکفرہ نہ ہو اس واسطے کہ مشرک کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، اور نہ ہی ایسے مبتدع کے پیچھے نماز ہوتی ہے جس کی بدعت مکفرہ ہو پس جو مقلد مشرک نہیں، اور مبتدع بدعت مکفرہ بھی نہیں ہے، اس کے پیچھے نماز بلاشبہ جائز و درست ہے اور ہاں واضح رہے، کہ بعض مقلدین کی تقلید مفضی الی الشرک (شرک تک پہنچانے والی) ہوتی ہے، سو ایسے مقلدین کے پیچھے نماز جائز نہیں، اور تقلید مفضی الی الشرک یہ ہے کہ کسی ایک خاص مجتہد کی اس طرح پر تقلید کرے، کہ جب کوئی صحیح حدیث غیر منسوخ اپنے مذہب کے خلاف پا دے۔ تو اس کو قبول نہ کرے، اور یہ سمجھے بیٹھا ہو، کہ ہمارے امام سے خطا اور غلطی ناممکن ہے اور اس کا ہر قول حق اور صواب ہے، اور اپنے دل میں یہ بات جمار کھی ہو، کہ ہم اپنے امام کی تقلید ہرگز نہیں چھوڑیں گے، اگرچہ ہمارے مذہب کے خلاف قرآن و حدیث سے دلیل قائم ہو پس جس مقلد کی ایسی تقلید ہو، وہ مشرک ہے، شاہ ولی اللہ صاحب عقد الجید میں لکھتے ہیں وفیمن یکون عامیا ویقلد رجلا من الفقہاء بعینہ یری انہ یمتنع من مثلہ الخطاء وان ما قالہ ھو الصواب البتۃ واضمر فی قلبہ ان لا یترک تقلیدہ[1] وان ظھر الدلیل علی خلافہ وذلک ما رواہ الترمذی عن عدی بن حاتم انہ

[1] اور اس عامی آدمی کے متعلق جو کسی متعین فقیہ کی تقلید کرتا ہو، اور اس کا عقیدہ یہ ہو، کہ اس سے غلطی نہیں ہو سکتی وہ جو کچھ کہے صحیح ہے اور اس کے دل میں یہ بات بیٹھ چکی ہو کہ اس کی تقلید کسی صورت میں بھی نہ چھوڑوں گا خواہ اس کے برخلاف دلیل ثابت ہی کیوں نہ ہو جائے، وہی فتوی ہے جس کو امام ترمذی نے عدی بن حاتم سے

قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ قال انھم لم یکونوا یعبدونھم ولکنھم اذا احلوا لھم شیئا استحلوہ واذا حرموا علیھم شیئا حرموہ انتہی۔

(۲) امام اعظم صاحب کی تقلید اگر مفضی الی الشرک ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، تو بے شک امام اعظم صاحب کی یہ تقلید شرک ہے، والا فلا۔

(۳) اس شخص کا علی الاعلان یہ کہنا صحیح نہیں ہے، ہاں اگر اس شخص کے اس کہنے سے یہ مراد ہو، کہ مقلد مشرک (یعنی جس مقلد کی تقلید مفضی الی الشرک ہو) کے پیچھے غیر مقلد کی نماز نہیں ہوتی، تو اس کا یہ کہنا صحیح ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب، المجیب محمد عبدالحق ملتانی ماہ ربیع الاول ۱۳۱۸ھ

سید محمد نذیر حسین

سوال ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ عامی اور غیر عامی پر جو درجہ اجتہاد کو نہیں پہنچا ہے، ایک مذہب کی تقلید کرنا واجب ہے یا نہیں، اور جس پر تقلید واجب ہے، اگر وہ ایک مذہب معین کی تقلید نہ کرے، تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے کہ نہیں، اور اس کے ساتھ کھانا، پینا اور شادی کی رسم جاری رکھنا درست ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب :۔ ماہران شریعت غراء پر مخفی نہیں، کہ جو شخص مومن باللہ والیوم الآخر اور تصدیق ماجاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ضروریات الدین وغیرھا من الفروعات الشرعیۃ خالصاً (نبی صلی اللہ علیہ وسلم لے جو ضروریات دین بتلائی ہیں اور شریعت کے فروعات بتلائے ہیں ان کی تصدیق کرتا ہو) رکھتا ہو، اور ہر صورت سے پابند شرع ہو یعنی حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانتا ہو، پس بے شک وہ شخص مسلمان متقی اور اس آیت کریمہ کا مصداق ہے، لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من آمن باللہ والیوم الآخر والملائکۃ والکتاب والنبیین (الی اخر) اولئک الذین صدقوا و

روایت کیا ہے، کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ آیت سنی "انہوں نے اپنے مولویوں اور پیروں کو خدا کے سوا رب بنا رکھا تھا" تو کہا، کہ یہ لوگ ان کی پوجا نہیں کرتے تھے لیکن جب وہ کسی چیز کو حلال کہہ دیتے، تو اس کو حلال جانتے اور اگر حرام کہہ دیتے، تو حرام جانتے۔"

لـہ نیکی یہ نہیں ہے، کہ تم اپنے منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرلو، بلکہ نیک وہ آدمی ہے، جو اللہ تعالیٰ پر قیامت کے دن پر، فرشتوں، کتابوں اور نبیوں پر ایمان رکھتا ہو (تا آخر آیت تک) یہی لوگ سچے ہیں، اور یہی پرہیزگار ہیں الآیۃ

اولئك هم المتقون الآیۃ اولئك علی هدی من ربهم واولئك هم المفلحون وغیرها من الآیات القرآنیۃ۔ وعن ابن عباس بن عبد المطلب قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ذاق طعم الایمان من رضی بالله ربا وبالاسلام دینا وبمحمد رسولا رواہ مسلم۔ وعن انس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من صلی صلوتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذلك المسلم الذی له ذمۃ الله وذمۃ رسوله فلا تخفروا الله فی ذمته رواہ البخاری کذا فی المشکوۃ

فی الجملہ جو شخص موصوف بصفات دین اسلام اور احکام شرع پر بطریق اہل سنت کاربند ہو، وہ اگرچہ ایک مذہب معین کا مقلد نہ ہو، خواہ عامی ہو یا غیر عامی کہ درجہ اجتہاد کو نہ پہنچا ہو، سو وہ شخص مذکور خاصہ مسلمان اور شریعت محمدیہ کا متبع ہے، از روئے شرع شریف اس کی مسلمانی میں کسی طرح کا عیب ونقصان متصور نہیں ہو سکتا، بہر حال وہ شخص بمقتضائے اس آیت کریمہ فان تابوا واقاموا الصلوۃ واٰتوا الزکوۃ فاخوانکم فی الدین کے برادر دینی ہے، گو مذہب معین کا التزام نہ رکھتا ہو، پھر جو کوئی اس کو برا کہے، اور شادی غمی کی اس سے نفرت وعداوت کرے، اور نہ ملے، وہ فاسق ومخالف کتاب وسنت اور مبتدع متعصب اغلظ ہے، ایسے متعصب بدعتی اغلظ سے ملنا ترک کرے، کیونکہ برضا ورغبت بدعتی سے ملنا ہدم اسلام کا موجب ہے، جیسا کہ اس مضمون کی حدیث مشکوۃ وغیرہ میں وارد ہے، کیونکہ تقلید شخصی اور التزام مذہب معین پر شارع کا حکم اور خطاب صادر نہیں ہوا، پس جس عقیدہ پر خدا اور رسول کا حکم ناطق نہ ہو، وہ عقیدہ اور عمل مردود اور قبیح ہوتا ہے قال[1] الله تعالی ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه وقال[2] الله تعالی ما

یہ لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں، اور یہی لوگ نجات پانے والے ہیں، وغیرہ قرآنی آیات، اور حضرت عباس بن عبد المطلب سے روایت ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور محمد کے رسول ہونے پر راضی ہوا اس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا، اور حضرت انس رض نے کہا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو ہماری طرح نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے، اور ہمارا ذبیحہ کھائے، تو یہ وہ مسلمان ہے، جس کے لئے اللہ تعالی کا عہد ہے، سو اللہ کے عہد میں خیانت نہ کرو ۱۲

لے اگر وہ توبہ کریں، اور نماز کی پابندی کریں، اور زکوۃ ادا کریں، تو وہ دین میں تمہارے بھائی ہیں ۱۲ [1] اللہ تعالی فرماتے ہیں: جو اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے گا، تو اس سے قطعاً قبول نہ کیا جائے گا ۱۲ [2] اللہ تعالی

انزل اللہ بہا من سلطان ان الحکم الا للہ الآیۃ ولیس لغیر اللہ حکم واجب القبول والامر واجب الالتزام بل الحکم والامر والتکلیف لیس الا لہ انتہی ما فی التفسیر الکبیر والنیشاپوری

اور سارے اہل اصول حکم کے معنے شرعًا اس طرح پر لکھتے ہیں الحکم خطاب اللہ تعالیٰ المتعلق بفعل المکلف اقتضاء ای طلبا وھو اما لطلب الفعل حتما او غیرہ او طلب الترک کذلک او تخییرا ای اباحۃ کذا فی مسلم الثبوت فی علم الاصول قالوا ان ثبت الطلب الجازم القطعی لفعل غیر کف فالفرض او الفعل کف فالحرام وان ثبت الطلب لفعل غیر کف بدلیل ظنی فیہ شبھۃ فالواجب او کف فکراھۃ التحریم وان لم یکن الطلب جازما بل راجحا فاما ان یکون لفعل غیر کف کالندب او کف فکراھۃ التنزیہ وان لم یکن الطلب اصلا بل یکون تخییرا بین الفعل وعدمہ فاباحۃ کذا فی شرح المسلم وغیرھا من کتب الاصول

پس تقلید شخصی نہ اقتضاء میں داخل ہے، نہ تخییر یعنے اباحت میں کان الاباحۃ ای ما یکون فعلہ وترکہ متساویین حکم شرعی لان الاباحۃ من الاحکام ولا حکم الا بالشرع فثبت کون الاباحۃ حکما شرعیا لانہ ای الاباحۃ خطاب الشرع والخطاب حکم شرعی تخییرا ای من الخطاب التخییری کذا فی مسلم الثبوت وشروحہ

نے اس کی کوئی دلیل نہیں آتاری، حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے ۱۲　لے اللہ کے سوا کسی کا حکم واجب القبول اور کسی کا امر واجب الالتزام نہیں ہے، بلکہ حکم اور امر اور کسی کو مکلف بنانے کا حق صرف اللہ کا ہے تفسیر کبیر اور نیشاپوری کا اقتباس ختم ہوا ۱۲　۲ے حکم کا معنی ہے، اللہ تعالیٰ کا خطاب جو کسی مکلف کے متعلق ہو، اگر قطعی دلیل سے حتمی طور پر کرنے کا حکم ہو تو وہ واجب ہے، اور اگر ظنی دلیل سے حتمی طور پر رد کا جائے، تو وہ مکروہ تحریمی ہے، اور اگر کسی کام کا کرنا ضروری قرار نہ دیا جائے، بلکہ بہتر سمجھا جائے، تو وہ مندوب ہے، اگر رد کا جائے تو وہ کراہت تنزیہی ہے، اور اگر کرنے نہ کرنے کا اختیار دیا جائے، تو اس کا نام اباحت ہے، شرح مسلم وغیرہ کتب اصول میں ایسا ہی لکھا ہے ۱۲

سے اس لئے کہ اباحت یعنی جس کا کرنا نہ کرنا برابر ہو ایک شرعی حکم ہے، کیونکہ احکام سے ہے، اور حکم شریعت ہی کی ایک شاخ ہے، تو معلوم ہوا کہ اباحت حکم شرعی ہے، اس لئے کہ اباحت شرع کا خطاب ہے، اور خطاب حکم شرعی ہے، یعنی اباحت شریعت کا تخییری حکم ہے، مسلم الثبوت میں ایسا ہی ہے ۱۲

اور جب تقلید شخصی خطاب شرع اور تکلیفات شرعیہ میں داخل نہ ہوئی تو التزام تقلید شخصی
پس بدعت مذمومہ ہے کما[1] قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احدث فی
امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من عمل
عملا لیس علیہ امرنا فھو رد کما رواھما البخاری فی صحیحہ اسی نظر سے فاضل جلیل علامہ
نبیل محمد اسمٰعیل علیہ الرحمۃ والغفران نے تقلید شخصی والتزام مذہب معین کو بدعات حقیقیہ میں شمار کیا
ہے، وملا علی قاری سم الفوارض وشرح عین العلم میں اور عبد العظیم ملا ابن فروخ مکی قول سدید
میں لکھتے ہیں اعلموا[2] ان اللہ لم یکلف احدا من عبادہ ان یکون حنفیا او مالکیا او
شافعیا او حنبلیا بل اوجب علیھم الایمان بما بعث بہ محمدا صلی اللہ علیہ و
سلم والعمل بشریعتہ انتہی ما فی القول السدید مختصرا۔

ف:۔ اور اس عاجز نے اگرچہ ایک صورت تقلید شخصی کی معیار الحق میں بسبیل تنزل مباح
میں درج کی تھی لیکن عند التحقیق الحقیق مباح میں بھی داخل نہیں ہو سکتی، اس لئے کہ مباح خطاب شارع
میں داخل ہے، اور تقلید شخصی خطاب شارع سے خارج ہے۔ کما لا یخفی علی الماھر المتفطن
المنصف وفی التفسیر الکبیر[3] المسئلۃ الثانیۃ الاکثرون من المفسرین قالوا لیس
المراد من الارباب انھم اعتقدوا فیھم انھم الٰھۃ العالم بل المراد انھم
اطاعوھم فی اوامرھم ونواھیھم نقل عن عدی بن حاتم کان نصرانیا فانتھی
الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یقرأ سورۃ براءۃ فوصل الی ھذہ
الآیۃ فقلت لسنا نعبدھم فقال الیس یحرمون ما احل اللہ فتحرمونہ و

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو آدمی ہمارے دین میں نیا کام جاری کرے، جو اس کا جزو نہ ہو تو وہ کام مردود ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر کوئی ایسا کام کرے، جس پر ہمارا حکم نہیں ہے تو وہ مردود ہے ۱۲

[2] جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کو بھی یہ حکم نہیں دیا کہ وہ حنفی یا مالکی یا شافعی یا حنبلی بنے، کیونکہ ان کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر ایمان لانا، اور اس پر عمل کرنا فرض قرار دیا ہے ۱۲

[3] تفسیر کبیر میں ہے دوسرا مسئلہ یہ ہے، کہ اکثر مفسرین نے کہا ہے، کہ اہل کتاب کے اپنے مولویوں، اور پیروں کو رب بنانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ان کو عقیدۃً خدا سمجھتے تھے، بلکہ مراد یہ ہے، کہ وہ اوامر ونواہی میں ان کی اطاعت کرتے تھے عدی بن حاتم سے روایت ہے (وہ پہلے عیسائی تھے)، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب پہنچے، تو آپ اس وقت سورہ برأت کی یہ آیت پڑھ رہے تھے، میں نے عرض کیا، کہ ہم تو ان کی عبادت

یحلون ما حرم اللہ فتستحلونہ فقلت بلی قال فتلک عبادتہم وقال الربیع قلت لابی العالیۃ کیف کانت تلک الربوبیۃ فی بنی اسرائیل فقال انہم ربما وجدوا فی کتاب اللہ ما یخالف اقوال الاحبار والرھبان فکانوا یاخذون باقوالھم وما کانوا یقبلون حکم کتاب اللہ تعالی قال شیخنا ومولانا خاتم المحققین والمجتہدین رضی اللہ تعالی عنہ قد شاھدت جماعۃ من مقلدۃ الفقہاء قرأت علیہم آیات کثیرۃ من کتاب اللہ تعالی فی بعض مسائل وکانت مذاھبہم بخلاف تلک الآیات ولم یلتفتوا الیہا وبقوا ینظرون الی کالمتعجب یعنی کیف یمکن العمل بظواھر الآیات مع ان الروایۃ عن سلفنا وردت علی خلافہا ولو تاملت حق التامل وجدت ھذا الداء ساریا فی عروق الاکثرین من اھل الدنیا فان قیل انہ تعالی لما کفرھم بسبب انہم اطاعوا الاحبار والرھبان فالفاسق یطیع الشیطن فوجب الحکم بکفرہ کما ھو قول الخوارج والجواب ان الفاسق وان کان یقبل دعوۃ الشیطان الا انہ لا یعظمہ لکن یلعنہ ویستخف بہ اما اولئک الاتباع کانوا یقبلون قول الاحبار والرھبان ویعظمونہم فظہر الفرق انتہی ما فی الکبیر مختصرا من سورۃ

نہیں کیا کرتے تھے آپ نے فرمایا کیا جب وہ کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دیتے تھے، توتم اس کو حلال یا حرام نہیں سمجھتے تھے میں نے عرض کیا ہاں، تو فرمایا یہی ان کی عبادت تھی، ربیع کہتے ہیں میں نے ابوالعالیہ سے سوال کیا، کہ بنی اسرائیل ان کو خدا کس طرح جانتے تھے، تو آپ نے کہا وہ کتاب اللہ کے احکام کی پرواہ نہیں کرتے تھے، اوران کے اقوال قبول کرلیا کرتے تھے، شاہ ولی اللہ صاحب خاتم المحققین والمجتہدین فرماتے ہیں میں نے فقہائے مقلدین کی ایک جماعت اس طرح کی دیکھی ہے، کہ میں نے بعض مسائل میں ان کو قرآن پاک کی آیات پڑھ کر سنائیں، جوان کے مذہب کے خلاف تھیں، توانہوں نے ان آیات کو نہ تو قبول کیا اور نہ ان کی طرف توجہ ہی کی اور حیران وپریشان دیکھتے رہے مطلب یہ ہے کہ ہمارے مجتہدین کے اقوال اگران کے برخلاف ہوں، توان ظاہر آیات پر عمل کیسے کرسکتے ہیں، اگرآپ اچھی طرح غور کریں گے توآپ کو معلوم ہوگا، کہ یہ بیماری اکثر اہل دنیا میں پھیلی ہوئی ہے، اگر یہ سوال کیا جائے، کہ شیطان کی پیروی کرنے والے کو توصرف فاسق کہا جاتا ہے، اور مولویوں اور پیروں کی اطاعت کرنے والوں پر خدا تعالی نے کفر کا فتوی کیوں لگادیا؟ تواس کا جواب یہ ہے، کہ فاسق اگرچہ شیطان کی اطاعت کرتا ہے لیکن اس کو دل سے برا جانتا ہے، اس پر لعنت کرتا ہے، اوراس کو ذلیل سمجھتا ہے، اور یہ لوگ مولویوں اور پیروں کی اطاعت کرتے ہیں، تو یہ ان کی تعظیم کرتے

البواعث تقریر و تقلید مقلدان مذہب بلا دلیل مثل تقریر و تقلید مردمان ایام جاہلیت کے ہے، لہذا مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ نے تفسیر عزیزی میں لکھا ہے

واذا قیل لهم اتبعوا ما انزل الله یعنی چو گفتہ می شود ایشانرا کہ پیروی کنید حکم را کہ خدا نازل کردہ است و وسوسہ شیطان و طریقہ آباء و اجداد خود را بگذارید قالوا گویند کہ ما پیروی حکم خدا نمی کنیم زیرا کہ مارا کجا لیاقت است، کہ کنہ حکم الٰہی در یافت نمائیم و نیز از کجا یقین بہم رسانیم کہ آنچہ شما می گویید حکم الٰہی است بل نتبع ما الفینا علیه اباءنا یعنی بلکہ ما پیروی کنیم آن رسم و رواج را کہ یافتہ ایم بر آن پدران گذشتہ خود را آن چیز را کہ ایشان از قدیم میخوردند می خوریم و آن چیز را کہ ایشان حرام می دانستند می دانیم، زیرا کہ پدران گذشتہ ما از ما دانا تر و عاقل تر بودند اگر درین رسم و رواج نقصانے می یافتند ہرگز آن را معمول نمی گذاشتند، و نیز اگر ما خلاف آباء و اجداد خود کردہ و در خوردن و آشامیدن بیباکی نمائیم مطعون خلائق و خصوصا اقارب و عشائر خود شویم و مارا از برادری خارج کنند و با ما نشست و برخاست و علاقہ مناکحت و مواکلت موقوف کنند، چنانچہ ہمیں عذر در ہنود ہر قوم از بقال و کالستیھہ و راجپوت در تغیر رسم ازدواج و رسم خود بیمی گردند، و بعضے از جہال مسلمین نیز باموختن از ایشان در ترک نکاح بیوگان و دیگر رسوم باطلہ ہمیں قسم اعذار بیان می کنند، و ابن اسحق و ابن ابی حاتم از ابن عباس آوردہ، کہ

ہم ان کو حق پر سمجھتے ہیں، سو ان دونوں میں یہ فرق ہے۔

شاہ عبدالعزیز تفسیر عزیزی میں آیت "واذا قیل لهم اتبعوا ما انزل اللہ" کے تحت لکھتے ہیں، کہ جب ان کو کہا جاتا ہے کہ حکم الٰہی کی پیروی کرو، اور آباء و اجداد، و شیطان کی پیروی چھوڑ دو، تو کہتے ہیں، کہ ہم خدا کے حکم کی اطاعت نہیں کر سکتے، کیونکہ ہم میں اتنی قابلیت ہی نہیں ہے، کہ ہم خدا کے حکم کو سمجھ سکیں، اور پھر ہمیں یقین بھی کیونکر آ سکتا ہے کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو، یہ خداوندی حکم ہے، ہم تو اسی رسم و رواج کی پیروی کریں گے، جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، جو وہ کھاتے تھے ہم کھائیں گے، جو حرام جانتے تھے ہم اس کو حرام جانیں گے، کیونکہ ہمارے باپ دادا ہم سے زیادہ عقل مند تھے، اگر اس میں وہ کوئی خرابی دیکھتے، تو ضرور اس کو چھوڑ دیتے، اور اب اگر ہم ان کے رسم و رواج کی خلاف ورزی کر کے کھائیں پئیں گے، تو تمام آدمی ہم کو طعنہ دیں گے، اور خصوصاً برادری ناراض ہو کر ہم کو برادری سے خارج کر دے گی، ہم سے تعلقات منقطع کر لیں گے، بالکل اسی طرح ہندو بھی اپنے رسم و رواج کو نہیں چھوڑتے اور بعضے جاہل مسلمان رسوم باطلہ کے ترک کرنے میں یا بیوہ کا دوسرا نکاح کرنے میں بالکل یہی عذر پیش کرتے ہیں ابن ابی اسحاق اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضہ سے روایت کیا ہے، کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

روزے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم با یہودیاں ہم کلام شدہ آن قدر ایشان را خوبی ہائے اسلام فہمانیدند، ودرترک قبول اسلام آن قدر ایشان را لاجواب کردند، کہ ہیچ جائے عذر نماند ومقطع سخن بریں افتاد کہ رافع بن خارجہ ومالک بن عوف ودیگر دانشمندان آنہا گفتند کہ حقیقت دین شما مسلم لیکن نتبع ما وجدنا علیہ اباءنا فھم کانوا اعلم وخیرا منا پس حق تعالی این آیت نازل فرمود آہ

بعد اس کے شاہ صاحب مرحوم تحت مضامین اس آیت مذکور کے فرماتے ہیں :۔

چہارم آنکہ درین آیت اشارہ است بابطال تقلید بدو طریق اول آنکہ از مقلد باید پرسید کہ ہرکرا تقلید می کنی نزد تو محقق است یا نے، اگر محقق بودن اورا نمی شناسی پس با وجود احتمال مبطل بودن او چرا اورا تقلید می کنی، واگر محقق بودن اورا می شناسی پس بکدام دلیل می شناسی اگر بہ تقلید دیگری می شناسی سخن دران خواہد رفت وتسلسل لازم خواہد آمد، واگر بعقل می شناسی پس آنرا چرا در معرفت حق صرف نمی کنی وعار تقلید برخود گوارا میداری، طریق دوم آنکہ کسے را کہ تقلید می کنی، اگر این مسئلہ را او ہم بتقلید دانستہ است، پس تو واو برابر شدید او را چہ ترجیح ماند کہ تقلید او می کنی، واگر بدلیل دانستہ، پس تقلید وقتے تمام می شود کہ تو ہم آن مسئلہ را بہمان دلیل بدانی

نے یہودیوں سے کلام شروع کیا ان کو اسلام کی خوبیاں اس طرح سمجھائیں، اور اسلام قبول نہ کرنے کے بارے میں ان کو ایسا لاجواب کیا، کہ کوئی عذر باقی نہ رہ گیا، بالآخر رافع بن خارجہ اور مالک بن عوف نے کہا، کہ آپ کے دین کی حقانیت تو مسلم ہے لیکن ہم اپنے باپ دادا کی پیروی کریں گے، کیونکہ وہ ہم سے بہتر بھی تھے، اور عالم بھی زیادہ تھے، تو اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی۔

چوتھی بات یہ ہے، کہ اس آیت میں تقلید کے ابطال کی طرف اشارہ ہے دو طریق سے، پہلی وجہ یہ ہے، کہ مقلد سے پوچھنا چاہیئے، کہ جس کی تو تقلید کرتا ہے، وہ تیرے نزدیک حق پر ہے یا نہیں؟ اگر تو اس کے حق پر ہونے کو نہیں جانتا اور اس کے غلطی پر ہونے کے احتمال کو بھی سمجھتا ہے، تو اس کی تقلید کیوں کرتا ہے، اور اگر اس کا حق پر ہونا جانتا ہے، تو کیونکر جانتا ہے، اگر کسی اور کے کہنے پر تجھے اعتبار آگیا ہے، تو پھر اس کا حق پر ہونا جانتا ہے یا نہیں، اس طرح تسلسل اور دور لازم آئے گا، اور اگر عقل سے اس کا حق پر ہونا سمجھتا ہے، تو اس عقل کو حق کی معرفت میں کیوں استعمال نہیں کرتا؟ کیوں اپنے لئے تقلید کی ذلت گوارا کرتا ہے، دوسری وجہ یہ ہے، کہ جس کی تو تقلید کرتا ہے اس نے بھی اس مسئلہ کو تقلید سے معلوم کیا ہے یا دلیل سے؟ اگر اس نے بھی اسے تقلید ہی سے معلوم کیا ہے، تو پھر تو اور وہ برابر ہو گئے، وہ تجھ سے بہتر کیونکر ہوا اور اس نے اگر اسے دلیل سے معلوم کیا ہے، تو اس کی صحیح تقلید تو یہ ہے، کہ تو بھی اسے دلیل سے معلوم کر، ورنہ تو اس کا

والا مخالف او باشی نہ مقلد او وچوں تو ہم آن مسئلہ را بدلیل دانستی تقلید مناطع شد انتہی ما فی العزیزی،

قال فی التفسیر الکبیر المسئلۃ الثانیۃ معنی الآیۃ ان اللہ تعالیٰ امرھم بان یتبعوا ما انزل اللہ من الدلائل الباھرۃ فھم قالوا لا نتبع ذلک وانما نتبع آباءنا واسلافنا فکانما عارضوا الدلالۃ بالتقلید واجاب اللہ تعالیٰ عنھم بقولہ اولو کان آباؤھم لا یعقلون شیئا ولا یھتدون وفیہ مسائل المسئلۃ الثانیۃ تقریر ھذا الجواب من وجوہ احدھا ان یقال للمقلد ھل تعترف بان شرط جواز تقلید الانسان ان یعلم کونہ محقا ام لا فان اعترف بذلک لم یعلم جواز تقلیدہ الا بعد ان تعرف کونہ محقا فکیف عرفت انہ محق وان عرفتہ بتقلید اخر لزم التسلسل وان عرفتہ بالعقل فذالک کاف فلا حاجۃ الی التقلید وان قلت لیس من شرط جواز تقلیدہ ان یعلم کونہ محقا فاذن قد جوزت تقلیدہ وان کان مبطلا فاذن انت علی تقلیدک لا تعلم انک محق او مبطل۔

وثانیھا ان ذلک المتقدم کان عالما بھذا الشیٔ الا انا لو قدرنا ان ذلک المتقدم ما کان عالما بذلک الشیٔ قط وما اختار فیہ البتۃ مذھبا فانت ماذا کنت

مخالف ہو گا، نہ کہ مقلد، اور جب تونے اس کو دلیل سے معلوم کر لیا تو تقلید ختم ہو گئی۔

تفسیر کبیر میں کہا ہے: دوسرا مسئلہ آیت کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ خداوند تعالیٰ کی واضح دلیلوں کی پیروی کرو، تو انہوں نے جواباً کہا، کہ ہم اس کی پیروی نہیں کریں گے، ہم تو اپنے باپ دادا کی پیروی کریں گے، گویا انہوں نے دلیل کا مقابلہ تقلید سے کیا، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو جواب دیا، کہ اگرچہ ان کے باپ بے سمجھ اور گمراہ ہی ہوں، تب بھی انہی کی پیروی کریں گے اور اس میں بہت مسائل ہیں، دوسرا مسئلہ، اس جواب کی کئی طرق سے تقریر کا ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ مقلد سے پوچھنا چاہیئے، کیا تو یہ اقرار کرتا ہے، کہ کسی انسان کی تقلید کرنے کے لئے اس کے حق پر ہونے کا علم بھی ضروری ہے یا نہیں؟ اگر وہ اقرار کرے کہ ہاں اس کے حق پر ہونے کا علم ضروری ہے، تو اس سے پوچھا جائے، کہ تم کو اس کا حق پر ہونا کیسے معلوم ہوا؟ اگر کسی دوسرے کی تقلید سے ہوا ہے، تو تسلسل اور دور لازم آئے گا، اور اگر تو نے عقل سے معلوم کر لیا ہے، تو یہ عقل دلیل تلاش کرنے کے لئے کافی ہے تقلید کی ضرورت نہیں ہے، اور اگر مقلد کے حق پر ہونے کا علم ضروری نہیں سمجھتا، تو اس کا مطلب یہ ہے، کہ تو نے اس کے باطل پر ہونے کے جواز کے باوجود اس کی تقلید کر لی، اس وقت تم کو یہ معلوم نہ ہو گا، کہ تم حق پر ہو یا باطل پر، دوسری وجہ یہ ہے، کہ فرض کر لو جس کی تم تقلید کرتے ہو

تعمل فلا تقدیران لا یوجد ذلک المتقدم ولا مذهبه کان لا بد من العدول الی النظر فکذا ههنا۔

وثالثها انک ان قلدت من قبلک فذلک المتقدم کیف عرفته اعرفته بتقلید ام لا بتقلید فان عرفته بتقلید لزم اما الدور واما التسلسل وان عرفته لا بتقلید بل بدلیل فاذا وجبت تقلید ذلک المتقدم وجب ان تطلب العلم بالدلیل لا بالتقلید لانک لو طلبت بالتقلید لا بالدلیل مع ان ذلک المتقدم طلبه بالدلیل لا بالتقلید کنت مخالفا له فثبت ان القول بالتقلید یفضی ثبوته الی نفیه فیکون باطلا انتہی ما فی الکبیر

نزلت فی المشرکین امروا باتباع القرآن وسائر ما انزل اللہ تعالی من الحجج القاهرۃ والبینات الباهرۃ فجنحوا الی التقلید وقیل نزلت فی طائفۃ من الیهود دعاهم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الاسلام فقالوا بل نتبع ما وجدنا علیه آباءنا لانهم کانوا خیرا منا واعلم الی اخر ما فی التفسیر ابی السعود

پس آیات کریمہ مذکورہ بالا سے صاف ظاہر ہے، کہ مقلدان زمانہ باوصف درس و تدریس صحاح ستہ وقرآن مجید کے بنا براعتماد قواعد مخترعہ متاخرین اور روش و عادت اہل کتاب نصوص صریحہ قرآن وحدیث سے بلطائف الحیل وتاویلات رکیکہ مقابلہ ومعارضہ کرتے ہیں، اور کہتے ہیں، کہ ہم کو اس قدر فہم و فراست کہاں کہ مقاصد قرآن وحدیث پر عبور کریں، جو کچھ اسلاف کرام نے قواعد واصول مقرر کئے ہیں، ان پر عمل کرتے ہیں، پس ان پر فرمودہ رسول مقبول صلی اللہ

اگر اس کو اس مسئلہ کا علم نہ ہوتا، یا وہ خود ہی دنیا میں پیدا نہ ہوتا، تو تم کیا کرتے، یقیناً تم کو کسی اور کی طرف نگاہ اٹھانا پڑتی سو اب بھی ایسا ہی کیوں نہیں کرلیتے۔

تیسری وجہ یہ ہے، کہ جس پہلے آدمی کی تم تقلید کر رہے ہو اس نے اس مسئلہ کو کیسے معلوم کیا۔ اگر کسی اور کی تقلید سے معلوم کیا ہے، تو دور لازم آئے گا، اور اگر اس نے دلیل سے معلوم کیا ہے، تو اس کی تقلید تو یہ ہے، کہ تم بھی دلیل سے اس کو معلوم کرو، ورنہ مخالفت لازم آئے گی، تو معلوم ہوگیا، کہ تقلید سے کوئی بات کہنا تقلید کی نفی کی طرف لے جاتا ہے پس تقلید باطل ٹھہری تفسیر کبیر کا مضمون ختم ہوا، یہ آیت مشرکین کے حق میں نازل ہوئی کہ جب ان کو دلائل کے اتباع کی دعوت دی گئی تو وہ تقلید آباء کی طرف جھک گئے بعض کہتے ہیں، کہ یہ آیت یہود کی ایک جماعت کے حق میں نازل ہوئی ان کو حضور نے اسلام کی دعوت دی تو وہ کہنے لگے، ہمارے باپ دادا ہم سے بہتر تھے زیادہ عالم تھے ہم ان کی پیروی کریں گے (ابوالسعود)

علیہ وسلم راست آیا۔ لتتبعن سنن من کان قبلکم شبرا بشبر وذراعا بذراع حتی لو دخلوا جحر ضب تبعتموھم قلنا یا رسول اللہ الیھود والنصاریٰ قال فمن۔[1] انتہی مافی صحیح البخاری وغیرہ من کتب الحدیث

ان نافہم مقلدوں کے پیچ پیچ طریقہ وشعار پر صد ہزار افسوس ہے کہ ائمہ مجتہدین کے اقوال پر بھی کاربند نہیں ہوتے، بلکہ بمقتضائے مضمون آیت کریمہ فی کل واد یھیمون یعنی وادی جہالت میں سرگردان رہتے ہیں، اور تابعداران وتبعان خدا ورسول کو بزعم فاسد خود سب وشتم وزدوکوب کرتے ہیں، اور لامذہب وبیدین کہتے ہیں، پس ان کے یہ تمام آثار وشعار بسبب ہوائے نفسانی دموجب عدم تدبر قرآن وحدیث واقوال سلف صالحین ومتاخرین محققین کے خلاف ہیں، اور اقوال بلا دلیل پر نازاں وفرحاں ہیں۔ مسلم الثبوت میں مذکور ہے، عن ائمتنا لا یحل لاحد ان یفتی بقولنا مالم یعلم من این قلنا انتہی وھکذا فی سم القوارض للملا علی قاری الھروی[2]

واسامی کتب اہل اصول مذہب حنفی وغیرہ کے عدم وجوب تقلید شخصی میں یہ ہیں، باب ثامن عشر قضا فتاویٰ عالمگیری، وفتح القدیر، وتحریر الاصول لابن الہمام، وتقریر شرح تحریر صاحب عنایہ وتحبیر شرح تحریر امیر الحاج وشرح تحریر سید بادشاہ، شرح منہاج علامہ قاسم، ومسلم الثبوت محب اللہ البہاری، ومختصر الاصول ابن حاجب، وعضدی شرح مختصر الاصول وشرح تحریر ومسلم مولانا نظام الدین وبحر العلوم مولوی عبد العلی، وعقد الفرید شرنبلالی، وطحطاوی ورد المحتار، وطوالع الانوار حواشی در مختار ومعتقم الحصول علامہ حبیب اللہ قندھاری وقول سدید شیخ الشیوخ سید احمد طحطاوی تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف شیخ عبد الحق محدث دہلوی وکتاب الرد علی من اخلد الی الارض للشیخ جلال الدین السیوطی وعلامہ عبد البر وقرافی در شرح اصول، وعبد الوہاب، در میزان ویواقیت وعقد الجید وحجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وسوالات عشرہ شاہ عبد العزیز ودقا صتی

---

[1] تم اپنے سے پہلے لوگوں کی پوری پوری پیروی کرو گے بالشت با بالشت اور ہاتھ با ہاتھ، اگر ان میں سے کوئی گوہ کے بل میں گھسا ہوگا، تو تم بھی گھسو گے، ہم نے پوچھا اے اللہ کے رسول یہود ونصاریٰ کی پیروی کریں گے، آپ نے فرمایا اور کس کی؟ ۱۲

[2] ہمارے اماموں کا قول ہے، کہ کسی آدمی کو اس وقت تک ہمارے قول پر فتویٰ دینا جائز نہیں ہے، جبتک کہ اس کو یہ معلوم نہ ہو جائے کہ ہم نے وہ قول کیوں کہا، ملا علی قاری کی سم القوارض میں بھی اسی طرح ہے ۱۲

ثناء اللہ پانی پتی کا رسالہ اہل الحدیث و کتاب فارسی جو گویا ترجمہ مسلم الثبوت ہے، تنویر العینین و ایضاح الحق مولانا محمد اسمٰعیل شہید دہلوی، جیسا کہ واقفان و مزاولان کتب مذکورہ پر مخفی نہیں ہے اس صورت میں مقلدین ہوا پرستان پر واجب ہے، کہ بنظر انصاف و تدبر تمام کتب مذکورہ کو ملاحظہ فرما کر افراط و تفریط سے باز آویں، تا رضائے مولا پاویں سے

اندکے با تو بگفتم و بدل ترسیدم کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

واضح ہو، کہ جاہل ناواقف پر بمقتضائے لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر[1] الایۃ ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون[2] الایۃ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون[3]۔ وغیرھا من الایات، مسائل کا پوچھنا اور سیکھنا شرعاً فرض وواجب ہے، یعنی ہر جاہل لاعلمی کے وقت کسی عالم اہل الذکر سے خواہ وہ عالم افضل ہو، خواہ وہ فاضل خواہ مفضول ہو، کیونکہ اہل الذکر عند التحقیق عام ہے، مسئلہ دریافت کرلیا کرے، خواہ ایک عالم اہل ذکر سے پوچھے یا دو سے، فی الجملہ جس سے تسلی اور دلجمعی ہو، پھر جب ایک سے یا دو سے مثلاً دریافت کرلیا، عہدہ تکلیف سے باہر ہوگیا، اس پر شرعاً مواخذہ نہ رہا، اور اسی پر قطعاً اجماع ہوچکا۔

اعلموا[4] ان کلا من المجتہدین والعلماء الکاملین من اھل الذکر الذین وجب سوالھم واتباعھم لمن لم یصل الی درجۃ النظر والاستدلال فاذا عمل احد من المقلدین بقول احد منھم فقد ادی ما علیہ ھذا خلاصۃ ما یستفاد من القول السدید وغیرہ۔ مسئلہ یجوز تقلید المفضول مع وجود الافضل فی اھلہ عند الاکثر وعن احمد وکثیر المنع بل یجب النظر فی الارجح ثم اتباعہ لنا

---

[1] اگر ہم سنتے یا عقل سے کام لیتے، تو ہم دوزخ والوں میں سے نہ ہوتے ۱۲ [2] کیا جاہل اور عالم کبھی برابر ہو سکتے ہیں ۱۲ [3] اگر تم کو معلوم نہیں تو اہل ذکر (علم والوں) سے پوچھ لو ۱۲

[4] جان لینا چاہیے، کہ ہر اس آدمی کے لئے جو درجہ نظر و استدلال تک نہیں پہنچا ہے، سارے مجتہد اور علمائے کاملین اہل ذکر ہیں، جن سے مسئلہ پوچھنے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، جب کوئی مقلد کسی عالم کے قول پر عمل کرے گا، تو اس نے اپنی تحقیق کرلی" القول السدید وغیرہ سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے

مسئلہ۔ افضل اور اعلم کے ہوتے ہوئے بھی مفضول کی تقلید اکثر اہل علم کے نزدیک جائز ہے اہل امام احمد اور کچھ دوسرے علماء اس کے قائل نہیں ہیں، ان کے نزدیک زیادہ صحیح کی تلاش ضروری ہے

ہو لاکما اقول عموم فاسئلوا اھل الذکر و ثانیا القطع فی عصر الصحابۃ باستفتاء کل صحابی مفضول لکان اجماعا ومن ثم قال الامام لو لا اجماع الصحابۃ لکان مذھب الخصم اولی انتہی ما فی مسلم الثبوت فمن انکر عموم اھل الذکر فاولی لہ ثم اولی لہ اللھم ارنا الحق حقا والباطل باطلا۔ واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب۔ الراقم عاجز سید محمد نذیر حسین

سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱

ز شرف سید کونین شد شریف حسین	سید احمد حسن	بہ طفیل نبی الٰہی بخش	شہاب الدین

جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔ فی الواقع یہ رسالہ مسمی بہ ثبوت الحق الحقیق واسطے حق کے کافی ہے، اور واسطے ہدایت کے وافی ہے

حررہ محمد عبد الرؤف جہالوی عظیم آبادی محمد عبد الرؤف محمد عبد العزیز عظیم آبادی

خادم شریعت رسول الثقلین محمد تلطف حسین عظیم آبادی ابو النصر محمد عبد الغفار جہالوی عظیم آبادی

محمد نظیر حسن ابن ابو نعیم عظیم آبادی محمد عبد الصمد ابن ملا عبد الواحد خاں شہود الحق توفیق خدا باد

محمد ۱۲۹۵ ز احمد شد ابو المحامد

ھذا صح الجواب۔ محمد غلام اکبر خان عظیم آبادی

محمد غلام اکبر خان دہلوی محمد عبد القادر جلیسری

محمد عبد الحمید ھو التحقیق ما قال المجیب محمد عبد الحمید محمد عبد الحمید جلیسری

محمد عبد العزیز خادم شرع عزیز فیروز پوری ثم الجلال آبادی محمد عبد العزیز رحیم آبادی محمد عبد الغفار بنگالی

نعم المولیٰ و نعم النصیر نصیر الحق عظیم آبادی ز نور الحسن ۱۲۹۲ جہان شد منور حفیظ اللہ بنگالی عبد الغفور بنگالی

محمد امیر علی عفی عنہ لکھنوی محمد قاسم عفی عنہ شاہ آبادی محمد عبد السبحان خان متو شمس آبادی

محمد عبد الحق پنجابی محمد جمیل اعظم گڈھی (باقی مواہیر آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں، کہ لوالا اللہ تعالیٰ نے اہل الذکر میں عموم رکھا ہے اور ثانیا صحابہ کے زمانہ میں یہ فیصلہ ہو گیا کہ افضل کے ہوتے مفضول صحابی بھی فتوی دیا کرتے تھے تو گویا اس طرح پر اجماع ہو گیا یہی وجہ ہے، کہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا اگر صحابہ کا اجماع نہ ہوتا، تو ہمارے مخالفین کی بات راجح ہوتی مسلم الثبوت کا مضمون ختم ہوا، سو جو عموم اہل ذکر کا انکار کرے، اس پر نہایت ہی افسوس ہے، خداوندا ہمیں حق حق دکھا اور باطل باطل ۱۲

محمد سعید کتھاہی	محمد حسین خان عفی عنہ ساکن قصبہ مغلپور متعلقہ مراد آباد	محمد راج شاہی ساکن جامریہ	رحیم اللہ عفی عنہ مئوی

علی حسن خان حمید پوری ضلع اعظم گڈھ	عبد الہادی الاسلام آبادی	محمد امیر حسن البہاری عظیم آبادی
محمد خلیل الرحیم نصیر آبادی	محمد حسین پنجابی سلطان پوری	محمد گلزار حسین عفی عنہ
محمد عبد العزیز مراد آبادی	حافظ اللہ دیا پنجابی	نور محمد اعظم المئوی اعظم گڈھی

سوال:۔ چہ فرمایند علمائے دین درحق شخصے کہ ایمان بخدا و ملائکہ و کتب منزلہ و پیغمبران وقیامت وتمامی ضروریات ایمان میدارد، واقرار شہادتین نمودہ وادائے صلوۃ وصوم مینماید وارادہ ادائے حج وزکوۃ بشرط فرض شدن آنہا میدارد و امیدوار رحمت پروردگار و خائف از عذاب اومی باشد، ومجتنب از ہمہ اقسام مناہی است، وعلی الخصوص از منافیات ایمان وتمامی برگزیدگان بارگاہ صمدیت را از صحابہ وتابعین وتمامی مجتہدین و اولیاء اللہ وعلمائے ربانی را مقتدائے خود داند، وبر طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ وتابعین عمل می نماید ودر ہیچ وجہ در عقاید اہل سنت واعمال نقصان نمی نماید، بلکہ بخیال سہو وخطا در عقاید وعمل دائما استغفار وتعوذ ورد زبان میدارد، بالجملہ بجمیع ما جاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم تصدیق میکند وحسب استطاعت ومااخلاق واعمال شرعیہ فرو گذاشت نمی کند، آیا جامع این اوصاف مسلمان است یا نہ، وکسے کہ این چنین شخص را کافر گوید وبطلان اسلامش اعتقاد می کند بسبب آنکہ مذہب خود را بسوئے حنفیت وشافعیت وغیرہما نسبت نمی کند، حال این تکفیر کنندہ چیست، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ درصورت صدق مستفتی ہر کہ این شخص را کافر می گوید وبطلان اسلامش

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین، کہ ایک شخص خدا، فرشتوں، تمام منزلہ کتابوں اور پیغمبروں اور قیامت کا یقین رکھتا ہے، شہادتین کا اقرار کرتا ہے، نماز روزے کا پابند ہے، حج اور زکوۃ اگر فرض ہو جائے تو ان کے ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے، خدا کی رحمت کا امیدوار اور اس کے عذاب سے ترساں ہے، تمام برے کاموں سے پرہیز کرتا ہے، بزرگان دین صحابہ وتابعین کو اپنا مقتدا جانتا ہے، غرضیکہ اہل سنت کے عقائد میں سے کسی میں کمی نہیں کرتا، اور اپنی غلطیوں سے ہر وقت استغفار کرتا رہتا ہے، حتی المقدور نیک کام کرنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن اپنے آپ کو حنفی یا شافعی نہیں کہلاتا ایسا شخص مسلمان ہے یا نہیں؟ اور اگر کوئی اس کو کافر کہے، تو اس کا اپنا حال کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ جو شخص ایسے آدمی کو کافر کہے وہ خود کافر ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے،

اعتقاد می کند او خود کافر می گردد، ودر مجمع البحار است، در شرح حدیث من قال لاخیہ یا کافر فقد باء بہ لانہ ان صدق علیہ فہو کافر وان کذب عاد الکفر الیہ ای کفر بفرع من فروع الایمان ولا یخرج عن اصل الایمان وان کذب واعتقد بطلان الاسلام رجعت الی القائل وکذا ان استحلہ والا فبجرد تکفیرہ فسق لا یوجب الکفر قال لاخیہ کافر بالتنوین خبر مبتدا محذوف ای ہو کافر ومرفی یا کافر انتہی۔ وظاہر است کہ نسبت نکردن مذہب خود بیکے از ائمہ مجتہدین بالخصوص منافی ایمان نیست تا بسببش ایمان العیاذ باللہ تعالیٰ سلب شود وکافر گردد، وکتاب مسلم در اصول فقہ کہ مثلش درین علم کتابے دیگر نیست، نزد علمائے محققین بر لفظ فیہ ما فیہ تمام گشتہ مصنف او رحمہ اللہ در حاشیہ این نوشتہ قال العراقی انعقد الاجماع علی من اسلم فلہ ان یقلد من شاء من العلماء من غیر حجر واجمع الصحابۃ علی من استفتی ابا بکر وعمر امیری المؤمنین فلہ ان یستفتی ابا ہریرۃ ومعاذ بن جبل وغیرہما ویعمل بقولہم من غیر نکیر فمن ادعی برفع ہذین الاجماعین فعلیہ البیان۔

ازیں ہر دو اجماع خصوصاً از اجماع ثانی ثابت شد کہ کسے کہ مذہب خود بیکے از مجتہدین منتسب نہ کند کافر نمی گردد، وکسے کہ کافر می گوید بر و لازم می آید کہ او تکفیر صحابہ کرام وتابعین غیر مجتہدین می کند نعوذ باللہ تعالیٰ من ذلک۔ اگر مکفر در جواب بگوید کہ ہر دو اجماع مذکور

جو اپنے بھائی کو کافر کہے، تو اگر وہ واقعی کافر ہو تو وہ کفر کا فتوی اس پر جاری ہوگا، اور اگر وہ کافر نہ ہو، تو کہنے والا خود کافر ہو جائے گا۔ اور یہ ظاہر بات ہے، کہ اپنے آپ کو ائمہ مجتہدین میں سے کسی کی طرف منسوب نہ کرنا ایمان کے منافی نہیں ہے کہ اس کے سبب سے آدمی کافر ہو جائے، مسلم الثبوت اصول فقہ میں ایک نہایت بیش قیمت کتاب ہے اس نے مصنف نے حاشیہ پر لکھا ہے، کہ عراقی کہتے ہیں، اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا ہے، کہ جو بھی آدمی مسلمان ہو، اس کو حق ہے، کہ ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک کی تقلید کرے، اور صحابہ کا اس پر اجماع ہے، کہ اگر کوئی آدمی ابوبکر و عمر امیر المؤمنین سے مسئلہ پوچھے، تو اس کو یہ بھی حق ہے، کہ ابوہریرہ اور معاذ بن جبل سے بھی مسئلہ پوچھ لے اور جس کے قول پر چاہے عمل کرے، اور اگر کوئی اس کے برخلاف کہے، تو وہ دلیل بیان کرے۔

ان دونوں اجماعوں خصوصاً دوسرے اجماع سے ثابت ہوا، کہ اگر کوئی آدمی کسی مجتہد کی طرف منسوب نہ ہو تو وہ کافر نہیں ہو جاتا، اور اگر کوئی اس کو کافر کہے، تو اسے چاہیے، کہ پہلے صحابہ اور تابعین پر کفر کا فتوی لگائے، اگر

باجماع ثالث کہ بر خلاف ہر دو اجماع مذکور منعقد شدہ منسوخ شدند اجماع ثالث برین است، کہ مذہب خود بیکے از مجتہدین بالعموم یا بالخصوص بیکے از ائمہ اربعہ منتسب کردن از لوازم ایمان است، پس نفی لازم لنفی ملزوم کہ ایمان است، لازم می آید، در رد این جواب می گویم، کہ اول اجماع ثابت کند، بعد از ان قیل وقال کند، ہرگز ثابت نخواہد کرد، زیرا کہ مسئلہ اصول است الاجماع لا یکون ناسخا ولا منسوخا کما فی جمیع کتب اصول الفقہ، بر تقدیر ثبوت اجماع ثالث خلاف این مسئلہ اصول لازم می آید، والتالی باطل فالمقدم مثلہ

اکنون باید دانست، کہ درین زمانہ اخیر دو قسم مردم پیدا شدہ اند یکے لعلمائے مجتہدین سب می کنند، العیاذ باللہ تعالیٰ ودمی گویند، کہ حنفی وشافعی ومالکی مثلا خود را گفتن از شراب نوشی وزنا کاری بدتر است، ودر حق خود می گویند کہ ما عمل بالحدیث می کنیم، در جواب شان گفتہ شدہ کہ عمل بر حدیث بشرط لیاقت حق است وعلی الراس والعین لیکن سب مجتہدین زندقہ وگمراہی است، در مقابل این فرقہ دیگرے اند کہ العیاذ باللہ تعالیٰ بمجتہدین اسارت ادب می کنند وعمل بر حدیث جائز نمی دارند گو مقرون بشرائط عمل باشد ومی گویند، کہ اگر کسے خود را حنفی یا شافعی مثلا نمی گوید مومن ومسلمان نیست، واگر کسے ارشاد وہدایت این مسئلہ کند نمی فہمند واز عمل بالحدیث متنفر اند العیاذ باللہ تعالیٰ، تا آنکہ اشارہ بسبحہ در تشہد کہ ثابت باحادیث صحیحہ است

کوئی یہ کہے کہ پہلے دونوں اجماع تیسرے اجماع سے منسوخ ہو گئے کیونکہ بعد میں اپنے آپ کو کسی مجتہد کی طرف منسوب کرنے پر اجماع ہو گیا، تو اس کا جواب یہ ہے، کہ یہ تیسرا اجماع جس کا حوالہ دیا جا رہا ہے کہاں ہے؟ روئے زمین پر اس کی کوئی دلیل نہیں ہے، اور پھر علم اصول کا مسئلہ ہے، کہ اجماع نہ ناسخ ہوتا ہے نہ منسوخ، اگر بالفرض محال تیسرا اجماع ثابت بھی ہو جائے تو یہ فقہاء کا اصول باطل ہو جائے گا، اور چونکہ اصول ثابت ہے لہذا یہ دعویٰ باطل ہے۔

اب یہ بھی یاد رکھنا چاہیے، کہ اس زمانہ میں دو گروہ پیدا ہو چکے ہیں، کچھ تو ائمہ مجتہدین کو گالی وغیرہ دیتے ہیں، اور کہتے ہیں، کہ ہم اپنے آپ کو حنفی یا شافعی کہنا شراب نوشی اور زنا کاری سے بھی بڑا گناہ سمجھتے ہیں، خدا کی پناہ اور اپنے متعلق دعویٰ کرتے ہیں، کہ ہم حدیث پر عمل کرتے ہیں، ان کا جواب تو یہ ہے، کہ حدیث پر عمل کرنا تو صحیح ہے، لیکن ائمہ مجتہدین کو برے الفاظ سے یاد کرنا بے دینی اور گمراہی ہے، اور ان کے مقابل دوسرا گروہ ہے جو محدثین کے حق میں زبان درازی اور بے ادبی کرتے ہیں، اور حدیث صحیح ثابت بھی ہو جائے تو بھی اس پر عمل نہیں کرتے، اور اگر کوئی ان کو سمجھانے کی کوشش کرے، تو بھی نہیں سمجھتے ایسے لوگوں سے بھی خدا کی پناہ! نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ تشہد میں انگشت کے اشارہ کو خلاصہ کیدانی والے جیسے آدمی کے پیچھے لگ کر حرام کہہ دیتے ہیں، حالانکہ یہ حدیث

بر تقلید مثل خلاصہ کیدانی حرام می گویند، وجہل دیگر فرقہ این است، کہ با وجود ثبوت اشارہ باحادیث صحیحہ مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نیز ہست، صرح بہ الامام محمد فی الموطا، واگر کسے ہدایت باین مسئلہ کند بے آنکہ لیاقت فہم وشعور داشتہ باشد نافہمیدہ ہدایت جق جق دلق لق آغاز می کند فیفتخرون عند العلماء وان کانوا یفتخرون عند الجہلاء، مثلہم درجواب ایشان استرجاع نمودہ تسلیہ خاطر مضمون این کریمہ نمودہ می آید کل حزب بما لدیہم فرحون مومن را باید کہ اعمال قلبی وقالبی خود را بمیزان شریعت غرا سنجیدہ باشد از تکفیر وتفسیق باطل کسے کفر وفسق لازم نمی آید، فقط واللہ تعالے اعلم بالصواب کتبہ العبد المذنب الراجی رحمۃ ربہ الباری محمد حیدر علی[1] حفظہ اللہ تعالی بلطفہ الخفی والجلی۔

سید محمد نذیر حسین | محمد حیدر علی

مسئلہ حق ومدلل ہمیں است | محمد نور الحق حنفی | الجواب قول فصل وما ہو بالھزل | علی احمد

اجاد من اجاب۔ محمد صدیق عفی عنہ | محمد انعام اللہ | الجواب حق | جعفر علی

بتائیدہ تعالے اصاب من اجاب، کافر نیست، بشرط مطابقت اعتقاد باعتقاد اہل سنت

محمد امام الدین | الجواب اجود واحکم واللہ بالصواب اعلم | عبد المجید خان

سوال:- اضعف العباد نجم الدین مرشد آبادی بحکم آیت کریمہ ولا تلبسوا الحق بالباطل (حق کو باطل سے نہ ملاؤ) مقلدوں سے سخت ایذا پانے کے بعد نہایت مضطر ہو کر علمائے دین محمدی سے سوال کرتا ہے، کہ عمل تقلیدی کسی حجت شرعیہ میں سے ہے یا نہیں بینوا بالحق ولا تکتموا الحق۔

الجواب:- عمل تقلیدی کسی ایک حجت شرعیہ میں سے نہیں ہے یعنی عمل بقول اس شخص کے کرنا، کہ جس کا قول بلا دلیل شرعی کے حجت نہ ہو اس کو عمل تقلیدی کہتے ہیں، اور تقلید کی تعریف

صحیح سے بھی ثابت ہے، اور امام ابو حنیفہ بھی اس کے قائل ہیں، جیسا کہ امام محمد نے موطا میں اس کی تصریح کی ہے، اگر کوئی ایسے لوگوں کو دلائل کی بنا پر سمجھانے کی کوشش کرے، تو جاہل ہونے کے باوجود ٹر ٹر کرنے لگتے ہیں، ایسے لوگ جاہلوں میں گو کچھ وقار رکھتے ہوں لیکن علماء کے نزدیک ذلیل ورسوا ہیں، ان کے جواب میں انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ دینا کافی ہے، مومن کو چاہیئے کہ اعمال کو شریعت کی ترازو میں تولے، اور کسی فاسق وفاجر کے فتوی کفر وفسق کی پرواہ نہ کرے، ایسے لوگوں کے فتوؤں سے کوئی آدمی کافر نہیں ہو جاتا ۱۲

[1] مولانا سید محمد حیدر علی صاحب ٹونکی رحمہ اللہ تعالے ۱۲

یہ ہے۔ التقلید العمل بقول الغیر من غیر حجۃ متعلق بالعمل والمراد بالحجۃ حجۃ من الحجج الاربع کذا فی کتب الاصول الحنفیۃ وغیرھا کما لا یخفی علی الماھر بالاصول۔ پس تقلید کی تعریف سے حسب اصطلاح مقلدین کے واضح ہوا، کہ عمل تقلیدی دلائل اربع یعنی کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واجماع صحابہ ومجتہدین وقیاس صحیح مجتہد مسلم الاجتہاد سے خارج ہے، اور یہ عمل تکلیفی شرعی اصلاً نہیں اور جو عمل بلا ادلہ اربعہ کے پایا جاوے، وہ عمل تکلیفی شرعی نہیں، وہ شرعاً مردود وباطل ہے، پس عمل تقلیدی بھی مردود اور باطل ہوا، الحمد للہ کہ بے اصل شرعی ہونا تقلید کا بموجب اصطلاح مقلدین کے ثابت ہوا، اور یہ مقلدین پر سخت حجت ہے، کما لا یخفی علی المتفطن المنصف الماھر بالشریعۃ المحمدیۃ۔

قال فخر الدین الرازی فی الکبیر ھذہ الایۃ دالۃ علی ان ماسوی ھذہ الاصول الاربع اعنی الکتاب والسنۃ والاجماع والقیاس مردود وباطل و قد امر اللہ تعالیٰ فی کل واحد منھا بتکلیف خاص معین دل ذلک علی انہ لیس للمکلف ان یتمسک بشئ سوی ھذہ الاصول الاربعۃ واذا ثبت ھذا فنقول القول بالاستحسان الذی یقول بہ ابو حنیفۃ رضی اللہ عنہ والقول بالاستصلاح الذی یقول بہ مالک رحمہ اللہ تعالیٰ ان کان المراد بہ احد ھذہ الامور الاربعۃ فھو تغییر عبارۃ ولا فائدۃ فیہ وان کان مغایرا لھذہ الاربعۃ کان القول بہ باطلا قطعا لدلالۃ ھذہ الایۃ علی بطلانہ کما ذکرنا انتہی

لہ عمل کے متعلق بغیر کسی دلیل کے کسی کے قول پر عمل کرنے کا نام تقلید ہے، اور دلیل سے مراد وہی ادلہ اربعہ ہیں، جن کی کتب اصول فقہ حنفیہ میں تصریح کی گئی ہے، جیسا کہ ماہران اصول اس کو جانتے ہیں ۱۲

سلہ جیسا کہ شریعت محمدیہ کے ماہران منصف مزاج پر یہ امر کوئی پوشیدہ نہیں ہے ۱۲

سلہ امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں، کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے، کہ ماسوائے ادلہ اربعہ یعنی کتاب سنت، اجماع، قیاس کے جو دلیل ہے، وہ مردود ہے، اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر ایک کے متعلق ایک خاص معین ہدایت کی ہے، اور کسی مکلف کو جائز نہیں ہے، کہ ان چار دلیلوں کے سوا کسی اور چیز سے استدلال کرے، جب یہ بات ثابت ہو گئی، تو ہم کہتے ہیں، کہ امام ابو حنیفہؒ کے "استحسان" اور امام مالک کے "استصلاح" سے مراد اگر انہیں چاروں امور میں سے کوئی چیز ہے، تو یہ صرف الفاظ کا ہیر پھیر ہے، اور اگر اس کے سوا اور کوئی چیز ہے

ما فی التفسیر الکبیر تحت آیۃ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر۔

اور اسی نظر سے شوکانی نے "قول المفید فی حکم التقلید" میں لکھا ہے، کہ نصوص ائمہ اربعہ کے منع تقلید میں مصرح ہیں قال[1] الشوکانی قد ذکرت نصوص الائمۃ الاربعۃ المصرحۃ بالنہی عن التقلید فی الرسالۃ التی سمیتہا القول المفید فی حکم التقلید فلا نطول المقام بذکر ذلک وبہذا تعلم ان المنع من التقلید ان لم یکن اجماعا فہو مذہب الجمہور ویؤید ہذا حکایۃ الاجماع علی عدم جواز تقلید الاموات وکذلک عمل المجتہد برأیہ انما ہو رخصۃ لہ عند عدم الدلیل ولا یجوز لغیرہ ان یعمل بہ بالاجماع فہذان الاجماعان یجتثان التقلید من اصلہ انتہی ما فی ہدایۃ السائل۔

اور برعکس وخلاف اس کے ہر مقلد بجز تقلید آباء واسلاف کے فریفتہ اور مغرور ہو کر کتاب اور سنت سے ستیزہ کناں اسی تقلید بلا دلیل پر اڑا ہوا اپنے خیال خام اور ہوس نافرجام پر شادان وناز ان ہے، چنانچہ آیت کریمہ کل حزب بما لدیہم فرحون ایسے ہی مقلد متعصب پر مشعر اور مخبر ہے، وہ ذرا غور اور فکر نہیں کرتا، کہ تقلید بلا دلیل درمیان محق اور مبطل کے امر مشترک فیہ ہے، اس لئے کہ ہر فرقہ کہ جس کی تقلید بلا دلیل کرتا ہے اس کو اچھا جانتا ہے، اور دوسرا فرقہ، فرقہ والے کے مقابل اس کے برعکس سمجھتا ہے، پس اگر یہ

تو یہ بالکل باطل ہیں، اور آیت اس کے بطلان پر صاف دلالت کر رہی ہے "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول" الآیۃ کے تحت تفسیر کبیر کا مضمون ختم ہوا۔

لہ امام شوکانی کہتے ہیں، کہ میں نے اپنے رسالہ "القول المفید فی حکم التقلید" میں چاروں اماموں کے تقلید کی ممانعت کے بارے میں اقوال نقل کئے ہیں ہم یہاں اس بحث کو لمبا کرنا نہیں چاہتے، اگر تقلید کی ممانعت میں اجماع نہیں ہے تو بہرحال جمہور کا مسلک یہی ہے، اور جمہور کا مسلک اس پر اجماع ہے، کہ مردوں کی تقلید منع ہے، اور مجتہد کو عدم دلیل کے موقع پر اپنی رائے پر عمل کرلینے کی اجازت ہے اور اس پر اجماع ہے، کہ کسی دوسرے کو اس کی رائے پر عمل کرنا جائز نہیں ہے، ہدایۃ السائل کے بیان کے مطابق یہ دونوں اجماع تقلید کی جڑیں کاٹ رہے ہیں۔

(۱) ہذا علی التنزل کان اجماع السلف من القرون الثلثۃ وتعاملہم علی عدم جواز التقلید بلا دلیل ما نزل بہا من سلطان کما لا یخفی علی اہل الایمان والایقان من جہرۃ القرآن من ادعی خلاف ہذا فعلیہ البیان بالبرہان کما قال اللہ تعالی قل ہاتوا برہانکم ان کنتم صادقین ۱۲ منصور رحمہ اللہ

تقلید بلا دلیل فی نفسہ مفضی الی الحق والصواب ہو تو شئے اور نقیض شئے کا حق اور صواب پر ہونا لازم آتا ہے اور اسی کو اجتماع نقیضین کہتے ہیں، کیونکہ ہر شخص اپنے مقلد کو اچھا اور دوسرے کو ناپسند کرتا ہے، اور یہ امر بالبداہت شرعاً اور عقلاً بلا ریب باطل ہے ولا یلقٰہا الا العالمون، اور اسی سبب سے اللہ جل شانہ نے جابجا اپنے کلام پاک میں تقلید بلا دلیل کو رد کیا ہے، خاص کر سورہ زخرف میں زیادہ تر تقلید بلا دلیل کی شناعت اور مذمت فرمائی ہے

قالوا لو شاء الرحمن ما عبدناھم مالھم بذلک من علم ان ھم الا یخرصون ام اتیناھم کتابا من قبلہ فھم بہ مستمسکون بل قالوا انا وجدنا اباءنا علی امۃ وانا علی اثارھم مھتدون وکذلک ما ارسلنا من قبلک من نذیر الا قال مترفوھا انا وجدنا ابائنا علی امۃ وانا علی اثارھم مقتدون قال اولو جئتکم باھدی مما وجدتم علیہ اباءکم قالوا انا بما ارسلتم بہ کافرون فانتقمنا منھم الی اخر الایۃ والمعنی انھم وجدوا ذلک الباطل فی کتاب منزل قبل القران حتی جاز لھم ان یعولوا علیہ وان یتمسکوا بہ والمقصود منہ ذکرہ فی معرض الانکار ولما ثبت انہ لم یدل علیہ لا دلیل عقلی ولا دلیل نقلی وجب ان یکون القول بہ باطلا ثم قال تعالی بل قالوا انا وجدنا اباءنا علی امۃ وانا علی اثارھم مھتدون والمقصود

له وہ کہتے ہیں، کہ اگر خدا چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے، ان کو اس کا کوئی علم نہیں، وہ محض تک بندی کرتے ہیں کیا ہم نے ان کو اس سے پہلے کوئی کتاب دی ہے، جس سے وہ دلیل لیتے ہوں، بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے آباء واجداد کو اسی طریقہ پر پایا، سو وہ ان کے کھوجوں کی پیروی کر رہے ہیں، ایسا ہی ہم نے تجھ سے پہلے کوئی پیغمبر بھی ایسا نہیں بھیجا جس کو اس کی امت کے دولت مندوں نے یہ نہ کہا ہو، کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریقہ پر پایا ہے، سو وہ ان کے نشانات کی پیروی کر رہے ہیں، کہا اگرچہ میں تمہارے باپ دادا کی راہ سے بہتر راہ تم کو دکھلاؤں، کہنے لگے ہم تمہاری تعلیم ہی کے منکر ہیں، سو ہم نے ان سے انتقام لیا آخر آیت تک مدعا یہ ہے، کہ کیا ان لوگوں نے اس طریقہ باطل کو قرآن سے پہلے کی نازل شدہ کسی کتاب سے معلوم کیا ہے جس کی وجہ سے وہ اعتماد کئے بیٹھے ہیں، اور یہ بطریق استفہام انکاری کے ہے اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ اس کوئی نقلی اور عقلی دلیل نہیں ہے، تو ضرور ہے، کہ یہ طریقہ باطل ہو، پھر فرمایا انہوں نے کہا ہم نے اپنے باپ

انہ تعالیٰ لما بین انہ لا دلیل لھم علی صحۃ ذلک القول البتۃ بین انہ لیس لھم حامل یحملھم علیہ الا التقلید المحض ثم بین ان تمسک الجہال بطریقۃ التقلید امر کان حاصلا من قدیم الدھر فقال وکذلک ما ارسلنا من قبلک فی قریۃ من نذیر الا قال مترفوھا انا وجدنا آباءنا علی امۃ وانا علی آثارھم مقتدون وفی الآیۃ مسائل۔ المسئلۃ الاولی قال صاحب الکشاف قرئ علی اِمۃ بالکسر وکلتاھما من الام وھو القصد فالامۃ الطریقۃ التی تؤم ای تقصد کالرحلۃ للمرحول الیہ والامۃ الحالۃ التی یکون علیھا العام وھو القاصد۔ المسئلۃ الثانیۃ لو لم یکن فی کتاب اللہ الا ھذہ الآیات لکفت فی ابطال القول بالتقلید وذلک لانہ تعالیٰ بین ان ھؤلاء الکفار لم یتمسکوا فی اثبات ما ذھبوا الیہ الا بطریق عقلی ولا بدلیل نقلی ثم بین انھم ذھبوا الیہ بمجرد تقلید الآباء والاسلاف وانما ذکر تعالیٰ ھذہ المعانی فی معرض الذم والتھجین وذلک یدل علی ان القول بالتقلید باطل ومما یدل علیہ ایضا من حیث العقل ان التقلید امر مشترک فیہ بین المبطل وبین المحق وذلک لانہ کما حصل لھذہ الطائفۃ قوم من المقلدۃ فکذلک حصل لاضدادھم اقوام من المقلدۃ فلو کان التقلید طریقا الی الحق لوجب کون الشیٔ ونقیضہ حقا ومعلوم ان ذلک باطل انتہی ما فی التفسیر

دادا کو اسی طریقہ پر پایا ہے، اور مقصود یہ ہے، کہ ان لوگوں کے پاس ان صاف دلائل کا کوئی جواب سوائے تقلید آبار کے نہیں ہے، اور پھر فرمایا، کہ یہ جاہلوں کا تقلید کا طریقہ بہت پرانے زمانے سے چلا آرہا ہے، کہ آپ سے پہلے جتنے بھی رسول آئے ہیں، ان کو ان کی قوم کے دولت مندوں نے یہی باپ دادا کی تقلید کا جواب سنایا ہے صاحب کشاف کہتے ہیں، کہ اگر قرآن مجید میں صرف یہی آیات ہوتیں، تو بھی تقلید کی تردید کے لئے کافی تھیں، کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، کہ ان کفار کے پاس اپنے دین باطل کے اثبات کے لئے سوائے تقلید آبار کے اور کوئی عقلی یا نقلی دلیل نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے اس تقلید کو مذمت کے انداز میں بیان فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ تقلید کا مسلک باطل ہے اور عقلی حیثیت سے بھی تقلید میں دونوں امکان ہیں، ہوسکتا ہے، کہ مقلد حق پر ہو اور ہوسکتا ہے، کہ باطل پر ہو، کیونکہ اقوام دنیا میں ایک دوسرے کے طریق کے بالکل مخالف تقلید کرنے والے موجود ہیں، تو اگر تقلید امر حق ہوتا، تو لازم آتا کہ شے اور نقیض شے دونوں حق ہوں، اور یہ صریحا باطل ہے

الکبیر بلفظہ۔ اور نیز دوسری دلیل بطلان تقلید پر یہ ہے، کہ قول بوجوب تقلید موجب منع تقلید سے ہوگا، اور جو چیز مفضی ہو، اس کا ثبوت طرف نفی اس کی کے (یعنی ہر مقلد دوسرے مقلد کی تقلید کو نفی اور ناپسند کرتا ہے)، تو وہ باطل ہے، اس قول سے بطلان تقلید کا واجب ہوا۔

واذ قال ابراھیم لابیہ وقومہ اننی براء مما تعبدون الا الذی فطرنی فانہ سیھدین الی اخر الایۃ اعلم انہ تعالی لما بین فی الایۃ المتقدمۃ انہ لیس لاولئک الکفار داع یدعوھم الی تلک الاقاویل الباطلۃ الا تقلید الاباء والاسلاف ثم بین انہ طریق باطل ومنھج فاسد وان الرجوع الی الدلیل اولی من الاعتماد علی التقلید اردفہ بھذہ الایۃ والمقصود منھا ذکر وجہ اخر یدل علی فساد القول بالتقلید وتقریرہ من وجھین۔ الاول انہ تعالی حکی عن ابراھیم علیہ السلام انہ تبرأ عن دین اٰبائہ بناء علی الدلیل فنقول اما ان یکون تقلید الاباء فی الادیان محرما او جائزا فان کان محرما فقد بطل القول بالتقلید وان کان جائزا فمعلوم ان اشرف اباء العرب ھو ابراھیم وذلک لانہ لیس لھم شرف الا بانھم من اولادہ واذا کان کذلک فتقلید ھذا الاب الذی ھو اشرف الاباء اولی من تقلید سائر الاباء واذا ثبت ان تقلیدہ اولی من تقلید غیرہ فنقول انہ ترک دین الاباء وحکم بان اتباع الدلیل اولی من متابعۃ الاباء واذا کان کذلک

تفسیر کبیر کا خلاصہ ختم ہوا۔ (۱) اور جب ابراہیم نے اپنی اولاد سے کہا، کہ میں تمہارے معبودوں سے بیزار ہوں مگر اس اللہ سے جس نے مجھے پیدا کیا، وہ میری راہ نمائی کرے گا، آخر آیات تک، پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے، کہ ان کے پاس ان باطل اقاویل کی تائید میں سوائے تقلید آباء کے اور کوئی دلیل نہیں ہے، پھر فرمایا تقلید کی راہ تو باطل ہے اور دلیل کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے، یہاں ایک اور انداز سے تقلید کی تردید فرمائی ہے، اور اس کی تقریر کی دو صورتیں ہیں، پہلی صورت تو یہ ہے، کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ دادا کی تقلید کو چھوڑ دیا تھا، اور دلیل کی طرف رجوع کیا تھا، اور دوسری یہ کہ تقلید کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو تقلید حرام ہوگی، یا جائز، اگر حرام مان لیا جائے، تو قصہ ختم ہوا، اور اگر جائز تسلیم کیا جائے، تو پھر بہتر باپ کی تقلید کرنا چاہیے، اور یہ تو معلوم ہی ہے، کہ ابراہیم علیہ السلام بہترین باپ تھے، اور ان کی تقلید یہ ہے، کہ

وجب تقلیدہ فی ترک تقلید الاباء ووجب تقلیدہ فی ترجیح الدلیل علی التقلید فھذا ثبت ھذا فنقول فقد ظہر ان القول بوجوب التقلید یوجب المنع من التقلید وما افضی ثبوتہ الی نفیہ کان باطلا فوجب ان یکون القول بالتقلید باطلا فھذا طریق دقیق فی ابطال التقلید انتہی ما فی التفسیر الکبیر۔

ومن سورۃ ص وعجبوا ان جاءھم منذر منھم وقال الکافرون ھذا ساحر کذاب اجعل الالھۃ الھا واحدا ان ھذا لشیء عجاب وانطلق الملأ منھم ان امشوا واصبروا علی الھتکم ان ھذا لشیء یراد ما سمعنا بھذا فی الملۃ الاخرۃ ان ھذا الا اختلاق الایۃ اقول منشاء التعجب من وجھین الاول ھو ان القوم ما کانوا من اصحاب النظر والاستدلال بل کانت اوھامھم تابعۃ للمحسوسات فلما وجدوا فی الشاھد ان الفاعل الواحد لا تفی قدرتہ وعملہ بحفظ الخلق العظیم قاسوا الغائب علی الشاھد فقالوا لابد فی حفظ ھذا العالم الکثیر من الھۃ کثیرۃ یتکفل کل واحد منھم بحفظ نوع اخر والوجہ الثانی ان اسلافھم لکثرتھم وقوۃ عقولھم کانوا مطبقین علی الشرک فقالوا من العجب ان یکون اولئک الاقوام علی کثرتھم وقوۃ

تقلید کو چھوڑ کر دلیل کی طرف رجوع کیا جائے، تو معلوم ہوا کہ وجوب تقلید، تقلید کی ممانعت کرتا ہے، اور جس چیز کا ثبوت اس کی نفی کی طرف لے جائے، تو وہ چیز باطل ہو گی، لہٰذا تقلید باطل ہوئی، تفسیر کبیر کا خلاصہ ختم ہوا

سورہ ص میں ہے، کہ ان کو اس بات کا تعجب ہوا، کہ انہی میں سے ایک پیغمبر ان کے پاس آ گیا، کافروں نے کہا یہ تو جھوٹا جادوگر ہے، اس نے اتنے خداؤں کا ایک ہی خدا بنا دیا، یہ بڑی عجیب بات ہے، سردار اٹھ کر چلے گئے، اور کہنے لگے اٹھو، اور اپنے معبودوں کی عبادت پر جمے رہو، اس کی یہ ایک سوچی سمجھی سکیم ہے، ہم نے پچھلے دین میں یہ باتیں کبھی نہ سنی تھیں، یہ ایک بناوٹی چیز معلوم ہوتی ہے" ان کے تعجب کی بنیاد دو چیزوں پر ہے، پہلی یہ کہ وہ لوگ نظر و استدلال کے اہل نہیں تھے، بلکہ ان کے اوہام محسوسات کے تابع تھے، جب انہوں نے مشاہدہ کیا، کہ ایک آدمی ایک کثیر تعداد آدمیوں کی حفاظت و نگرانی نہیں کر سکتا ہے، تو کہنے لگے کہ ایک خدا اتنی خلقت کی حفاظت کیسے کر سکتا ہو گا، ضروری ہے کہ اتنی دنیا کی حفاظت کے لئے بہت سے خدا ہوں اور دوسری چیز یہ تھی، کہ ان کے آباء و اجداد اپنی کثرت تعداد اور قوت عقول کے باوجود شرک پر جمے ہوئے

عقولهم كانوا جاهلين مبطلين وهذا الانسان الواحد يكون محقا صادقا قوا قول لعمري لو سلمنا اجراء حكم الشاهد على الغائب من غير دليل وحجة لكانت الشبهة الاولى لازمة ولما توافقنا على فسادها علمنا ان اجراء حكم الشاهد على الغائب فاسد قطعا واذا بطلت هذه القاعدة فقد بطل اصل كلام المشبهة فى الذات وكلام المشبهة فى الافعال اما المشبهة فى الذات فهوانهم يقولون لما كان فى كل موجود فى الشاهد يجب ان يكون جسما و مختصا بحيز وجب فى الغائب ان يكون كذلك واما المشبهة فى الافعال فهم المعتزلة الذين يقولون الامر الفلانى قبيح منا فوجب ان يكون قبيحا من الله فثبت بما ذكرنا ان صح كلام هؤلاء المشبهة فى الذات وفى الافعال لزم القطع بصحة شبهة هؤلاء المشركين وحيث توافقنا على فسادها علمنا ان عمدة كلام المجسمة وكلام المعتزلة باطل فاسد واما الشبهة الثانية فلعمري لو كان التقليد حقا لكانت هذه الشبهة لازمة وحيث كانت فاسدة علمنا ان التقليد باطل انتهى ما فى الكبير بلفظه من عينه۔

پس قول امام رازی سے صاف واضح ہوا، کہ اگر تقلید بلا دلیل صحیح اور حق ہو، تو مشبہ فرقہ مجسمہ و کلام معتزلہ کا بھی حق ہو، حالانکہ قول و شبہ ان دونوں فرقوں کا باطل ہوا، تو تقلید

تھے، تو کہنے لگے اتنی اقوام اپنی کثرت اور قوت عقول کے باوجود باطل پر کیسے رہ سکتی ہیں، اور یہ ایک آدمی کیسے حق پر ہو سکتا ہے، میں کہتا ہوں، اگر شاہد کے حکم کو غائب پر محمول کیا جائے، اور دلیل سے صرف نظر کر لیا جائے، تو پہلا شبہ سچا ہو گا، اور جب ہم اس کو جھوٹا معلوم کر چکے ہیں، تو معلوم ہوا، کہ شاہد کے حکم کو غائب پر محمول کرنا درست نہیں ہے، جب یہ قاعدہ ختم ہوا، تو ذات اور صفات خداوندی میں مشبہ کا قول باطل ٹھہرا، ذات میں تشبیہ کے قائل کہتے ہیں، کہ عالم شہود میں ہر چیز کا ایک جسم ہے، تو لازم ہوا، کہ غیر مرئی خدا بھی جسم ہو، اور صفات میں مشبہ کہتے ہیں، کہ فلاں کام چونکہ ہماری نسبت سے برا ہے، تو ضروری ہے، کہ خدا سے بھی وہ کام برا سمجھا جائے، ہماری اس تقریر سے معلوم ہوا، کہ ذات و افعال میں اگر مشبہہ کا قول درست تسلیم کر لیا جائے، تو کفار کی بات درست ہو گی، اور اس کا باطل ہونا جب معلوم ہو چکا ہے، تو معلوم ہوا، کہ مجسمہ اور معتزلہ کا کلام باطل ہے، اور دوسری بات یہ ہے، کہ اگر تقلید صحیح ہوتی تو یہ شبہ بھی درست ہوتا، اور جب یہ باطل ٹھہرا، تو لازماً تقلید بھی باطل ٹھہری، تفسیر کبیر کا مضمون ختم ہوا۔

بلا دلیل بھی باطل ہوئی، اور خدا تعالیٰ نے سورہ یونس میں فرماتا ہے۔ قالوا اجئتنا لتلفتنا عما وجدنا علیہ اباءنا وتکون لکما الکبریاء فی الارض وما نحن لکما بمؤمنین اعلم ان حاصل ھذا الکلام انھم قالوا لا نترک الدین الذی نحن علیہ لانا وجدنا اباءنا علیہ فقد تمسکوا بالتقلید ودفعوا الحجۃ الظاہرۃ بمجرد الاصرار انتہی ما فی الکبیر مختصرا بقدر الحاجۃ

اور سورہ ہود میں فرمایا ہے۔ قالوا یا شعیب اصلوتک تامرک ان نترک ما یعبد اباءنا او ان نفعل فی اموالنا ما نشاء وقد اشاروا فیہ الی التمسک بطریقۃ التقلید لانھم استبعدوا منہ ان یامرھم بترک عبادۃ ما کان یعبد اباؤھم یعنی الطریقۃ التی اخذناھا من اباءنا واسلافنا کیف نترکھا وذلک تمسک بمحض التقلید انتہی ما فی التفسیر الکبیر مختصر القدر الحاجۃ

والیضا سورہ صافات میں تحت آیت فھم علی اثارھم یھرعون کے امام رازی لکھتے ہیں والمقصود من الآیۃ انہ تعالیٰ علل استحقاقھم للوقوع فی تلک الشدائد کلھا بتقلید الاباء فی الدین وترک اتباع الدلیل ولو لم یوجد فی القرآن آیۃ غیر ھذہ الآیۃ فی ذم التقلید لکفی انتہی ما فی التفسیر الکبیر بقدر الحاجۃ۔

اب تحریر بالا سے ماہران شریعت غرا پر مخفی نہ رہے، کہ جب مذمت وقباحت تقلید بلا دلیل کی کلام ربانی سے قطعاً ثابت ہوئی، تو مسلمان دیندار تقویٰ شعار پر از راہ وجوب محبت

سلم کہنے لگے کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے، کہ ہم کو ہمارے باپ دادا کے دین سے پھیر دے، اور زمین میں تمہاری سرداری قائم ہو جائے، سو ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں، حاصل کلام یہ ہے، کہ انہوں نے دلائل کے مقابلہ میں اپنے باپ دادا کی تقلید سے تمسک کیا، اور کہنے لگے کہ ہم اپنے باپ دادا کی راہ کو نہیں چھوڑیں گے (خلاصہ تفسیر کبیر)

۲ے کہنے لگے اے شعیب کیا تیری نمازیں تجھ کو یہی سکھاتی ہیں، کہ ہم اپنے باپ دادا کے معبودوں کو چھوڑ دیں اور اپنے مال میں حسب خواہش تصرف نہ کریں؟ اس میں انہوں نے اپنے باپ دادا کی تقلید کی طرف اشارہ کیا ہے، اور تقلید آباء کے ترک پر حضرت شعیب پر نکتہ گیری کر رہے ہیں، کہ ہم اس دین کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں، اور یہ محض تقلید سے تمسک ہے" تفسیر کبیر

۳ے آیت کا مطلب یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مصائب میں مبتلا ہونے کی علت دین میں تقلید آباء اور ترک دلیل کو قرار دیا ہے، اگر قرآن میں اس آیت کے علاوہ اور کوئی آیت نہ ہوتی، تو بھی تقلید کی برائی کے لئے یہ کافی تھی (خلاصہ تفسیر کبیر)

واطاعت خالق اکبر اور رسول اطہر کی ماننا کلام ربانی کا، اور بدل وجان تصدیق کرنا اس کا درباب ذم تقلید بلا دلیل کے فرض اعتقادی وعملی ہوا، والا ساتھ شقاق ونفاق کے منسوب ہوگا اور دائرہ اسلام سے باہر بنا بر اس کے کہ محب مطیع پر اطاعت وتابعداری محبوب مطاع کی واجب ہے، چنانچہ اس پر آیت کریمہ والذین امنوا اشد حبا للہ وغیرہا من الآیات[1] شاہد عدل ہیں، اور اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول[2] فرض ہے، اور حاکم مطلق اللہ تعالیٰ ہے اور ہر گاہ حاکم مطلق نے تقلید بلا دلیل کو باطل اور مذموم فرمایا، تو مخلوق محکوم پر فرمانبرداری حاکم مطلق کی فرض ہوگی، اور بے حکم حاکم کوئی امر اپنی طرف سے نکالنا، اور اس کو نیک سمجھنا، اور اس پر چلنا تو نہایت تقبیح اور تفضیح متصور ہوگا، اور مشاقت اور مخالفت حاکم کی لازم ہوگی، کیونکہ باذن اللہ نہیں ہے، اور قرآن میں فرمایا ہے وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ[3] ای بامر اللہ لان طاعۃ الرسول وجبت بامر اللہ کذا فی المعالم وغیرہ من التفاسیر

پس قول بلا دلیل پر تقلید کرنا کسی عالم کی اگرچہ وہ بڑا نامی گرامی ہو باطل ہے، اور موجب ناراضگی خدا اور رسول کا ہوگا۔ چنانچہ آیت کریمہ سے اظہر من الشمس ہے، اور کور باطن کو نہ سوجھے تو آفتاب عالم تاب کا کیا قصور اسی واسطے سارے اہل اصول لکھتے ہیں الحاکم ھو الذی صدر الحکم منہ، ولا حکم الا من اللہ تعالیٰ کذا فی مسلم الثبوت[4] وھکذا فی تحریرات الھمام اور حکم خطاب ہے اللہ تعالیٰ کا کہ جو متعلق ہے ساتھ فعل مکلف کے، چنانچہ مسلم الثبوت کتب اصول میں بہ تفصیل مذکور ہے، اور دلیل اس پر قرآن شریف سے ان الحکم الا للہ[5] ولیس لغیر اللہ حکم واجب القبول ولا امر واجب الالتزام بل الحکم والامر والتکلیف لہ تعالیٰ شانہ انتہی ما فی التفسیر الکبیر مختصراً

پس آیت کریمہ اور نیز کتب اصول ہر چہار مذہب سے صاف واضح ہوا کہ تقلید بلا دلیل

---

[1] ایماندار اللہ کی محبت میں تیسرے پختہ ہیں ۱۲ [2] اللہ کا کہا مانو، اور اس کے رسول کا کہا مانو ۱۲ [3] آپ سے پہلے جتنے بھی رسول آئے ہیں، وہ اسی لئے بھیجے گئے، کہ خدا کے حکم سے ان کی اطاعت کی جائے، اس لئے کہ رسول کی اطاعت خدا کے حکم سے واجب ہے ۱۲ [4] حاکم وہ ہے جو حکم صادر کرے، اور حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے، مسلم الثبوت میں ایسا ہی ہے ۱۲ [5] حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے، اور اللہ کے سوا کسی کا حکم واجب القبول اور واجب الالتزام نہیں ہے، حکم، امر اور کسی کو کسی امر کا مکلف بنانا صرف اللہ کا حق ہے (خلاصہ تفسیر کبیر)

حکم الٰہی سے خارج اور مذموم و قبیح ہے جیسا کہ اوپر آیت اور تفسیر سے اس کا بیان شافی و کافی ہو چکا، تو اب ہر مسلمان طالب حق کو بہت غور و فکر چاہیے، کہ مقلدین مقابلین و رطہ و دریائے تقلید ناپید اکنار میں حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے سے لغایت حال غرق ہوتے چلے آتے ہیں پھر بھی مقلدین زمانہ حال کے نصوص قرآنی میں نظر کر کے عبرت نہیں پکڑتے، اور خواہ مخواہ مصداق کریمہ لهم قلوب لا يفقهون الی آخرہ (ان کے لیے دل ہیں جن سے سمجھتے نہیں ہیں) کے ہوتے ہیں۔ صد حیف، کیونکہ تقلید بلا دلیل ایسی پوچ و بیہودہ و بے اصل ہے کہ خدا تعالیٰ نے معرفت توحید ورد شرک و کفر و معرفت رسالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی تقلید انبیاء سابقین کے اکتفا نہ کیا، بلکہ اوپر اثبات صانع ورد شرک و ثبوت نبوت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے دلائل قاہرہ گوناگون جا بجا اپنے کلام میں قائم کئے، اور مقلدین متعصبین کو کہ جو دلائل شرعیہ ما انزل اللہ پر اصلا نظر و فکر نہیں کرتے تھے طرح طرح کے الزامات دیئے چنانچہ ماہران قرآن شریف پر ہویدا و آشکارا ہے

اعلم انہ سبحانہ وتعالیٰ لما اقام الدلائل القاهرة على اثبات الصانع وابطل القول بالشريك عقبه مما يدل على النبوة ولما كانت نبوة محمد صلى الله صلى الله عليه وسلم مبنية على كون القرآن معجزا اقام الدلالة على كونه معجزا فظهر انه سبحانه كما لم يكتف في معرفة التوحيد بالتقليد فكذا في معرفة النبوة لم يكتف بالتقليد انتهى ما في التفسير الكبير مختصرا بقدر الحاجة تحت قوله تعالى ان كنتم في ريب مما نزلنا على عبدنا الى آخر الآية

اور جو سادہ لوح عالم زمانہ حال کا یہ قول ہے، کہ مجھے تقلید کافی ہے، اور دلائل میں غور و خوض کی کچھ ضرورت نہیں، کیونکہ میں مقلد ہوں، اور مقلد کو دلیل سے کیا کام، سو یہ قول اس کا اس لئے باطل و مردود ہے، کہ دین میں ہر مکلف مومن باللہ والیوم الآخر پر دلائل کی طرف مہما امکن بقدر استعداد نظر کرنا لابد و ضرور ہے۔ چنانچہ صاحب تفسیر کبیر نے سورہ جاثیہ میں تحت آیت

---

[1] تفسیر کبیر میں آیت ان كنتم في ريب مما نزلنا على عبدنا الخ کے تحت لکھا ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے وجود صانع پر زبردست دلائل قائم کئے، اور شریک کے وجود کو باطل ٹھہرایا، تو اس کے بعد نبوت محمدیہ کو ثابت کیا، اور چونکہ حضور کی نبوت قرآن کے معجزہ ہونے پر موقوف تھی، تو قرآن کے معجزہ ہونے پر دلائل قائم کئے، اس آیت سے معلوم ہوا، کہ اللہ تعالیٰ نے توحید اور نبوت کی معرفت میں تقلید کا طریق اختیار نہیں فرمایا ۱۲

کریمہ تلک آیت اللہ نتلوھا علیک بالحق فبای حدیث بعد اللہ وآیاتہ یؤمنون کے لکھا ہے ثم قال تعالیٰ فبای حدیث بعد اللہ وآیاتہ یؤمنون یعنی ان من یتنفع بھذا الآیات فلا شئی بعد لا یجوز ان ینتفع بہ وابطل قول من یزعم ان التقلید کاف وبین انہ یجب علی المکلف التامل فی دلائل دین اللہ تعالیٰ انتہی ما فی التفسیر الکبیر

اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، کہ انہوں نے اپنے شاگردوں سے فرمایا کہ اگر تم کو دلیل ملے یعنی اگر دلیل شرعی کتاب اور سنت سے تم پر ظاہر ہو، تو اس پر عمل کرو اور میرے قول بلا دلیل کو چھوڑ دو، چنانچہ درمختار اور طحطاوی وغیرہ سے واضح ہوتا ہے قال لاصحابہ ان توجہ لکم دلیل فقولوا بہ انتہی ما فی الدر المختار مختصراً ای ظھر لکم فی المسئلۃ وجہ الدلیل علی غیر ما قولہ انتہی ما فی الطحطاوی، اب جو کوئی کہے، کہ یہ آیات کفار کے حق میں وارد ہیں، تو وہ بڑا جاہل اور بے وقوف ہے کیونکہ اعتبار عموم لفظ کا ہے، نہ خصوص محال کا، جیسا کہ جابجا کتب احادیث وکتب اصول فقہ و استدلالات صحابہ کرام سے واضح ہوتا ہے، اور اس بارہ میں صاحب تفسیر اتقان نے بہت کچھ لکھا ہے کما لا یخفی علی الماھر بالشریعۃ الغراء اور کچھ بطلان اس کا تفسیر عزیزی سے لکھا جاتا ہے

چہارم آنکہ درین آیت اشارہ است بابطال تقلید بدو طریق اول آنکہ از مقلد باید پرسید، کہ ہر کرا تقلید می کنی نزد تو محق است یا نے، اگر محق بودن اورا نمی شناسی، پس باوجود احتمال مبطل بودن اورا چرا اورا تقلید می کنی، واگر محق بودن اومی شناسی، پس بکدام دلیل می شناسی، اگر بتقلید دیگری می شناسی سخن دران خواہد رفت وتسلسل لازم خواہد آمد واگر بہ عقل می شناسی، پس آن را چرا در معرفت حق صرف نہ می کنی وعار تقلید برخود گوارا

لہ تفسیر کبیر میں آیت "فبای حدیث بعد اللہ وآیاتہ یؤمنون" کے تحت لکھا ہے، کہ جو قرآن کی آیات سے فائدہ نہ اٹھا سکتا ہو۔ اس کو اس کے علاوہ اور کسی چیز سے فائدہ اٹھانا درست نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے قول کی تردید کردی جو کہتے ہیں، کہ تقلید کافی ہے، اور بیان فرمایا کہ عقل مند کے لئے ضروری ہے کہ دلائل میں غور کرے ۱۲

ک آپ نے اپنے شاگردوں سے فرمایا اگر تم کو کوئی دلیل مل جائے، تو اس کے مطابق فتوی دیا کرو (خلاصہ درمختار) یعنی اگر کسی مسئلہ میں میرے قول کے خلاف کوئی دلیل مل جائے، تو اس کے مطابق فتوی دیا کرو ۱۲

میداری، طریق دوم آنکہ کسے راکہ تقلید می کنی، اگر این مسئلہ را او ہم بہ تقلید دانستہ است، پس تو واو برابر شدید، اورا چہ ترجیح ماند، کہ تقلید او می کنی، واگر بدلیل دانستہ است پس تقلید وقتے تمام می شود، کہ تو ہم آن مسئلہ را بہمان دلیل بدانی والا مخالف اوباشی نہ مقلد او، وچون تو ہم آن مسئلہ را بدلیل دانستی تقلید ضائع شد انتہی ما فی التفسیر العزیزی۔

اے مسلمانو! تم قرآن وغیرہ سے تقلید بلا دلیل کی مذمت اور برائی تو سن چکے اب کتاب وسنت پر بدل وجان مستعد اور مستقیم ہو جاؤ، کہ تم کو سرکار عالی جاہ سے جنت نعیم یعنی عیش وآرام ابدی کا مکان عنایت ہوگا۔ یا ایہا الناس قد جاءکم برھان من ربکم وانزلنا الیکم نورا مبینا[1] الایۃ والبرھان ھو محمد صلی اللہ علیہ وسلم وانما سماہ برھانا لان حرفتہ اقامۃ البرھان علی تحقیق الحق وابطال الباطل والنور المبین ھو القرآن وسماہ نورا لانہ سبب لوقوع نور الایمان فی القلب۔ انتہی ما فی الکبیر مختصرا۔

تنبیہ } رجوع کرنا طرف قاضی یا فتوی مفتی کے یا حکم کرنا قاضی کا اور شہادت شاہدان عدول کے یا اتباع اولی الامر کا بدلیل شرعی ہے، اس کو تقلید اصطلاحی مقلدین نہیں کہتے، کیونکہ تقلید اصطلاحی یہ ہے، کہ گلے میں پٹہ ڈال کر بلا دلیل ایک شخص کا ہو رہنا، اور اسی طرح عمل اوپر روایت راوی حدیث متصل مرفوع کے بدلیل شرعی ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے فلیبلغ الشاہد الغائب الحدیث (جو حاضر ہو وہ غائب کو پہنچا دے)، اور جو مفتی یا قاضی سے غلطی سے واقع ہو جاوے، تو رجوع طرف قرآن وحدیث کے ضرور ہے، جیسے کہ فرمایا خدا تعالے نے فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول[2] الی آخر الایۃ۔ وما علینا الا البلاغ واللہ اعلم

---

[1] اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک دلیل آئی ہے، اور تمہاری طرف روشن نور نازل فرمایا ہے، دلیل سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ کا نام دلیل اس لئے رکھا گیا کہ آپ کا شیوہ ہی حق کے ثبوت اور باطل کے ابطال میں دلائل قائم کرنا ہے، اور قرآن، نور مبین ہے، اس لئے کہ وہ دل میں نور ایمانی کے حاصل ہونے کا سبب ہے (خلاصہ تفسیر کبیر) ۱۲

[2] اگر تمہارا کسی بات میں جھگڑا ہو جائے، تو اس کو اللہ اور رسول کے پاس لے آؤ ۱۲

بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب۔ اللھم لک الحمد علی ما وفقتنی لتحریر ھذہ الرسالۃ المسماۃ بواقعۃ الفتوی ودافعۃ البلوی سنۃ ۱۲۹۷ من ہجرۃ خیر البریۃ علیہ وعلی الہ واصحابہ الف الف صلوات وتحیۃ۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم واغفرلنا وارحمنا انک علی کل شیء قدیر۔

المؤلف العاجز محمد نذیر حسین عافاہ اللہ فی الدارین

سید محمد نذیر حسین

کتاب الاعتصام بالسنة

والاجتناب عن البدعة

سوال:- جو کوئی اسلام علیکم سے ناراض ہوئے اور سلام کرنے والے کو بد کہے، وہ کیسا ہے، جواب کتب معتبرہ سے زبان اردو میں تحریر فرما دیں اور جو عبارت کتاب کی ہو اس کا ترجمہ بھی کریں، تاکہ عوام کو نفع ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب یہ ہے کہ سلام علیک طریقہ مسلوکہ مرضیہ جمیع انبیاء مرسلین صلعم کا پایا گیا ہے اور جاری رہا ہے، اور جاری رہے گا، تو جو شخص اس کو برا جانے و استخفاف و اہانت اس کی کرے وہ فاسق ہے، بلکہ خارج ہے دائرہ اسلام سے قال اللہ تعالیٰ ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولى ونصله جهنم وساءت مصيرا الآية[1] استخفاف الشريعة واستهانتها كفر كذا في العقائد والفقه[2] اور فصول عمادیہ اور فتاوی عالمگیری اور بحر الرائق میں لکھا ہے من لم يرض بسنة من سنن المرسلين فقد كفر[3] اور بحر الرائق میں لکھا ہے یکفر[4] باستخفاف سنة من السنن انتهى كلامه

خلاف پیمبر کسے رہ گزید | کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

فاعتبروا یا اولی الالباب

طالب حسنیین سید محمد نذیر حسین

---

[1] اور جو ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد بھی رسول کی نافرمانی کرے، اور مسلمانوں کے رستہ کے علاوہ کوئی اور راستہ تجویز کرے، تو جدھر جاتا ہے جانے، ہم اسے جہنم میں جھونک دیں گے، اور وہ بد ترین جگہ ہے۔ [2] اور شریعت کی توہین، اور استخفاف کفر ہے ۱۲

[3] رسولوں کی کسی سنت سے راضی نہ ہونا کفر ہے ۱۲ [4] پیغمبر کی سنت کا استخفاف کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے ۱۲

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سالگرہ کرنا اس ہیئت سے کہ اس میں گرہ وغیرہ نہ ڈالی جاوے جیسا کہ دستور ہے، بلکہ فقط لڑکے کو نہلا کر نئے کپڑے پہنا دیں اور کچھ شیرینی مثل بتاشے وغیرہ بلا دینے فاتحہ وغیرہ کے تقسیم کردیں، جائز ہے، کہ نہیں، اگر جائز ہے تو کس دلیل سے اور اگر ناجائز ہے تو کس دلیل سے، دلیل قرآن وحدیث سے ہو، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ ہماری شریعت محمدیہ میں سالگرہ کرنا پایا نہیں جاتا، نہ ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسی کی سالگرہ کی گئی، اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور نہ تابعین رحمہم اللہ علیہم کے زمانہ میں کی گئی، لہذا ممنوع ہے، فرعون مردود سالگرہ کیا کرتا تھا فرعونی رسم ہے، واللہ اعلم بالصواب، کتبہ محمد عبدالرحمن پنجابی

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ جو کھانا اولیاء اللہ کی قبروں پہ لے جاکر خواہ ایک یا دس یا بیس مساکین کو کھلاوے، اور مساکین وہاں پر موجود نہ ہوں یعنی وہاں نہیں رہتے ہیں، محض اس غرض سے دوسری جگہ سے مساکین کو طلب کرکے قبور مذکورہ پر کھانا کھلانا کہ ازدیاد ثواب کا موجب ہوگا، درست ہے یا نہیں، اور اگر منع ہے، تو کہاں تک منع ہے؟

سوال دوم۔ عصر ومغرب کے درمیان علاوہ رمضان کے پانی پینا درست ہے یا نہیں، اور جو لوگ عصر ومغرب کے درمیان پانی نہیں پیتے، ان کو گناہ ہے یا ثواب؟

الجواب:۔ اولیاء اللہ کی قبروں پر کھانا لے جانا، اور مساکین کو دوسری جگہ سے بلاکر غرض مذکورہ سے وہاں کھلانا کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں، اور جب یہ ثابت نہیں، تو اس میں ثواب ہی کی امید نہیں ہے، چہ جائیکہ زیادہ ثواب ہو، پس اس بے اصل ومحدث بات سے احتراز لازم ہے۔

جواب سوال دوم۔ جیسے اور وقتوں میں پانی پینا درست ہے، اسی طرح عصر اور مغرب کے درمیان میں پانی پینا بھی درست ہے، اس وقت پانی پینے کی ممانعت شرع میں نہیں آئی ہے، پس اس وقت پانی نہ پینا، اور نہ پینے کو دین کے اعتبار سے اچھا یا ضروری سمجھنا جہالت کی بات ہے، ہم چنین فہم کے لوگوں کو سمجھانا چاہیئے، اگر وہ باز آجائیں، تو فبہا، ورنہ وہ ضرور گنہگار ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب، حررہ عبدالرحیم اعظم گڈھی

سید محمد نذیر حسین

کو پوی، ۱۳ ربیع الاول ۱۳۱۴ ہجری

سوال:۔ ایک شخص فوت ہوگیا اس کے جنازہ کی نماز گذاری گئی بعد اس کے اسقاط نہ کیا لوگ آپس میں جھگڑنے لگے، یہاں اس ملک میں یہ دستور ٹھہرا ہوا ہے، کہ ایک قرآن شریف کو جنازہ کے ہمراہ کر دیتے ہیں، جب جنازہ کی نماز پڑھ چکتے ہیں تو قرآن شریف کو ایک دوسرے کے ہاتھ پھراتے ہیں ایجاب وقبول جس طرح سے ہوتا ہے، اس کا کیا حکم ہے، بینوا توجروا

الجواب:۔ ہمراہ جنازہ کے قرآن مجید کو لے جانے اور بعد نماز جنازہ کے اس کو ایک دوسرے کے ہاتھ پھرانے اور ایجاب وقبول کرنے کا جو وہاں دستور ہے، وہ بالکل ناجائز ونادرست ہے اور بدعت ومحدث ہے، اس دستور کو مٹانا اور بند کرنا اور لوگوں کو اس ناجائز دستور سے روکنا اور منع کرنا حسب استطاعت فرض ہے، واللہ اعلم بالصواب

حررہ السید محمد ابوالحسن سید محمد ابوالحسن سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ ما قولکم رحمکم اللہ تعالے اندر ینکہ در بعض امصار واقطار این دیار بکثرت مروج است، کہ شخصے از اولیائے میت بعوض فرائض وواجبات متروکہ میت چند کلام مجید خریدہ علی وجہ الخصوص در ہنگام تدفینش چند اشخاص مخصوصہ را از حجاج وحفاظ بخواندہ می دہد وبآن از جانبین این چنین اقوال مع عقاید قویہ مسموع آیند، کہ تا حین حیات این متوفی ہر چہ صوم وصلوٰۃ وغیرہا عمداً یا سہواً قضا وترک کرد آن معطی بجزم اجزا واسقاط ہا یش آن قرآن مذکور می دہد واخذ آن ہم بآن چنان عقیدہ عطیاتش قبول نمایند، دیر آن ہر خاص وعام چنان معتقد ومتیقن اند کہ این مردہ باعطاء چندیں کلام مجید با روزہ ونماز ہائے خود بر گردن گیرندگان آن عطیات انداختہ بری الذمہ شد، وبعضے علماء ہم باعطاء ہم چنین اسقاطات مروجہ مع عقاید مذکورہ عوام الناس را تاکید بلیغ وترغیب تام می دہند تا عقیدہ آخذ ومعطی بدان قوی ماند پس این چنین اسقاط حکم جواز وصحت واجزا دارد یا نہ بینوا توجروا۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اس علاقہ میں یہ رواج ہے، کہ جب مردہ کو کفن کر چکتے ہیں تو اولیائے میت میں سے کوئی آدمی ایک یا چند قرآن مجید حاجیوں اور حافظوں سے بلا کر کہتا ہے، کہ میں نے یہ قرآن مجید اس میت کے متروکہ نماز وروزہ کے عوض تم کو دیتا ہوں، اور پھر وہ آدمی اسی طرح دوسرے کو وہ قرآن مجید بخشتا ہے اور پھر وہ کسی اور کو علی ہذا القیاس چند بار اس کو پھیر کر پھر اسی آدمی کے پاس پہنچ جاتے ہیں، اور اس طرح کرنے سے ان کا خیال ہے کہ اس کے نماز روزہ جو اس کے ذمہ واجب الاداء تھے، اس سے ساقط ہو جاتے ہیں، اور اس علاقہ کے بعض علماء اس کی

الجواب: ۔آن اسقاط حکم جواز وصحت ندارد، لما فی در المختار فی ذکر
الفدیۃ ولو قضاها ورثتہ بامرہ لم یجز لانها عبادۃ بدنیۃ بخلاف الحج
لانہ یقبل النیابۃ وفیہ ایضا ولو فدی عن صلوتہ فی مرضہ لا یصح
بخلاف الصوم وکذا فی الشامی ان الصلوۃ لا تسقط عن المیت بذلک
وکذا الصوم نعم لو صام او صلی وجعل ثواب ذلک للمیت صح لانہ
یصح ان لا یجعل ثواب عملہ لغیرہ عندنا قولہ ای الدر المختار لانہ
یقبل النیابۃ لانہ عبادۃ مرکبۃ من البدن والمال فان العبادۃ ثلاثۃ
انواع مالیۃ وبدنیۃ ومرکبۃ منهما فالعبادۃ المالیۃ کالزکوۃ تصح
فیها النیابۃ حالۃ العجز والقدرۃ والبدنیۃ کالصلوۃ والصوم لا تصح فیها
النیابۃ مطلقا والمرکبۃ منهما کالحج ان کان نفلا تصح فیها النیابۃ مطلقا
وان کان فرضا لا تصح الخ وفیہ ایضا ثم اعلم انہ اذا اوصی بفدیۃ الصوم
یحکم بالجواز قطعا لانہ منصوص علیہ واما اذا لم یوص فتطوع بها الوارث
فقد قال محمد فی الزیادات انہ یجزیہ ان شاء اللہ تعالی فعلق الاجزاء بالمشیۃ
لعدم النص وکذا علقہ بالمشیۃ فیما اذا اوصی بفدیۃ الصلوۃ لانهم الحقوها

عوام کو تلقین کرتے ہیں، کیا اس طرح نماز، روزہ ساقط ہو جاتے ہیں؟

الجواب:۔ اس طرح کا اسقاط جائز نہیں ہے، در مختار میں ہے، کہ اگر روزہ کے فدیہ کی مرنے والا وصیت کر جائے، تو اس کے وارث اگر ادا کر دیں، تو اس سے ساقط ہو جائے گا، اور اگر وصیت نہ کرے اور وارث از خود ادا کریں، تو یہ صحیح نہیں ہے بخلاف نماز کے کہ وہ بدنی عبادت ہے، اور حج میں نیابت جائز ہے شامی میں ہے، کہ اس طرح میت سے نماز ساقط نہیں ہوتی، اور ایسے ہی روزہ کا حکم ہے، ہاں اگر وارثا خود نماز پڑھیں اور روزہ رکھیں، اور اس کا ثواب میت کو بخشیں، تو صحیح ہے، کیونکہ آدمی اپنا عمل غیر کو ہبہ کر سکتا ہے، اور عبادت تین قسم کی ہے، مالی، بدنی اور مرکب، مالی عبادات مثلاً زکوۃ وغیرہ میں نیابت جائز ہے، جب کہ اس کو قدرت نہ ہو، اور بدنی عبادات میں نیابت جائز نہیں ہے، مثلاً نماز روزہ، اور مرکب عبادات مثلاً حج وغیرہ میں اگر نفلی ہو، تو نیابت جائز ہے، اور اگر فرضی ہو، تو نیابت جائز نہیں ہے، میت اگر روزہ کے فدیہ کی وصیت کر جائے تو درست ہے، اور اگر وارث از خود فدیہ دیں، تو امام محمد نے زیادات میں کہا ہے، کہ امید ہے اللہ اس کو معاف فرمائے گا، اور عجز کی حالت میں رہی ہوئی نمازوں کو بھی بعض نے روزہ پر قیاس کیا ہے، لیکن

بالصوم احتیاطا لاحتمال کون النص فیہ معلولا بالعجز فتشمل العلۃ الصلوٰۃ وان لم یکن معلولا تکون الفدیۃ برا مبتدأ یصلح ماحیا للسیئات فکان فیہا شبہۃ کما اذا لم یوص بفدیۃ الصوم فلذا جزم محمد بالاول ولم یجزم بالاخیرین فعلم انہ اذا لم یوص بفدیۃ الصلوٰۃ فالشبہۃ اقوی وفیہ ایضا قولہ ولو فدی عن صلوتہ فی مرضہ لا یصح فی التتارخانیۃ عن التتمۃ سئل الحسن بن علی عن الفدیۃ عن الصلوٰۃ فی مرض الموت ھل تجوز فقال لا و سئل ابو یوسف عن الشیخ الفانی ھل تجب علیہ الفدیۃ عن الصلوات کما تجب علیہ عن الصوم وھو حی فقال لا (الی) وفی القنیۃ ولا فدیۃ عن الصلوٰۃ حالۃ الحیاۃ بخلاف الصوم (الی) ومقتضاہ ان غیر الشیخ الفانی لیس لہ ان یفدی عن صومہ فی حیاتہ لعدم النص ومثلہ الصلوٰۃ (الی) بخلاف الشیخ الفانی فانہ تحقق عجزہ قبل الموت عن اداء الصوم وقضائہ فیفدی فی حیاتہ ولا یتحقق عجزہ عن الصلوٰۃ لانہ یصلی بما قدر ولو مومیا براسہ فان عجز عن ذلک سقطت عنہ اذا کثرت (الی) وبما قررنا ظہران قول الشارح بخلاف الصوم ای فان لہ ان یفدی عنہ فی حیاتہ خاص فی الشیخ الفانی تامل وفی کتب الاصول ان الفدیۃ فی الصوم للشیخ الفانی لما کانت ثابتۃ بنص غیر معقول ینبغی ان تقتصروا علیہ ولم تقیسوا علیہ من مات وعلیہ صلوٰۃ

پس ازیں ادلہ کثیرہ کتب معتبرہ چون معلوم شد کہ عبادات بدنیہ بحجر محض مخصوص باعطاء اموال ساقط وکافی نمی شود، تاہم بطریق اولےٰ آن چنان اسقاطات مروجہ مع خصوصیات ممنوعہ وعقیدہ مذکورہ عوام این زمان اخذ و اعطاء روا و جائز نخواہد شد، بلکہ

روزہ کے متعلق تو یقین سے کہتے ہیں، کہ وہ فدیہ ہو گیا، اور نماز کے متعلق توقع کے الفاظ بیان کرتے ہیں، اگر آدمی اپنی بیماری کی حالت میں نمازوں کا فدیہ دے، تو یہ جائز نہیں ہے، اگر بوڑھا آدمی جو روزہ کی طاقت نہیں رکھتا اپنے روزہ کا فدیہ دے، تو یہ جائز ہے، اور عاجز آدمی نماز کا فدیہ نہیں دے سکتا، اگر بیٹھے نہ پڑھ سکتا ہو، تو اشارہ سے پڑھے، اگر اشارہ کی بھی طاقت نہ ہو، تو جب نمازیں زیادہ ہو جائیں گی، تو اس سے ساقط ہو جائیں گی، ہاں روزہ کا فدیہ چونکہ نص سے ثابت ہے، اس پر نماز کو قیاس نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ بدنی عبادات میں نیابت اصولاً منع ہے

الحاصل ایسی اسقاط کتاب وسنت اور فقہ کی کتابوں کے بھی برخلاف ہے خصوصاً جب کہ اس کے

اولویت آن است کہ اولیائے میت روزہ داشتہ و نماز گذاردہ بروحش ایصال ثواب بنمایند، چنانکہ بعبارت شامی ما سبق معلوم شدہ است۔ المستخرج محمد امین الدین عفی عنہ

محمد اسد علی	محمد وسیم الدین	عبد الوہاب	رشید احمد
سید محمد نذیر حسین	این چنین اسقاط علم جواز و صحت ندارد		محمد عبد المطلب

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مزارات اولیائے عظام پر بامید صحت یابی یا دفع خباثت یا برآنے کسی دوسرے مقصد دنیا دی کے چلہ کرنا کیسا ہے اس مسئلہ کا جواب کتب معتبرہ سے زبان اردو میں تحریر فرما دیں، اور جو عبارت کتاب کی ہو اس کا ترجمہ بھی نیچے کریں، تاکہ عوام کو نفع ہو۔ بینوا توجروا

الجواب: یہ ہے، کہ اولیاء اللہ کے مزار کے پاس جا کر دعائے حاجت یا چلہ کرنا کہ مؤثر الی الاجابۃ وحاجت روا ہو غیر مشروع ہے، کیونکہ شارع کی طرف سے امر و اذن نہیں پایا گیا، اور نہ صحابہ و تابعین وغیرہم رضی اللہ عنہم سے منقول ہے، بلکہ ممنوع و محظور ہے شرعاً من عمل عملا لیس علیہ امرنا فھو رد کما رواہ البخاری وکرہ مالک ان یقول زرنا قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم وعللوہ بان لفظ الزیارۃ صار مشترکا بین ما شرع وما لم یشرع فان منہم من قصد بزیارۃ قبور الانبیاء والصلحاء ان یصلی عند قبورہم ویدعو عندھا ویسألھم الحوائج وھذا لا یجوز عند احد من العلماء المسلمین فان العبادۃ وطلب الحوائج والاستعانۃ حق اللہ وحدہ انتہی ما فی مجمع البحار للشیخ العلامۃ المحدث ابن طاہر الفتنی[1]، ہر مسلم و دیندار شریعت شعار پر فرض ہے، کہ ایاک نعبد وایاک نستعین پر متوجہ بدل رہے

ساتھ یہ عقیدہ بھی شامل ہو جائے، کہ اس طرح فرائض ساقط ہو جاتے ہیں، بہتر یہ ہے، کہ شامی کی عبارت کے مطابق ورثا، خود نماز، روزہ ادا کر کے اس کو ثواب پہنچائیں۔ واللہ اعلم ۱۲

[1] جو کوئی ایسا کام کرے جس پر ہمارا حکم نہ ہو، وہ کام مردود ہے، امام مالک ؒ اس قول کو کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کی مکروہ سمجھتے تھے کیونکہ لفظ "زیارت" کا لفظ مشروع اور غیر مشروع طریقوں میں مشترک ہو گیا ہے، بعض لوگ انبیاء اور صلحاء کی قبروں پر جاتے ہیں، وہاں قبر کے پاس جا کر نماز پڑھتے ہیں، دعائیں مانگتے ہیں، اور ان سے اپنی حاجتیں طلب کرتے ہیں اور یہ کام کسی بھی مسلمان عالم کے نزدیک جائز نہیں ہے، کیونکہ عبادت اور طلب حاجات اور استمداد صرف اللہ کا حق ہے ۱۲

وقال اللہ تعالیٰ[1] واذا سألک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع
اذا دعان الآیۃ وقال اللہ تعالیٰ[2] امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء
الآیۃ ومن یرزقکم من السماء والارض أالٰہ مع اللہ قل ھاتوا برھانکم ان
کنتم صادقین الآیۃ ومن یرزقکم من السماء والارض وغیرھا من الآیات
الدالۃ علی ان لا یدعو ولا یسأل الحوائج من غیر اللہ تعالیٰ کما لا یخفی علی
من تأمل وتدبر القرآن المجید ؎

آن نیاز مریمی بود است و درد	کان چنان طفلی سخن آغاز کرد
ہر کجا دردے دوا آن جا بود	ہر کجا فقرے نوا آنجا بود

قال[3] اللہ تعالیٰ ولا تکونوا کالذین اوتوا الکتاب من قبل فطال علیھم الامد
فقست قلوبھم وکثیر منھم فاسقون الآیۃ ؎

دلے کز نور رحمن نیست روشن	مخوانش دل کہ آن سنگ است و آہن
دلے کز گرد غفلت زنگ دارد	ازان دل سنگ و آہن ننگ دارد

مجالس الابرار میں مذکور ہے اما[4] الزیارۃ البدعیۃ فھی زیارۃ القبور لاجل الصلوۃ عندھا
والطواف لھا وتقبیلھا واستلامھا وتعفیر الخدود علیھا واخذ ترابھا ودعاء
اصحابھم والاستعانۃ وسوالھم النصر والرزق والعافیۃ والولد وتفریج
الکربات واغاثۃ اللھفان وغیر ذلک من الحاجات التی کان عباد الاصنام
یسألون من اصنامھم فان اصل ھذہ الزیارۃ البدعیۃ ماخوذ منھم ولیس

---

[1] جب تم سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں، تو آپ کہدیں میں قریب ہوں، دعا کرنے والے کی دعا کو فوراً قبول کرتا ہوں ۱۲
[2] بے قرار جب دعا کرتا ہے، تو اس کی دعا کو کون سنتا ہے، اور کون تکالیف کو دور کرتا ہے الآیۃ تم کو آسمانوں اور زمین سے کون رزق دیتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی خدا ہے، آپ کہیں، کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو، یہ آیات دلالت کرتی ہیں، کہ اللہ کے سوائے نہ کسی کو پکارا جائے، نہ سوال کیا جائے ۱۲
[3] تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا، جن کو تم سے پہلے کتاب ملی تھی، ان کو مہلت زیادہ ملی، تو ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں ۱۲
[4] اگر کوئی آدمی کسی قبر کے پاس نماز پڑھے، طواف کرے، اس کو سلام کرے، بوسے دے، اپنے رخسارے اس پر ملے، اس کی مٹی برکت کے لئے لے لے، اور قبر والے سے دعا کی درخواست کرے، اس سے مدد مانگے، رزق، عافیت، اولاد، تکلیفوں کے دور کرنے کی درخواست کرے تو یہ زیارت بدعیہ ہے

بشئ من ذلک مشروعا باتفاق علماء المسلمین اذ لم یفعلہ رسول رب العلمین ولا احد من الصحابۃ والتابعین وسائر ائمۃ الدین انتہی ما فی مجالس الابرار مختصرا۔

ومولانا شاہ عبد العزیز دہلوی تحت آیت کریمہ فلا تجعلوا للہ اندادا کے اپنی تفسیر میں افادہ کرتے ہیں، کہ منجملہ فرقہائے مشرکین چہارم فرقہ پیر پرستاں گویند، چون مرد بزرگے کہ بسبب کمال ریاضت ومجاہدہ مستجاب الدعوات ومقبول الشفاعت عند اللہ شدہ بود ازین جہان می گذرد، روح اورا قوتے عظیم و وستے فخیم ہم می رسد ہر کہ صورت اورا برزخ سازد یا در مکان نشست وبرخاست او یا بر گور او سجود وتذلل تمام نماید روح او بسبب وسعت واطلاق برآں مطلع شود، ودر دنیا وآخرت در حق او شفاعت نماید انتہے ما فی التفسیر العزیزی۔

وقاضی شہاب الدین دولت آبادی صاحب تفسیر بحر مواج در عقیدہ اسلامیہ در بیان الفاظ کفر نوشتہ منہا استہزاء الشریعۃ واستہانتہا وطلب الحوائج من الاموات انتہی کلامہ مختصرا۔ حقیقۃ العبادۃ استعانۃ العبد ربہ جل جلالہ والاستمداد والمؤنۃ انتہی ما فی التفسیر النیشاپوری۔ الاستعانۃ نوع تعبد کذا فی معالم التنزیل ولم یکن احد من السلف یاتی قبر نبی ولا غیر نبی لاجل الدعاء عندہ ولا کان الصحابۃ یقصدون الدعاء عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا عند قبر غیرہ من الانبیاء وانما کانوا یصلون ویسلمون علی النبی صلی اللہ

بت پرست لوگ اپنے بتوں پر جا کر یہ کچھ تو کیا کرتے تھے، اور یہ بدعت زیارت انہی لوگوں سے حاصل کی گئی ہے اور باتفاق علمائے مسلمین یہ کام غیر شروع ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور دین کے ائمہ میں سے کسی نے بھی یہ کام نہیں کئے ۔

لہ مشرکین میں سے چوتھا فرقہ پیر پرستوں کا ہے، ان کا عقیدہ یہ ہے، کہ جب آدمی کثرت عبادت یا ریاضت کی وجہ سے مقبول الشفاعت اور مستجاب الدعوات ہو جاتا ہے، تو جب وہ اس جہان سے چلا جاتا ہے، تو اس کی روح کو بہت زیادہ قوت نصیب ہو جاتی ہے پھر جو کوئی اس کا تصور کرے یا اس کی نشست وبرخاست کی جگہ پر جا کر سجدہ کرے تو وہ اس سے مطلع ہو جاتے ہیں اور دنیا وآخرت میں اس کے حق میں شفاعت کریں گے ۔

لہ شریعت کو ٹھٹھا کرنا، اس کی توہین کرنا، اور مردوں سے حاجات طلب کرنا، سب کفر کے کلمات ہیں تفسیر

علیہ وسلم وصاحبیہ رض کذا قال شیخ الاسلام احمد بن عبد الحلیم فی صراط مستقیم ؎

ندارم ہیچ گونہ توشہ را بجز لا تقنطوا من رحمۃ اللہ
تو فرمودی کہ نومیدی میارید زمن لطف و عنایت چشم دارید
بدین معنے بسے امیدواریم بہ بخشا زانکہ بس امیدواریم
امید دردمنداں را روا کن دل امیدواراں را دوا کن
ذرا سن تو نصیحت اے میری جان کہ راضی تجھ سے ہووے آفرین جان
خدا کو کیوں نہیں کافی سمجھتا کہ بندوں پاس پھرتا ہے بھٹکتا
وہ کیا ہے جو نہیں ہوتا خدا سے جسے تو مانگتا ہے اولیا سے
خدا وہ ہے جو چاہے ایک کن سے بنا دے لاکھ عالم ایسے ایسے
جہان سارا اگر آمادہ ہو جا نہ ہو اک بال بھی ٹیڑھے سے سیدھا
جو خود محتاج ہو اپنی بقا میں تصرف کیا کرے گا اور جا میں
جو خود مر جائے جانبر ہو نہ اک دم وہ کیوں کر دے سکے گا جان عالم
جو اپنے رزق میں محتاج ہووے وہ کیونکر بھوک تو بھوکے کی کھووے
ذرا تو خوف کر قہر خدا سے حیا کر روئے پاک مصطفے سے
نبی کرتے رہے تعلیم توحید سکھاتے تھے سدا وہ حق کی تمجید
تو سکھلاتا ہے بدعت شرک کی بات مسلمانوں پہ نازل کرتا آفات
تصرف کس کا عالم میں بھلا ہے خدا نے کس کو قادر یاں کیا ہے
تدبر سے قرآں پڑھتا نہیں ہے سمجھتا مدعا اس کا نہیں ہے
پڑھی ہیں پوتھیاں شاید کہ تو نے یہ باتیں شرک کی لی ہیں اسی سے
بھلا کیا زید کے ہاں ڈھیر میں ہے مگر تو ریوڑیوں کے پھیر میں ہے
رہ توحید کو کیوں تو نے چھوڑا خدا سے کس لئے یوں منہ کو موڑا

نیشاپوری اور معالم التنزیل میں ہے، کہ استعانت عبادت کی ایک قسم ہے، اور سلف صالحین میں سے کوئی بھی انبیاء اور غیر انبیاء کی قبروں پہ دعا کرنے کے لئے نہیں جایا کرتا تھا، بلکہ صحابہ تو آنحضرت کی قبر پر بھی نہیں جایا کرتے تھے، وہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین پر درود و سلام کہا کرتے تھے ۱۲

خدا نے انبیاء اور اولیاء کو بنایا تا نہ چھوڑیں شرک کی بو
یہاں تو نے خدا ان کو بنایا نہ تو نے نفع کچھ ان سے اٹھایا
اگر کچھ عقل ہے کافی ہے اتنا وگر ہے مہر دل پر تو کہوں کیا
بس اب حق سے یہی ہے چاہ اپنی دکھا دے ہم سبھوں کو راہ اپنی

سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العلمین

طالب حسنین سید محمد نذیر حسین

زشرف سید کونین شد شریف حسین

الجواب صحیح وخلافہ قبیح

محمد عبد الحلیم

محمد حفیظ اللہ

محمد یوسف

جواب مجیب صحیح ہے، جو اس پر بھی نہ سمجھے تو جہل ہے، خدا نے مہر ہے دل پر لگائی

محمد غلام اکبر خان سنی محمدی

بسم اللہ الرحمن الرحیم
ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم، محمد حسین قادری و غفوری

ہست منصور علی از احمد

محمد صدیق

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب عورتوں کے اولاد پیدا ہوتی ہے، تو مولود کا ناڑا کاٹ کر اسی گھر میں جہاں وہ پیدا ہوا دفن کرتے ہیں، اور کچھ چھلکے وغیرہ آگ میں جلاتے ہیں، اور مولود کو سوپلا یعنی چھاج میں لٹاتے ہیں، سو یہ درست ہے یا نہیں

(۲) جب عورتوں کے اولاد پیدا ہوتی ہے، تو سوا مہینہ کنویں پر جانا، اور اس کو چھونا برا جانتی ہیں، جب خون نفاس سے فارغ ہوتی ہیں، اور تاریخ ولادت سے چالیس روز گذر جاتے ہیں، تو کنویں پر جاتی ہیں، اور کنویں میں خواجہ خضر کو سمجھ کر تھوڑا سیندور اور چاول اور سرسوں اس کنویں پر رکھتی ہیں، بعد ازاں پانی بھر کر چلی آتی ہیں، اس کو کنواں چھونا کہتے ہیں، تو اس کا نکاح باقی رہا یا نہیں، اور یہ رسم کیسی ہے؟

(۳) جو عورت ایسا کام کرے، کہ اس کا نکاح ٹوٹ جائے، تو اس پر طلاق رجعی عائد ہوئی یا بائن، اور وہ عورت کس صورت سے اسی شوہر کے نکاح میں آسکتی ہے؟

(۴) ایک آدمی نے اپنی عورت کو اسقاط حمل کی دوا دی، اس کا حمل گر گیا، تو وہ شخص گنہگار ہوگا یا نہیں؟

(۵) یا اپنی عورت کو ایسی دوا دیتا ہے، کہ جس سے حمل نہ رہے، اور وہ بانجھ ہو جاوے

درست ہے یا نہیں فقط۔

الجواب:۔ جواب سوال اول، یہ رسم نا درست و ناجائز ہے، اس واسطے کہ محض بے اصل ہے، اس کی شرع سے کوئی سند نہیں ہے، اور مولود کو سوپیلا میں لٹانا بھی نہیں چاہیے، کیونکہ عوام اس فعل کو اس غرض سے کرتے ہیں، کہ اس سے مولود زندہ رہے گا لہذا اس فعل سے اجتناب چاہیے۔

جواب سوال دوم۔ یہ رسم بالکل جہالت و ضلالت کی رسم ہے، اس سے بھی احتراز و اجتناب لازم ہے، سوا چہلینہ تک کنویں پر جانے کو اس خیال سے برا سمجھنا کہ کنویں میں خواجہ خضر رہتے ہیں عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے، عقل کے خلاف اس وجہ سے ہے، کہ جب ایک خاص کنویں میں خضر علیہ السلام کا وجود مانا جاوے گا، تو اور کنوؤں میں بھی ان کا وجود ضرور ماننا پڑے گا، ورنہ تخصیص بلا مخصص لازم آوے گی، اور جب دیگر کنووں میں بھی خضر کا وجود مانا جاوے گا، تو بہت سے خضر کا ہونا لازم آئے گا، کیونکہ شخص واحد کا ایک وقت میں امکنہ متعددہ میں ہونا محال ہے، اور حسب تعداد کنوؤں کے بہت سے خضر کا ہونا، اور حسب کمی بیشی کنووں کے خضر کا کم و بیش ہونا بالکل خلاف عقل ہے، اور خلاف نقل اس وجہ سے ہے، کہ کسی نقلی دلیل سے خضر علیہ السلام کا کنویں میں ہونا ثابت نہیں، بلکہ کسی دلیل صحیح سے اب ان کا موجود ہونا ہی ثابت نہیں، بلکہ صحیح بخاری کی اس حدیث سے خضر علیہ السلام کا زندہ نہ ہونا صاف طور پر ثابت ہوتا ہے۔

عن عبد اللہ بن عمر رض[1] قال صلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلوۃ العشاء فی اخر حیاتہ فلما سلم قام النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ارأیتکم لیلتکم ھذہ فان راس مائۃ سنۃ لا یبقی ممن ھو الیوم علی ظھر الارض احد الحدیث

غرض حضرت خضر علیہ السلام کو کنویں میں سمجھنا اور تاریخ ولادت سے سوا چہلینہ تک کنویں پر نہ جانا، اور اس کے چھونے کو برا سمجھنا، اور چالیس دن گذر جانے کے بعد سیندور وغیرہ کنویں پر رکھنا نہایت بری رسم ہے اور سراسر جہالت اور ضلالت کی بات ہے، جو عورت یہ کنواں چھونے کی رسم کرے گی، وہ بلاشبہ گنہ گار ہوگی، مگر ہاں اس رسم سے اس کا نکاح نہیں ٹوٹے گا،

[1] عبد اللہ بن عمر کہتے ہیں، کہ حضور نے اپنی آخری زندگی میں ایک عشار کی نماز پڑھائی آپ سلام پھیرنے کے بعد کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ آج کی رات مجھے معلوم ہوا ہے، کہ آج سے سو سال بعد تک آج کی دنیا کا کوئی انسان موجود نہ رہے گا۔

جواب سوال سوم۔ جو عورت ایسا کام کرے، کہ جس کی وجہ سے اس کا نکاح ٹوٹ جائے تو اس پر طلاق عاید نہیں ہوتی ہے نہ بائن اور نہ رجعی، اور وہ عورت اگر پھر اپنے شوہر کے نکاح میں آنا چاہے، تو اس کو چاہیئے کہ اس کام سے توبہ کرے، اور پھر اس سے نکاح کر لے۔

جواب سوال چہارم۔ اگر نفخ روح کے بعد اسقاط حمل کی دوا دی، اور حمل گر گیا، تو وہ بالاتفاق گنہ گار ہوگا، اور بہت بڑا گنہ گار ہوگا، اور قبل نفخ روح کے اسقاط حمل کی دوا دی، اور حمل گر گیا تو اس صورت میں جن علماء کے نزدیک عزل ناجائز ہے، ان کے نزدیک وہ شخص گنہ گار ہوگا اور جن علماء کے نزدیک عزل جائز ہے، ان کے نزدیک گنہ گار نہیں ہوگا، حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں۔

ینتزع[1] من حکم العزل حکم معالجۃ المرأۃ اسقاط النطفۃ قبل نفخ الروح فمن قال بالمنع هناک ففی هذہ اولی ومن قال بالجواز یمکنہ ان یقول فی هذہ ایضا بالجواز ومن قال بالجواز یمکنہ ان یفرق بانہ اشد لان العزل لم یقع فیہ تعاطی السبب ومعالجۃ السقط بعد السبب انتهی قال ابن الهمام فی فتح القدیر یباح الاسقاط ما لم یتخلق وفی الخانیۃ لا اقول انہ یباح الاسقاط مطلقا فان المحرم اذا کسر بیض الصید یکون ضامنا لانہ اصل الصید فاذا کان یؤاخذ هنالک مع الجزاء اثم فلا اقل ان یلحقها اثم هنا اذا اسقطت من غیر عذر قال فی البحر ینبغی الاعتماد علیہ لان لہ اصلا صحیحا یقاس علیہ والظاهر ان هذہ المسئلۃ لم تنقل عن ابی حنیفۃ صریحا ولذا یعبرون بقالوا انتهی۔

---

[1] عزل کے حکم سے یہ مسئلہ معلوم ہوتا ہے، کہ جان پڑنے سے پہلے عورت کا حمل گرا دینا بھی جائز ہے، اور جو عزل کو ناجائز سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک حمل گرانا بالاولی ناجائز ہے، اور جو عزل کو جائز سمجھتے ہیں، وہ اس کو بھی جائز سمجھتے ہیں، اور جو عزل کو جائز سمجھتے ہیں، وہ اسقاط کو ناجائز بھی کہہ سکتے ہیں، کیونکہ عزل میں سبب ممانعت کوئی نہیں ہے، اور یہاں سبب موجود ہے۔ ابن الہمام نے فتح القدیر میں کہا ہے، جب تک جان نہ پڑے حمل کا گرا دینا جائز ہے، اور خانیہ میں ہے کہ اسقاط حمل کو مطلقا مباح کہنا درست نہیں ہے، کیونکہ محرم اگر کسی پرندہ کا انڈا توڑ ڈالے، تو اس پر ضمان ہے، کیونکہ وہ شکار کا اصل ہے، اور جس صورت میں وہاں جزا کے باوجود گناہ بھی ہوتا ہے، تو بغیر عذر آدمی کے حمل کو گرا دینا اس سے کم تو نہیں ہوگا، بحر میں کہا ہے، کہ خانیہ کی روایت پر اعتماد کرنا چاہیئے، اور ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ امام ابوحنیفہ سے ثابت نہیں ہے، اسی لئے تو اسے قالوا کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں ۱۲

جواب سوال پنجم - ایسی دوا دینا جس سے حمل نہ رہے حکم میں اسقاط قبل از نفخ روح کے ہے پس جن کے نزدیک وہ جائز ہے، یہ بھی جائز ہے، اور جن کے نزدیک وہ جائز نہیں، یہ بھی جائز نہیں، حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں، ویلتحق بھذہ المسئلۃ تعاطی المرأۃ مایقطع الاصل من اصلہ فقد افتی بعض المتاخرین من الشافعیۃ بالمنع وھو مشکل علی قولھم باباحۃ العزل مطلقا انتہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ عبدالرحیم عفی عنہ سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ بتقریب شادی رنگ وتماشہ نمودن وآتش بازی وآرائش وغیرہ جائز است یاحرام؟

(۲) حکم مرتکبین وفاعلین آنہا چیست؟

(۳) بمحفلے کہ این چنین منکر باشد، خواہ آن مجلس مجلس ولیمہ یاعقد نوانی باشد، یا غیر آن باشد مسلمانان را دران مجلس شریک شدن جائز است یانہ، واگر ناوانستہ حاضر شوند چہ کنند بازآیند یاشریک مجلس باشند

(۴) واگر کسے از مولویان یاکسے دیگر کہ عوام لفعل او حجت گیرند ویااو اقتدا کنند شریک آن مجلس شود وبوقت طلب دلیل بدوبر دے مردمان گوید، ودلیلش از کجا آورم، خود زبانم دلیل است، شرعاً حکم این چنین شخص چیست ونماز مسلمین در پس او جائز است یانہ، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ بتقریب شادی وغیرہ رنگ تماشہ نمودن وآتش بازی سرکردن ناجائز است عن عقبۃ بن عامرؓ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اللہ

۱؎ اس مسئلہ کے ساتھ یہ بھی ملحق ہے، کہ عورت حمل گرانے کے لئے دوائی استعمال کرے، شافعیہ میں سے بعض متاخرین نے اس سے منع کیا ہے لیکن عزل کے جواز کا فتوی دے کر اس سے منع کرنا مشکل ہے

سوال:۔ (۱) شادی بیاہ میں راگ رنگ اور تماشہ آتشبازی اور زیب وزینت جائز ہے یا حرام؟

(۲) ان کا ارتکاب کرنے والے کیسے ہیں؟

(۳) ایسی مجلسوں میں مسلمانوں کو شریک ہونا جائز ہے یانہیں؟ اگر کوئی ناوانستہ چلا جائے تو پھر اس میں شامل رہے یا واپس آجائے

(۴) اگر کوئی مولوی یا پیر ایسی مجلس میں چلا جائے، کہ لوگ اس کی سند لیتے ہوں، اور اس سے دلیل طلب کی جائے، تو وہ جواب میں کہے اس کی دلیل خود میری زبان ہے، ایسا آدمی کیسا ہے؟ اس کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شادی میں راگ رنگ اور آتشبازی وغیرہ منع ہے، عقبہ بن عامر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا

تعالیٰ یدخل بالسہم الواحد الحدیث وفیہ کل شئ یلھو بہ الرجل باطل الا رمیہ بقوسہ وتادیبہ فرسہ وملاعبتہ امرأتہ فانھن من الحق رواہ الترمذی وابن ماجہ. یعنی ہر چیز کہ بازی کند بآن چیز مرد باطل ونارواست، مگر تیر انداختن او بکمان خود وادب کردن او اسپ خود را وبازی کردن مرد زن خود را پس بدرستیکہ این اشیاء از جملہ حق است وثابت است وبحقیقت داخل لہو نیستند

مولانا شاہ عبد العزیز صاحب قدس سرہ در بعضے تحریرات وتالیفات خود دربیان رسومات منہیات نوشتہ اند. ولا یجوز تضییع المال باحراق البارود والکاغذ ورکوب الخیل والطواف بالبلد من غیر حاجۃ قال اللہ تعالیٰ ولا تکونوا کالذین خرجوا من دیارھم بطرا ورئاء الناس واظہار المعازف والملاھی واظہار لعب اللعابین وستر حیطان البیت بالثیاب الجمیلۃ تزینا ودخول النساء الاجنبیات علی الزوج بعد الفراغ من العقد وکلامھن معہ ومس انفہ واذنہ ووضع النبات علی جسد الزوجۃ وامر الزوج ان یرفعہ بلسانہ وحفوف النساء حول الزوج والزوجۃ عند الخلوۃ کلہ من البدعات المحرمۃ انتہی کذا فی المسائل الاربعین لمولانا محمد اسحٰق الدھلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

والیضا فیہ سر کردن آتش بازی اسراف است در شادی باشد یا غیر آن واسراف در شرع شریف ممنوع است قال اللہ تعالیٰ ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین وکان الشیطٰن لربہ کفورا ۱۲ انتہی

اللہ ایک تیر کی وجہ سے کئی آدمیوں کو جنت میں داخل کرتے ہیں، اس میں یہ بھی ہے، کہ تمام کھیل ناجائز ہیں، سوائے تیر اندازی، اور گھوڑے کو کرتب سکھانے اور اپنی بیوی سے کھیلنے کے کہ یہ تینوں کھیل جائز ہیں، شاہ عبد العزیز نے اپنی تالیفات میں ممنوع رسوم کے ضمن میں لکھا ہے، آتشبازی کرنا، دولہا کو گھوڑے پر سوار کرا کے شہر کے گرد چکر لگوانا منع ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جو اپنے گھروں سے فخر اور ریا کی نیت سے نکلے" باجے بجانا، دیواروں پر پردے لٹکانا، اجنبی عورتوں کا دولہا کے پاس آکر باتیں کرنا، اس کے ناک کان مروڑنا، اور دلہن کے جسم پر شیرینی رکھ کر دولہا کو کہنا، کہ اس کو اپنے منہ سے اٹھاؤ، اور خلوت کے وقت دولہا دلہن کو عورتوں مردوں کا گھیر لینا سب حرام بدعات ہیں۔

مولانا محمد اسحاق دہلوی اپنے رسالہ اربعین میں لکھتے ہیں، آتشبازی اسراف ہے، اور اسراف حرام ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، اسراف کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے رب کا نافرمان ہے۔

(۲) مرتکبین آنہا مبتدعین و مسرفین و گنہ گار انند۔

(۳) بمحفلے کہ این چنین منکر باشد خواہ آن محفل محفل ولیمہ باشد یا غیر آن باشد مسلمانان را خواہ مقتدا باشند یا غیر مقتدا دران محفل شریک شدن جائز نیست و اگر نادانستہ حاضر شوند باز آیند، ہمین حکم از ظاہر احادیث ثابت می شود، و اہل علم درین باب گونہ اختلافے دارند در مسائل اربعین مرقوم است، مدعو اگر قبل از حضور معلوم کند کہ در آنجا منکر است، حاضر نہ شود، و اگر او را معلوم نہ بود، و بعد حاضر شدن منکرات پیش آمد پس آن مدعو اگر مقتدا است و قدرت منع آن از دست یا زبان می دارد رد کردہ بنشیند، و سنت ولیمہ کہ اجابت دعوت است ادا کند و الا ازان مکان بیرون آید، و اگر عامی است و قدرت منع بر آن منکرات آنجا نمی دارد، پس اگر نشستہ بخورد جائز است، زیرا کہ اجابت دعوت سنت است و عامی را نمیرسد کہ بوجود بدعت سنت را ترک نماید، چنانچہ در شرح وقایہ مرقوم است اعلم ان ما لا یخلو انہ ان علم قبل الحضور ان ہناک لہوا لا یحضر و ان لم یعلم قبل ذلک لکن ہجم بعدہ فان کان قادرا علی المنع یمنع و ان لم یکن قادرا فان کان الرجل مقتدی یخرج لئلا یقتدی الناس و ان لم یکن مقتدی فان قعد واکل جاز لان اجابۃ الدعوۃ سنۃ فلا تترک بسبب بدعۃ کصلوۃ الجنازۃ تحضرہا النائحۃ انتہی، لیکن عامی را ہم ضرور است، کہ کراہت آن بدل دارد و فی الحدیث فلم یستطع فبقلبہ و ذلک اضعف الایمان و اگر کراہت بدل ندارد خوف زوال ایمان است، انتہے ما فی المسائل الاربعین، این مذہب حنفیہ است۔

---

(۲) ان کے مرتکب بدعتی، فضول خرچ اور گنہ گار ہیں۔

(۳) ایسی مجلسوں میں خواہ وہ ولیمہ ہی کی کیوں نہ ہوں، تمام مسلمانوں کو خواہ وہ مقتدا ہوں یا دوسرے عوام شامل ہونا جائز نہیں ہے، اگر نادانستہ چلے جائیں، تو واپس آجائیں۔

مسائل اربعین میں ہے، کہ اگر جانے سے پہلے علم ہو جائے، تو نہ جائے، اور اگر جانے کے بعد وقوع میں آجائیں، تو اگر مقتدا ہو، اور روک سکتا ہو تو رد کرے، اور دعوت ولیمہ میں شامل ہو، اور اگر عام آدمی ہو، روک نہ سکتا ہو، تو وہ ایک بدعت کے لئے سنت نہ چھوڑے، شرح وقایہ میں بھی ایسا ہی لکھا ہے، اور مثال دی ہے، کہ جیسے کوئی جنازہ پڑھنا جس کے ہمراہ کوئی نوحہ کرنے والی ہو، نہیں چھوڑ دینا چاہیئے، لیکن عامی کو بھی ایسی چیزوں کو دل سے برا سمجھنا چاہیئے، اور یہ کمزور ترین ایمان ہے، احناف کا یہی مذہب ہے،

حافظ ابن حجر در فتح الباری گفتہ، کہ علماء گفتہ اند کہ در آنجا لہوے مختلف فیہ باشد حضور جائز است، واولیٰ ترک است، واگر حرام باشد، چون می نوشی، پس اگر مدعی ازان کسان است کہ از حضورش آن حرام رفع کردہ خواہد شد، پس باید کہ حاضر شود، واگر چنین نہ باشد، پس شافعیہ را درین صورت دو وجہ است، یکے آنکہ حاضر شود وبحسب قدرت انکار کند، اگرچہ اولیٰ این است کہ حاضر نہ شود، بیہقی گفتہ کہ این ظاہر نص شافعی است و برہمین وجہ عراقیین از اصحاب او جاری شدہ اند، ووجہ دوم آنکہ حضور حرام است، زیرا کہ حضور گویا راضی شدن است بمنکر، واین وجہ دوم را مراوزہ یعنی اہل مرو صحیح گفتہ اند، واگر مدعو را معلوم نیست کہ دران جا منکر است وحاضر شد، پس باید کہ بر ایشان انکار کند، واگر باز نیاید، پس از انجا رجوع کند، مگر وقتے کہ بر نفس خود خوف کند، وبرہمین وجہ جاری شدہ اند حنابلہ۔

قال الحافظ ویؤید منع الحضور حدیث عمران بن حصین نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اجابۃ طعام الفاسقین اخرجہ الطبرانی فی الاوسط ویؤیدہ کامع وجود الامر المحرم ما اخرجہ النسائی من حدیث جابر مرفوعا من کان یؤمن باللہ والیوم الاخر فلا یقعد علی مائدۃ یدار علیہا الخمر واسنادہ جید انتہی ودر منتقی الاخبار است عن علی رضی اللہ عنہ قال صنعت طعاما فدعوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجاء فرأی فی البیت تصاویر فرجع رواہ ابن ماجہ ودر مشکوۃ شریف است عن سفینۃ ان رجلا ضاف علی ابن ابی طالب

ابن حجر کہتے ہیں، کہ اگر کوئی ایسی بے ہودگی ہو جس میں اختلاف ہے، تو اس میں حاضر ہونا جائز ہے، اور نہ جانا بہتر اور اگر حرام ہے مثلاً شراب نوشی، تو اگر اس کو روکنے کی طاقت ہو تو ضرور جا کر روکے، اور اگر روک نہ سکتا ہو تو شافعیہ کا مسلک یہ ہے، کہ جائے اور حسب طاقت انکار کرے، اور اگر نہ جائے تو بہتر ہے، عراق کے شافعی اسی کے قائل ہیں، مرو کے شافعی کہتے ہیں، کہ ہرگز نہ جائے، اور اگر علم نہ ہو تو چلا جائے، جانے کے بعد وقوع میں آئے، تو اس پر انکار کرے ورنہ واپس آجائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فاسق کے گھر کا کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے، نسائی کی روایت میں ہے، کہ جو آدمی خدا پر ایمان رکھتا ہو، وہ ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے، جس پر شراب نوشی ہو، حضرت علی کہتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کھانا تیار کیا، آپ نے گھر میں تصویریں دیکھیں، تو واپس چلے گئے، حضرت فاطمہ رضی نے روکنے کی کوشش کی، تو آپ نے فرمایا، نبی تصویر والے گھروں میں داخل نہیں ہو سکتا۔

فصنع له طعاما فقالت فاطمة لو دعونا رسول الله صلى الله عليه وسلم فأكل معنا فدعوه فجاء فوضع يديه على عضادتي الباب فرأى القرام قد ضربت في ناحية البيت فرجع فقالت فاطمة فتبعته فقلت يا رسول الله ما ردك قال انه ليس لنبي ان يدخل بيتا مزوقا. وفي فتح الباري عن ابي مسعود ان رجلا صنع طعاما فدعاه فقال أفي البيت صورة قال نعم فابى ان يدخل حتى تكسر الصورة وسنده صحيح. وفي صحيح البخاري ودعا ابن عمر ابا ايوب فرأى في البيت سترا على الجدار فقال ابن عمر غلبنا عليه النساء فقال من كنت اخشى عليه فلم اكن اخشى عليك والله لا اطعم لكم طعاما فرجع

ازیں روایات معلوم شد، کہ وجہ دوم از دو وجہ شافعیہ کہ آں را امام نووی صحیح گفتہ اند، و بران حنابلہ جاری شدہ اند ہمان صحیح وحق است، و مؤیداو این آیت کریمہ است فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین. واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۴) این چنین شخص بلاشبہ فاسق است، و نماز درپس او اگرچہ جائز است، چہ نماز درپس ہر بر و فاجر روا است، لیکن اورا برائے امامت مقدم باید نہ کرد، و اورا امام نباید ساخت واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب، کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکپوری عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ ذکر ولادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت جو مجلس مولد میں کھڑے ہو جاتے ہیں، تو یہ کھڑا ہونا بایں اعتقاد کہ روح مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہاں تشریف لاتی ہے، اور آنحضرت ہر جگہ حاضر ناظر ہیں، شرع میں کیا حکم رکھتا ہے، اور یہ اعتقاد اس امر کے

ابو مسعود کہتے ہیں، کہ ایک آدمی نے آپؐ کی دعوت کی، آپ نے پوچھا، اس گھر میں تصویریں ہیں، اس نے کہا، ہاں! آپ نے فرمایا تصویریں توڑ پھوڑ دو گے، تو آجاؤں گا، حضرت عبداللہ بن عمر نے ابوایوب کی دعوت کی، انہوں نے گھر کی دیواروں پر پردے دیکھے، تو روٹی کھائے بغیر واپس آ گئے، اور کہا آپ سے یہ توقع نہ تھی، انہوں نے کہا، عورتوں نے زبردستی لٹکا دیئے، کہنے لگے، آپ سے یہ امید بھی نہ تھی، ان روایات سے معلوم ہوا، کہ مروزی شوافع کا عمل درست ہے، قرآن مجید میں بھی آیا ہے، کہ یاد آ جانے کے بعد ظالم قوم کے ساتھ نہ بیٹھو، واللہ اعلم۔

(۴) ایسا آدمی فاسق ہے، اگر کوئی اتفاقی نماز اس کے پیچھے پڑھ لی جائے، تو ٹھیک ہے، ورنہ ایسے آدمی کو امام نہیں بنانا چاہیئے، واللہ اعلم ۱۲

کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب: ۔ قیام وقت ذکر ولادت کے بغیر اس اعتقاد کے بدعت ہے، اور ساتھ اس اعتقاد کے شرک ہے۔ اس واسطے کہ صفت حاضر ناظر ہونے کی ہر جگہ میں سوائے اللہ تعالیٰ اور کسی میں پائی نہیں جاتی ہے، جائے غور ہے، کہ اگر مثلاً سو جگہوں میں ایک وقت خاص میں مجلس مولود کی ہو، تو کس طرح اسی وقت خاص میں ہر جگہ روح آپ کی تشریف لائے گی، قاضی شہاب الدین دولت آبادی نے کتاب تحفۃ القضاۃ میں فرمایا ہے۔ وممایفعله[1] الجهال على راس كل حول فى شهر الربيع الاول ليس بشئ ويقومون عند ذكر مولده صلى الله عليه وسلم ويزعمون ان روحه صلى الله عليه وسلم يجئ فزعمهم باطل بل هذا الاعتقاد شرك وقد منع الائمة الاربعة مثل هذا انتهى۔

اور قاضی نصیر الدین نے طریقۃ السلف میں لکھا ہے۔ وقد[2] احدث بعض جهال المشائخ امورا كثيرة لا نجد لها اثرا فى كتاب ولا فى سنة منها القيام عند ذكر ولادة سيد الانام عليه التحية والسلام اور سیرت شامی میں مذکور ہے جرت[3] عادة كثير من المحبين اذا سمعوا بذكر وضعه صلى الله عليه وسلم ان يقوموا تعظيما له صلى الله عليه وسلم وهذا القيام بدعة لا اصل لها انتهى

حررہ ابو الطیب محمد شمس الحق عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین	ابو الطیب ۱۲۹۵ محمد شمس الحق

سوال: ۔ چہ می فرمایند مرکز علمائے متبحر وقطب فضلائے ومہر شمس سمائے شریعت وبدر

---

[1] اور یہ جو سال بعد جاہل لوگ ربیع الاول کے مہینہ میں اکٹھے ہوتے ہیں، یہ بے اصل بات ہے، اور پھر آپ کی ولادت کے وقت اٹھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کی روح آتی ہے، تو ان کا یہ عقیدہ شرک ہے، اور چاروں اماموں نے اس سے منع کیا ہے۔

[2] آج جاہل پیروں نے بہت سی باتیں ایجاد کر لی ہیں، جن کا کتاب وسنت میں کوئی نام ونشان نہیں ملتا، مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے ذکر کے وقت اٹھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں ۱۲

[3] آج بہت سے محبان کی عادت ہو چکی ہے کہ جب آپ کی ولادت کا ذکر سنتے ہیں تو آپ کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور یہ کھڑا ہونا بدعت ہے اس کا کوئی اصل نہیں ہے ۱۲

سوال:۔ کیا حکم ہے ان رسوم کا کہ نوشے کے گلے میں ہار ڈالا جاتا ہے، اور نکاح کے بعد مصافحہ ہوتا ہے نوشہ

فلک طریقت شیخ العرب والعجم ہادی الناس الی الطریق الاسلم کریم السجایا جمیل الشیم قدوۃ البررۃ صاحب اخلاق الرضیہ اندرین مسئلہ محدثہ کہ در اکثر مختلفہ و مواضع کثیرہ ہند بسیار عوام الناس داماد را حین تزویج بگل پوشی اعنی قلادہ گلہا بگلو دراند اختن وغیرہ و بعد عقد نکاح مصافحہ و تسلیم بر حضار مجلس و پابوسی خسر وغیرہ من الاکابر امر می کنند و شب زفاف بعد ادائے رسم آرسی و مصحف اقارب داماد را بہ یک طرف بنشانند و اقارب عروس را بہ یک جہت و زان بعد رسم سلامی بجامی آرند یعنے ہرگاہ کہ از جانبین یا از جانب واحد دو مال وغیرہ ادا می نمایند باید کہ ناکح برخاستہ یا بحالت قعود تسلیم بنام ہر یک ازاں صاحب بجا آرد و چون روز جمعہ می شود داماد را بخانہ مادر زن می طلبند آن را جمعگی موسوم می کنند ایا دار این مراسم بوجہ مالا بد منہا از روئے شریعت مستنیرہ ثابت و جائز است یا نہ و مرتکب و آمرش سنی است یا بتدع و در ترکش طعن کردن کہ اینان سالکان شرع اند وغیرہ من الہذیانات چیست باید کہ بمجرد وصول ایں عریضہ باعتبار تمام جواب صافی دلپذیر و دستخط تحریر بلا توانی و تاخیر مارا بفراوان منت ممنون و بہزاراں عطوفت مسرور سازند الراقم جماعۃ معسکر بنگلور مسجد اہلحدیث متصل نیو مارکٹ بنام محمد یعقوب گاؤ قصاب ،

الجواب :- بر ارباب خبرت کاملہ و بصیرت ناقدہ مکشوف است کہ در عہد سعادت مہد حضرت و بعدہ من القرون المشہود لہا بالخیر مناکحات بکثرت وقوع یافتہ چنانچہ در اسفار حدیث ذکر شان مذکور است بہ ہیچ ازاں نام و نشان این چنین شنائع و صنائع نبود بلکہ دران از منہ تزویج یافتہ ہمین خطبہ و مہر مخفف وغیرہ امور مشروعہ مسنونہ بود و بس بحکم حدیث من احدث فی امرنا ہذا مالیس منہ فہورد این ہمہ رسوم بدعت مردودہ خوانند

حاضرین مجلس کو سلام کرتا ہے، اپنے خسر کے پاؤں کو بوسہ دیتا ہے، اور شب زفاف کے بعد آرسی اور مصحف کی رسم کے بعد دولہا دلہن کے اقارب ایک دوسرے کے سامنے بیٹھتے ہیں، ایک دوسرے کو دو مالوں کا تحفہ دیتے ہیں، اور دولہا اٹھ کر ہر ایک کو سلام کرتا ہے، اور جمعہ کے دن دولہا کو اپنی ساس کے پاس بلایا جاتا ہے اس رسم کو جمعگی کہتے ہیں، آیا یہ رسوم شریعت سے ثابت ہیں یا نہیں ان کا مرتکب سنی ہے یا بدعتی، اور جو ان رسوم کو ادا نہ کرے، اس کو شریعت والا کا طعنہ دینا کیسا ہے، جواب فوراً عطا فرما کر ممنون فرمائیں

الجواب :- اہل علم جانتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ، اور تین بہترین زمانوں میں ان رسوم کا نام ونشان نہ تھا، نکاح ہوتے تھے، خطبہ اور حق مہر ہوتا تھا، بحکم حدیث "جو ہمارے دین میں نیا کام نکالے وہ مردود ہے" یہ

بود بر متدین متبع سنت احتراز ازینہا لازم داز خوف طعن وتشنیع عوام کالانعام باین چنین مہالک افتادن موجب مقت ایزد جبار است، و ہیچ یکے ازین رسوم مذکورہ از شریعت ثابت نیست بلکہ ہمہ صریحا خلاف نصوص شرعیہ اند مثلا مصافحہ وسلام بوقت ملاقات مشروع ومسنون است، نہ از ہمہ حاضرین مجلس وپابوسی منجملہ امور شرکیہ است وہکذا سائر مراسم مذکورہ از باب تشریع مالم یشرعہ اللہ است واللہ تعالے اعلم، حررہ عبدالحق ملتانی

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ چہ فرمایند علمائے دین درین کہ سہرہ گل بستن مباح وجائز است یا غیر مباح دنا جائز۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ سہرہ بستن امر مباح است زیراکہ در اصل اشیاء اباحت است نزد عامہ علمائے حنفیہ، لیکن اولےٰ وبہتر آن ست، کہ مسلم از سہرہ بستن احتراز نماید، زیراکہ این امر در قرون صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین رضی اللہ عنہم نبودہ لہذا در بدعت داخل است، چنانکہ تسبیح وغیرہ دنہ آنکہ صاحب آن مرتکب صغیرہ وکبیرہ است، ہمین مضمون فہمیدہ می شود از اصول فقہ واللہ اعلم بالصواب

حاجی قاسم

قیاس این قائل سہرہ گل را بر تسبیح کہ بدعت حسنہ در دائرہ مباح داخل است، قیاس مع الفارق است، زیراکہ بدعت مباحہ را باید دید کہ از افعال اہل سنت است یا از اہل کفر واہل بدعت پس مدار کار بر شعائر است و بر ظاہر است کہ سہرہ گل وغیرہ ساختہ پرداختہ

کام بھی مردود ہیں تبع سنت کو ایسی بدرسموں سے پرہیز کرنا چاہیئے، کہ ان میں سے کوئی بھی شریعت سے ثابت نہیں ہے لوگوں کے طعن وتشنیع کے خوف سے خدا کی ناراضگی نہ لینا چاہیئے سلام اور مصافحہ ملاقات کے وقت تو مسنون ہے حاضرین مجلس کے لئے منع ہے، اور پاؤں کو بوسہ دینا مشرکوں کی رسم ہے، اور شرک ہے، واللہ اعلم

سوال:۔ دولہا کے سر پر پھولوں کا سہرا باندھنا مباح اور جائز ہے یا غیر مباح دنا جائز؟ بینوا توجروا

الجواب:۔ سہرہ باندھنا جائز ہے، کیونکہ اکثر علماء کے نزدیک اصل اباحت ہے لیکن بہتر ہے، کہ نہ باندھا جائے کیونکہ صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں اس کا وجود نہیں تھا، لہذا بدعت میں شامل ہے، جیسے کہ تسبیح وغیرہ، البتہ اس کا مرتکب صغیرہ یا کبیرہ کا مرتکب نہیں ہے، واللہ اعلم۔ حاجی قاسم

سہرے کو تسبیح پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے، کسی کام کو اس نظر سے دیکھنا چاہیئے، کہ یہ اہل سنت کے افعال میں سے ہے یا اہل بدعت واہل کفر کے شعار سے، اور یہ تو ظاہر بات ہے کہ سہرہ ہندوؤں کی رسم ہے

معروف است، چنانچہ مالا مقابل تسبیح شعار ایشان بخلاف تسبیح کہ مخترع اہل اسلام و شعار ایشان است وما منع کردہ شدہ ایم از تشبہ باہل کفر واہل بدعت کہ شعار ایشان است، لو کانت البدعۃ مباحۃ سواء کانت من افعال اہل السنۃ او من افعال اہل الکفرۃ واہل البدعۃ فالمدار علی الشعار فانا ممنوعون من التشبہ باہل الکفر واہل البدعۃ فی شعارہم کذا قال الملا علی القاری فی شرح الفقہ الاکبر۔

ہر چند در اصل اشیاء اباحت است، چنانکہ قول قائل است، مگر بسبب تشبہ بکفار امر مباح متشبہ بافعال کفار متروک العمل ومنہی عنہ شد، و باید دانست کہ اصل اشیاء عند التحقیق متوقف است، اگرچہ بعض حنفی مذہب بر اباحت مستند قال فی المدارک قد استدل الکرخی وابو بکر الرازی والمعتزلۃ لقولہ تعالی خلق لکم ما فی الارض جمیعا الآیۃ علی ان الاشیاء التی تصلح ان ینتفع بہ خلقت مباحۃ فی الاصل وفی شرح المنار الاشیاء فی الاصل علی الاباحۃ عند بعض الحنفیۃ ومنہم الکرخی وقال اصحاب الحدیث الاصل فیہا الحظر وقال اصحابنا الاصل فیہا التوقف بمعنی انہ لابد لہا من حکم لکن لم نقف علیہ بالعقل انتہی وقال صاحب الدر المختار فی باب استیلاء الکفار الصحیح من مذہب اہل السنۃ ان الاصل فی الاشیاء التوقف انتہی۔ وایضا فیہ فی کتاب الطہارۃ المتصور من ان الاصل فی الاشیاء التوقف الا ان الفقہاء کثیرا ما یلہجون بان الاصل الاباحۃ انتہی واللہ اعلم بالصواب وعندنا

اور تسبیح مسلمانوں کا شعار ہے، اور ہم کو اہل بدعت و اہل کفر کے شعار کے ساتھ تشبہ کرنے سے روک دیا گیا ہے چنانچہ ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں اس کی تصریح کی ہے،

ہم تسلیم کر لیتے ہیں، کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے، لیکن کوئی چیز جب اہل کفر کے ساتھ مشابہ ہو جائے تو وہ ممنوع ہو جاتی ہے، اور یہ جو اشیاء میں اباحت کو اصل قرار دیا گیا ہے یہ بھی متفق علیہ نہیں ہے، بلکہ اکثر کے نزدیک اصل اشیاء میں توقف ہے، اگرچہ بعض حنفی اباحت کے قائل ہیں، کرخی، ابو بکر رازی اور معتزلہ اشیاء میں اباحت کے قائل ہیں، اور اہل حدیث اشیاء میں اصل ممانعت سمجھتے ہیں، اور اکثر احناف توقف کے قائل ہیں، شرح المنار میں ایسا ہی لکھا ہے، اور صاحب در مختار نے کتاب الطہارت وغیرہ میں اشیاء

امرالکتاب۔ کتبہ السید محمد نذیر حسین

سید محمد نذیر حسین

مسئلہ: بر دانشمندان شرع مخفی مباد کہ رسم سہرہ وکنگن بستن در مسلمانان از جملہ رسم وسنت جاہلیت وشعار کفار است۔ پس ہر کہ شعار کفار را اختیار کند وبجا آرد البغض الناس الی اللہ خواہد بود بدلیل حدیث ہذا عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابغض الناس الی اللہ ثلاثۃ ملحد فی الحرم ومبتغ فی الاسلام سنۃ الجاہلیۃ ومطلب دم امرأ مسلم بغیر حق لیہریق دمہ رواہ البخاری کذا فی المشکوۃ وشناعت ومذمت سہرا وکنگن حضرت آدم بنوری مرید ارشد جناب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ در خلاصۃ المعارف نوشتہ اند، ودر فتاوی مراۃ الصفا لسنۃ المصطفے وغیرہ نیز شعار کفار ومجوس نگاشتہ بعض شاعر فارس در مدح سہرا بستن عروس مجوس این بیت گفتہ ؎

ماہ من از حیا رخش بس کہ بآب وتاب شد سہرہ چو بست عارضش پنجہ آفتاب شد

بنا بر قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدین النصیحۃ للہ ولرسولہ ولائمۃ المسلمین وعامتہم کذا فی صحیح البخاری گذارش کردم وما علینا الا البلاغ

الراقم العاجز محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: شب ستائیسویں رمضان المبارک میں روشنی کثرت سے کرتے ہیں چراغاں بہت روشن کرتے ہیں، پس اس شب میں روشنی کرنے کا کیا حکم شرع شریف میں ہے

الجواب: روشنی کثرت سے کرنا مسجد میں یا غیر مسجد میں خواہ شب ستائیسویں رمضان المبارک ہو، خواہ کوئی اور شب ہو، ناجائز ہے، کیونکہ اسراف میں داخل ہے، اور تشبہ

کے لئے اصل توقف قرار دیا ہے۔ واللہ تعالی اعلم۔ سید نذیر حسین

مسئلہ:۔ شریعت کے واقف لوگوں پر مخفی نہ رہے، کہ سہرا وکنگنا باندھنا مسلمانوں میں ہندؤوں کی رسوم سے آیا ہے، اور جو کفار کی رسوم کو اختیار کرے، وہ اللہ کے نزدیک مبغوض ترین آدمی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تین آدمی خدا کے نزدیک بدترین آدمی ہیں، حرم میں الحاد کرنے والا، اسلام میں جاہلیت کی رسمیں اختیار کرنے والا، اور کسی مسلمان آدمی کا ناحق خون کرنے والا"

اور سہرا کنگن کی مذمت آدم بنوری مجدد الف ثانی کے مرید نے خلاصۃ المعارف میں لکھی ہے، اور مراۃ الصفا لسنۃ المصطفے وغیرہ میں اس کو کفار اور مجوس کی رسم کہا گیا ہے، لہذا اس سے پوری پرہیز کرنی چاہیئے۔

ساتھ قوم پر انکار کے ہے جیسا کہ فقیہ طرطوسی نے تفح المسائل میں اور ملا علی قاری نے شرح مشکوٰۃ میں اور شیخ عبد الحق محدث نے ماثبت بالسنۃ میں لکھا ہے، اور حموی نے شرح اشباہ ونظائر میں خوب وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

سید محمد نذیر حسین

حررہ سید شریف حسین عفی عنہ

سوال: مصافحہ بالتخصیص بعد نماز جمعہ یا عیدین کے غیر وقت ملاقات کے کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین سے ثابت ہے یا نہیں اور اس کا کیا حکم اور محققین حنفیہ نے اس کو کیا لکھا ہے

الجواب: مصافحہ وقت لقا کے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کرام سے ثابت ہے، اور بالتخصیص بعد نماز جمعہ اور عیدین کے بدعت ہے، کسی حدیث سے ثابت نہیں، اور ائمہ دین سے بھی منقول نہیں، جیسا کہ شیخ ابن الحاج نے مدخل میں لکھا ہے موضع المصافحۃ فی الشرع انما ھو عند لقاء المسلم لاخیہ لا فی ادبار الصلوۃ فحیث وضعھا الشارع لا یضعھا فینھی عن ذلک ولیزجر فاعلہ لما اتی بہ خلاف السنۃ انتہی اور شیخ احمد بن علی رومی مجالس الابرار میں فرماتے ہیں۔ اما المصافحۃ فی غیر حال الملاقاۃ مثل کونھا عقیب صلوۃ الجمعۃ والعیدین کما ھو العادۃ فی زماننا فالحدیث سکت عنہ فیبقی بلا دلیل وقد تقرر فی موضعہ ان ما لا دلیل علیہ فھو مردود ولا یجوز التقلید فیہ انتہی۔

اور شیخ عبد الحق نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے، آنکہ بعضے مردم مصافحہ می کنند بعد از نماز یا بعد از جمعہ چیزے نیست، وبدعت است از جہت تخصیص وقت، اسی طرح ملا علی قاری نے شرح مشکوٰۃ میں اور ابن عابدین نے رد المختار میں لکھا ہے۔ حررہ ابو الطیب محمد شمس الحق عفی عنہ

ابو الطیب ۱۲۹۵ محمد شمس الحق | سید محمد نذیر حسین

ف۱: مصافحہ کرنے کا مقام مسلمان بھائی سے ملاقات کرنے کا وقت ہے، نہ کہ نماز کے بعد اگر کوئی آدمی ایسے مقام پر مصافحہ کرے گا، جہاں شارع نے نہیں بتایا، تو اس کے فاعل کو روکا جائے گا، کیونکہ اس نے سنت کے خلاف کیا ہے۔ ف۲: ملاقات کے وقت کے علاوہ اور کسی وقت مثلاً جمعہ یا عیدین کے بعد مصافحہ کرنا جیسا کہ ہمارے زمانہ میں عادت ہو چکی ہے، حدیث اس سے خاموش ہے، اور اپنی جگہ پر یہ ثابت ہے، کہ جس کام پر دلیل نہ ہو، وہ مردود ہے، اور اس کی تقلید جائز نہیں ہے۔

سوال: بوقت ذکر ولادت قیام وہاتھ باندھنا کیسا ہے، و مجلس مولود و غزلیات کا کیا حکم ہے، بینوا توجروا۔

الجواب: قیام وہاتھ باندھنا بوقت ذکر ولادت بدعت و ناجائز ہے، کسی دلیل شرعی سے اس کا ثبوت نہیں ہے، اگر یہ قیام وہاتھ باندھنا اس عقیدہ و نیت سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوقت ذکر ولادت تشریف لاتے ہیں، اور حاضر مجلس میلاد ہوتے ہیں، تو یہ شرک ہے، اور مولود و غزلیات جو آج کل چھپ کر شائع ہیں، وہ ناجائز مضامین اور روایات موضوعات و مفتریات سے مملو ہیں، ان کا پڑھنا اور سننا بلاشبہ ممنوع و ناجائز ہے واللہ تعالےٰ اعلم بالصواب۔ حررہ محمد عبدالحق ملتانی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: ما قولکم رحمکم اللہ فی مجالس المیلاد الشائعۃ فی ھذا الزمان ھل ھی جائزۃ ام لا ولیکن الجواب مفصلا مع مالہ وما علیہ بینوا توجروا

الجواب: عقد مجالس المیلاد الشائعۃ فی ھذا الزمان بدعۃ لا مریۃ فی کونہا بدعۃ لان عقدھا امر محدث وکل محدث بدعۃ فعقدھا بدعۃ اما الصغری فظاھرۃ فان ھذہ المجالس لم تکن تعقد فی الزمن النبوی ولا فی زمن من بعدہ من الصحابۃ والتابعین والائمۃ المجتہدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین وایضا ھذہ المجالس المشتملۃ علی انواع من المفاسد والبلایا والشدائد والمحن ایا لا یستنبط جوازھا البتۃ لا من کتاب اللہ ولا من سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا من الاجماع ولا من القیاس الصحیح فہل ھذا الا من محدثات الامور واما الکبری فقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ

سوال:۔ آج کل جو مجالس میلاد قائم ہوتی ہیں، کیا یہ جائز ہیں یا نہیں؟ جواب مفصل عنایت فرمائیں۔

الجواب:۔ مجالس میلاد بدعت ہیں، اور ان کے بدعت ہونے میں کسی قسم کا کلام نہیں، کیونکہ یہ دین میں نیا کام ہے، اور دین میں نئے کام بدعت ہیں، اس مقدمہ کا صغریٰ تو ظاہر ہے کیونکہ یہ مجالس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اور تابعین و تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کے زمانہ میں نہیں ہوتی تھیں، اس کے علاوہ ان میں اور بھی بہت سی برائیاں اور مفاسد موجود ہیں جن کو قرآن، سنت، اجماع صحابہ اور قیاس صحیح سے استنباط نہیں کیا جا سکتا تو یہ نیا کام ٹھہرا، اور کبریٰ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نئے کاموں سے بچو کہ وہ بدعت ہیں اور

وکل بدعۃ ضلالۃ رواہ احمد وابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ کذا فی المشکوۃ فی باب الاعتصام وایضا قال صلی اللہ علیہ وسلم شر الامور محدثاتہا وکل بدعۃ ضلالۃ رواہ مسلم کذا فی الباب المذکور وقد صنف علماء اہل الحدیث فی الرد علی ہذہ المجالس والانکار علیہا رسائل عدیدۃ فمن شاء الاطلاع علی ہذہ المسئلۃ مع مالہا وما علیہا مبسوطا فلیطالع تلک الرسائل واللہ تعالٰی اعلم۔ کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال :۔ این مجلسِ متعارف یعنی مجلس مولود کہ در شہرہا مے شود جائز و مستحب است یا بدعت و مکروہ، بینوا توجروا۔

الجواب :۔ انعقاد این محفل متعارف یعنی محفل مولود کہ درین شہرہا میشود بدعت و مکروہ است، کدامی دلیل شرعی یعنی کتاب و سنت واجماع و قیاس بر ثبوت این قائم نیست۔ و ہر امرے کہ چنین باشد آن بدعت سیئہ و نامشروع می شود وادنی درجہ بدعت سیئہ و غیر مشروع مکروہ است قال ابن الحاج فی المدخل ومن جملۃ ما احدثوہ من البدع مع اعتقادہم ان ذلک من اکثر العبادات واظہار الشعائر ما یفعلونہ فی شہر ربیع الاول من المولد وقد احتوی ذلک علی بدع ومحرمات، انتہی۔ وقال تاج الدین الفاکہانی فی رسالتہ لا اعلم لہذا المولد اصلا فی کتاب ولا سنۃ ولا ینقل عملہ عن احد من علماء الامۃ الذین ہم القدوۃ فی

ہر بدعت گمراہی ہے، اور یہ بھی فرمایا بدترین کام نئے ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے، لہذا یہ بھی گمراہی ہے، علمائے اس کی تردید میں بہت سے رسائل تصنیف کئے ہیں، اگر اس کی پوری تفصیل مطلوب ہو تو ان کا مطالعہ کریں، واللہ اعلم۔

سوال :۔ یہ مجالس میلاد جو ہمارے شہروں میں ہوتی ہیں جائز و مستحب ہیں یا بدعت و مکروہ؟ بیان فرمائیں

الجواب :۔ یہ مجالس میلاد مکروہ و بدعت ہیں، ان کے انعقاد پر کتاب و سنت اجماع و قیاس سے کوئی بھی دلیل نہیں ہے، اور جو کام اس طرح کا ہو، وہ بدعت سیئہ اور نامشروع ہے، اور اس کا ادنی درجہ مکروہ ہے، ابن حاج نے اپنی کتاب مدخل میں لکھا ہے ان بدعات سے جن کو اکثر لوگ عبادت اور شعائر اسلامی سمجھتے ہیں ربیع الاول کے مہینہ میں مجالس میلاد کا انعقاد ہے، اس میں کئی طرح کی بدعتیں اور حرام امور ہیں، اور تاج الدین فاکہانی نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے، کہ اس میلاد کا کوئی اصل نہ تو کتاب و سنت میں ہے اور نہ ہی سلف صالحین سے منقول ہے بلکہ

الذین المتمسکون باثار المتقدمین بل ھو بدعۃ احدثھا البطالون وشھوۃ نفس اعتنی بھا الاکالون انتہی واللہ اعلم حررہ السید محمد نذیر حسین۔

سید محمد نذیر حسین

ہذا الجواب صحیح، چنانچہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی جناب مرشدنا ومخدومنا قدس سرہ در مکتوب دوبست وہفتاد وسوم کہ بمرزا حسام الدین صدور یافتہ تحریر میفرمایند درحق مولد حضرت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کہ مرزا حسام الدین استفسار بآں حضرت کردہ بود خلاصہ عبارت این ست، کہ بنظر انصاف ببیند، کہ اگر فرضاً حضرت ایشان درین زمان در دنیا زندہ موجود، واین مجلس واجتماع منعقد می شد آیا باین امر راضی می شدند وایں اجتماع را پسندیدند یا نہ، یقین فقیر آں است، کہ ہرگز این معنے را تجویز نہ میفرمودند، بلکہ انکار می نمودند مقصود فقیر اعلام بود، قبول کنند یا نہ کنند، انتہی کلام العبد محمد مسعود نقشبندی مجددی

ھکذا وجدت فی المکتوب الامام الھمام قدس سرہ فاستمع انہ لحق مبین ومنکرہ لمن الضالین ونحن علی ذلک من الشاھدین

انا العبد اذل الثقلین محمد حسین البنجابی پٹیالوی

سید محبوب علی جعفری ۱۲۷۹ | فقیر خواجہ ضیاء الدین احمد ۱۲۶۱ | محمد قطب الدین ۱۲۷۰

انک حمید مجید | محمد حسین ۱۲۷۹ | حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ ۱۲۷۸ | محمد شاہ صدیقی

محمد ہاشم ۱۲۷۹ | محمد صدیق | خواجہ محمد اشرف علی | محمد عبد الصمد

الجواب صحیح محمد قطب الدین عفا اللہ عنہ بن قاضی محمد سراج الدین مرحوم ساکن سکندر آباد

کما قال استاذی مخدومی مولوی اولاد حسن علی قنوجی سے مجلس میلاد جو ایجاد ہے یہ بھی بدعت بے غرض آباد ہے

الجواب صحیح | عبد الحمید عفی عنہ | الجواب صحیح | محمد صدیق پشاوری | امیدوار مغفرت غفار

اصاب من اجاب | محمد حسن | ساکن تترو ضلع سہارنپور ہذا الجواب مع الاسناد صحیح | سرفراز علی یغفر اللہ لہ

ہذا الجواب صحیح | عبد الرزاق | المجیب مصیب | محمد اسمعیل | المسکین محمد عبد القادر | ساکن ضلع انبالہ

یہ بدعت ہے جس کو باطل پرستوں اور پیٹ کی پوجا کرنے والوں نے ایجاد کیا ہے" سید نذیر حسین

یہ جواب بالکل صحیح ہے، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوب ص۲۷۳ میں مرزا حسام الدین کو لکھا ہے کہ انصاف کی نگاہ سے دیکھو، اگر ایسی مجلس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں منعقد ہوتی، تو حضور اس کو پسند فرماتے یا نہ، اس فقیر کا یقین ہے، کہ آپ اس کو کبھی پسند نہ فرماتے بلکہ اسے رد کر دیتے" محمد مسعود نقشبندی

سوال ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تعزیہ داری کرنا، اور بچوں کو طوق بیڑی پہنانا، اور ماتم کرنا، اور بھوسا اڑانا وغیرہ اور ذکر سوانح ووقائع شہادت وغیرہا میں سلمان کرنا اور اس پر رونا، اور رلانا، اور اس کے واسطے انعقاد مجلس تعزیت کرنا موجب ثواب ہے یا باعث عقاب، اور نوحہ اور مرثیہ خوانی کرنا کیسا ہے، اور یزید کے بارے میں کیا اعتقاد رکھنا چاہیے۔ بینوا توجروا۔

الجواب ۔ تعزیہ داری، علمداری، ماتم کرنا، بچوں کو طوق بیڑیاں پہنانا، فقیر بنانا وغیرہ قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر سے ثابت نہیں، جس کی خیریت[1] امتی قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم ہے کما روی البخاری عن عمران بن حصین نہ کسی اصل شرعی کے تحت میں مندرج ہے، نہ سلف وخلف صالحین کا اس پر عمل، پس محض بدعت وضلالت واحداث فی الدین ٹھہرا جس کے عدم قبول اور رد ہونے پر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول منقول ہے من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد۔ اور رونا آنکھوں سے آنسو بہانا خواہ بحالت نہایت مسرت ہو جیسے قدوم قادم کے وقت یا محتاجگی پر رونا، یا بخیال سزائے حاکم یا استاد مربی وغیرہ کے رونا، یا کسی کے سبب مفارقت جسمانی سے رونا اس میں کوئی مانع شرعی نہیں، محض محبت الٰہی میں رونا اس کے عذاب وعقاب ومحاسبہ کے ڈر سے رونا انبیاء مرسلین اور صالحین زاہدین سے ثابت ہے، ونیز کم ہنسنا اور زیادہ رونا آیۃ کریمہ فلیضحکوا قلیلا ولیبکوا کثیرا سے واضح ہے کسی حاکم عادل یا عزیز رشتہ دار یا استاد شفیق ومرشد برحق وپیشوائے دین کے انتقال وذکر انتقال سے، بوجہ مزید حزن وملال رونا، یا یاد آخرت سے رونا ممنوع نہیں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وفات ابراہیم بن ماریہ قبطیہ میں آبدیدہ ہونا منقول ہے،

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جنازہ کے ساتھ تشریف لے جانا اور قبر پر بیٹھ کر یاد آخرت وموت پر بہت رونا حضرت براء بن عازب رضہ سے مروی ہے، اسی طرح آیت فکیف اذا جئنا من کل امۃ سنکر آنسو جاری ہونا حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ سے مروی ہے، قرآن مجید کی تلاوت میں رونا، اور رونا نہ آئے تو بتکلف رونا اس کا حکم بروایت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ثابت ہے، خدا کے خوف سے

[1] میری بہترین امت میرے زمانہ کی ہے، پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے، پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے۔

ذراسے آنسو نکل آوے پر جو فضیلت وارد ہے، حدیث مرویہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ میں موجود ہے، بعد وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کا حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آنا اور انہیں روتا دیکھ کر دونوں کا رونا روایت حضرت انس رضؓ میں مذکور ہے، وقت معین پر ایصال ثواب فاتحہ و درود سے کرنا موجب اجر جزیل ہے، مجمع مشروع میں میت کے اوصاف کمال و واقعات صحیحہ نتیجہ خیز مفید وقت بیان کرنا اور اس کے لئے نظماً و نثراً مغفرت مانگنا (جس کا وہ مستحق ہے) کرنا کسی زبان میں ہو، اس کے جواز میں کلام نہیں، ہاں نوحہ مشرکین جو عہد جاہلیت میں مروج تھا، وہ ہرگز نہ چاہیئے، وہ نہ میت کے لئے فائدہ رساں ہے، اور نہ پس ماندگاں کے لئے مفید، حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ راوی ہیں نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المراثی و فی نسخۃ یعنی النوح یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مراثی سے منع کیا، ابن ماجہ کے ایک نسخہ میں ہے، کہ مراد اس سے نوحہ ہے۔

حاصل یہ کہ مراثی سے مطلقاً مراثی مراد نہیں ہو سکتے، ورنہ بہت سے صحابہ، بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مراثی لکھے گئے، اور دین اسلام کا کوئی قاعدہ اس کے منع کا مقتضی نہیں ہے اسی بنا پر شیخ جلال الدین ابو بکر رحمہ اللہ تعالےٰ مشہور مصنف اسلام نے مصباح الزجاجہ میں بذیل حدیث مذکور فرمایا ہے۔ قال الخطابی انما کرہ من المراثی النیاحۃ علی مذہب الجاھلیۃ فاما الثناء والدعاء للمیت فغیر مکروہ لانہ رثی غیر واحد من الصحابۃ کثیرا من المراثی[1] انتہی، اور کسی سیہ کار کے سوء خاتمہ و حسن خاتمہ کے یقینی علم نہ ہونے پر ہم اس کو کرنے کے لئے مامور و مجاز نہیں ہیں، اور رنج میں ترک لذائذ و تزئین ریاءً بغیر خلوص کچھ مفید نہیں لو خلوص کے ساتھ بنظر زہد ہو تو اس کا فضل معلوم و مسلم ہے ھذا ما ظھر لی واللہ سبحانہ اعلم و علمہ اتم واحکم۔ العبد نعمانی عفی عنہ

ھو المصوب: واضح ہی رسم تعزیہ داری بدعت ہے، نہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پایا گیا ہے، نہ خلفاء کے زمانہ میں، بلکہ اس کا وجود قرون ثلاثہ میں کہ مشہود لہا بالخیر ہیں منقول نہیں ہوا، اور تا این دم حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً و تعظیماً میں رائج نہیں ہے، اور نہ کسی اصل

---

[1] خطابی نے کہا، جاہلیت کے زمانہ کی طرح مرثیہ کہنا حرام ہے ورنہ میت کے لئے دعا کرنا، یا اس کی تعریف کرنا مکروہ نہیں کیونکہ ایسے مرثیہ تو کئی ایک صحابہؓ سے بھی منقول ہیں۔

شرعی کے تحت میں مندرج ہے، پس یہ بدعت ضلالت ٹھہرا، اور بدعت ضلالت کو اختیار کرنا لعنت خدا و ملائکہ کا موجب اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی رنجیدگی کا باعث ہے [1] روی الطبرانی عن ابن عباس رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احدث حدثا او اوی محدثا فعلیہ لعنة اللہ والملئکة والناس اجمعین لا یقبل اللہ منہ صرفا ولا عدلا وروی البخاری ومسلم وغیرھما من اصحاب الصحاح عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد وروی مسلم انہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شر الامور محدثاتھا وکل بدعة ضلالة۔

اور سینہ کوبی کرنا، کپڑے پھاڑنا، نوحہ کرنا، خاک اڑانا، بال نوچنا یہ سب افعال منہیات و ممنوعات سے ہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ [2] لیس منا من حلق وسلق وخرق ولیس منا من ضرب الخدود وشق الجیوب ولعن اللہ النائحة اور نفس بیان وقائع شہادت اور اس پر رونا بشرطیکہ نوحہ وغیرہ سے خالی ہو، درست ہے، اور اس کے واسطے خاص مجلس منعقد کرنا تشبہ روافض و کراہت سے خالی نہیں، جیسا کہ جامع الرموز میں ہے [3] اذا اراد ذکر مقتل الحسین ینبغی ان یذکر اولا مقتل سائر الصحابة لئلا یشابہ بالروافض کما فی العون اور صراط المستقیم میں ہے، [4] ذکر قصہ شہادت بعقد مجلس باین قصد کہ مردم بشنوند وتاسف نمایند وگریہ وزاری کنند ہرچند در نظر ظاہر خللے دران ظاہر نمی شود، واما فی الحقیقت آن ہم مذموم و مکروہ است انتہی، اگر مرثیہ میں احوال واقعی ہوں، پس اس قسم کے مرثیوں کو پڑھنا اور سننا کچھ مضائقہ

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو کوئی بدعت ایجاد کرے یا بدعتی کو پناہ دے، اس پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور سارے جہان کی لعنت ہے، اللہ نہ اس کی نفل عبادت قبول کرے گا نہ فرض، اور فرمایا جو کوئی ہمارے دین میں ایسا کام کرے جو اس کا حصہ نہیں، تو وہ کام مردود ہے، اور فرمایا بدترین کام بدعت ہیں، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

[2] جو سر کے بال نوچے، سینہ کوبی کرے، اور کپڑے پھاڑے، وہ ہم میں سے نہیں ہے، اور فرمایا جو رخسارے پیٹے، گریبان پھاڑے، وہ ہم میں سے نہیں ہے، اور فرمایا، خدا نوحہ کرنے والے پر لعنت کرے۔

[3] جب امام حسین کا واقعہ بیان کرنا چاہے، تو پہلے تمام صحابہ کی شہادت کا تذکرہ کرے تاکہ شیعہ کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔

[4] کسی مجلس میں شہادت کا واقعہ اس طرح سے بیان کرنا کہ لوگ سنیں اور افسوس کریں، اور گریہ وزاری کریں، بظاہر اس میں کوئی عیب معلوم نہیں ہوتا، لیکن حقیقت میں یہ بھی برا ہے ۱۲

نہیں رکھتا ہے،

یزید کے بارے میں بعض کہتے ہیں، کہ باتفاق مسلمانوں کے وہ امیر ہوا تھا، اس کی اطاعت امام علیہ السلام پر واجب تھی، حالانکہ اس کی خلافت پر مسلمانوں کا اتفاق نہ ہوا، اور ایک جماعت صحابہ رض و اولاد صحابہ رض نے اس کی بیعت نہیں کی، اور جن حضرات نے بیعت کی بھی تھی، جب ان کو اس کے فسق و فجور کا حال معلوم ہوا خلع بیعت کر کے مدینہ میں واپس آگئے، اور بعض قائل ہیں کہ یزید نے امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا، نہ اس فعل سے راضی تھا، یہ بھی باطل ہے۔ قال العلامۃ التفتازانی فی شرح العقائد النسفیۃ والحق ان رضی یزید بقتل الحسین واستبشارہ بذالک واھانۃ اھل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم مما تواتر معناہ وان کان تفاصیلہ احادا انتہی، اور بعض کہتے ہیں، کہ قتل امام رضی اللہ عنہ گناہ کبیرہ ہے نہ کفر، اور یہ لعنت مخصوص بکفار ہے، نازم باین فطانت، نہیں جانتے ہیں، کہ کفر ایک طرف خود ایذا رسول الثقلین کیا ثمرہ رکھتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا والاخرۃ واعد لہم عذابا مھینا اور بعض کہتے ہیں، کہ اس کے خاتمہ کا حال معلوم نہیں، شاید اس نے اس کفر و معصیت کے بعد توبہ کی ہو، وقت موت کے تائب ہو گیا ہو، امام غزالی کا احیاء العلوم میں اسی طرف رجحان ہے،

جاننا چاہیے، کہ توبہ کا احتمال ہی احتمال ہے حالانکہ اس بے سعادت نے اس امت میں وہ کچھ کیا ہے، کہ کسی نے نہیں کیا، شہادت امام حسین واہانت اہل بیت کے بعد مدینہ منورہ کی تخریب واہالیان مدینہ کی شہادت وقتل کے واسطے لشکر بھیجا، تین روز تک مسجد نبوی بے اذان ونماز رہی، من بعد حرم مکہ میں لشکر کشی کر کے عین حرم مکہ میں عبداللہ بن الزبیر کو شہید کرایا، اور انہیں مشاغل میں تھا کہ اس کی موت آگئی اس جہان کو پاک کیا اور اس کے بیٹے معاویہ نے برسر منبر اس کی برائیاں بیان کیں، واللہ اعلم بما فی الضمائر، اور بعض سلف واعلام امت سے اس شقی پر لعن تجویز کرتے ہیں، چنانچہ علامہ تفتازانی نے کمال جوش و خروش کے ساتھ اس پر اور اس کے اعوان پر لعنت کی ہے، اور بعضوں نے اس مسئلہ میں توقف کیا ہے، پس مسلک اسلم یہ ہے، کہ اس شقی کو مغفرت

لہ صحیح بات یہ ہے، کہ امام حسین رض کے قتل سے یزید خوش ہوا، اور اہل بیت کی توہین کی، اگرچہ اس کی تفصیل احاد ہے، لیکن اس کے معنی متواتر ہو چکے ہیں ۱۲

لہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دیتے ہیں، اللہ کی ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے، اور ان کے لئے ذلیل کن عذاب ہے ۱۲

وترحم سے ہرگز یاد نہ کرنا چاہیئے، اور اس کے لعن سے کہ عرف میں مختص بکفار ہے، اپنی زبان کو روکنا چاہیئے، جیسا کہ قصیدہ آمالیہ میں ہے۔

ولم یلعن یزید ابعد موت سوی المکثار والاغراء غالی

واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ تراب اقدام اولیاء الباری محمد عبد الہادی الانصاری بن مقبول من رفع السماء بغیر عمد مولانا علی محمد بن خاتم الفقہاء والمحدثین مولانا محمد معین بن سید المخصصین سند المدققین محمد معین ادخلہم اللہ فی اعلیٰ علیین وافاض علینا من برکاتہم وبرکات مشائخہم الکاملین

محمد عبد الہادی

تعزیہ بنانا اس میں شریک ہونا اس پر چڑھاوا چڑھانا، یا منت ماننا ان ایام عشرہ محرم میں ذکر شہادت حسنین کرنا، رونا، پیٹنا، چلانا، نوحہ کرنا کپڑے پھاڑنا یہ سب نادرست ہے، اور بدعت سیئہ، اور یزید کو برا کہنا خلاف احتیاط ہے، فقط واللہ اعلم، بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

رشید احمد ۱۳۰۱

تعزیہ داری کرنا وغیرہ امور مذکورہ فی السوال ناجائز و بدعت ہیں، اور موجب عقاب، اور یزید اپنے کئے کو پہنچ گیا، اب اس پر لعنت کرنا، اس کو گالی دینا، برا کہنا نہ چاہیئے، فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے لا تسبوا الاموات فانہم قد افضوا الی ما قدموا رواہ البخاری کذا فی بلوغ المرام۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ الراقم سید محمد عبد السلام غفر لہ

سید محمد عبد السلام

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مولود خوانی ولادت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایسی ہیئت سے کہ جس مجلس میں امردان خوش الحان خوانندہ ہوں، وزیب وزینت وشیرینی وروشنی ہائے وغیرہ، اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اشعار میں مخاطب حاضر ہوں جائز ہے یا نہیں، اور قیام ذکر ولادت صلی اللہ علیہ وسلم کے جائز ہے یا نہیں، اور حاضر ہونا مفتیان کا ایسی مجلس میں جائز ہے یا نہیں، اور نیز روز عیدین و پنجشنبہ وغیرہ کے آب و طعام سامنے رکھ کر اس پر ہاتھ اٹھا کر فاتحہ وغیرہ پڑھنا اور اس کا ثواب اموات کو پہنچانا، اور نیز روز دوم میت کے لوگوں کو جمع کر کے قرآن خوانی وکلمہ طیبہ بھنے ہوئے چنوں پر مع پنج آیت کے وشیرینی

ف مردوں کو گالی نہ دیا کرو، جو کچھ انہوں نے آگے بھیجا وہ وصول کر رہے ہیں ۱۲

تقسیم کرنا بحدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم جائز ہے یا نہیں۔

الجواب:۔ انعقاد محفل میلاد اور قیام وقت ذکر پیدائش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرون ثلاثہ سے ثابت نہیں ہوا پس یہ بدعت ہے، اور علی ہذا القیاس بروز عیدین و پنجشنبہ وغیرہ میں فاتحہ مروجہ ہاتھ اٹھا کر پایا نہیں گیا، البتہ نیابت عن المیت بغیر تخصیص ان امور مرقومہ سوال کے لئے مساکین و فقراء کو دے کر ثواب پہنچانا، اور دعاء استغفار کرنے میں امید منفعت ہے، اور ایسا ہی حال سوم دہم چہلم وغیرہ اور پنج آیت اور چنوں اور شیرینی وغیرہ کا عدم ثبوت حدیث و کتب دینیہ سے ہے، خلاصہ یہ کہ یہ سب بدعات مخترعات ناپسند شرعیہ ہیں

سید محمد نذیر حسین	حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ
ز شرف سید کونین شد شریعت حسین	بہ طفیل نبی الٰہی بخش

الجواب صحیح۔ محمد محمود دیوبندی | محمد محمود ۱۲۹۶ | محمد یعقوب | مدرس اول دیوبند

الجواب صحیح۔ کتبہ محمد احسن صدیقی | محمد احسن صدیقی | محمد عبد الحمید ۱۲۹۴

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسلمان ہے، اور وہ ایک موضع میں رہتا ہے، اور نماز روزہ کبھی نہیں پڑھتا، اور نہ کبھی اس کی زوجہ ہی نماز پڑھتی ہے غرضکہ دونوں میاں بیوی روزمرہ شراب پیتے، اور شرک و بدعت کے کام کرتے ہیں، شرک یہ ہے کہ اس شخص نے ایک ہنود عورت کو مقام دیرہ سے بلا کر اسے کہا، کہ ہمارے گاؤں بھر میں ڈنگر دل میں دکھ یعنی بیماری پھیل رہی ہے تم اس کو کسی طرح دفع کردو، جواب میں اس عورت نے یہ شرط پیش کی، کہ جس طرح سے میں تم کو بتلاؤں، تم کو اس پر کاربند ہونا پڑے گا، اور میں اس بیماری کو دفع کردوں گی، اس مسلمان نے اس کی ہر ایک بات منظور کرنے کا اقرار کر لیا، تب مسماۃ مذکورہ نے کہا، کہ تین روز تک اس گاؤں بھر میں کوئی مسلمان اپنے اپنے گھر میں چولہے پر توا نہ چڑھائے یعنی روٹی نہ پکائے، اور نہ ہی تین روز تک کوئی دودھ دہی جمائے، چنانچہ گاؤں بھر کے مسلمانوں نے ایسا ہی کیا، پھر اس عورت نے تین روز تک سب مسلمانوں میں جا کر صبح و شام سنکھ بجایا، بعد ازاں اس نے یہ کہا، کہ ایک ان بیاہی بکری یعنے بغیر بچہ کے لاؤ، سو اس مسلمان نے ویسا ہی کیا، یعنی بکری لا دی گئی، تو عورت نے بکری کو کسی کلہاڑہ وغیرہ سے مار ڈالنے کی ہدایت کی، مسلمان مذکور نے ایک چمار ملازم سے اس کی ہدایت کے بموجب مروا ڈالا، پھر عورت مذکور نے اس بکری کے خون سے پتلی وغیرہ کی قسم کی ایک مورت بنا کر تین روز تک سب

مسلمانوں کے گھروں میں بھجوائی، اور حکم دیا، کہ اس عورت کو تمام گھروں کی دیواروں سے چھوا کر واپس لے آؤ، چنانچہ مسلمان مذکور نے ایسا ہی کیا، اور پھر اس عورت نے معہ بکری کے گوشت کے مورت کو ڈنگروں کے راستہ میں مدفون کرا کر کہا، کہ اب تمہارے ڈنگروں میں کبھی دکھ نہیں آنے پاوے گا، اور اپنا کچھ محنتانہ لے کر اپنے مقام دیرہ کو واپس چلی گئی، اور یہ بھی سننے میں آیا ہے، کہ مسلمان مذکور کے والدین کا نکاح بھی نہیں ہوا ہے، اور وہ خود بھی زنا کار ہے، اور اس نے اپنی دختروں کو ان کے زندہ خاوندوں سے زبردستی چھین کر کسی دوسری جگہ سے سو سو روپیہ لے کر ان کا نکاح کرا دیا، حالانکہ ان کے سابق شوہروں نے انہیں آج تک طلاق نہیں دی، تو اب فرمایئے، کہ اس کے گھر کا کھانا اور اس سے سلام کرنا جائز ہے یا نہیں۔

دوسرے یہ کہ وہی شخص بدعتی و شرابی جس کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے، ان لوگوں سے جو ان کے پاس بیٹھنے اور کھانے پینے سے پرہیز کرتے ہیں، یہ کہتا ہے، کہ مجھ سے تو تم اتنا پرہیز کرتے ہو، مگر جس امام کے پیچھے تم لوگ نماز پڑھتے ہو، اس کی عورت قوم ہنود سے ہے، اور وہ کسی مسلمان کے گھر کی پکی ہوئی چیز نہیں کھاتی، اور اب تک امام صاحب سے اس کا نکاح نہیں ہوا، اس پر جب لوگوں نے امام صاحب کو بلا کر سب مسلمانوں کے روبرو اس تمام ماجرا کی نسبت دریافت کیا اور یہ بھی پوچھا، کہ جب کہ وہ عورت مسلمان ہو چکی ہے، پھر آپ کا اس کے ساتھ نکاح نہ ہونے کا کیا باعث، جس پر امام صاحب نے یہ جواب دیا، کہ جو کچھ یہ شرابی بیان کرتا ہے، سراپا دروغ ہے، اس عورت سے میرا نکاح ہوئے، چودہ سال ہو چکے ہیں، اور میرے اس نکاح کے گواہ اور وکیل فلاں فلاں شخص فلاں فلاں موضع میں موجود ہیں، آپ لوگ ان سے بذریعہ خط دکتابت دریافت کر سکتے ہیں۔ باقی رہا یہ امر کہ میں اور میری عورت بعض لوگوں کے گھروں کی پکی ہوئی چیزوں کے کھانے سے کیوں پرہیز کرتے ہیں، تو اس کے لئے صرف اسی قدر کہہ دینا کافی ہو گا کہ وہ اور ان کی عورتیں شراب پیتی ہیں، میں ان کے گھروں کا کھانا وغیرہ جائز نہیں سمجھتا، اور گوشت میری عورت کسی بیماری کی وجہ سے نہیں کھاتی، کچھ گوشت پر ہی مسلمانی موقوف نہیں۔

اس کے بعد اسی کفر و شرک کرنے والے شرابی شخص نے ایک مولوی صاحب عبد الرحیم نامی ساکن رامپور ضلع سہارنپور سے بغرض حصول فتوے اس مضمون کا سوال لکھ کر بھیجا، کہ ایک ایسا شخص جس کی عورت کسی مسلمان کے گھر کا کھانا نہ کھاتی ہو، اور اس کا نکاح بھی نہ ہوا ہو، وہ قابل امامت ہے یا نہیں، مولوی صاحب مذکور نے بلا تحقیق طرفین کے لکھ دیا، کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز نہیں ہو

سکتی، تاوقتیکہ اس عورت کو کفر سے توبہ کرا کر اس سے نکاح نہ ہو جا دے، اب چند روز سے ان لوگوں کے جو امام صاحب کے نکاح میں شامل تھے، جواب آگئے ہیں، ان سب کا بیان امام صاحب کی تائید میں ہے، اور خطوط پر ان گواہوں کے نام اس طرح ثبت ہیں، گواہ شد نکاح شہاب الدین ساکن موضع بلاقی والہ، گواہ شد نکاح خدا بخش سایہ والہ، وکیل کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔

اس موقعہ پر کچھ امام صاحب کے اوصاف کی نسبت بھی عرض کر دینا چاہتا ہوں، آپ ابتداء میں پل جمن پر رہتے تھے، چودہ پندرہ سال سے یہ وہاں سے اٹھ کر یہاں ان مواضعات و قریات میں چلے آئے، جہاں کہ مسلمان بہت کم آباد تھے، اور نہ یہاں کوئی مسجد تھی، امام صاحب موصوف نے آتے ہی تبلیغ کا سلسلہ شروع کر دیا، اور بے خبر مسلمانوں کو رفتہ رفتہ سمجھا بجھا کر طریقہ اسلام پر لائے، آخر مسلمان نماز روزہ سے واقف ہو کر نمازیں پڑھنے لگے، اور بدعت و کفر سے الگ ہو گئے، اذاں بعد امام صاحب مذکور نے ایک مسجد اور چبوترہ کی تعمیر کے لئے نندو راجہ سے جو ان مواضعات کے مالک ہیں بذریعہ درخواست منظوری منگوائی، چنانچہ لوگوں کے چندوں اور آپ کی سعی بلیغ سے جب سے مسجد تیار ہو گئی ہے، تب اسلام میں اور بھی زیادہ رونق اور ترقی ہوتی جاتی ہے،

اب فرمائیے، کہ ایسے پرہیز گار امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں، اگر نہیں تو کس آیت یا حدیث سے ناجائز ہے، اور نیز یہ بھی لکھیں، کہ جو شخص کبھی نماز نہ پڑھتا ہو، اور روز مرہ شراب پیتا ہو، اور شرک و بدعت کے کام کرتا ہو، تو اس سے سلام علیکم کرنا، اور اس کے گھر کا کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

سوال دوم۔ جو امام نماز جماعت میں ہر لحظہ کھانسے آیا نماز مکروہ ہو گی، یا نہیں؟

سوال سوم۔ جو شخص امام ہو کر لوگوں کو قیام مولود، غزلیات شعر کی رغبت دلائے، تو اس امام کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں، اور اگر ہے، تو کس دلیل سے، اور کون سی حدیث سے معہ حوالہ کتب حدیث و روایت و آیات کے تحریر فرمائیے۔

الجواب۔ امام مذکور کے پیچھے نماز بلاشبہ جائز و درست ہے، ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے، جو شخص ایسے امام کے پیچھے نماز کو ناجائز بتلائے، وہ جاہل ہے، اور جو شخص نہ کبھی روزہ رکھتا ہو، اور نہ نماز پڑھتا ہو، اور روز مرہ شراب پیتا ہو، اور شرک و بدعت کے کام کرتا ہو، تو اس سے سلام و کلام کا ترک کر دینا جائز ہے، مشکوٰۃ شریف میں ہے عن نافع ان رجلا

اتی ابن عمر فقال ان فلانا یقرأ علیک السلام فقال انہ بلغنی انہ قد احدث فان کان قد احدث فلا تقرأ منی السلام الخ رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجہ وقال ھذا حدیث حسن صحیح غریب امام نووی لکھتے ہیں وردت الاحادیث بھجران اھل البدع والفسوق ومنابذی السنۃ وانہ یجوز ھجرانھم دائما والنھی عن الھجران فوق ثلاث لیال انما ھو لمن ھجر لحظ نفسہ ومعائش الدنیا واما ھجران اھل البدع ونحوھم فھو دائم انتہی۔ اور ایسے شخص کے یہاں کھانا کھانا، اور اس کی دعوت قبول کرنا نہیں چاہیئے، کیونکہ فساق کی دعوت قبول کرنے سے ممانعت آئی ہے

جواب سوال دوم۔ ہر لحظہ کھانسنا اگر عذر کی وجہ سے ہے، تو نماز میں کچھ کراہت نہیں آئے گی اور اگر بلا عذر ہے، تو ظاہر ہے، کہ نماز کے اندر بلا عذر اور بلا ضرورت ہر لحظہ کھانسنا محض لغو حرکت ہے اس سے نماز کا مکروہ ہونا کیا معنے نماز کے فاسد ہونے کا خوف ہے، واللہ اعلم بالصواب

جواب سوال سوم۔ قیام مولود وغزلیات منجملہ بدعات کے ہے، بلکہ اگر اس اعتقاد سے قیام کرے، کہ ذکر ولادت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ہوتے ہیں، تو کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے، پس ایسے بدعتی امام کے پیچھے اقتداء کرنے سے احتراز چاہیئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ عبدالحق ملتانی سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں، علمائے دین ان مسائل میں کہ عمرو کہتا ہے کفر وشرک کرنے سے اور ہر حرام وممنوعات شرعیہ وسماع ورقص ومزامیر وملاہی کی حلت کرنے، اور کل محارم وممنوعات کو کہ اس کے مرتکب پر قرآن وحدیث میں وعید آئی ہے، ان کے حلال اور اچھا اور بہتر اور روا جاننے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے، مناسب ولائق ہے، کہ مرتکب کفر وشرک ومحارم وممنوعات قطعی کا حلال جاننے والا، حلال کو حرام جاننے والا، توبہ از کفر وشرک ومعاصی وتجدید ایمان وتجدید نکاح کرے، تاکہ داخل اسلام رہے، مگر خالد اور پیرزادہ اس کے یہ کہتے ہیں، کہ کفر وشرک کرنے سے اور ہر حرام وممنوعات شرعیہ وسماع ورقص ومزامیر وملاہی کی حلت اور محارم وممنوعات قطعی کے مرتکب ہونے اور حلال جاننے سے نہ کچھ ایمان واسلام میں خلل وحرج واقع ہوتا ہے، اور نکاح بھی ہرگز ہرگز نہیں ٹوٹتا، تجدید ایمان وتجدید نکاح کا مسئلہ بے اصل اور محض غلط ہے، تجدید ایمان وتجدید نکاح کا مذکور قرآن وحدیث وفقہ میں کس جگہ اور کہاں آیا ہے، اکثر بزرگان دین صاحب علم وعمل واہل کرامت وکشف، غیب کی باتیں بتانے والے، اور حالات غیب کے جاننے

والے تو مجلس سماع ورقص میں باادب دست بستہ بیٹھ کر بشوق طبع تمام راگ سنتے ہیں اور ذرہ بھی انکار نہیں کرتے، اور نہ کسی کو سماع ورقص کے سننے و دیکھنے سے منع کرتے ہیں بلکہ ترغیب دیتے ہیں جس تقریب میں کہ سماع ورقص نہ ہو مثلاً نکاح وغیرہ میں، تو اس تقریب میں شریک ہونے سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں، کہ بے سماع ورقص کے شریک محفل ہونا بے فائدہ ہے چنانچہ خالد وتابعین اس کی کل تقریبات مشروعہ سے انکار کرتے ہیں، اور جو کوئی تقریب شرعی میں شامل ہو اس سے متنفر رہتے ہیں۔

(۲) عمرو کے پاس زید از خود بارادہ توبہ خالص کرنے کو آیا، اور عمرو سے زید نے کہا کہ جو ترکیب توبہ کرنے کی ہے، وہ مجھ کو تعلیم کرکے توبہ کرادو، چنانچہ عمرو نے حسب طلب زید اس کو دو رکعت نماز توبہ پڑھوا کر بعد سلام دست بر داشتہ بطور استغفار اور جو دعا کہ توبہ کے بارے میں احادیث نبوی سے ثابت ہے پڑھوا کر بعدہ مصلیاً قرآن شریف زید کے ہاتھ میں دے کر بطور عہد و پیمان اس سے کہلوایا، کہ جو کچھ کہ اوامر ونواہی قرآن شریف واپنے کلام پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمائے ہیں ان اوامر کو حتی الوسع بجالاؤں گا، اور نواہی سے تا بمقدور باز رہوں گا، مگر اب خالد اور اس کے متبع کہتے ہیں، کہ توبہ کرنا، اور ہاتھ میں قرآن شریف لے کر عہد و پیمان اوامر کے بجالانے کا، اور منکرات سے باز رہنے کا نہایت زبون اور بے جا، اور نادرست ہے، کیونکہ قرآن شریف کے امر و نواہی بجالانا ضبط وطاقت بشریت و انسانی سے بعید اور غیر ممکن ہے، توبہ کرنا اور قرآن شریف کا اٹھانا نہایت شوم ومنحوس نامناسب ونامبارک ہوتا ہے، جو کوئی توبہ کرکے قرآن شریف کو اٹھاتا ہے، وہ تباہ و جذامی و خوار اور ویران ہو جاتا ہے، خالد واس کے پیرو عمرو وزید کو بسبب توبہ کرنے اور قرآن شریف کے اوامر ونواہی پر عہد کرنے سے نہایت ذلیل وخوار وحقیر سمجھتے ہیں، اور متنفر وبیزار وکنارہ کش رہتے ہیں، خالد اور اس کے پیرو کہتے ہیں، کہ جو شخص جب تک تائب نہیں ہوتا، وہ بے گناہ اور مرفوع القلم ہے، اس کے سب گناہ معاف ہیں، مگر جو تائب ہو کر پھر گناہ کرے، تو وہ گنہ گار ہے اس وجہ سے غیر تائب اچھا ہے، تائب سے بے خوف ہے، توبہ کرنے سے کیا حاصل، اللہ تعالیٰ نے ممنوعات وفواحش کیوں پیدا کئے، انسان ہی تو ممنوعات وفواحش وغیرہ کے مستحق ہیں، ورنہ فرشتے تو حظ نفس سے مبرا ہیں در رعایت زندگی مقدم ہے۔

(۳) عمرو تو، توبہ کو طریقہ اسلام سے شمار کرتا ہے، اور بدعات اور منکرات سے منع کرتا

ہے، اور توبہ کرنا ہر حال میں بہتر و انسب و افضل جانتا ہے، اور تائب سے نہایت خوش و راضی ہوتا ہے، بخلاف اسکے خالد اور اس کے پیر دل توبہ کرنے کو مذموم و فعل عبث تصور کرتے ہیں اور تائب کی نہایت مذلت و مذمت بیان کرتے ہیں اور تائب سے از حد بیزار رہتے ہیں بلکہ کینہ در پے خاسش اور در پے آزار رہتے ہیں، اور ارتکاب بدعات کو موجب فلاح و ثواب دارین تصور کرتے ہیں، اور مرتکب بدعت کی تعظیم و توقیر کرتے ہیں، اتباع سنت سے بیزار رہتے ہیں، اور متبع سنت کے عدو مبین ہیں

اب سوال یہ ہے، کہ عمرو و خالد کے اقوال مذکورہ سے، کس کا قول حق و موافق شریعت کے ہے اور کس کا قول ناحق و خلاف شریعت ہے؟

الجواب:۔ عمرو کا یہ قول کہ "کفر و شرک کرلے سے، اور ہر حرام و ممنوعات شرعیہ کی حلت کرلے، اور کل محارم و ممنوعات کو کہ اس کے مرتکب پر قرآن و حدیث میں وعید آئی ہے، ان کے حلال اور اچھا جاننے، اور روا جاننے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے" حق اور موافق شریعت کے ہے، بے شک جو شخص کل محارم و ممنوعات قطعیہ کو حلال اور اچھا اور بہتر جانے اور حلال کو حرام جانے وہ مرتد اور خارج از اسلام ہو جاتا ہے، اور اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے، ایسے شخص کو کفر و شرک سے اور محارم و ممنوعات کے حلال جاننے اور حلال کو حرام جاننے سے توبہ کرنا لازم ہے، اور پھر توبہ نصوح کے بعد تجدید نکاح ضروری ہے، ہاں یہ بھی معلوم ہو، کہ وہ محرمات جن کی حرمت میں ائمہ دین مختلف ہوں، اور وہ حلال جن کی حلت میں اہل علم کا اختلاف ہو، سو ایسے محرمات مختلف فیہا کے حلال جاننے سے اور ایسے حلال مختلف فیہ کے حرام جاننے سے نہ نکاح ٹوٹتا ہے، اور نہ خروج از اسلام لازم آتا ہے۔

اور خالد اور اس کے پیروؤں کا یہ کہنا کہ "کفر و شرک کرلے سے اور ہر حرام و ممنوعات شرعیہ اور محارم قطعیہ کے مرتکب ہونے اور حلال جاننے سے نہ کچھ ایمان و اسلام میں خلل و حرج واقع ہوتا ہے، اور نہ نکاح ٹوٹتا ہے الخ" سراسر ناحق و خلاف شریعت ہے، اور بالکل الحاد و جہالت اور کفر و ضلالت کی باتیں ہیں، اور خالد اور اس کے پیروؤں نے سند میں جن بزرگان دین کا ذکر کیا ہے، وہ بزرگان دین نہیں ہیں، بلکہ وہ فساق و رہزنان دین ہیں، اس واسطے کہ راگ اور ناچ کی مجلس میں بیٹھ کر بشوق تمام راگ سننا اور ناچ دیکھنا

اور لوگوں کو اس کی ترغیب دینا، اور جس تقریب میں ناچ اور راگ نہ ہو اس میں شریک ہونے سے انکار کرنا بزرگان دین کا کام نہیں ہے، اور ان فساق و رہزنان دین کو جو خالد اور اس کے پیروؤں نے غیب کی بات بتانے والے اور حالات غیب کے جاننے والے کہا ہے، سو یہ بھی محض شرک و کفر کی بات ہے، کیونکہ بجز ذات اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے کوئی اور غیب کی بات بتانے والا، اور حالات غیب جاننے والا نہیں ہے

(۲) عمرو نے جس طریقہ سے زید سے توبہ کرائی ہے، وہ صحیح اور شریعت کے مطابق ہے، یعنی دو رکعت زید سے پڑھوانا، پھر بطور استغفار کے ان دعاؤں کو پڑھوانا، جو توبہ کے بارہ میں احادیث نبوی سے ثابت ہیں، اور پھر زید سے اس کا عہد و پیمان لینا، کہ مامورات شرعیہ کو حتی الوسع بجا لاؤں گا، اور منہیات شرعیہ سے تا بمقدور باز اور دور رہوں گا، یہ سب کچھ ٹھیک اور شریعت کے موافق ہے، مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ عن علی قال حدثنی ابو بکر قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما من رجل یذنب ذنبا ثم یقوم فیتطھر ثم یصلی یستغفر اللہ الا غفر اللہ لہ الحدیث رواہ الترمذی وابن ماجہ (مشکوٰۃ شریف باب التطوع) ونیز مشکوٰۃ کے اسی باب میں ہے عن عبد اللہ بن ابی اوفی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کانت لہ حاجۃ الی اللہ او الی احد من بنی آدم فلیتوضأ فلیحسن الوضوء ثم لیصل رکعتین الحدیث

ہاں عمرو نے جو مصحف قرآن شریف زید کے ہاتھ میں دے کر عہد و پیمان لیا ہے، سو قرآن شریف کو ہاتھ میں دے کر عہد و پیمان لینا شریعت سے ثابت نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، اور آپ کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم نے، پھر تابعین و تبع تابعین وغیرہم نے بہت سے لوگوں کو شرک و بدعت سے اور معاصی سے توبہ کرائی ہے، اور مامورات کو بجا لانے اور منہیات سے بچنے کا عہد لیا ہے، مگر قرآن ہاتھ میں دے کر عہد لینا کسی سے

لے ابوبکر کہتے ہیں، کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے، جو آدمی گناہ کرے، پھر وضو کرے، پھر نماز پڑھے، پھر اللہ سے استغفار کرے، تو اللہ تعالیٰ اس کا گناہ بخش دیتے ہیں، الحدیث ۱۲

سے عبد اللہ بن ابی اوفی کہتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس کو اللہ تعالیٰ یا کسی بندے کی طرف کوئی کام ہو، وہ اچھی طرح وضو کرے، اور پھر دو رکعت نماز پڑھے، الحدیث ۱۲

بھی ثابت نہیں ہے، لہذا عمرو کو اس سے احتراز چاہیئے۔

اور خالد اور اس کے متبعین کا توبہ کرانے کو، اور مامورات کے بجالانے، اور منہیات سے باز رہنے پر عہد لینے کو نہایت زبون اور نادرست کہنا، اور اس کی وجہ یہ ٹھہرانا، کہ اوامر قرآن شریف کو بجالانا، اور نواہی قرآن سے باز رہنا ضبط و طاقت بشری و انسانی سے بعید اور غیر ممکن ہے سراسر جہالت اور حماقت ہے، قرآن مجید و حدیث کے جتنے اوامر و نواہی ہیں، سب کے سب سہل و آسان ہیں، ایک بھی طاقت بشری سے بعید و ناممکن نہیں ہے، اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں خود فرماتا ہے ماجعل علیکم فی الدین من حرج یعنی اللہ تعالیٰ نے تم پر دین میں کچھ تنگی نہیں کی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان الدین یسر الحدیث رواہ البخاری یعنی بے شک دین اسلام آسان اور سہل ہے، توبہ کرنا شعار اسلام سے ہے، قرآن و حدیث میں توبہ کرنے کا حکم ہے، توبہ اور توبہ کرنے والوں کے فضائل و مناقب کثرت سے ثابت ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یا ایہا الذین امنوا توبوا الی اللہ توبۃ نصوحا یعنی اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ سے خالص توبہ کرو، اور فرماتا ہے ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطھرین یعنی اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں توبہ کرنے والوں کو، اور محبوب رکھتے ہیں پاکی حاصل کرنے والوں کو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یا ایہا الناس توبوا الی اللہ فانی اتوب الیہ فی الیوم مائۃ مرۃ رواہ مسلم یعنی اے لوگو! توبہ کرو اللہ کی طرف، پس میں ایک دن میں سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں، دیکھو سید المرسلین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو معصوم تھے، اور جن کی شان میں لیغفر[1] لك اللہ ماتقدم من ذنبك وما تاخر وارد ہے، دن بھر میں سو مرتبہ توبہ کرتے تھے، پس خالد اور ان کے متبعین کا توبہ کرنے کو نہایت زبون اور بے جا اور نادرست کہنا شریعت کی صاف مخالفت کرنا ہے، خالد اور اس کے متبعین کو اپنے اس قول سے توبہ کرنی لازم ہے، اگر وہ اپنی جہالت اور ناواقفی کی وجہ سے ایسی بات بولتے ہیں، تو وہ اپنی ناواقفی کی وجہ سے قابل معذوری ہو سکتے ہیں، اور اگر دانستہ ایسی بات بولتے ہیں، تو انہیں ذیل کی دونوں آیتوں کے وعید سے بہت ڈرنا چاہیئے ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولی ونصلہ جھنم

[1] تاکہ اللہ آپ کے پہلے اور پچھلے گناہ بخش دے ۱۲

وساءت مصیرا (۲) فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبھم فتنۃ او یصیبھم عذاب الیم۔ پہلی آیت کا ترجمہ "اور جو کوئی مخالفت کرے رسول کی، جب کھل چکی اس پر راہ کی بات، اور چلے سب مسلمانوں کی راہ سے سوا، ہم اس کو حوالہ کریں، جو اس کو پکڑے، اور ڈالیں اس کو دوزخ میں، اور بہت بری جگہ پہنچا" اور دوسری آیت کا ترجمہ یہ ہے "سو ڈرتے رہیں، جو لوگ خلاف کرتے ہیں اس کے حکم کا، کہ پڑے ان پر کچھ خرابی یا پہنچے ان کو دکھ کی مار"

اور خالد اور اس کے متبعین کا یہ کہنا، کہ "توبہ کرنا اور قرآن شریف کا اٹھانا نہایت شوم و منحوس و نامبارک ہوتا ہے، جو کوئی توبہ کرکے قرآن شریف کو اٹھاتا ہے، وہ تباہ و خرابی و خوار و ویران ہو جاتا ہے" سراسر باطل و مردود ہے، توبہ جیسی مبارک اور محبوب چیز ہے، اس کا حال اوپر معلوم ہو چکا، رہا توبہ کے وقت قرآن شریف کا اٹھانا، سو اس میں صرف اتنی بات ہے، کہ یہ قرآن و حدیث سے ثابت نہیں ہے، مگر اس کو شوم و منحوس سمجھنا، اور یہ عقیدہ رکھنا، کہ جو قرآن کو توبہ کے وقت اٹھاتا ہے، وہ تباہ و خرابی ہو جاتا ہے محض باطل و غلط ہے، اور خیال و عقیدہ شرکیہ ہے، صحیح بخاری و مسلم میں ابو ہریرہ رضی سے روایت ہے قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا طیرۃ الحدیث یعنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، کہ کسی چیز میں شوم اور نحوست نہیں، اور سنن ابی داؤد میں ہے۔ عن عبد اللہ بن مسعود عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الطیرۃ شرک قالہ ثلاثا الحدیث یعنے عبد اللہ بن مسعود رضی سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ شگون بد لینا، اور کسی چیز میں شوم نحوست سمجھنا شرک ہے، آپ نے اس کو تین بار فرمایا، اور خالد اور اس کے متبعین کا یہ کہنا کہ جو شخص جب تک تائب نہیں ہوتا ہے، وہ بے گناہ اور مرفوع القلم ہے الخ نہایت نادانی کی بات ہے، اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت کرے، اور ان کی سمجھ کو سیدھا کرے واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم[1]

(۳) عمرو کا توبہ کو طریقہ اسلام سے شمار کرنا، اور بدعات و منکرات سے منع کرنا، اور توبہ کو اچھا جاننا، اور تائب سے خوش و راضی رہنا حق ہے اور یہی دین اسلام کی تعلیم ہے،

---

[1] اللہ جسے چاہے سیدھے راہ کی طرف راہ نمائی کرتا ہے۔

اور خالد اور اس کے متبعین کا توبہ کو مذموم اور فعل عبث تصور کرنا، اور تائب کی مذلت اور مذمت کرنا، اور ارتکاب مدعات کو موجب فلاح دارین سمجھنا، اور اتباع سنت سے بیزار رہنا یہ سب باتیں ایسی ہیں، کہ ان کی وجہ سے خالد اور اس کے متبعین کے ایمان کی خیر نہیں ہے، تائب کی مذلت ومذمت کرنا اور توبہ کو فعل عبث تصور کرنا، درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مذمت ومذلت بیان کرنا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف فعل عبث کی نسبت کرنا ہے، اور اس کا جو نتیجہ ہے وہ ظاہر ہے، نعوذ باللہ من ذلک اور اتباع سنت سے بیزار ہونے والے کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من رغب عن سنتي فليس مني یعنے جو شخص میری سنت سے بیزار ہو، وہ مجھ سے نہیں ہے، اور فرمایا کہ جو شخص میری سنت کو بیزاری سے ترک کرے، اس پر میں نے لعنت کی، اور ہر نبی نے لعنت کی، کذا فی المشکوۃ باب الایمان بالقدر واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ سید محمد نذیر حسین سید محمد نذیر حسین

سوال: بخدمت علمائے فضیلت شعار گذارش ہے، کہ جواب مسئلہ ہذا سے ممتاز فرماویں (۱) اگر کوئی شخص بلا دریافت حال ایسے شخص کا مرید ہو جاوے، کہ اس شخص کے ہاں علانیہ شرک وبدعت ہوتا ہو، اور جلسے خلاف شریعت ہوتے ہوں، تو کیا بعد معلوم ہو جانے حالات مندرجہ کے اس مرشد سے تعلقات مریدی منقطع کر لینے چاہئیں یا بدستور قائم رہنے دیئے جائیں، کیونکہ شریعت کے خلاف کرنا، یا دوسروں کو کرتے ہوئے دیکھنا طبیعت کو برا معلوم ہوتا ہے، الحاصل اگر ایسے مرشد سے قطع تعلق اور سلسلہ آمد ورفت کا بند کر دیا جاوے، تو وہ شخص قابل مواخذہ تو نہیں ہو سکتا، براہ کرم اس عاصی کو جواب باصواب سے سرفراز فرماویں۔

(۲) برہنہ سر ہو کر نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں، جیسا کہ آج کل کے فقیر بوجہ ریا کے ننگے سر نماز پڑھا کرتے ہیں۔

(۳) مسواک اگر گھستے گھستے بالکل چھوٹی ہو جاوے، اور قابل گرفت نہ رہے، تو اس کو کیا کرنا چاہیئے، اکثر لوگ کہا کرتے ہیں، کہ اس کو زمین میں گاڑ دینا چاہیئے، کہ قیامت کے دن اس کا سایہ اس شخص پر ہوگا، یہ مسئلہ سچ ہے یا مصنوعی بینوا توجروا۔

الجواب ـــ (۱) اس صورت میں اس مرشد سے قطع تعلق کرنا ضروری ہے اور

آمدورفت کا سلسلہ بھی بند کرنا لازم ہے، اور ایسے مرشد کی تابعداری شرعاً ہرگز درست نہیں، جیسا کہ مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ عن[1] ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم السمع والطاعۃ علی المرء المسلم فیما احب وکرہ مالم یؤمر بمعصیۃ فاذا امر بمعصیۃ فلا سمع ولا طاعۃ منفق علیہ وعن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا طاعۃ فی معصیۃ انما الطاعۃ فی المعروف، وعن النواس بن سمعان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق رواہ فی شرح السنۃ سب لوگوں پر عموماً، اور علمائے حقانی پر خصوصاً ضروری ولازم ہے، کہ عوام الناس کو ایسے مرشد سے ہاتھ سے روکیں اگر ہاتھ سے نہ روک سکیں، تو زبان سے، اگر زبان سے بھی نہ روک سکیں، تو دل میں تو ضرور بیزار ہوں مگر یہ اضعف ایمان ہے، جیسا کہ مسلم شریف میں ہے عن[2] ابی سعید الخدری عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان

(۲) بوجہ ریا برہنہ سر نماز پڑھنا درست نہیں، کیونکہ ریا شرک میں داخل ہے جیسا کہ مشکوٰۃ میں ہے عن[3] محمود بن لبید ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اخوف ما اخاف علیکم الشرک الاصغر قالوا یا رسول اللہ وما الشرک الاصغر قال الریاء رواہ احمد ہاں اگر بلا ریا برہنہ سر نماز پڑھے، تو جائز ہے، جیسا کہ بخاری میں ہے عن[4] ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یصلی احدکم فی الثوب

---

[1] عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کا کام ہے سننا اور اطاعت کرنا خواہ آسے پسند ہو یا ناپسند، بشرطیکہ وہ کام گناہ کا نہ ہو، اور اگر اسے گناہ کا حکم دیا جائے، تو نہ سننا ہے اور نہ اطاعت، حضرت علی کہتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گناہ میں کسی کی اطاعت نہیں ہے، اطاعت صرف اچھے کام میں ہے نواس بن سمعان کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی فرمانبرداری نہیں ہے ۔

[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو کوئی برائی دیکھے، اسے اپنی طاقت سے روکے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے، اگر اتنا بھی نہ کر سکے، تو دل سے اسے برا سمجھے، اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے ۔

[3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے سب سے زیادہ خوف تمہارے لئے چھوٹے شرک کا ہے، لوگوں نے پوچھا چھوٹا شرک کیا ہے، فرمایا دکھلاوا ۔ [4] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کوئی آدمی ایک کپڑے میں اس طرح

الواحد لیس علی عاتقہ منہ شئی، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں سر ڈھانپنا ضروری نہیں، ہاں یہ ایک مسنون امر ہے، اگر کرے تو اولے ہے، نہ کرے تو عقاب نہیں، اللہ پاک نے فرمایا ہے۔ یا بنی ادم خذوا زینتکم عند کل مسجد اس آیت پاک سے ثابت ہوا کہ ٹوپی و عمامہ سے نماز پڑھنا اولے ہے، کیونکہ لباس سے زینت ہے، اگر عمامہ یا ٹوپی رہتے ہوئے تکاسلاً برہنہ نماز پڑھے تو مکروہ ہے، اور اگر بوجہ عاجزی و انکساری برہنہ سر نماز پڑھے، تو بلا شبہ جائز ہے، جیسا کہ عالمگیریہ میں ہے۔ یکرہ الصلوۃ حاسرا راسہ اذا کان یجد العمامۃ وقد فعل ذلک تکاسلاً و تہاونا ولا باس بہ اذا فعلہ تذللا وخشوعا بل ھو حسن کذا فی الذخیرۃ۔

(۳) یہ مسئلہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے، بلکہ محض مصنوعی ہے، واللہ اعلم بالصواب، حررہ حمید الرحمٰن عفی عنہ | سید محمد نذیر حسین |

سوال:۔ چہ فرمایند علمائے دین کہ تصور شیخ از کتاب و سنت و تعامل صحابہ و تابعین و صوفیہ متقدمین رحمہم اللہ ثابت است یا نہ، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ در صورت مرقومہ ہیچ دلیل شرعی از کتاب و سنت برآن قائم نیست و نہ تعامل صحابہ و تابعین و تبع تابعین و صوفیہ کبار متقدمین یافتہ شد، پس از احداث و بدعات خالی نخواہد بود، زیرا کہ از آداب شریعت غرا خارج است، و امرے کہ از آداب شریعت خارج باشد بلا شبہ محدث و بدعت شود، چنانکہ بر دانشمندان ذی الانصاف پوشیدہ نیست قال الشیخ الکامل عبد القادر الجیلانی قدس سرہ اتبع الشرع فی جمیع ما ینزل بک موافقا فی الحرکات والسکنات بالشریعۃ فان الشریعۃ ادل واجب فلا

نماز نہ پڑھے کہ اس کے کندھے پر اس کا کوئی حصہ نہ ہو۔ ؎ا اے بنی آدم مسجدوں میں جاتے وقت اپنی زیب و زینت کیا کرو۔ ؎۲ اگر کوئی آدمی محض سستی کی وجہ سے پگڑی ہوتے ہوئے ننگے سر نماز پڑھے، تو مکروہ ہے، اور اگر خشوع و ذلت اور انکساری کی بنا پر ننگے سر پڑھے، تو یہ بہتر ہے۔

سوال:۔ علمائے دین کیا فرماتے ہیں، کہ تصور شیخ کتاب و سنت اور تعامل صحابہ و تابعین و صوفیہ متقدمین سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: تصور شیخ کے لئے نہ تو کتاب و سنت سے کوئی دلیل ہے، نہ صحابہ تابعین و تبع تابعین کے تعامل سے یہ آداب شریعت سے خارج ہے، بدعت ہے، شیخ عبد القادر جیلانی فرماتے ہیں تمام حرکات و سکنات میں شریعت

طریقۃ ولا حقیقۃ ولا کشف الا برکات معاملات الشریعۃ انتہی کلامہ وفی رسالۃ القشیری قال ابن عطاء من الزم نفسہ باداب الشریعۃ نور اللہ تعالیٰ قلبہ بنور المعرفۃ فلا مقام اشرف فی مقام متابعۃ الحبیب ولا دلیل علی الطریق الی اللہ تعالیٰ الا بمتابعۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اقوالہ واحوالہ وافعالہ انتہی کلامہ۔ چنانکہ شیخ عبد اللطیف برہان پوری در رسالہ سلوک نوشتہ ونیز ظاہر است، کہ تصور شیخ از اقوال وافعال واحوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام وتابعین وغیرہم اصلا مروی نہ شدہ، پس چگونہ روا باشد، ونیز مخالف امر قاطع او تعالیٰ جل شانہ است واذکر اسم ربک دم علی ذکرہ لیلا ونہارا وتبتل الیہ تبتیلا وانقطع الیہ بالعبادۃ وجرد نفسک عما سواہ انتہی ما فی البیضاوی وغیرہ من التفاسیر۔ ودر تفسیر عزیزی مے نویسد کہ فائدہ این قطع وتبتل اول درعین ذکر است، کہ خطرات ماسوی اللہ تعالیٰ در خاطر خطور نہ کند انتہی کلامہ۔

پس تصور شیخ مخل ومانع مداومت ذکر الٰہی خواہد بود وصوفیہ با ہم می نویسند کہ مبتدی را در بدایت باید کہ دوام بذکر الٰہی مستغرق باشد، کہ رفتہ رفتہ بمقام اعلےٰ برسد قال الامام الغزالی فی اربعینہ فان دام ذلک وصار عادۃ راسخۃ عرج بہ الی عالم الاعلی و ذلک فی البدایۃ کذا ذکر الشیخ عبد اللطیف البرہان پوری فی رسالۃ السلوک وازین جہت کہ تصور شیخ در قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر رواج نہ یافتہ مولانا محمد اسمٰعیل شہید مرحوم در صراط مستقیم این را حرام واز بدعات شرکیہ نوشتہ اند زیرا کہ صورت قرطاسی چندان در ذہن مرتسم نمی شود، چنانکہ صورت خیالیہ در ذہن منتقش مے گردد، وصورت قرطاسی یعنی تصویر

کی پیروی کو ملحوظ رکھو، شریعت سب سے پہلا فرض ہے، اور اس کے بعد کوئی طریقت اور حقیقت نہیں ہے، اور نہ کوئی کشف ہے، رسالہ قشیری میں ہے، کہ شریعت کے آداب کو ملحوظ رکھنے ہی سے دل روشن ہوتا ہے، حضورؐ کی اطاعت سے بڑھ کر کوئی بلند مقام نہیں ہے، شیخ عبد اللطیف برہان پوری اپنے رسالہ "سلوک" میں لکھتے ہیں کہ تصور شیخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام وتابعین سے ہرگز مروی نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "اپنے رب کے نام کا ذکر کرو اور اس کے لئے اپنے آپ کو فارغ کر دے" تو معلوم ہوا، کہ ذاکر کو دوسرے تمام تصورات سے خالی الذہن ہو جانا چاہیے، تا کہ کوئی چیز ذکر میں مخل نہ ہو اور تصور شیخ ذکر الٰہی میں مخل ہے، لہذا باطل ہے، شاہ اسمٰعیل شہید نے صراط مستقیم میں اس کو حرام اور بدعات شرکیہ سے شمار کیا ہے، کیونکہ کاغذ کی تصویر ذہن پر اتنا اثر نہیں کرتی، جتنا کہ ایک

حرام است ہم چنین صورت خیالیہ حرام خواہد بود۔ انتہے خلاصتہ

الغرض در ہر عبادت دلیل شرعی پرضرور است و نوشتن بعضے اکابر آن را بغیر دلیل و تجویز کردن آن را بلا برہان شرعی بر دیگر حجت نمی شود، لہذا اجماع امت بر امرے بغیر سند شرعی معتبر نمی شود، چنانکہ در اصول فقہ مذکور است، پس تتبع سنت سنیہ را لازم است، کہ از امر مشتبہ کہ میان مباح و بدعت دائر باشد قطعاً احتراز کند، زیرا کہ در کتب فقہ مذکور است، کہ چیزے کہ در آن تردد باشد کہ این من قبیل سنت است یا از بدعت ترک آن لازم است، چنانکہ شیخ ابن الہمام در فتح القدیر حاشیہ ہدایہ بدان تصریح کردہ است و ہم حموی محشی اشباہ۔ نظائر نوشتہ۔ واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

سوال: تصویروں کا پاس رکھنا یا کہ دیواروں پر چسپاں کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ذی روح کی تصویروں کا پاس رکھنا، اور دیواروں پر چسپاں کرنا شرعاً ممنوع و حرام ہے۔ حررہ السید محمد ابوالحسن

سید محمد نذیر حسین

سوال[1] ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

الجواب: معلوم کرنا چاہیے، کہ مستفتی نے جتنی حدیثیں تقبیل عینین کے بارے میں لکھی ہیں، ساری محض بے اصل اور موضوعات ہیں، شیخ جلال الدین سیوطی نے تیسیر المقال میں لکھا ہے الأحادیث التی رویت فی تقبیل الانامل وجعلها علی العینین عند سماع اسمه صلی اللہ علیہ وسلم عن المؤذن فی کلمة الشہادة کلها موضوعات انتہی وقال الملا علی القاری فی رسالة الموضوعات لا اصل لها اور محمد طاہر صاحب مجمع البحار اور

صورت، پھر اگر وہ شریعت میں حرام ہے، تو یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے باقی اگر کچھ لوگوں نے اسے جائز لکھا ہے، تو اس کے جواز پر چونکہ دلیل کوئی نہیں ہے، لہٰذا ان کی پرواہ نہ کرنی چاہیے، اور پھر فقہ کا یہ اصول بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اگر کوئی کام مباح اور بدعت میں دائر ہو، یا سنت اور بدعت میں دائر ہو، تو اس کو چھوڑ دینا ضروری ہے، واللہ اعلم

لہ وہ تمام احادیث جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مؤذن سے سن کر یا کلمہ شہادتین میں سننے پر انگلیوں کے چومنے اور پھر آنکھوں پر لگانے کے بارے میں آئی ہیں، وہ سب موضوع ہیں، ملا علی قاری نے بھی رسالہ "موضوعات" میں لکھا ہے کہ ان کا کوئی اصل نہیں ہے ۱۲

[1] اس سوال کی عبارت نہیں ملی، اس وجہ سے صرف جواب لکھا گیا ہے لیکن اس سوال کی شق دوم مع جواب کے آگے آ رہی ہے ۱۲

علامہ شوکانی نے لکھا ہے کہ تقبیل عینین کے بارے میں جو حدیثیں آئی ہیں، وہ صحیح نہیں، اور اسی واسطے مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنے فتوے تقبیل العینین میں فرمایا ہے، کہ تقبیل عینین اگر سنت جان کر کرے، تو بدعت ہے، کیونکہ حدیث صحیح اس باب میں ائمہ اربعہ و محدثین کبار سے نہیں پائی گئی، اور مولانا حسن علی محدث لکھنوی نے بھی اسی طرح اپنے فتوے تقبیل العینین میں لکھا ہے، کہ ان حدیثوں کا کچھ اصل نہیں، اس لئے کہ ائمہ اربعہ و محدثین متقدمین کبار سے اس کی کچھ اصل ثابت نہیں، اور جو حدیث تقبیل عینین کی ابوبکر صدیق رضہ سے مقاصد حسنہ میں، فردوس دیلمی سے نقل کی ہے اس حدیث کے راوی مجہول ہیں جن کا حال معلوم نہیں، کہ وہ کیسے ہیں، اور جب تک کسی حدیث کے راوی کا حال معلوم نہ ہو، وہ حدیث پایۂ اعتبار سے ساقط ہے نزدیک محدثین کے، جیسا کہ کتب اصول حدیث شرح نخبہ اور جواہر الاصول اور تدریب الراوی وغیرہ میں مذکور ہے، اور کتاب فردوس دیلمی میں واہیات اور موضوعات تو دہ تو دہ مذکور ہیں جیسا کہ مولانا شاہ عبدالعزیز بستان المحدثین میں فرماتے ہیں "در کتاب فردوس دیلمی موضوعات وواہیات تو دہ تو دہ مذکور است" انتہی کلامہ، اور شیخ زادہ شارح وقایہ کا لکھنا یا اور فتاوے میں ذکر آنا اس کا معتبر اور مقبول نہیں، جب تک حدیث ائمہ اربعہ اور محدثین متقدمین کبار مثل صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور ترمذی اور ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ اور مسند دارمی اور مسند شافعی و مسند ابوداؤد الطیالسی و مسند امام اعظم و مسند امام احمد و مسند ابویعلی موصلی و مسند ابوعوانہ و سنن کبریٰ بیہقی کہ دس جلدیں ہے و مسند مسلم(۱) و سنن سعید بن منصور و مصنف عبدالرزاق و مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ وغیرہ میں راویان ثقات معتبرین سے نہ پائی جاوے قابل تمسک اور عمل کے نہیں جیسا کہ کتب اصول حدیث وغیرہ میں مذکور ہے، اور ظاہر ہے، کہ حدیث تقبیل العینین کی کتب مذکورہ بالا میں منقول ہو مذکور نہیں نہیں، اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں، کہ جو حدیث میری مسند میں نہ پائی جاوے، وہ حدیث قابل حجت کے نہیں، اور مدار حدیث کا اوپر نقل محدثین نقاد کی کتاب معتبر معمول بہ میں سے، کہ صدر اول سے لے کر آخر تک مشہور ہوئی ہو، اور حدیث تقبیل العینین کی صدر اول اور ثانی اور

لہ مسند فردوس دیلمی میں بے شمار موضوع اور واہیات روایات پائی جاتی ہیں ۱۲

---

(۱) مسند مسلم لابن ابی بکر محمد بن عبد اللہ الجوزقی المتوفی سنۃ ۳۸۸ھ وھو المسند الصحیح علی کتاب مسلم اختصرہ یعقوب بن اسحاق وابو عوانۃ الحافظ کذا فی کشف الظنون مکتبہ ابوالطیب عفی عنہ

ثالث میں پائی نہیں گئی، اگر پائی جاتی تو محدثین کی کتب مرقومہ بالا میں مذکور ہوتی، اور مسند دیلمی میں بھی اکثر واہیات مذکور ہیں، جیسے کہ موضوعات کبیر وتذکرہ نور الدین سے واضح ہوتا ہے، وجناب مولانا شاہ عبد العزیز قدس سرہ در رسالہ عجالہ نافعہ می فرمایند کہ

"مراد از قبول حدیث آن است، کہ نقاد حدیث آن کتاب را اتہام کنند ودر آن اعتراض نکنند، وحکم صاحب کتاب را در بیان حال احادیث آن کتاب را تصویب وتقریر نمایند وفقہا بآن حدیث تمسک نمایند بے اختلاف وبے انکار، وطبقہ چہارم احادیثے کہ نام ونشان آنہا در قرون سابقہ معلوم نہ بود، ومتاخران آن را روایت کردند، پس حال آنہا از دو شق خالی نیست یا سلف تفحص کردند وآنہا را اصلی نہ یافتند تا مشغول بروایت آنہا می شدند یا یافتند ودر آن قدحے وعلتے دیدند کہ باعث ہمہ آنہا را بر ترک روایت آنہا شد وعلی کل تقدیر این احادیث قابل اعتماد نیستند، ودرین قسم احادیث کتب بسیار مصنف شدہ اند برخے را بشماریم کتاب الضعفاء لابن حبان وتصانیف حاکم وفردوس دیلمی وغیرہ" انتہی ما فی بستان المحدثین

اور جو حدیث مسند حاکم سے نقل کی ہے، اس کا جواب یہ ہے، کہ مسند حاکم کی نہیں ہے بلکہ مستدرک حاکم کی ہے، اور جو حدیث اس سے نقل کی ہے درباب پڑھنے قل ہو اللہ کے کلوخ پر اور رکھنے قبر میں مردہ کے ساتھ وہ بھی محض واہی اور بے اصل ہے، کیونکہ یہ حدیث کتب معتبرہ میں ثابت نہیں ہوئی، اور صدر اول وثانی وثالث میں درمیان فقہاء مجتہدین اور محدثین محققین کے شہرت نہ پائی، اور مستدرک حاکم میں بقدر ربع احادیث کے واہیات اور مناکیر بلکہ بعض موضوعات بھی ہیں، اسی واسطے تمام مستدرک حاکم کی معیوب ہوئی، جیسے کہ مولانا شاہ عبد العزیز قدس سرہ نے بستان المحدثین میں لکھا ہے، اور جو کتاب نور العین وغیرہ سے نقل کی ہے، وہ بھی صحیح اور قابل تمسک کے نہیں، کیونکہ ائمہ اربعہ اور محدثین اور متقدمین اور

لے شاہ عبد العزیز "عجالہ نافعہ" میں فرماتے ہیں "قبول حدیث کا مطلب یہ ہوتا ہے، کہ نقادان حدیث اس کتاب کو معتبر سمجھیں، اور صاحب کتاب کے حدیث کے متعلق فیصلہ کو صحیح سمجھیں، فقہاء اس سے تمسک کریں، اور کوئی اختلاف وانکار نہ کریں، چوتھے طبقہ کی وہ حدیثیں ہیں، جن کا قرون اولیٰ میں نام ونشان نہ تھا، اور پچھلے لوگوں نے ان کو روایت کیا، یہ دو حال سے خالی نہیں ہے، یا تو سلف صالحین کو اس کا کوئی اصل نہ ملا، کہ ان کی روایت میں مشغول ہوتے، یا اگر کوئی اصل ملا، تو اس میں ایسی علتیں دیکھیں کہ ان کو چھوڑ دیا، دونوں صورتوں میں یہ روایتیں قابل اعتماد نہیں ہیں، اور اس قسم کی حدیثیں کئی کتابوں میں پائی جاتی ہیں، جن میں سے ابن حبان کی کتاب "الضعفاء" اور حاکم وفردوس دیلمی کی تصانیف ہیں"

متاخرین محققین سے ثابت نہیں، اور قرون ثلاثہ میں درمیان فقہاء اور محدثین کے شہرت نہیں ہوئی اور محدثین نقاد نے اپنی کتاب میں بسند صحیح راویان ثقات سے نقل نہیں کی ہے، اور حدیث کی صحت کا مدار اوپر سند صحیح راویان ثقات سے ہے، کتب معتبرہ متداولہ میں غرباً و شرقاً جیسے کہ اصول حدیث اور فقہ میں مفصلاً مذکور ہے۔ واللہ اعلم بالصواب،

الراقم العاجز سید محمد نذیر حسین عفی عنہ (سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱)

نعم التحقیق وحبذا التوفیق والحق ان ھذا لشئ عجاب فاعتبروا یا اولی الالباب

محمد عبد الرب — حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ — محمد اسد علی — اسلام آبادی

سوال: بعض لوگ ناواقف علم حدیث جن کو صحیح اور سقیم اور ضعیف اور موضوع اور غیر موضوع میں کچھ امتیاز نہیں ہے، مؤذن سے اشھد ان محمدا رسول اللہ کے سننے کے وقت انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگاتے ہیں، اور اس فعل کو چند احادیث کتب طبقہ رابعہ سے حجت لاکر سنت جانتے ہیں، اس باب میں کتب معتبرہ سے جو صاف حکم ہو ارشاد فرمادیں، بینوا توجروا۔

الجواب: اس مقدمہ مذکور میں جتنی حدیثیں کہ مذکور ہیں، ان میں سے ایک بھی صحیح و ثابت نہیں، اور نہ ان کا کسی معتمد کتاب میں پتہ و نشان پایا جاتا ہے، محققین و نقاد احادیث نے ان سب احادیث میں کلام کرکے تصریح غیر صحیح اور موضوع ہونے کی کر دی ہے، تفصیل اس اجمال اور تشریح اس مقال کی یہ ہے کہ اول تو یہ سب حدیثیں کتب احادیث طبقہ رابعہ سے ہیں، اور اس طبقہ کی احادیث اس قابل نہیں، کہ کسی عقیدہ اور عمل کے ثابت کرنے میں ان پر اعتماد کیا جاوے، اور ان کو متمسک بہ ٹھہرایا جاوے، چنانچہ مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ عجالہ نافعہ میں ارشاد فرماتے ہیں

"طبقہ رابعہ احادیثے کہ نام و نشان آنہا در قرون سابقہ معلوم نبود و متاخرین آنرا روایت کردہ اند پس حال آنہا از دو شق خالی نیست یا سلف تفحص کردند آنہا را اصلے نیافتند تا مشغول بروایت آنہا می شدند یا یافتند و دران قدحے وعلتے دیدند کہ باعث شد ہمہ آنہا را بر ترک

لے چوتھے طبقہ کی وہ حدیثیں ہیں، جن کا پہلے زمانہ میں نام و نشان نہ تھا اور متاخرین نے ان کو روایت کیا ہے، ان کا حال دو حیثیتوں سے خالی نہیں ہے، یا تو سلف نے ان کو پرکھا، اور ان کا کوئی اصل نہ مل سکا کہ ان کی روایت کرتے یا کوئی اصل تو تھا لیکن ان میں ایسے نقص دیکھے، کہ ان کو چھوڑ دینا ہی مناسب معلوم ہوا، بہر حال وہ حدیثیں کسی طرح بھی اس

روایت آنہا دعلی کل تقدیر این احادیث قابل اعتماد نیستند کہ در اثبات عقیدہ یا عمل بآنہا کردہ شود" انتہی کذا فی بصارۃ العینین۔

دوسرے یہ کہ علامہ شمس الدین ابوالخیر محمد بن وجیہ الدین عبدالرحمن سخاوی نے مقاصد حسنہ میں اور شیخ الاسلام مترجم بخاری اور حسن بن علی ہندی اور ابن ربیع شافعی اور سندقانی مالکی اور محمد طاہر فتنی حنفی نے ان احادیث کو لایصح لکھا ہے، اور لفظ لایصح کا معنے ثابت نہ ہونے کے آتا ہے، چنانچہ علامہ محمد طاہر پٹنی نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے قولنا لم یصح لا یلزم منہ اثبات العدم وانما ھو اخبار عن عدم الثبوت انتہی یعنی قول ہمارا لایصح نہیں لازم آتا ہے اس سے اثبات نہ ہونے کا، اور نہیں ہے وہ قول مگر خبر دینا ہے نہ ثابت ہونے سے، اور شیخ الاسلام نے ترجمہ بخاری میں لکھا ہے کہ

"[1] در فردوس از حدیث ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ آوردہ کہ وے چوں می شنید، قول مؤذن اشہد ان محمدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وگفت ہم چنین ولوسید باطن انملہ دو انگشت سبابہ را و مسح کرد بدان دو چشم خود را پس فرمود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسے کہ بکند مانند تو شفاعت بروے واجب شدہ واز حسن بن علی رضی اللہ عنہ آرند ہر کہ بگوید نزد سماع این کلمہ از مؤذن مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم و بوسد دو ابہام خود را و بگرداند آنرا بر دو چشم خود نابینا در دو چشم نہ شود و ہرگز صحیح نہ شدہ نزد محدثین چیزے ازان انتہے"۔

اور حسن بن علی ہندی صاحب سبیل الجنان نے تعلیقات مشکوۃ المصابیح میں لکھا ہے۔ کل ما روی فی وضع الابہامین علی العینین عند سماع الشہادۃ من المؤذن لم یصح انتہی

قابل نہیں، کہ ان پر عقیدہ وعمل کی بنیاد رکھی جاتی ۱۲

[1] مسند فردوس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے، کہ جب وہ مؤذن سے اشہد ان محمدا رسول اللہ سنتے، تو اپنی دونوں سبابہ انگلیوں کے پوروں کو چوم کر اپنی آنکھوں پر لگا لیتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو کوئی تیری طرح کرے گا، اس کے لئے شفاعت واجب ہو جائے گی، اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، جو آدمی مؤذن سے یہ کلمہ سنکر کہے مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبداللہ اور اپنے انگوٹھوں کو چوم کر اپنی آنکھوں پر پھیرے، تو وہ کبھی نابینا نہ ہوگا، اور نہ کبھی اس کی آنکھیں دکھیں گی، اور محدثین کے نزدیک یہ دونوں روایتیں قطعاً ثابت نہیں ہیں ۱۲

یعنے جو کچھ روایت کیا گیا ہے، مؤذن سے رکھنے انگوٹھوں میں آنکھوں پر وقت سننے کلمہ شہادت کے ثابت نہیں ہوا، اور محمود احمد عینی نے عمدۃ القاری شرح بخاری میں بیچ باب مایقول اذا سمع المنادی کے لکھا ہے یجب علی السامعین ترک عمل غیر الاجابۃ انتہی ملخصا یعنے اذان کے سننے والوں پر ہر کام کا چھوڑ دینا اور جواب اذان دینا واجب ہے، اور یہ بھی شرح مذکور کے اسی باب میں لکھا ہے۔ ینبغی ان لا یتکلم السامع فی خلال الاذان والاقامۃ ولا یقرأ القرآن ولا یسلم ولا یرد السلام ولا یشتغل بشیئ من الاعمال سوی الاجابۃ انتہی یعنی لائق یہ ہے، کہ نہ کلام کرے سننے والا درمیان اذان اور اقامۃ کے اور نہ پڑھے قرآن اور نہ سلام کرے اور نہ جواب سلام کا دے، اور نہ مشغول ہو ساتھ کسی عمل کے سوا جواب دینے اذان کے۔

اور محمد یعقوب بنبانی نے خیر جاری شرح صحیح بخاری میں بعد نقل عبارت عینی کے لکھا ہے واعلم انہ یستفاد من کلام العینی المذکور فیہ منع وضع الابہامین علی العینین عند سماع اشہد ان محمدا رسول اللہ یعنے جان تو تحقیق مستفاد ہوتا ہے کلام عینی سے جو یہاں مذکور ہے منع ہونا رکھنے انگوٹھوں کا آنکھوں پر وقت سننے اشہد ان محمد رسول اللہ کے

اور علامہ ابواسحاق بن عبد الجبار کابلی نے شرح رسالہ عبد السلام لاہوری میں لکھا ہے قد تکلموا فی احادیث وضع الابہامین علی العینین فلم یصح شیئ منہا بروایۃ ضعیفۃ ایضا صرح بعضہم بوضع کلہا انتہی یعنے تحقیق کلام کیا ہے، علمائے محدثین نے حدیثوں میں رکھنے انگوٹھوں کے آنکھوں پر، پس نہیں ثابت ہوا ہے کچھ ان میں سے ساتھ روایت ضعیفہ کے بھی، اور اسی واسطے تصریح کی ہے بعض محدثین نے ساتھ موضوع ہونے کل ان احادیث کے

چنانچہ امام ابوالحسن عبد الغافر فارسی صاحب مفہم شرح صحیح مسلم اور مجمع الغرائب نے کتاب اقوال الاکاذیب میں لکھا ہے، بعد نقل احادیث فردوس دیلمی کے جو اس باب میں وارد ہیں لکھا ہے والروایات فی ھذا الباب کثیرۃ لا اصل لہا بسند ضعیف ایضا وقال ابونعیم الاصفہانی ما روی فی ذلک کلہ موضوع انتہی یعنے روایات چومنے انگوٹھے اور ان کے آنکھوں پر رکھنے کی بہت ہیں، مگر نہیں ہے کچھ اصل ان کی سند ضعیف سے بھی، اور فرمایا حافظ ابونعیم اصفہانی نے، کہ اس میں جو روایت کیا گیا ہے، سب موضوع ہے

اور امام جلال الدین سیوطی نے کتاب تیسیر المقال میں لکھا ہے والاحادیث التی رویت

فی تقبیل الانامل وجعلہا علی العینین عند سماع اسمہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المؤذن فی کلمۃ الشہادۃ کلہا موضوعات انتہی یعنے جو حدیثیں مؤذن سے کلمہ شہادت سننے کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر انگلیاں چومنے، اور پھر ان کے آنکھوں پر پھیرنے کے بارہ میں روایت کی گئی ہیں، سب موضوع ہیں، اور ایسا ہی امام مذکور نے کتاب الدرۃ المنتشرہ فی احادیث المنتشرہ میں لکھا ہے، انتہی ما فی لبصارۃ العینین ملخصًا مختصرًا پس اس سبب سے معلوم ہوا، کہ علمائے محدثین معتبرین کے نزدیک فعل مذکور ثابت وصحیح نہیں ہوا اور کل احادیث جو اس باب میں مذکور ہیں، سب موضوع ہیں، اور فعل مذکور ہرگز ہرگز سنت ومستحب نہیں ہے، بلکہ بدعت وممنوع ہے، چنانچہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتوے میں ارقام فرماتے ہیں

" در وقت اذان سوائے جواب کلمات اذان چیزے ثابت نہ شدہ ودر وقت ذکر نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوائے فرستادن درود وسلام بر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نیز چیزے دیگر ثابت نہ شدہ واین عمل از روے احادیث معتبرہ در زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وزمانہ خلفائے راشدین نبودہ پس این عمل را بوقت اذان یا بوقت شنیدن نام آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سنت یا مستحب دانستہ کردن بدعت است واز این امر احتراز باید وآنچہ در بعضے کتب فقہ می نویسند آن کتب چندان اعتبار ندارند انتہی بلفظہ ملخصًا

اور محدث لکھنوی مرزا حسن علی صاحب بھی اپنے فتوی میں اسی طرح لکھتے ہیں، کہ " این عمل ممنوع است، واز قبیل بدعت، وآنچہ درین باب حدیثے از جناب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ودر عمل کردن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نقل کنند موضوع است کذا ذکرہ الشیخ جلال الدین السیوطی وغیرہ من المحدثین وبحسب روایات فقہ معتبرہ ہم اصلا ثبوت ندارد انتہی بلفظہ کذا فی لبصارۃ العینین

لہ اذان کے وقت جواب کلمات اذان کے سوا اور کوئی چیز ثابت نہیں ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سننے پر ان پر درود وسلام بھیجنے کے سوا کوئی چیز درست نہیں، اور یہ انگوٹھے چومنے کا عمل خلفائے راشدین کے زمانہ میں نہیں تھا، پس بوقت اذان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنکر ایسا کرنا سنت اور مستحب نہیں ہے، بلکہ بدعت ہے، اس سے پرہیز کرنا چاہیے، اور فقہ کی بعض کتابوں میں جو اس کے جواز کے متعلق لکھا ہے، وہ کتابیں معتبر نہیں ہیں ۱۲

سلہ ایسا کرنا منع ہے اور بدعت، اور وہ جو ابوبکر رض کے متعلق بیان کیا جاتا ہے، وہ حدیث موضوع ہے، اور فقہ کی معتبر کتابوں میں بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا ۱۲

واللہ اعلم بالصواب، حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اکثر لوگ اذان میں جب اشہد ان محمدا رسول اللہ کہا جاتا ہے، یا جمعہ کے خطبہ میں جب اللّٰھم انصر من نصر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم واخذل من خذل دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم آتا ہے، تو انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگا لیتے ہیں، یہ فعل کیسا ہے، کتب احادیث و فقہ یا قول ائمہ سے پایا جاتا ہے یا نہیں، اور اگر کہیں سے اس کا جواز ثابت نہیں، تو اس کے کرنے والے کیسے ہیں، اور بعض یہ کہتے ہیں، کہ اس فعل سے آنکھ کی روشنی تیز ہوتی ہے، اور اس کو فرمودہ رسول بتلاتے ہیں، اس کا پتہ بھی کچھ حدیث و فقہ میں کہیں لگتا ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب ھو الموفق للصواب صورت مرقومہ میں معلوم کرنا چاہیئے، کہ دنیا فانی ہے چندروز کی زندگانی ہے، مرنا برحق ہے، جہاں تک ہوسکے اتباع جمیع امور میں سنت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ہونا چاہیئے کیونکہ فلاح دارین اسی میں ہے، اور اپنی طرف سے ایجاد ہرگز نہ کرنا چاہیئے اگرچہ وہ عند الطبع مرغوب و مستحسن ہو، جیسے کہ یہی امر یعنی تقبیل ابہام وغیرہ جہال عوام کالانعام بلکہ بعض بعض خواص کے نزدیک بھی بہتر و احسن معدود و شمار کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ امر یعنی چومنا انگوٹھوں وغیرہ کا عند التاذین یا عند قول الخطیب اللّٰھم انصر من نصر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم الخ[1] صحابہ کرام نے مع انہ لم یکن شخص احب الیھم منہ صلی اللہ علیہ وسلم کما[2] جاء فی الحدیث اور نہ کسی امام نے ائمہ اربعہ میں سے کیا، اور جو فعل نہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوا، اور نہ صحابہ کرام سے، اور نہ ائمہ اربعہ سے، تو وہ کام بدعت اور مردود ہوتا ہے۔ قال الامام الجلیل السیوطی الاحادیث التی رویت فی تقبیل الانامل وجعلھا علی العینین عند سماع اسمہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المؤذن فی کلمۃ الشہادۃ کلھا موضوعات انتہی ما فی الرسالۃ المسماۃ بتیسیر المقال للامام

---

[1] اے اللہ اس کی مدد کر جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی مدد کرے اور اس کو ذلیل کر جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو ذلیل کرے۔

[2] حالانکہ کوئی شخص بھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والا نہیں ہے ۱۲

الکبیر الشیخ جلال الدین السیوطی نے جس قدر حدیثیں در بارہ چومنے انگوٹھوں وغیرہ کے لوگ نقل کرتے ہیں، سب کی سب موضوع اور بناوٹی جھوٹی ہیں، اور ماہر فن لکھتے چلے آتے ہیں، کہ یہ حدیثیں بے اصل ہیں، اور پایہ صحت کو نہیں پہنچیں۔ کذا قال الشیخ محمد طاھر الحنفی والملا علی القاری الحنفی والشیخ الشوکانی المحدث وغیرھم فی کتبھم المشھورۃ المنسوبۃ الیھم اور حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اپنے فتوے تقبیل العینین میں فرماتے ہیں، کہ جو شخص اس فعل کو سنت جان کر کرے، وہ مبتدع اور کرنا اس کا بدعت ہے، اور بہت علمائے ماہرین اس فعل کو بدعت کہتے ہیں، بخوف طول ترک کیا، اور مولانا الشیخ یعقوب بچرخی نے خیر الجاری شرح صحیح البخاری میں صاف صاف اس فعل کو بدعت لکھا ہے، الغرض یہ فعل ہرگز درست نہیں، بلکہ بدعت ہے۔

اقول:۔ افسوس صد افسوس مسلمان دینداروں پر کہ جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تعلیم فرمایا، کہ یہ اذان کے وقت یا اس کے بعد کہا کرو، اس کو ترک کیا، اور اپنی طرف سے بہت سی باتیں ایجاد کر لیں، حضرت نے فرمایا ہے، کہ جیسے مؤذن کہتا ہے، ویسے ہی کہو، تمام گناہ صغائر معاف ہو جائیں گے، بعد ختم اذان کے درود شریف پڑھے، اور یہ دعا۔ اللھم[1] رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوۃ القائمۃ آت محمدن الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاما محمودن الذی وعدتہ۔ بس یہاں تک پڑھے حضرت کی شفاعت اس کے لئے واجب ہو جائے گی، اور بعض لوگ وعدتہ کے پیچھے اور چند کلمات پڑھتے ہیں، وہ درست و ثابت نہیں ہیں۔ کیونکہ کسی صحیح حدیث شریف میں نہیں آئے، اور جو بعض لوگ اذان کے بعد یعنے کلمہ لا الہ الا اللہ کے بعد محمد رسول اللہ زیادہ کر کے پڑھتے ہیں، یہ بھی نادرست ہے، یعنے محمد رسول اللہ قرآن شریف وغیرہ میں آیا ہے، ولیکن خاص اس محل میں شارع سے ثابت نہیں ہوا جو امر شارع سے ثابت ہو وہی کرنا چاہیئے، نہ یہ کہ اپنی طرف سے ایجاد کر لینا یہ بہت مذموم ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے، کہ جب عطاس یعنے چھینک کوئی لیوے، تو کہے الحمد للہ، اور سننے والا یرحمک اللہ کہے، یہ شارع کا حکم تھا۔ تو صحابہ کرام کے وقت ایک شخص نے عطاس لے کر الحمد للہ السلام علیکم کہا، تب سالم صحابی نے کہا وعلیک وعلی امک یعنی تیری

[1] اے اللہ اس پوری دعوت اور قائم ہونے والی نماز کے رب۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مقام وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور آپ کو مقام محمود پر پہنچا جس کا آپ سے تو نے وعدہ کیا ہے ۱۲

ماں پر اور تجھ پر سلام ہو پس وہ شخص کچھ خفا سا ہوا تب سالم نے فرمایا کہ بھائی خفا کیوں ہوگئے ہو میں نے کچھ بے جا کلمہ نہیں کہا، اسی طرح حضرت کے پاس ایک شخص نے کہا تھا جیسا کہ تم نے چھینک کے بعد کہا، تو حضرت نے بھی ایسا کہا جیسا کہ میں نے کہا، تب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ محل سلام کہنے کا نہیں ہے ھکذا فی الترمذی وابی داود والمشکوۃ وغیرھا من کتب الحدیث۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے، کہ عبد اللہ بن عمرؓ کے پاس ایک شخص نے چھینک لی بعدہ اس نے کہا الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ تو عبد اللہ بن عمرؓ نے فرمایا، ہم بھی یہی کہتے ہیں، کہ سب تعریف[1] اللہ پاک کو ہے، اور درود و رسول پر ہے، ولیکن یہ محل درود وغیرہ کا نہیں ہے، جس طرح حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کی ہے یعنی الحمد للہ کہنا چاہیے ویسا ہی کرو، اور یہ اس محل پر ہم کو حضرت نے تعلیم نہیں کیا، کذا فی المشکوۃ

اب ارباب فطانت پر مخفی نہ رہے، کہ معاذ اللہ کچھ محمد رسول اللہ کا انکار نہیں ہے ولیکن غرض یہ ہے، کہ اس کا یہ محل نہیں ہے، اس محل میں ادعیہ واذکار جو وارد ہیں، ان کا کہنا چاہیے اور شیخ عبد الحق حنفی دہلوی نے بھی یہی لکھا ہے، کہ محمد رسول اللہ کا یہ محل و موقعہ نہیں ہے، کہنا نادرست ہے، کذا فی اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ للشیخ عبد الحق دہلوی، انتہی۔

اب معلوم کرنا چاہیے، کہ مسنون طریقہ بعد اذان کے یہ ہے، اول تو جس طرح مؤذن کہے اللہ اکبر تو سننے والا بھی اسی طرح کہے، جب مؤذن اشھد ان لا الہ الا اللہ کہے، تو وہ بھی یوں ہی کہے، جب مؤذن اشھد ان محمدا رسول اللہ کہے تو سننے والا بھی اشھد ان محمدا رسول اللہ کہے اور انگوٹھے وغیرہ نہ چومے، کیونکہ یہ بدعت ہے، کما مر، اور جب مؤذن حی علی الصلوۃ کہے، تو سننے والا لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہے، اور جب مؤذن حی علی الفلاح کہے، تو سننے والا کہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، اور بعض بوقت سننے ان ہر دو کلمہ کے یعنی حی علی الصلوۃ وحی علی الفلاح کہتے ہیں ما شاء اللہ کان وما لم یشاء لم یکن یہ نادرست اور بے اصل بات ہے، ھکذا فی شرح الشیخ عبد الحق حنفی الدہلوی، اور جب مؤذن اللہ اکبر کہے، تو سننے والا بھی اللہ اکبر کہے، اور جب مؤذن کہے لا الہ الا اللہ تو سننے والا بھی

[1] سب تعریف اللہ کے لئے اور رسول اللہ پر سلام ہو۔

لا الٰہ الا اللہ کہے، بس اور محمد رسول اللہ نہ ملاوے، کیونکہ یہ محل نہیں ہے، بلکہ بدعت ہے، افسوس جہالت نے ایسا زور پکڑا ہے، کہ جو حق بات ہے، وہ نا حق اور باطل معدود کی جاتی ہے، اور جو بات باطل اور بے اصل ہے، وہ مروج اور دائرہ حق میں شمار کی جاتی ہے، سچ فرمایا ہے، رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے، کہ جب سنت کی جگہ بدعت اور بے اصل بات قائم کی جاوے، تو سنت تو نیست و نابود ہو جاتی ہے، اور بے اصل بات گڑ اور جم جاتی ہے، کذا فی المشکوٰۃ، حقیقت میں یہی حال ہے، کہ سنت متروک اور بدعت مروج ہو رہی ہے، اور جب تکبیر میں قد قامت الصلوٰۃ (نماز کھڑی ہو گئی) کہے تو سننے والا اقامھا اللہ وادامھا (اللہ اسے کھڑا رکھے اور ہمیشہ رکھے) کہے، اور کچھ نہ کہے، اور باقی کلمات کا جواب جیسا اوپر مذکور ہوا ویسا ہی کہے، اور جب مؤذن الصلوٰۃ خیر من النوم (نماز سونے سے بہتر ہے) کہے، تو سننے والا بھی الصلوٰۃ خیر من النوم کہے، اور کچھ نہ کہے یعنی صدقت وبررت وغیرہ نہ کہے، کیونکہ اس کا ثبوت حدیث میں نہیں ہے، پس بعد فراغت جواب مؤذن درود شریف اور مذکورہ بالا دعا پڑھے، اور اپنے یا غیر کے لئے جو دعا مانگے قبول ہو گی، یہ مسنون طریقہ ہے، باقی بدعت ہے فقط واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب حررہ العاجز ابو محمد عبد الوہاب الفنجابی الجھنگوی ثم الملتانی نزیل الدہلی تجاوز اللہ عن ذنبہ الخفی والجلی فی اواخر شہر المحرم ۱۳۰۶ھ

سید محمد نذیر حسین	سید محمد عبد السلام غفرلہ ۱۲۹۹	ابو محمد عبد الحق لودیانوی
خادم شریعت رسول الاداب ابو محمد عبد الوہاب ۱۳۰۰	عبد الجبار بن عبد العلی	عبد الجبار حیدرآبادی
		عبد الرؤف

سوال: چہ می فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ بماہ محرم الحرام شہادت حسنین علیہما السلام حسب روایات کتاب سر الشہادتین روز عاشورا یا غیر آن بیان کردن جائز است یا نہ، و شنیدہ می شود کہ علمائے اعلام از دہلی تا لکھنؤ در عشرہ محرم بیان شہادت امامین ہمامین را معمول خود می دارند و جناب مولانا مرزا حسن علی صاحب محدث علیہ الرحمۃ کہ از اجل تلامذہ مولانا شاہ عبد العزیز صاحب قدس سرہ بودند در عشرہ

سوال: محرم کے دنوں میں شہادت حسنین کا تذکرہ کرنا حسب روایت "سر الشہادتین" جائز ہے یا نہیں کہتے ہیں کہ دہلی سے لکھنؤ تک کے تمام اکابر علماء امامین کی شہادت کے تذکرہ کو اپنا معمول بنائے ہوئے ہیں اور مرزا حسن علی

محرم شہادت حسنین علیہما السلام را ہم بیان می فرمودند و بعضے از اہل علم بیان شہادت را حرام می دانند و بقول ابن حجر مکی کہ در صواعق محرقہ است تمسک می نمایند عبارتہ ھکذا عن الغزالی وغیرہ یحرم علی الواعظ وغیرہ روایۃ قتل الحسین والحسن وما جری بین الصحابۃ من التشاجر والتخاصم فانہ یھیج الی بغض الصحابۃ والطعن فیھم و قول مولوی اسمٰعیل شہید مرحوم کہ در صراط المستقیم افادہ فرمودہ اند ہم سند می آرند خلاصہ این است کہ چون حسنین علیہما السلام برتبہ شہادت فائز شدند داخل جنت گشتند پس محل سرور است نہ محل غم، و اگر اقربائے شما در چنین مصائب مبتلا شدہ باشند و کسے آن مصائب را پیش شما بیان کند ہرگز شنیدن آن مصائب را جائز نمیدارید، و مبین آن را از دائرہ محبت خارج می شمارید، پس چیزے کہ در حق اقربائے خود جائز نمیدارید، در حق امام علیہ السلام چگونہ تجویز مے کنید۔ انتہے بمضمونہ ملخصًا، و نیز می گویند کہ کتاب سر الشہادتین از شاہ عبد العزیز صاحب نیست، کدامی شیعہ تصنیف کردہ بنام شاہ صاحب مشتہر ساختہ، جواب ہر سوال مفصلًا و مشرحًا ارشاد شود، بینوا توجروا۔

الجواب: ۔ در صورت مرقومہ راجح در قصہ کربلا امتناع و حرمت است چنانکہ صاحب صواعق و مولوی محمد اسمٰعیل شہید مرحوم افادہ فرمودہ اند، و نیز جناب شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ در قول جمیل ارشاد نمودہ عبارتہ ھکذا ارد بیانی سنن ابن ماجہ وغیرہ ان القصص لم تکن فی زمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و لا فی

بھی جو شاہ عبد العزیز دہلوی کے اجل تلامذہ سے ہیں، محرم میں شہادت کا تذکرہ کرتے ہیں، اور بعض اہل علم اس کو ناجائز بتاتے ہیں، جیسا کہ علامہ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں امام غزالی سے نقل کیا ہے، کیونکہ اس سے صحابہ میں لڑائی جھگڑا سنا جاتا ہے، اور صحابہ کے متعلق دل میں حسن ظن نہیں رہتا، اور شاہ شہید نے صراط المستقیم میں لکھا ہے، کہ وہ امام تو شہید ہو کر جنت میں چلے گئے، یہ خوشی کی بات ہے، نہ کہ رونے پیٹنے کی، اور اگر کوئی آدمی کسی شخص کو اس کے اقارب کی دردناک داستان سنائے، اور دونوں کو بتلائے، کہ اس کو دشمنوں نے اس طرح مارا، تو وہ اس سے ناخوش ہوگا پھر اماموں کے متعلق اس کو کیوں جائز رکھا جائے، اور کتاب سر الشہادتین کہتے ہیں کہ شاہ عبد العزیز کی نہیں ہے، بلکہ کسی شیعہ کی تصنیف ہے، جواب مفصل عنایت فرمائیں

الجواب: ۔ صورت مرقومہ میں بہتر یہی ہے، کہ کربلا کے واقعہ کو نہ بیان کیا جائے، جیسا کہ صاحب صواعق اور شاہ اسمٰعیل شہید نے لکھا ہے، اور شاہ ولی اللہ صاحب نے قول الجمیل میں لکھا ہے، کہ قصہ گوئی کی رسم رسول اللہ

زمان ابی بکر وعمر رض و روینا ان الصحابۃ کانوا یخرجون القصاص من المساجد فعلمنا ان القصص غیر موعظۃ وانہ مذموم وانہا محمودۃ واما الآفات التی تعتری الوعاظ فی زماننا فمنہا عدم تمیزھم بین الموضوعات وغیرھا بل غالب کلامھم الموضوعات والمحرفات وذکرھم الصلوات والدعوات التی عدھا المحدثون من الموضوعات ومنہا قصصھم قصتہ کربلا والوفات وغیرذلک وخطبھم انتہی ما فی القول الجمیل۔

فی الواقع ذکر قصہ کربلا و وفات ایشان رضی اللہ تعالےٰ عنہم موجب آفات از ارتکاب امور منہی عنہا مانند نوحہ وشیون وماتم وشور گریہ وزاری وفغان وبے قراری دران لازم مے آید وشائع است کہ بیان این قصہ لامحالہ مودی بسوئے امور منکر مذکورہ مے شود وقاعدہ مطردہ فقہا ر کہ ما یودی الی ما لا یجوز لا یجوز مقتضی وباعث بر منع آن ست کما لایخفی علی المتامل المنصف، وازین سبب بیان این قصہ با وجود فرط محبت باہل بیت نبوت در قرون ثلاثہ درمیان سلف اخیار وعلمائے ثقات متبعان آثار سید الابرار رواج نیافتہ آری استرجاع ودعائے خیر از ایشان رحمہم اللہ تعالےٰ البتہ مروی شدہ کما لا یخفی علی الماہر بالاخبار قال الشیخ شہاب الدین بن حجر الھیثمی المکی فی الصواعق المحرقۃ اعلم ان ما صیب بہ الحسین رضی اللہ عنہ فی عاشورا انما ھو الشہادۃ الدالۃ علی مزید خطوتہ ورفعۃ درجتہ عند ربہ والحاقہ بدرجات اھل بیت الطاھرین فمن ذکر ذلک الیوم مصابہ لا ینبغی ان یشتغل الا بالاسترجاع امتثالا للامر احرازا لما رتبہ اللہ تعالیٰ بقولہ اولئک علیہم صلوات من

صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین کے زمانہ میں نہ تھی بعد میں اگر کوئی قصہ گو آیا تو اس کو مسجد سے نکال دیا گیا، قصہ گوئی وعظ نہیں ہے یہ اچھی بھی ہو سکتی ہے اور بری بھی، وہ آفات جو آج کل واعظوں کو پیش آتی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اکثر موضوع اور محرف روایات بیان کرتے ہیں، اور ان کی وہ صلوات ودعوات کہ جن کو محدثین نے موضوعات سے شمار کیا ہے، انہی میں سے کربلا کا واقعہ اور میلاد خوانی کی روایات ہیں۔

اور پھر کربلا کے واقعہ کے ضمن میں کئی ناجائز امور کا ارتکاب ہوتا ہے مثلاً نوحہ شیون سینہ کوبی وغیرہ جو کہ قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں باوجود محبت اہل بیت کے نہیں تھے ہاں ان کے لئے دعائے مغفرت کرنا چاہیئے اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنا چاہیئے جیسا کہ صواعق محرقہ کی عبارت سے واضح ہے، اور پھر اگر کوئی یہ اچھا کام ہوتا

بہم ورحمۃ واولئك هم المهتدون ولا يشتغل ببدع الرافضة ونحوهم من الندب والنياحة والحزن اذ ليس ذلك من اخلاق المؤمنين والا لكان يوم وفات رسول الله صلى الله عليه وسلم اولى بذلك واحرى او ببدع الناصبة المتعصبين على اهل البيت او الجهال المتقابلين للفاسد بالفاسد والبدعة بالبدعة والشر بالشر من اظهار غاية الفرح والسرور واتخاذه عيدا واظهار الزينة فيه الى آخر ما ذكره الشيخ عبد الحق المحدث الدهلوی رحمه الله فيما ثبت من السنة في ايام السنة۔

و سر الشہادتین بالاریب از تصنیفات جناب مولانا شاہ عبد العزیز قدس سرہ است، و امور غامضہ کہ منتہیان ازان فائدہ گیرند و عبرت پذیرند باعث تصنیف آن بودہ است نہ برائے عوام، کہ از فہم بعض مطالب آن عاری مستندچہ فہم مطالب مخصوص بقوم دون قوم است پس بیانش روبروئے عوام بجز تحریض بر محذورات امرے دیگر متصور نیست، و فقہا می نویسند ضرر العام مقدم علی ضرر الخاص، درین صورت بیان قصہ کربلا کہ ہیچ بر نوحہ و ماتم و اہانت و ذلت اہل بیت باشد بہ نسبت عوام کالانعام ممنوع بلا شبہ خواہد بود، ازین جہت امام غزالی در بعض تصانیف خود بیان قصہ کربلا را از منہیات شمردہ، واللہ اعلم بالصواب، حررہ سید محمد نذیر حسین

سید محمد نذیر حسین

سوال: چہ می فرمایند علمائے محققین اہل سنت کہ نظر در کتاب و سنت غائر میدارند، درین باب کہ شیعہ بر اہل سنت اعتراض می کنند کہ ایشان روز تولد و وفات نبی و عرس بزرگان را ہر سال موجب سرور و حزن گردانیدہ اند و از اتخاذ خوشی عید غدیر و عید

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن ماتم و نوحہ ہوتا، نہ تو رافضیوں کی طرح ان دنوں میں نوحہ شیون ہونا چاہیے اور نہ ہی خارجیوں کی طرح اس دن خوشی کا اظہار کرنا چاہیے۔

اور سر الشہادتین واقعی شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے، اس میں منتہی لوگوں کے فائدہ کے لئے ہدایات لکھی گئی ہیں، عوام اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ اور عوام کو اس کا مطالعہ بھی نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ان کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے، امام غزالی نے اپنی تصنیفات میں اسی لئے کربلا کے قصہ کو منہیات سے شمار کیا ہے، کہ اس سے عوام پر برا اثر پڑتا ہے ۱۲

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے محققین کہ شیعہ لوگ اہل سنت پر اعتراض کرتے ہیں، کہ تم نبی کی وفات اور بزرگوں

بابا شجاع الدین داریاتم دگریہ وزاری درشہادت امام حسین رضی اللہ عنہ روز عاشورا بر ما طعن و خندہ می کنند حالانکہ در اتخاذ عید و سرور و حزن روز تولد و وفات نبی و عرس بزرگے و ماتم ہر سال روز عاشورا لشہادت امام حسین رض و عید غدیر اصلا فرق نیست، و دیگر این کہ بر تصویر قبور ما این ہم خندہ می کنند واز وہمیات میدانند، بنا بر آنکہ صورت چیزے را حکم آن چیز دادن از وہمیات است، وخود اہل سنت صورت شے را حکم ذی صورت میدہند کہ تصویر نعل را موجب برکت و دفع شر و بلا می دانند، لہذا استفسار از حل این شبہ کردہ می شود، کہ اعتراض ایشان دور شود، وحقیقت این بخوبی واضح گردد،

الجواب:۔ در صورت مرقومہ اعتراض شیعہ بر اہل سنت محض بے جا است و دفع این شبہ از تحفہ اثنا عشریہ مولانا شاہ عبد العزیز قدس سرہ در باب یازدہم در خواص مذہب شیعہ در نوع پانزدہم بخوبی نوشتہ اند، کہ ازان احوال طرفین سنی و شیعہ بوجہ اتم معلوم خواہد شد، و عبارت تحفہ این است

نوع پانزدہم امثال متجددہ را یک چیز بعینہ دانستن واین وہم خیلے بر ضعیف العقلاں غلبہ دارد حتی کہ آب دریا و شعلہ چراغ و آب فوارہ را اکثر اشخاص یک آب و یک شعلہ خیال کنند و اکثر شیعہ در عادات خود منہمک این خیال اند مثلا روز عاشورا در ہر سال کہ بیاید آن را روز شہادت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ گمان برند و احکام ماتم و نوحہ و شیون و گریہ و زاری و فغان و بے قراری آغاز نہند مثل زنان کہ ہر سال بر میت خود این عمل نمایند، حالانکہ

کے عرس کو سال بسال باعث سرور وحزن سمجھتے ہو، اور ہم پر عید غدیر اور عید با شجاع الدین اور محرم میں امام حسین کے ماتم کی وجہ سے ہم پر اعتراض کرتے ہو، حالانکہ تمہارے اور ہمارے عمل میں کوئی فرق نہیں، اور ہم پر امام حسین رضی اللہ عنہ کے تعزیہ کی وجہ سے اعتراض کرتے ہو اور اس کو وہمی چیز بتلاتے ہو، اور نعل کی تصویر کو موجب برکت سمجھتے ہو تمہارا ہمارا کیا فرق ہے اس کو حل فرمائیں؟

الجواب:۔ شیعہ کا اعتراض ہم پر محض بے جا ہے، شاہ عبد العزیز قدس سرہ نے تحفہ اثنا عشریہ کے گیارہویں باب میں خواص مذہب شیعہ کی پندرہویں شق کے تحت لکھا ہے، کہ تصاویر کو بعینہ ایک چیز سمجھنا اور یہ وہم بہت سے بے وقوفوں پر مسلط ہے، کہ وہ دریا یا فوارہ کے پانی اور چراغ کے شعلہ کی تصویر کو واقعی پانی یا آگ سمجھنے لگتے ہیں، شیعہ ایسی ہی عادات میں مبتلا ہیں، وہ عاشورا کے روز کو سال بسال امام حسین کی شہادت کا دن سمجھ کر ماتم و نوحہ و شیون کرتے ہیں، جیسے کہ جاہل عورتیں اپنے عزیزوں کی موت پر سال بسال نوحہ کرتی ہیں،

عقل بابلاہت می داند کہ زمان امر سیال غیر قار است ہرگز جز او ثبات و قرار ندارد و اعادہ معدوم محال و شہادت حضرت امام در روزے شدہ بود کہ این روز از آن روز فاصلہ ہزار و دو صد سال دارد، و این روز بآن روز چہ اتحاد و کدام مناسبت در روز عید الفطر و عید النحر را برین قیاس نباید کرد، کہ درین جا مایہ سرور و شادی سال بسال متجدد است یعنی ادائے روزہ رمضان و ادائے حج خانہ کعبہ کہ شکر النعمۃ المتجددہ سال بسال فرحت و سرور نو پیدا می شود، و لہذا اعیاد شرائع برین وہم فاسد نیامدہ، بلکہ اکثر عقلا نوروز و مہرجان و امثال این تجددات و تغیرات آسمانی را عید گرفتہ اند کہ ہر سال چیزے نو پیدا می شود، و موجب تجدد احکام مے باشد و علی ہذا القیاس تعید بعید بابا شجاع الدین و تعید بعید غدیر و امثال ذلک مبنی برہمیں وہم فاسد است، ازین جا معلوم شد کہ روز نزول آیت الیوم اکملت لکم دینکم و روز نزول وحی و شب معراج را چرا در شرع عید قرار ندادہ اند، و عید الفطر را و عید النحر را قرار دادہ اند، و روز تولد و وفات ہیچ نبی را عید نہ گردانیدند، و چرا صوم یوم عاشورا کہ سال اول بموافقت یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بجا آوردہ بودند منسوخ شد، درین ہمہ ہمیں سر است کہ وہم را دخلے نباشد، بدون تجدد نعمت حقیقت سرور و فرحت نمودن یا غم و ماتم کردن خلاف عقل خالص از شوائب وہم است، نوع شانزدہم صورت چیزے را حکم آن چیز دادن و این وہم اکثر را بہ بت پرستاں زدہ، و

ان کو اتنا بھی معلوم نہیں ہوتا، کہ زمانہ گذرنے والا وقت ہے، جو وقت نکل چکا ہے، وہ کبھی واپس نہیں آتا، اور امام حسین کو شہید ہوئے آج بارہ سو سال گذر رہے ہیں، پھر آج کا دن اس دن سے کیا نسبت رکھتا ہے؟ اگر اعتراض کیا جائے، کہ عید کا دن سال بسال کیوں منایا جاتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے، کہ ہر سال اللہ تعالےٰ کی نعمت کے شکریہ کے طور پر سال بسال عید منائی جاتی ہے، کیونکہ ہر سال حج و قربانی اور رمضان شریف کے روزے رکھے جاتے ہیں، یعنی یہاں سبب خوشی ہر سال نیا ہو جاتا ہے، اور امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے روز ہر سال نیا سبب پیدا نہیں ہوتا، اور جو لوگ ہر سال مہرجان اور نوروز کی عیدیں منایا کرتے تھے ان میں بھی نیا سبب ہوتا تھا، کہ ہر سال نئے غلے پیدا ہوتے ہیں، اور ان کی عید بابا شجاع الدین اور عید غدیر بھی اسی وہم فاسد پر مبنی ہے۔ اس تقریر سے یہ بھی معلوم ہوا، کہ وحی کے نزول کے دن اور معراج کی رات کو شریعت نے کیوں عید قرار نہیں دیا، اور نہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات و پیدائش کے دنوں کو غم اور خوشی کا دن سمجھا گیا ہے، اور عیدین کے دنوں کو کیوں عید قرار دیا گیا ہے، اور عاشورا کے دن کا روزہ کیوں منسوخ ہو گیا۔

اور سولہویں شق یہ ہے، کہ وہ ایک تصویر کو اصل حقیقت سمجھتے ہیں، چھوٹے بچے بھی اس وہم میں مبتلا ہوتے ہیں،

آنہارا در ضلالت افگندہ، و اطفال خورد سال نیز درین وہم بسیار گرفتار می باشند اسپان و سلاح و دیگر چیز ہارا از چوب و گل ساختہ خورسند می شوند، و حقیقت اسپ و سلاح انگارند و دختران خورد سال و پسران و دختران از جا مہائے منقش ملون ساختہ باہم نکاح آنہا مے کنند و شادی می نمایند، و در شیعہ این وہم خیلے غلبہ کردہ قبور حضرت امامین و حضرت امیر و حضرت زہراؓ را تصویر کنند و بگمان آنکہ این قبور حقیقۃ قبور مجمع النور آن بزرگوار آن است تعظیم وافر نمایند بلکہ نوبت بسجدات رسانند و فاتحہ خوانند و سلام و درود رسانند و مگس رانند و منقش و مزیب گرفتہ گرداگرد استادہ شوند و برنگ مجاوران داد شرک دہند، و نزد عقل در حرکات طفلان و حرکات این پیران نابالغ ہیچ تفاوت نیست، انتہی کلام مولانا فی التحفۃ۔

پس از تقریر مولانا مرحوم صاف ہویدا گردید، کہ اگر روز تولد و وفات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم در شرع شریف سبب سرور و خوشی و عید یا ماتم قرار دادہ شد، کہ مانند روز عید اہتمام در انعقاد مجلس آن کردہ شود، لہٰذا این عقد مجلس بہیئت کذائیہ مرسومہ حال از صحابہ کبار و تابعین و ائمہ مجتہدین کہ باتباع شریعت و محبت آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جان بازی می فرمودند منقول نشدہ و مروج نیافت و ہم چنین تعظیم کردن تصویر نعال و موجب برکات و دفع بلیات دانستن آن را از صحابہ اخیار و ائمہ مجتہدین بروایت معتبرہ ثابت نشدہ، کہ مورد طعن شیعہ گردد، زیرا کہ اہل سنت و ائمہ دین کہ اولو الامر در دین بودہ اند این کار نہ کردند، و رواج ندادند کہ طعن و اعتراض شیعہ بر ایشان عاید گردد، و ہر گاہے کہ صورت چیزے را حکم آن چیز دادن از وہمیات شمردند تصویر نعال نیز ازین قسم البتہ خواہد شد یعنی از جملہ وہمیات فاسدہ شمردہ خواہد شد، و برین تقریر شبہہ و اعتراض

کہ مٹی کے گھوڑے بنا کر ان کو اصل سمجھ کر خوش ہوتے ہیں، اور کپڑوں کی گڑیاں بنا کر ان کی شادی کرتے ہیں، اور خوشی مناتے ہیں اور شیعہ وہمیات میں حد سے زیادہ مبتلا ہیں، وہ امامین و حضرت علی و حضرت فاطمہ رضؓ کی قبروں کی تصویریں بنالیے ہیں اور ان کو اصلی قبریں قرار دے کر ان کی تعظیم کرتے ہیں، سجدہ میں گرتے ہیں ان سے مکھیاں اڑاتے ہیں، اور مشرکوں کی طرح عقر ک کی داد دیتے ہیں، ان نابالغ پیروں اور چھوٹے بچوں میں کیا فرق ہے؟

شاہ صاحب کی تقریر سے معلوم ہو گیا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش یا وفات کے دن کو کیوں غمی اور خوشی کا دن مقرر نہیں کیا گیا، یہی وجہ ہے، کہ متقدمین سلف صالحین ان مجالس کو کیوں منعقد نہیں کیا کرتے تھے، حالانکہ وہ آپ پر جان قربان کرتے تھے، اور نعل کی تعظیم بھی سلف صالحین سے ثابت نہیں ہے کہ شیعہ ہم پر اعتراض کریں، کیونکہ اہل سنت کے مقتدا اور ائمہ نے ایسا نہ کیا، اور جب ہم تصویر کو وہمیات سے سمجھتے ہیں تو اس صورت میں شیعہ کا اعتراض

شیعہ بر اہل سنت وارد نہ شود، و بر اتخاذ عرس بزرگان ہر سال نیز شبہ شیعہ بر ائمہ مجتہدین و مقتدائے دین اہل سلف متوجہ نخواہد شد کہ ایشان این را تجویز نہ فرمودند واز اتخاذ بعضے سنی کہ از جملہ اولوالامر و پیشوائے دین واہل اجتہاد نیستند، درین زمان کہ عقد نمودن مجلس عرس را از جملہ واجبات شرعیہ میدانند، و بر عدم فاعل آن انکار مثل ترک واجب می شمارند، البتہ اعتراض وارد می شود بر ایشان، پس از ورود اعتراض بر ایشان بر علماء و مجتہدین کہ مدار کار دین بر تدوین کتب ایشان است، این اعتراض عاید نہ گردد، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ احکم، الراقم سید محمد نذیر حسین

سید محمد نذیر حسین | انوار کش علی | از اکرام علی معروف شد مفتی رحمت علی ۱۲۲۷

صحت جواب ظاہر است، کہ درین صورت اعتراض بر ائمہ دین وارد نیست فقط

شد محبوب علی جعفری ۱۲۴۳

سوال:۔ چہ می فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین بحق کسانے کہ دعویٰ اہل سنت و جماعت نمودہ محبت حضرت حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما را وسیلہ گردانیدہ در عشرہ ماہ محرم شیوہ تعزیہ پرستی کنند باین طور کہ بشب تاریخ پنجم دو مشت گل از جائے آوردہ او را نعش حضرت حسنین رض قرار دادہ با تعظیم و تکریم و حفاظت تمام بالائے چبوترہ نہادہ ہر روز بآن گل مذکور چیزہائے مثل شربت و مالیدہ و شیرینی وغیرہ فاتحہ مے کنند و آن گل را باعث نجات و برار مطالب دنیا و عقبی خود دانستہ پیش آن سجدہ می نمایند و استدعائے مال و دولت و اولاد وغیرہ از آن می نمایند و بشب ہفتم با طہارت تمام دستار بستہ بر آن دستار سہرہ و حمائل گل نہادہ بر چوکی کہ ہر دو طرف شکل دست می باشد با عزت و اکرام می نہند و بشب

ہم پر کیسے اعتراض ہو سکتا ہے، باقی جو لوگ بزرگوں کے عرس کرتے ہیں، نہ ہمارے عقیدہ کے آدمی ہیں، نہ ہم ان کو اچھے آدمی جانتے ہیں شیعہ ان پر جا کر اعتراض کریں، ہم پر اعتراض کرنے کا ان کو کوئی حق نہیں۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین، کہ بعض آدمی اہل سنت ہونے کا دعوے کرتے ہیں اور امام حسین رضہ کی محبت کو وسیلہ بنا کر عشرہ محرم میں تعزیہ پرستی کرتے ہیں اس کی کیفیت اس طرح ہے، کہ پانچویں محرم کو کہیں سے دو مشت خاک لے آتے ہیں، اور اس کو امام حسین کی لاش قرار دے کر اس کی تعظیم کرتے ہیں، اور چبوترہ پر رکھتے ہیں پھر ہر روز اس پر شربت فالودہ مٹھائی وغیرہ کے چڑھاوے چڑھاتے ہیں، اس مٹی کو باعث نجات و مطلب براری سمجھتے ہوئے سجدہ کرتے ہیں، اور اس سے مال و دولت و اولاد وغیرہ مانگتے ہیں، پھر ساتویں رات کو طہارت کرتے ہیں ایک پگڑی

وبشب ہشتم آن چوکی را مع دستار و شکل پر سر برداشتہ با دہل و تاشہ ماتم کنان و سینہ کوبان
وہائے حسین گویان کوچہ بکوچہ می گردانند، وبشب نہم آن دومشت گل را اول مثل میت کفن پوشانیدہ
بقبریکہ اندرون تعزیہ تیار می کنند مع دستار وسہرہ ومقنعہ داشتہ باجماع کثیر بالبسیارے
گریہ وزاری وہائے حسین گویان و سینہ زنان و مرثیہ خوانان برائے گشت می برند ویک کس
باادب و تعظیم تمام مورچھل کنان پس تعزیہ می رود، وبروز دہم بوقت برآمدن قریب یک ونیم پاس
روز آن گل کفن اندودہ را مع ساز وسامان بطریق ماتم زدگان باشور وشیون در کربلائے معہودہ
خود ہا بردہ وقبر کندیدہ مع سہرہ وغیرہ دفن می کنند، وبعد دفن بران قبر ہا پان ونان وشیرینی کہ ہمراہ
بطریق توشہ می برند، فاتحہ می کنند، وبوقت شام چراغان برآن قبر ہا روشن می نمایند وبحق کسانیکہ
ضریح از چوب وارزیز وطلا ونقرہ علی قدر استعداد خود ہا بہ تصویر روضہ مقدسہ حضرت حسنین
رضی اللہ تعالےٰ عنہما تیار کردہ بخانہ خود ہا بجائے پاکیزہ محفوظ میدارند، وبحسب اعتقادیکہ مذکور
گردید پرستش آن می نمایند، وبعضے علم شبیہ دست مبارک ساختہ با ضریح بستہ وبشب
ہفتم علم را از ضریح جدا کردہ برائے گشت می برند، وبروز دہم علم مذکور در کربلا بردہ سہرہ وحمائل گل کہ
بعلم می باشد قبر کندیدہ دفن می سازند، ورسومات فاتحہ وغیرہ قسمیکہ نوشتہ شد می نمایند
وبحق کسانیکہ از ابتدائے شب رویت ماہ عشرہ محرم مجلسے از شیشہ آلات وفروش مکلف

باندھتے ہیں، اور اس پر پھولوں کا سہرہ لٹکاتے ہیں، اور ایک چوکی پر جس کی دونوں طرف ہاتھ کی شکل کا پنجہ بنا ہوتا ہے دستار
بڑی عزت سے رکھ دیتے ہیں، آٹھویں رات کو اس چوکی کو مع دستار کے سر پر اٹھا لیتے ہیں، ڈھول بجتا ہے، اور
ماتم و سینہ کوبی کرتے ہوئے گلی کوچوں میں پھرتے ہیں، اور نویں رات کو اس دو مشت خاک کو کفن پہنا کر اس قبر میں جو
تعزیہ کے اندر بنی ہوتی ہے، دفن کر دیتے ہیں، اور پھر اس کو کندھوں پر اٹھا کر گریہ وزاری اور سینہ کوبی کرتے ہوئے
ہائے حسین ہائے حسین کہتے ہوئے گشت کرتے ہیں، ایک آدمی تعزیہ کے پیچھے مورچھل کرتا جاتا ہے، اور دسویں تاریخ
کو چاشت کے وقت اس کفن میں لپٹی ہوئی مٹی کو مع ساز وسامان کے روتے پیٹتے اپنے بنائے ہوئے کربلا میں لے
جا کر دفن کر دیتے ہیں، اور اس کے بعد کچھ چیزیں پان وغیرہ جن کو اپنے ساتھ لے جاتے ہیں فاتحہ پڑھتے ہیں، اور شام کو اس قبر پر چراغ
جلاتے ہیں، اور ان لوگوں کے متعلق کیا حکم ہے، جو امام حسین رضی اللہ عنہ کی قبر کی شبیہ اپنی طاقت کے مطابق لکڑی، سونے
چاندی سے بناتے ہیں، اس کو اپنے گھروں میں نہایت تعظیم سے رکھتے ہیں، اس کی پوجا کرتے ہیں، بعضے ہاتھ وغیرہ کا
علم بنا کر قبر کے ساتھ باندھ دیتے ہیں، اور ساتویں رات علم کو تعزیہ سے جدا کر کے گشت کے لئے لے جاتے ہیں اور
دسویں دن علم مذکور کو سہرے وغیرہ پہنا کر تعزیہ کے ساتھ قبر میں دفن کر دیتے ہیں، اور ایسے لوگوں کے متعلق کیا حکم ہے

بازیب و تکلفات ترتیب دادہ و مردمان کثیر راجمع کردہ مرثیہ و نوحہ متضمن واقعات کربلا می خوانند و حالات ذلت مستورات مطہرات کہ از دست کوفیان و لشکر اعادہ دادہ و نیز چیزے از جانب خود ہا ابداع و اختراع کردہ بدان مجلس کہ جمعے کثیر مجتمع می باشند بآواز بلند بیان می کنند و حسین حسین کردہ باگریہ وزاری مثل ماتمیان سینہ زنی می کنند و بعدہ چیزے از قسم شیرینی و شربت فاتحہ نمودہ برحضار مجلس تقسیم می سازند این قسم تعزیہ پرستی نزد اہل سنت و جماعت جائز است یا شرک یا کفر یا گناہ صغیرہ و یا کبیرہ۔ بینوا توجروا

الجواب :۔ دعوی سنت و جماعت کسے را میرسد کہ استقامت بران طریقہ داشتہ باشد کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ ما انا علیہ واصحابی وارتکاب تعزیہ پرستی وساختن ضریح وعلم وغیرہ وآوردن از جائے گل وبالائے چبوترہ نہادہ نعش سبطین رسول الثقلین قرار دادن و تعظیم و تکریم آن نمودہ بران چیزہا ے مثل شربت و مالیدہ و شیرینی و گل و سہرہ داشتہ فاتحہ بران و درود خواندن واین امور مذکورہ را موجب نجات اخروی و وسیلہ ترقی درجات و انجاح مقاصد و برآمدن مطالب دنیوی دانستن و دیگر حرکات نامشروعہ نمودن مستلزم مخالفت و مشاقت جناب سید المرسلین و اتباع غیر سبیل مومنین و اعراض و تولی از طریقہ مسلمین است کہ موجب سخط خدا و مستحق دخول آتش جہنم است، چنانچہ خدا تعالیٰ در قرآن می فرماید، ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الہدی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولی ونصلہ جہنم وساءت مصیرا وقال البیضاوی الآیۃ تدل علی حرمۃ مخالفۃ الاجماع لانہ تعالیٰ رتب الوعید الشدید علی المشاقۃ واتباع غیر

جو محرم شروع ہوتے ہی پورے تکلفات سے کمروں کو آراستہ کرتے ہیں، آدمیوں کو بلا کر مرثیہ خوانی کرتے ہیں کربلا کے واقعات سناتے ہیں مستورات کی بے عزتی کی داستانیں بیان کرتے ہیں، اور ہائے حسین کہتے ہوئے ماتم کرتے ہیں پھر شیرینی تقسیم ہوتی ہے، کیا یہ لوگ اہل سنت والجماعت ہیں، اور کیا یہ کام جائز ہے، یا کفر اور شرک ہے، یا گناہ صغیرہ ہے یا کبیرہ، بینوا توجروا

الجواب :۔ اہل سنت والجماعت وہ آدمی ہو سکتا ہے جو نبی کریم اور صحابہ کرام کی راہ پر چلتا ہو، اور یہ تمام امور جو سوال میں مندرج ہیں نامشروع حرکات ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام اور ایمانداروں کی راہ یہ نہیں ہے، خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہیں، جہنم میں داخل ہونے کا سبب ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسول کی نافرمانی کرے، اور ایمانداروں کی راہ چھوڑ کر کوئی اور راستہ اختیار کرے تو جدھر جاتا ہے جائے، ہم اس کو جہنم میں

سبیل المؤمنین انتہی۔

دیگر ظاہر است، کہ این چنین مردمان در دعوے سنی بودن خود کاذب و مفتری مستند و داخل در مضمون آیت یقولون بافواھھم مالیس فی قلوبھم در این امور اتباع سنت و پیروی اجماع امت سلف صالحین از صحابہ وتابعین ومجتہدین کجا است، بہر حال مرتکبان امور مذکورہ از شریعت غرا منحرف اند چہ ساختن تعزیہ وتربت ہا وغیرہ وخاک از جائے آوردہ پیش آن فاتحہ ودرود براآن خواندن از بدعت وضلالت وکفر وموجبات لعنت است و درحق مرتکب بدعت ضلالت وعید شدید وارد است، کہ صوم وصلوٰۃ وحج وزکوٰۃ ودیگر عبادات او مقبول نمی شود عن حذیفۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقبل اللہ لصاحب بدعۃ صوما ولا صلوٰۃ ولا صدقۃ ولا حجۃ ولا عمرۃ ولا جھادا ولا صرفا ولا عدلا ویخرج من الاسلام کما یخرج الشعر من العجین کما رواہ ابن ماجہ، وہم چنین طبرانی بدین مضمون از ابن عباس رض وبزار از ثوبان روایت کردہ است،

وسجدہ بتذلل تام پیش تعزیہ کردن موجب شرک وعبادت غیر اللہ تعالےٰ است لہذا جناب مولانا شاہ عبد العزیز صاحب قدس سرہ در تفسیر عزیزی این را از شرک شمردہ اند عبارتہ ہکذا انبیاء ومرسلین را لوازم الوہیت از علم غیب وشنیدن فریاد ہر کس در ہر جا وقدرت بر جمیع مقدورات ثابت کنند وملائکہ وارواح انبیاء واولیاء را در پردہ صور تماثیل وقبور وتعزیہ ہا معبود سازند انتہی کلامہ مختصرا در پرستش وسجدہ کردن تعزیہ را از جملہ نصب وانصاب است قال اللہ تعالیٰ یاایہا الذین امنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون الآیۃ فالانصاب جمع نصب بضمتین او جمع نصب بالفتح والسکون وھو کل ما نصب وعبد من دون اللہ تعالیٰ من شجر او حجر او قبر

داخل کریں گے، اور وہ بدترین جگہ ہے" امام بیضاوی کہتے ہیں، کہ "اس آیت سے اجماع کی مخالفت کی حرمت معلوم ہوتی ہے" اور ایسے لوگ اہل سنت کا دعوی کرنے میں بالکل جھوٹے ہیں، شریعت مطہرہ کے دائرہ سے خارج ہیں ایسے لوگوں کی کوئی عبادت قبول نہ ہوگی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے" اللہ تعالیٰ بدعتی آدمی کا روزہ، نماز، صدقہ، حج، عمرہ جہاد، نفل اور فرض کچھ بھی قبول نہیں کرتے، اور وہ اسلام سے اس طرح نکل جاتا ہے جیسے آٹے سے بال" اس مضمون کی حدیث ابن ماجہ، بزار اور طبرانی میں آئی ہے، شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ نے ان امور کو اپنی تفسیر میں شرک کہا ہے اور تعزیہ کو سجدہ کرنا بت کو سجدہ کرنے کے برابر ہے، کیونکہ لغۃً ہر وہ چیز جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جائے نصب (بت) ہے

وغیر ذلک والواجب ھدم ذلک کلہ کذا فی مجالس الابرار وھو کل ما عبد من دون اللہ قالہ الجواھری ونصب بفتحتین رنج ورنج دیدن وبت وآنچہ برپائے کنند بہر پرستش کذا فی الرشیدی، پس پرستش تعزیہ منحوتہ ہم درین داخل است، کما لا یخفی علی المتأمل الماھر

ودر شرح مواقف نوشتہ کہ سجدہ کردن آفتاب را کفر است، پس می گویم در سجدہ آفتاب وتعزیہ ہیچ فرق نیست، برین معنے مسلمانان را واجب است کہ از سجدہ وپرستش تعزیہ منحوتہ اجتناب کنند، تا در کفر نیفتند، وثواب دانستن در تعزیہ داری از بدعت وضلالت است ازین نیز حذر واجب ولازم است، بہر حال ترک آن واجب است، وہر گاہے کہ تعزیہ داران از ممانعت ونہی ازان ناخوش شوند، وناہی ومانع را دور از صواب ودین دانند وبر تعزیہ داری اصرار نمایند وپرستش وسجدہ آں را نمایند ونماز وروزہ وحج وزکوٰۃ کہ حکم خدا ورسول است بالائے طاق نہند چگونہ در زمرہ اہل اسلام شمردہ شوند چہ جائے کہ از اہل سنت وجماعت معدود ومحسوب گردند، خدا تعالے ہدایت بخشد ایشان را۔ ودر ترمذی از ابی واقد لیثی مذکور است عن ابی واقد اللیثی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما خرج الی غزوۃ حنین مر بشجرۃ للمشرکین کانوا یعلقون علیھا اسلحتھم یقال لھا ذات انواط فقالوا یا رسول اللہ اجعل لنا ذات انواط کما لھم ذات انواط فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبحان اللہ ھذا کما قال قوم موسی اجعل لنا الھا کما لھم الھۃ والذی نفسی بیدہ لترکبن سنن من کان قبلکم رواہ الترمذی

پس تعزیہ داری از ایجاد ذات انواط کم نیست، بلکہ ازان بد است در معصیت کہ بسر حد کفر

صاحب مجالس الابرار اور جوہری نے اس کی تصریح کی ہے۔

شرح مواقف میں ہے، کہ سورج کو سجدہ کرنا کفر ہے، اب خود ہی سوچو تعزیہ اور سورج میں کیا فرق ہے؟ مسلمانوں کو ان امور بدعیہ سے پرہیز کرنا چاہیئے تاکہ صحیح مسلمان بن سکیں۔ ترمذی میں ابو واقد لیثی سے حدیث ہے، کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ حنین کو نکلے تو راستہ میں ایک درخت آیا، جس پر مشرک لوگ اپنی تلواریں لٹکایا کرتے تھے اس کو ذات انواط کہتے تھے۔ تو مسلموں نے کہا یا رسول اللہ ہمیں بھی ایک ذات انواط بنا دیں۔ تو آپ نے فرمایا سبحان اللہ یہ تو قوم موسیٰ کی سی بات ہوئی کہ انہوں نے موسیٰ سے درخواست کی تھی کہ ان کے خداؤں جیسا کوئی ہمیں بھی خدا بنا دیں، خدا کی قسم تم یہود ونصاریٰ کی ضرور پیروی کرو گے۔ پس تعزیہ داری بھی ذات انواط ہی کی ایک صورت ہے، کہ لوگ اس پر چڑھاوے

نیرسانند وسبب بربادی ایمان است درین نعوذ باللہ من ہذہ العقیدۃ الفاسدۃ
الغرض این ہمہ امور داخل انصاب اند کہ خدا تعالےٰ آن را رجس فرمودہ وانصاب عبارت از ما نصب للعبادۃ است، خواہ صنم باشد یا وثن یا دیگر مثل اشیاء مذکورہ در ما سبق، بلکہ ہر چیز جز خدا تعالےٰ تعظیم وتکریم وخضوع وتذلل از روئے عبادت کردہ شود، بران اطلاق انصاب کردہ خواہد شد، واگر آن را مساوی ذات وصفات واجب تعالےٰ اعتقاد نمودہ متصرف در امور ممکنات وقادر بر ہر شے ومنجح مطالب ومقاصد قرار دہد دران ہنگام اطلاق ندو شریک باری عز اسمہ کردہ شود بران ومرتکب آن را مشرک وکافر توان گفت، ودر مخاطبین قولہ تعالےٰ فلا تجعلوا للہ انداداً وانتم تعلمون داخل توان کرد۔
واگر قائلے گوید کہ اہل تعزیہ وضرائح وغیرہ بلکہ مشرکان عرب چیزے را کہ ساختہ عبادت من دون اللہ می نمودند، چگونہ انداد گفتہ شود، حالانکہ آن چیز را مساوی در ذات وصفات او تعالےٰ زعم نمی کردند، چہ جائیکہ مسلمانان این چنین خیال فاسد واعتقاد باطل چگونہ خواہند کرد ودر جلب نفع وضرر برخلاف ارادہ ومشیت سبحانہ تعالےٰ قادر ومختار چگونہ خواہند دانست، پس دفع آن این است کہ ہر گاہے کہ ایشان از تعظیم تبارک وتعالےٰ اعراض نمودند، وتوجہ کلی بتعظیم وتذلل تعزیہ نمودند، و افعالے کہ مختص بذات او تعالےٰ است، مثل اطلاع حال جمیع خلائق حاضر وناظر بودن وانجاح مطالب ومقاصد وبرآوردن حاجات در تعزیہ دانستند، وسجدہ کردن آن را مشابہت تمام با کسانے کہ در شان معبودان خود اعتقاد می دارند پیدا نمودند، زیرا کہ لوازم الوہیت تعزیہ را ثابت کردند، لامحالہ در زمرۂ ایشان داخل شدہ سزاوار خطاب فلا تجعلوا للہ انداداً وانتم تعلمون گشتند قال البیضاوی تحت ہذہ الایۃ وتسمیۃ ما یعبدہ المشرکون من دون اللہ انداداً وما زعموا انہا تساویہ فی ذاتہ وصفاتہ ولا انہا

چڑھاتے ہیں یہ لوگ پورے مشرک وکافر ہیں، کیونکہ انہوں نے خدا کے لئے شریک بنا دیئے جس کی مخالفت قرآن مجید کی آیت فلا تجعلوا للہ انداداً میں ہے ۱۲
اگر کوئی آدمی سوال کرے، کہ تعزیہ وضریح بلکہ مشرکوں کے بت وغیرہ کو بھی خدا کا شریک کیسے بنایا جا سکتا ہے، جب کہ وہ ان کو خدا کے برابر درجہ نہیں دیتے، بلکہ اس سے کم تر سمجھتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے، کہ جب اپنی توجہ ان چیزوں کی طرف کر لی گئی، اور ان سے اپنی حاجتیں مانگنے لگے، اور خدا کی درگاہ چھوڑ دی تو پھر خواہ زبانی برابری تسلیم نہ کریں، عملی برابری بلکہ اس سے بڑھ کر ان کو سمجھا جانے لگا تو ان پر مشرک کا لفظ صادق آنے لگا چنانچہ تفسیر بیضاوی میں بعینہٖ یہ مضمون بیان کیا گیا ہے،

تخالفہ فی افعالہ لانھم لما ترکوا عبادتہ الی عبادتہا وسموھا الھۃ فشابھت
حالھم حال من یعتقد انہا ذوات واجبۃ بالذات قادرۃ علی ان تدفع عنھم
باس اللہ وتمنحھم مالم یرد اللہ بھم من خیر فتھکم بھم وشنع علیھم بان
جعلوا للہ اندادا لمن یمتنع ان یکون لہ ند۔

وباید دانست کہ مدار کار ومناط شعار تعزیہ وگل پرستی غیر از اتباع ہوی امرے دیگر
متصور نمی شود چنانچہ جابر رض از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روایت می کند قال رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اخوف ما اتخوف علی امتی الھوی وطول الامل
فاما الھوی فیصد عن الحق واما طول الامل فینسی الاخرۃ الی اخر الحدیث
رواہ البیھقی فی شعب الایمان کذا فی المشکوۃ، واین قسم از اقسام الاشراک فی الحکم
است، کہ اطاعت حکم ہوی مساوی بلکہ در بعض مواضع فوق اطاعت حکم الٰہی دانستہ ترک
متابعت ہُدی می کنند ومطاوعت ہوی می سازند، وہر گاہے کہ سنگے در نظر ایشان
مستحسن می نماید مشغول ومبہوت بعبادتش می شوند، وگاہے دیگر شئے مثل تعزیہ وگل وغیرہ در
نظر ایشان جلوہ وظہور می دہد باستیلاء محبت او گرفتار گردیدہ عبادتش می کنند وچون علم الٰہی
ضلالت ایشان بدرجہ کمال می رسد وجوہر روح ایشان فاسد وتباہ می گردد، وادی بیابانے
خذلان وحیرانی آن را ساختہ مہر بر قوت سامعہ وقلب ایشان مے کند پس بعدم مبالات
وعظ ونصیحت وسبب تفکرات مبتلا می سازد وبر قوت باصرہ ایشان پردہ عمی وکوری انداختہ
عین استبصار را وچشم اعتبار را ممنوع النظر ومعدوم الاعتبار مے گرداند، چنانچہ در کلام معجز نظام
خود ارشاد می فرماید افرایت من اتخذ الھہ ھواہ واضلہ اللہ علی علم وختم
علی سمعہ وقلبہ وجعل علی بصرہ غشاوۃ فمن یھدیہ من بعد اللہ افلا
تذکرون۔

پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے، کہ یہ تعزیہ پرستی وغیرہ تمام امور اپنے نفس اور خواہشات نفسانی کی بنا پر کئے جاتے
ہیں اور ہوی پرستی بھی تو شرک ہے، اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں کیا وہ آدمی بھی دیکھا ہے، جس نے اپنی خواہش
کو اپنا خدا بنا رکھا ہے" اور حدیث شریف میں بھی آیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ مجھے اپنی امت
پر ہوائے نفس اور طول حرص کا خوف ہے، کیونکہ خواہش راہ حق سے روک دیتی ہے، اور لمبی امید آخرت کو بھلا دیتی ہے"
اور یہ اشراک فی الحکم کی قسم ہے، کہ جب کوئی چیز اچھی معلوم ہوئی تو اس کے سامنے جھک گئے،

وبعض کسان از چنین اعتقادات فاسدہ وتخیلات باطلہ بری وخالی الذہن میباشند ولیاختن تعزیہ وضرائح وعلم وغیرہ وبعض صرف مجالس انعقاد نمودہ طریقہ شیون وماتم ومرثیہ خوانی نہادہ محض رسم آباء واجداد خود دانستہ مرتکب اسراف وتضییع اموال می شوند، ودر عداد اخوان الشیاطین داخل می گردند، ودر شرع وارد شدہ کہ دعا واستغفار واسترجاع نمودن و صدقات بلاتخصیص ایام برائے شہدائے کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہم من الاموات موادن نافع دارین است وبکار بآواز بلند ونوحہ وضرب خدود وشق جیوب وسینہ کوبی وآہ وفغان وآنچہ واقعہ از اعداء اللہ روز شہادت حسین رضی اللہ عنہ باہل بیت شدہ، در بیان آن نہایت حقارت واہانت اہل بیت متصور می شود، چنانکہ جہال پورب در عشرہ محرم می کنند ہمہ ممنوع وحرام است، کہ دعوئے جاہلیت است، وآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ازین افعال واقوال جاہلیت بیزار ہستند، ومرتکبان این امور جاہلیت در وعید شدید داخل خواہند بود، چنانچہ در مشکوۃ شریف وغیرہ مذکور است، ونیز این شعار روافض جہال است، بہر حال ازین حذر باید۔

وبعض کسان این امور را مستحسن دانستہ متوقع ثواب جمیل واجر جزیل می شوند، این فرقہ مبتدع بدعت ضلالت مستحق وعید شدید کلام خیر الانام اہل البدع کلاب النار می شوند وبہ نیت ثواب تعزیہ وترتیب آن از بانس وکاغذ ترکیب دادہ فاتحہ ودرود می خوانند وزیارت آن می نمایند، ودر مواعید شدیدہ داخل می گردند، چنانچہ در برزخ سلمی از ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت می کند من زار بلا مزار فقد ضل وعن طریق آخر لعن اللہ من زار بلا مزار د فی روایۃ من زار سوحا بلا روح اخرجہ ابن ابی الدنیا واخرج الطبرانی والحکیم الترمذی من زار بلا مقبور فکانما عبد الصنم پس تعزیہ داران در وعید آیت کریمہ

ہاں بعض لوگ ان اعتقادات فاسدہ سے خالی الذہن ہوتے ہیں اور محض آبائی رسم سمجھتے ہوئے اس تعزیہ داری کی رسوم کو بجالاتے ہیں، اس صورت میں اسراف اور تضییع مال میں مبتلا ہوتے ہیں، یہ بھی تو شیطان کے بھائی ہیں، پس صحیح طریق صرف یہ ہے کہ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا جائے، ان کے لئے دعا مغفرت کی جائے، اور یا پھر کوئی صدقہ وغیرہ کر کے ان کو ثواب پہنچا دیا جائے، وہ بھی بلاتخصیص ایام، باقی رہا یہ سینہ کوبی اور نوحہ شیون وغیرہ، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے بالکل برخلاف ہے، اور یہ بانس وکاغذ وغیرہ سے تعزیہ بنانا، اور اس کی زیارت کرنا لعنت کا موجب ہے، حدیث میں آیا ہے "اللہ اس آدمی پر لعنت کرے جو کسی فرضی قبر کی جس میں کوئی مردہ دفن نہیں ہے، زیارت کرے"

افمن زین لہ سوء عملہ فرآہ حسنا شامل اند، خدا تعالے ہدایت کند ایشاں را کہ از تیہ ضلالت بیرون بودہ براہ سنت آیند و ہر کہ از سنت سنیہ وطریقہ صحابہ کرام وتابعین عظام ومجتہدین اعلام وغیرہم من علمائے دین رضی اللہ تعالے عنہم روگرداں شود، ورسم تعزیہ پرستی را کہ از بدعات شرکیہ است عمل آرد وپند ونصیحت ناصحاں از علماء نشنود بلکہ بیزار وغضباں گردد پس آں کس فارق الجماعت وخارج از دائرہ اسلام خواہد بود، چنانکہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ است عن ابی ذر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فارق الجماعۃ شبرا فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ رواہ احمد وابوداؤد دے بالجملہ تعزیہ پرستان ازیں افعال بدعیہ شرکیہ اجتناب نمودہ توبہ واستغفار نمایند وایصال ثواب از عبادات بدنیہ ومالیہ بارواح شہیدان کربلا کردہ باشند سعادت دارین دریں حاصل است ماعلینا الا البلاغ واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب

الراقم العاجز سید محمد نذیر حسین | سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱

سید احمد حسن ۱۲۸۹	سید شریف حسین ۱۲۸۹	بسم اللہ الرحمن الرحیم ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم محمد حسین قادری غفوری
محمد عنایت علی ۱۲۰	محمد اسحاق بہاری ۱۲۹	
حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ	محمد غلام اکبر خان محمدی السنی	

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر مسلمان کوئی میلہ کریں، جس کی مذہب میں کوئی اصل نہیں، جیسے تعزیہ داری، اور کافر نہ اس لحاظ سے کہ میلہ کی تخریب ہو، بلکہ اس لحاظ سے کہ مسلمانوں کو بحیثیت مذہب ہزیمت ہو مزاحم ہوں، تو ایسی صورت میں میلہ والے مسلمانوں کی شرکت دوسرے مسلمانوں کو جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: در صورت مرقومہ ارباب فطانت ودیانت پر مخفی نہیں، کہ مسلمانوں کو

پس ایسے لوگ جو محض اتباع ہوائے نفس کی بناء پر تعزیہ پرستی وغیرہ کریں اور سنت کی پرواہ نہ کریں، اہل سنت والجماعت بلکہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، جو جماعت سے ایک بالشت بھی علیحدہ ہو جائے، اس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے نکال دی" ایسے لوگوں کو شرک وبدعت چھوڑ کر توبہ واستغفار کرنی چاہیے، اور عبادات بدنیہ ومالیہ کا ثواب ان کو بخشنا چاہیے" تاکہ سعادت دارین حاصل کریں۔ واللہ اعلم ۱۲

بحیثیت مذہب مذہبیت جب ہو، کہ یہ میلہ تعزیہ داری کا مذہب و ملت کہا اور نے شعائر اسلام میں بھی داخل ہوتا، حالانکہ داخل نہیں، اور جب یہ میلہ مذکورہ داخل ہی نہیں ہوا، بلکہ یہ میلہ بعض وجہ سے میلہ فسقیہ ہے، اور بعض وجوہ سے میلہ شرکیہ ہے، تو اس صورت میں مسلمانوں کو من حیث مذہب دینی دملت یقینی کیونکر مذہبیت متصور ہوگی، یہ خیال خام بعض بلا یان نافرجام ہے، وقول رب العالمین یوحی بعضھم الی بعض زخرف القول غروراً[1] الآیۃ ان یتبعون الا الظن وان ھم الا یخرصون مناسب حال ومقال ملایان بدخصال کے ہے، پس فذرھم وما یفترون (ان کو اور ان کے بہتانوں کو چھوڑ دو) مشعر چال ڈھال ان کی کا ہے، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے، کہ میلہ تعزیہ داری کا میلہ فسقیہ ہے باعتبار اجتماع فساق تماشہ بین کے، اور یہ میلہ باعتبار بنانے والے اور تعظیم کرنے والے، اور تقرب لغیر اللہ چاہنے والے کے میلہ شرکیہ ہے، پس صورت اولیٰ میں تماشہ دیکھنا اور ان کے میلہ کا اور تماشہ دیکھنا تعزیہ کے میلہ کا دونوں برابر ہیں، زور ولغو وما لا ینبغی اور غیر مشروع ہونے میں بموجب اس آیت کریمہ فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین[2] کے نیز بدلیل آیت سورہ فرقان کے والذین لا یشھدون الزور[3] ہر چند یہ آیت محتمل احتمالات کثیرہ کو ہے لیکن احتمال اقوی یہی ہے یحتمل[4] حضور کل موضع یجری فیہ ما لا ینبغی ویدخل فیہ اعیاد المشرکین ومجامع الفساق لان من خالط اھل الشر ونظر الی افعالھم وحضر مجامعھم فقد شارکھم فی تلک المعصیۃ انتھی ما فی التفسیر الکبیر والفصول العمادیۃ اور مدد دینا بنا بر تکثیر سواد اور اشاعت ورونق تعزیہ کی زیادہ تر سخت گناہ ہے، حسب منطوق لازم الوثوق کے تعاونوا[5] علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان نیز مطابق فرمودہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم من[6] کثر سواد قوم فھو منھم الحدیث اور صورت ثانیہ میں یہ

---

[1] ان میں سے بعض بعض کی طرف جھوٹی اور ملمع کی باتیں القاء کرتے ہیں، وہ صرف ظن کی پیروی کر رہے ہیں اور اٹکل اندازہ کر رہے ہیں۔ [2] یاد آجانے کے بعد ظالم قوم کے پاس مت بیٹھو۔ [3] جو بے ہودہ چیزوں پر حاضر نہیں ہوتے۔ [4] یہ حاضر ہونا ہر اس چیز کو شامل ہے، جو لائق و شائستہ نہیں، اس میں مشرکوں کی عیدیں اور فاسقوں کی مجالس بھی شامل ہیں، کیونکہ جو بد لوگوں کے پاس جائے گا، ان کے افعال کو دیکھے، ان کی مجلس میں حاضر ہو تو اس نے ان کے گناہ میں شرکت کی۔ [5] نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو، اور گناہ اور زیادتی میں مدد نہ کرو۔ [6] جو آدمی کسی قوم کی تعداد بڑھائے وہ انہی میں سے

میلہ شرکیہ بلا ریب ہے، کیونکہ یہ تعزیہ منصوبہ فی ثمہ ما نصب وعبد من دون اللہ میں داخل ہے کقولہ تعالیٰ کانھم الی نصب وفی قراءۃ بضم الحرفین شئ منصوب کعلم اورایۃ یوفضون یسرعون کذا فی تفسیر الجلالین

پس تعزیہ بنانا اور ساتھ نشان توقیر و تعظیم کے چبوترہ یا کسی بلند مقام پر قائم کرنا اور رکھنا، اور نذر و نیاز بتوقع حصول مطالب دنیاری وامید حاجت روائی اور فراخی روزی و طلب اولاد و جاہ و منصب کے اس پر چڑھانا اور اس کی بے ادبی میں نقصان جان و مال کا اعتقاد رکھنا اور بجہت عقیدہ واجب التعظیم کے سلام اور مجرا اور سجدہ اس کو کرنا جیسا کہ رسم و رواج و عرف و عادت تعزیہ پرستوں کی ہے، صریح بت پرستی ہے، مانند بت پرستی کفار مکہ مکرمہ وغیرہم کے ایام جاہلیت ہیں، کیونکہ کفار مکہ معظمہ نے تین سو بت تقریباً گرداگرد خانہ کعبہ شریفہ کے کھڑے کر رکھے تھے، اور نذر و نیاز اور ذبح جانور بنا بر تعظیم بتوں کی کیا کرتے تھے، پس درمیان تعزیہ داران اور کفار بت پرستان مکہ مکرمہ وغیرہ کے کچھ فرق نہیں ہے، اس لئے کہ تعزیہ دار تعزیہ سے اعتقاد جلب منفعت و دفع مضرت کا رکھتے ہیں، جیسے کفار بتوں سے معتقد حصول منافع و دفع مضار کے ہیں، جیسے کفار خدا تعالیٰ کو خالق ارض و سما و کل مخلوقات و مدبر امور کائنات کا جانتے ہیں، ویسے ہی تعزیہ دار بھی جانتے ہیں، پھر کفار کو مشرک و کافر رہنا، اور تعزیہ دار کو نہ کہنا بلادلیل ہے۔ لقولہ تعالیٰ ولئن سالتھم من خلق السموات والارض لیقولن اللہ الآیۃ قل لمن الارض ومن فیہا ان کنتم تعلمون۔ سیقولون للہ قل افلا تذکرون قل من رب السموات السبع ورب العرش العظیم سیقولون للہ قل افلا تتقون قل من بیدہ ملکوت کل شئ وھو یجیر ولا یجار علیہ ان کنتم تعلمون سیقولون للہ قل فانی تسحرون۔ ھذہ الآیات من سورۃ المؤمنون

لہ جو کھڑا کیا جائے، اور اللہ کے سوائے اس کی عبادت کی جائے ۱۲ ؎ گویا وہ اپنے بتوں کی طرف دوڑتے جاتے ہیں نصب بضمتین ہر وہ چیز جو کھڑی کی جائے، جیسے جھنڈا وغیرہ ۱۲ ؎ اگر تو ان سے پوچھے کہ آسمان اور زمین کو کس نے بنایا ہے، تو کہیں گے اللہ نے الآیۃ ان سے پوچھو کہ یہ زمین اور اس کی مخلوقات کس کی ہے، اگر جانتے ہو تو جواب دو، تو کہیں گے، اللہ کی، آپ کہیں کہ کیا نصیحت حاصل نہیں کرتے، پھر کہیں ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا رب کون ہے کہیں گے اللہ، کیا تم ڈرتے نہیں، کہیں ہر چیز کا اختیار کس کے قبضہ میں ہے، کون پناہ دے سکتا ہے، اور اس کے برخلاف کوئی پناہ نہیں دے سکتا، اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ کہیں گے اللہ، آپ کہیں پھر تم پر کون سا جادو چل گیا ہے۔

اب اگر کوئی اعتراض کرے، کہ جب کفار اللہ تعالیٰ ہی کو خالق و مالک و رازق و مدبر کل امور محی و ممیت جانتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو کافر اور مشرک کیوں کہا، ان کے اعمال دنیا کے کیوں ہباءً منثورًا و برباد کر ڈالے، جواب اس کا یہ ہے، کہ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت خالصًا چھوڑ دی، اور عبادت غیر اللہ حجر و شجر و نشان و جھنڈا و بعض عباد اللہ کاملین کی کرنے لگے، تو ظاہرًا حال کفار کا عبادت غیر اللہ میں مشابہ حال اس شخص کے ہوا، کہ جو ما سوائے اللہ کو واجب بالذات قرار دیتا ہو، اور اعتقاد رکھتا ہو، والا کفار بھی سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو واجب بالذات اور مدبر امور حقیقۃً نہیں جانتے تھے، چنانچہ جا بجا قرآن مجید اور تفاسیر مثل بیضاوی وغیرہ سے صاف مستفاد ہوتا ہے، اور ماہران شریعت پر مخفی نہیں

وتسمیۃ ما یعبدہ المشرکون من دون اللہ اندادا وما زعموا انہا تساویہ فی ذاتہ وصفاتہ ولا انہا تخالفہ فی افعالہ لانہم لما ترکوا عبادتہ الی عبادتہا وسموہا الہۃ شابہت حالہم حال من یعتقد انہا ذوات واجبۃ بالذات قادرۃ علی ان تدفع عنہم باس اللہ تعالی وتمنحہم ما لم یرد اللہ بہم من خیر فتہکم بہم وشنع علیہم بان جعلوا للہ اندادا لمن یمتنع ان یکون لہ ند کذا فی التفسیر البیضاوی تحت قولہ تعالیٰ فلا تجعلوا للہ اندادا وانتم تعلمون[1]

الغرض جو معاملہ کفار اپنے بتوں کے ساتھ کرتے تھے، وہی معاملہ تعزیہ دار تعزیہ سے کرتے ہیں چنانچہ آیت کریمہ وما ذبح علی النصب[2] سورہ مائدہ وغیرہا من الآیات ہمارے قول کی مصدق اور شاہد عدل ہیں، تفسیر کبیر کی عبارت کو بغور ملاحظہ فرمایئے

قال ابن جریج النصب لیس باصنام فان الاصنام احجار مصورۃ منقوشۃ وہذہ النصب احجار کانوا ینصبونہا حول الکعبۃ وکانوا یذبحون عندہا للاصنام

---

[1] مشرکوں کے من دون اللہ معبودوں کو انداد کیوں کہا گیا ہے، حالانکہ وہ ان کو خدا کے برابر نہ ذات میں سمجھتے ہیں، نہ صفات میں، تو جواب یہ ہے، کہ جب انہوں نے خدا کو چھوڑ کر ان کو پوجنا شروع کر دیا تو گویا انہوں نے اس شخص جیسا معاملہ کیا جو سمجھتا ہے کہ وہ بھی مستقل بالذات حیثیت رکھتے ہیں، وہ اللہ کے عذاب کو روک سکتے ہیں، یا ان کی حاجتیں پوری کر سکتے ہیں، تو ان کو اس کا الزام دیا، اور ان کی برائی بیان کی ۱۲

[2] جو نبوں کے تھانوں پر ذبح کیا جائے ۱۲ نصب، صنم بت، کا نام نہیں، صنم تو وہ پتھر لکڑی وغیرہ تھے جن کی شکلیں تراشی جاتی تھیں، اور نصب وہ پتھر تھے جن کو خانہ کعبہ کے گرد گرد گاڑ رکھا تھا، ان کے پاس بتوں کو خوش کرنے کے لئے جانور ذبح کرتے تھے، ان کو خون لگاتے

وکانوا یلطخونہا بتلك الدماء ویصبغون اللحوم علیہا فقال المسلمون یارسول اللہ کان اہل الجاھلیۃ یعظمون البیت بالدم فنحن احق ان نعظمہ وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینکرہ فانزل اللہ تعالی لن ینال اللہ لحومہا ولا دماءہا ولکن ینالہ التقوی منکم و علم ان قولہ وما ذبح علی النصب فیہ وجہان احدہما وما ذبح علی اعتقاد تعظیم النصب والثانی وما ذبح للنصب فاللام وعلی یتعاقبان قال اللہ تعالی فسلام لك من اصحاب الیمین ای فسلام علیك منہم وقال وان اساتم فلہا ای فعلیہا انتہی ما فی التفسیر الکبیر وما ذبح علی النصب کانت لہم احجار منصوبۃ حول البیت یذبحون علیہا ویعظمونہا بذلك ویتقربون بہ الیہا کذا فی المدارك والبیضاوی۔ اور معنی اس آیت کے یہ ہیں، کہ جو جانور ذبح کیا جاوے اوپر کسی نشان اور تھان کے۔ اور دوسری آیت یہ ہے۔ کانہم الی نصب یوفضون اعلم ان فی نصب ثلاث قرات احدہا وہی قراءۃ الجمہور نصب بفتح النون و النصب کل شیئ نصب والمعنی کانہم الی علم لہم یستبقون والقراءۃ الثانیۃ نصب بضم النون وسکون الصاد والمراد بالنصب الانصاب وہی الاشیاء التی تنصب فتعبد من دون اللہ کقولہ تعالی وما ذبح علی النصب، تمام ہوئی عبارت تفسیر کی بیچ سورہ معارج کے کانہم حال الی نصب وہو کل ما نُصِب وعبد من دون اللہ کذا فی المدارك۔ ساری آیت یہ ہے۔ یوم یخرجون من الاجداث سِرَاعًا کانہم الی نصب یوفضون۔ جس دن نکل پڑیں قبروں سے دوڑتے ہوئے، گویا جیسے کہ نشانہ پر دوڑے جاتے ہیں، کذا فی موضح القرآن، اور عبارت تفسیر معالم التنزیل کی یہ ہے وقرأ الآخرون نصب بفتح النون وسکون الصاد یعنون الی شیئ منصوب

تو مسلمانوں نے کہا اے اللہ کے رسول کافر جوں کی تعظیم کے لئے ان کو خون وغیرہ لگاتے ہیں، ہمارا زیادہ حق ہے کہ ہم خدا کو خوش کرنے کے لئے ان کو قربانی کا خون لگائیں، تو اللہ تعالےٰ نے آیت نازل فرمائی، کہ اللہ کے پاس خون اور گوشت نہیں پہنچتا اس کے پاس صرف پرہیز گاری پہنچی ہے، وما ذبح علی النصب کا ترجمہ دو طرح پر ہے، ایک یہ کہ نُصُب کی تعظیم کے عقیدے سے کوئی چیز ذبح کی جائے، دوسرا یہ کہ نُصُب کے لئے کوئی چیز ذبح کی جائے۔ عربی میں لام اور علی ہم معنی استعمال ہوتے ہیں ۱۲ ؎ نُصُب میں تین قرائتیں ہیں ایک تو یہی جو جمہور کی قرات ہے، دوم نُصْب اور سوم نُصُب اور معنی ایک ہیں، یعنی ہر وہ چیز جسے کھڑا کیا جائے، مثلاً جھنڈا وغیرہ ۱۲

یقال فلان نصب عینی وقال الکلبی الی علم ورایتہ انتہی مافی المعالم
اور مولانا شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ اپنی تفسیر عزیزی میں تحت آیت مذکورہ کے فرماتے ہیں یوم یخرجون یعنے روزے کہ خواہند برآمد تنہا برہنہ بدن و برہنہ سر و برہنہ پا من الاجداث یعنے از قبرہا سراعا یعنے دوندہ و شتابان بشنیدن آواز نفخ صور حضرت اسرافیل کانھم یعنے گویا کہ ایشان بسوئے بتے کہ برائے زیارت از تہ خانہ برآوردہ استادہ کردہ اند یوفضون یعنے می دوند و می شتابند بقصد آنکہ پیش از ہمہ زیارت او نمایند و بوسہ دہند و دست باو رسانند باین طمع کہ ہر کہ درین وقت پیش آمد انتہی مافی التفسیر العزیزی، نصب نصب الشئ وضعہ وضعا نابیا کنصب الرمح والبناء والحجر کذا فی مفردات القرآن للامام الراغب۔
پس آیات وتفسیر ماسبق سے واضح ہوا کہ نصب معنی شئے منصوب کے ہے اور شئی منصوب میں علم ونشان ورایت وجھنڈا اور چھڑی اور تعزیہ داخل ہیں بنا بر تعظیم و تقرب لغیر اللہ کے کان حکم المشلین واحد والامور بمقاصدہا میں میلہ راون و میلہ تعزیہ کا برابر ہے، کیونکہ دونوں میں تقرب لغیر اللہ پایا جاتا ہے، یعنے جس طرح کفار کہ نصب کے تقرب چاہتے تھے، اسی طرح سے تعزیہ سے تعزیہ والا ایک دوسرے سے بڑھ کر تقرب چاہتے ہیں، کیونکہ کوئی دو گز کا کوئی پانچ گز کا کوئی دس گز کا اونچا ساتھ آرائش زرق برق کے بنا کر تعظیم تمام واحترام تمام چبوترہ پر قائم کرکے نذر و نیاز اس پر چڑہاتے ہیں، اور ساتھ ادب کے سلام وسجدہ کرتے ہیں، تو یہ سارے امور مذکورہ موجب شرک جلی اور شعار مشرکین ہیں کما لا یخفی علی العلماء الماہرین بالشرعیۃ اور طرفہ تماشا یہ کہ دونوں فرقے یعنے راون والے اور تعزیہ والے بنازو خرام وتبختر تمام مقابلہ ولڑنے مرنے پر مستعد ہیں، اور ہر فرقہ اپنی شان وشوکت بڑھانے پر نعرہ ھل من مبارز کا مارتا ہے، نعم ماقیل ؎

طرز خرام کرتی ہے سر سینکڑوں قلم | تلوار چل رہی ہے نئی چال ڈھال پر

القاتل[1] والمقتول کلاھما فی النار۔ اللہ ذی کریم تعالے شانہ سارے مسلمانوں کو ایسے عقیدہ فاسدہ اور عمل مذموم شرکی تعزیہ داری سے محفوظ رکھے، اور دین محمدی پر توفیق رفیق عطا فرماوے، اور جو لوگ خود نہیں بناتے، مگر مددگار امور شرکیہ کے ہوتے ہیں

[1] قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں ۱۲

ان کو بھی اس بلائے عظیم تائید شرک سے توبہ نصیب کرے، کہ امداد غیر مشروع سے باز آویں، اور حسب توقیع وتبیح فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین کے تعزیہ دار کی صحبت سے احتراز کرتے رہیں، کہ غضب الٰہی میں گرفتار نہ ہوں عن حذیفۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقبل اللہ لصاحب البدعۃ صوما ولا صلوۃ ولا صدقۃ ولا حجا ولا عمرۃ ولا جہادا ولا صرفا ولا عدلا یخرج من الاسلام کما یخرج الشعرۃ من العجین رواہ ابن ماجہ اور فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کوئی اسلام میں بدعت کرے، یا محدث کو جگہ دے، یا اس کی تعظیم کرے اس پر بھی لعنت خدا کی اور اس کے نماز روزہ حج زکوٰۃ مقبول نہیں۔ من احدث حدثا او اوی محدثا فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین لا یقبل اللہ عنہ صرفا ولا عدلا رواہ الطبرانی عن ابن عباس رضی و رواہ البزار عن ثوبان اور فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کوئی کسی قوم کی کثرت اور بھیڑ بھاڑ اس کی بڑھا دے، یا تشبہ کرے، وہ اسی قوم سے شمار کیا جاوے گا قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کثر سواد قوم فھو منھم ومن تشبہ بقوم فھو منھم کما فی المشکوۃ ای من تشبہ بالکفار فی اللباس وغیرہ او بالفساق او بالصلحاء فھو منھم کذا فی مجمع البحار

حاصل یہ کہ مشارکت در ظاہر صورت سوال میں صورت تمیت جاہلیت اولیٰ کی ہے نہ اسلامی فاجتنبوا الرجس من الاوثان۔ یا ایھا الذین امنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون الایۃ فریقین یعنے راون والے اور تعزیہ والے پر حجت قاطع اور برہان ساطع ہے، کیونکہ تعزیہ سازی ونشان وجھنڈا وغیرہ منجملہ انصاب عمل شیطانی بلا ارتیاب

لہ یاد آجانے کے بعد ظالم قوم کے ساتھ مت بیٹھو ۱۲ ۲ے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ بدعتی کا روزہ، نماز، صدقہ، حج، عمرہ، جہاد، فرض اور نفل کچھ بھی قبول نہیں کرتے، وہ اسلام سے اس طرح نکل جاتا ہے جیسے بال آٹے سے ۱۲ ۳ے جو بدعت جاری کرے یا کسی بدعتی کو پناہ دے، اس پر اللہ، فرشتوں، اور سارے جہان کی لعنت ہے، اللہ اس سے نفل قبول کرے گا نہ فرض ۱۲ ۴ے جو کسی قوم کی تعداد بڑھائے، وہ انہی میں سے ہے، جو کسی قوم سے مشابہت پیدا کرے، وہ انہی میں سے ہے، یعنی کفار یا فساق یا صلحاء سے لباس وغیرہ میں ۱۲ ۵ے بتوں کی گندگی سے بچو اے ایمان والو! شراب، جوا، بتوں کے تھان اور تیروں کی فال یہ سب گندے اور شیطانی کام ہیں ان سے بچو تاکہ تم خلاصی پاؤ ۱۲

عند اولے الالباب ہے ۔

دل نے جس راہ لگایا میں اسی راہ چلا وادی عشق میں گمراہ کو رہبر سمجھا

واللہ اعلم بالصواب۔ الراقم سید محمد نذیر حسین

سید محمد نذیر حسین

الامر کذلک قال اللہ تعالیٰ ومن اضل ممن یدعوا من دون اللہ من لا یستجیب لہ الی یوم القیمۃ وھم عن دعائھم غافلون وقال اللہ تعالیٰ ولا تدع من دون اللہ ما لا ینفعک ولا یضرک فان فعلت فانک اذا من الظالمین۔ اخرجہ الترمذی عن ثوبان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تقوم الساعۃ حتی تلحق قبائل من امتی بالمشرکین وحتی تعبد قبائل من امتی الاوثان اور جب تعزیہ پرست تعزیہ کے سبب ظالمین میں داخل ہوئے، تو تعزیہ پرست مثل بزاون دکانی والوں کے ہوئے، تو اب دونوں کی شرکت واعانت مساوی الاقدام ہوئی بلکہ تعزیہ والوں کی اعانت بدتر ہے، کیونکہ بسبب تعزیہ پرستی کے کفار اسلام پر بت پرستی کا الزام دیتے ہیں، اور اکثر اوقات مسلمانوں میں تعزیہ پرستی کو دیکھ کر ہدایت سے باز رہتے ہیں، پس جس چیز کے سبب اسلام پر دھبہ لگے، اور طریقہ ہدایت کا مسدود ہو اس چیز کی شرکت واعانت سراسر اسلام پر ظلم کرنا ہے، اور کیوں ایسے امر قبیح کو مسلمانوں نے اختیار کیا جس کے سبب بمقابلہ کفار ہزیمت اٹھانی پڑے، پس ہر مسلمان پر فرض ہے، کہ ان سب میلوں کی تخریب میں برابر کوشش کرے، بلکہ میلہ تعزیہ داری کے اندر اس تخریب میں زیادہ کوشش کرے، تاکہ اسلام پر الزام نہ آوے، اور طریقہ ہدایت کا مسدود نہ ہو، اور ہزیمت بھی نہ اٹھانی پڑے، اور نیز اس میں توہین اہل بیت رضی اللہ عنہم کی لازم آتی ہے، جیسا کہ ماہرین تسخیر غزا پر مخفی نہیں ہے، پس پرائے شگون پر ناک کٹانی عقلمندوں کا کام نہیں ہے۔ من لہ عقل سلیم یقتدی بالمصطفی۔ الراقم العاجز تلطف حسین عفی عنہ

لـہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اس سے زیادہ گمراہ کون آدمی ہے جو ان کو پکارے، جو اس کو قیامت تک بھی جواب نہ دے سکیں، اور وہ ان کے پکارنے سے محض بے خبر ہیں" اور فرمایا، اللہ کے سوائے ان چیزوں کو مت پکار جو نہ تجھے نفع دے سکیں، اور نہ نقصان پہنچا سکیں، اگر تو نے ایسا کیا، تو ظالموں سے ہو جائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس وقت تک قیامت قائم نہ ہو گی، جب تک کہ میری امت کے کچھ قبیلے مشرکوں سے نہ مل جائیں، اور کچھ قبیلے میری امت کے بتوں کی پوجا نہ کرنے لگیں ۱۲

سوال: ہنود کے میلوں میں نظارہ بغرض تجارت یا بلا غرض جانا جائز ہے یا ناجائز علیٰ ہذا تعزیہ داری کے میلوں میں شامل ہونا کیسا ہے؟

الجواب: ایسے میلوں میں جانا منع ہے، ہرگز شامل نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اس قسم کے تمام منکرات کو ہاتھ اور زبان سے مٹانا چاہیے، اگر اس کی طاقت نہ ہو، تو دل سے تو ضرور برا جاننا چاہیے، صحیح مسلم میں ابو سعید خدری سے مرفوعاً مروی ہے من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان دیکھو دعوت کا قبول کرنا، اور اس میں شریک ہونا ضروری ہے، مگر وہاں بھی اگر منکرات ہوں تو وہاں نہیں جانا چاہیے، اور اگر جاوے، اور جانے کے بعد کوئی امر منکر دیکھے تو لوٹ آنا چاہیے عن علی رضی اللہ عنہ قال صنعت طعاما فدعوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجاء فرای فی البیت تصاویر فرجع۔ پس معلوم ہوا، کہ ایسے حرام وناجائز ومنکر میلوں میں بذریعہ تجارت بھی نہیں جانا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم الطیب سید عبد الوہاب عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: جو شخص مرثیہ خوانی کرے، اور محفل تعزیہ داری میں جاوے، اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب: جو شخص مرثیہ خوانی کرے، اور محفل تعزیہ داری میں جاوے، سو ایسا شخص اگر نماز پڑھاتا ہو، اور کوئی اس کے ساتھ نماز میں شریک ہو جاوے، تو اس کی نماز ہو جاوے گی مگر ایسے شخص کو بالقصد امام نہیں بنانا چاہیے، اور نماز پڑھانے کے لئے آگے نہیں کرنا چاہیے اس واسطے کہ مرثیہ خوانی اور تعزیہ داری بلاشبہ فسق وفجور کے کام ہیں، اور فسق وفجور کے کام جو شخص ہو، اور اس کی محفل میں جاوے، وہ بھی فاسق ہے، اور فاسق کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے، مگر اس کو بالقصد امام نہیں بنانا چاہیے۔ حررہ عبد الرحیم اعظم گڈھی کوپوی۔

سید محمد نذیر حسین

سوال: ماہ محرم کی دسویں تاریخ کو کھانے میں اہل وعیال پر وسعت کرے، آیا اس کا ثبوت کوئی شرعی ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: محرم کی دسویں تاریخ کو کھانے میں وسعت کرنے کا ثبوت اس حدیث سے

لہ حضرت علی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کی دعوت دی، آپ آئے اور گھر میں تصویریں دیکھیں تو واپس چلے گئے

ہوتا ہے عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من وسع علی عیالہ فی النفقۃ یوم عاشوراء وسع اللہ علیہ سائر سنتہ قال سفیان انا قد جربنا ہ فوجدنا ہ کذلک رواہ رزین وروی البیہقی فی شعب الایمان عنہ وعن ابی ھریرۃ وابی سعید وجابر وضعفہ (مشکوٰۃ باب فضل الصدقۃ) یعنی ابن مسعود سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص عاشوراء کے روز اپنے عیال پر نفقہ میں وسعت کرے، اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے رزق میں اس سال کے باقی تمام دنوں میں وسعت کرے گا، سفیان نے کہا کہ ہم نے اس کا تجربہ کیا ہے، پس ایسا ہی پایا ہے روایت کیا اس حدیث کو رزین نے، اور روایت کیا اس کو بیہقی نے ابن مسعودؓ سے اور ابو ہریرہؓ اور ابو سعیدؓ اور جابرؓ سے اور ضعیف کہا اس حدیث کو۔

اس حدیث کو اگرچہ بعض محدثین نے ضعیف اور نا قابل احتجاج اور بعض نے موضوع بتایا ہے مگر حق بات یہ ہے، کہ یہ حدیث موضوع نہیں ہے، اور کثرت طرق کی وجہ سے حسن و قابل احتجاج ہے، حافظ سیوطی تعقبات علی ابن الجوزی صفحہ ۴۹ میں لکھتے ہیں قلت[1] اخرجہ البیہقی فی الشعب من حدیث ابی سعید الخدری وابی ھریرۃ وجابر وقال اسانیدہ کلہا ضعیفۃ ولکن اذا ضم بعضہا الی بعض افاد قوۃ وقال الحافظ ابو الفضل العراقی فی امالیہ حدیث ابی ھریرۃ رضؓ ورد من طرق صحح بعضہا الحافظ ابو الفضل بن ناصر وسلیمان الذی قال ابن الجوزی انہ مجھول ذکرہ ابن حبان فی الثقات قال فالحدیث حسن علی رأیہ وحدیث ابی سعید اخرجہ ابن راھویہ فی مسندہ والبیہقی من طریق عبد اللہ بن نافع عن ایوب بن سلیمان بن مینا عن رجل عن ابی سعید قال الحافظ ابن حجر ولولا الرجل المبہم لکان اسنادا جیدا لکنہ یقوی بما اخرجہ الطبرانی من طریق محمد بن اسمعیل الجعفری عن عبد اللہ بن سلمۃ الرافعی عن محمد بن عبد اللہ بن علی بن عبد الرحمن بن صعصعۃ عن ابیہ عن ابی سعید والجعفری ومن فوقہ مدنیون معروفون

---

[1] اس حدیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں ابو سعید خدری، ابو ہریرہؓ اور جابرؓ سے روایت کیا ہے، گو یہ تمام سندیں ضعیف ہیں، لیکن ایک دوسرے سے مل کر قوی ہو جاتی ہیں، حافظ ابو الفضل نے کہا ہے، کہ ابو ہریرہؓ کی حدیث کئی سندوں سے مروی ہے ان میں سے بعض کی تصحیح ابو الفضل بن ناصر نے کی ہے، اور سلیمان کو

والجعفری ضعفہ ابو حاتم وشیخہ ضعفہ ابو زرعۃ قال الحافظ العراقی ورواہ البیہقی ایضا من حدیث جابر من روایۃ ابن المنکدر عنہ وقال اسنادہ ضعیف وقد ورد باسناد علی شرط مسلم اخرجہ ابن عبد البر فی الاستذکار من روایۃ ابی الزبیر عنہ وقد قال البیہقی ھذہ الاسانید وان کانت ضعیفۃ فھی اذا ضم بعضھا الی بعض احدثت قوۃ مع کونہ لم یقع لہ روایۃ ابی الزبیر عن جابر التی ھی اصح طرق الحدیث قال وقد ورد من حدیث ابن عمر اخرجہ الدارقطنی فی الافراد موقوفا علی عمر اخرجہ ابن عبد البر بسند رجالہ ثقات لکنہ من روایۃ ابن المسیب عنہ وقد اختلف فی سماعہ منہ ورواہ البیہقی فی الشعب عن ابراھیم بن محمد بن المنتشر قال کان یقال فذکرہ قال وقد جمعت طرقہ فی جزء انتہی کلام العراقی واللہ تعالی اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفاہ اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: سوم، چہارم، چہلم وغیرہ کرنا، اور اس کا کھانا، کھانا کیسا ہے، بینوا توجروا

الجواب: سوم، چہارم، چہلم وغیرہ سب بدعات ہیں، کیونکہ ان میں سے کسی کا نشان و پتہ قرون ثلاثہ میں نہ تھا، تو بدعات ہوئے، اس سے مسلمانوں کو حذر کرنا بہت ضروری ہے اور اس میں کسی قسم کی شرکت بھی ترک کرنی چاہیے، اللہ تعالے نے فرمایا نیک کاموں میں مدد کرو، اور برے کاموں پر مدد نہ کرو۔ تعاونوا[1] علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان، اور اس کا کھانا، کھانا بھی نہیں چاہیے، کیونکہ یہ بھی ایک قسم کی اعانت ہے، اگرچہ کھانا فی نفسہ حرام نہیں ہے اور امور مذکورہ یعنی سوم و دہم و بستم و چہلم و عرس وغیرہ کے بدعت اور نامشروع ہونے پر یہ حدیث جو صحیح بخاری وغیرہ میں مذکور ہے، دلیل صریح و قوی ہے من عمل عملا لیس علیہ امرنا فھو رد کما رواہ البخاری وغیرہ من المحدثین یعنی جو کوئی عمل کرے، کہ جس پر ہمارا حکم نہ ہوا ہو وہ مردود ہے، پس بموجب اس حدیث کے سارے امور مذکورہ بالا بدعت و محدث میں داخل ہیں،

ابن جوزی نے مجہول کہا ہے، حالانکہ ابن حبان نے اس کو ثقات میں بیان کیا ہے، بہرحال اس حدیث کو دوسرے طرق سمیت محدثین نے قابل احتجاج سمجھا ہے، گو ضعیف ہے، لیکن اس پر کسی عقیدہ کی بنیاد نہیں ہے امام بیہقی نے ایک رسالے میں اس کے تمام طرق جمع کئے ہیں، واللہ اعلم ۱۲

[1] ایک دوسرے کا نیکی اور تقوے پر تعاون کرو، گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون مت کرو ۱۲

اور نیز حضرت نے فرمایا ہے شر الامور محدثاتہا کما فی صحیح البخاری وغیرہ خداوند کریم تمام مسلمان بھائیوں کو بدعت سے بچا وے وما علینا الا البلاغ واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱ — سید محمد عبد السلام غفرلہ ۱۲۹۹ — محمد ابراہیم ۱۳۰۲

المعتصم بحبل اللہ الاحد — محمد یوسف ۱۳۰۳ — محمد عبد الحمید ۱۲۹۳

ابو البرکات حافظ محمد — محمد عبد الغفار ۱۳۰۷ — محمد عبد العزیز ۱۲۹۸

سوال: تیجا کرنا یعنے بعد مرنے مردوں کے تیسرے دن جو لوگ جمع ہو کر قرآن پڑھتے ہیں، اور چنیوں پر کلمہ پڑھ کر تقسیم کرتے ہیں، اور دسواں بیسواں، چالیسواں چھ ماہی، برسی کرنا کیسا ہے (۲) مردہ کو دفن کرنے کے بعد جمعہ کے دن تک کسی کو قبر پر قرآن پڑھنے کے واسطے بٹھانا اور جب جمعہ کا دن آیا جمعہ کے سپرد کر کے چلے آنا، اس اعتقاد سے کہ جب تک جمعہ کا دن نہیں آیا ہے، قرآن پڑھنے کے سبب سے منکر نکیر نہیں آئیں گے، اور اس پر عذاب نہ آسکے گا، یہ فعل شرع سے ثابت ہے یا نہیں، اور بصورت نہ ہونے کے عقیدہ رکھنے والا اس کا کیسا ہے؟

الجواب: دونوں سوالوں کا یہ ہے، کہ تیجا اور دسواں، بیسواں، چالیسواں، چھ ماہی، برسی اور گیارہویں، اور فاتحہ مروجہ، شب برات کرنا، اور اس طریقہ خاص سے جمع ہو کر قرآن اور کلمہ پڑھنا خواہ مکان میں بیٹھ کر، خواہ قبر پر، اور مردے کے دفن کے بعد جمعہ تک قبر پر بٹھانا یہ سب بدعت و گمراہی ہے، کسی حدیث سے ثابت نہیں، اور نہ صحابہ کا اس پر عمل ہوا، اور نہ کسی مجتہد سے استحباب ان افعال کا منقول ہے، حاصل یہ ہے، کہ یہ طریقے سب ایصال ثواب کے لئے ساتھ تقید اور تعیین روز و ماہ کے اور التزام قیودات مرسومہ کا کسی دلیل سے دلائل شرعیہ سے ثابت نہیں، اور کرنے والا ان افعال کا مبتدع ہے

شیخ عبد الحق نے مدارج النبوۃ میں لکھا ہے" وعادت نبود کہ برائے میت جمع شوند و قرآن خوانند و ختمات خوانند نہ بر سر گور و نہ غیر آں و ایں مجموع بدعت است نعم برائے تعزیت اہل میت جمع و تسلیہ و صبر فرمودن ایشان را سنت و مستحب است اما ایں اجتماع مخصوص روز سوم و ارتکاب تکلفات دیگر و صرف اموال بے وصیت از حق یتامی بدعت است و حرام

لے پہلے یہ دستور نہیں تھا، کہ میت کے لئے جمع ہوں، اور قرآن پڑھیں اور ختم کریں، نہ قبر پر نہ کسی اور جگہ پر یہ تمام بدعتیں ہیں دل میت کے اقربا سے تعزیت کرنا، ان کو صبر کی تلقین کرنا سنت اور مستحب ہے لیکن جو تیسرے روز لوگ اکٹھے ہوتے ہیں، اور یتیموں کا مال آکر بے جا صرف کرتے ہیں، یہ سب حرام اور بدعت ہے ۱۲

انتہی، وفقیہ محمد بن محمد کردری نے فتاوی بزازیہ میں لکھا ہے

یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی القبر فی المواسم واتخاذ الدعوۃ بقراءۃ القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم اولقراءۃ سورۃ الانعام والاخلاص انتہی اور فتاوی جامع الروایات میں ہے، فی شرح المنہاج للنووی الاجتماع علی المقبرۃ فی الیوم الثالث وتقسیم الورد والعود واطعام الطعام فی الایام المخصوصۃ کالثالث والخامس والتاسع والعاشر والعشرین والاربعین والشہر السادس والسنۃ بدعۃ ممنوعۃ انتہی۔

شیخ ولی اللہ المحدث رحمۃ اللہ علیہ نے وصیت نامہ میں لکھا ہے، دیگر از عادات شنیعہ ما مردم اسراف است در ماتم ہا وسوم وچہلم وشش ماہی وفاتحہ سالینہ وایں ہمہ درعرب اول وجود نبود انتہی، بلکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا خاص مذہب یہ ہے، کہ قراءۃ قرآن مطلقاً قبر کے پاس مکروہ ہے، جیسا کہ عبد الوہاب شعرانی نے میزان کبریٰ میں تصریح کی ہے حررہ ابو الطیب محمد شمس الحق عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین	ابو الطیب محمد شمس الحق ۱۲۹۵

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ ماتم وتعزیت پرسی کرنے والوں کو اہل میت کے گھر کا کھانا درست ہے یا نہیں، اور دوسرے، تیسرے، چوتھے دن جو مرد اور عورتیں رسم کے طور سے جمع ہوتی ہیں، اس میں کھانا کھانا اور جمع ہونا درست ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب:۔ درصورت مرقومہ ارباب شریعت غراء پر مخفی نہیں، کہ طریق مسنون یہ ہے کہ تعزیت اور ماتم پرسی کرنے والے جو نزدیک اور ایک بستی کے ہوں، ان کو کھانا اہل میت کے گھر کا نہ چاہیے، کیونکہ یہ امر جاہلیت سے ہے، بلکہ قریب اور پاس والوں کو چاہیے کہ تعزیت اہل میت کی کرکے اپنے اپنے گھر چلے جاویں، نہ یہ کہ اہل میت کے گھر دھرنا دیں، کھانا کھانے کے لئے، اور جو لوگ دور دراز مسافت بعیدہ سے تعزیت کے لئے آویں، ان کو کھانا کھانا اہل میت کے گھر کا مضائقہ نہیں، اس لئے کہ ان کو اپنے گھر پہنچنا دشوار ہے، اور یہ رسم نامشروع

لہ پہلے اور تیسرے اور دسویں روز کھانا پکانا، اور کھانا قبر پرلے جانا قرآن پڑھنے کے لئے فقراء اور صلحاء اور علماء کو جمع کرنا سب حرام ہے

۲ تیسرے روز اکٹھا ہونا اور پھول اور عود تقسیم کرنا، اور ایام مخصوصہ میں کھانا پکانا مثلاً تیسرے، پانچویں، نویں، دسویں، بیسویں چالیسویں دن اور چھٹے مہینے یا سال کے بعد یہ سب بدترین قسم کی بدعات ہیں۔

جو مروج ہے، کہ دوسرے دن یا تیسرے دن یا چوتھے دن جمد جالی و نساء کہ برادری وغیرہ کے اہل میت کے گھر جمع ہوتے ہیں، اور اہل میت چاروناچار اگرذی مقدور نہ ہوں، روپیہ سودی یا قرض وام کرکے کھانا پکوا کر حاضرین کو کھلاتے ہیں، سو یہ امور جاہلیت سے ہے، اس کو سارے علماء قرناً بعد قرن منع کرتے آئے ہیں، اور نامشروع جانتے ہیں، اور جس مقام میں عورتیں رونے پیٹنے کے لئے جمع ہوتی ہیں، اور اہل میت ان کے واسطے کھانا پکواتے ہیں، اور کھلاتے ہیں، ان کو زیادہ موجب معصیت کا ہے، کہ اعانت اوپر نوحہ و معصیت کے کرتے ہیں اور ضیافت شرع شریف میں بروقت سرور اور مقام خوشی کے جیسے تقریب شادی و عقیقہ وغیرہ کے مشروع ہے، نہ بروقت شرور و حزن و ماتم و مصیبت کے کہ ایسے وقت میں ضیافت کرنی بہت مستقبح ہے[1] اتخاذ الطعام من اهل الميت بدعة مستقبحة لانه شرع فی السرور لا فی الشرور كذا فی فتح القدير والبحر والطحطاوی وغيره من كتب الفقه۔

اور نظر سے وصیت میت کی جو ایسے کھانے کی کرجاوے باطل ہے، تنویر الابصار اور در مختار میں لکھا ہے[2] اوصى بان يتخذ الطعام بعد موته للناس ثلاثة ايام فالوصية باطلة كذا فی الخانية عن ابی بكر البلخی وعن ابی جعفر اوصى باتخاذ الطعام بعد موته يطعم الذين يحضرون للتعزية جاز من الثلث ويحل لمن طال مقامه او مسافته لا لمن لم يطل كذا فی تنوير الابصار والدر المختار والفتاوى العالمگيرية وغيره من كتب الفقه وتفسير طول المقام ان لا يبيتوا فی منازلهم وانما قلنا يمنع اتخاذ الضيافة فی ايام الماتم وهی ثلاثة ايام لانها ايام تاسف والضيافة انما تتخذ عند السرور لا فی الشرور وان اتخذ طعاما للفقراء كان حسنا كذا فی الغرائب

---

[1] میت کے گھر والوں کی طرف سے کھانے کا بندوبست ہونا بہت بری بدعت ہے کیونکہ دعوت خوشی کے وقت ہوتی ہے، نہ مصیبت کے وقت فتح القدیر، بحر، طحطاوی وغیرہ کتب فقہ میں ایسا ہی لکھا ہے ۱۲

[2] اگر مرنے والا وصیت کرے، کہ موت کے بعد تین دن تک کھانا پکانا، تو یہ وصیت باطل ہے، ابوبکر بلخی اور ابوجعفر نے کہا، اگر یہ وصیت کرے کہ تعزیت کے لئے آنے والوں کو کھانا کھلانا تو یہ وصیت ثلث سے پوری کی جائے گی، اور یہ کھانا ان آدمیوں کے لئے جائز ہوگا، جن کو زیادہ دیر ٹھہرنا ہو، یا جن کی مسافت دور ہو، زیادہ دیر ٹھہرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ رات کو واپس نہ جائیں، اور ہم نے جو یہ کہا ہے، کہ ماتم اور افسوس کے تین دنوں میں کھانا پکانا منع ہے، تو یہ اس لئے

الطعام الذی یصنعہ اھل المیت فیجتمع علیہ النساء والرجال فھو فعل قوم لاخلاق لھم فی الدین وقال احمد بن حنبل ھو من فعل الجاھلیۃ وروی ابن ماجۃ فی سننہ عن جریر بن عبد اللہ قال کنا نعد الاجتماع الی اھل المیت وصنعۃ الطعام من النیاحۃ انتہی ما فی تذکرۃ القرطبی المالکی، پس بموجب روایات مرقومہ بالا کے ایسے امور جاہلیت کا مٹانا اور موقوف کرنا عین ثواب اور خیر خواہی شرع شریف کی ہے اور اس سے غفلت اور درگذر کرنا کمال سفاہت اور قباحت ہے، واللہ اعلم بالصواب، حررہ السید محمد نذیر حسین

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں، علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک قوم مسلمانوں میں یہ دستور ہے، کہ جب کوئی مرد یا عورت مر جاوے، اور کفن وغیرہ کا فکر کیا جاوے، تو ساتھ ہی اس کے جو برادری کے آدمی دفن کرانے کو ہمراہ میت کے جاتے ہیں، ان کے کھانے کا بھی انتظام کیا جاتا ہے، اور برادری کے آدمی سب مل کر کھاتے ہیں، اس کھانے کا نام حاضری رکھا ہے، چاہے اس کو مقدور ہو یا نہ ہو، ایسا ہی دسواں اور بیسواں اور اس سے زیادہ چالیسواں کہ کل برادری کو کھانا کھلانا پڑتا ہے، اور اگر کسی شخص کے پاس کچھ نہ ہو اور برادری کو نہ کھلاوے، تو برادری کے لوگ زبردستی سے کھانا لیتے ہیں، بلکہ مجبور ہو کر سودی روپیہ لے کر برادری کو کھانا کھلانا پڑتا ہے، ایسا کھانا شرعاً جائز ہے یا مکروہ یا حرام ہے بینوا توجروا۔

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں اہل موتے کے گھر جو برادری کے لوگ اس دن کھانا کھاتے ہیں، وہ بدعت ہے، شریعت میں کہیں ثابت نہیں، ان کو چاہیئے کہ اس سے توبہ کریں، بلکہ یہ لوگ خود کھانا پکا کر اس دن اہل موتے کے گھر روانہ کریں، کیونکہ ترمذی شریف میں عبد اللہ بن جعفر سے روایت ہے، کہ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جعفر کے شہید ہونے کی خبر پہنچی، تو لوگوں سے آپ نے فرمایا، کہ جعفر کے گھر والوں کے واسطے

ہے، کہ وہ افسوس کے دن ہیں، اور ضیافتیں تو خوشی کے وقت ہوتی ہیں، غمی میں نہیں ہوتیں۔ اور اگر محتاجوں کے لئے کھانا پکائے تو چاہیے، غرائب میں ہے، کہ وہ کھانا جو میت کے گھر والے پکاتے ہیں، اور عورتیں اور مرد اس پر جمع ہوتے ہیں، یہ اس قوم کا فعل ہے جس کا دین میں کوئی حصہ نہیں ہے، امام احمد نے کہا یہ جاہلیت کی رسم ہے جریر بن عبد اللہ نے کہا کہ میت کے گھر اکٹھا ہونا، اور کھانا پکانا نوحہ کی ایک قسم ہے ۱۲۔

کھانا تیار کرو، کہ ان کو اس مصیبت میں کھانا پکانے کی فرصت نہیں، اور مشکوٰۃ شریف میں بھی یہ حدیث موجود ہے، لفظوں میں کچھ فرق ہے، اسی طرح دسواں، بیسواں، چالیسواں کہ اس کی بھی شریعت میں کچھ اصل نہیں ہے، مطلق ثواب پہنچانا میت کے لئے بلا قید ایام مذکورہ کے درست ہے، اور شریعت سے ثابت ہے، کہ میت کو حی حیا سے دو طرح پر نفع پہنچتا ہے، اول یہ کہ خود وہ اپنی حیات میں کوئی سبب اپنے ثواب کا مثل خیرات جاریہ مقرر کر جائے، اور احیاء اس کو جاری رکھیں، دوسرے یہ کہ مسلمان اس کو دعائے مغفرت و صدقہ و حج وغیرہ کے ساتھ یاد کریں۔ اتفق اهل السنة ان الاموات ينتفعون من الاحياء بامرين احدهما ما تسبب اليه الميت فى حياته والثانى دعاء المسلمين و استغفارهم والصدقة والحج كذا فى شرح الفقه الاكبر لملا على القارى والله اعلم۔ حررہ حبیب احمد دهلوى سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رسم مروج تیجا و دسواں و بیسواں و چالیسواں و چھماہی و برسی کہ اہل اسلام میں جاری ہے، عند الشرع جائز ہے یا ناجائز بینوا توجروا۔

الجواب:۔ درصورت مرقومہ رسومات مذکورہ مکروہ و بدعت ہیں کیونکہ زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ رض و تابعین و مجتہدین میں ان امور کی کچھ اصل و سند نہیں پائی جاتی، لہذا علمائے رحمۃ اللہ علیہم نے ان رسومات کو بدعت ممنوع اور قبیحہ سے شمار کیا ہے۔ يكره[1] اتخاذ الطعام فى اليوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الى المقبرة فى المواسم واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والفقراء للختم او لقراءة سورة الانعام او الاخلاص انتهى ما فى البزازية۔

اور فتاوے جامع الروایات میں شرح منہاج نووی سے نقل کرتا ہے فی شرح[2] المنهاج للنووى والاجتماع على المقبرة فى اليوم الثالث وتقسيم الورد والعود والطعام فى الايام المخصوصة كالثالث والخامس والتاسع والعاشر والعشرين والاربعين

[1] پہلے اور ساتویں دن کھانا پکانا، اور اس کو قبر پر لے جانا قرآن ختم کرانے کے لئے دعوت کرنا، اور علماء صلحاء و فقراء کو قرآن خوانی کے لئے جمع کرنا مکروہ ہے (بزازیہ) [2] تیسرے روز قبر پر اکٹھا ہونا اور پھول، عود، کھانے کا مخصوص دنوں میں تقسیم کرنا مثلاً تیسرے، پانچویں، نویں، دسویں، بیسویں، چالیسویں، چھٹے مہینے اور سال بعد یہ سب بدعت اور منع ہیں

والشہر السادس والسنۃ بدعۃ ممنوعۃ، اور شیخ علی المتقی استاد شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنے رسالہ رد بدعت میں فرماتے ہیں الاول الاجتماع للقراءۃ بالقرآن علی المیت بالتخصیص علی المقبرۃ او المسجد او البیت بدعۃ مذمومۃ لانہ لم ینقل عن الصحابۃ رضی اللہ عنہم شیئا انتہی۔

وصاحب قاموس مجد الدین فیروز آبادی نے بیچ سفر السعادت کے لکھا ہے، کہ "عادت نبود کہ برائے میت جمع شوند و قرآن خوانند و ختمات کنند نہ بر گور و نہ غیر آن مکان و این بدعت است و مکروہ، اور نصاب الاحتساب وغیرہ میں ان امور مذکورہ کے بدعت اور کراہت میں بہت کچھ لکھا ہے، پس تعین اوقات مخصوصہ میں ایصال ثواب کرنا بدعت اور مکروہ ہے، اور بغیر قید دن مقررہ کے ثواب میت کو پہنچانا درست و جائز ہے جیسا کہ قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر میں رواج تھا، اور رسومات مروجہ اس دیار کے بدعت اور کراہت تحریمی سے خالی نہیں، جیسا کہ علمائے متبعین شرع شریف پر پوشیدہ نہیں، واللہ اعلم بالصواب

حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین | محمد قطب الدین | سعادت علی | محمد عبید اللہ | محمد ہاشم

سوال (۱) ....

الجواب: بوسہ قبر حقیقی غیر ضمنی ہرگاہ جائز نہ شود، چہ جائے کہ قبر ضمنی لہذا در مدارج النبوۃ شیخ عبدالحق محدث دہلوی می نویسند بوسہ دادن قبر را و سجدہ کردن آن را وگلہ نہادن حرام و ممنوع است، و در بوسہ دادن قبر والدین روایت فقہی نقل می کنند و صحیح آن است کہ لا یجوز است وادنی لا یجوز گناہ صغیرہ است و اصرار بر آن کبیرہ است چنانکہ

لہ میت کے لئے قرآن پڑھنے کے لئے جمع ہونا خصوصاً قبرستان میں یا مسجد میں یا اس کے گھر تو یہ بدترین قسم کی بدعتیں ہیں، کیونکہ صحابہ کرام سے ان میں سے کوئی چیز بھی ثابت نہیں ہے ۱۲۔ ٢ہ یہ دستور نہیں تھا کہ میت کے لئے جمع ہو کر قرآن پڑھیں، ختم کرائیں، نہ قبر پر نہ کسی اور جگہ پر یہ بدعت ہے اور مکروہ ہے ۱۲

٣ہ اصلی قبر کو بھی جب بوسہ دینا جائز نہیں ہے، تو فرضی قبروں کو بوسہ دینا کیسے جائز ہوگا، چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ میں لکھتے ہیں "قبر کو بوسہ دینا، سجدہ کرنا، اس پر رخسار رکھنا حرام و ممنوع ہے، والدین کی قبر کو بوسہ دینے کے متعلق ایک روایت نقل کرتے ہیں، وہ بھی جائز نہیں ہے، اور جائز نہ ہونے کا مطلب کم از کم صغیرہ گناہ ہے

(۱) اس سوال کی عبارت نہیں مل سکی، جواب سے سوال کی نوعیت ظاہر ہے۔

در کتب فقہ و عقاید مرقوم است، و آنچہ حوالہ ملا علی قاری کردہ در مسائل ہمہ نیز دروغ بے فروغ است، چرا کہ ہرگاہ ہمہ فقہاء حنفیہ ناجائز و مکروہ نویسند، ملا علی قاری چگونہ جائز خواہد نوشت، چنانکہ در فتاوے بزازی و مستملی شرح منیۃ المصلی و تبیین المحارم وغیرہ مذکور است یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی القبر فی المواسم واتخاذ الدعوۃ لقراءۃ القرآن وجمع الصلحاء والفقراء للختم او لقراءۃ سورۃ الانعام او الاخلاص ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من اھل المیت لانہ شرع فی السرور لا فی الحزن وھی بدعۃ مستقبحۃ کما فی المستملی شرح منیۃ المصلی وشرح الھدایۃ للعینی وشیخ عبدالوھاب متقی استاذ شیخ عبدالحق المحدث الدھلوی۔

و نیز استاذ ملا علی قاری در رسالہ خود می نویسند، کہ ختم خواندن قرآن مجید روز سیوم در مسجد یا در خانہ چنانکہ رسم است بدعت است، زیرا کہ از آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام و تابعین و مجتہدین عظام ثابت نشدہ، و علامہ حسام الدین سنامی در رسالہ خود بست و پنج وجہ مفاسد درباب سپارہ خواندن روز سیوم و چہارم نقل کردہ و در جامع الروایات نیز لوجہ بسط نظر باید کرد، و کتب دیگر مذہب ہم برین منوال است، چنانچہ امام نووی شافعی در شرح مہذب و قرطبی مالکی در تذکرہ خود امور مذکورہ را بدعت و کراہت نوشتہ اند، و جناب شیخ عبدالحق محدث دہلوی در ترجمہ مشکوۃ شریف و شرح

اور اس پر اصرار کرنے سے گناہ کبیرہ ہو جاتا ہے، اور وہ جو ملا علی قاری کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں، وہ بھی خالص جھوٹ ہے، کیونکہ جب تمام فقہاء اس کو ناجائز لکھتے ہیں، تو ملا علی قاری اس کو کیسے جائز کہہ سکتے ہیں چنانچہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے، کہ "تیسرے اور ساتویں روز کھانا پکانا اور اس کو قبر پر لے جانا، اور قرآن خوانی کے لئے مبعوث کرنا، اور فقراء و صلحاء کو ختم قرآن کے لئے بلانا سب مکروہ ہے، اور میت کے گھر والوں سے ضیافت کھانا بھی ناجائز ہے، کیونکہ ضیافت خوشی میں ہوتی ہے۔ نہ کہ غم میں، یہ بدترین قسم کی بدعت ہے" احناف میں یہ مضمون علامہ عینی، شیخ عبدالوہاب متقی، شیخ عبدالحق دہلوی اور ملا علی قاری کی کتابوں میں صراحۃً پایا جاتا ہے علامہ حسام الدین سنامی نے اپنے رسالہ میں میت پر قرآن خوانی کے متعلق پچیس وجہیں اس کے باطل اور ناجائز ہونے کے متعلق لکھی ہیں، "جامع الروایات" میں اس مضمون کو بڑے بسط سے بیان کیا ہے، امام نووی شافعی نے شرح مہذب میں اور قرطبی مالکی نے اپنے تذکرہ میں ان تمام امور کو بدعت سیئہ قرار دیا ہے شیخ عبدالحق محدث

فارسی آن می نویسند، کہ اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چنانکہ در کردن است در ناکردن است انتہی یعنے آنچہ کردہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دران تابعداری باید نمود، و آنچہ نہ کردہ درین ہم تابعداری در نہ کردن آن چنانکہ بر دانندگان مخفی نیست، کہ بزبان برکت نشان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام و تابعین و تبع تابعین و مجتہدین مقرر کردن روز سیوم چنانکہ رسم درین زمانہ افتادہ ہرگز نبود، و در ہیچ کتب ائمہ اربعہ و محدثین متقدمین و متاخرین محققین این امر مذکور و مروی نشدہ پس لابد در حیز بدعت و کراہت خواہد بود و درین دلائل بسبب فقدان کتب دینیہ ازین شہر برین چند سطر دینیہ اکتفا رفتہ ان شاء اللہ تعالیٰ از عقب درین باب از دہ دوازدہ کتاب فقہ معتبرہ اسناد لہ غرباً و شرقاً نوشتہ بشرط فرصت خواہم فرستاد و برادران دینی را لازم است کہ در آنچہ از آن سرور خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ مجتہدین ماثور و منقول و معمول بہ شدہ اند پیروی و اتباع نمایند، چہ محب را باید کہ اتباع محبوب خود در آنچہ کردہ و در آنچہ نہ کردہ کنند، و خلاف فعل وے نہ نماید تا اتباع راست آید، واللہ اعلم بالصواب

الراقم العاجز سید محمد نذیر حسین عفی عنہ | سید محمد نذیر حسین

نعم التحقیق وجدنا التوفیق والحق ان ھذا الشئ عجاب فاعتبروا یا اولی الالباب

محمد عبد الرب | حسیب اللہ بس حفیظ اللہ | محمد اسد علی | اسلام آبادی

سوال: چہ می فرمایند علمائے محققین دین اندرین مسئلہ کہ عبادت شاقہ و نفس کشی در کثرت ثواب و قرب الٰہی افضل و ادخل و اوفق است یا اتباع و اقتدائے محبوب رب العالمین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم افضل و الزم و موجب زیادت قرب الٰہی ست امیدوارم کہ بدلائل کتاب و سنت بلا رد و رعایت احدی ارشاد فرمایند، کرامت مرحوم

دہلوی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی جیسے اعمال کے بجالانے میں ہے اسی طرح منہیات سے اجتناب کرنے میں بھی ہے"

علمائے کرام جانتے ہیں کہ ان تمام چیزوں کا نام و نشان بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام تابعین، تبع تابعین کے زمانے میں نہیں تھا، لہٰذا یہ بدعت ثابت ہوئے، اور بدعت سے ہر مسلمان کو پرہیز کرنا چاہیے، یہ مختصر جواب ارسال ہے، اس کے بعد ان شاء اللہ فقہ کی دس بارہ معتبر کتابوں کی عبارتیں نقل کر کے آپ کو مفصل جواب لکھوں گا، واللہ اعلم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ عبادات شاقہ اور نفس کشی ثواب کے لحاظ سے زیادہ بہتر ہیں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع زیادہ بہتر ہے؟ امید ہے کہ کتاب و سنت سے اس کا جواب عنایت فرمائیں گے،

بران کاربند شود، واز افراط و تفریط باز ماند۔

الجواب۔ کثرت ثواب و قرب الٰہی در اتباع و رضا جوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاصل خواہد بود، نہ در عبادت شاقہ و نفس کشی کہ خلاف طریقہ مرضیہ آن خیر البریہ صلی اللہ علیہ وسلم باشد، و مواظبت و مداومت بر آن دشوار تر شود، پس بر او باید جاوید لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ عمل باید کرد، و تاویل فاسدہ بہ تخیلات نفسانیہ دران نشاید۔

خلاف پیمبر کسے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

زیرا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحکم رب العالمین و احکم الحاکمین بملت حنیفیہ سمحۃ سہلہ مبعوث و مامور شدند باشرف احوال چنانکہ فرمان عالی شان فاتبعوا ملۃ ابراھیم حنیفا الآیۃ وما جعل علیکم فی الدین من حرج الا یۃ و یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر وغیرہا من الآیات بران شواہد عادلہ مستند است۔

چون طمع خواہد زمن سلطان دین خاک بر فرق قناعت بعد ازین

در صحیح بخاری بابے است، در بیان قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ فرمود احب الدین الی اللہ محبوب ترین دینہا بسوئے خدا تعالے الحنیفیۃ طریقہ ایست کہ منسوب بسوئے حنیف است، یعنی ملت ابراہیم خلیل الرحمن علیہ الصلوۃ والسلام و حنیف در لغت بمعنے میل کنندہ است از باطل بسوئے حق السمحۃ طریقہ ایست کہ آسان باشد، انتہی ما فی صحیح البخاری۔

قولہ احب الدین ای خصال الدین لان خصال الدین کلہا محبوبۃ لکن ما کان منہا سمحا ای سہلا فہو احب الی اللہ ویدل علیہ ما رواہ احمد بسند صحیح من حدیث اعرابی لم یسمہ انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الجواب:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ثواب زیادہ ہے، نہ کہ عبادات شاقہ میں جو سنت کے خلاف ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسان دین دے کر بھیجا گیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ابراہیم حنیف کے مذہب کی پیروی کرو الآیۃ، اس نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی، الآیۃ اللہ تعالیٰ تم پر آسانی کرنا چاہتے ہیں نہ کہ تنگی، وغیرہ۔ بخاری شریف میں ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پیارا دین حنیف ہے، جو آسان ہے مطلب یہ ہے کہ دین کے تمام امور ہی خدا تعالیٰ کو پسند ہیں لیکن سب سے زیادہ پیارا

یقول خیر دینکم ایسرہ الحدیث والحنیفیۃ ملۃ ابراھیم علیہ الصلوۃ والسلام والحنیف فی اللغۃ ما کان علی ملۃ ابراھیم وسمی ابراھیم حنیفا لمیلہ عن الباطل الی الحق لان اصل الحنف المیل والسمحۃ ای السھلۃ ای انھا مبنیۃ علی السھولۃ لقولہ تعالی وما جعل علیکم فی الدین من حرج ملۃ ابیکم ابراھیم الی اخر ما فی فتح الباری شرح صحیح البخاری السمحۃ السھلۃ الابراھیمیۃ الحنیفیۃ المخالفۃ لادیان بنی اسرائیل وما یتکلفہ احبارھم من الشدائد واحب بمعنی المحبوب لا بمعنی محب وھذا تعلیق اسندہ ابن ابی شیبۃ فیما قالہ الزرکشی والبخاری فی الادب المفرد واحمد بن حنبل فیما قالہ الحافظ ابن حجر وغیرہ وانما استعملہ المؤلف فی الترجمۃ لانہ لیس علی شرطہ ومقصودہ ان الدین یقع علی الاعمال لان الذی یتصف بالعسر والیسر انما ھو الاعمال دون التصدیق انتہی ما فی القسطلانی شرح صحیح البخاری۔

فی الجملۃ دین سہل ترک شائبہ حرج وتنگی دران نہ باشد آن ملت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ است زیرا کہ حق تعالٰے درشان آن فرمود وما جعل علیکم فی الدین من حرج واین دین محمدی بہ نسبت تمام ملل وادیان اسہل وارفق است چنانچہ قول خداوند کریم از عرض حال وقال بندگان فرمود ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملتہ علی الذین من قبلنا ازان خبرے دہد یعنے اے رب العالمین وارحم الراحمین اعمال شاقہ کہ در امتہائے سابقہ واشتہ بود ازین امت مرحومہ برطرف وموقوف فرمود واحکام سہلت الوجود مشروع نمود الاصر فی اللغۃ الثقل والشدۃ انتہی ما فی التفسیر الکبیر وغیرہ وعن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فرمود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان الدین یسر ہر آئینہ دین وآئین من آسان است ازین قول رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم رد وانکار نامے شود بر منکران آسان بودن دین محمدی را والتکلیف بمان درد

آسان مسلک ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین دین وہ ہے جو آسان ہے اللہ تعالٰے کے بندوں کو تعلیم فرمایا ہے، کہ خدا کے بندے یہ دعا کرتے ہیں، کہ اے ہمارے رب ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جیسا پہلے لوگوں پر ڈالا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے دین آسان ہے" اس حدیث سے ان لوگوں کا رد ہوتا ہے، جو کہتے ہیں

علی منکر بیر ھذا الدین فاما ان یکون المخاطب منکرا او تقدیرا تنزیلہ منزلتہ
او علی تقدیر المنکرین من المخاطبین او تکون القصۃ مما یھتم بھا کذا فی
القسطلانی فی شرح صحیح البخاری ۔ و لن یشاد الدین الا غلبہ ہرگز مغالبہ و مقابلہ
کردہ نشود دین را مگر آن کہ غالب می شود دین آن مقابل را، و در بعضے روایات آمدہ لن
یشاد الدین احد الا غلبہ یعنے تعمق و تکلف نمی کند ہیچ کس در دین بارتکاب اعمال شاقہ
و ترک افعال سہلہ مگر آن کس عاجز شود و مغلوب گردد، و دین باوجود آنکہ یسیر و آسان است
برو غالب آید یعنی ور آخر الامر مضطر بسوے عمل بر خصت و سہولت خواہد بود، و ترک افضل و قصور
در ادائے فرائض و واجبات ازو بوقوع آید، و طلب الکل فوت الکل گردد،

و مقصود الشارع منع الافراط المؤدی الی الملال او المبالغۃ فی التطوع المفضی
الی ترک الافضل او اخراج الفرض عن وقتہ کمن بات یصلی اللیل کلہ و یغالب
النوم الی ان غلبتہ عیناہ فی اخر اللیل فنام عن صلوۃ الصبح فی الجماعۃ او الی
ان خرج الوقت المختار انتہی ما فی الفتح الباری وع ۔

کہ عشق آسان نمود اول ولے افتاد مشکلہا

فسددوا پس لازم گیرید صواب را در قول و فعل و تجاوز نہ کنید از اعتدال بسوے افراط و
تفریط و قاربوا و نزدیک باشید در طریق ریاضت و عبادت بسہولت کہ بران مواظبت
می توانید کرد و در مقاربت میانہ روی قرب الٰہی بجوئید و ابشروا و مژدہ دہید بثواب
جزیل بر عمل دائم اگرچہ قلیل باشد یا خوش باشید بدان واستعینوا بالغدوۃ و طلب
یاری کنید بر دوام عبادت و قیام ریاضت بہ پگاہ یعنے اول وقت والروحۃ بآخر وقت
بعد زوال و شیء من الدلجۃ و بچیزے از سیر آخر شب، پس گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کہ دین پر عمل کرنا بڑا مشکل ہے، حضور نے فرمایا "جو دین میں سختی اختیار کرے گا، دین اس پر غالب آجائے گا" یعنے وہ
ریاضات شاقہ سے تنگ آکر بالآخر رخصت پر عمل کرنے پر مجبور ہو جائے گا، اور اس صورت میں طلب الکل فوت الکل
کا مصداق بن جائے گا، شریعت کا مقصد یہ ہے کہ ایسی نفلی افراط سے بچنا چاہیے جو ترک نفل کرائے یا واجب
وفرض میں خلل ڈالے مثلاً کوئی ساری رات نفل پڑھے اور آخری وقت میں اس پر نیند غالب آجائے، اور صبح کی
نماز ضائع ہو جائے، پس تم افراط تفریط سے بچو، اور ریاضت شاقہ سے بچتے ہوئے سہولت اختیار کرو، کہ اس پر
تم مواظبت اختیار کر سکو گے، اور لوگوں کو ملازمت پر اجر جزیل کی بشارت سناؤ، اور کچھ سفر پہلے پہر کر لیا کرو، اور

باین کلام برکت التیام درین مقام تشبیہ داد عامل را بہ مسافر بسبیل استعارہ ومخاطب کرد مسافرے کہ بسوئے یک مقصد سفر نمودہ باشد، پس وے را بر اوقات نشاط متنبہ ساخت زیراکہ مسافر وقتے کہ تمام شب وروز سیر کند البتہ عاجز می شود و بمقصد خود نمی رسد، وہر گاہ کہ دریں اوقات نشاط سیر کند بلا ریب اور امداومت بر مسافرت آسان شود، و بمقصد خود واصل گردد، واین استعارہ باحسن وجہ واقع گردید، زیراکہ دنیا دار نقل است بسوئے دار آخرت وفی روایۃ ابن ابی ذیب القصد القصد بالنصب فیہما علی الاغراء القصد الاخذ بالامر الاوسط انتہی ما فی فتح الباری مختصرًا ومصنف این حدیث را ازان جہت آوردہ، کہ این حدیث مناسب الرابئے احادیث سابقہ است چہ آن احادیث متضمن ترغیب اند، در قیام وصیام ودر جہاد وغیرہ، پس ارادہ کرد کہ بیان نماید کہ اولے وافضل برائے عامل شریعت آن است، کہ درین اعمال حد اعتدال وتوسط بجز افراط وتفریط اختیار کند، تا دوام بر آن اعمال میسر گردد، واز جہت ملال وکسل ترک آن اعمال بالکل حاصل نباید، ہذہ خلاصۃ ما فی فتح الباری وغیرہ رواہ البخاری، روایت کرد این حدیث را امام بخاری در صحیح خود، ونیز در باب دیگرے گوید باب احب الدین الی اللہ ادومہ باب است در بیان آنکہ محبوب ترین دین وآئین بسوئے خدا ہمیشہ ترین آن دین است، ومراد مؤلف ازین باب استدلال است بر آنکہ اطلاق ایمان بر اعمال می شود، زیراکہ مراد از دین عمل است، ودین حنیفی متحد باسلام است واسلام مرادف ایمان است پس مقصود باین قید صحیح باشد، وقبل ازین ذکر کہ حسن اسلام باعمال صالحہ است، پس درین باب تنبیہ کرد، کہ

کچھ پچھلے پہر اور کچھ رات کی تاریکی میں"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عامل کو مسافر سے تشبیہ دی، کہ اگر کوئی مسافر دن رات چلتا ہے تو آخر تھک جائے گا، اما اگر کوئی مسافر کچھ دیر آرام کرلے، اور کچھ سفر کرلے، تو وہ اپنی منزل پر پہنچ جائے گا، اور حضور کی یہ تشبیہ بہت صحیح ہے، کیونکہ دنیا سے آخرت کو چلنا بھی ایک سفر ہے، بخاری شریف میں اس حدیث سے پہلے قیام اور صلوۃ وغیرہ کے فضائل کی حدیثیں بیان ہوئی تھیں، ان کے بعد امام بخاری اس حدیث کو لائے ہیں، کہ اعمال بجالانے میں میانہ روی اختیار کرنا چاہیے، بخاری شریف کی دوسری حدیث یہ ہے، کہ اللہ کو پیارا دین وہ ہے، جس پر عامل ہمیشہ عمل کرسکے، اس کا مطلب یہ ہے، کہ انسان ہمیشگی اسی عمل پر کرسکتا ہے، جو آسان ہو اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا، کہ اعمال کو دین کہا گیا ہے، کیونکہ تنگی یا آسانی تو اعمال میں ہی ہوسکتی ہے، نہ کہ تصدیق میں اور دوام سے مراد حقیقی نہیں ہے کہ ہر وقت

مجاہدہ نفس تا بحد ملالیہ مطلوب نیست شرعاً و بعضے ازین معنے در باب الدین یسر گذشت واین خلاصہ فتح الباری است و ادوم افعل التفضیل من الدوام والمراد منہا الدوام العرفی وھو قابل للکثرۃ والقلۃ انتہی ما فی القسطلانی شرح البخاری یعنے دوام قابل از برائے تفضیل نیست زیرا کہ آن عبارت از شمول ازمنہ واوقات است، پس معنے لفظ ادوم چیست، جواب داد شارح کہ مراد از دوام عرفی است نہ حقیقی وآن قابل است از برائے کثرت وقلت۔

عن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دخل علیہا گفت حضرت عائشہ رضی بدرستیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درآمد بروے وعندھا امرأۃ ونزد وے زنے بود ونام آن زن حولاء بنت تویت بہ دو تائے مثناۃ فوقانیہ بصیغہ مصغر پسر حبیب پسر اسد پسر عبد العزی از گروہ وقوم ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبرے بود فقال پس گفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم من ھذہ کیست این قالت گفت حضرت عائشہ فلانۃ کہ این زن فلان زن است، کنایہ کرد از حولاء اسدیہ وعبد الرزاق در روایت معمر از ہشام زیادہ کردہ است حسنۃ الہیئۃ راتن کرد کرمی کرد حضرت عائشہ رضی واین بر تقدیر صیغہ مؤنث معروف است ودر بعضے روایات بذکر بصیغہ مذکر مجہول آمدہ وبریں تقدیر لفظ من صلوتہا مفعول مالم یسم فاعلہ وے خواہد بود ودر بعضے روایات آمدہ لاتنام باللیل ودر بعضے روایات آمدہ وزعموا انہا لاتنام باللیل واخرجہ الحسن بن سفیان فی مسندہ من طریقہ ولفظہ کانت عندی امرأۃ فلما قامت قال لہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ھذہ یا عائشۃ قال یا رسول اللہ ھذہ فلانۃ وھی اعبد اھل المدینۃ فذکر الحدیث ھذا ملخص ما فی الفتح الباری وارشاد الساری قال فرمود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مہ باز ایست وباز مان اے عائشہ وخود را نگہدار ازین

عمل ہوتا رہے، بلکہ اس سے مراد دوام عرفی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے، اور حضرت عائشہ رضی کے پاس ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی، آپ نے پوچھا یہ کون عورت ہے حضرت عائشہ نے جواب دیا یہ فلاں عورت ہے (یعنی حولاء اسدیہ) جو رات کو کبھی نہیں سوتی یہ مدینہ میں سب سے زیادہ عبادت کرنے والی عورت ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ اس بات کو چھوڑو تم پر اتنا ہی ضروری ہے جس کی تم طاقت رکھو، جب تم اکتا جاتے ہو۔ تو خدا تعالیٰ بھی اکتا جاتے ہیں اللہ کو سب سے پیارا دین وہ ہے جو آسان ہو۔

سخن دمہ کلمہ ایست کہ گفتہ می شود برائے زجر وانکار و بعد ازان احتمال دارد کہ این زجر وانکار از برائے حضرت عائشہ رض باشد و مقصود ازین کلام نہی ومنع آن باشد از آنچہ ذکر کرد از مدح آن زن بکثرت ریاضت وعبادت تمام شب، واحتمال دارد کہ مراد نہی از ان فعل باشد چنانچہ جماعتے از ائمہ دین ہمین احتمال بر سبیل یقین اخذ نمودند وگفتہ اند کہ نماز تمام شب خواندن مکروہ است، چنانچہ دیگر جا بخاری ذکر این خواہد کرد۔ وھذا الزجر یحتمل ان یکون لعائشۃ والمراد نھیھا عن مدح المراۃ بما ذکرت ویحتمل ان یکون المراد النہی عن ذلک الفعل وقد اخذ بذلک جماعۃ من الائمۃ فقالوا یکرہ صلوۃ جمیع اللیل کما سیاتی فی مکانہ انتہی ما فی فتح الباری۔ علیکم بما تطیقون لازم گیرید شما آن چیزیکہ طاقت دارید بر مواظبت بر آن ہا وعلیکم اسم فعل است بمعنی الزموا وخطاب درین کلام ہمراہ نساء بود لیکن حکم را تعمیم نمود واز جہت شرافت تغلیب داد ذکور را بر اناث، واین کلام بما عبارت منطوق تقاضای کند از برائے امر باقتصاد وتوسیط کہ مغائر از افراط وتفریط است، تا بر آن مواظبت یافتہ شود، قاضی عیاض گفتہ کہ این نہی احتمال دارد کہ بنماز تمام شب باشد واحتمال دارد کہ عام برائے جمیع اعمال شرعیہ باشد۔ قال القاضی عیاض یحتمل ان یکون ھذا خاصا بصلوۃ اللیل ویحتمل ان یکون عاما فی الاعمال الشرعیۃ۔ قلت سبب ورودہ خاص بالصلوۃ لکن اللفظ عام وھو المعتبر وقد عبر بقولہ علیکم مع ان المخاطب النساء طلبا لتعمیم الحکم فغلب الذکور علی الاناث انتہی ما فی فتح الباری فواللہ پس سوگند است مر خدائے تعالے ودرین کلام دلالت است، کہ سوگند خوردن بغیر طلب روا است، بلکہ مستحب است، برائے تفہیم وتعظیم امرے از امور دین باشد یا تیز کردن بر آن امر باشد یا برائے تنفیر از محذور باشد، چنانکہ این مسئلہ بمقام خود مصرح است، وبر اہل بلاغت مخفی نیست لا یمل اللہ حتی تملوا کہ ملال نمی کند خدا تعالے تا آنکہ ملال کنید شما، ومراد از ملال خدا تعالے ترک ثواب دادن بر عمل است، ومراد از ملال مخاطبین ترک عمل است، و این مجاز از قبیل اسم سبب بر مسبب است زیرا کہ ملال از شے سبب ترک آن شے می شود و توجیہ درین لب یا لا است، در شرح صحیح بخاری ومسلم باید دید وکان احب الدین الیہ و ہست محبوب ترین دین بسوئے خدا ما دادم علیہ صاحبہ رواہ الشیخان آن چیزیکہ

اس حدیث کو ملحوظ رکھتے ہوئے بہت سے علماء نے استنباط کیا ہے، کہ تمام رات نماز پڑھنا مکروہ ہے، امام نووی

مداومت ومواظبت نماید برآن چیز صاحب آن دین ومراد از دین درین جا عمل است چنانکہ سابق گذشت، ومراد از مداومت مواظبت عرفی است، از جہت آنکہ مداومت حقیقی کہ عبارت از شمول جمیع ازمنہ واوقات است از بشر محال وممتنع است وزاد المصنف ومسلم من طریق ابی سلمۃ عن عائشۃ رض ان احب الاعمال الی اللہ ما دووم علیہ وان قل کذا فی فتح الباری۔

وامام نووی گفتہ کہ اندک از طاعت وقربت بسبب دوام ومواظبت برکثیر منقطع اضعاف مضاعفہ زاید می شود، ودرین اشارہ است بسوے قول وے حق سبحانہ کہ فرمود ورھبانیۃ ن ابتدعوھا ما کتبناھا علیھم الا ابتغاء رضوان اللہ فما رعوھا حق رعایتھا الایۃ وازین جا است کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص چون از عمل ضعیف می شد پشیمان می شد بر انکار ومراجعتے کہ بہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درباب تخفیف کردہ بود می گفت لیتنی قبلت رخصۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہرگز قطع نمی شد از عملے کہ التزام کردہ بود آن عمل چنانچہ این قصہ در صحیح بخاری ومسلم وغیرہما بوجہ بسط مذکور است، وپر ظاہر است کہ مداومت ومواظبت برامر شاق وگران دشوار است، لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم از راہ شفقت ورافت امت خود را خصوصاً صحابہ کرام را بر عمل سہل کہ برآن مواظبت ممکن باشد جا کید ارشاد ہدایت نمود کما لا یخفی علی المتامل الماہر بالشریعۃ الغراء۔ قال النووی بدوام القلیل تستمر الطاعۃ بالذکر والمراقبۃ والاخلاص والاقبال علی اللہ بخلاف الکثیر الشاق حتی ینمو القلیل الدائم بحیث یزید علی الکثیر المنقطع اضعافا کثیرۃ انتہی ما فی فتح الباری، وفواید درین حدیث بسیار است، چنانکہ بر دانشمند شرع پوشیدہ نیست،

نے کہا ہے، کہ تھوڑے عمل کا اجر بسا اوقات ہمیشگی کی وجہ سے بڑھ جاتا ہے، اور زیادہ عمل کا اجر بسبب منقطع ہونے عمل کے گھٹ جاتا ہے، اور اس حدیث میں قرآن کی اس آیت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے " اور رہبانیت کو انہوں نے از خود بنا لیا تھا، ہم نے ان پر اس کو فرض نہیں کیا تھا، بالآخر وہ اس کو نباہ نہ سکے الآیۃ، یہی وجہ ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص جب عمل سے تھک جاتے تو اس تکرار پر بڑے پشیمان ہوتے، جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تخفیف عبادت کے متعلق کی تھی، اور کہتے تھے کاش میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رخصت کو قبول کر لیتا، اور اپنے مقرر کردہ عمل میں کبھی کوتاہی نہ کرتا۔

وعن عائشۃ رض قالت گفت عائشہ رض کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اذا امرھم من الاعمال امرھم بما یطیقونہ وقتیکہ کرام می فرمود اصحاب کرام را امری فرمود از جملہ اعمال وافعال بآن چیزے کہ طاقت می داشتند آن چیز را، حاصل آنکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچیزے کہ در وسع وطاقت مداومت وموظبت باشد لیکن مداومت وموظبت بروے بسبب عادت محال و دشوار باشد تکلیف نمی فرمود بلکہ تکلیف بآن چیزے می فرمود کہ موظبت ومداومت بروے آسان وسہل تر باشد زیرا کہ فرمود احب الاعمال الی اللہ ادومہ، قالوا گفتند اصحاب کرام برائے آن خیر الانام انا لسنا کھیئتک بدرستیکہ ما یان نیستیم مثل صورت مبارک تو یا رسول اللہ یعنی حال ما یان مثل حال شما نیست زیرا کہ ان اللہ قد غفر لک ہر آئینہ خدا تعالیٰ بخشیدہ است ترا فغضب پس قہر وخشم کرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم از قول صحابہ کرام حتی یعرف فی وجہہ الغضب تا آنکہ شناختہ می شد در روئے مبارک اثار قہر وخشم ثم یقول انا اتقاکم پس تری فرمود من پرہیزگار تر شما ام ودرین قول اشارہ است بسوئے کمال قوت عملیہ واعلمکم باللہ انا دوانا ترین شما بخدائے تعالیٰ منم ودرین قول اشارہ است بسوئے کمال قوت علمیہ، خلاصہ این کہ من زیادہ تر در تقوے وپرہیزگاری وعلم ودانش از شما ام ہرچہ امر کنم بر آن اقدام کنید، واز رائے وعقل خود دران چون وچرا نہ کنید واز وہم وخیال بر عبادت شاقہ ارادہ نماید و فرمودہ مرا موجب قرب الٰہی دانید، ازینجا است کہ امام بخاری در کراہت عبادت شاقہ بابے جداگانہ نوشتہ باب ما یکرہ من التشدید فی العبادۃ عن انس بن مالک قال دخل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاذا حبل ممدود بین الساریتین فقال

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کو کوئی حکم دیتے تو ایسا ہی حکم دیتے جو لوگوں کی طاقت کے مطابق ہوتا، اور فرماتے کہ اللہ تعالیٰ کو پیارا عمل وہ ہے، جس پر مداومت کی جائے، لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم آپ جیسے تو نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کے گناہ تو معاف کر دیئے ہیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے یہاں تک کہ آپ کے چہرے پر غضب کے آثار نظر آنے لگے، پھر آپ نے فرمایا، میں تم سب سے زیادہ پرہیزگار ہوں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو جانتا ہوں مطلب یہ کہ خداوند تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے میری اطاعت کرو، میری ہدایات کو ملحوظ رکھو، اپنے اوپر آسان اعمال رکھو، اور اپنے قیاس سے عبادات شاقہ اختیار نہ کرو، یہی وجہ ہے، کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسکے

ما ھذا الحبل قالوا ھذا حبل لزینب فاذا فترت تعلقت فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا حلوہ لیصل احدکم نشاطہ فاذا فتر فلیقعد۔ وعن عائشۃ قالت عندی امرأۃ من بنی اسد فدخل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال من ھذہ قلت فلانۃ ما تنام باللیل فذکر من صلاتہا فقال مہ علیکم بما تطیقون من الاعمال فان اللہ لا یمل حتی تملوا رواہ البخاری فی الجزء الخامس۔

خلاصہ ترجمہ روایت انس بن مالک این است، کہ حضرت زینب کہ یکے از ازواج مطہرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بودند رسن دراز کردہ میان دو ستون بستہ بودند بردقت کسل وسستی در قیام نماز برآن رسن می آویختند، کہ سستی وغلبہ خواب رفع شود ودور گردد، پس آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم آن را دیدہ فرمودند، کہ این رسن تنیدہ درمیان دو ستون بستہ چیست گفتند دیگر مردمان کہ این رسن بستہ حضرت زینب است، کہ ہرگاہ کہ در قیام نماز فتور وسستی واقع می شود، ایشان آن رسن را گرفتہ می آویزند کہ این سستی وغلبہ خواب دفع شود پس آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمود کہ بکسلانید این رسن را و دور کنید و این کشاید باید کہ تاوقت نشاط نماز خوانند وبروقت فتور وغلبہ خواب بنشینند یا بخسپند وبعد استراحت از خواب یا از نشست برخواست باز نماز خوانند ولفظ لا محتمل است کہ معنی نفی باشد ای لا یکون ھذا الحبل ولا یمد ومحتمل کہ لائے نہی باشد ای لا تفعلوہ چنانچہ از عینی ودیگر شرح بخاری مستفاد می شود، پس ازین حدیث واضح شد، کہ عبادت شاقہ مکروہ وخلاف طبع و

متعلق ایک الگ باب باندھا ہے۔ کہ "عبادت میں سختی مکروہ ہے" اور حدیث بیان کی ہے، انس بن مالک کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوئے، اور دیکھا، کہ دو ستونوں کے درمیان ایک رسی بندھی ہے آپ نے فرمایا، یہ رسی کیسی ہے، لوگوں نے کہا یہ زینب کی رسی ہے، جب وہ قیام کرتے کرتے تھک جاتی ہے، تو اس سے اپنے آپ کو باندھ لیتی ہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو کھول دو، اپنی خوشی تک نماز پڑھنی چاہیے، جب تھک جائے تو بیٹھ جائے، اور حضرت عائشہ رض نے کہا، کہ میرے پاس نبو اسد کی ایک عورت بیٹھی تھی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اندر داخل ہوئے، آپ نے پوچھا یہ عورت کون ہے، میں نے کہا یہ فلاں عورت ہے یہ رات کو کبھی نہیں سوتی، پھر اس کی نماز کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا، اے عائشہ اس بات کو چھوڑ دے، اتنا ہی عمل کیا کرو جتنی تمہیں طاقت ہو، اس وقت تک خدا تعالیٰ بھی نہیں اکتاتے، جب تک کہ تم نہ اکتا جاؤ؛

وضع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم است زیرا کہ مداومت بر آن دشوار باشد۔
ومنجملہ فواید این حدیث یکے آن است کہ نفس امارہ را طالب شود از تجاوز حدودے کہ شارع مقرر فرمودہ از عزیمت ورخصت واعتقاد کند کہ عمل کردن باسہل وارفق کہ موافق شرع شریف باشد اولے وارفق وافضل است از اختیار اشد کہ مخالف آن باشد چنانچہ خدا تعالے مے فرماید کہ ما اٰتکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا۔ الآیۃ بہرحال اتباع قول وفعل رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم لازم است، نہ بر خواہش نفسانی عمل باید کرد امام بخاری ومسلم در باب اعتصام بالکتاب والسنۃ حدیثے آوردہ از انس بن مالک صحابی عن انس قال جاء ثلاثۃ رھط الی ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسألون عن عبادۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم گفت حضرت انس رضی اللہ عنہ کہ آمدند سہ تن از صحابہ بسوئے زنان پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم در حالے کہ می پرسیدند از ایشان از عبادت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فلما اخبروا بھا پس چون خبر دادہ شدند بعبادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و بیان کردند ازواج مطہرات کہ عبادت ایشان این قدر بود کانھم تقالوھا گویا کہ این سہ تن صحابی کم پنداشتند آن عبادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را فقالوا این نحن من النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد غفر اللہ لہ ما تقدم من ذنبہ وما تاخر پس گفتند کجائیم ما از مرتبہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم یعنے مارا بجناب فیض مآب وے چہ نسبت اگر عبادت کم کند او رامی رسد، وحالانکہ ہر آئینہ کم مزید است خدا تعالے مر اورا آنچہ پیش گذشتہ است از گناہان وآنچہ پس آمدہ اورا فقال احدھم اما انا فاصلی اللیل ابدا پس گفت یکے ازان سہ تن صحابی اما من پس عہد کردم کہ نماز بگذارم در شب ہمیشہ یعنی تمام عمر با تمام شب وقال الآخر انا اصوم النہار ابدا وگفت دیگرے من روزہ می دارم ہمیشہ ولا

اس حدیث سے واضح ہوا، کہ عبادات شاقہ مکروہ وخلاف طبع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، کیونکہ ان پر مداومت دشوار ہے امام بخاری ومسلم نے باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث لاتے ہیں، کہ تین آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے پاس آئے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق سوال کیا جب انہوں نے آپ کی عبادت کے متعلق خبر دی، تو انہوں نے اس عبادت کو کم محسوس کیا کہنے لگے ہماری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے برابری کیسے ہو سکتی ہے، اللہ تعالےٰ نے آپ کے سارے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دیئے ہیں تو ایک نے کہا، کہ میں تو ہمیشہ ساری رات نماز پڑھا کروں گا، دوسرے نے کہا، میں ہمیشہ روزے رکھا کروں گا، اور کبھی

افطر ونمی کشائم روزہ را وقال الآخر انا اعتزل النساء فلا اتزوج ابدا وگفت دیگرے من گوشہ بگیرم از زنان پس نکاح نمی کنم ہمیشہ فجاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم الیھم فقال انتم الذین قلتم کذا وکذا پس آمد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بسوے ایشان پس گفت شمائید کہ می گفتید چنان وچنین اما واللہ انی لاخشاکم للہ آگاہ باشید بخدا سوگند کہ بدرستیکہ من سر آئینہ ترسگار ترین شما ام مر خدائے را واتقاکم لہ وپرہیز گار ترین شما ام خدائے را ولکنی اصوم وافطر ولیکن من روزہ میدارم دے کشایم نیز روزہ را یعنے گاہے میدارم وگاہے نمیدارم ولفظ لکن استدراک است از محذوف کہ سیاق کلام برآن دلالت می کند تقریر کلام این است انا وانتم بالنسبۃ الی العبودیۃ سواء ولکنی الخ کذا فے ارشاد الساری شرح صحیح البخاری واصلی وارقد ونماز می خوانم وخواب نیز می کنم واتزوج النساء ونکاح می کنم زنان را وجماع می کنم با ایشان فمن رغب عن سنتی فلیس منی، پس کسے کہ اعراض کند از سنت وطریقہ مرضیہ وپسندیدہ من پس نیست آن کس از تابعان من روایت کرد این حدیث را بخاری ومسلم وغیرہما۔

واز این جہت شیخ ابن الہمام صاحب فتح القدیر محشی ہدایہ وملا علی قاری گفتند کہ بالجملۃ فالا فضلیۃ فی الاتباع لا فیما یخیل النفس انہ افضل نظروا الی ظاہر عبادۃ ولم یکن اللہ عزوجل یرضی لاشرف انبیاءہ الا باشرف الاحوال انتہی مافی المرقاۃ شرح المشکوۃ لملا علی القاری الحنفی مختصرا۔ پس آنچہ خلاف طبع ووضع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باشد مردود است، چنانکہ فمن رغب عن سنتی فلیس منی ازان مخبر ومظہر است

افطار نہ کروں گا، اور تیسرے نے کہا، میں ہمیشہ عورتوں سے الگ رہوں گا، کبھی نکاح نہ کروں گا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، اور فرمایا، کیا تم ہی وہ لوگ ہو جنہوں نے اس طرح کہا ہے، خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا اور تم سب سے زیادہ پرہیز گار ہوں، لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں، اور افطار بھی کرتا ہوں، اور رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں، اور سوتا بھی ہوں، اور میں نے عورتوں سے نکاح بھی کر رکھے ہیں، جو شخص میری سنت کو حقیر سمجھے وہ میری امت میں سے نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے، کہ شیخ ابن الہمام صاحب فتح القدیر محشی ہدایہ اور ملا علی قاری نے کہا ہے، فضیلت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ہے، دل اپنے خیال کے مطابق عبادات شاقہ میں جو بظاہر افضل معلوم ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے سب سے افضل نبی کے لئے سب سے اشرف اعمال پسند فرمائے ہیں، پس جو چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج کے

ودر تفسیر معالم التنزیل وتفسیر نیشاپوری مذکور است کہ روزے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پند ووعظ فرمود، واز آفات، واہوال قیامت ترسانید وبکاد خوف قیامت اہل مجلس وعظ را بسیار شد، پس دہ نفر از صحابہ کرام یعنی حضرت ابوبکر صدیق وعلی مرتضے وعبداللہ بن مسعود وعبداللہ بن عمرو، وابوذر غفاری وسالم مولٰے ابی حذیفہ ومقداد بن اسود وسلمان فارسی ومعقل بن مقرن وغیرہم در خانہ عثمان بن مظعون کہ برادر رضاعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بودند جمع شدند وباخود ہا مشورہ کردند کہ رہبانیت اختیار کنیم کہ قطع ذکر کنیم وہموارہ روزہ داریم وتمام شب نماز خوانیم وخواب نکنیم ومستلذات از قسم گوشت وروغن نخوریم واز نکاح وجماع پرہیز نمائیم وسیاحی اختیار کنیم پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را خبر شد از احوال ایشان پس فرمود مر ایشان را کہ خبر دادہ شدہ ام کہ برچنان وچنین اتفاق کردید وعزم نمودید، گفتند آن صحابہ کرام مذکورین آرے چنین عزم کردہ ایم وازین ارادہ نکردہ ایم مگر خیر وحسنات را پس فرمود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ من بآن چیزہا کہ شما ارادہ کردید ماموُر نشدہ ام بہرحال نفوس خود را نگاہ دارید وحقوق نفس خود را نیز بشناسید، روزہ دارید، وافطار کنید، و نماز خوانید وہم خواب کنید، ولحم ودیگر چیزہائے لذیذ بخورید من رغب عن سنتی فلیس منی

علاقت ہے، وہ مردود ہے تفسیر نیشاپوری اور معالم التنزیل میں مذکور ہے، کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو وعظ فرمایا، قیامت کا حال بیان کیا، لوگوں کی طبیعت نرم ہوئی، اور رونے لگے تو دس صحابہ کرام حضرت عثمان بن مظعونؓ کے گھر میں جمع ہوئے (یہ آنحضرتؐ کے رضاعی بھائی تھے) اور آپس میں مشورہ کیا، کہ ان باتوں پر اتفاق کریں، کہ ہم راہب بن جائیں گے، موٹے کپڑے پہنیں گے اپنے آپ کو خصی کر دیں گے، ہمیشہ روزہ رکھا کریں گے، رات کو قیام کیا کریں گے، سوئیں گے نہیں، روغن اور گوشت نہیں کھائیں گے، عورتوں کے قریب نہ جائیں گے، خوشبو نہ لگائیں گے، زمین میں سیاحت کریں گے، جب اس بات کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی، تو آپ عثمان بن مظعون کے گھر تشریف لے گئے، وہ تو نہ ملے آپ نے اس کی عورت سے پوچھا، کیا جو بات تیرے خاوند اور اس کے ساتھیوں کے متعلق مجھے پہنچی ہے، وہ صحیح ہے؟ اس نے اپنے خاوند کا راز بتانا بھی مناسب نہ سمجھا، اور آپ سے غلط بیانی بھی نہ کرنا چاہتی تھی کہنے لگی یا رسول اللہ اگر آپ کو عثمان نے بتایا ہے، تو پھر صحیح ہی ہوگا، آپ واپس تشریف لے آئے، پھر جب وہ صحابہ آپ سے ملے، تو آپ نے فرمایا، مجھے تم سے اس طرح کی بات پہنچی ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ کہنے لگے ہاں اے اللہ کے رسول ہمارا ارادہ تو بھلائی کا تھا، آپ نے فرمایا، مجھے ان باتوں کا حکم نہیں دیا گیا ہے، تمہاری جانوں کا بھی تم پر حق ہے، روزے بھی رکھا کرو، اور افطار بھی کیا کرو، سویا بھی کرو، اور نماز بھی پڑھا کرو، میں قیام بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار

ہر کہ اعراض کند از طریقہ مرضیہ من پس نیست آن کس از تابعان من پس تر جمیع مردمان راجمع نمود و فرمود کہ شیوہ رہبانیت و قسیسین در دین من نیست پس این آیات نازل شدند یا ایہا الذین امنوا لا تحرموا طیبات ما احل اللہ لکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین الی اخر الایۃ چنانچہ عبارت بتمامہا نوشتہ می شود از ان مفصل حال واضح خواہد بود۔

قال اہل التفسیر ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الناس یوما ووصف القیامۃ فرق لہ الناس وبکوا فاجتمع عشرۃ من اصحابہ فی بیت عثمان بن مظعون الجمحی وھو ابو بکر الصدیق وعلی بن ابی طالب وعبد اللہ بن مسعود وعبد اللہ بن عمر وابوذر الغفاری وسالم مولی ابی حذیفۃ والمقداد بن الاسود وسلمان الفارسی ومعقل بن مقرن رضی اللہ عنہم وتشاوروا واتفقوا علی ان یترھبوا ویلبس المسوح ویجبوا مذاکیرھم ویصوموا الدھر ویقوموا اللیل فلا ینامو علی الفراش ولا یاکلوا اللحم والودک ولا یقربوا النساء والطیب ویسیحوا فی الارض فبلغ ذلک النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاتی دار عثمان بن مظعون فلم یصادفہ فقال لامرأتہ احق ما بلغنی عن زوجک واصحابہ فکرھت ان تکذب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکرھت ان تبدی علی زوجہا فقالت یارسول اللہ ان کان اخبرک عثمان فقد صدقک فانصرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلقی اصحابہ فقال لہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الم انبأ انکم اتفقتم علی کذا وکذا قالوا بلی یارسول اللہ وما اردنا الا الخیر فقال صلی اللہ علیہ وسلم انی لم او مربذلک وقال ان لانفسکم حقا علیکم فصوموا وافطروا وناموا وقوموا فانی انا اقوم وانام واصوم وافطر واکل اللحم والدسم واتی النساء ومن رغب عن سنتی فلیس منی ثم اجمع الناس وخطبہم فقال ما بال اقوام حرموا النساء والطعام والطیب والنوم وشہوات النساء اما انی لست امرکم

بھی کرتا ہوں، گوشت اور روغن بھی کھاتا ہوں، عورتوں سے تعلقات بھی رکھتا ہوں، جو میری سنت کو حقیر سمجھے وہ میری امت میں سے نہیں ہے، پھر آپ نے لوگوں کو اکٹھا فرمایا، اور خطبہ ارشاد فرمایا، ان لوگوں کا کیا حال ہے، جنہوں نے عورت، کھانے، خوشبو، نیند اور خواہشات کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے، میں تم کو اس بات کا حکم نہیں دیتا، کہ

ان تکونوا قسیسین ورھبانا فانہ لیس فی دینی فانما ھلک من کان قبلکم بالتشدید شددوا علی انفسھم فشدد اللہ علیھم فلوئلک بقایاھم فی الدیارات والصوامع فانزل عزوجل ھذہ الآیۃ یاایھا الذین امنوا لاتحرموا طیبات ما احل اللہ لکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین۔ انتہی مافی معالم التنزیل مختصرا ومثل ھذا فی التفسیر النیشاپوری

وآنانکہ بصیرت شان بکحل شریعت متکحل شدہ می دانند کہ وقوف واطلاع کما حقہ برحقایق ومصالح شریعت خاصہ نبی است، کہ مورد وحی است نہ ولی اگرچہ ولی بہ تقوی وطہارت وولایت کامل باشد زیراکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رائے ومصلحت صحابہ کرام کہ افضل واکمل ایشان ابوبکر صدیق وعلی مرتضیٰ بودند ناپسند نمود وانکار فرمود، حال آنکہ صحابہ کرام مذکورین سراسر نیت خیرات وحسنات وقرب الٰہی دانستہ عزم بر اعمال شاقہ وترک چیزہائے لذیذ ومرغوب کردہ بودند لیکن رائے ومصلحت ایشان پسند خاطر عاطر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نشد، وائے برحال دیگران کہ از صحابہ کرام فروتر باشند عبادت شاقہ ایشان وترک نمایند چگونہ پسندیدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باشد کما لایخفی علی المتامل الماھر بالشریعۃ۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہ در ارشاد الطالبین کتاب تصوف خود مے فرمایند، کہ خواجہ عالی شان بہاؤ الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ وامثال شان حکم کردند کہ ہر عبادت کہ موافق سنت است آن عبادت مفید تر است برائے ازالہ رذائل نفس وتصفیہ عناصر وحصول قرب الٰہی لہذا از بدعت حسنہ مثل از بدعت قبیحہ اجتناب می کنند

تم راہب بن جاؤ، یہ میرا دین نہیں ہے، پہلے لوگ بھی اپنے اوپر سختی کرکے ہلاک ہوئے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سختی کی، اور آج گرجوں میں یہ انہی کا بقایا ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اے ایماندارو! اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام مت ٹھہراؤ، اور زیادتی نہ کرو، اللہ تعالیٰ حد سے گذرنے والوں کو پسند نہیں کرتے،

اہل بصیرت جانتے ہیں کہ شریعت کے مصالح وحقائق پر نگاہ رکھنا صرف نبی کا کام ہے، نہ کہ ولی کا خواہ وہ کتنا ہی کامل کیوں نہ ہو کیونکہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوبکر رضا وران کے ساتھیوں کی رائے بھی پسند نہ آئی، تو دوسرا کوئی ان سے بہتر اور کون ہوگا۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ارشاد الطالبین میں فرمایا ہے، کہ خواجہ

کہ رسول فرمود صلی اللہ علیہ وسلم کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ، پس نتیجہ این حدیث آن است کہ کل محدث ضلالۃ وبدیہی است، کہ لاشئ من الضلالۃ بھدایۃ فلاشئ من المحدث بھدایۃ ونیز در حدیث آمدہ ان القول لا یقبل مالم یعمل بہ وکلاھما لا یقبلان بدون النیۃ والقول والعمل والنیۃ لا یقبل مالم یوافق السنۃ وچون اعمال غیر مطابقہ سنت مقبول نباشد ثواب بر آن مرتب نشود، واگر مشقت را در حصول دافع رزائل مدخلیت بودے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ازان منع نفرمودے یعنی سخن مقبول نیست بدون عمل کردن وہر دو مقبول نیستند بدون نیت وہر سہ مقبول نیستند تا آنکہ موافق سنت نباشند، ابو داؤد از انس رض روایت کردہ لا تشددوا علی انفسکم فان قوما شددوا علی انفسھم فشدد اللہ علی انفسھم فتلک بقایاھم فی الصوامع اگر کسے گوید کہ ما بریاضت شاقہ ترقیات می بینیم و مکاشفات وصفائی باطن می یابیم کہ انکار نمی توانیم کرد، گفتہ شود، کہ کشف کونیہ وخرق عادات وتصرف در عالم کون وفساد از ریاضت دست می دہد لہذا حکمائے اشراقیین وجوگیان ہندیان متصف می شدند، واین کمالات از نظر اعتبار اہل اللہ ساقط است بجوئے نمی خرند، چہ رزائل نفس وقتل شیطان وساوس

بہاؤالدین نقشبند اور ان جیسے بزرگوں نے فیصلہ کیا ہے، کہ جو عبادت سنت کے موافق ہے، وہ عبادت تزکیہ نفس کے لئے مفید تر ہے، لہٰذا بدعت حسنہ سے بھی اسی طرح گریز کرنا چاہیئے، جیسے کہ بدعت سیئہ سے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، ہر بدعت گمراہی ہے اور یہ تو ظاہر ہے، کہ کوئی گمراہی ہدایت نہیں ہوسکتی، پھر حدیث میں یہ بھی آیا ہے، کہ کوئی قول اس وقت تک قبول نہیں ہوسکتا، جب تک کہ اس پر عمل نہ کیا جائے، اور پھر قول وعمل دونوں نیت کے بغیر قبول نہیں ہوتے اور پھر قول وعمل ونیت تینوں اس وقت تک قبول نہیں ہوتے جب تک کہ سنت کے مطابق نہ ہوں، اور جب اعمال سنت کے مطابق نہ ہوں گے، تو ان کا ثواب کیسے ملے گا؟ اور اگر عبادات شاقہ کو تزکیہ نفس میں کوئی دخل ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو اس سے منع نہ فرماتے، حضرت انس رض کی حدیث میں آیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی جانوں پر سختی نہ کرو، ایک قوم نے اپنی جانوں پر سختی کی تھی، سو اللہ تعالےٰ نے بھی ان پر سختی کی، بس آج گرجوں میں انہیں لوگوں کا بقایا ہے۔

اگر کوئی سوال کرے، کہ عبادات شاقہ وریاضات بدنیہ سے ہم ترقی محسوس کرتے ہیں، مکاشفات

بے نور سنت ممکن نیست ؎

محال ست سعدی کہ راہ صفا توان رفت جز بر پے مصطفا

انتہی ما فی ارشاد الطالبین مختصراً للشیخ القاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہ۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

اور ترقی باطن نصیب ہوتی ہے اور اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا تو ہم کہتے ہیں، واقعی ریاضات سے یہ چیزیں نصیب ہوتی ہیں، لہذا حکمائے اشراقیین اور ہندو جوگی ان صفات سے متصف ہیں، یہ کمالات اہل اللہ کی نظر سے ساقط ہیں، ان کے نزدیک ان کی قیمت ایک جو بھی نہیں ہے، کیونکہ نور سنت کے بغیر رذائل نفس اور وساوس شیطانی کو ختم کرنا ممکن نہیں ہے" واللہ اعلم۔

کتاب العلم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ ایک شخص کہتا ہے، کہ صحاح ستہ میں پچاس حدیثیں موضوع ہیں، آیا یہ قول صحیح ہے یا غلط، بینوا توجروا۔

الجواب: جو شخص یہ کہتا ہے، کہ صحاح ستہ میں پچاس حدیثیں موضوع ہیں، اس کا یہ قول سراسر غلط ہے، اور وہ شخص محض جاہل و ناواقف ہے، صحیح بخاری و صحیح مسلم میں تمام احادیث مرفوعہ مسندہ صحیح ہیں، ان میں کسی حدیث کا موضوع ہونا کیا معنی کوئی حدیث ضعیف بھی نہیں ہے، اور ان احادیث مرفوعہ مسندہ کے علاوہ اور متنی روایات تعلیقات وغیرہا ہیں، ان میں بھی کوئی روایت موضوع نہیں ہے، رہیں سنن اربعہ سو جامع ترمذی اور ابو داؤد و نسائی میں بھی کوئی حدیث موضوع نہیں ہے، ہاں ابن ماجہ میں صرف ایک حدیث موضوع بتائی جاتی ہے، جو ابن ماجہ کے شہر قزوین کی فضیلت میں آتی ہے، علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فوائد المجموعہ کے صفحہ ۱۵۰ میں لکھتے ہیں:۔

حدیث ستفتح علیکم الافاق ویفتح علیکم مدینۃ یقال لھا قزوین من رابط فیھا اربعین کان لہ فی الجنۃ عمودین من ذھب الی قولہ[1] قد اوردہ ابن الجوزی فی الموضوعات فاصاب ولعل ھذا ھو الحدیث الذی یقال ان فی سنن ابن ماجۃ حدیثا موضوعا انتہی، مگر حافظ سیوطی اپنی تعقبات میں لکھتے ہیں، کہ ابن ماجہ کی اس حدیث کو موضوعات کے سلک میں درج کرنا نہیں چاہیے، عبارتہ ہکذا۔ قلت[2] اخرجہ ابن ماجہ قال المزی فی التھذیب انہ حدیث منکر

---

[1] تمہارے لئے دنیا فتح ہوتی جائے گی، ایک شہر فتح ہوگا، جس کا نام قزوین ہوگا، جو اس میں چالیس دن پہرہ دیگا اس کے لئے جنت میں سونے کے دو ستون ہوں گے، ابن جوزی نے اس کو موضوع کہا ہے، اور شاید یہی وہ حدیث ہے، جس کے متعلق کہا جاتا ہے، کہ سنن ابن ماجہ میں ایک موضوع حدیث ہے [2] اس کو ابن ماجہ نے بیان کیا ہے

لایعرف الامن روایۃ داؤد والمنکر من قسم الضعیف وھو محتمل فی الفضائل وعبارتہ فی اخر الکتاب حکذا ھذا اخر ما اوردتہ فی ھذا الکتاب من الاحادیث المتعقبۃ التی لاسبیل الی ادراجھا فی سلک الموضوعات۔ انتہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ عبدالرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین احادیث مذکورہ ذیل کے بارہ میں، کہ یہ صحیح ہیں یا ضعیف یا موضوع، اور ان میں سے نمبر ۱ و نمبر ۴ کو حدیث قدسی کہنا کیسا ہے، و نیز امام شوکانی علیہ الرحمۃ کا سماع مزامیر کو جائز کہنا کیسا ہے، اور مرزا غلام احمد کا مسیح موعود ہونے کا دعوے کرنا کیسا ہے، وہ حدیثیں یہ ہیں (۱) لولاک لما خلقت الافلاک (۲) من زار العلماء فکانما زارنی ومن صافح العلماء فکانما صافحنی ومن جالس العلماء فکانما جالسنی ومن جالسنی فی الدنیا اجلس لہ یوم القیمۃ (۳) علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل (۴) انہ کان صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین (۵) رجب شھر اللہ وشعبان شھری ورمضان شھر امتی۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ ماسوائے حدیث نمبر ۴ کے باقی سب حدیثیں موضوع ہیں، اور حدیث موضوع کو موضوع جان کر بیان کرنا حرام ہے، اور داخل وعید ہے، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم میں لکھتے ہیں، یحرم روایۃ الحدیث الموضوع علی من عرف کونہ موضوعا او غلب علی ظنہ وضعہ فمن روی حدیثا علم وضعہ او ظن وضعہ فھو مندرج فی الوعید ہا، حدیث نمبر ۱ کی نسبت ملا علی قاری اپنے موضوعات میں لکھتے ہیں قال الصنعانی[۲] انہ موضوع کذا فی الخلاصۃ لکن معناہ صحیح فقد روی الدیلمی عن ابن عباس مرفوعا اتانی جبرئیل فقال یا محمد لولاک ما خلقت الجنۃ ولولاک ما خلقت النار ونیز

مزی نے تہذیب میں کہا ہے، یہ حدیث منکر ہے، صرف داؤد سے مروی ہے، اور منکر ضعیف کی ایک قسم ہے، اور حدیث ضعیف فضائل میں مقبول ہے، اور اس کو موضوع نہیں کہنا چاہیئے۔ [۱] حدیث موضوع کی روایت کرنا اس آدمی پر حرام ہے، جس کو اس کے موضوع ہونے کا علم ہو، یا غالب ظن اس کے موضوع ہونے کا ہو، اور جو ایسی حدیث جانتے ہوئے روایت کرے، جو موضوع یا بظن غالب موضوع ہو تو وعید میں شامل ہے، [۲] صنعانی نے کہا، یہ حدیث موضوع ہے، لیکن اس کا معنے صحیح ہے، ابن عباس نے مرفوعا روایت کیا ہے، کہ جبرائیل نے میرے پاس آکر بیان کیا، کہ اللہ تعالےٰ

حدیث نمبر ۳ کی نسبت لکھتے ہیں، کہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں سکوت کیا ہے[1] اور بعد ثبوت وضع حدیث نمبرا کے اس کو حدیث قدسی کہنا محض خطا ہے، ونیز حدیث نمبر ۴ یہ بھی قدسی نہیں ہے، اس لئے کہ عبارت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود دال ہے اس پر کہ یہ قول اللہ عزوجل کا نہیں، کیونکہ حدیث قدسی اس حدیث کو کہتے ہیں، جو بواسطہ جبرئیل یا بلا واسطہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ سے پہنچی ہو اسی وجہ سے جو حدیث قدسی ہوتی ہے، عبارت اس کی یوں ہوتی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ عزوجل۔

امام شوکانی علیہ الرحمۃ کا سماع مزامیر کو جائز کہا جاتا ہے، مگر وہی جس کو شارع نے مباح کہا ہے، جیسا کہ نیل الاوطار جلد سادس باب الدف واللہو فی النکاح میں مذکور ہے، اور حد مباح سے جو باہر ہے، ہرگز جائز نہیں، بلکہ اس پر وعید ہے، چنانچہ نیل الاوطار جلد سابع باب ماجاء فی آلۃ اللہو میں مذکور ہے، ابن ماجہ کی حدیث میں ہے لیشربن ناس من امتی الخمر یسمونہا بغیر اسمہا یعزف علی رؤسہم بالمعازف والمغنیات یخسف اللہ بہم الارض ویجعل منہم القردۃ والخنازیر[1] غرضکہ سماع بامزامیر مجاوز حد اباحت ہے جس کے عدم جواز میں صحیح حدیثیں مروی ہیں۔ ہاں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، جماعت صوفیہ اباحت مطلقہ کے قائل ہیں، اور امام شوکانی بھی انہیں میں سے ہیں، حالانکہ جس حدیث سے اباحت ثابت کی جاتی ہے، اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ولیستا بمغنیتین ثبوت اباحت کی نفی کرتا ہے بخاری شریف پارہ ۴ باب سنۃ العیدین میں ہے عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت دخل ابو بکر رضی اللہ عنہ وعندی جاریتان من جواری الانصار تغنیان بما تقاولت الانصار یوم بعاث ولیستا بمغنیتین[2] ونیز بہت سے علماء نے حرام لکھا ہے۔

فرماتے ہیں، اسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تو نہ ہوتا، تو میں جنت اور دوزخ کو پیدا نہ کرتا"

[1] میری امت میں سے کچھ لوگ شراب پئیں گے، اور اس کا نام کوئی اور رکھ لیں گے، اور ان کی مجالس میں باجے اور راگ رنگ ہوگا، اللہ بعض کو ان میں سے زمین میں غرق کر دے گا، اور بعض کو بندر اور خنزیر بنا ڈالے گا

[2] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، کہ میرے پاس ابوبکر آئے، اس وقت انصار کی دو چھوکریاں میرے پاس وہ شعر گا رہی تھیں جو انصار نے جنگ بعاث میں کہے تھے، اور وہ پیشہ ور گانے والیاں نہ تھیں۔

---

[1] لکن امام شوکانی فی الفوائد المجموعۃ میں لکھا ہے قال ابن حجر والزرکشی کا اصل لہ انتہی۔ ابو سعید محمد شرف الدین عفی عنہ

اور مرزا غلام احمد کا مسیح موعود ہونے کا دعوے سراسر غلط اور محض باطل ہے، وہ مسیح موعود نہیں ہے

حررہ عبد الوہاب عفی عنہ

ہو الموفق:۔ حدیث نمبر ۴ کو ابن جوزی نے موضوع کہا ہے، مگر حق یہ ہے کہ یہ حدیث موضوع نہیں ہے، حاکم نے مستدرک میں اس کو صحیح کہا ہے، اور حافظ ذہبی نے تلخیص المستدرک میں حاکم کی تصحیح کو برقرار رکھا ہے، کما فی الفوائد المجموعۃ للعلامۃ الشوکانی رح حافظ ابن حجر تلخیص الحبیر صفحہ ۲۷۵ میں لکھتے ہیں واما الثانی[1] (ای حدیث اللھم احینی مسکینا الخ) فرواہ الترمذی من حدیث انس رض واستغربہ واسنادہ ضعیف وفی الباب عن ابی سعید رواہ ابن ماجہ وفی اسنادہ ضعف ایضا ولہ طریق اخری فی المستدرک من حدیث عطاء عنہ وطولہ البیہقی ورواہ البیہقی من حدیث عبادۃ بن الصامت واسرف ابن الجوزی فذکر ھذا الحدیث فی الموضوعات انتہی۔

مجیب نے مسئلہ غنا وسماع میں اجمال سے کام لیا ہے، ونیز علامہ شوکانی کو اباحت مطلقہ کے قائلین سے شمار کیا ہے، حالانکہ علامہ ممدوح اباحت مطلقہ کے ہرگز قائل نہیں ہیں، علامہ ممدوح نے اس مسئلہ پر نیل الاوطار میں دو مقام میں بحث کی ہے، دونوں مقام سے ان کی عبارت مع ترجمہ نقل کی جاتی ہے، تاکہ اس مسئلہ میں جو ان کی تحقیق ہے، وہ ظاہر ہو اور فی الجملہ اس مسئلہ کی توضیح بھی ہو، نیل الاوطار صفحہ ۱۰۶ جلد ۶ باب الدف واللہو میں لکھتے ہیں وفی ذلک (ای فی حدیث فصل ما بین الحلال والحرام الدف والصوت فی النکاح) دلیل علی انہ یجوز فی النکاح ضرب الادفاف ورفع الاصوات بشیء من الکلام نحو اتیناکم اتیناکم ونحوہ لا بالاغانی المہیجۃ للشرور المشتملۃ علی وصف الجمال والفجور ومعاقرۃ الخمور فان ذلک یحرم فی النکاح کما یحرم فی غیرہ وکذلک سائر الملاھی المحرمۃ۔ یعنی اس حدیث میں کہ حلال نکاح اور حرام نکاح میں دف اور صوت کا فرق ہے، دلیل ہے اس بات کی کہ جائز ہے نکاح میں دف بجانا اور آواز بلند کرنا ایسے کلام کے ساتھ جو اتیناکم اتیناکم کے مثل ہو، نہ ایسا گیت گانا جو برائیوں کو ہیجان میں لانے والا ہو یعنی جو بیان حسن وجمال اور فجور وشراب نوشی پر مشتمل ہو اس واسطے کہ ایسا گیت

---

[1] "اے اللہ مجھ کو مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ" الحدیث، اس کو ترمذی نے انس سے روایت کیا ہے، اور اس کی سند ضعیف ہے، اور ابن ماجہ نے ابو سعید سے روایت کیا ہے، اور اس کی سند بھی ضعیف ہے، مستدرک حاکم میں اس کے دوسرے بھی طرق ہیں، اور بیہقی نے اس کو عبادہ بن صامت سے روایت کیا ہے، اور ابن جوزی نے زیادتی کی جو اس کو موضوع لکھ دیا ۱۲

نکاح میں بھی حرام ہے، اور غیر نکاح میں بھی، اور اسی طرح تمام ملاہی محرمہ نکاح میں بھی حرام ہیں، اور غیر نکاح میں بھی حرام ہیں۔

اور نیل الاوطار جلد سابع صفحہ ۳۱۵ میں لکھتے ہیں۔ قد اختلف العلماء فی الغناء مع آلة من آلات الملاهی وبدونها فذهب الجمهور الی التحریم مستدلین بما سلف و ذهب اهل المدینة ومن وافقهم من علماء الظاهر وجماعة من الصوفیة الی الترخیص فی السماع ولو مع العود والیراع یعنی غنار کی حلت وحرمت میں علمار کا اختلاف ہے، آلات ملاہی میں سے کسی آلہ کے ساتھ ہو یا بدوں اس کے ہو، جمہور علمار کے نزدیک حرام ہے، اور ان کی دلیل وہ احادیث وروایات ہیں، جو پہلے مذکور ہو چکیں، اور اہل مدینہ اور بعض علمائے ظاہر کے نزدیک اور صوفیہ کی ایک جماعت کے نزدیک جائز ہے، اگرچہ عود اور یراع کے ساتھ ہو۔

پھر دلائل طرفین کے مع مالہا وما علیہا بیان کر کے آخر میں لکھتے ہیں۔ واذا تقرر جمیع ما حررناه من حجج الفریقین فلا یخفی علی الناظر ان محل النزاع اذا خرج عن دائرة الحرام لم یخرج عن دائرة الاشتباه والمؤمنون وقافون عند الشبهات کما صرح به الحدیث الصحیح ومن ترکها فقد استبرأ لعرضه ودینه ومن حام حول الحمی یوشك ان یقع فیه ولا سیما اذا کان مشتملا علی ذکر القدود والخدود والجمال والدلال والهجر والوصال ومعاقرة العقار وخلع العذار والوقار فان سامع ما کان کذلك لا یخلو عن بلیة وان کان من التصلب فی ذات الله علی حد یقصر عنه الوصف وکم لهذه الوسیلة الشیطانیة من قتیل دمه مطلول واسیر بهموم غرامه وهیامه مکبول نسأل الله السداد والثبات ومن اراد الاستیفاء للبحث فی هذه المسئلة فعلیه بالرسالة التی سمیتها ابطال دعوی الاجماع علی تحریم مطلق السماع یعنی جب فریقین کے دلائل کو مع مالہا وما علیہا ہم تحریر کر چکے تو اب ناظرین پر مخفی نہیں ہے، کہ محل نزاع دائرہ حرام سے خارج ہو تو ہو، مگر دائرہ اشتباہ سے خارج نہیں ہو سکتا ہے، اور مؤمنین کی شان یہ ہے، کہ شبہات کے پاس ٹھہر نہیں جانتے جیسا کہ حدیث صحیح میں اس کی تصریح آئی ہے، اور جو شخص شبہات کو ترک کرتا ہے، وہ اپنی آبرو اور دین کو پاک کرتا ہے، اور جو شخص چراگاہ کے گرد گھومتا ہے، اس کا اس میں واقع ہو جانا کچھ بعید نہیں ہے بالخصوص جب کہ غنار مشتمل ہو، ذکر قد وقامت اور خد وخال اور بیان حسن وجمال اور ہجر ووصال وغیرہ پر اس واسطے کہ ایسے غنا اور راگ کا سننے والا بلا اور مصیبت سے خالی نہیں ہو

سکتا، اگرچہ نہایت درجہ کا دیندار ہو، اور دین میں نہایت سخت ہو، اور اس شیطانی وسیلہ کے کتنے قتیل ہیں، جن کا خون ہدر و رائگان ہے، اور کتنے قیدی ہیں، جو اس کے عشق و شیفتگی میں گرفتار و مقید ہیں، اللہ تعالیٰ سے ہم میانہ روی اور ثابت قدمی کا سوال کرتے ہیں، اور اس مسئلہ کی بحث کو پورے طور پر جو شخص دیکھنا چاہے، اس کو ہمارا رسالہ موسومہ ابطال دعوے الاجماع علے تحریم مطلق السماع ضرور دیکھنا چاہیے

نیل کی ان دونوں عبارتوں سے صاف معلوم ہوا، کہ علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ جماعت صوفیہ کی طرح اباحت مطلقہ کے قائل نہیں ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مابین اہل اسلام ملک کشمیر کے تنازع دربارہ صحابیت معمر حبشی اور تابعیت علی ہمدانی کے واقع ہو کر دو فریق ہو گئے ہیں، دعوے ایک فریق کا یہ ہے، کہ "ایک شخص معمر حبشی نام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے تھا، آپ کی دعا کی برکت سے ہمارے حضرت علیہ السلام کے زمانہ بابرکت تک زندہ رہ کر پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف صحبت حاصل کیا، من بعد بدعائے حضرت علیہ السلام لغایت ۷ سنہ ہجری تک زندہ رہ کر حضرت علی ہمدانی سے ملاقات کی، جس کی وجہ سے فریق مذکور حضرت علی ہمدانی کے تابعی ہونے کا مدعی ہے" اور فریق ثانی کا دعویٰ ہے، کہ "معمر حبشی کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے ہونا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک زندہ رہ کر شرف صحبت حاصل کرنا بالکل غلط و باطل ہے، کیونکہ یہ بات کسی دلیل سے ثابت نہیں و نیز معمر حبشی کا ۷ سنہ ہجری تک زندہ رہنا چونکہ مخالف صحیح حدیث بخاری و مسلم (ما من نفس منفوسۃ یاتی علیہا مائۃ سنۃ الحدیث) کے ہے باطل و مردود ہے، پس جب کہ معمر حبشی کا صحابی ہونا پایہ ثبوت کو نہ پہنچا، تو اس سے علی ہمدانی کا تابعی نہ ہونا بھی اظہر من الشمس ہے" اور درمیان دونوں فریقوں کے نوبت بایں جار سید کہ ایک فریق دوسرے کو گمراہ و بے دین تصور کرتا ہے، اب ان ہر دو فریقوں میں سے حق بجانب کس کے ہے، بینوا توجروا

الجواب:۔ ان دونوں فرقوں میں حق بجانب فریق ثانی ہے، اور فریق اول کا دعوے بلا شبہ باطل و مردود ہے، فریق اول کا دعویٰ چار باتوں پر مشتمل ہے:۔

(۱) معمر حبشی کا عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین میں سے ہونا۔

(۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک

اس کا زندہ رہنا،

(۳) اس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف صحبت حاصل کرنا،

(۴) بدعائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کا ...ھ ہجری تک زندہ رہ کر علی ہمدانی سے ملاقات کرنا،

ان چار باتوں میں سے ایک بھی کسی دلیل صحیح سے ثابت نہیں، بلکہ چاروں باتیں بالکل غلط و سراسر باطل ہیں بناءً علیہ فریق اول کا دعوی باطل و مردود ہے بہت سے معمرین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہونے اور شرف صحبت حاصل کرنے کا جھوٹا دعوی کیا ہے، یا ان کی طرف اس بات کی غلط نسبت کی گئی ہے، ان معمرین کے دعوی کی تردید اور ان کی طرف اس بات کی نسبت کی تغلیط محدثین رحمہم اللہ تعالٰی نے خوب اچھی طرح سے کر دی ہے، علامہ شوکانی نے الفوائد المجموعہ صفحہ ۱۴۵ میں بہت سے معمرین کذابین مدعیان صحبت کا ذکر مع ان کی تکذیب کے کیا ہے، پھر آخر میں لکھتے ہیں:-

وممّا یدفع دعاوی ھؤلاء اجماع اھل العلم علی ان اخر الصحابۃ موتا فی جمیع الامصار ابو الطفیل عامر بن واثلۃ الجھنی وکان موتہ سنۃ اثنتین ومائۃ بمکۃ انتہی اور علامہ محمد طاہر مجمع البحار صفحہ ۱۴۵ جلد ۲ میں لکھتے ہیں۔ وقد اتفقوا علی ان اخر من مات فی جمیع الارض من الصحابۃ ابو الطفیل عامر بن واثلۃ سنۃ مائۃ واثنتین بمکۃ وقد ثبت انہ قال قبل موتہ بشھر او نحوہ فان علی راس مائۃ سنۃ لا یبقی علی وجہ الارض فانقطع المقال قال وقد بسطت القول فی المعمرین فی تذکرۃ الموضوعات فطالعہ ینفعک فانہ کتاب نفیس تلقتہ علماء الحرمین بالقبول انتہی۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

لے ان کے دعوی کی تردید کے لئے علماء کا اجماع کافی ہے، کہ صحابہ میں آخری صحابی ابو الطفیل عامر بن واثلہ جہنی سنہ ۱۰۲ھ میں فوت ہوئے ۱۲ ع اس پر اتفاق ہے، کہ تمام روئے زمین پر آخری صحابی جو فوت ہوئے، وہ ابو الطفیل عامر بن واثلہ ہیں، جو سنہ ۱۰۲ھ میں مکہ میں فوت ہوئے، اور یہ بھی ثابت ہے، کہ انہوں نے اپنی موت سے ایک مہینہ پہلے یہ حدیث سنائی تھی، کہ آج سے سو سال بعد روئے زمین پر آج کا کوئی انسان زندہ نہ رہے گا، اس حدیث سے ساری بحث ہی ختم ہو گئی، اور میں نے معمرین کے متعلق موضوعات کے تذکرہ میں بڑے بسط سے کلام کیا ہے، اس کا مطالعہ

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ موضوع علم حدیث کا کیا ہے، اور اس کی تعریف اور اس کی غایت کیا ہے، بینوا توجروا

الجواب:- موضوع علم حدیث کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے، اس حیثیت سے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، اور موضوع باعتبار شرعی احوال کے ہیں موضوع علم الحدیث ھو ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حیث انہ رسول اللہ من الاحوال الشرعیۃ اور علم حدیث ان قوانین کا نام ہے، جن سے احوال سند اور متن کے باعتبار صحت اور حسن اور ضعف اور علو اور نزول اور کیفیت تحمل اور ادا یعنی پڑھنے پڑھانے اور رجال یعنی راویوں کے حالات وغیرہ معلوم ہوں، اور سند متن کے طریق سے خبر دینے کا نام ہے، اور متن وہ ہے، کہ جس پر کلام ختم ہو سیوطی نے اتمام الدرایہ میں ایسا ہی لکھا ہے۔ علم الحدیث علم بقوانین یعرف بہا احوال السند من صحۃ وحسن وضعف وعلو ونزول وکیفیۃ التحمل والاداء وصفات الرجال وغیر ذلک والسند الاخبار عن طریق المتن والمتن ماینتہی الیہ غایۃ الکلام انتہی ملخصا من اتمام الدرایۃ اور حدیث کی غایۃ اور فائدہ سعادت دارین کی کامیابی ہے واما غایتہ وفائدتہ فھی الفوز بسعادۃ الدارین

سید محمد نذیر حسین

بدانکہ حقیقت سحر ووجود آں ثابت است بخلق ایزد پروردگار نزدیک علمائے نامدار کہ پیروان مستند سنت سنیہ سید مختار وخیر الابرار چنانکہ صاحب معالم التنزیل کہ یکے از جمہرہ مفسرین ذی اعتبار است گفتہ کہ السحر لوجودہ حقیقۃ عند اھل السنۃ وعلیہ اکثر الامم انتہی کلامہ۔ وقال السبیل وملا علی القاری فی شرح المشکوۃ ان للسحر حقیقۃ عند عامۃ

کرو، وہ بڑی نفیس کتاب ہے، علمائے حرمین شریفین نے اس کو قبول کیا ہے ۱۲

۱؎ علم حدیث کا موضوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بحیثیت شرعی ہے ۱۲ ۲؎ علم حدیث ایسے قوانین کا نام ہے، جس سے سند کے حالات صحت، حسن، ضعف، بلندی، پستی، اور رد و قبول اور آدمیوں کے حالات معلوم ہوتے ہیں، اور سند طریق متن کی خبر کا نام ہے، اور متن وہ ہے جہاں کلام کی انتہا ہو ۱۲ ۳؎ علم حدیث کا فائدہ یہ ہے، کہ دونوں جہانوں میں آدمی کامیاب ہو ۱۲

جادو کی حقیقت و وجود علمائے اہل سنت کے نزدیک ثابت ہے، خدا تعالیٰ کی مخلوق ہے، چنانچہ صاحب معالم التنزیل اور ملا علی قاری نے تصریح کی ہے، کہ علمائے اہل سنت کے نزدیک جادو کی حقیقت ثابت

العلماء خلافاً للمعتزلة وابی جعفر الاستراٰبادی انتہی کلامہ۔ می گویم کہ از قصہ ہاروت ماروت وجود سحر و حقیقت صریح معلوم شد، چہ او تعالےٰ خود بر آن نص فرمودہ کہ وما انزل علی الملکین ببابل ہاروت وماروت ھو علم السحر ابتلاء للناس من تعلمہ منہما وعمل بہ کان کافرا ان کان فیہ رد ما لزم فی شرط الایمان انتہی و شیخ عبد الحق محدث دہلوی در ترجمہ مشکوۃ بیان کردہ کہ تاثیر سحر و وقوع آن بخلق خدا تعالےٰ صحیح است و وارد گشتہ کہ السحر حق انتہی۔ اما معرفت او بوجہ تفصیل از معنے لغوی و اصطلاحی منکشف می شود کہ مبتدیان از ان بہرہ گیرند و حظ کافی پذیرند۔

فاعلم ان السحر فی اللغة عبارة عن کل ما لطف ماخذہ و دق امرہ و خفی سببہ ومنہ الساحر العالم وفی الشرع فی تعریفہ اختلاف کثیر واولاہ منعاً وطرداً ما ذکرہ یعقوب بنبانی فی حاشیة البیضاوی حقیقة السحر علم بکیفیة استعداد یقتدر به خارق من مزاولة فعل او قول محرم فی الشرع اجری اللہ تعالی عادتہ بحصولہ عندہ ابتداء فان کان کفرا کعبادة الکواکب او انضم معہ اعتقاد تاثیر من غیرہ تعالی کفر صاحبہ والا فہو فسق انتہی کلام المحشی وغیرہ وقیل ھو فی الشرع مختص بکل امر یخفی سببہ ویتخیل من غیر

ہے، معتزلہ اور ابو جعفر استرآبادی اس کے قائل نہیں ہیں، میں کہتا ہوں کہ ہاروت اور ماروت کے قصہ سے اس کی حقیقت ثابت ہوتی ہے، کہ خدا تعالےٰ نے اس پر نص فرمائی ہے وما انزل علی الملکین ببابل ہاروت وماروت یہ جادو ہی کا علم ہے جسے لوگوں کی آزمائش کے لئے نازل کیا گیا ہے، اگر ایمان کی شرائط کی تردید کرے تو اس کا کرنے والا اور سیکھنے والا کافر ہے شیخ عبد الحق نے ترجمہ مشکوۃ میں کہا ہے، کہ جادو کی تاثیر اور اس کا وقوع خدا کی تخلیق سے حق اور ثابت ہے جادو کی بالتفصیل معرفت لغوی اور اصطلاحی معانی سے کھل جاتی ہے، مبتدی اس سے کافی فائدہ اٹھائیں گے۔

لغت کے لحاظ سے سحر (جادو) ہر وہ چیز ہے جس کا ماخذ لطیف ہو، اسباب مخفی ہوں، چنانچہ کہتے ہیں، کہ "عالم آدمی جادوگر ہوتا ہے" مطلب یہ کہ بڑی باریک باتیں عالم کو معلوم ہوتی ہیں، شریعت کے لحاظ سے اس کی تعریف میں اختلاف ہے سب سے بہتر تعریف یہ ہے، کہ سحر ایک ایسا علم ہے، جس سے خرق عادت کی قوت پیدا ہوتی ہے، کسی قول یا فعل حرام کی ہمیشہ مزاولت سے، پھر اگر اس چیز کو جادوگر خدا کے سوا کسی اور چیز کی طرف اس طرح نسبت کرے کہ وہ موثر بالذات ہے جیسے کہ ستاروں کو موثر بالذات سمجھ کر ان کی طرف کسی چیز کو منسوب کرے

حقیقۃ ویجری مجرا لتمویۃ والخداع ومتی اطلق ولم یقید افاد ذم فاعلہ قال تعالیٰ سحروا اعین الناس یعنی مَوَّهُوا علیھم حتی ظنوا ان حبالھم وعصیھم تسعی انتہی ما فی نیشاپوری فھذا التعریف بلوازمہ الخارجیۃ من شرارۃ الساحر لشرط وجودہ لا من اجزائہ الداخلیۃ وقد یستعمل مقیدا فیما یمدح ویحمد وھو السحر الحلال قال صلی اللہ علیہ وسلم ان من البیان لسحرا سمی بعض البیان سحرا لان صاحبہ یوضح الشئ المشکل ویکشف عن حقیقۃ بحسن بیانہ ولطف عبارتہ ویقدر علی تحسین القبیح وتقبیح الحسن ھذا خلاصۃ ما فی التفسیر النیشاپوری وغیرہ من حواشی البخاری والمشکوۃ وقال القاضی ناصر الدین البیضاوی ان المراد بالسحر ما یستعان فی تحصیلہ بالتقرب الی الشیطان مما لا یستقل بہ الانسان وذلک لا یستتب الا لمن یناسبہ فی الشرارۃ وخبث فی النفس فان التناسب شرط فی التضام والتعاون وبھذا یتمیز الساحر عن النبی والولی انتہی کلامہ قال محشیہ قولہ لا یستتب اشارۃ الی ان شرارۃ الساحر من شروط وجود السحر لا من اجزائہ الداخلیۃ فی حقیقۃ السحر کما یفعلہ اصحاب الحیل والشعبدۃ وقولہ لا ادویۃ کشحم الضفدع اذا وضع فی السراج یری البیت مملوا بالماء ویسمی ھذا النوع بالنیرنجات وفی القاموس اخذ السریج اخذۃ کالسحر ولیس بہ والاخذۃ بالضم رقیۃ کالسحر انتہی کلام المحشی۔

پس از تقریر قاضی بیضاوی واضح شدہ، کہ درمیان جادو ومعجزہ وولایت ہمیں فرق است، کہ جادو بتقرب شیطان وبے توسل اسماء الرحمن حاصل می شود چہ بالاستقلال تاثیرات آنہا ما از غیر خدا ساحران می دانند ومعجزہ وکرامت بوسیلہ کاملہ وقدرت بالغہ جناب الٰہی کہ مؤثر حقیقی در ہمہ افعال است دانستہ می شود، ودرین جا مابہ الامتیاز در سحر ومعجزہ وسیلہ وتاثیرات مستقلہ است، یعنی

تو وہ کافر ہے، اگر ان کو مؤثر بالذات نہ جانے، اور فعل یا قول حرام سے جادو کرے، تو وہ فاسق ہے، اور اگر قول یا فعل حرام نہ ہو، اور کسی چیز کو مؤثر بالذات نہ سمجھے تو وہ مومن ہے، چنانچہ حدیث میں آیا ہے، کہ بعض بیان جادو ہیں، اور یہ سحر حلال ہے، کہ اس سے مشکل چیز کی وضاحت ہو جاتی ہے، بیان سے قبیح چیز خوبصورت معلوم ہونے لگتی ہے، اور خوبصورت قبیح۔

ہمیں را اگر بسوئے خدا منسوب کردہ شود معجزہ گفتہ آید، و اگر تاثیرات مستقلہ بجانب شیطان و خبیثان و کواکب وغیرہ گردانیدہ شود بزعم زاعم جادو گفتہ شود، چنانچہ درین مقام باحسن مرام مولانا جامع کمالات وحامل روایات ودرایات حضرت شاہ عبدالعزیز قدس اللہ سرہ العزیز باشکال کردہ اند عبارتہ ہکذا، درین جا شبہ الیست، کہ اکثر بخاطرہا می رسد حاصلش آنکہ افعال خارقہ عادت کہ محض بقدرت الٰہی صدور می یابند اکثر اوقات از اولیا بظہور می رسد مثل تقلیب اعیان و تبدیل صور تہا و ہمیں آن افعال کہ شبیہ معجزات پیغمبران اند مثل احیائے موتی و قطع مسافت طویلہ در یک ساعت و مانند آن نیز از اولیا کثیر الوقوع است و احوال نویسان آن اولیا آن افعال را در کرامات و مناقب آن اولیا می نویسند، پس اگر نسبت فعل الٰہی بغیر کفر باشد، درین جا ہم کفر باشد، و اگر نظر بسببیت ظاہر کہ آن غیر دارد کفر نہ باشد پس در حق ساحران چرا حکم بکفر کردہ اند بلکہ در حال دعوتیاں و عزائم خوانان کہ بسیفی و دعوت و امثال این عجائب بسیار ظاہر می کنند مشابہت تمام با ساحران بہم می رسد وجہ فرق چیست، جوابش آنکہ افعال خارقہ عادت خواہ شبیہ معجزات پیغمبران باشند خواہ از جنس دیگر ہمہ مقدور قدرت الٰہی اند و بارادہ و ایجاد او صادر می شوند، و درا فعلے کہ از دست اولیا ظاہر می شوند و فعلے کہ از ساحران صادر می گردند، درین باب فرقے نیست، فرق آن ست کہ اولیاء و دعوتیان و عزائم خوانان آن افعال نسبت بغیر خدا نہ می کنند بل بقدرت او تعالٰی با خواص اسماء او تعالٰی نسبت می نمایند پس شرکے لازم نہ می آید و ساحران آن افعال را نسبت بغیر خدا از ارواح خبیثہ و خواص افسونہا و اسمائے اصنام می نمایند و لہٰذا آن افعال را در قابوئے خود می آرند و در حکم خود می آرند و در حکم خود می انگارند و بران اجرت می گیرند و حلوان می خواہند، و نذر و قربانی برائے آن ارواح خبیثہ و آن افعال با طلبہ درخواست می کنند پس شرک صریح لازم می آید، و موجب کفر می گردد، بنا بر آنکہ افعال عادی الٰہی را مثل بخشیدن فرزند و توسیع رزق و شفاء مریض و امثال ذلک را مشرکان نسبت با ارواح خبیثہ و

خرق عادت کئی قسم کا ہے، اگر دعوئے نبوت ہو، اور اس سے خرق عادت ظاہر ہو، تو وہ معجزہ ہے، اگر کسی مؤمن متقی سے بغیر دعوئے نبوت بغیر ظاہری اور خفیہ اسباب کے کوئی چیز خرق عادت ہو تو وہ کرامت ہے، اگر مومن سے کوئی چیز اسباب خفیہ کے ماتحت ظاہر ہو، تو وہ جادو حلال ہے، اور اگر عامی آدمی سے خفیہ اسباب کے تحت کوئی خرق عادت ظاہر ہو اور اس کو غیر خدا کی طرف مجازاً منسوب کرے، تو اس کا کرنے والا فاسق ہے، اور اگر حقیقۃً غیر خدا کی طرف منسوب کرے تو وہ جادو حرام ہے، اور اس کا کرنے والا کافر ہے۔

اصنام می نمایند وکافر می شوند و موحدان در ہمہ افعال از تاثیر اسمائے الٰہی یا خواص اسماء می دانند یا از خواص مخلوقات او می دانند تا ادویہ وعقاقیر یا دعاء صلحاء و بندگان او کہ ہم از جناب او درخواستہ انجاح مطالب می کنانند می فہمند پس در ایمان ایشان خلل نمی افتد آمدیم برآنکہ حقیقت سحر چیست واقسام او چند است وکدام قسم موجب کفر است وکدام موجب فسق وکدام مباح کہ در شریعت جائز است تفصیل این مبحث طولے می خواہد مجملش آنکہ حقیقت سحر حاصل کردن قدرت است برافعال عجیبہ خارقہ عادت بمزاولت اسباب خفیہ بے توسل بجناب الٰہی بدعاء یا تلاوت اسماء او تعالیٰ وبے نسبت آن افعال بقدرت او تعالیٰ وچون اسباب خفیہ در عالم چند قسم است سحر نیز چند قسم شدہ آہ انتہی کلام المحدث الالمعی وہرکہ استیعاب کما حقہ منظور باشد در تفسیر مولانا مرحوم نظر کند

پس از کلام معجز نظام مولانا علیہ الرحمۃ معلوم گردید کہ حقیقت سحر وتاثیر او متحقق است، چنانکہ معجزہ وکرامت، مگر فرق ہمیں است، کہ نسبت جادو وتاثیر بالاستقلال بسوئے غیر خدا مانند شیاطین واصنام وکواکب وارواح خبیثہ می کنند ونسبت معجزہ وکرامت بطرف حق تعالیٰ وباسمائے کریمہ ودعوات شریفہ می نمایند والا باعتبار خرق عادات وتاثیرات ہر دو متساوی اند، وہم دانستہ شد کہ سحر باعتبار مفہوم جنس است وباعتبار فصول کہ امور خفیہ و اسباب غریبہ تحت او ہستند انواع متعددہ دارد، زیرا کہ بعضے نوعش کفر و بعضے فسق، چنانچہ از تفسیر نیشاپوری نیز سے بقلم می آید عبارتہ ہکذا

ثم السحر علی اقسام منہا سحر الکلدانیین الذین کانوا فی قدیم الدھر وھم قوم یعبدون الکواکب ویزعمون انہا ھی المدبرۃ لہذا العالم ومنہا تصدر

اس کی مثال بالکل یہی ہے، کہ مومن آدمی ادویہ اور جڑی بوٹیوں سے علاج معالجہ کرتے ہیں، لیکن ان کی تاثیر کو منجانب اللہ سمجھتے ہیں، ان کے ایمان میں کوئی خلل نہیں پڑتا، یا کسی نیک آدمی سے دعا کرا لیتے ہیں، کہ وہ بھی ایک غیر حسی علاج ہے، اور اس آدمی کو مؤثر بالذات نہیں سمجھتے، تو وہ مومن ہی رہتے ہیں، اور اگر کوئی ادویات کو مؤثر بالذات جانے یا کسی نیک آدمی یا بد کو مؤثر بالذات سمجھ کر اس چیز کو اس کی طرف منسوب کر دے، تو وہ کافر ہو جاتا ہے جیسا کہ مشرکین اپنے بتوں وغیرہ سے جا کر طلب رزق یا فرزند وغیرہ کرتے ہیں۔

پھر جادو کی کئی قسمیں ہیں، ایک تو کلدانیوں کا جادو تھا، یہ قدیم زمانہ کے لوگ تھے ستاروں کی پوجا کرتے تھے، ان کو مدبر عالم مانتے تھے، ان کے مقالات کو باطل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو

الخیرات والشرور والسعادۃ والنحوستر ویستحدثون الخوارق بواسطۃ تمزیج القوی السماویۃ بالقوی الارضیۃ وھم الذین بعث اللہ تعالیٰ ابراھیم علیہ السلام مبطلا لمقالتھم وراداً علیھم ومن اھبھم ومنہا سحر اصحاب الاوھام والنفوس القویۃ بدلیل ان الجذع الذی یتمکن الانسان من المشی علیہ لوکان موضوعاً علی الارض لا یمکنہ المشی علیہ لوکان کالجسر وما ذاک الا لان تخییل السقوط متی قوی اوجبہ وقد اجمعت الاطباء علی نھی المرعوف عن النظر الی الاشیاء الحمر والمصروع عن النظر الی الاشیاء القویۃ اللمعان و الدوران وما ذاک الا لان النفوس خلقت مطیعۃ للاوھام وحکی فی الشفاء عن ارسطو ان الدجاجۃ اذا تشبھت کثیرا بالدیک فی الصوت وفی الحراب مع الدیک نبتت علی ساقھا مثل الشیٔ النابت علی ساق الدیک وھذا یدل علی ان الاحوال الجسمانیۃ تابعۃ للاحوال النفسانیۃ واجمعت الامم علی ان الدعاء مظنۃ الاجابۃ وان الدعاء باللسان من غیر طلب نفسانی قلیل الاثر ویحکی ان بعض الملوک عرض لہ فالج فدخل علیہ بعض الحذاق من الاطباء علی حین غفلۃ منہ وشافھہ بالشتم والقدح فی العرض فاشتد غضب الملک وقفز من مرقدہ قفزۃ اضطراریۃ وزالت تلک العلۃ المزمنۃ ومنہا الاصابۃ بالعین مما اتفق علیہا العقلاء والتحقیق فیہ ان النفس اذا کانت

مبعوث فرمایا، اور جادو کی ایک قسم وہمی لوگوں کی ہے، کہ ان پر نفوس قویہ اثر انداز ہوتے ہیں، وہم کی کیفیت کا اثر انسانی طبیعت پر ہوتا ہے، مثلاً اگر ایک لکڑی زمین پر پڑی ہو، تو انسان اس پر آسانی سے چل سکتا ہے اور اگر وہی لکڑی کسی نہر یا دریا پر پل بنا کر رکھ دی جائے، تو اس پر انسان نہیں چل سکتا، کیونکہ قوت وہمیہ نے غلبہ پالیا، کہ میں اس سے گر جاؤں گا، حکماء کہتے ہیں، جس کو نکسیر بہتی ہو، وہ سرخ چیزوں کی طرف نہ دیکھے، اور مرگی والا چمکدار اور سریع الحرکت چیزوں کو نہ دیکھے، کہ قوت وہمیہ اس پر اثر انداز ہوگی، اور بیماری کا حملہ ہو جائے گا، اس سے معلوم ہوا کہ احوال جسمانیہ احوال نفسانیہ کے ماتحت ہیں، تمام امتوں کا اجماع ہے، کہ دعا میں قبولیت کا گمان ہوتا ہے، بعض بادشاہوں کو فالج کی بیماری ہوئی، حاذق حکیم نے اس کو گالی دے کر اس کی حرارت غریزی کو تیز کر دیا، تو وہ فوراً تندرست ہو گیا، نظر کا لگ جانا بھی اسی قبیل سے ہے، کہ روح جب بدن پر غالب آجاتی ہے، تو عالم بالا کی طرف جاتی ہے، تو وہ روح سماوی کی طرح قوی

مستعلية على البدن شديدة الانجذاب الى عالم السموات كانت كانها
روح من ارواح السماوية وكانت قوية التاثير في مواد هذه العالم واما اذا
كانت ضعيفة شديدة التعلق بهذه اللذات البدنية فحينئذ لا يكون
لها تصرف البتة الا في هذا البدن فاذا اراد ان يتعدى تاثيرها الى بدن
اخر اتخذ تمثال ذلك الغير ووضعه عند الحس فاشتغل الحس به وتبعه
الخيال عليه واقبلت النفس الناطقة بالكلية الى ذلك فقوي التاثيرات
النفسانية والتصرفات الروحانية وبعض الانقطاع عن المالوفات والمشتهيات
وتقليل الغذاء والاعتزال عن الناس ثم ان كانت النفس مناسبة لهذا
الامر بحسب ماهيتها وخاصيتها عظم التاثير واما الرقي فان كانت بالفاظ
معلومة فالامر فيها ظاهر لان الغرض منها ان حس البصر كما اشتغل بالامور
المناسبة للغرض فحس السمع ايضا يشتغل بها فان الحواس متى تطابقت
متوجهة الى الغرض الواحد كان توجه النفس اليه اقوى وان كانت بالفاظ
غير معلومة حصلت للنفس هناك حالة شبيهة بالحيرة والدهش و
يحصل لها اذ ذاك الجذب والانقطاع عن المحسوسات واقبال على
ذلك الفعل ليقوى التاثير النفساني فيحصل الغرض وهكذا القول في
الدخن قالوا فثبت ان هذا القدر من القوة النفسانية مستقل بالتاثير
فان انضم اليه الاستعانة بالقسم الاول وهو تاثيرات الكواكب قوي الاثر
جدا لا سيما ان حصل لهذا النفس مدد من النفوس المفارقة المشابهة
لها ومن الانوار الفائضة من النفوس الفلكية ومنها سحر من يستعين

التاثیر ہو جاتی ہے، پھر اگر اس کو بیرونی امداد بھی مل جائے، مثلاً غذا کم کھائے، لوگوں سے علیحدہ رہے، اور اس کا
نفسانی سے آزاد ہو جائے تو اس روح کی تاثیر دوسرے بیرونی جسم پر بھی اثر انداز ہوتی ہے، اور اگر اتنی طاقت
نہ ہو، تو کم از کم اپنے بدن پر اثر کر رہتی ہے، جھاڑ پھونک کی بھی یہی کیفیت ہے، اگر اس میں الفاظ معلوم ہوں
تو پھر ان کی تاثیر طبیعت انسانی پر ظاہر ہے، ورنہ انسانی طبیعت پر حیرت اور دہشت غالب آجاتی ہے اور
وہ طبیعت پر اثر انداز ہوتی ہے، بعض جادو تاثیرات سماوی رکھتے ہیں، مثلاً کواکب کی تاثیر اگر قوت نفس کے
ساتھ متفق ہو جائے، تو وہ قوی التاثیر ہو جاتی ہے، اور بعض میں قوت ارضی ہوتی ہے، مثلاً جنوں کی تسخیر وغیرہ

بالارواح الارضية وهو المسمى بالعزائم وتسخير الجن ومنها التخيلات الاخذة بالعيون ويسمى الشعوذة وذلك لان اغلاط البصر كثيرة فان راكب السفينة اذا نظر الى الشط رأى السفينة واقفة والشط متحركا والقطرة النازلة ترى خطا مستقيما والشعلة ترى في الماء الزجاجة وترى العظيم من البعد صغيرا وقد لا تقف القوة الباصرة على المحسوس وقوفا تاما اذا ادركت المحسوس في زمان صغير جدا فيختلط البعض بالبعض ولا يتميز فان الرحى اذا خرجت من مركزها الى محيطها خطوط كثيرة بالوان مختلفة ثم اديرت فان البصر يرى لونا واحدا كانه مركب من كل تلك الالوان وايضا النفس اذا كانت مشغولة بشيء فربما حضر عند الحس شيء آخر فلا يشعر الحس به البتة كما ان الانسان عند دخوله على السلطان قد يلقاه انسان ويتكلم معه فلا يعرفه ولا يفهم كلامه لما ان قلبه مشغول بشيء آخر وكذا الناظر في المرآة ربما قصد ان يرى سطح المرآة هل هو مستو ام لا فلا يرى فيها شيئا مما في المرآة فالمشعبذ الحاذق يظهر عمل شيء يشغل اذهان الناظرين به ويأخذ عيونهم اليه حتى اذا استفرغهم الشغل بذلك الشيء والتحديق نحوه عمل شيئا آخر عملا بسرعة فيبقى ذلك العمل خفيا لتعاون الشيئين اشتغالهم بالاول وسرعة الاتيان بالثاني ومنها الاعمال العجيبة التي تظهر من الآلات المركبة على النسب الهندسية او لضرورة الخلاء كفارسين يقتتلان فيقتل احدهما الآخر ومنه الصور التي يصورها الروم والهند حتى لا يفرق الناظر بينها وبين الانسان وقد يصورونها

اور بعض دفعہ صرف نظر کا دھوکا ہوتا ہے، اور نظر کے دھوکے عجیب وغریب قسم کے ہوتے ہیں، مثلاً گاڑی میں سوار آدمی جب باہر دیکھتا ہے، تو اسے دوسری چیزیں دوڑتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں، اور گاڑی کھڑی معلوم ہوتی ہے، بارش کے قطرے جب متواتر گرتے ہیں، تو پانی کی ایک مسلسل دھار معلوم ہوتی ہے، بڑی چیز دور سے چھوٹی دکھائی دیتی ہے، جب انسان ایک چیز کو غور سے دیکھ رہا ہو، تو کسی دوسرے آدمی کی بات سنائی نہیں دیتی، اور نہ ہی اس کو سمجھ سکتا ہے، اگرچہ وہ قریب ہی کیوں نہ ہو، ایک کاریگر جادوگر بس یہی کام کرتا ہے، کہ لوگوں کے ذہنوں کو کسی دوسری طرف منتقل کر دیتا ہے، اور سرعت حرکت سے ایک چیز

ضاحكة او باكية وقد يفرق بين ضحك السرور وضحك الخجل ومن هذا الباب تركيب صندوق الساعات وعلم جر الاثقال وهذا لا يعد من السحر عرفا لان لها اسبابا معلومة يقينية ومنها الاستعانة بخواص الادوية والاحجار ومنها تعليق القلب وهو ان يدعي الساحر انه قد عرف الاسم الاعظم وان الجن ينقادون له في اكثر الامور فاذا اتفق ان كان السامع ضعيف القلب قليل التمييز اعتقد انه حق وتعلق قلبه بذلك وحصل في قلبه نوع من الرعب وحينئذ تضعف القوى الحساسة فيتمكن الساحر من ان يفعل فيه ما شاء وان من جرب الامور وعرف احوال الناس علم ان لتعليق القلب اثرا عظيما في تنفيذ الاعمال واخفاء الاسرار ومنها السعي بالنميمة والتضريب من وجوه خفية لطيفة وذلك شائع في الناس فهذه جملة الكلام في اقسام السحر وعند المسلمين كلها مستندة الى قدرة الله تعالى فانه لا يمتنع وقوع هذه الخوارق باجراء العادة عند سحر السحرة واتفقوا (۱) على ان العلم به ليس بقبيح ولا محظور لان العلم لذاته شريف ولعموم قوله تعالى قل هل يستوي الذين يعلمون والذين لا يعلمون ولان الفرق بينه وبين المعجزة يمكن به الا ان اجتنابه اقرب الى السلامة

کر جاتا ہے جس کی لوگوں کو سمجھ نہیں آتی، اور بعض اوقات ایسا ہوتا ہے، کہ جادوگر کسی آدمی کا علاج تو جڑی بوٹیوں سے کرتا ہے لیکن مریض پر اس طرح اثر ڈالتا ہے کہ جن میرے ماتحت ہیں، یا مجھے اسم اعظم یاد ہے، تو مریض کے ذہن پر ان چیزوں کا اثر ہوتا ہے، اور قوی حساسہ کمزور ہو جاتے ہیں، پھر جادوگر جو اثر ان پر ڈالنا چاہے ڈال سکتا ہے۔

جو آدمی لوگوں کے حالات سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں، کہ کام کے پورا کرنے میں دل کے تعلق کا بڑا اثر ہوتا ہے، مثلاً ایک مریض جب کسی سے تعویذ لے لیتا ہے، تو اس کے دل میں آجاتا ہے، کہ اب اس پر بیماری کا حملہ نہیں ہوگا، یہ تمام جادو کی قسمیں ہیں، اور مسلمانوں کے نزدیک اللہ کی قدرت کی طرف منسوب ہیں، پھر اس پر علماء کا اجماع ہے، کہ جادو کا علم فی نفسہ برا نہیں ہے، اور نہ اس کا سیکھنا منع ہے، لیکن اس سے بچنا بہتر ہے۔

(۱) فیہ ما قال الشیخ ابن حجر قد کثر اختلاف العلماء فیہ وحاصل مذہبنا ان تعلمہ فسق فی الحدث لیس منا من سحر او سحر لہ ودیعہ من تعلمہ خلافا للغزالی ۱۲ منہ

کتعلم الفلسفة التی لا یومن ان تجر الی الغوایة

واما ان الساحر هل یکفر ام لا فلا نزاع بین الامة فی ان من اعتقد ان الکواکب هی المدبرة لهذا العالم وهی الخالقة لما فیه من الحوادث والخیرات والشرور فانه یکون کافرا علی الاطلاق وهذا هو القسم الاول من السحر واما النوع الثانی وهو ان یعتقد انه قد یبلغ روح الانسان فی التصفیة والقوة الی حیث یقدر علی ایجاد الاجسام واعدامها وتغیر البنیة والشکل فالاظهر اجماع الامة ایضا علی تکفیره واما سائر انواع السحر فلا شک انها لیست بکفر وحکم من کفر بالسحر حکم المرتد واذا سحر انسانا فمات فان قال انی سحرته وسحری یقتل غالبا وجب علیه القود وان قال سحرته وسحری قد یقتل وقد لا یقتل فهو شبه عمد وان قال سحرت غیرہ فوافق اسمه اسمه فخطاء انتہی کلام صاحب النیشاپوری ونقل الامام الرازی انه یقتل الساحر وبه قال ابو حنیفة رحمة الله علیه ولا یستتاب ولا یقبل قوله انی ترکت السحر لانه ورد فی الحدیث حد الساحر السیف۔

بدانکہ در تمامی انواع سحر مشکل ترین نوع سحر چاہ بابل بود، کہ حکماء در وقت نمرود ساختہ بودند وآن شش طلسم بود، چنانکہ در مطولات معتبرہ مذکور است، ودرین جا گنجائش آن نیست در تفصیل این اقسام مشقتے تمام دارد ولیداز د کسے کہ این را تفصیل کرد و بر صنعت آن قدرت یافت

بالکل اسی طرح جس طرح فلسفے کی تعلیم سے بچنا چاہیئے کیونکہ گمراہ ہونے کا خطرہ ہے

جو آدمی جادو سے کافر ہو اس کا حکم مرتد کا ہے، اور اگر کسی انسان پر جادو کرے، اور وہ مرجائے تو اگر وہ اپنے جادو کا اقرار کرے، اور کہے کہ میرے جادو سے عموماً آدمی مر جاتا ہے تو اس پر قصاص واجب ہے اور اور اگر اس کا جادو کبھی مارے اور کبھی نہ مارے، تو اس کا حکم شبہ عمد کا ہے اگر کسی اور پر اس نے جادو کیا اور وہ کسی دوسرے پر جا پڑا، تو اس کا حکم قتل خطا کا ہے، امام رازی کہتے ہیں، کہ جادو گر کو قتل کر دینا چاہیئے امام ابو حنیفہ کا بھی یہی قول ہے، اور اس کی توبہ قبول نہ کرنی چاہیئے اور اگر کہے، کہ میں نے اب جادو چھوڑ دیا ہے، تو اس کا اعتبار نہ کرنا چاہیئے، کیونکہ حدیث میں ہے، کہ جادو گر کی حد تلوار ہے،

سب سے مشکل ترین جادو چاہ بابل کا ہے، جس کو حکماء نے نمرود کے وقت بنایا تھا، یہ چھ قسم کا جادو تھا، اس جادو کے حاصل کرنے میں بڑی مشقت اٹھانا پڑتی ہے، اور اگر وہ حاصل ہو جائے، تو آدمی جو

ادرا این صناعت میسر گردید ہرچہ خواہد بکند از اظہار مخالف عادت یا منع موافق عادت می تواند، چنانچہ معالجہ امراضے کہ اطبار از ان عاجز گشتند ازو می تواند شد، زیرا کہ او باستعانت روحانیات تدبیر می کنند و طبیب باستعانت جسمانیات، و کنہ این مسئلہ آن است ہر کہ جسم از فلک گرفتہ با عناصر و موالید روحی دارد کہ مدبر اوست، و تاثیرات اجسام ہمہ بواسطہ روح اند، چون ارواح تمام عالم نزد این کس مسخر شدند گویا مالک جہان گردید پس بے ممارست جنگ و قتال دفع دشمنان ازو ممکن است، چنانچہ ارسطو از حکیم برہماطوس و بیداغوس نقل کردہ کہ در شہر بابل درمیان این ہر دو کس منازعت افتاد، بیداغوس گفت کہ ترا با من تاب مقادمت نیست، کہ مریخ و زحل از مقادمت من عاجز اند برہماطوس چون این کلام شنید، ترنج محرق ساختہ استعانت بروح مریخ نمود، و بیداغوس را بسوخت و بے جنگ و جدال شر او را دفع کرد، ہذا خلاصۃ کلام مولانا شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ العزیز

پس ازین جا زعم منکران کہ می گویند کہ سحر محض معدوم و موہوم است و در حقیقت تاثیرش نیست مدفوع و مردود شدہ، چرا کہ از کتاب و سنت و علمائے اہل سنت و از حکمار غیر ملت وجود و تاثیر آن حقیقۃ ثابت گشتہ، و لیس ہذا الامر ظاہرا، و معتزلیان عدم قائل تاثیر سحر و وجودش شدہ اند، بنا بر آنکہ امتیاز درمیان حد اعجاز و سحر نہ بود، اگر وجودش در حقیقت و وقوع تاثیرات آن ثابت کردہ شود، لہذا محض موہوم می دانند، و جوابہ ما قال فی شرح

چاہے کر سکتا ہے، وہ خلاف عادات امور کر جاتا ہے، اور عادت کے امور کو روک لیتا ہے بعض ذی ... ایسے بیماروں کا علاج کر لیتا ہے، جس کے علاج سے حکمار عاجز آجاتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہوتی ہے، کہ آدمی جسم فلکی اختیار کر لیتا ہے، اور عناصر و موالید روحی حاصل کر لیتا ہے، اور اجسام کی تاثیرات تمام روح کے ذریعہ ہیں، جب عالم ارواح اس کے ماتحت ہو جاتا ہے، تو گویا سارے جہان کا مالک بن جاتا ہے پس وہ بغیر جنگ و قتال کے دشمنوں کو شکست دیتا ہے، چنانچہ ارسطو نے ایک واقعہ لکھا ہے، کہ حکیم برہماطوس اور بیداغوس کا شہر بابل میں مقابلہ ہو گیا، بیداغوس نے کہا، کہ تو میرا مقابلہ نہیں کر سکتا، کہ مریخ اور زحل میرے مقابلہ سے عاجز ہیں، برہماطوس نے جب یہ بات سنی، تو اس نے ترنج جلا کر مریخ کی روح سے مدد حاصل کی، اور اسی وقت بیداغوس کو جلا دیا۔

قصہ مختصر جادو کا وجود حق ہے، ثابت ہے، معتزلی اس کے قائل نہیں ہیں، کیونکہ معجزہ اور جادو کے ظاہر حال پر کوئی فرق اور حد فاصل نہیں ہے، لہذا وہ اس کے منکر ہو گئے، لیکن اہل سنت کے نزدیک جادو

المواقف وصاحب النیشاپوری وغیرهما من علماء اهل المذهب من السنة والجماعة وهو انه لا مؤثر فی الوجود الا الله والسحر ونحوه ان لم یبلغ حد الاعجاز الذی هو کفلق البحر واحیاء الموتی کما هو مذهب جمیع العقلاء فظاهر ای فی الامتیاز بین الاعجاز والسحر فان بلغ فما دون دعوی النبوة والتحدی فظاهر ایضا ومعه فیتمکن فلابد من ان لا یخلقه الله تعالی علی یده ای الساحر او ان یقدر غیره علی معارضته لئلا یحصل التلبیس والا لکان تصدیقا للکاذب وانه محال فالحق یتمیز عن الباطل واما اذا لم یدع النبوة فظهرت الخوارق علی یده لم یفض ذلک الی التلبیس والمبطل لا یحصل له هذه الاشیاء مع ادعاء النبوة فاندفع عن هذا قول المعتزلة انتهی فاذا جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل کان زهوقا الایة وسمیت هذه الرسالة باقوال الحبر فی احوال السحر

حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ | سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قرآن شریف میں جو یہ آیۃ ہے کہ اِنَّ الحسنات یذھبن السیئات اس کے معنی قرآن میں یہ لکھے ہیں کہ نیکیاں لے جاتی ہیں برائیوں کو، اگر کوئی اس کے معنے یوں کہے، کہ برائیاں لے جاتی ہیں نیکیوں کو، پس وہ شخص کس فریق اور کس مذہب کا ہے، اور کس دلیل سے معنی کی مخالفت کرتا ہے، اس کا جواب بیان کریں۔ اللہ تعالے اجر دے گا،

الجواب:۔ باتفاق مفسرین اس آیت کے یہی معنی ہیں، کہ نیکیاں لے جاتی ہیں، برائیوں کو، اور شان نزول سے اور عربیت کے قاعدہ سے بھی اس آیت کا یہی معنی متعین ہے اس آیت کے معنی جو شخص یہ کہے کہ برائیاں لے جاتی ہیں نیکیوں کو وہ بالکل جاہل اور نالائق ہے کیونکہ جو شخص ذرا بھی عربیت سے واقف ہوگا، وہ ہرگز اس آیت کے یہ معنی نہیں کہے گا، اور اس کو صاف غلط سمجھے گا، جو شخص اس آیت کے یہ معنی کہتا ہے، کہ برائیاں لے جاتی ہیں نیکیوں کو اگر اس کا یہی عقیدہ ہے، کہ برائیوں سے نیکیاں جاتی رہتی ہیں، تو ایسا عقیدہ ایک شاخ مذہب

موثر بالذات نہیں ہے، بلکہ اس کی تاثیر خدا تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے، اور پہلے جو فرق معجزہ اور جادو میں بیان ہو چکا ہے اس کی بنا پر معتزلہ کا قول رد ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم ۱۲

لے نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں ۱۲

خوارج کی ہے، کیونکہ ان کا یہ مذہب ہے کہ معاصی سے مسلمان کافر ہو جاتا ہے، چنانچہ فتح الباری میں ہے الخوارج یکفرون بالمعاصی۔ انتہی واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد عبدالحق ملتانی عفی عنہ   سید محمد نذیر حسین

ھوالموفق: ۔ جواب صحیح ہے، بے شک آیت مذکورہ کے یہی معنے ہیں، کہ نیکیاں لے جاتی ہیں برائیوں کو، یعنی نیکیاں برائیوں کی کفارہ ہو جاتی ہیں، اور نیکیوں کی وجہ سے گناہ مٹائے جاتے ہیں، مگر ہاں یہ یاد رکھنا چاہیے، کہ نیکیاں اسی حالت میں برائیوں کا کفارہ ہوں گی، جب کہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جاوے گا۔ اور اگر کبیرہ گناہوں سے اجتناب نہیں کیا جائیگا تو نیکیاں برائیوں کی کفارہ نہیں ہوں گی، حافظ ابن حجر فتح الباری جزء ۱۹ صفحہ ۲۱۵ میں لکھتے ہیں

و تمسك بظاهر قوله تعالى ان الحسنات يذهبن السيئات المرجية و قالوا ان الحسنات تكفر كل سيئة كبيرة كانت او صغيرة وحمل الجمهور هذا المطلق على المقيد في الحديث الصحيح ان الصلوة الى الصلوة كفارة لما بينهما ما اجتنب الكبائر فقال طائفة ان اجتنبت الكبائر كانت الحسنات كفارة لما عدا الكبائر من ذنوب وان لم تجتنبت الكبائر لم تحط الحسنات شيئا وقال اخرون ان لم تجتنبت الكبائر لم تحط الحسنات شيئا منها وتحط الصغائر منها انتہی واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ كتبه محمد عبدالرحمن المباركفوري عفا الله عنه

سوال: ۔ شاہ عبدالعزیز و شاہ رفیع الدین و شاہ عبدالقادر صاحبان چہ او تفسیر آیات متشابہات مسلک مفسرین متقدمین نمودہ اند۔

لے خوارج گناہوں کے مرتکب کی تکفیر کرتے ہیں۔ ۲ے مرجیہ نے اللہ تعالیٰ کے قول ان الحسنات یذھبن السیئات کے ظاہر الفاظ سے تمسک کرتے ہوئے کہا ہے، کہ نیکیاں ہر گناہ کا کفارہ بن جاتی ہیں خواہ گناہ کبیرہ ہوں یا صغیرہ، اور جمہور نے اس مطلق آیت کو صحیح حدیث سے مقید کیا ہے، کہ نماز دوسری نماز تک کے گناہوں کا کفارہ ہے، جب تک کہ آدمی کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرے پھر ایک گروہ کہتا ہے کہ اگر کبائر سے پرہیز کیا جائے تو نماز صغیرہ گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے، اور اگر اجتناب نہ کرے تو پھر صغیرہ کا کفارہ بھی نہیں بنتی، اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ صغیرہ بہرحال معاف ہو جاتے ہیں، کبیرہ معاف نہیں ہوتے۔

سوال: ۔ شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر صاحبان نے آیات متشابہات

الجواب:۔ باید دانست کہ حضرات بارکات خلاف مفسرین متقدمین و متاخرین محققین متبعین سنت سنیہ در تاویل متشابہات ہرگز نہ کردہ اند بلکہ بر ظاہر آن کہ الاستواء و الید والوجہ معلوم و الکیف مجہول مطابق مسلک متقدمین اہل سنت مثل امام ابو حنیفہ و امام مالک رحمہما اللہ وغیرہما من المتقدمین حمل کردہ اند چنانکہ از کتب معتبرہ مانند فقہ اکبر تصنیف امام ابو حنیفہ رح و بزدوی فخر الاسلام و شرح آن و تفسیر مدارک و جلالین و کمالین حاشیہ جلالین وغیرہ ہویدا می شود قال اللہ تعالی ثم استوی علی العرش ھو فی اللغۃ سریر الملک استواء یلیق بہ کذا فی الجلالین عن ام سلمۃ رض والامام جعفر الصادق والحسن البصری وعن ابی حنیفۃ ومالک ان الاستواء معلوم والکیف مجہول والایمان بہ واجب والسوال عنہ بدعۃ وروی البیہقی عن ابی حنیفۃ ان اللہ تعالی فی السماء دون الارض وعنہ قال من انکر اللہ فی السماء فقد کفر وقال الشافعی رح ان اللہ علی عرشہ فی السماء یقرب من خلقہ کیف یشاء وینزل کیف یشاء ومثل ذلک قال احمد قال اسحق انما اجمع اہل العلم انہ فوق العرش استوی ویعلم کل شیء وھو قول المزنی والبخاری وابی داؤد والترمذی و ابن ماجۃ وابی یعلی والبیہقی وغیرھم من ائمۃ الحدیث وقال ابراھیم من

کی تفسیر میں متقدمین مفسرین کے مسلک کی خلاف ورزی کیوں کی ہے؟

الجواب:۔ ان حضرات نے مسلک اہل سنت والجماعت کے ائمہ اور مفسرین کی خلاف ورزی ہرگز نہیں کی ہے بلکہ مسلک متقدمین کے مطابق ان آیات کو ظاہر پر محمول فرمایا ہے، ان کا مقصد تھا کہ استوا اور ید اور وجہ معلوم ہیں کیفیت غیر معلوم ہے" امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا یہی مذہب ہے، چنانچہ بالکل یہی مضمون فقہ اکبر تصنیف امام ابو حنیفہ، بزدوی تفسیر مدارک، جلالین و کمالین حاشیہ جلالین میں موجود ہے، امام جعفر صادق اور حسن بصری، امام مالک امام ابو حنیفہ کا قول ہے" استوا معلوم ہے اس کی کیفیت مجہول ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے، اور اس کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے" امام ابو حنیفہ کا قول ہے، کہ اللہ آسمانوں میں ہے زمین میں نہیں اور جو اللہ کے آسمانوں میں ہونے کا انکار کرے وہ کافر ہے، امام شافعی رح کہتے ہیں، اللہ تعالی اپنے عرش پر ہے، اور آسمانوں پر ہے، قرب اور نزول جس طرح چاہے کرتا ہے، امام احمد، اسحاق، مزنی، بخاری ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ، ابو یعلی، بیہقی اور تمام اہل علم کا قول ہے، کہ اللہ عرش پر مستوی ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے، ابراہیم حنبلی کا قول ہے، کہ سلف صالحین کا قول تھا، اللہ اپنی تمام صفات میں کامل ہے

الحنابلة طريقنا طريق السلف المتبعين للكتاب والاجماع ومما اعتقدوه ان الله لم يزل كاملا بجميع صفاته الى ان قال وان الاحاديث التي ثبتت في العرش والاستواء عليه يقولون بها ويثبتونها من غير تكييف ولا تمثيل وانه بائن من خلقه وقال الامام الحرمين والذي نرضاه وتعتمده اتباع السلف الى الا نكفاف الى التاويل واجراء الظاهر على موارده وتفويض معانيها الى الله انتهى ما في الكمالين مختصرا

والمنقول عن الصادق والحسن وابي حنيفة ومالك الاستواء معلوم والتكييف فيه مجهول والايمان به واجب والجحود به كفر والسوال عنه بدعة انتهى ما في المدارك. وعن ابي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يمين الرحمن ملاى سحاء لا يغيضها الليل والنهار قال ارأيتم ما انفق منذ خلق السموات فانه لم يغض ما في يمينه وعرشه على الماء وبيده الاخرى الميزان يخفض ويرفع هذا حديث حسن صحيح وهذا الحديث في تفسير هذه الاية وقالت اليهود يد الله مغلولة غلت ايديهم الاية وهذا الحديث قال الائمة نؤمن به كما جاء من غير ان يفسر او يتوهم هكذا قاله غير واحد من الائمة منهم سفيان الثوري ومالك بن انس وابن عيينة وابن المبارك انه تروى هذه الاشياء ويؤمن بها ولا يقال كيف انتهى ما في الترمذي ولله اي لله سبحانه يد ووجه ونفس اي كما يليق بذاته وصفاته فما ذكره الله في القران من ذكر الوجه واليد والنفس فهو اي جميع ما ذكر اي له تعالى صفات

اللہ عرش پر مستوی ہے، اس کی کیفیت معلوم نہیں، اس کی کوئی مثال نہیں، وہ اپنی خلق سے بائن ہے سلف صفات میں تاویل نہیں کرتے تھے، ظاہری الفاظ کے مفہوم پر ایمان رکھتے تھے، اور اس کے معانی اللہ کے سپرد کرتے تھے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ بھرا ہوا ہے، دن رات بخشش کرنے میں مصروف ہے، جب سے اس نے زمین و آسمان پیدا کئے ہیں، سخاوت کر رہا ہے، اور اس کے بحر کرم سے کوئی چیز بھی کم نہیں ہوتی، اس کا عرش پانی پر ہے اس کے دوسرے ہاتھ میں میزان ہے جسے چاہے اسے جھکاتا اور اٹھاتا ہے۔ ائمہ اہل سنت کا مذہب ہے، کہ اس حدیث پر ایمان لایا جائے، اس کی تفسیر نہ کی جائے

متشابہات بلا کیف ای مجہول الکیفیات ولا یقال ای فی مقام التاویل کما علیہ بعض الخلق مخالف للسلف ان یدہ قدرتہ ای بطریق الکنایۃ او نعمتہ واستوادہ علی العرش استیلاءہ لان فیہ ای فی تاویلہ ابطال الصفۃ ای فی الجملۃ لانہ تعالی حیث اطلق الید ولو یذکر القدرۃ والنعمۃ بدلہا والظاہر ارادبہما غیر معانیہا وہو ای ابطال الصفۃ من اصلہا وباسرہا قول اہل القدر ای عموما والاعتزال ای خصوصا ولکن ید وصفۃ بلا کیف ای بلا معرفۃ الی کیفیتہ کعجزنا عن کنہ معرفۃ بقیۃ صفاتہ فضلا عن معرفۃ کنہ ذاتہ انتہی ما فی الفقہ الاکبر وشرحہ لملا علی القاری مختصرا وکذلک اثبات الوجہ والید حق عندنا معلوم باصلہ متشابہۃ بوصفہ ولن یجوز ابطال الاصل بالعجز عن درک الوصف وانما ضلت المعتزلۃ من ہذا الوجہ فانہم ردوا الوصول لجہلہم بالصفات فصاروا معطلۃ انتہی ما فی البزودی للامام فخر الاسلام وعن اصحابنا ان الاستواء علی العرش صفۃ للہ بلا کیف انتہی ما فی التفسیر البیضاوی مختصرا وحمل الظواہر النقلیۃ اما علی التاویل واما علی تفویض علمہا الی اللہ تعالی وہو الحق انتہی ما فی المعالم فی العقائد للامام فخر الدین الرازی مختصرا۔

پس بہمیں روش حضرات موصوفین بودند، کہ مذکور شد دریں اوراق ودریں ثبوت تجسم و استقرار نمی شود، وہیچ گونہ شائبہ بدعت وکفر بر حضرات مذکورین عائد نمی گردد، بلکہ بخلاف مسلک مذکور وارد می شود کما لا یخفی علی المتأمل المتفطن الماہر بالنصوص من الکتاب والسنۃ وایں چند سطور برائے تنبیہ نا واقفان از مذہب ومشرب متقدمین کہ دراں

سفیان ثوری، مالک بن انس، ابن عیینہ، ابن مبارک کا یہی قول ہے، قرآن مجید میں ہاتھ، چہرہ اور نفس کا اثبات خدا تعالیٰ کے لئے آیا ہے، یہ خدا تعالیٰ کی صفات متشابہات ہیں، ان کی کیفیت معلوم نہیں ہے اور ہاتھ کی تفسیر قدرت سے کرنا اور استوار کی غلبہ سے اہل سنت کے مذہب کے برخلاف ہے، کیونکہ اس سے صفات کا ابطال ہوتا ہے، یہ قدریہ اور معتزلہ کا مذہب ہے، اہل سنت کا نہیں، ہاں اہل سنت ہاتھ اور منہ بلا کیف تسلیم کرتے ہیں، کیونکہ جس طرح ہم ذات الٰہی کی کنہ سے عاجز ہیں صفات الٰہی سے بھی عاجز ہیں۔ پس ان حضرات موصوفین کا بھی یہی مسلک ہے، اور اس چیز میں تجسیم وتشبیہ یا کفر وشرک کا شائبہ تک

امام اعظم وامام مالک وغیرہما من المتقدمین المحققین من اہل السنت داخل اند نگاشتہ شد کہ متنبہ شوند و بریں اعتقاد دارند واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب

الراقم العاجز سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سوال:۔ ترجمہ قرآن مجید مترجمہ ڈپٹی نذیر احمد خان دہلوی و ترجمہ قرآن مجید مترجمہ مرزا حیرت دہلوی ایڈیٹر کرزن گزٹ و سیکرٹری اسلامیہ پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی دہلی میں سے کس کا ترجمہ فصیح ہے، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ ترجمہ ہر دو صاحبان مذکور فصاحت اردو میں اچھا ہے، مگر میں نے اول سے آخر تک ترجمہ نہیں دیکھا ہے، کہ کس کو ترجیح دوں، مگر ہر دو صاحبان نے فصاحت خرچ کرکے مقاصد و مطالب قرآن کو بگاڑ دیا کہ جس کو عام لوگ نہیں سمجھ سکتے، قرآن کا ترجمہ شاہ رفیع الدین شاہ عبد القادر و شاہ ولی اللہ صاحب سے بڑھ کر کسی کا نہیں ہو سکتا ہے، ان لوگوں نے الفاظ قرآن و معانی کی پیروی کی ہے، اور ان لوگوں نے فصاحت اردو خرچ کی ہے، تھوڑے دنوں میں قرآن کو مثل انجیل وغیرہ کے کردیں گے، واللہ اعلم بالصواب، حررہ، سید محمد عبد الحفیظ غفرلہ

سید محمد عبد الحفیظ — ہذا الجواب صحیح سید محمد عبد السلام غفرلہ

الجواب صحیح سید محمد ابو الحسن

نہیں ہے، جیسا کہ ایک ماہر شریعت پر مخفی نہیں، یہ چند سطور ناواقفوں کی تنبیہ کے لئے اہل سنت اور خصوصاً امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے مسلک کی وضاحت کے لئے لکھی گئی ہیں، واللہ اعلم۔

کتاب الطہارۃ

سوال:۔ ما قولکم ادام اللہ تعالیٰ فیوضکم فی المسح علی الجوربۃ الشائعۃ فی الامصار المنسوجۃ من الغزل او الصوف غیر منعلۃ ولا ثخینۃ ومعلوم ان الحدیث المروی فی الباب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ضعیف وتحسین الترمذی وتصحیحہ ایاہ لم یقبلہ الحفاظ کما ھو مبسوط فی تخریج الھدایۃ للزیلعی وان قیس المسح علیھما علی مسح الخفین لعلۃ استر ودفع الحرج فھل یکفی مع کونہ ظنیا فی اسقاط الغسل المفروض بالقرآن المتواتر وھل یزاد علی العلتین لکون الجوربین فی حکم الخفین صفۃ الثخانۃ وعدم نفوذ الماء کما قیل ھا الا ثمۃ والاصل فی باب الرجلین الغسل الثابت بالتنزیل والمسح علی الخفین رخصۃ فھل الرخص الشرعیۃ موقوفۃ علی بیان الشارع صلی اللہ علیہ وسلم ام لا ولیکن الجواب مفصلا مع مالہ وما علیہ فقط۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ اونی یا سوتی جرابوں پر مسح جائز ہے یا نہیں؟ یہ تو معلوم ہے کہ جرابوں پر مسح کرنے کی حدیث ضعیف ہے اور امام ترمذی نے جو اس کو صحیح کہا ہے، محدثین نے اسے قبول نہیں، اور اگر موزوں کے مسح پر اس کو علت مشترکہ کی بنا پر قیاس کیا جائے، تو اس سے فرض غسل جو قرآن سے ثابت ہے ساقط ہو جائے گا یا نہیں؟ اور ائمہ نے جو جرابوں کے لئے موٹا ہونے، اور پانی کے نفوذ نہ کرنے کی قید لگائی ہے، تو کیا اس سے زیادہ کسی اور علت کا بھی اضافہ ہو سکتا ہے یا نہیں، پاؤں کا دھونا فرض ہے، اور موزے پر مسح رخصت ہے، کیا رخصت شریعت شارع کے بیان پر موقوف ہے یا نہیں، جواب مفصل عنایت فرمائیں۔

الجواب المسح علی الجوربۃ المذکورۃ لیس بجائز لانہ لم یقم علی جوازہ دلیل وکل ما تمسک بہ المجوزون ففیہ خدشۃ ظاہرۃ ومتمسکاتہم ثلث الحدیث المرفوع وافعال الصحابۃ رضی اللہ عنہ والقیاس۔

اما الحدیث المرفوع فھو ما رواہ الترمذی وغیرہ عن المغیرۃ بن شعبۃ قال توضأ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومسح علی الجوربین والنعلین قال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح۔ واما الخدشۃ فی الاستدلال بہ ففی ان ھذا الحدیث ضعیف لا یصح الاستدلال بہ قال ابوداؤد بعد روایتہ کان عبد الرحمن بن المھدی لا یحدث بھذا الحدیث لان المعروف عن المغیرۃ ان النبی صلی اللہ مسح علی الخفین وروی ھذا ایضا عن ابی موسی الاشعری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ مسح علی الجوربین ولیس بالمتصل ولا بالقوی انتہی قال البیھقی فی سننہ ان ابا محمد یحیی بن منصور قال رایت مسلم بن الحجاج ضعف ھذا الخبر عن المغیرۃ فقالوا مسح علی الخفین وقال لا یترک ظاہر القرآن بمثل ابی قیس وھذیل قال فذکرت ھذہ الحکایۃ عن مسلم لابی العباس محمد عبد الرحمن الدغولی فسمعتہ یقول سمعت علی بن محمد بن شیبان یقول سمعت ابا قدامۃ السرخسی یقول قال عبد الرحمن بن مھدی قلت لسفیان

الجواب:۔ مذکورہ جرابوں پر مسح جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کی کوئی صحیح دلیل نہیں ہے، اور مجوزین نے جن چیزوں سے استدلال کیا ہے اس میں خدشات ہیں، استدلال تین چیزوں سے کیا گیا ہے، حدیث مرفوع، فعل صحابہ اور قیاس۔

حدیث مرفوع تو وہ ہے، جس کو ترمذی نے مغیرہ بن شعبہ سے روایت کیا ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا، اور جراب اور جوتے پر مسح کیا، ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے، اس پر اعتراض یہ ہے، کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اس سے استدلال صحیح نہیں ہے، عبد الرحمٰن بن مہدی یہ حدیث روایت نہیں کیا کرتے تھے کیونکہ مغیرہ سے مشہور روایت موزے پر مسح کرنے کی ہے، ابو موسیٰ اشعری نے بھی جراب پر مسح کرنے کی روایت نقل کی ہے لیکن اس کی سند متصل نہیں، امام مسلم نے اس کو ضعیف کہا ہے، مغیرہ بن شعبہ سے جتنے لوگوں نے اس حدیث کو روایت کیا ہے انہوں نے موزے پر مسح بیان کیا ہے، صرف ابو قیس اودی اور ھذیل بن شرحبیل نے جراب کا لفظ بیان کیا ہے، لیکن یہ دوسرے راویوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے، عبد الرحمٰن بن مہدی نے سفیان ثوری سے کہا،

الثوری لو حدثتنی بحدیث ابی قیس عن ھذیل ما قبلتہ منک فقال سفیان الحدیث ضعیف ثم اسند البیھقی عن احمد بن حنبل قال لیس یروی ھذا الحدیث الا من روایۃ ابی قیس الاودی وابی عبد الرحمن بن مھدی ان یحدث بھذا الحدیث وقال ھو منکر واسند البیھقی ایضا عن علی بن المدینی قال حدیث المغیرۃ بن شعبۃ فی المسح رواہ عن المغیرۃ اھل المدینۃ واھل الکوفۃ واھل البصرۃ ورواہ ھذیل بن شرحبیل عن المغیرۃ الا انہ قال ومسح علی الجوربین فخالف الناس واسند ایضا عن یحیی بن معین قال الناس کلھم یروونہ علی الخفین غیر ابی قیس انتہی وقال البیھقی فی المعرفۃ واما المسح علی الجوربین والنعلین فقد روی ابو قیس الاودی عن ھذیل بن شرحبیل عن المغیرۃ بن شعبۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مسح علی جوربیہ ونعلیہ وذلک حدیث منکر ضعفہ سفیان الثوری وعبد الرحمن بن مھدی واحمد بن حنبل ویحیی بن معین وعلی المدینی ومسلم بن الحجاج والمعروف عن المغیرۃ حدیث المسح علی الخفین وروی عن جماعۃ من الصحابۃ انھم فعلوہ انتہی

فان قلت قد اجاب عن ھذہ الخدشۃ الشیخ الامام تقی الدین ابن دقیق العید بقولہ ومن یصححہ یعتمد بعد تعدیل ابی قیس علی کونہ لیس مخالفا لروایۃ الجمھور مخالفۃ معارضۃ بل ھو امر زائد علی ما رووہ ولا یعارضہ ولا سیما وھو طریق مستقل بروایۃ ھذیل عن المغیرۃ لم یشارک المشھورات فی سندھا۔ قلت قد ظھر لک مما تقدم ان کل من روی حدیث

اگر آپ مجھے ابو قیس عن ہذیل کی حدیث سنائیں، تو میں اس کو آپ سے قبول نہیں کروں گا۔ سفیان نے کہا وہ حدیث واقعی ضعیف ہے علی بن مدینی نے کہا مغیرہ کی حدیث کو مدینہ، کوفہ اور بصرہ والوں نے روایت کیا ہے۔ سب موزہ کا ذکر کرتے ہیں، صرف ابو قیس جراب کا تذکرہ کرتے ہیں، بیہقی نے کہا یہ حدیث منکر ہے۔ اس کو سفیان ثوری، اور عبد الرحمن بن مہدی، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، علی بن مدینی، امام مسلم نے ضعیف کہا ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے، کہ ابن دقیق العید نے اس کی تصحیح پر اعتماد کیا ہے اور لکھا ہے، کہ ابو قیس کی روایت دوسروں کے مخالف نہیں ہے، کیونکہ وہ تو ایک امر زائد بیان کر رہے ہے، اس کا جواب یہ ہے، کہ اگر اس روایت کے

المغيرة بن شعبة في المسح من اهل المدينة واهل الكوفة واهل البصرة رواه بلفظ انه صلى الله عليه وسلم مسح على الخفين الا هذيل بن شرحبيل فانه روى بلفظ انه صلى الله عليه وسلم مسح على الجوربين والنعلين فخالف الناس كلهم ولا شك ان روايته هذه معارضة ومنافية لما رووه لانه يثبت من هذه الرواية انه صلى الله عليه وسلم مسح على الجوربين والنعلين دون الخفين ويثبت من روايتهم انه صلى الله عليه وسلم مسح على الخفين دون الجوربين والنعلين فكيف يصح قول ابن دقيق العيد ان روايته ليست مخالفة لرواية الجمهور مخالفة معارضة واما قوله بل هو امر زائد على ما رووه ولا يعارضه فهذا ايضا ليس بمستقيم لانهم رووه بلفظ انه صلى الله عليه مسح على الخفين ولم يزد هذيل بن شرحبيل على هذا اللفظ لفظ والجوربين والنعلين حتى يقال انه روى امرا زائدا على ما رووه بل روى مكان لفظ على الخفين لفظ على الجوربين والنعلين فتفكر علا انه قد اتفق على تضعيف رواية هذيل بن شرحبيل مثال سفيان الثوري وابن مهدي وابن معين واحمد وابن المديني ومسلم وابوداود والنسائي فبعد اتفاق هؤلاء الاجلة لا يجدي ما قاله ابن دقيق العيد نفعا واما تحسين الترمذي وتصحيحه فقال النووي على ما في فتح الودود كل منهم لو انفرد قدم على الترمذي مع ان الجرح مقدم على التعديل انتهى۔

فان قلت رواية هذيل ليست بمنافية لروايتهم حتى تترك روايته وتوخذ روايتهم فان المراد بالجورب في رواية الخف الكبير الذي يكون

یہ الفاظ ہوتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر اور جرابوں اور جوتی پر مسح کیا تو ایک امر زائد تھا، لیکن اس نے تو موزے کے بجائے جراب اور جوتی کا ذکر کیا ہے تو یہ امر زائد نہیں ہے بلکہ ثقات کی مخالفت ہے، باقی رہا ترمذی کا اس کو حسن صحیح کہنا، تو امام نووی نے کہا کہ جن لوگوں نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے ان میں سے ہر ایک امام ترمذی سے مقدم ہے، اور پھر یہ اصول بھی ہے کہ جرح تعدیل پر مقدم ہوتی ہے۔

اگر یہ کہا جائے، کہ لفظ جراب مختلف المفہوم ہے، موزے کے اوپر جو لفافہ پہنا جاتا ہے، اس کو

من الادیم فان لفظ الجورب یطلق علیہ ایضا بل بہ فسر العلامۃ الشوکانی حیث قال فی باب المسح علی الخفین الخف نعل من ادم یغطی الکعبین والجرموق اکبر یلبس فوقہ والجورب اکبر من الجرموق ثم قال فی باب المسح علی الجوربین قد تقدم ان الجورب الخف الکبیر انتہی وکذلک فسرہ محمد بن اسمعیل الامیر فی سبل السلام وقال الطیبی الجورب لفافۃ الجلد وھو خف معروف من نحو الساق فلما جاء اطلاق لفظ الجورب علی الخف الکبیر ایضا تعین ان یراد ھو فی روایتہ وروایتھو۔ قلت ان کان قولک ھذا صحیحا فہو لنا لا لک لانہ یثبت من ھذا انہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یمسح علی الجوربین وھذا ھو مقصودنا وان کان قولک ھذا غیر صحیح فہو غیر صحیح۔ والحاصل ان الحدیث المرفوع فی المسح علی الجوربین لیس بصحیح فلا یصح احتجاج المجوزین بہ۔

وھھنا خدشۃ اخری وھی ان مطلوب المستدلین بھذا الحدیث انہ یجوز الاقتصار علی مسح الجوربین والظاھر من الحدیث انہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یقتصر علیہما بل ضم الیہما مسح النعلین قال الطیبی معنی قولہ والنعلین ھو ان یکون قد لبس النعلین فوق الجوربین وقال الشیخ معنی الحدیث ان یکون قد لبس النعلین فوق الجوربین کما قالہ الخطابی وقال لم یقتصر علی مسحہما بل ضم الیہما مسح النعلین فعلی مزید عی جواز الاقتصار علی مسحہما الدلیل کذا فی ھامش الترمذی۔ ولو سلم انہ

اس کو جرموق کہتے ہیں، اور جرموق پر جو پہنا جاتا ہے، اس کو جراب کہتے ہیں، تو ممکن ہے، جراب سے چمڑے کا وہ لفافہ مراد ہو جو جرموق پر پہنا جاتا ہے، تو میں کہتا ہوں، کہ یہ دلیل تو ہماری ہوگی نہ کہ تمہاری اور پھر یہ بھی خیال کرنا چاہیے، کہ جراب پر مسح کرنے والوں کا مقصد تو یہ ہے کہ صرف جراب پر مسح کرنا جائز ہے، حالانکہ اس حدیث میں جراب اور جوتی پر مسح کا ذکر ہے، یعنی جراب کے اور جوتی پہنے ہوئے آپ نے مسح کیا، صرف جراب پر مسح نہیں کیا۔

یہاں ایک اور خدشہ بھی ہے، کہ جراب سوتی بھی ہوتی ہے اور اونی بھی، موٹی بھی اور باریک بھی

صلی اللہ علیہ وسلم مسح علی الجوربین منفردین عن النعلین ومسح علی النعلین منفردین عن الجوربین یلزم ان یجوز الاقتصار علی مسح النعلین ایضا والقائلون بجواز الاقتصار علی المسح علی الجوربین لیسوا بقائلین علی جواز الاقتصار علی مسح النعلین۔

وھھنا خدشۃ اخری ذکرھا صاحب غایۃ المقصود وھی ان الجورب یتخذ من الادیم وکذا من الصوف وکذا من القطن ویقال لکل من ھذا انہ جورب ومن المعلوم ان ھذہ الرخصۃ بھذا العموم التی ذھبت الیھا تلک الجماعۃ لا تثبت الا بعد ان یثبت ان الجوربین اللذین مسح علیھما النبی صلی اللہ علیہ کانا من صوف او قطن سواء کانا منعلین او ثخینین فقط ولم یثبت ھذا قط فمن این علم جواز المسح علی الجوربین غیر المجلدین بل یقال ان المسح یتعین علی الجوربین المجلدین لا غیرھما لانھما بمعنی الخف والخف لا یکون الا من الادیم نعم لو کان الحدیث قولیا بان قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم امسحوا علی الجوربین لکان یمکن الاستدلال بعمومہ علی کل نوع من انواع الجورب واذ لیس فلیس۔ فان قلت لما کان الجورب من الصوف ایضا احتمل ان الجوربین اللذین مسح علیھما النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانا من صوف او قطن اذ لم یبین الراوی۔ قلت نعم الاحتمال فی کل جانب سواء یحتمل کونھما من صوف وکذا من ادیم وکذا من قطن لکن ترجح الجانب الواحد وھو کونہ من ادیم لانہ یکون حینئذ فی معنی الخف ویجوز المسح علیہ قطعا واما المسح علی غیر الادیم فثبت بالاحتمالات التی لم تطمئن النفس بھا وقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم دع ما یریبک

اور وہ بھی جس کے نیچے چمڑا لگا ہوتا ہے، تو جب تک کسی خاص لفظ سے پتہ نہ چلے، کہ وہ جراب جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسح کیا، وہ چمڑے والی نہ تھی، تب تک مقصود مجوزین ثابت نہیں ہو سکتا، کیوں کہ چمڑے والی جراب تو موزہ ہی کے حکم میں ہے، اگر کہا جائے کہ دوسری جراب کا بھی احتمال تو ہے، تو میں کہتا ہوں، کہ اس میں جب صراحت نہیں ہے، تو نفس مطمئن نہیں ہو سکتا، اور حضور نے فرمایا ہے

الی ما لا یریبک اخرجہ احمد وغیرہ

واما افعال الصحابۃ رضی اللہ عنہم فاخرج عبد الرزاق فی مصنفہ اخبرنا الثوری عن منصور عن خالد بن سعد قال کان ابو مسعود الانصاری یمسح علی الجوربین لہ من شعر ونعلیہ وسندہ صحیح۔ واخرج ایضا فیہ اخبرنی الثوری عن الزبرقان عن کعب بن عبد اللہ قال رأیت علیا بال فمسح علی جوربیہ ونعلیہ ثم قام یصلی۔ واخرج ایضا فیہ اخبرنا معمر عن الاعمش عن ابراھیم ان ابن مسعود کان یمسح علی خفیہ و یمسح علی جوربیہ واخرج ایضا فیہ اخبرنا الثوری عن الاعمش عن اسمعیل بن رجاء عن ابیہ قال رأیت البراء بن عازب یمسح علی جوربیہ ونعلیہ واخرج ایضا فیہ اخبرنا معمر عن قتادۃ عن انس بن مالک انہ کان یمسح علی الجوربین وقال ابوداؤد فی سننہ مسح علی الجوربین علی بن ابی طالب وابن مسعود والبراء بن عازب وانس بن مالک وابوامامۃ وسہل بن سعد وعمرو بن حریث وروی ذلک عن عمر بن الخطاب وابن عباس وقال ابن القیم فی حاشیتہ علی سنن ابی داؤد قال ابن المنذر یروی المسح علی الجوربین عن تسعۃ من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی وعمار وابی مسعود الانصاری وانس وابن عمر والبراء وبلال وعبد اللہ بن ابی اوفی وسہل بن سعد وزاد ابوداؤد وابوامامۃ وعمرو بن حریث وعمر وابن عباس فھولاء ثلاثۃ عشر صحابیا والعمدۃ فی الجواز علی ھولاء رضی اللہ عنہم لا علی حدیث ابی قیس انتہی۔

واما الخدشۃ فی الاستدلال بھا فلانہا افعال الصحابۃ رضی اللہ عنہم

---

* شک والی چیز کو ترک کر دو"۔

باقی رہا صحابہ کرام کا عمل، تو ان سے مسح جراب ثابت ہے، اور تیرہ صحابہ کرام کے نام صراحت سے معلوم ہیں، کہ وہ جراب پر مسح کیا کرتے تھے، یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ عمار رضی اللہ عنہ ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ انس رضی اللہ عنہ ابن عمر رضی اللہ عنہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ ابوامامہ رضی اللہ عنہ عمرو بن حریث، عمر و ابن عباس رضی اللہ عنہ اگر حدیث مرفوع کے بجائے ان کے عمل سے استدلال کیا جائے، تو یہ اس

وللاجتهاد فيه مسرح فلا تنهض للاحتجاج بها وههنا خدشات أخر نظهر لك مما سيأتي۔

واما القياس فهو انه لما جاز المسح على الخفين جاز على الجوربين ايضا قياسا عليهما فانه لا يظهر بين الجوربين والخفين فرق موثر يصح ان يحال الحكم عليه۔

واما الخدشة فى الاستدلال به فهى ان العلة ههنا ليست بمنصوصة فلا يعلم بيقين ان العلة الواقعية فى جواز المسح على الخفين ما هى والقياس بالعلة الغير المنصوصة ليس الا ظنيا محضا فكيف يترك بمثل هذا القياس ما ثبت بالقران وما ثبت بالحديث المتواتر من غسل الرجلين والمسح على الخفين واما القول بانه لا يظهر الفرق بين الجوربين والخفين فرق موثر الخ فممنوع كما لا يخفى على المتامل

والحاصل انه لم يقم على جواز المسح على الجوربة المسئولة عنها دليل لا من الكتاب ولا من السنة ولا من الاجماع ولا من القياس الصحيح كما عرفت والثابت من الكتاب غسل الرجلين ورخص رسول الله صلى الله عليه وسلم فى المسح على الخفين ولم يثبت منه الرخصة فى المسح على الجوربين فكيف يجوز المسح عليهما

فان قال المجوزون لما ثبت ان اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم مسحوا على الجوربين ثبت ان على جواز المسح عليهما دليل فان شان الصحابة رضى الله عنهم اجمعين اعلى من ان يعملوا عملا ليس

سے بہتر ہے لیکن ان کے عمل میں ایک اور شبہ پیدا ہوتا ہے، وہ یہ کہ یہ فعل ایک ایسا کام ہے جس کی اجتہاد کو دخل ہے اور جس میں اجتہاد کو دخل ہو صحابی کا وہ فعل مرفوع حکمی نہیں کہلا سکتا۔

باقی رہا قیاس کا مسئلہ کہ جب موزہ پر مسح جائز ہے تو قیاساً جراب پر بھی جائز ہونا چاہیے، کیونکہ ان دونوں میں کوئی فرق موثر نہیں ہے، اس پر شبہ یہ ہے کہ اگر مسح موزہ کی کوئی علت منصوص ہوتی، تو اس علت کی بناء پر جراب کے مسح کو اس پر قیاس کر لیا جاتا، لیکن یہاں کوئی علت منصوص نہیں ہے ممکن ہے ہم کوئی اور علت سمجھیں، اور حقیقت میں کوئی اور ہو، اگر سوال کیا جائے کہ صحابہ کی شان اس سے ارفع واعلیٰ ہے

علیہ دلیل فبما جوز اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المسح علیہما جوزنا نحن ایضا وان لم نعلم انہ ماھو۔ قلنا علام تمسکھم اما علی ما تسالت بہ الصحابۃ رض او علی مجرد انفاذھم فان کان الاول فما ھو فما لم نعلم انہ ماھو وکیف ھو کیف نترک ما تعلمنا من القراٰن والاحادیث الصحیحۃ الثابتۃ بما لم نعلم وان کان الثانی فقد علمت ما فیہ من الخدشۃ ثم لا یدری ان الصحابۃ رض علی ای نوع من انواع الجورب مسحوا لان الرواۃ انما حکوا انہم مسحوا علی الجوربین ولم یبین اثرھم صفۃ الجوربین الذین مسحوا علیہما ومن المعلوم ان الفعل المثبت لا عموم لہ ولا یدری ایضا ان الصحابۃ الماسحین علی الجوربین کانوا قائلین بجواز المسح علی کل نوع من انواع الجورب او علی بعض دون بعض ولا یدری ایضا انہم کانوا قائلین بجواز المسح علی الجوربین مع النعلین او کانوا قائلین بجواز الاقتصار علی مسح الجوربین والظاھر من فعل ابی مسعود الانصاری و علی والبراء بن عازب رضی اللہ عنہم انہم کانوا یمسحون علی الجوربین مع النعلین فما لم یتحقق ھذہ الامور ولم یتبین کیف یصح الاستدلال بافعالھم رضی اللہ عنہم علی جواز المسح علی کل نوع من انواع الجورب او علی نوع معین منہا۔ واللہ تعالی اعلم وعلمہ اتم کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے اہل حدیث اس مسئلہ میں کہ منی پاک ہے یا ناپاک۔ بینوا توجروا۔

کر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کریں، تو آخر کسی دلیل کی بنا پر ہی صحابہ نے جراب پر مسح کیا ہوگا۔ اگرچہ وہ ہم کو معلوم نہیں، تو ہم بھی اسی وجہ سے مسح کر لیں گے۔ اس کا جواب یہ ہے، کہ اگر صحابہ سے کوئی نقلی دلیل ہے، تو وہ کہاں ہے، کیسی ہے، جبتک ہمیں یہ معلوم نہ ہو جائے، ہم قرآن اور متواتر حدیث کے مضمون کو کیوں چھوڑ دیں، اور اگر صحابہ کے فعل سے استدلال کیا جائے، تو اس کا جواب پہلے گذر چکا ہے، کہ اس میں اجتہاد کو دخل ہے، اور پھر یہ بھی تو معلوم نہیں، کہ صحابہ کونسی جراب پر مسح کیا کرتے تھے، جب تک ان تمام باتوں کی وضاحت نہ ہو جائے ہم کتاب اللہ کے مضمون کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔ واللہ اعلم ۱۲

الجواب: منی کے پاک اور ناپاک ہونے کے بارے میں حدیثیں مختلف آئی ہیں بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے، کہ منی پاک ہے، اور بعض سے ظاہر ہوتا ہے، کہ ناپاک ہے، اسی وجہ سے اس بارے میں علماء کی رائیں مختلف ہیں، امام شافعی اور امام احمد اور اصحاب الحدیث کے نزدیک منی پاک ہے، امام نووی نے صحیح مسلم کی شرح میں لکھا ہے، کہ بہت سے لوگوں کا مذہب یہ ہے، کہ منی پاک ہے، اور حضرت علی اور سعد بن وقاص اور عبداللہ بن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے، کہ منی پاک ہے، اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک ناپاک ہے۔

اصحاب الحدیث کے نزدیک منی کے پاک ہونے کی تصریح حافظ ابن حجر نے فتح الباری صفحہ ۱۶۵ جلد ا میں اور نووی نے شرح صحیح مسلم صفحہ ۱۴۰ میں کی ہے، مگر متاخرین اہل حدیث میں علامہ شوکانی کی تحقیق یہ ہے، کہ منی ناپاک ہے، چنانچہ انہوں نے نیل الاوطار صفحہ ۴۵ جلد ا میں اس مسئلہ کو مع مالہا وما علیہا لکھ کر آخر میں لکھتے ہیں فالصواب ان المنی نجس یجوز تطہیرہ باحد الامور الواردۃ انتہی. یعنی صواب یہ ہے، کہ منی نجس ہے اس کا پاک کرنا کسی ایک طریقہ سے منجملہ ان طریقوں کے جو احادیث میں وارد ہیں جائز ہے[1]

جن علماء کے نزدیک منی پاک ہے، ان کی دلیل وہ حدیثیں ہیں، جن میں منی کے کھرچنے اور چھیلنے کا ذکر ہے، وہ کہتے ہیں، کہ اگر منی ناپاک اور نجس ہوتی تو اس کا صرف کھرچنا و چھیلنا کافی نہ ہوتا بلکہ اس کا دھونا ضروری ہوتا، جیسے کہ تمام نجاستوں کا حال ہے، اور جن حدیثوں میں منی کے دھونے کا بیان ہے، ان احادیث کو استحباب پر محمول کرتے ہیں، اور ان لوگوں کی ایک دلیل ابن عباس رضی کی یہ روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا، منی کے بارے میں جو کپڑے میں لگ جاوے تو آپ نے فرمایا منی بمنزلہ تھوک اور رینٹ کے ہے، کسی خرقہ سے یا اذخر سے اس کا پونچھ ڈالنا کافی ہے رواہ الدارقطنی قال فی المنتقی بعد ذکرہ رواہ الدارقطنی وقال لم یرفعہ غیر اسحق الازرق عن شریک قلت وھذا لا یضر لان اسحق امام مخرج عنہ فی الصحیحین فیقبل رفعہ وزیادتہ انتہی۔ اور ان لوگوں کی ایک دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کپڑے سے منی کو اذخر کی جڑ سے پونچھتے تھے پھر اس میں

---

[1] صحیح یہ ہے کہ منی ناپاک ہے، اور اس کو تینوں طرق منقولہ سے پاک کیا جا سکتا ہے ۱۲

نماز پڑھتے تھے، اور جب کہ خشک ہوتی، تو کپڑے سے کھرچتے تھے، پھر اس میں نماز پڑھتے تھے اخرجہ احمد فی مسندہ وذکرہ فی المنتقی۔

اور جو علما منی کو ناپاک کہتے ہیں، ان کی دلیل وہ حدیثیں ہیں، جن میں منی کے دھونے کا ذکر ہے، وہ کہتے ہیں، کہ منی اگر پاک ہوتی، تو اس کے دھونے کی کیا ضرورت تھی، جو چیز نجس و ناپاک ہوتی ہے، وہی دھوئی جاتی ہے، اور ان لوگوں کی ایک دلیل عمار کی یہ مرفوع روایت ہے، کہ نہ دھویا جائے کپڑا مگر پائخانہ اور پیشاب اور مذی اور منی اور خون اور قے سے، مگر یہ روایت ضعیف ہے، دیکھو نیل الاوطار صفحہ ۴۵ جلد ا۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں، کہ منی کے دھونے اور منی کے کھرچنے کی حدیثوں میں تعارض نہیں ہے، کیونکہ جو لوگ منی کے پاک ہونے کے قائل ہیں ان کے قول پر ان احادیث میں تطبیق و توفیق واضح ہے، بایں طور کہ دھونے کو استحباب پر محمول کریں، تنظیف کے لئے، نہ وجوب پر، اور یہ طریقہ شافعی اور احمد اور اہل حدیث کا ہے، اور جو لوگ منی کی نجاست کے قائل ہیں ان کے قول پر بھی ان احادیث میں تطبیق ممکن ہے بایں طور کہ دھونے کو تر منی پر محمول کریں اور کھرچنے کو خشک پر، اور یہ طریقہ حنفیہ کا ہے، پھر حافظ ابن حجر لکھتے ہیں، کہ پہلا طریقہ ارجح ہے کیونکہ اس میں حدیث اور قیاس دونوں پر عمل ہوتا ہے، اس واسطے کہ منی اگر نجس ہوتی، تو قیاس یہ تھا، کہ اس کا دھونا واجب ہوتا، اور اس کا صرف کھرچنا کافی نہ ہونا جیسے خون وغیرہ، اور دوسرے طریقہ کو حضرت عائشہ رضی کی یہ روایت رد کرتی ہے، کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کو اذخر کی جڑ سے دور کرتی تھیں، پھر آپ اس میں نماز پڑھتے تھے، اور جب کہ منی خشک ہوتی، تو آپ کے کپڑے سے کھرچتی تھیں، پھر آپ اس میں نماز پڑھتے تھے" اس واسطے کہ یہ روایت متضمن ہے ترک غسل پر منی کے تر ہونے کی حالت میں بھی، اور خشک ہونے کی حالت میں بھی، عبارۃ الفتح ہکذا:۔

ولیس بین حدیث الغسل وحدیث الفرک تعارض لان الجمع بینہما واضح علی القول بطہارۃ المنی بان یحمل علی الاستحباب للتنظیف لا علی الوجوب وھذہ طریقۃ الشافعی واحمد واصحاب الحدیث وکذا الجمع ممکن

لہ منی کو کھرچ دینے اور دھونے کی حدیثوں میں تعارض نہیں ہے، کیونکہ جو لوگ منی کو پاک کہتے ہیں، ان کے مذہب پر یہ اس طرح جمع ہو سکتی ہیں، کہ دھونا استحباب پر محمول کیا جائے نہ کہ وجوب پر، امام احمد و شافعی؟

علی القول بنجاسته بان یحمل الغسل علی ما کان رطبا والفرک علی ما کان یابسا وھذہ طریقۃ الحنفیۃ والطریقۃ الاولی ارجح لان فیه العمل بالخبر والقیاس معا لانه لوکان نجسا لکان القیاس وجوب غسله دون الاکتفاء بفرکه کالدم وغیرہ وھم لا یکتفون فیما لا یعفی عنه الدم بالفرک ویرد الطریقۃ الثانیۃ ایضا ما فی روایۃ ابن خزیمۃ من طریق اخری عن عائشۃ کانت تسلت المنی من ثوبه بعرق الاذخر ثم یصلی فیه وتحکه من ثوبه یابسا ثم یصلی فیه فانه یتضمن ترک الغسل فی الحالتین انتھت عبارۃ الفتح واللہ تعالی اعلم وعلمه اتم

کتبه محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنه سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ ایک شخص پیشاب کر رہا تھا، پیشاب کی چھینٹیں اس کے بدن پر پڑیں، اس نے فوراً پانی سے دھو ڈالا، یا ڈھیلے سے سوکھا ڈالا، وہ شخص پاک رہے گا، یا کہ غسل کی حاجت رہے گی۔ بینوا توجروا

الجواب:۔ پیشاب کی چھینٹیں بدن پر پڑنے سے غسل کرنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے فقط اس مقام کو جہاں چھینٹیں پڑی ہیں دھو ڈالنا چاہیئے۔ واللہ اعلم۔ حررہ عبد الرحیم عفی عنه

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے دھوتی پہنے ہوئے وضو کیا، اور بعد فارغ ہونے کے دھوتی اس کی ہوا سے اڑ کر کاندھے پر جا پڑی اور جانگ کھل گئی، اب غرض یہ ہے، کہ جانگ کے کھل جانے سے وضو اس کا باطل ہوا یا نہیں، فقط بینوا توجروا۔

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں دھوتی کے کھل جانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، چنانچہ صحیح

اور اہل حدیث کا یہی مذہب ہے، اور جو اس کو ناپاک کہتے ہیں، ان کے نزدیک اس طرح جمع ہو سکتی ہیں، کہ تر کے لئے دھونا ہے، اور خشک کے لئے کھرچنا، یہ احناف کا مسلک ہے، اور مسلک اول زیادہ راجح ہے، کیونکہ اس میں حدیث اور قیاس دونوں پر عمل ہو سکتا ہے، کیونکہ اگر منی ناپاک ہوتی، تو اس کا دھونا خون کی طرح واجب ہوتا، کھرچنے کی اجازت نہ ہوتی، کیونکہ حنفی جب خون کے پلید ہونے کے قائل ہیں تو اس کے کھرچنے کے قائل نہیں، بلکہ اس کا دھونا ضروری سمجھتے ہیں، اور پھر دھونے کی روایت ایک اور طریق سے بھی آئی ہے، کہ حضرت عائشہؓ اذخر کے پانی سے اسے ختم کر دیتیں، یا کھرچ ڈالتیں، اس سے دونوں طرح دھونے کا ترک ثابت ہو گیا ۱۲

بخاری میں ہے الا تغطوا است قادتکم الحدیث جب کہ چوتڑ کے کھل جانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، تو جانگ کے کھل جانے سے بدرجہ اولٰے نہیں ٹوٹے گا، فتح الباری میں ہے وکذا من استدلال بہ بان ستر العورۃ فی الصلوٰۃ لیس شرطا لصحتہا بل ھو سنۃ[1] واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ عین الدین عفی عنہ سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ چہ فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ اگر سگ درچاہ افتاد چہ حکم است، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ حکم چاہ مذکور آن است، کہ اگر آب آن چاہ از افتادن سگ متغیر شدہ است، بلکہ بر حال خود است، آن چاہ طاہر است، و اگر بو یا مزہ یا رنگ آن متغیر شدہ است نجس است عن ابی سعید الخدری رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الماء طھور لا ینجسہ شئی اخرجہ الثلاثۃ وصححہ احمد کذا فی بلوغ المرام وفیہ ایضا عن ابی امامۃ الباھلی رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الماء لا ینجسہ شئی الا ما غلب علی ریحہ وطعمہ ولونہ اخرجہ ابن ماجۃ وضعفہ ابو حاتم وللبیھقی الماء طاھر الا ان تغیر ریحہ اوطعمہ اولونہ بنجاسۃ تحدث فیہ انتھی۔ وآنکہ در آخر حدیث ثانی گفتہ وضعفہ ابو حاتم این سخن مضر نیست زیرا کہ جزو اول این حدیث یعنی ان الماء لا ینجسہ شئی بطریق دیگر مروی شدہ است وآن صحیح است، چنانکہ بطریق ابو سعید گذشت، و امام احمد تصحیح آن کردہ باقی ماند جزو اخیر یعنے الا ما غلب علی ریحہ اوطعمہ اولونہ پس بر عمل آن اجماع است پس بریں تقدیر ہمین اجماع

---

[1] اس سے یہ استدلال بھی کیا جاسکتا ہے، کہ ستر عورت صحت نماز کے لئے شرط نہیں ہے ۱۲

سوال:۔ اگر کتا کنویں میں گر پڑے، تو اس کا کیا حکم ہے، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ اگر کتا کنویں میں گر پڑے، اور پانی کا رنگ یا مزہ یا بو تبدیل نہ ہو، تو وہ پانی پاک ہے ورنہ ناپاک، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، پانی پاک ہے، اس کو کوئی چیز پلید نہیں کرسکتی، اور پھر یہ بھی فرمایا، کہ پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرسکتی، ہاں اگر کوئی چیز ناپاک اس کے رنگ یا مزہ یا بو پر غالب آکر اس کو بدل دے تو ناپاک ہو جاتا ہے، اس حدیث کو ابو حاتم نے ضعیف کہا ہے، لیکن دوسرے طرق سے اس کی تائید ہو جاتی ہے، اور دوسری حدیث کے آخری حصہ پر امت کا اجماع ہے، یعنی اگر ناپاک چیز پانی میں گر کر اس کے رنگ یا مزہ یا بو کو بدل دے، تو وہ ناپاک ہے، اس حدیث کے پچھلے حصہ پر اجماع ہی اس

دلیل جزو اخیر از دعوی صدر خواہد شد چنانچہ در سبل السلام شرح بلوغ المرام مرقوم است، کہ قال ابن المنذر اجمع العلماء علی ان الماء القلیل والکثیر اذا وقعت فیہ نجاسۃ فغیرت لہ طعما او لونا او ریحا فھو نجس فالاجماع ھو الدلیل علی نجاسۃ ما تغیر احد اوصافہ لا ھذہ الزیادۃ انتہی۔ آب ہر آبے کہ کم از مقدار قلتین است، بمجرد افتادن نجاست نجس خواہد شد خواہ رنگ یا بو یا مزہ آن متغیر شود یا نہ چنانچہ در بلوغ المرام است عن عبد اللہ بن عمر رضی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان الماء قلتین لم یحمل الخبث وفی روایۃ لم ینجس اخرجہ الاربعۃ وصححہ ابن خزیمۃ وابن حبان۔

این تحقیق از روئے حدیث بود، باقی ماند حکم چاہ مذکور از روئے فقہ حنفیہ پس آن این است کہ برآوردہ خواہد شد جمیع آب آن چنانچہ در ہدایہ است وان ماتت فیہ شاۃ او ادمی او کلب ینزح جمیع ما فیہا من الماء لان ابن عباس رضی وابن الزبیر رضی افتیا بنزح الماء کلہ حین مات زنجی فی بیر زمزم۔ لیکن این حکم قابل تسلیم نیست، زیرا کہ این حکم بر بنائے فتوے ابن عباس رضی وابن الزبیر رضی است، واین فتوی مخدوش است بچند وجوہ۔

اول آنکہ سند این فتوے ضعیف است، چنانچہ در درایہ تخریج ہدایہ مرقوم است قولہ وروی عن ابن عباس رضی وابن الزبیر رضی انہما افتیا بنزح ماء البیر کلہا حین مات زنجی فی بیر زمزم رواہ الدارقطنی من طریق ابن سیرین ان زنجیا وقع فی بیر

کے پہلے حصہ کی بھی توثیق کرتا ہے، چنانچہ سبل السلام شرح بلوغ المرام میں اس کو تفصیلاً ذکر کیا ہے۔ ان اگر پانی دو قلہ (قریبا پانچ مشکے) سے کم ہو، تو وہ نجاست کے گرنے سے ناپاک ہو جائے گا، خواہ اس کا رنگ یا بو یا مزہ بدلے یا نہ بدلے، چنانچہ بلوغ المرام میں حدیث ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب پانی دو قلہ ہو تو وہ ناپاک نہیں ہوتا، یہ تحقیق تو از روئے حدیث ہے،

فقہ حنفی کی رو سے اس کنویں کا تمام پانی نکالا جائے گا، چنانچہ ہدایہ میں ہے، اگر کنویں میں بکری یا آدمی یا کتا گر کر مر جائے، تو اس کا تمام پانی نکالا جائے گا، کیونکہ ابن عباس اور ابن زبیر نے یہی فتوی دیا تھا، جب کہ زمزم کے کنویں میں ایک حبشی گر کر مر گیا، لیکن یہ حکم کئی لحاظ سے قابل تسلیم نہیں ہے۔

اولاً اس لئے کہ اس کی بنیاد ابن عباس رضی اور ابن زبیر رضی کے فتوے پر ہے، اور وہ فتوی کئی لحاظ سے مخدوش ہے اولاً اس لئے کہ اس کی سند ضعیف ہے، چنانچہ درایہ تخریج ہدایہ میں لکھا ہے، کہ حبشی والی حدیث کی

زمزم فامر بہ ابن عباس رض فاخرجہ ا ھ قال البیہقی ابن سیرین عن ابن عباس رض منقطع بعد ازین برائے این اثر چند طرق ذکر کردہ ہمہ را ضعیف گفتہ۔

دوم آنکہ اگر تسلیم کردہ شود کہ سند این فتوے صحیح است، تاہم ازو احتجاج صحیح نیست زیراکہ قول صحابی حجت نیست، چنانچہ در مجمع البحار کہ از تصنیف محمد طاہر پٹنی حنفی است، مرقوم است، والموقوف ما روی عن الصحابی من قول او فعل متصلا و منقطعا و ھو لیس بحجۃ۔

سوم آنکہ اگر این ہم تسلیم کردہ شود کہ قول صحابی حجت است تاہم احتجاج ازین فتوی صحیح نیست زیراکہ نافی این فتوے حدیث مرفوع صحیح است، چنانکہ گذشت، و ہر قول صحابی کہ خلاف حدیث مرفوع باشد قابل احتجاج نمی شود، و این نزد حنفیہ ہم مسلم است، چنانچہ در فتح القدیر شرح ہدایہ است قول الصحابی حجۃ فیجب تقلیدہ عندنا مالم ینفہ شیء اخر من السنۃ (فتح القدیر۔ کتاب الصلوۃ۔ باب صلوۃ الجمعۃ۔ تحت قولہ اذا خرج الامام یوم الجمعۃ)

حاصل آنکہ فتوی ابن عباس رض و ابن الزبیر رض ہرگز قابل احتجاج نیست بوجوہ مذکورہ بالا پس آن حکم کہ از ہدایہ نقل شدہ ہم قابل تسلیم نخواہد شد، و عجیب است ازین حضرات احناف کہ اینجا برآب این چاہ حکم نجاست کنند، و جائے دیگر چنین آب حکم طہارت کنند کہ از آب این چاہ بدرجہا پلید است، چنانچہ گویند کہ اگر بر سطح مکان گندگی باشد، و بران بارش شود پس میزاب جاری شود اگر آن نجاست نزد میزاب باشد و ہمہ آب یا اکثر آن یا نصف آن ملاقی نجاست شود پس آن نجس

سند منقطع ہے" کیونکہ ابن سیرین کی ابن عباس رض سے ملاقات نہیں ہوئی، اور اس کے چند ایک طرق بھی ہیں، جو کہ سب کے سب ضعیف ہیں

ثانیاً اگر اس کی صحت تسلیم کر بھی لی جائے تو اس سے حجت نہیں لی جا سکتی کیونکہ صحابی کا قول ہے، اور وہ احناف کے نزدیک بھی حجت نہیں ہے، چنانچہ محمد طاہر پٹنی حنفی نے مجمع البحار میں اس کی تصریح کی ہے۔

ثالثاً اگر صحابی کے قول کو حجت تسلیم کر بھی لیا جائے، تو حدیث صحیح مرفوع کا معارض نہیں ہو سکتا، چنانچہ فتح القدیر کتاب الصلوۃ میں خود علمائے احناف نے اس کو تسلیم کیا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ ابن عباس رض کا فتوی وجوہ مذکورہ بالا کی بنا پر قابل قبول نہیں ہے، اور اسی بنا پر ہدایہ کا بھی فیصلہ قبول نہیں، بڑے تعجب کی بات ہے، کہ احناف اس کنویں کے پانی کو تو ناپاک کہتے ہیں، اور اس پانی کو جو

است ورنہ طاہر است، واگر نجاست بر سطح مکان در مواضع متفرقہ باشد و بر سر میزاب نہ باشد آن آب نجس نخواہد شد، چنانچہ در عالمگیری مرقوم است ولو کان علی السطح عذرۃ فوقع علیہ المطر فسال المیزاب ان کانت النجاسۃ عند المیزاب وکان الماء کلہ یلاقی العذرۃ او اکثرہ او نصفہ فھو نجس والا فھو طاھر وان کانت العذرۃ علی السطح فی مواضع متفرقۃ ولم یکن علی راس المیزاب لا یکون نجسا وحکمہ حکم الماء الجاری کذا فی السراج الوھاج (عالمگیری جلد اول کتاب الطہارۃ باب ثالث فصل اول) واللہ تعالی اعلم بالصواب۔ الراقم ابو محمد عبد الحق اعظم گڈھی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

ہو الموفق حافظ ابن حجر در درایہ صفحہ ۳۰ گفتہ وروی البیھقی من طریق ابن عیینۃ قال انا بمکۃ منذ سبعین سنۃ لم ار صغیرا ولا کبیرا یعرف حدیث الزنجی ولا سمعت احدا یقول نزحت زمزم وقال الشافعی ان ثبت ھذا عن ابن عباس فلعل نجاسۃ ظھرت علی وجہ الماء او نزحت للتنظیف یعنی بیہقی از طریق ابن عیینہ روایت کرد کہ من در مکہ ہفتاد سال بودم کسے را از صغیر و کبیر ندیدم کہ حدیث زنجی را بشناسد ونہ از کسے شنیدم کہ چاہ زمزم نزح کردہ شد، و شافعی گفت کہ این روایت از ابن عباس اگر ثابت شود پس شاید نجاست بروئے آب ظاہر شدہ باشد یا نزح برائے تنظیف باشد پس از قول ابن عیینہ و امام شافعی ہم مخدوش شدن استدلال بہ فتوی ابن عباس ظاہر است واللہ تعالی اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

اس سے سینکڑوں حصہ کم ہے، اور گندگی اس سے زیادہ ہے، اس کو پاک کہہ لیتے ہیں، فتاوی عالمگیری میں ہے اگر بارش کے وقت مکان کے پرنالے میں گندگی (پاخانہ وغیرہ) پڑی ہو اور بارش کا پانی اس کے ساتھ لگ کر بہہ رہا ہو، تو اگر آدھے سے زیادہ یا آدھا پانی لگ کر گذرے، تو ناپاک ہے، اور اگر آدھے سے کم لگ کر گذرے تو پاک ہے، اور اگر مکان کی چھت پر متفرق طور پر گندگی پڑی ہو اور بارش کا پانی اس پر برس کر پرنالے سے گرے، تو وہ پانی پاک ہے، سبحان اللہ کیا تحقیق ہے، اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ یہ پانی جاری ہے، واللہ اعلم ۱۲

حافظ ابن حجر نے درایہ صفحہ ۳۰ میں لکھا ہے کہ بیہقی نے ابن عیینہ سے نقل کیا ہے، کہ میں مکہ میں ستر سال رہا، میں نے کسی چھوٹے یا بڑے سے حبشی والی حدیث نہیں، اور نہ ہی زمزم کے پانی نکالنے کا قصہ کسی سے سنا، امام شافعی کہتے ہیں، کہ اگر بالفرض یہ واقعہ صحیح بھی ہو تو ہو سکتا ہے، کہ زمزم کا پانی متغیر ہوگیا ہو، واللہ اعلم

سوال :- ایک چاہ کے پار چہ سے کہ اس میں اکثر حلال خوری ناپاک ہاتھ دھوتی ہے اور پیشاب بھی اکثر مردمان کرتے ہیں، چند طفل گیند سے کھیل رہے تھے، اور اس پارچہ میں گیند جا گری کہ وہ پانی ناپاک ہے، بعد اس کے نکالنے گئے وہ چاہ میں جا پڑی، اور وہ چاہ ایسا ہے کہ اس میں پانی کثرت سے نہیں ہے، تو کتب فقہ کی رو سے وہ چاہ پاک ہے یا ناپاک، فقط بینوا توجروا۔

الجواب :- صورت تحریر سے ظاہر ہے، کہ پارچہ کا پانی ناپاک ہے، پس اس حالت میں بحالت گرنے گیند ناپاک کے کنویں میں وہ چاہ ناپاک ہوگیا، اب تا وقتیکہ تمام و کمال پانی نہ نکلے پاک نہیں ہونے کا۔ ہکذا فی کتب الفقہ۔ حررہ محمد مسعود نقشبندی ۲۴ شوال ۱۲۸۵ھ

کتب حنفیہ میں ایسا ہی ہے

سید محمد نذیر حسین | محمد عبد الرب | محمد یوسف | محمد کریم اللہ | منصور علی

سوال دیگر اگر ایک جوتی استعمالی اندرون چاہ سے نکلی، اور وہ جوتی سائیس کی تھی، اور اس چاہ میں پانی کثرت سے نہیں ہے فقط

الجواب :- اگر جوتی مندرجہ سوال ناپاک ہے، تو سارا پانی چاہ کا نکالنا آتا ہے، ہم چنین است در کتب فقہ واللہ اعلم۔ حررہ محمد مسعود نقشبندی۔ کذا فی کتب الحنفیۃ

سید محمد نذیر حسین | محمد عبد الرب | محمد کریم اللہ

سوال :- چہ می فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین درین مسئلہ کہ عند الحنفیہ از افتادن پنچاں زاغ چاہ نجس می شود یا نہ بینوا توجروا۔

الجواب :- درصورت مرقومہ بر ماہران فقہ مخفی نیست، کہ در پنچال غیر ماکول اللحم روایات شتی است، در ہدایہ چنین است۔ وان اصابہ خرء ما لا یوکل لحمہ من الطیور اکثر من قدر الدرہم جازت الصلوۃ فیہ عند ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمۃ اللہ علیہما وقال محمد رحمۃ اللہ علیہ لا یجوز فقد قیل ان الاختلاف فی

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حنفیہ کے نزدیک اگر کنویں میں کوے کی بیٹ گر جائے تو کنواں ناپاک ہے یا نہیں؟

الجواب :- جن جانوروں کا گوشت نہیں کھایا جاتا، ان کی بیٹ کے متعلق فقہ میں مختلف روایتیں ہیں، ہدایہ میں ہے، اگر غیر ماکول اللحم جانور کی بیٹ درہم سے زیادہ لگ جائے، تو اس کپڑے سے امام ابوحنیفہؒ

النجاسۃ وقد قیل فی المقدار وھو الاصح وھو یقول ان التخفیف للضرورۃ ولا ضرورۃ لعدم المخالطۃ فلا یخفف ولھما انہا تذرق من الھواء والتحامی عنہ متعذر فتحققت الضرورۃ ولو وقع فی الاناء قیل یفسدہ وقیل لا یفسدہ لتعذر صون الاوانی عنہ کذا فی الھدایۃ وصورۃ الاختلاف فی النجاسۃ یعنی انہ طاھر عندھما وھو المنقول عن الکرخی ونجس عند محمد انتہی ما فی العنایۃ مختصرًا

اما ابو حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ فلہ روایتان التخفیف والطہارۃ واما التغلیظ فلم ینقل عنہ وقد اختلف الامامان الھندوانی والکرخی فیما نقلاہ عن ائمتنا فیہ فروی الھندوانی انہ مخفف عند الامام ومغلظ عندھما وروی الکرخی انہ طاھر عندھما مغلظ عند محمد رحمۃ اللہ علیہ وصحح قاضی خان فی شرح الجامع الصغیر انہ نجس عند ابی حنیفۃ وابی یوسف حتی لو وقع فی الماء القلیل افسدہ وقیل لا یفسدہ لتعذر صون الاوانی عنہ وصحح صاحب المبسوط روایۃ الکرخی وھی الطہارۃ عندھما انتہی ما فی البحر مختصرا۔

پس درصورت اختلاف میان طہارت ونجاست مخففہ چنانکہ مذکور شد، درافتادن خرء مالا یوکل لحمہ درآب اوانی است، یعنی بتصحیح قاضی خان آب فاسد می شود، وبروایت

اور ابو یوسف رح کے نزدیک نماز جائز ہے، امام محمد کے نزدیک جائز نہیں، پھر بعض کے نزدیک تو اختلاف نجاست یا غیر نجاست میں ہے، اور بعض کے نزدیک مقدار میں، اور صحیح آخری شق ہے، امام محمد کہتے ہیں نجاست خفیفہ کسی ضرورت کی بنا پر خفیفہ بنتی ہے، اور یہاں کوئی ضرورت نہیں ہے، اور شیخین کہتے ہیں کہ یہ مجبوری کی بنا پر ہے، کیونکہ پرندے ہوا سے بیٹ پھینک دیتے ہیں، اور اس سے بچنا مشکل ہے، تو ضرورت پیدا ہوگئی، اگر ایسے پرندے کی بیٹ برتن میں گر پڑے، تو اس میں بھی اختلاف ہے، بعض کے نزدیک وہ پلید ہے اور بعض کے نزدیک نہیں، کرخی کے قول کے مطابق شیخین کے نزدیک ایسے پرندوں کی بیٹ سرے سے پلید ہی نہیں محمد اس کو پلید کہتے ہیں، ہندوانی نے کہا ہے، کہ امام صاحب کے نزدیک یہ بیٹ نجاست خفیفہ ہے، اور صاحبین کے نزدیک غلیظہ۔ قاضی خان نے کہا ہے، کہ ایسے پرندوں کی بیٹ شیخین کے نزدیک نجس ہے اگر تھوڑے پانی میں گرے، تو ناپاک ہو جاتا ہے، اور کرخی کہتے ہیں کہ ان کے نزدیک نجس نہیں ہے، اور صاحب

کرخی و تصحیح صاحب مبسوط فاسد نمی شود پاک ماند۔

اما مسئلہ چاہ در افتادن خرء مالا یوکل لحمہ مستثنے و خارج است عام است کہ نجاست مخففہ باشد یا طاہر، چنانکہ از درمختار و طحطاوی واضح می شود من نجاستہ مخففۃ کبول ماکول اللحم وخرء طیر من السباع او غیرہا غیر ماکول وقیل طاہر وصحح ثم الخفۃ انما تظہر فی غیر الماء فلیحفظ کذا فی در المختار قولہ ثم الخفۃ انما تظہر فی غیر الماء مفہومہ ان الخفیفۃ کلہا نجس ویستثنی منہ خرء طیر مالا یوکل بالنسبۃ الی البیر فانہ لا ینجسہا کما ذکرنا ہ انفا حلبی انتہی مافی الطحطاوی۔ پس بموجب قول صاحب درمختار و طحطاوی و ابراہیم حلبی از افتادن بیخال زاغ چاہ نجس نشود کما لا یخفی علی المتامل واللہ اعلم بالصواب حررہ سید شریف حسین عفی عنہ ۔ الجواب صحیح والرای نجیح

سید محمد نذیر حسین [۱۲۸]

سوال:۔ ما یان کہ مذہب حنفی داریم پس در صورت تعذر تمام آب کشیدن از چاہے کہ نجس شدہ چہ کنیم، جواب از کتب فقہ حنفیہ تحریر فرمودہ شود، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ در صورت تعذر تمام آب کشیدن بر قول امام محمد رحمۃ اللہ علیہ عمل باید کرد، کہ دو صد دلو بنا بر وجوب است و یک صد دلو زیادہ بنا بر استحباب است۔ چنانچہ فتوے برین روایت است از روئے شدت احتیاج فالفتوی علی قول محمد نزح ثلاث مائۃ دلو کذا فی الفتاوی القنیۃ وعلیہ الفتوی انتہی وہمیں طور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ فتوے می دادند بنا بر سہولت

مبسوط نے اسی کو پسند کیا ہے۔

علامہ طحطاوی نے کہا ہے "اگر ایسے پرندوں کی بیٹ کنویں میں گر پڑے، جن کا گوشت کھانا حرام ہے تو اس سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا" درمختار میں بھی ایسا ہی ہے، حلبی کا بھی یہی قول ہے، تو ان تینوں کے فتوی پر کنویں کا پانی پاک ہے، واللہ اعلم ۱۲

سوال:۔ ہم لوگ حنفی مذہب کے ہیں، لہذا فقہ کی کتابوں سے بتائیں، کہ اگر کنویں کا سارا پانی نکالنا مشکل ہو تو کیا کیا جائے؟

الجواب:۔ اس صورت میں امام محمد کے قول پر عمل کر لیا جائے، وہ کہتے ہیں کہ دو سو ڈول لازمی طور پر

وعدم حرج دعموم بلوی، ودر کتاب ملتقی الابحر نوشته وان لم یمکن نزح قدر ما کان فیها یفتی بنزح مائتی دلو الی ثلاث مائة وما زاد من الوسط احتسبت به کذا فی الملتقی وقیل یفتی بمائتین الی ثلاث مائة وهذا ایسر وذلک احوط کذا فی الدر المختار۔ حررہ السید شریف حسین عفی عنه

سید محمد نذیر حسین

نکالے جائیں، اور اگر تین سو ڈول نکالیں تو بہتر ہے، اور فتوے اسی روایت پر ہے، شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ملتقی الابحر میں ایسا ہی فتوی دیا ہے، اور در مختار میں بھی ایسا ہی ہے، واللہ اعلم ۱۲

کتاب المساجد

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بارہ شخص نے ایک قطعہ زمین خریدی، اور ان میں ایک ہندو بھی ہے، بعد خریدنے کے پانچ سو آدمیوں کو نفع اور نقصان کا شریک کر لیا، اور سو سو روپیہ ہر ایک شخص سے لے لئے، اور ان پانسو میں غریب اور یتیم اور بیوہ عورتیں شریک ہیں، بروقت نیلام کرنے کے اکثر شرکا موجود تھے، بعد نیلام کرنے کے ایک قطعہ زمین کل میں سے ان بارہ آدمیوں نے علیحدہ کر دی، اور یہ کہا، کہ نیچے بیٹھک اور اوپر مسجد بنائیں گے، مسجد بنانا اس طریق سے درست ہے یا نہیں، اور اکثر شرکا مسجد بنانے میں راضی نہیں ہیں، اور اپنے حصہ کی قیمت چاہتے ہیں، اگر ان حصہ داروں میں سے ایک شخص بھی تعمیر مسجد سے ناراض رہا، تو تعمیر مسجد درست ہوگی یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: صورت ہذا میں مسجد بنانا جائز نہیں، کس واسطے کہ جب زمین مشترکہ ہے، اور اس کے ہر ہر جزو میں ہر شخص کا حصہ ہے، اور بعض اشخاص بدون رضامندی دیگر شرکا مسجد بنانا چاہتے ہیں تو یہ ہرگز جائز نہیں، اور اگر بنا دیں گے، تو ظالم قرار دیئے جاویں گے، کیونکہ حق یتیمان و بیوگان تلف کرتے ہیں، اور اگر وقف بھی کر دیں گے، تو وہ وقف باطل ہوگا، بحر الرائق میں ہے فلو استحق الوقف بطل اور ظاہر ہے کہ وقف کے واسطے ملک شرط ہے بحر الرائق میں ہے ومن شرائطہ الملک وقت الوقف حتی لو غصب ارضا فوقفها ثم اشتراها من مالكها ودفع الثمن اليه او صالحه على مال دفعه اليه لا تكون وقفا یعنی شرائط وقف سے مالک ہونا ہے شئے موقوفہ کا وقت وقف کے، یہاں تک کہ اگر وقف کیا زمین مغصوبہ کو اور پھر خرید لیا مالک سے اور قیمت بھی دے دی یا صلح کی مال پر تو بھی وقف صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ وقت وقف کے مالک نہ تھا، اور یہاں تو اس قدر شرکا

---

[1] اگر کوئی حق دار ہو تو وقف باطل ہو جائے گا ۱۲

ہیں، جب تک ایک بھی ناراض رہے گا، یا کوئی ان میں سے کافر ہوگا، تو وہ وقف جائز نہ ہوگا واسطے مسجد کے، کیونکہ کافر کا مال مسجد میں لگانا جائز نہیں، ہاں بعض شرکار اگر قطعہ زمین خرید لیں اور کل شرکاء راضی ہو جاویں، یا بعض شرکار اپنا حصہ علیحدہ کر لیں، اور قیمت ادا کر دیں، تو درست ہوگا، یا قیمت کل شرکاء کو تقسیم ہو جاوے، ان کی رضا سے فقط۔

حررہ محمد کرامت اللہ — الجواب صحیح — فتح محمد مدرس فتحپوری

فقیر محمد حسین — یقال لہ ابراہیم — حبیب احمد — محمد وصیت علی مدرس فتح پوری — مدرس مدرسہ حسین بخش

واضح ولائح ہو کہ اصل شرکت ہی مسئلہ میں صحیح و جائز نہیں، یہ تقریر جواب تخنے اور ہے، یہ تقریر بعد شرکت صحیح ہونے کے ہوگی۔ والضرب الثانی شرکۃ العقود ورکنہا الایجاب والقبول وھو ان یقول احدھما شارکتک فی کذا وکذا ویقول الاٰخر قبلت ثم ھی اربعۃ اوجہ مفاوضۃ وعنان وشرکۃ الصنائع وشرکۃ الوجوہ فاما شرکۃ المفاوضۃ فھی ان یشترک الرجلان فیساویان فی مالھما وتصرفھما ودینھما الخ کذا فی الھدایۃ۔ ولا بین مسلم والکافر کذا فی متن الھدایۃ واللہ اعلم۔ محمد یعقوب

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص نے ارادہ کیا اپنے گاؤں میں مسجد بنانے کا، اور اس کی تعمیر کے لئے اس نے ایک ٹکڑا زمین کی آمدنی وقف کی، اس عرصہ تک کے لئے جب تک مسجد تیار نہ ہو جائے، آمدنی تو جمع ہوتی ہے، مگر مسجد کی تعمیر ابھی شروع نہیں کی، اب وہ شخص اپنے ارادہ کو اس خیال سے بدلنا چاہتا ہے، کہ جس گاؤں میں اس نے مسجد بنوانے کا ارادہ کیا تھا، اس میں آبادی اہل اسلام کی نہیں ہے، صرف ایک یا دو آدمی نماز پڑھنے والے ہیں باقی گو چند مسلمان بھی آباد ہیں، مگر نام کے مسلمان ہیں، کوئی صورت ان میں دینداری کی نظر نہیں آتی، کیا اگر وہ شخص اس رقم کو کسی دوسری جگہ کی مسجد کی تعمیر میں صرف

[1] دوسری قسم شرکت عقود ہے، اور اس کا رکن ایجاب و قبول ہیں، اور وہ اس طرح ہے، کہ ایک کہے میں نے تجھے فلاں چیز میں شریک کیا، اور دوسرا کہے میں نے قبول کیا، پھر اس کی چار قسمیں ہیں شرکت مفاوضہ و عنان و شرکت صنائع اور شرکت وجوہ، اور شرکت مفاوضہ یہ ہے کہ دو آدمی ہوں، اور مالیت، تصرف اور قرض میں برابر ہوں اور یہ شرکت کافر اور مسلمان میں نہیں ہو سکتی۔ ۱۲

کر دے، تو کوئی شرعی مواخذہ تو اس پر عاید نہیں ہو جاتا، نیز کیا اس ارادہ کو بدلنے کی حالت میں کفارہ دین تو اس پر عاید و لازم نہیں آتا، اگر آتا ہے، تو کس قدر۔

الجواب:۔ صورت مرقومہ میں اگر وہ شخص اس رقم کو کسی دوسری جگہ کی مسجد کی تعمیر میں صرف کر دے، تو کوئی شرعی مواخذہ اس پر نہیں ہے، اور نہ کوئی فدیہ و کفارہ اس پر لازم آتا ہے واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ محمد بشیر عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے مکان کے چند پرنالے جنگی عرصہ دراز سے بجانب ایک قطعہ اراضی افتادہ آتے تھے، عرصہ تقریباً چالیس سال کا ہوا، کہ زمین افتادہ مذکور پر زر چندہ سے مسلمانان اہل محلہ نے مسجد تعمیر کی، بروقت تعمیر مسجد بانیان نے پرنالہائے جنگی مذکورہ مالک مکان مذکورہ سے قلقی دار کرا کر اندرون مسجد قائم رکھے، چنانچہ دو پرنالے حرف (الف)، و (ب)، جو دالان مسجد کی صد میں آئے، ان کو مسجد کی چھت پر سے کر پانی ان کا پشت مسجد کے کوچہ میں اتار دیا، اور دو پرنالے (ج)، و (دال) صحن مسجد میں واقع ہوئے، ان کا پانی لینے کے واسطے ایک نالی زیر دیوار مکان زید برنگ سرخ از حرف (ز) تا (ح) سراسر حق لپشتہ برنگ زرد چھوڑ کر تعمیر کی گئی، اس نالی میں ایک پرنالہ حرف (واو) خاص مسجد کی چھت کا، اور دو پرنالے مذکورہ جو مکان زید کے صحن مسجد میں واقع ہوتے تھے لے لئے گئے، اور نالی مذکور ہمرہ فرش صحن مسجد پتھر کے چوکوں سے ڈھانک دی گئی، پانی پرنالہائے مذکور کا بذریعہ نالی مذکور وضو کی نالی کشادہ میں ملا دیا گیا، چنانچہ اسی شکل میں اب تک جاری ہے، علاوہ ان کے ایک پرنالہ حرف (ہ)، جو مکتب خانہ کی چھت پر سے ہو کر آ رہا ہے، اس کا پانی مکتب خانہ کی چھت کے پرنالہ قلقی دار میں سائل ہو کر وضو کی نالی میں آتا ہے۔

اب زید کی وارث ہندہ نے اپنے مکان پر پختہ دو منزلہ تعمیر کرایا، اور بوقت تعمیر بلحاظ مسجد گندہ پانی مثل پاخانہ و غسلخانہ کا مسجد کی طرف سے ہٹا کر دوسری جانب کو پھیر دیا، جو اس وقت ممکنات سے تھا، باقی پانی یعنے صحن بالاخانہ کا ونیز سقفہائے بالاخانہ مذکورہ کا بدستور جانب مسجد جاری رکھا، مکان ہندہ کے جو پانچ پرنالے حرف (الف) و (ب)، و (ج)، و (دال)، و (ہ) قدیم سے بجانب مسجد آتے تھے اسی شکل سے اب تک قائم ہیں، جیسا کہ نقشہ منسلکہ فتوے ہذا سے ظاہر ہے،

اب اہل محلہ چاہتے ہیں، کہ جو پانی صحن بالاخانہ ہندہ کا بذریعہ پرنالے حرف (ج) و دال

صحن مسجد کی نالی قدیمہ میں آتا ہے، وہ موقوف کر دیا جاوے، کیونکہ وہ مستعمل یا گندہ پانی ہونے کی وجہ سے وضو کے پانی میں آکر بدبو دیتا ہے، جس سے وضو کرنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے، بندہ یا اس کے رفقار شکایت بدبو کی مدافعت بلحاظ ادب و پاس مسجد بزر لاگت خود بذریعہ نل آہنی وغیرہ کر دینے کو تیار ہیں، لیکن ادھر سے بالکل پرنالے پھیر لینے میں نہایت وقت و ہرج و نقصان اس کو اپنی جائداد کا معلوم ہوتا ہے، بالخصوص ایسے وقت میں جب کہ کام تعمیر کا بالکل ختم ہو چکا ہے اس لئے وہ اپنی حقیت چھوڑ دینے سے معذور ہے،

اب سوال یہ ہے نمبرا۔ کہ از روے شرع شریف بصورت مندرجہ بالا بندہ کا عذر قابل تسلیم ہوگا یا نہیں، اور وہ اپنی حقیت کی بابت ایسے عذر سے عند اللہ گنہ گار ہے یا نہیں، اور جو لوگ ایسے فعل پر بندہ کو جس کو وہ محال و مضرت بخش خیال کرتی ہے، مجبور کریں، تو عند اللہ وہ مستحق اجر و ثواب کے ہیں یا نہیں۔

نمبر۲۔ دوسرے بندہ اپنے حقوق کی حفاظت کرنے کی بلا معصیت استحقاق رکھتی ہے یا نہیں رکھتی ہے؟

نمبر۳۔ تیسرے صحن مسجد میں زیر دیوار مکان بندہ جو نالی پرنالہائے مذکورہ چوکون سے ڈھکی ہوئی ہے، جس کی گہرائی تقریباً پاؤ درعہ ہے، کہ تری نالی کی غالباً چوکون تک نہیں پہنچ سکتی آیا اس پر نماز جائز ہے یا نہیں؟

نمبر۴۔ چوتھے جو اہل اسلام اپنے بھائی مسلمان کو کسی ایسے فعل پر مجبور کریں یا مطعون کریں یا اس کی توہین کے درپے ہوں یا نقصان پہنچا دیں، اور حق الامر کو چھپانے کی کوشش کریں، تو عند اللہ ان کے واسطے کیا حکم ہے بینوا توجروا۔ المرقوم ۲ جمادی الثانی ۱۳۲۲ھ ہجری۔

الجواب: صورت مذکورہ فی السوال میں چونکہ پرنالے بندہ کے بجانب زمین افتادہ جس میں مسجد تیار ہوئی تھی قدیم سے جاری تھے، اور وقت تیاری مسجد کے حق پشتہ اور حق نالی مکان کو مورث بندہ اور بانیان مسجد نے قائم رکھا تھا پس جو زمین پشتہ اور زمین نالی ہے وقف لله نہیں ہے، بلکہ اس میں حق العہد باقی ہے، عالمگیری میں ہے۔ حکی[1] ان الفقیہ ابو اللیث انہوا استحسنوا ان المیزاب اذا کان قدیما و کان تصویب السطح الی دارہ و علم ان التصویب قدیم و لیس بمحدث ان یجعل لہ حق التسییل، لہذا جو پشتہ کہ

[1] اگر پرنالہ قدیمی ہو، اور مکان کی چھت کی ڈھلوان اس کے گھر کی طرف ہو، اور یہ معلوم ہو کہ یہ ڈھلوان قدیمی ہے،

نقشہ میں برنگ زرد دکھایا گیا ہے، اور جو زمین نالی کی ہے، اگرچہ اس کو پتھر سے ڈھانک دیا گیا ہے وہ شرعاً مسجد کے حکم میں نہیں ہے، اور اس قدر زمین کو مسجد نہیں کہہ سکتے ہیں، اور ہندہ اپنے پرنالہ قائم رکھنے کی شرعاً مستحق ہے ہدایہ میں ہے [1] ومن جعل مسجدا تحتہ سرداب او فوقہ بیت وجعل باب المسجد الی الطریق وعزلہ عن ملکہ فلہ ان یبیعہ وان مات یورث عنہ لانہ لم یخلص للہ تعالی لبقاء حق العبد متعلقا بہ۔ پس صورت مذکورہ میں ہندہ کا عذر قابل تسلیم ہے، اور ہندہ شرعاً گنہ گار نہیں ہے، بلکہ جو لوگ ہندہ پر جبر کرنا چاہتے ہیں، وہ شرعاً بے راہی پر ہیں، بالخصوص ایسی حالت میں جب کہ ہندہ بارتقائے رفع شکایت بدبو کے واسطے اپنی لاگت سے نل آہنی وغیرہ بنا دینے کو تیار ہیں۔

دوسرے ہندہ شرعاً اپنے حقوق کی حفاظت کا استحقاق بلا معصیت رکھتی ہے۔

تیسرے جب کہ جو کونٹک اثر نالی کے پانی کا نہیں پہنچتا ہے، تو شرعاً اس پر نماز درست ہے،

چوتھے جو لوگ کہ مسلمان کی توہین کے درپے ہوں، اور حق کو چھپا دیں، اور ناحق پر اڑیں، تو وہ لوگ شرعاً خطا پر ہیں فقط واللہ اعلم بالصواب کتبہ محمد مظہر اللہ

الجواب وباللہ التوفیق:۔ اصل یہ ہے کہ کوئی زمین اس وقت تک مسجد نہیں ہو سکتی، کہ اس سے تعلق مالک کا نہ اٹھ جاوے، اور بندہ کا کوئی حق اس میں باقی نہ رہے، قال الشامی وفی القہستانی ولا بد من افرازہ ای تمییزہ عن ملکہ من جمیع الوجوہ [2] فلو کان العلو مسجدا والسفل حوانیت او بالعکس لا یزول ملکہ لتعلق حق العبد بہ کما فی الکافی صفحہ ۳۰۴ جلد ۳۔ پس جب کہ ہندہ مورث ہندہ کے پرنالے اسی زمین میں قدیم سے پڑتے تھے، اور بوقت تعمیر مسجد وہ پرنالے برابر جاری رہے، تو وہ جگہ نالی

نبی نہیں ہے، تو وہاں پرنالہ رکھنے کا اس کو حق ہے ۱۲ [1] اگر کوئی شخص مسجد بنائے اور اس مسجد کے نیچے اس کا کوئی تہ خانہ ہو، یا اوپر مکان ہو، اور وہ مسجد کا دروازہ شارع عام کی طرف رکھ دے، اور اس کو اپنے ملک سے خارج کر دے، تو وہ اس کو فروخت کر سکتا ہے اور اگر وہ خود فوت ہو جائے، تو وہ ورثہ میں تقسیم ہو سکتے ہیں، کیونکہ وہ اللہ کے لئے خاص نہیں ہوا، اس میں بندے کا حق ہے ۱۲

[2] اور ضروری ہے کہ (مسجد) آدمی کی ملکیت سے پوری طرح الگ ہو، اگر مسجد کے اوپر یا نیچے دکانیں یا مکان ہو، تو اس سے بندے کا حق چونکہ متعلق ہے لہذا اس کی ملکیت سے پوری طرح وہ مسجد علیحدہ نہیں ہو گی ۱۲

کی حکم مسجد میں داخل نہیں ہوئی، اور جب کہ وہ جگہ حکم مسجد میں داخل نہیں ہوئی، تو ہندہ اپنے مکان کے پرنالے باقی رکھنے، اور اپنا حق نہ چھوڑنے سے گنہ گار نہ ہو گی، بلکہ مجبور کرنا اس کو جائز نہیں ہے اور مجبور کرنے والے گنہ گار ہیں، البتہ یہ مناسب ہے، کہ رفع بدبو کی مناسب تدبیر کرادی جاوے۔

نقشہ منسلکہ میں جو پشتہ برنگ زرد اور جو نالی پانی کے نکلنے کی دکھلائی گئی ہے، وہ حکم مسجد میں نہیں ہے، ہندہ کے مکان کا تعلق اور حق اس میں ہے۔

ہندہ کو اپنے حقوق کی حفاظت میں جس کا اس کو شرعاً اختیار ہے کچھ گناہ نہیں، نماز ان تھڑوں پر درست ہے، اگرچہ وہ داخل مسجد نہیں، کما مرعن الشامی

چوتھے جو لوگ بلاوجہ کسی مسلمان کی توہین اور اس کے حقوق زائل کرنے کے در پے ہوں وہ گنہ گار ہیں عن[1] ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم المسلم اخو المسلم لا يظلمه ولا يخذله ولا يحقره التقوى ههنا ويشير الى صدره ثلث مرار بحسب امرء من الشر ان يحقر اخاه المسلم كل المسلم على المسلم حرام دمه وماله وعرضه رواه مسلم۔ مشکوۃ شریف۔ واللہ اعلم۔

کتبہ عزیز الرحمن عفی عنہ دیوبندی مفتی المدرسہ

بلاشک ہندہ کو شرعاً مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنے پرنالے اکھیڑ کر دوسری طرف بنالے، کیونکہ بنائے مسجد سے پیشتر وہ پرنالے جاری تھے، جس کا حق اس کو حاصل تھا مگر ادب اور تعظیم مسجد اس کی متقاضی ہے، کہ ہندہ بہ نیت ثواب آخرت دنیا کا حرج قبول کر کے پرنالے دوسری طرف پھیر دے، عبد الحق مفسر تفسیر حقانی۔

سوال سائل صرف اس قدر ہے، کہ اجرائے میزاب کا حق ہندہ کو ہے یا نہیں اس کو جبراً اٹھانے کا کوئی مجاز رکھتا ہے یا نہیں ہے، ہندہ عاصی اور نافرمان ہو سکتی ہے پرنالہ کے قائم رکھنے میں یا نہیں، سو جملہ علماء جن کی مواہیر ثبت ہیں اس فتوے پر تحریر فرما رہے ہیں، کہ حق ہندہ کا ثابت ہے، اس کو مجبور کرنا جائز نہیں، اور پرنالہ کے قائم رکھنے میں نہ عاصی ہے اور نہ گنہ گار

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ اس پر ظلم کر سکتا ہے نہ ذلیل کر سکتا ہے نہ حقیر سمجھ سکتا ہے، پرہیزگاری یہاں ہے آپ نے اپنے سینہ کی طرف اشارہ کیا، اور تین دفعہ فرمایا آدمی کو یہی گناہ کافی ہے، کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو ذلیل سمجھے، ہر مسلمان پر ہر مسلمان کا خون، مال اور عزت حرام ہے ۱۲

پھر اس کو ملعون کرنا، اور اس کی توہین کرنا کیسے درست ہوگا، ہاں مسجد کی تعظیم ہر مسلمان پر لازم ہے، اگر بدبو آتی ہو تو اس کا رفع کرنا کسی تدبیر سے ضروری ہے، جس میں حق ہندہ بھی تلف نہ ہو، اور تطہیر و تنظیف مسجد بھی باقی رہے، وہ دو صورت سے متصور ہے، یا بطور نل آہنی کے، یا دو میزاب کا ایک کر دیا جاوے، کس واسطے کہ احقر اس موقع کو خود جاکر دیکھ آیا ہے، اس میں تلویث مسجد کا تو احتمال ہی نہیں، اگر ہے، تو بدبو کا ہے، اس کو رفع کرنا بھی مسجد جملہ مسلمین کو لازم ہے، اور چونکہ بحکم شرع شریف ہر ذی حق کو اس کا حق دلوانا چاہیے، تو ہندہ کی حق تلفی کیونکر جائز ہوگی، کافر کا بھی حق دلوانا شارع علیہ السلام کا کام ہے، پس بفتوئے علمائے کرام ہندہ پر جبر نہیں پہنچتا، ہاں ہندہ اگر برضامندی خود اپنا حق چھوڑ دے، اور مسجد کی عظمت کا خیال کرکے پرنالہ کیا، بلکہ سارا مکان ہی اپنا قربان کر دے مسجد پر تو عند اللہ ماجور و مثاب ہوگی، جنت میں درجات عالیہ کی مستحق ہوگی، مگر یہ بات دوسری ہے، اور حکم اور ہے، اس میں ہندہ کی کیا خصوصیت ہے، ہر مسلمان کو یہی چاہیے، مگر اس پر کسی کو مجبور تو نہیں کیا جا سکتا، ایسا ہی ہندہ متساوی الاقدام ہے، یہ تشریح ہے عبارات مسطورہ بالا کی، جو علماء نے تحریر فرمائی ہیں، واللہ اعلم۔ حررہ کرامت اللہ عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح۔ محمد بشیر عفی عنہ

سید محمد ابوالحسن	سید محمد عبد السلام غفرلہ

سوال: ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک بستی میں ایک مسجد مدت سے قائم ہے، اور اسی بستی سے نصف میل کے فاصلہ پر ایک دوسری بستی ہے، اور درمیان دونوں بستیوں کے چھ مہینہ تک اس قدر پانی رہتا ہے، کہ ایک سے دوسرے میں آمد و رفت متعذر رہتی ہے، اور دوسری بستی کے اکثر لوگ جمعہ و جماعت پنجوقتہ سے محروم رہتے ہیں، لہذا وہاں کے لوگ اپنی بستی میں ایک گھر بنا کر نماز جمعہ اور پنجوقتہ ادا کرنے لگے، اور اسی حال پر بارہ یا تیرہ برس گذر گئے، بعد ازاں صاحبان جوار مسجد قدیم بعض دنیاوی عداوت کی وجہ سے بانیان مسجد جدید کو کہنے لگے، کہ تم لوگوں کی مسجد حکم میں مسجد ضرار کے ہے، اس میں نماز درست نہیں ہے، اور جو لوگ اس میں نماز پڑھتے ہیں، وہ مسلمان نہیں بلکہ منافق ہیں، اب سوال یہ ہے، کہ مسجد جدید شرعاً مسجد ہے یا نہیں، اور ضرار کہنا ان لوگوں کا صحیح ہے یا نہیں، اور جو لوگ بانیان مسجد جدید کو منافق کہتے ہیں، ان کا کیا حکم ہے، بینوا توجروا

الجواب: ۔ واضح ہو، کہ جس مسجد کی بنا غرض نفسانیت سے خالی ہو، بلکہ اس کی بنار

صرف کسی ایسے عذر کی وجہ سے ہو کہ جس کے سبب سے اکثر لوگ جمعہ اور جماعت پنجوقتہ سے محروم رہتے ہیں، وہ حکم میں مسجد ضرار کے نہیں ہے۔ نماز اس میں بلا شک جائز ہے، ہاں البتہ اگر مقصود ابتغاء لوجہ اللہ نہ ہو، تو نماز جائز نہ ہوگی، چنانچہ تفسیر مدارک میں ہے کل[1] مسجد بنی مباھاۃ او ریاء او سمعۃ او لغرض سوی ابتغاء وجہ اللہ او بمال غیر طیب فھو لاحق بمسجد الضرار۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جو مسجد ان صفتوں کی نہ ہوگی، وہ لاحق مسجد ضرار نہ ہوگی، اور بنا اس کی ابتغاء وجہ اللہ اور تاسیس علی التقویٰ ہوگی، اور اس مسجد میں امتثال امر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، چنانچہ ابو داؤد اور ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے عن[2] عائشۃ قالت امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ببناء المسجد فی الدور وان ینظف ویطیب۔ گفت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ امر کرد پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم بنا کردن مسجد در سراہا وقبیلہا ومحلہا (اگر بقصد ضرار نہ باشد) وامر کرد این کہ پاکیزہ داشتہ شود وخوشبو گردانیدہ شود، کذا فی اشعۃ اللمعات، اور بانیان مسجد جدید اجر عظیم کے مستحق ہوں گے، چنانچہ بخاری اور مسلم میں ہے عن عثمان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بنی للہ مسجدا بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ یعنے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، جو کوئی بناوے ایک مسجد واسطے اللہ کے، بناتا ہے واسطے اس کے اللہ تعالیٰ ایک گھر جنت میں۔

اور جو لوگ بانیان مسجد جدید کو منافق کہتے ہیں، وہ لوگ خود منافق ہیں، چنانچہ بخاری میں ہے عن ابی ذر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یرمی رجل رجلا بالفسق ولا یرمیہ بالکفر الا ارتدت علیہ ان لم یکن صاحبہ کذلک۔ حاصل ترجمہ یہ ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کوئی مرد کسی مرد کو فاسق یا کافر کہے، اور وہ ایسا نہ ہو، تو اس کا یہ قول خود اسی کہنے والے پر لوٹ آتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ خلیل الرحمٰن غفر لہ المنان۔ ۱۱ محرم الحرام سنہ ۱۳۱۶ ہجری

سید محمد نذیر حسین

---

[1] ہر وہ مسجد جو فخر، ریا، یا سنانے یا کسی اور غرض سے، سوائے خدا کی رضا کے طلب کرنے کے بنائی جائے یا مال ناپاک سے بنائی جائے، وہ مسجد مسجد ضرار سے ملحق ہے۔ [2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ گھروں میں مسجدیں بنائی جائیں، ان کو پاک صاف رکھا جائے، ان کو خوشبو لگائی جائے۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک قریہ میں قدیم الایام سے جمعہ قائم تھا، اب تھوڑے دنوں سے یعنی تین مہینہ کے عرصہ سے غالباً دوسرا جمعہ قائم ہوا ہے، اور اس ثانی جمعہ کے قیام کی وجہ یہ ہے، کہ ایک مولوی صاحب سے، اور ان کے خسر سے کچھ امور دنیاوی میں تکرار ہوئی، تو مولوی صاحب کے خسر نے مولوی صاحب سے کہا، کہ تم اور تمہارا حسابی کاغذ دونوں جھوٹے ہیں، پس اس کلام کو سنتے ہی مولوی صاحب مسجد سے نکل گئے، اور کہنے لگے، کہ اس مسجد میں نماز درست نہیں، کیونکہ مولوی کو بے عزت کیا گیا، پس ایسی حالت میں اب نماز جمعہ کس جگہ درست ہوگی، پہلی جامع مسجد میں یا ثانی میں یا ہر دو میں، جواب، قرآن و حدیث و اقوال فقہاء و محدثین سے مرحمت فرمایئے، بینوا توجروا

الجواب:۔ چونکہ دوسرا جمعہ محض دنیاوی عداوت اور نفسانی غرض کی وجہ سے قائم کیا گیا ہے، اور ساتھ اس کے اس دوسرے جمعہ کے قائم ہونے سے جماعت مسلمین کے درمیان تفریق لازم ہے، اس لئے دوسری مسجد میں جمعہ پڑھنا جائز نہیں ہے، اور پہلی ہی جامع مسجد میں جمعہ پڑھنا ضروری ہے، مسجد ضرار (جس کی بنیاد تفریق بین المومنین وغیرہ تھی) کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لا تقم فیہ ابدا یعنی مت نماز پڑھ تو اس میں کبھی، اور مسجد نبوی یا مسجد قبا کی نسبت فرماتا ہے لمسجد اسس علی التقوی من اول یوم احق ان تقوم فیہ یعنی جس مسجد کی بنیاد اول ہی روز سے تقوی پر رکھی گئی ہے، وہی مسجد زیادہ مستحق ہے اس امر کی کہ تو اس میں نماز پڑھے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک جگہ میں نماز جمعہ بالاتفاق جماعت ایک ساتھ اہل دیار ہمیشہ پڑھتے تھے، اس اثنا میں چند آدمی تنازع کر کے ضد سے جدا ہو گئے اور سابق جامع مسجد کے قریب مثلاً دس رسی کے ایک مسجد جدید تیار کی، اور اس میں نماز جمعہ پڑھنے لگے، آیا ایسی حالت میں نماز جمعہ یا جامع مسجد قائم کرنا ہو سکتا ہے یا نہیں، بینوا توجروا

الجواب:۔ صورت مذکورہ میں جامع مسجد اور اقامت جمعہ ہوتے ہوئے محض ضد اور باہمی تنازع کی وجہ سے الگ مسجد قائم کرنا، اور جامع مسجد جدید بنانا ہرگز جائز نہیں ہے، اس واسطے کہ اس مسجد جدید کی بنیاد تفریق جماعت اور ضد پر ہے، اور تفریق جماعت ایک وصف ہے اوصاف مسجد ضرار سے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے وعید فرمائی ہے، حررہ السید محمد عبد الحفیظ عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک جماعت مسلمانوں کی جو مدت دراز سے موافق قرآن وحدیث کے عمل کرتی تھی، اور رسومات آبائی سے متنفر، بعد اس کے جو سردار اس جماعت کے تھے انہوں نے بعض بدعت کرنا اختیار کیا، اور باعث اختیار کرنے بدعت کا یہ ہے، کہ اس میں دنیا حاصل ہوتی ہے، تو اکثر لوگ جو اس قسم کے تھے ہمراہ سردار اپنے کے ہوئے، اور کچھ لوگوں نے سردار مذکور سے کہا، کہ تم نے یہ بدعت جو اب اختیار کی ہے چھوڑ دو، ورنہ ہم تمہارے پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ دیں گے، اس پر بھی بدعت کرنے سے باز نہ آئے تو وہ لوگ ناچار ہوکر اپنے مکان میں مسجد تعمیر کرکے جمعہ وجماعت ادا کرنے لگے، لیکن سردار مذکور اور تابعداران ان کے کہتے ہیں، کہ یہ مسجد ضرار ہے، اس میں نماز روا نہیں ہے، اس واسطے سوال کیا جاتا ہے، کہ یہ مسجد جو اس باعث سے بنی ہے حکم میں ضرار کے ہے یا نہیں، اور مسجد ضرار ہونے کی کیا صورت ہے دلیل شرعی سے، بینوا توجروا۔

الجواب: یہ مسجد حکم میں ضرار کے بالکل نہیں، کیونکہ آیت کریمہ میں مسجد ضرار چار وجہ سے مردود ہوئی تھی۔

ایک وجہ یہ کہ ضرر دوسری مسجد کا منصور ہوا بسبب عدم رعایت حال مسجد قبا کے۔

دوسری وجہ بنا بر کفر کرنے اللہ ورسول کے ساتھ۔

تیسری وجہ تفرقہ ڈالنا درمیان جماعت مسلمانوں کے بقصد درہم برہم ہونے شوکت وہیبت مسلمانوں کے کافروں پر۔

چوتھی وجہ یہ کہ ارصاد وامداد کرنا اس بہانہ سے کفار مجاہدین کی کہ جو اللہ ورسول سے مقابلہ کرتے، اور لڑتے تھے۔

اور مضامین آیت کریمہ کو حمل کرنا اوپر مسجد ہذا کے خالی ضد وتعصب سے نہیں ہوگا، کیونکہ جب مردمان مجتنبین بدعت نے مخترعین بدعت سے کہا، کہ تم بدعت مخترعہ کو چھوڑ دو تو ہم لوگ تمہارے ساتھ ہیں، پھر جب وہ مخترعین بدعت ارتکاب بدعت سے باز نہ آئے، بلکہ اپنی بدعت مخترعہ پر اڑے رہے، تو مجتنبین بدعت نے لاچار ہوکر بنا بر دفع شر وفساد کے مبادا آپس میں زیادہ تر مفسدہ نہ ہونے پاوے کنارہ ہوکر دوسری مسجد تعمیر کی، اور نیز مکروہ ہونے نماز خلف مبتدع کے بپاس رضائے مولی مفارقت اختیار کی، کیونکہ اجتناب اہل بدعت سے واجب ہے، جیسا کہ اہل حدیث وفقہ پر مخفی نہیں ہے، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسی خوف مفسدہ دنیوی ودینی سے قبل ہجرت کے

ایک مسجد چھوٹی سی اپنے گھر کے پاس بنا کر اسی میں نماز پڑھتے اور وعظ کرنے اور مسجد الحرام کو چھوڑ کر اُس مسجد کو اختیار کیا، حالانکہ مسجد حرام میں لاکھ نماز کا ثواب ملتا ہے، مگر خوف فساد و جنگ و جدال کے جدی مسجد تعمیر کی، چنانچہ صحیح بخاری وغیرہ میں مفصلاً مذکور ہے، اور فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی لکھا ہے کہ بنا بر کسی مصلحت و دفع مضرت کے ایک مسجد کو بیچ میں دیوار اٹھا کر دو مسجد بنا لینا جائز ہے، اور دو مسجد کو ایک کر لینا بھی درست ہے، چنانچہ درمختار و فتاویٰ عالمگیری وغیرہ سے واضح ہوتا ہے، اسی قیاس پر چند مردم مجتنبین بدعت نے بھی علیحدہ مسجد بنا لی، اس میں کسی طرح کا حرج نہیں بلکہ بباعث اجتناب اہل بدعت کے موجب ثواب کا ہوگا۔ کما لا یخفی علی الماہر بالشریعۃ الغراء یجوز لاھل المحلۃ ان یجعلوا المسجد الواحد مسجدین فلھم ان یجعلوا مسجدین واحدا[1] انتہی ما فی العالمگیریۃ مختصرا فی باب الکراھۃ وھکذا فی الدر المختار فی کتاب الصلوۃ وغیرھما من کتب الشریعۃ واللہ اعلم بالصواب۔

سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱	محمد غلام اکبر خان محمدی السنی ۱۲۸۹	محمد عبد الحلیم ۱۲۹۲
سید محمد شریف حسین	سید محمد احمد ۱۲۸۹	حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ ۱۲۸۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم
ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم
محمد حسین قادری وغفوری

ہذہ الروایۃ صحیحۃ معتبرۃ المعتصم بحبل اللہ المتین
احمد الدین عفی عنہ

اگر بدعت فرضی نام رکھا ہے سائل و مسئول عنہ نے تقلید ائمہ اربعہ کو، تو جواب صحیح نہیں ہے بے شک ایسی مسجد بحکم مسجد ضرار کے ہے، اور اگر واقعی وہ لوگ اہل بدعت ہیں، تو ایسوں سے علیحدہ ہونا عین ثواب ہے، اور جواب صحیح ہے، واللہ اعلم بالصواب

حسبت منصور علی از احمد ۱۲۸۳

اگر بدعت واقعیہ ہے، تو یہ مسجد ضرار نہیں، بلکہ نافع کما لا یخفی، اور اگر فرضیۃ بدعت سے یہ الگ مسجد بنائی ہے، تو یہ قطعی مسجد ضرار ہے فقط

محمد عبد الحق ۱۲۹۰

سوال: مسجد کو مقفل کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: مسجد کا مقفل کرنا درست نہیں، مسجد کو ہر وقت کھلا رہنا چاہیے، تاکہ جس کا جس وقت جی چاہے، اس میں جا کر اللہ کا ذکر کرے، اور مسجد کو مقفل رکھنا گویا اس میں ذکر اللہ کرنے

---

[1] اہل محلہ کو جہاں یہ جائز ہے، کہ ایک مسجد کو دو مسجدیں بنا لیں، وہاں یہ بھی جائز ہے، کہ دو مسجدوں کو ایک بنا لیں۔ فتاوی عالمگیری میں ایسا ہی ہے ۱۲

سے لوگوں کو روکنا ہے وقال اللہ تعالیٰ ومن اظلم ممن منع اللہ مساجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ[1] ہاں اگر مسجد کی چیزوں کے چوری جانے کا خوف ہو اور مقفل کرنے سے اس میں ذکر اللہ سے رکاوٹ وممانعت لازم ذاتی ہو تو ایسی صورت میں مسجد کے مقفل کرنے میں کوئی مضائقہ معلوم نہیں ہوتا واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ حررہ السید عبد الحفیظ سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہم ملازمان دفتر نے احاطہ دفتر میں ایک چھپر کھپریل پوش ڈال کر مسجد بنا رکھی ہے، اور یہ مسجد سرکار پیشہ کے پس پشت ایک گوشہ میں واقع ہے اور نماز ظہر وعصر وہاں ادا کرتے ہیں، اجازت لینے میں احتمال ہے، کہ مسجد اٹھا دی جاوے سر دست اسی کو غنیمت جان کر نماز پڑھ لیا کرتے ہیں، اور نماز جمعہ دفتر سے کچھ دور کچہری کی مسجد میں ہوتی ہے وہاں ہم لوگ نوکری کی پابندی کی وجہ سے جا نہیں سکتے، اس صورت میں اور ایسی مسجد میں نماز جمعہ بھی درست ہے یا نہیں، اور یہ مسجد جو کہ بغیر حکم حکام بالا بنائی گئی ہے، مسجد کا حکم رکھتی ہے یا نہیں، اس کے حکم سے یعنی جواب سے آگہی بخشی جاوے، اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطا فرماوے گا۔ فقط۔

الجواب:۔ درصورتیکہ اجازت طلب کرنے میں یہ احتمال ہے، کہ مالک زمین مسجد کو اٹھوا دے، تو معلوم ہوا کہ مالک زمین اس مقام پر مسجد کا ہونا روا نہیں رکھتا، پس ایسی حالت میں وہ مسجد حکم مسجد میں نہیں ہے، بلکہ ایک عام عمارت کے حکم میں ہے، اس واسطے کہ کوئی زمین وعمارت حکم مسجد میں نہیں ہو سکتی، تاوقتیکہ مالک کی طرف سے بصراحت امامت اذان وجماعت کا اذن نہ حاصل ہو جاوے، یا آنکہ وہ بصراحت یہ نہ کہدے، کہ میں نے یہ عمارت یا یہ زمین ہمیشہ مسجد ہونے کو دے دی وھذا[2] مما لم یختلف فیہ ختکیف اذا اتخذ قوم ارض غیرھم مسجدا وتصرفوا فیہ ما شاؤوا علی غیر حکم المالک بنائً علیہ کہا جاتا ہے، کہ یہ بقعہ جس کو سائلین نے مسجد تصور کیا ہے، اس میں کوئی نماز بغیر کراہت نہیں ہوتی، تاوقتیکہ مالک سے صریح اجازت حاصل نہ کرلیں اس لئے کہ یہ زمین ایسے دندغہ کی حالت میں شبیہ الغصب کے حکم میں ہے، والعلم عند اللہ۔

محمد قمر الدین

چونکہ یہ مسجد بلا حکم صاحب زمین کے بنائی گئی ہے، لہٰذا حکم مسجد کا نہیں رکھتی، اور اس میں نماز

---

[1] جو آدمی مسجد میں خدا کا نام لینے سے روکے اس سے بڑھ کر اور کون ظالم ہو سکتا ہے ۱۲

[2] یہ وہ مسئلہ ہے جس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے، پھر اندازہ کرو اگر کوئی قوم کسی زمین کو مسجد بنالے یا مالک کے علم کے بغیر اس میں اپنی مرضی سے جس طرح چاہے تصرف کرے، تو اس کا کیا حال ہوگا ۱۲

کا وہ ثواب نہیں ہوتا جو مسجد میں ہوتا ہے، اور جمعہ بھی اس میں جائز نہیں ہے فقط۔ الراقم محمد سعید الدین قریشی،

اتقوا اللہ وقولوا قولا سدیدا

الجواب وہو الموفق للصواب:۔ زمین مسئولہ عنہا حکم مسجد میں کسی نہج سے نہیں ہوسکتی لیکن اس میں نماز ادا کرنا باجازت ضمنی حاکم وقت جائز ہے، اس لئے کہ انگریزی قانون واشتہار میں صاف طور پر لکھا ہے، کہ کسی عبادت کو نہ روکا جاوے، اور جس قدر معابد ہیں سب سرکاری زمین میں واقع ہیں گو نسبت اضافی زید ومحمود کی طرف عاید ہو اس نسبت اضافی ہی کی وجہ سے معابد وغیرہ لفور طرد وقف کا تحقق نہیں ہے، اس لئے مسجد نہ قرار دی جاوے گی، مگر اس میں نماز ادا کرنا بلا کراہت جائز ہے، اور اگر اس اجازت ضمنی سے قطع نظر کی جاوے، تو بھی یہ زمین فناء مصر اور جنگل میں واقع ہے، اور جنگل میں نماز گذارنا بلا اجازت لینے کے کسی سے باتفاق فقہاء بلا کراہت جائز ہے کیونکہ جنگل علی سبیل الخصوصیت کسی کے ملک میں نہیں ہوتا ہے۔ کما قال صاحب الهداية فی باب المعادن والرکاز وان وجده فی الصحراء فہو له لانه لیس فی ید احد علی الخصوص[1] انتہی اور جمعہ بھی اس زمین میں جیسا ہندوستان میں ہوتا ہے جائز ہے، کیونکہ زمین مبحوثہ فناء مصر میں واقع ہے وکما یجوز اداء الجمعة فی المصر یجوز اداءها فی فناء المصر[2] وہو الموضع المعد لمصالح المصر متصلا بالمصر انتہی ما فی العالمگیریہ حررہ راجا بہ احمد حسن عفی عنہ۔ الجواب صحیح۔ شہاب الدین۔ اصاب فیما اجاب واللہ الموفق للصواب والیہ المرجع والمآب۔ عبد الغفور عفی عنہ مدرس مدرسہ درگاہ۔ الجواب صحیح۔ غلام یحیی سید محمد نذیر حسین

جناب حضرت میاں صاحب مدظلہم کو بعد سنانے دونوں جوابوں کے دوسرے جواب پر ان کی مہر ثبت کی گئی۔ الجواب الثانی صحیح۔ سید ابو الحسن۔ الجواب الثانی صحیح سید محمد عبد السلام۔ ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بستی میں دو مسجدیں ہیں، قدیم وجدید، زید کہتا ہے، کہ مسجد قدیم کی نماز فضیلت زیادہ رکھتی ہے بہ نسبت مسجد جدید کے بکر کہتا ہے

---

[1] اگر اس (خزانہ) کو صحرا میں پائے، تو وہ اسی کا ہے، اس لئے کہ وہ جگہ کسی خاص آدمی کی نہیں ہے ۱۲

[2] جس طرح شہر میں جمعہ جائز ہے، شہر کے صحن میں بھی جمعہ جائز ہے، اور شہر کا صحن وہ گراؤنڈ وغیرہ ہوتی ہے جو شہر سے متصل شہری ضرورتوں کے لئے تیار کی گئی ہو، ۱۲

کہ سوا تین مسجدوں کے یعنی مکہ معظمہ، اور مدینہ منورہ، اور بیت المقدس کے اور سب مسجدیں ازروئے ثواب کے برابر ہیں، یعنے ایک کو دوسری پر فضیلت نہیں ہے، اب ان دونوں میں سے کون شخص حق پر ہے۔ بینوا توجروا

الجواب:۔ مسجد قدیم وجدید میں من حیث قدیم اور جدید ہونے کے فضیلت نماز میں کچھ تفاوت کسی دلیل سے ثابت نہیں ہوتا، یعنے کسی دلیل سے یہ ثابت نہیں ہوتا، کہ مسجد قدیم کی نماز بہ سبب قدیم ہونے مسجد کے زیادہ فضیلت رکھتی ہے بہ نسبت نماز مسجد جدید کے، ہاں ابن ماجہ کی ایک حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ مسجد جامع کی ایک نماز کا ثواب پانچ سو نماز کے برابر ہوتا ہے، اور محلہ کی ایک نماز کا ثواب پچیس نماز کے برابر ہوتا ہے۔ پس اگر مسجد قدیم جامع مسجد ہے، اور مسجد جدید جامع مسجد نہیں ہے، تو مسجد قدیم کی نماز بسبب اس کے جامع ہونے کے زیادہ فضیلت رکھتی ہے بہ نسبت نماز مسجد جدید کے، اور اگر مسجد جدید جامع مسجد ہے، تو اس صورت میں مسجد جدید ہی کی نماز زیادہ فضیلت رکھتی ہے بہ نسبت نماز مسجد قدیم کے، اور ابن ماجہ کی وہ حدیث یہ ہے، عن[1] انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوۃ الرجل فی بیتہ بصلوۃ وصلوتہ فی مسجد القبائل بخمس وعشرین صلوۃ وصلوتہ فی المسجد الذی یجمع فیہ بخمس مائۃ صلوۃ رواہ ابن ماجہ واللہ تعالیٰ اعلم۔ عبد الرحیم عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

ھو الموفق:۔ فقہاء حنفیہ نے تصریح کی ہے، کہ مسجد قدیم افضل ہے مسجد جدید سے درمختار میں ہے۔ افضل[2] المساجد مکۃ ثم المدینۃ ثم القدس ثم قباء ثم الاقدم ثم الاعظم ثم الاقرب انتہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سوال:۔ جس مسجد کی زمین وقف نہیں ہے، بلکہ اس کی زمین خراجی ہے، اور یہ زمین فی الحال ایک ہندو کے پاس گرو ہے، اور مرتہن نیلام کے لئے مستعد ہے، فقط مسلمانوں کے ڈر سے نیلام نہیں کرتا ہے، ایسی زمین میں مسجد درست ہے یا نہیں، اور مسجد کیسی زمین میں ہونی چاہیے

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ آدمی کی اپنے گھر میں نماز ایک نماز ہے، اور محلہ کی مسجد میں پچیس نمازیں ہیں، اور جامع مسجد میں ایک نماز پانچسو نمازیں ہیں ۱۲ [2] سب سے افضل مسجد خانہ کعبہ ہے، پھر مسجد نبوی، پھر بیت المقدس پھر سب سے قدیمی، پھر سب سے بڑی، پھر سب سے قریب ۱۲

اور وقف کی کیا تعریف ہے بینوا توجروا۔

الجواب۔ زمین مذکور میں مسجد بنانا درست نہیں ہے، اس واسطے کہ جس زمین میں مسجد بنائی جاوے، اس زمین کا وقف ہونا ضروری ہے، اور صورت مسئولہ میں زمین مذکور وقف نہیں ہے، اور وقف کی تعریف یہ ہے۔ ھو حبس العین علی حکم ملک الواقف والتصدق بالمنفعۃ ولو فی الجملۃ یعنی حبس کرنا عین کو ملک واقف کے حکم پر اور صدقہ کرنا منفعت کا، اگرچہ فی الجملہ ہو، اور صاحبین کے نزدیک وقف کی تعریف یہ ہے ھو حبسھا علی حکم ملک اللہ وصرف منفعتھا علی من احب ولو غنیا فیلزم ولا یجوز لہ ابطالہ ولا یورث عنہ وعلیہ الفتوی کذا فی الدر المختار یعنی حبس کرنا عین اللہ کے ملک کے حکم پر اور صرف کرنا اس کے منفعت کا جس پر چاہے، اگرچہ وہ غنی ہو، پھر جب واقف کی ملک سے خارج ہوا، تو وقف لازم ہوگیا، تو واقف کو اس کا باطل کردینا جائز نہیں، اور اس کا وارث اس کو وراثت میں نہ پاوے گا، اور صاحبین ہی کے قول پر فتوی ہے۔ کذا فی غایۃ الاوطار واللہ تعالی اعلم بالصواب۔ حررہ عبدالرحیم عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر دو مسجدیں ایک محلہ میں بلا غرض دین بنائی جاویں، ایک اس میں جامع مسجد ہے اس میں بجز جمعہ اور نماز ظہر و عصر کے دیگر کوئی نماز نہیں ہوتی کیونکہ اس کے گرداگرد ہنود رہنے والے ہیں، اور امام بھی بعد نماز عصر کے اپنے خانہ کو چلا آتا ہے، اور دوسری مسجد مسلمانوں کے بیوت کے کنارے پر ہے، اس میں سوائے جمعہ کے نماز بجماعت ہوتی رہتی ہے، اور نماز جمعہ فریقین اتفاق سے مدت کثیر تک ایک جگہ مسجد جامع میں پڑھتے تھے، آخر الامر عرصہ ایک ماہ سے بباعث فساد دہی کے کہ ہم لوگ دوسری مسجد والے اہل حدیث اور موحدین ہیں انہوں نے ہمارے ساتھ فساد و شر کیا، ہم لوگوں نے واسطے دفع شر کے اپنی مسجد میں علیحدہ جمعہ شروع کیا، دوسرے بھائی ہمارے جامع مسجد والے حنفی مذہب تھے، انہوں نے ہماری مسجد کو مسجد ضرار مقرر کیا، اور عدم جواز صلوٰۃ کا فتویٰ دیا بلکہ ہدم اور احراق کا حکم ہوا، مگر بباعث آئین سرکاری کے مجبور رہے، اور چند دلیلیں مسجد ضرار ہونے کی ٹھہرائی ہیں۔

اول تو اپنے زعم فاسد کے موجب اس آیت کے مصداق میں داخل کیا والذین اتخذوا مسجدا ضرارا وکفرا وتفریقا بین المومنین وارصادا لمن حارب اللہ ورسولہ الآیۃ

[1] وہ جنہوں نے مسجد بنائی تکلیف دینے کے لئے، کفر کرنے کے لئے، مومنوں میں جدائی ڈالنے کے لئے، اور

دوسری قال عطاء لما فتح الله على عمر بن الخطاب الامصار امر المسلمين ان يبنوا المساجد وامرهم ان لا يبنوا في موضع واحد مسجدين يضار احدهما الاخر هكذا في الخازن۔

تیسری وقیل کل مسجد بنی مباهاة او رياء او سمعة او لغرض سوى ابتغاء وجه الله او بمال غير طيب فهو لاحق بمسجد الضرار۔ كذا في المدارك

واللہ باللہ ثم تاللہ ہم لوگوں نے صرف تقرباً للہ کی وجہ سے عرصہ چار سال سے مسجد کو بنایا ہے، نہ واسطے خرابات مذکورات کے، حدیث شریف انما الاعمال بالنیات موجود ہے، یہی ہمارے بھائی حنفی ہمارے ساتھ اس مسجد میں چند دفعہ نماز پڑھ چکے ہیں، مگر اب باعث مخالفت کے مدت ایک ماہ سے مسجد ضرار ٹھہرا دیا ہے، اور ہم نے فتنہ اور فساد اور دفع شر کے لئے نماز جمعہ علیحدہ شروع کی نہ برائے غرض تفریق مومنین کے، دیگر کیا اظہار کروں واللہ علیم بذات الصدور شاہد ہے، لہذا التماس ہے، کہ ضرور فی سبیل اللہ جواب عنایت فرما کر ان تینوں دلیلوں مذکورہ بالا اور قولہ فی موضع واحد مسجدین لیضار احدھما الاخر کا اور معنے بیان فرما دیں، اور جواز اور عدم جواز صلوٰۃ اور ضرار اور عدم ضرار کا فتوے نودتر تحریر فرما دیں، بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں جب کہ اہل حدیث مذکورین نے اپنی مسجد کو عرصہ چار سال سے بنایا ہے، اور قسم کھاتے ہیں، کہ اس کو تقرباً للہ بنایا ہے، اور اب عرصہ ایک ماہ سے واسطے دفع شر و فساد احناف کے اس مسجد میں جمعہ شروع کیا ہے، تو وہ مسجد اس وجہ سے ہرگز ہرگز مسجد ضرار نہیں ہو سکتی، اور اس میں بلا شبہ نماز جائز و درست ہے، اور جو احناف اس مسجد کو مسجد ضرار قرار دیتے ہیں، اور اس کے عدم و احراق کا حکم دیتے ہیں، اور اس عدم جواز کا فتوے دیتے ہیں (حالانکہ یہ احناف بھی اس میں چند دفعہ نماز پڑھ چکے ہیں) وہ بہت ہی بڑے ظالم ہیں، اور ساعی فی خراب المسجد ہیں، اور یہ احناف اس مسجد کے مسجد ضرار ٹھہرانے کی جو دلیلیں

اللہ و رسول کے برخلاف لڑائی لڑنے کے لئے گھات کی جگہ ۱۲ ۔ ؎ حضرت عمرؓ نے جب شہروں کو فتح کیا، تو مسلمانوں کو حکم دیا، کہ مسجدیں بنائیں، اور حکم دیا کہ ایک جگہ میں دو مسجدیں نہ بنائیں، کہ ایک دوسری کو نقصان پہنچے ۱۲ ؎ ہر وہ مسجد جو فخر، ریا، سنانے کے لئے یا کسی اور غرض سے اللہ کی رضامندی کے حصول کے علاوہ بنائی جائے، وہ مسجد ضرار کے حکم میں ہے ۱۲

پیش کرتے ہیں، ان میں کسی دلیل سے یہ مسجد مسجد ضرار نہیں ٹھہر سکتی،

پہلی دلیل یعنے آیت والذین اتخذوا مسجدا ضرارا الخ سے یہ مسجد اس وجہ سے مسجد ضرار نہیں ٹھہر سکتی، کہ اس آیت میں جس مسجد کا بیان ہے، اس کو بنایا تھا، اور اس کی بنیاد ضرارا و کفرا و تفریق بین المومنین و ارصادا لمن حارب اللہ و رسولہ پر تھی، اور صورت مسئولہ میں جس مسجد کو اہل حدیث نے بنایا ہے، اس کی بنیاد تقرب الی اللہ پہ ہے، پس اس آیت سے یہ مسجد، مسجد ضرار کیونکر ٹھہر سکتی ہے،

اور قول حضرت عمر رضہ سے یہ مسجد اس وجہ سے مسجد ضرار نہیں ٹھہر سکتی، کہ اس قول کا مطلب یہ ہے، کہ ایک مقام میں ایسی دو مسجدیں نہیں بنانی چاہئیں، کہ ایک کی وجہ سے دوسری کو ضرر پہنچے، اور سوال سے ظاہر ہے، کہ صورت مسئولہ میں ایک مسجد کو دوسری مسجد سے بجز نفع کے کچھ بھی ضرر نہیں ہے، پس اس قول حضرت عمر رضہ سے بھی یہ مسجد مسجد ضرار نہیں ٹھہر سکتی،

پس تیسری دلیل یعنے قیل کل مسجد بنی مباھاۃ او ریاء و سمعۃ الخ سے بھی یہ مسجد مسجد ضرار نہیں ٹھہر سکتی۔ اور رفع فتنہ و فساد اور دفع شر کے لئے جو اہل حدیث نے اس مسجد میں نماز جمعہ علیحدہ شروع کی، تو اس وجہ سے یہ مسجد ضرار نہیں ہو سکتی، اس واسطے کہ جب کسی مسجد میں نماز پڑھنے سے لوگ روکتے ہوں، اور فتنہ و شر و فساد کرتے ہوں، تو دفع شر و فساد کی غرض سے علیحدہ مسجد بنانا، اور اس میں علیحدہ نماز قائم کرنا جائز و درست ہے، دیکھو جب مشرکین مکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو بیت اللہ شریف میں نماز پڑھنے سے روکتے تھے، اور نماز ادا نہیں کرنے دیتے تھے، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے مکان کے صحن میں ایک مسجد بنائی تھی، اور اس میں نماز ادا کرتے تھے، جیسا کہ صحیح بخاری میں موجود ہے، واللہ تعالے اعلم۔ حررہ احمد عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے زمین مرہونہ مرتھن سے زبردستی کر کے مسجد میں شامل کر لی، اصل مالک زمین مذکور کا موجود نہیں ہے، اب وہ زمین از روئے شرع شریف شامل مسجد ہو سکتی ہے یا نہیں، جواب اس کا قرآن و حدیث سے عطا فرماویں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ وہ زمین شرعا شامل مسجد نہیں ہو سکتی، اور اگر شامل کی جاوے گی

تو وہ زمین مسجد کے حکم میں ہرگز نہیں ہوگی۔ حدیث شریف میں آیا ہے ان[1] اللہ طیب کا
یقبل الا طیبا رواہ مسلم۔ شیخ عبدالحق دہلوی شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں چوں حق
تعالیٰ پاک است و رزق حلال را بسبب پاک بودن او از چرک حرمت، چوں بجناب
اقدس او نسبتے است قابل آن است کہ بوئے تقرب بجناب عزت او توان کرد، وحرام کہ عند
اوست قابل آن نہ بود، انتہیٰ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ محمد عبدالحق ملتانی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

ھوالموفق:۔ کسی زمین کا مسجد ہونا یا مسجد میں شامل ہونا موقوف ہے اس کے
وقف ہونے پر، اور اس کا وقف ہونا موقوف ہے ملک پر، اور صورت مسئولہ میں چونکہ زید نے
جو زمین مرہونہ مرتہن سے زبردستی کرکے مسجد میں شامل کرلی ہے، وہ وقف نہیں ہے، کیونکہ
اس کا مالک زید نہیں ہے، بلکہ اس کا اصل مالک دوسرا شخص ہے، جو موجود نہیں ہے،
بنائً علیہ وہ زمین مغصوبہ شامل مسجد نہیں ہوسکتی، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکپوری عفا اللہ عنہ

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی نے اپنے
مکان زنانہ کے گوشہ میں ایک مسجد تعمیر کروائی ہے، اس غرض و نیت سے کہ صرف اس
مکان کی عورتیں اس مسجد میں نماز پڑھیں، اور بوجہ پردہ کے اذان واقامت ہو نہیں سکتی ہے
پس ایسی صورت میں اس پر مسجد کا حکم ہوگا یا نہیں، اور بلا اذن مالک مکان کے غیر عورتوں کو
اس مسجد میں جاکر نماز پڑھنے کا حق ہے یا نہیں، اور اگر اس مسجد میں اذان واقامت نہ ہو،
تو بانی مسجد گنہگار ہوگا یا نہیں، اور اس بستی میں ایک مسجد عام ہے، کہ جن کی اذان کی آواز
بخوبی اس مسجد میں بھی آتی ہے تو وہی اذان اس مسجد کے واسطے کافی ہوگی یا نہیں، اور زمین اس
مسجد زنانہ کی موقوفہ ہوجاوے گی یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب:۔ ہوالملہم للصواب۔ صورت مسئولہ میں جو مسجد گوشہ مکان زنانہ میں تعمیر
کی گئی ہے، اس پر حکم واطلاق مسجد کا ہوسکتا ہے، گو اس میں اذان نہ ہو، اور نہ بانی مسجد آثم ہوگا،
اور نہ زمین اس کی موقوفہ ہوگی، چنانچہ بخاری شریف میں ہے۔ ان[2] عتبان بن مالک وھو
من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ممن شھد بدرا من الانصار

---

[1] اللہ خود بھی پاک ہے، اور پاک چیزوں ہی کو قبول کرتا ہے ۱۲ [2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی عتبان بن

انہ اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ قد انکرت بصری وانا اصلی لقومی فاذا کانت الامطار سال الوادی الذی بینی وبینہم لم استطع ان اتی مسجدہم فاصلی بہم وودت یا رسول اللہ انک تاتینی فتصلی فی بیتی فاتخذہ مصلی فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سافعل ان شاء اللہ تعالی قال عتبان فغدا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابو بکر رض حین ارتفع النہار فاستاذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذنت لہ فلم یجلس حین دخل البیت ثم قال این تحب ان اصلی فی بیتک قال فاشرت لہ الی ناحیۃ من البیت فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکبر فقمنا فصففنا فصلی رکعتین ثم سلم

وفی العالمگیریۃ من بنی مسجدا لم یزل ملکہ عنہ حتی یفرزہ عن ملکہ بطریقہ ویاذن بالصلوۃ فیہ۔ وایضا فیہا۔ سئل ابوبکر الاسکاف عمن بنی مسجدا علی باب دارہ ووقف ارضا علی عمارتہ ثم مات وخرب المسجد واستغنی ورثتہ فی بیعہا فافتوا بالبیع۔ وایضا فیہا ولیس علی النساء اذان ولا اقامۃ فان صلین بجماعۃ یصلین بغیر اذان واقامۃ وان

بلکہ انہوں نے آپ سے عرض کیا، یا رسول اللہ میری نظر کمزور ہے۔ اور میں قوم کا امام ہوں، جب بارشیں ہوتی ہیں، اور نالے بہنے لگتے ہیں، تو میں مسجد میں آ کر ان کو نماز پڑھا نہیں سکتا، میں چاہتا ہوں، کہ آپ میرے گھر تشریف لائیں اور میرے گھر میں نماز پڑھیں، میں اس جگہ کو مسجد بنا لوں گا، تو آپ نے فرمایا انشاء اللہ میں آؤں گا، پھر آپ اور ابوبکر دن چڑھے تشریف لائے، آپ اجازت لے کر گھر میں داخل ہوئے، تو آپ بیٹھے نہیں، اور فرمایا کہ تو کہاں چاہتا ہے، کہ میں تیرے گھر میں نماز پڑھوں، میں نے مکان کے ایک گوشہ کی طرف اشارہ کیا، آپ نے کھڑے ہو کر وہاں تکبیر کہی، اور ہم نے آپ کے پیچھے صف بنائی، آپ نے دو رکعت نماز پڑھی اور پھر سلام پھیرا۔

ف اگر کوئی مسجد بنائے، تو جب تک اس کو اپنی ملکیت سے خارج نہ کرے، اور نماز کی عام اجازت نہ دے وہ اس کی ملکیت میں رہے گی۔ اگر کوئی شخص اپنے مکان کے دروازے پر مسجد بنائے اور اس زمین کو اپنی عمارت پر وقف کر دے، اور مر جائے، اور مسجد ویران ہو جائے، تو اس کے وارث اس زمین کو بیچ سکتے ہیں۔ عورتوں کے لئے اذان اور اقامت نہیں ہے، اگر وہ جماعت سے نماز پڑھیں، تو بغیر اذان اور اقامت

مصلین جازت بہا صلوتہن بہا مع الا ساءۃ ھکذا فی الخلاصۃ۔ نیز یہ کہ غیر عورتیں بلا اذن اس میں جاکر نماز نہیں پڑھ سکتی ہیں۔ واللہ اعلم

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ ایک شخص نے کچھ زمین مسجد کے واسطے خریدی، پہلے سے اس زمین میں دو منزلہ مکان بنا ہوا تھا، مشتری اوپر کی منزل کو مسجد اور نیچے کی منزل کو کرایہ پر واسطے خرچ مسجد کے دینا چاہتا ہے، اس صورت میں مسجد، مسجد کا حکم رکھے گی، اور مکان کرایہ پر دینا جائز ہوگا یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ صورت مرقومہ بالا میں معلوم کرنا چاہیئے، کہ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کی تعلیم کی رو سے صورت مسئول عنہا جائز و درست معلوم ہوتی ہے، اور یہ مسجد مسجد کا حکم رکھے گی، اور مکان مسجد کے مصالح کے لئے کرایہ پر دینا جائز ہوگا، تاکہ مسجد کی درستی رہے اور ہمیشہ آباد رہے، اس کے اخراجات ضروریہ کے لئے آمدنی کی صورت نکالنا درست و جائز ہے، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خادم مسجد نبوی کے آرام کے لئے مسجد نبوی میں بیچ، نہ کنارے میں نہ ادھر نہ ادھر بلکہ اندرون مسجد کے ایک حجرہ بنایا تھا، اور اس کا رہنا سہنا وہاں ہی ہوتا تھا جیسا کہ صحیح بخاری صفحہ ۶۳ میں موجود ہے، اور نیز صحیح بخاری صفحہ ۶۶ میں موجود ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں بعض لوگوں کے فائدہ کے لئے خیمہ لگوا دیا، وہ اس میں مدت تک رہے۔

غرضکہ اندرون مسجد یا تحت مسجد یا بالائے مسجد میں کوئی مکان بنانا مصالح مساجد کے لئے درست و جائز ہے، وہ مکان مسجد کو مسجد کے حکم سے خارج نہ کرے گا، جیسا کہ یہ دونوں حدیثیں دلالت کرتی ہیں، اور یہ بھی حکم خدا و رسول ہے، کہ جہاں خاص حکم شرعی نہ ہو، وہاں عام حکم شرعی سے استدلال کرنا جائز ہے، جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ کتب حدیث میں اور خاص کر بخاری کے صفحہ ۱۰۹۳ میں موجود ہے لے سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الحمر فقال ما انزل اللہ علی فیہا الا ھذہ الایۃ الجامعۃ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ۔ الایۃ اور اس پر امام بخاری علیہ الرحمۃ نے باب یوں

کے پڑھیں گی اور اگر وہ نماز پڑھ لیں، تو ان کی نماز کراہت سے ہو جائے گی ۱۲ لے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گدھوں کے متعلق سوال کیا گیا، تو آپ نے فرمایا، ان کے لئے کوئی الگ حکم تو مجھ پر نازل نہیں ہوا، بس یہ آیت جامع موجود ہے، جو ایک ذرہ کے برابر بھی نیکی کرے گا، اس کو دیکھ لے گا ۱۲

منعقد کیا ہے باب الاحکام التی تعرف باالدلائل الخ اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے جن احکام کو ناجائز فرمانا تھا، ناجائز فرمایا، اور جن کو جائز فرمانا تھا ان کو جائز فرمایا، اور جن حکموں سے خاموشی کی ہے تم مت کرید کرو یعنی وہ معاف ہے، جیسا کہ مشکوۃ صفحہ ۲۴ میں موجود ہے ابو ثعلبہ خشنی سے۔

اور بیر اظہر من الشمس ہے، کہ اللہ اور رسول نے کہیں منع نہیں فرمایا، کہ اوپر مسجد اور نیچے مکان کرایہ مصالح مسجد کے لئے نہ بنانا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا ہے، ما جعل علیکم فی الدین من حرج اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا ہے، یسروا ولا تعسروا الحدیث یعنی عالموں کو چاہیئے، کہ جہاں کہیں اللہ تعالیٰ اور رسول نے سختی نہیں فرمائی، تنگی نہ کریں، بلکہ آسانی کا فتوے دیں دلائیں، اب ہر شخص ذی فہم بتا سکتا ہے، کہ اس مسجد کے جواز میں مشتری مکان مذکور کے لئے آسانی ہے یا تنگی، اور نیز احادیث صحیحہ میں اضاعت مال سے ممانعت وارد ہوئی ہے، اب ہر شخص ذی شعور بتا سکتا ہے، کہ مسجد مذکور فی السوال کے عدم جواز میں اضاعت مال ہے یا نہ

غرض کہ ان احادیث و آیات کے رو سے ثابت ہوتا ہے، کہ مسجد مذکور فی السوال مسجد ہی کے حکم میں ہے، اور نیچے کا مکان کرایہ پر دینا واسطے مصالح مسجد مذکور کے جائز و درست ہے تفسیر کبیر میں تحت آیت فلا وربك لا یؤمنون حتی یحکموك الایۃ کے لکھا ہے، کہ عمومات کتاب اور سنت مقدم ہوتے ہیں عمومات قیاس پر واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم حررہ العاجز ابو محمد عبد الوہاب الملتانی نزیل الدھلی تجاوز اللہ عن ذنبہ الخفی والجلی فی اوائل شہر جمادی الاولیٰ من سنۃ ۱۳۱۹ھ علی صاحبہا افضل صلوۃ وازکی تحیۃ اللھم ارزقنا علما نافعا والعمل بما تحب وترضی

سید محمد نذیر حسین

هوالموفق:۔ صورت مسئولہ میں اگر مشتری نے نیچے کی منزل کو مصالح مسجد کے واسطے وقف کر دیا ہے اور اپنا کوئی تعلق باقی نہیں رکھا ہے، تو بے شک وہ مسجد مسجد کے حکم میں ہے اس واسطے کہ اس مسجد کے مسجد نہ ہونے کی کوئی دلیل شرعی نہیں ہے اور

ف۱ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی ۱۲ ف۲ آسانی کرو، اور تنگی نہ کرو ۱۲

ف۳ تیرے رب کی قسم جب تک آپ کو حاکم نہیں بنائیں گے ان کو ایمان نصیب نہ ہوگا ۱۲

نیچے کی منزل کو واسطے خرچ مسجد کے کرایہ پر دینا بھی جائز ہے، کیونکہ عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں ہے، فقہائے حنفیہ نے بھی تصریح کی ہے، کہ ایسی صورت میں مسجد مسجد کے حکم میں رہے گی درمختار میں ہے۔ لو بنی بیتا فوقہ للامام لا یضر لانہ من المصالح اما لو تمت المسجدیۃ ثم اراد البناء منع ولو قال عنیت ذلک لم یصدق اور شامی میں ہے یؤخذ من التعلیل ان محل عدم کونہ مسجدا فیما اذا لم یکن وقفا علی مصالح المسجد وبہ صرح فی الاسعاف فقال واذا کان السرداب او العلو لمصالح المسجد او کانا وقفا علیہ صار مسجدا ونیز شامی میں ہے بقی لو جعل الواقف تحتہ بیتا للخلاء ھل یجوز کما فی مسجد محلۃ الشحم فی دمشق لم ارہ صریحا نعم سیاتی متنا فی کتاب الوقف انہ لو جعل تحتہ سردابا لمصالحہ جاز انتہی اور فقہ حنفی کی رو سے بھی نیچے کی منزل کو واسطے مصارف مسجد کے کرایہ پر دینے کا جواز مستفاد ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد کے نیچے دکانیں اس کے مصارف کے لئے بنوانا کیسا ہے، اور اس میں نماز کا کیا حکم ہے، کیونکہ مسجد کا خرچ بغیر آمد کے بعض جگہ چلنا دشوار ہے، اس مسئلہ کو مدلل کتب معتبرہ فقہ سے ارقام فرمادیں بینوا توجروا۔

الجواب: درصورت مرقومہ معلوم کرنا چاہیئے، کہ مسجد کے نیچے یا اس کے اوپر دکان بلا وقف اپنے منافع کے واسطے بنائی، تو وہ مسجد حکم میں مسجد کے نہیں ہے، کیونکہ زیر و بالا اس کا خالص واسطے اللہ تعالیٰ کے نہ ہوا، اور جو وقف کیا دکان زیر و بالا کو مصالح مسجد اور

ف اگر مسجد کے اوپر امام کی رہائش کے لئے مکان بنایا جائے، تو درست ہے، کیونکہ یہ مسجد ہی کی آبادی ہے ہاں اگر مسجد پوری ہو جائے، پھر اس پر مکان بنایا جائے، تو منع ہے، اور اگر کہے کہ میری پہلے ہی سے یہ نیت تھی تو اس کو سچا نہ سمجھا جائے گا ۱۲ ف اس کا دارومدار تو سبب ہے، اگر مسجد ہی کی مصلحت کے لئے اس کے نیچے تہ خانہ یا اوپر کوئی مکان بنایا جائے، تو درست ہے، اور اگر ایسا نہ ہو تو جائز نہیں ۱۲ ف اگر وقف کرنے والا مسجد کے لئے کوئی بیت الخلاء بنائے تو جائز ہے یا نہیں، اس کی صاف جزئی تو میں نے کہیں دیکھی نہیں، ہاں یہ تو ہے کہ اگر مسجد کے نیچے کوئی تہ خانہ بنائے یا اس کے اوپر کوئی مکان مسجد کی مصلحت کے لئے بنائے تو جائز ہے ۱۲

خرچ مرمت مسجد کے واسطے تو وہ مسجد حکم مسجد شرعی میں ہوگی کیونکہ اس سے حق تصرف و منافع عباد کا بالکل زائل ہوا، اور وہ مسجد خالص واسطے اللہ تعالیٰ کے قرار پائی ایسا ہی کتب معتبرہ فقہ سے واضح ہوتا ہے

قولہ ومن جعل مسجدا تحتہ سرداب وھو بیت یتخذ تحت الارض لغرض تبرد الماء او غیرہ او فوقہ بیتا لیس واحد منھما للمسجد فلیس بمسجد ولہ بیعہ ویورث عنہ اذا مات بخلاف ما اذا کان السرداب او العلو موقوفا لمصالح المسجد فانہ یجوز اذ لا ملک فیہ لاحد بل ھو من تتمیم مصالح المسجد کسرداب مسجد بیت المقدس ھذا ھو ظاھر المذھب۔ ھذا خلاصۃ ما فی الھدایۃ و فتح القدیر وغیرھما واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

مسئلہ: ہرگاہ گروہ مسلمانان نے درباب تعمیر مسجد اور مصالح اس کے مثلاً پانچ آدمیوں کو متولی اپنی طرف سے مقرر کیا، تو پانچوں کے مشورہ اور صلاح سے کارروائی مسجد کی کی جاوے گی، اور تفرد شخص واحد کا اس میں روا نہیں پس ایسی صورت میں اگر کسی ایک شخص نے اپنی رائے سے بلا مشورہ وصلاح بقیہ چار شخصوں کے درباب تعمیر و مصالح مسجد کوئی کارروائی کی تو اس کی وہ کارروائی جائز نہیں ہوگی۔ الاصل فی جنس ھذہ المسائل ان کل تصرف یحتاج فیہ الی الرای فاذا وکل بہ رجلین فعمل ذلک احدھما دون الاخر لا یجوز انتھی ما فی العالمگیریۃ فی باب الوکالۃ۔ وان مات احد الوصیین واوصی الی جماعۃ لو ینفرد واحد بالتصرف انتھی ما فی العالمگیریۃ من باب الوقف۔ واذا جعل الواقف الولایۃ الی اثنین او صارت الولایۃ

لہ جس کسی نے ایسی جگہ کو مسجد بنایا جس کے نیچے کوئی تہ خانہ ہے، یا اوپر کوئی مکان ہے، اور وہ مسجد کی ملکیت نہ ہوں، تو وہ مسجد مسجد نہیں ہے، وہ اس کو بیچ سکتا ہے، اور اگر مر جائے تو ورثہ میں چلی جائے گی، ہاں اگر تہ خانہ یا مکان مسجد کے لئے وقف ہو جائے، تو پھر وہ مسجد ٹھیک ہے، کیونکہ اس میں کسی آدمی کا حق نہیں رہا

کہ ان مسائل میں اصل یہ ہے کہ ہر وہ تصرف جس میں رائے کا دخل ہو جب وہ دو آدمیوں کے سپرد کیا جائے تو ان میں سے ایک آدمی اگر دوسرے کے مشورہ کے بغیر سرانجام دے گا تو جائز نہیں ہوگا۔ اگر دو وصیوں میں سے ایک مر جائے، اور ایک جماعت کو وصیت کر جائے، تو ان میں سے ایک آدمی تصرف نہیں کر سکے گا،

الی الوصی والمتولی لم یکن لاحدھما بیع غلۃ الوقف انتہی ما فی العالمگیریۃ وغیرھا من کتب الفقہ واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسجد میں رہتا تھا متولی نے اس کو امامت سے معزول کر دیا، اب وہ طرح طرح کے فساد نکالتا ہے، کبھی کہتا ہے مسجد کا قبلہ ٹیڑھا ہے، کبھی بیان کرتا ہے، چونکہ مجھے نوٹس دے کر مسجد سے خارج کر دیا، تو یہ مسجد نہیں رہی کبھی لوگوں کو اس طرح بہکاتا ہے، کہ مسجد میں تھوڑی زمین غصب کی شامل ہے لہذا یہ مسجد نہیں رہی، حالانکہ اس میں زمین مغصوبہ نہیں ہے، فرضاً اس میں قدرے زمین مغصوبہ ہو تو کیا ساری زمین مسجد ہونے سے خارج ہو جاوے گی، حاصل یہ ہے، کہ مسجد کے قبلہ ٹیڑھے ہونے سے یا اس وجہ سے کہ متولی کسی شخص کو امامت سے معزول کر دے یا کوئی شخص شبہ غصب کا لوگوں کے دلوں میں ڈال دے یعنی یہ کہے کہ تھوڑی زمین مسجد کی مغصوبہ ہے، تو عند الشرع یہ مسجد ہے یا نہیں، ہر ایک امر کا جواب مرحمت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ جب کہ وہ شخص معزول ہمیشہ سے اسی مسجد میں نماز پڑھتا رہا اور کبھی اس نے یہ ظاہر نہیں کیا، کہ اس میں زمین مغصوبہ بھی شامل ہے، تو اب اس کا قول اس باب میں غیر معتبر ہے، اور مسجد کے قبلہ تھوڑے ٹیڑھے ہونے سے نماز میں کچھ نقصان نہیں آتا، جہت کعبہ کی طرف منہ ہونا شرط ہے نہ عین کعبہ کی طرف، اور اس شخص کو اگر کسی وجہ سے نکال دیا، تو اس سے اس مسجد کے مسجد ہونے میں کچھ خرابی نہیں آتی، جب ایک مرتبہ کسی جگہ کو مسجد کا حکم قاعدہ شرعیہ کے مطابق ہو گیا، تو اب وہ مسجدیت نکل نہیں سکتی فقط واللہ اعلم بالصواب۔ بندہ رشید احمد عفی عنہ۔ ۱۱ شوال ۱۳۱۶ھ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے سود خوار سے سودی روپیہ قرض لے کر اور اس میں قربانی وفطرہ کے روپیہ مخلوط کر کے ایک مسجد تیار کی، اور اس کے قریب ڈیڑھ سو ہاتھ کے فاصلہ پر دوسری مسجد موجود ہے، آیا یہ مسجد جدید حکم مسجد کا رکھتی ہے یا نہیں، اور اس میں نماز جائز ہے یا نہیں، اور اگر قرض ادا کر دے، تب

جب واقف دو آدمیوں کے سپرد ولایت کرے، یا ولایت وصی اور متولی کے سپرد ہو تو ان میں سے ایک آدمی واقف کے غلہ کو فروخت نہیں کر سکے گا۔

لکھی کیا نماز جائز ہے یا نہ۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ سودخوار سے سودی قرض لینا اور اس سے مسجد بنانا جائز نہیں ہے، کیونکہ وہ مال حرام ہے، اور مال حرام اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتا ہے، صحیح مسلم میں ہے۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ طیب لا یقبل الا طیبا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں، معنی حدیث آن است کہ چون وے تعالیٰ پاک است ورزق حلال را بسبب پاک بودن او از چرک حرمت چون بجانب اقدس او نسبتے است قابل آن است کہ بوے تقرب بجانب عزت او توان کرد وحرام کہ ضد اوست قابل آن نبود انتہی۔

اور دوسری جگہ فرماتے ہیں، از مال حرام تصدق کردن چیزے نیست وثواب ندارد، اور موطا امام مالک میں سعید بن یسار سے مرفوعا مروی ہے من تصدق بصدقۃ من کسب طیب ولا یقبل اللہ الا طیبا کانما یضعھا فی کف الرحمن محلی شرح موطا میں اس حدیث کے تحت میں مرقوم ہے فیہ نص علی ان غیر الحلال غیر مقبول انتہی اور جو مسجد حرام و ناپاک مال سے بنائی جاوے، وہ حکم میں مسجد ضرار کے ہے، جیسا کہ تفسیر کشاف ومدارک میں ہے کل مسجد بنی مباھاۃ او ریاء او سمعۃ او لغرض سوی ابتغاء وجہ اللہ او بمال غیر طیب فھو لاحق بمسجد الضرار انتہی

اور قربانی اور فطرہ کے روپیہ سے بھی مسجد بنانا شرعا ممنوع ہے، اس واسطے کہ چرم قربانی اور فطرہ حق مساکین ہے عالمگیریہ میں ہے۔ ولا یجوز ان یبنی بالزکوۃ المسجد وکذا القناطیر والسقایات واصلاح الطرقات وکری الانھار والحج والجھاد وکل ما لا تملیک فیہا انتہی۔ اور قربانی اور فطرہ کا روپیہ اگرچہ

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ پاک ہے، اور پاک چیز ہی کو قبول کرتا ہے ۱۲ [2] جو آدمی پاک کمائی سے کوئی صدقہ کرے، اور اللہ تعالیٰ پاک چیز ہی کو قبول فرماتے ہیں، پس گویا اس نے وہ صدقہ خدا کے ہاتھ میں رکھا ۱۲ [3] اس میں صراحت ہے کہ حرام غیر مقبول ہے ۱۲ [4] ہر وہ مسجد جو فخر، ریا اور سمعہ یا خدا کی رضامندی کے بغیر کسی اور غرض سے یا ناپاک مال سے بنائی جائے، وہ مسجد ضرار کے حکم میں ہے ۱۲

[5] جائز نہیں ہے کہ زکوۃ سے کوئی مسجد یا پل یا سقایے تیار کئے جائیں، یا سڑکوں کی مرمت اور نہروں کی پٹڑیاں درست کی جائیں، یا حج اور جہاد کا سامان مہیا کیا جائے علاوہ ہر وہ چیز جس میں تملیک نہیں ہے ۱۲

پاک وحلال ہے، مگر سود کے روپیہ کے ساتھ مخلوط ہونے کی وجہ سے اس کی طہارت باقی نہیں رہی، بلکہ حکم حرمت کا آگیا، الاشباہ والنظائر میں ہے اذا[1] اجتمع الحلال و الحرام غلب الحرام انتہی۔ پس عبارات بالا سے ظاہر ہے، کہ مسجد جدید حکم مسجد کا نہیں رکھتی ہے، بلکہ حکم مسجد ضرار کا رکھتی ہے، لہذا جو شخص اس میں نماز پڑھے گا، اس کی نماز صحیح نہیں ہو گی، اور اگر سود خوار کا روپیہ ادا کر دے، جب بھی اس میں نماز جائز نہیں، کیونکہ بنا مسجد کی مال حرام سے ہے، اور چونکہ مسجد جدید کے قریب دوسری مسجد موجود ہے لہذا مسجد جدید باعث ضرر مسجد قدیم ہے، اس وجہ سے بھی مسجد جدید کا بنانا، اور اس میں نماز پڑھنا جائز نہیں تفسیر کشاف میں ہے لما[2] فتح اللہ الامصار علی عمر رضی اللہ عنہ امر المسلمین ان یبنوا المساجد وان لا یتخذوا فی المدینۃ مسجدین یضار احدھما الاخر انتہی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ محمد حمید الرحمن میمن سنگ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ ایک جمعدار فوج نے خاص اپنے روپیے سے مسجد تیار کرائی، آیا وہ مسجد شرعاً حکم مسجد کا رکھتی ہے یا نہ، اور اس مسجد میں مصلیوں کے نماز پڑھنے سے اس کو ثواب ملے گا یا نہ۔ بینوا توجروا

الجواب:۔ اگر اس مسجد میں کوئی مانع شرعی نہ ہو، تو بے شک وہ مسجد شرعاً مسجد کا حکم رکھتی ہے، اور اس میں مصلیوں کے نماز پڑھنے سے اس کو ثواب ملے گا، موانعات شرعیہ یہ ہیں، کہ مال حرام سے یا زمین مغصوبہ میں بنائی گئی ہو، یا زمین مشترکہ میں بلا اجازت شریک ثانی بنائی گئی ہو، یا بقصد فخر و مباہات و ریا کے بنائی گئی ہو، یا ضرر رسانی و ضد اور مخالفت مسجد ثانی کے بنائی گئی ہو، تو ایسی مسجد شرعاً حکم مسجد کا نہیں رکھتی تفسیر مدارک میں ہے کل[3] مسجد بنی مباھاۃ او ریاء او سمعۃ او لغرض سوی ابتغاء وجہ اللہ او بمال غیر طیب فھو لاحق بمسجد الضرار اور تفسیر کشاف میں ہے عن[4] عطاء لما فتح اللہ الامصار علی ید عمر رضی اللہ عنہ امر المسلمین ان

---

[1] جب حلال اور حرام اکٹھے ہو جائیں تو حرام غالب آ جاتا ہے ۱۲ [2] جب اللہ تعالے نے حضرت عمرؓ کو فتوحات عنایت فرمائیں، تو آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا، کہ مسجدیں بنائیں، اور ایک ہی شہر میں دو مسجدیں تعمیر نہ کریں، کہ ایک سے دوسری کو نقصان پہنچے ۱۲ [3] اس کا ترجمہ پہلے گذر چکا ۱۲ [4] اسکا ترجمہ بھی گزر چکا ہے۔

يبنوا المساجد ولا يتخذ وا في المدينة مسجدين يضار احدهما صاحبه الخ
تفسیر احمدی میں ہے۔ فالعجب من المشائخ المتعصبين في زماننا يبنون
في كل ناحية مسجدا طلبا للاسم والرسم واستيلاء لشانهم واقتداء
بآبائهم ولم يتأملوا ما في هذه الآية والقصة من شناعة احوالهم
وافعالهم انتهى۔ پس اگر مسجد مذکور ان امور سے خالی ہو، اور خالص لوجہ اللہ بنائی گئی
ہو، تو بے شک وہ مسجد مسجد کا حکم رکھتی ہے، اور اس میں مصلیوں کے نماز پڑھنے سے اس
کے بانی جمعدار مذکور کو ثواب ملے گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ عبد الحق ملتانی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں کہ بنانا مسجد کا مال جنگی سے
اور نماز پڑھنا اس میں درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: جنگی عبارت ہے، مال لینا غیر کا بے رضامندی اس کے کہ وہ بجوف
سرکار دیتا ہے، سو اس قسم کا مال لینا بلاشک حرام اور ظلم میں داخل ہے، پس ایسے مال سے
مسجد کا بنانا اور اس سے امید ثواب کی رکھنی ناجائز ہے، اور معلوم کرنا چاہیے کہ غیر کا مال کھانا
بے رضامندی اس کے اس میں غیر کو ضرر پہنچتا ہے، اور حق اسلام یا حق ذمہ و عہد تلف
ہوتا ہے، اور دل اس کا جلتا ہے، جیسا کہ فتح العزیز میں تحت آیت احکام مضطر لکھا ہے، و
خوردن مال غیر بے رضامندی او ضرر ہم بآن غیر مے رسد و حق اسلام یا حق ذمہ و عہد ہم
تلف می شود و دل او ہم می سوزد انتہی۔

اور اسی تفسیر میں دوسری جگہ تقرب بخدا و ثواب جزیل میں اس طرح لکھا ہے، ہفتم آنکہ
مالے کہ بآن تقرب بخدا جوید و از بدل آن ثواب جزیل خواہد باید کہ بہترین مالہا باشد و نفیس
ترین مرغوبات انتہی۔ پس خلاصہ یہ ہے، کہ مسجد وغیرہ میں مال طیب صرف ہو، کہ یہ سبب
اس کے مستحق ثواب کا ہو، خصوصاً جنگی کے مال میں متوقع ثواب کا رہنا بے فائدہ ہے اس
واسطے کہ وہ مال ظلم کا ہے اس کے صرف کرنے میں تقرب خدا اور امید ثواب کی ہرگز نہیں

لہ ہمارے زمانے کے متعصب مشائخ سے تعجب ہے، کہ وہ اپنے نام اور مشہوری اور برتری کے لئے
آبائی رسم کے مطابق ہر گوشہ میں مسجد بنا لیتے ہیں، کیا وہ اس آیت پر غور نہیں کرتے، اور منافقین کے
حالات و افعال سے واقف نہیں ہوتے ۱۲

جیسا کہ عبارت فتح العزیز سے واضح ہو چکا، واللہ اعلم بالصواب، حررہ السید شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین — سید شریف حسین

مسئلہ: مسجد بنا کی ہوئی زانیہ کی حکم زمین منصوب میں ہے، اور پڑھنا نماز کا زمین منصوب میں مختلف فیہ ہے لیکن قول صحیح میں جائز ہے، جیسا کہ مسلم الثبوت و شرح اس کی میں مذکور ہے، اور اسی جواز پر قول امام ابو یوسف کا مذکور ہے، فتاوی عالمگیری میں ہے قال[1] ابو یوسف اذا غصب ارضا فبنی فیہا مسجدا او حماما او حانوتا فلا باس بالصلوۃ فی المسجد انتہی مافی العالمگیریۃ فی الباب الخامس فی اداب المسجد۔ اس صورت میں اس مسجد کو حکم مسجد کا ہوگا ادائے نماز میں، ہدم اس کا روا نہیں،

سید محمد نذیر حسین

سوال: - علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ مسماۃ زینب کے پاس روپیہ قطعی قسم حرام کا ہے، اس نے ایک مکان افتادہ قیمت ایک سو پچیس روپیہ کو خرید کر کے وقف کر دیا، دیگر مردمان مسلمان نے اپنا روپیہ حلال لگا کر اس مکان کی مسجد بنالی، اس کی لاگت میں تین سو روپیہ مردمان مذکور کا صرف ہوا ہے۔ عرصہ بیس سال کا ہوا کہ اس مسجد میں نماز پنج وقتہ و جمعہ پڑھتے ہیں، اب کسی شخص نے شبہ ڈال دیا کہ نماز نہیں ہوتی، اس کا جواب قرآن و حدیث سے فرمادیں، بینوا توجروا۔

الجواب: - اس مال حرام کا مساجد میں لگانا بالاتفاق ممنوع و ناجائز ہے، صحیحین میں ہے، عن[2] ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ طیب لا یقبل الا الطیب۔ جو مسجد مال حرام سے بنائی جاوے، یا اصل بقعہ زمین مال حرام سے ہو، اس میں نماز جائز نہیں، واللہ تعالے اعلم بالصواب، حررہ محمد عبد الحق ملتانی عفی عنہ

۲۹ رجمادی الاولے ۱۳۱۵ھ

سید محمد نذیر حسین

سوال: - کیا فرماتے ہیں علمائے دین صورت مسئولہ میں کہ ایک رنڈی قوم مسلمان کی اپنے دارندہ سے (کہ وہ ہندو تھا) کہا کہ میرا ارادہ ہے، کہ ایک مسجد تیار کرواؤں، اگر تیری

---

[1] امام ابو یوسف نے کہا ہے، کہ جب کوئی کسی کی زمین غصب کر کے اس میں مسجد یا حمام یا دکان بنالے، تو اس مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے ۱۲

[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالے پاک ہے، اور پاک چیز ہی کو قبول کرتا ہے ۱۲

مہربانی سے ایک مسجد تیار ہو جاوے، تو تیری مجھ پر بڑی مہربانی ہوگی، اس ہندو نے بپاس خاطر رنڈی مذکور ایک مسجد تیار کردائی، اور اس کے حوالہ کردی، اس رنڈی نے اس محلہ کے لوگوں سے کہا، کہ یہ وقف ہے، تم اس میں نماز پڑھا کرو، مگر مسلمانوں نے بسبب فرمانے بعض علماء کے کہ مال حرام سے جو جگہ تیار ہو، وہ مسجد نہیں ہو سکتی ہے، اور کافر کا مسجد بنوانا شرعاً غیر مقبول ہے بنا برآں اس مسجد میں نماز مع الکراہت جائز ہے اور ثواب مسجد کی نماز کا حاصل نہیں ہوتا ہے) اس مسجد میں نماز پڑھنے کو مکروہ تصور کرتے تھے، مگر جویاں تھے، کہ کوئی صورت جواز صلوۃ بلا کراہت کی ظاہر ہو، کہ کسی فاضل نے فرمایا، کہ جب وہ مسجد ہی نہیں، تو اس کو خرید لو، اور وقف کرکے نماز پڑھو، پس اہل محلہ نے اس کو خرید لیا اور فرش دیوار وغیرہ چھیل چھال کرا زسرنو مرمت کردائی، اور ان کا زعم یہ تھا، کہ اس عمل سے مسجد پاک ہو جاوے گی، اور نماز مشروع ہوگی، آیا اب اس مسجد میں، نماز پڑھنا شرعاً جائز ہے یا نہ، اور جائز ہے تو مسجد کا حکم اس پر درست ہو سکتا ہے یا نہ، بینوا توجروا۔

الجواب۔ واللہ الموفق للصحیح الجواب جو مسجد مال حرام سے تیار ہو، وہ ملحق بمسجد ضرار ہے، اور اس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، اور جس مسجد کو کافر بنا دے، وہ مسجد نہیں ہو سکتی یہی بہت صحیح و درست ہے، وجہ الاول ماذکر فی المدارک وغیرہ ان کل مسجد بنی مباھاۃ او ریاء او سمعۃ او لغرض اخر سوی ابتغاء وجہ اللہ او بمال غیر طیب فھو لاحق بمسجد الضرار[1] انتھی۔ و وجہ الثانی ما قال اللہ تعالیٰ ما کان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ شاھدین علی انفسھم بالکفر الایۃ والمعنی ما صح للمشرکین وما استقام لھم تعمیر المساجد حال کونھم شاھدین علی انفسھم بالکفر یعنی لا یستقیم لھم الجمع بین المتنافیین[2] عمارۃ بیت اللہ وعبادۃ غیر اللہ والمقصود منع المشرکین عن تعمیر المساجد حال کونھم علی الشرک انتھی ما فی التفسیر الاحمدیۃ۔ مگر صورت مسئولۃ الصدر

---

[1] ہر وہ مسجد جو ریا اور سنانے یا خدا کی رضامندی کے بغیر کسی اور غرض سے یا مال حرام سے تیار کی جاتے وہ مسجد ضرار کے حکم میں ہے ۱۲ [2] "مشرکوں کا کوئی حق نہیں ہے، کہ وہ کافر بنتے ہوئے اللہ کی مسجدوں کو تعمیر کریں" یعنی یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے، کہ وہ جمع بین المتنافیین کریں، کہ ایک طرف تو خالص خدا کی عبادت کے لئے مسجد بنائیں اور دوسری طرف خدا کے ساتھ شرک کریں، اور غیر اللہ کی عبادت کریں ۱۲

اس حکم سے خارج ہے کیونکہ وہ مسجد مال حرام سے اور نہ کافر کی جانب سے تیار ہوئی ہے، اس لئے کہ وہ معمر کافر اس مسجد کی تعمیر میں وکیل محض ہے، وہ اپنی جانب سے مسجد کی تعمیر کرواتا نہیں ہے، بلکہ اس مزنیہ کے حکم کی تعمیل کرتا ہے، پس معمر واقع میں وہی عورت ہے، اور وہ فی الواقع اہل تعمیر ہے اس کی تعمیر اور وقف کرنا شرعا درست ہے، کما لا یخفی، اور مال مصروفہ بھی شرعا حرام نہیں ہوسکتا، کیونکہ جو مال کہ معصیت کے ساتھ مشروط ہوتا ہے، وہ حرام ہے، اور جو مال کہ غیر مشروط بالمعصیت ہو، ہرگز حرام نہیں ہوسکتا، چنانچہ عالمگیری کی جلد خامس، کتاب الکراہیت صفحہ ۳۲۲ مطبوعہ احمدی بلدہ شاہدرہ میں مصرح ہے

عن محمد فی امرأة نائحة او صاحب طبل او مزمار اکتسب مالا قال ان کان علی شرط رده علی اصحابه ان عرفهم یرید بقوله علی شرط ان شرطوا لها فی اوله مالا بازاء النوحة او بازاء الغناء وهذا لانه اذا کان الاخذ علی الشرط کان مقابله المعصیة فکان الاخذ معصیة والسبیل فی المعاصی ردها ان عرفه وان لم یعرفه یتصدق عنه لیصل الیه نفع ماله اذا لا یصل الیه حینئذ عین ماله واذا لم یکن الاخذ علی شرط لم یکن الاخذ معصیة والدفع حصل عن المالک برضاه فیکون له ویکون حلالا له پس وہ مسجد ملحق بمسجد ضرار ہرگز نہیں ہوسکتی، اور نمازیوں کو ثواب بھی مثل اور مساجد کے حاصل ہوگا، اگر وہ مزنیہ اپنے اس مال سے جو مشروط بالمعصیت کرکے حاصل کیا تھا تعمیر کرواتی، تو لاجرم وہ مسجد ملحق بمسجد ضرار ہوتی، اور احکام اس کے اس پر عاید اور وارد ہوتے هذا ما سنح لی فی هذا المقام والله تعالیٰ اعلم بحقیقة المرام حرره الراجی عفو ربه الخلاق محمد المدعو باسحق رزق الرزاق حلاوة الایمان فی الآفاق مهتمم مدرسه احمدیه ملگام عفی عنه ۲ ربیع ادی الثانیة ۱۳۱۷ھ هجری۔ صح جواب المجیب۔ حرره محمد عبد الجمیل عفی عنه۔ الجواب صحیح سید محمد نذیر حسین

ملہ امام محمد کہتے ہیں۔ کہ اگر نوحہ کرنے والی عورت یا طبلہ یا باجا بجانے والے نے اپنی اجرت مقرر کرکے لوگوں سے مال لیا ہو، تو اس کو مال مالکوں پر واپس کرنا ضروری ہے کیونکہ وہ گناہ کی مزدوری ہے، اور اس کا علاج صرف اس کو واپس کرنا ہے اگر مالک اس کو معلوم ہوں، تو ان کو واپس کردے، ورنہ وہ مال صدقہ کردے، اگرچہ اس صورت میں ان کو اصل مال تو نہ ملے گا، لیکن اس کا ثواب ان کو پہنچ جائے گا ۱۲

الجواب صحیح سید ابوالحسن الجواب صحیح سید عبدالسلام غفرلہ

سوال:۔ بنائے پاخانہ از روئے حکم شرع کے بر دیوار و بنائے مسجد بعد اتمام کے درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ہر قسم بنائے بلکہ چوب بنا بعد اتمام کے اس پر رکھنا ناجائز و نا درست ہے۔ فمن بنی بیتا علی جدار المسجد وجب ھدمہ ولا یجوز اخذ الاجرۃ ولا یجوز للقیم ان یجعل شیئا من المسجد مستقلا و مسکنا۔ اور صدر عبارت یہ ہے۔ ولو بنی فوق المسجد بیتا للامام اوغیرہ من الموقوف علیھم فانہ لا یضر فی کونہ مسجدا لانہ من المصالح ولکن ھذا لو کان قبل ان یخلی بینہ وبین الناس واما لو اراد بعد ذلک فلیس لہ ان یبنی واذا قال عنیت بنائہ حین بناء المسجد فانہ لا یصدق کما فی التاتارخانیۃ فاذا کان ھذا فی الواقف فکیف بغیرہ الدرالمختار لو تمت المسجدیۃ ثم اراد البناء منع ولو قال عنیت ذلک لم یصدق تتارخانیۃ فاذا کان ھذا فی الواقف فکیف بغیرہ فیجب ھدمہ ولو علی جدار المسجد الدرالمختار۔ جاز وضع الجذوع علی جدار المسجد فی روایۃ عنہ والجواب ان لاحق لہ فی وضع الجذوع بل فی الانتفاع بالتعبد فیہ ولھذا لو اشتغل فیہ بما لا یجوز منع وفی روایۃ اخری لو افتنا شرح بیتا بیع۔ رجل اخرج من دارہ مسجد الیس لہ ان یضع جذوعہ الا ان یکون اخرجہ وعلیہ جذوعہ خزانۃ المفتین۔ ولا یجوز وضع الجذوع علی حائط المسجد وان کان لمن وقف خزانۃ۔ لان البناء وان لم یکن

لہ اگر کوئی آدمی مسجد کی دیوار پر اپنا مکان بنائے، تو اس کا گرانا ضروری ہے مسجد کے متولی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ مسجد میں کوئی مستقل جگہ مقرر کرے، یا کوئی گھر بنائے، اگر مسجد کی اصلاح کے لئے امام یا خادم کا مکان مسجد کے اوپر بنایا جائے، تو جائز ہے بشرطیکہ واقف (وقف کرنے والے) نے مسجد کی تعمیر سے پہلے اس کا اعلان کر دیا ہو، اور اگر اس کے بعد ارادہ کرے، تو جائز نہیں ہے، اگر کہے کہ میری نیت پہلے ہی سے تھی، تو اس کی بات تسلیم نہ ہوگی، وقف کرنے والے پر اگر اتنی پابندی ہے، تو دوسرے کسی آدمی کو کیسے حق پہنچ سکتا ہے، اگر کوئی مکان مسجد کی دیوار پر بنا لیا گیا، تو اس کو گرانا ضروری ہے، مسجد سے عبادت کے سوا اور کوئی فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے، اگر کوئی مسجد کی دیوار پر اپنا شہتیر رکھنا چاہیئے، تو اس کو کوئی حق نہیں، اگر عبادت

مسجد احقیقۃ ولکن اذا وصل بالمسجد یصیر منہ ذخیرہ۔ البناء وان لم یکن مسجدا یصیر تبعا للمسجد عندہ الا تری ان البناء حالۃ الاتصال یستحق بالشفعۃ تبعا للبقعۃ فیکون بناء المسجد بمنزلۃ جزء من المسجد قاضی خان۔ فمن بنی بیتا علی جدار المسجد وجب ھدمہ البحر الرائق مواہیر علمائے لکھنؤ کہ واقعی بنائے پاخانہ بر دیوار و بنائے مسجد بعد اتمام درست نہیں۔ واللہ علیم۔ حررہ ابو الاحیاء محمد نعیم غفر لہ العلی الرب الکریم

صح الجواب۔ واللہ اعلم۔ حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی [ابو الحسنات محمد عبد الحی ۱۲۹۵]

صحت الاجوبۃ الثلاثۃ۔ حررہ ابو المکرم محمد اکرم تجاوز اللہ تعالی عما جرم [ابو المکرم محمد اکرم ۱۲۹۶]

ما حرر فی ھذا الکتاب حق صدق صواب۔ غفر خادم الطلبۃ ابو الغنا محمد عبد المجید غفر لہ الوحید [ابو الغناء محمد عبد المجید ۱۲۹۲]

ھو العلی الرب الحکیم الحلیم الاجوبۃ الثلثۃ ھکذا فی الکتب الفقہیۃ للہ در المجیب واللہ اعلم وحکمہ احکم حررہ العبد الآسی النفسی الاثیم خادم العلماء والفقراء ابو الحیاء محمد عبد الحلیم عفا اللہ عنہ الکریم من مقام دار العلوم فرنگی محل من محلات بلدۃ لکھنؤ۔

[سنہ ۱۲۸۴ ہجری — ھو العلی الرب الحکیم عبد الاثیم خادم العلماء والفقراء ابو الحیاء محمد عبد الحکیم عفی عنہ اللہ الکریم سنہ ۱۸۶۷ء]

کے سوا کوئی اور کام مسجد میں کرنا چاہے، تو اس کو روک دیا جائے گا۔ اگر کوئی آدمی اپنے گھر کی زمین سے کچھ حصہ مسجد کے لئے الگ کر دے، تو وہ بھی مسجد کی دیوار پر اپنا شہتیر نہیں رکھ سکتا۔ ہاں اگر پہلے ہی سے اس دیوار پر شہتیر ہو تو جائز ہے اس لئے کہ اگرچہ وہ حصہ پہلے مسجد نہیں تھا، لیکن اب مسجد بن گیا۔ حقیقت میں مسجد زمین کا نام ہے عمارت اس کے تابع ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے، کہ مکان کی فروخت پر زمین کے اتصال کی وجہ سے ہمسایہ کو شفعہ کا حق پہنچ جاتا ہے اور اگر صرف زمین ہو، تو بھی شفعہ کا حق پہنچتا ہے، تو معلوم ہوا کہ عمارت زمین کے تابع ہے ۱۲

مواہیر علمائے رامپور:۔ فہذہ الاجوبۃ الثلاثۃ عین الصواب ومن خالف فقد ضل ضلالا مبینا۔ محمد عبد العلی عفا اللہ عنہ مدرس اول مدرسہ رامپور۔ ھذہ الاجوبۃ الثلاثۃ صحیحۃ۔ حررہ محمد تفضل حسین خان رامپوری

مواہیر علمائے دہلی

سید محمد نذیر حسین دہلوی | حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ

زشرف سید کونین شد شریف حسین دہلوی

عبد الغفور ۱۲۸۸ | بہ طفیل نبی الٰہی بخش | محمد عبد القادر دہلوی

محمد عبد العزیز غازیپوری | المعتصم بحبل اللہ الاحد ابو البرکات حافظ محمد

محمد عبد الحمید ۱۲۹۳ جلیسری | سید احمد حسن | شہاب الدین ۱۲۸۸

محمد عبد الغفار ۱۲۸۸ | حفیظ اللہ ۱۲۸۸ | اعظم گڈھی | نعم المولیٰ ونعم النصیر ۱۲۹۲

ہست منصور علی از احمد م ۱۲۷ دہلوی | جہاں شد منور ز نور الحسن ۱۲۹۲

خادم شریعت رسول الثقلین محمد تلطف حسین | ابو محمد منصور علی سیفی

محمد عبد العزیز

مواہیر علمائے مرادآباد:۔ لما وجدت تلک الروایات صریحۃ فی عدم جواز البناء وبناء بیت الخلاء علی المسجد وفنائہ فلھذا اقول ان المخالف عن تلک الروایات مخالف عن الحق الصریح ومنحرف عن الطریق القویم واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم وھو ملھم الحق والصواب والیہ المرجع والمآب فی کل فصل وباب۔ العبد الضعیف تراب اقدام الکل محمد گل المتوطن کا ملی صانہ اللہ عن شر الجزء والکل

قد اصاب المجیب الی الصواب ولہ اجر عند الوھاب علی انہ اخذ بایدی المضلین وھداھم الی حق الیقین والحق ان ذلک فضل اللہ الملھم العلی لا یعطیہ للفتان المدعی۔ العبد المذنب المتمنی لرحمۃ رب الزمن محمد المدعو بسید حسن غفر اللہ لہ ولوالدیہ

اجاب المجیب بالحق الذی ھو احق بالاتباع ومن خالف عن ھذا الجواب لا برھان لہ سوی الاختراع۔ سید حسین صانہ اللہ عن کل شین

اصاب من اجاب۔ محمد مجید الدین۔ ھذا ھو الحق والحق

بالاتباع حقیق۔ سید محمد عبد الرشید الجواب صحیح۔ محمد حسین تمنا

ھذا الجواب صحیح لا ریب فیہ۔ سید مظہر حسین عفی عنہ۔ ھذا الجواب حق۔ شرافت علی۔

لما رأیت تلک الروایات من اولھا الی اخرھا الواجد فیھا سوی احقاق الحق وابطال الباطل شیئا فاسأل اللہ تعالی ان یعطی الاجر لمؤلفھا ویھدی السبیل الی مخالفھا ان اللہ علی کل شئ قدیر وھو بالاجابۃ جدیر۔ احمد حسن خان صانہ اللہ عن شرور الزمان ومحن الدوران

الجواب صحیح۔ محمد علی اصاب من اجاب فضل الرحمن عفی عنہ

اعلم ان کل واحد من ھذہ الروایات المذکورۃ فی ھذا الکتاب مثبت للحق ومظھر نور الحق المترجی لرحمۃ ربہ الکریم الجواب المذکور حق و مظھر للصواب بل مزیل للشک ومفید الاذعان ھذا لمن کان علی صراط العدل والمیزان معرضا عن الجادلۃ والمکابرۃ المروجتین فی ھذہ الزمان و مفوضا عنان العنایۃ الی الحق ومحترزا عن البطلان۔ العبد الراجی الی غفران الرب المنان محمد عثمان خان صانہ اللہ عن آفات الدوران

ھذا الجواب حق ومخالفہ باطل لا طائل تحتھا۔ العبد الراجی الی غفران رب الرحیم محمد عبد الکریم۔

الجواب المذکور حق صحیح لا شک فی صحۃ ھذا الجواب المذکور واللہ یھدی من یخالفہ الی الصراط المستقیم۔ نمقہ رحمت علی عفی عنہ

ھذا ھو الحق المطاع والحق احق بالاتباع۔ حررہ علی حسن عفا اللہ الرب الزمن۔

ھذا ھو الجواب الصحیح فمن انکر فقد ارتکب القبیح۔ کتبہ المفتقر الی اللہ محمد عبد اللہ اوصلہ اللہ الی ما یتمناہ

ھذا لا یتجاوز عنہ الحق۔ محمد تصدق حسین عفی عنہ

رأیت ھذا اولا واخرا فما وجدتہ مخالفا للکتب الحنفیۃ باطنا وظاھرا محمد حبیب اللہ اعظم گڈھی۔

الجواب صحیح۔ کتبہ عباد اللہ پشاوری۔ الجواب مطابق بالکتاب۔ عبد الرحمن پشاوری
والحق ان الروایات المذکورۃ تھدی المضل سبیلا ومثبتۃ لحرمۃ
المساجد وزناد ھا ومانعۃ عن جواز البناء عموما وعن بیت الخلاء خصوصا
فیما دالمخالف عنہا مخالف عن الصراط المستقیم لانہ ضال ویضل العالم
جمیعا ومثلہ کمثل الحمار یحمل اسفارا۔ محمد عبد العظیم اوصلہ اللہ الی مایتمنا
والحق ان الروایات المکتوبۃ فی ھذا الکتاب موافقۃ لما نقلت عنہا
ومظھرۃ للصواب والحق ان الحق لابد لکل احد ان یجعلہ المرجع والمآب
واللہ الھادی الی کل فصل وباب۔ محمد حسین الحسنی القدوسی خلیفہ جناب
حافظ شاہ علی حسین شاہ صاحب چشتی قدوسی

نقل اصاب المجیب فی الاجوبۃ الثلاثۃ۔ نمقہ محمد شکر اللہ اوصلہ الی
غایۃ متمناہ ہذا ھو الحق والحق احق بالاتباع۔ عبد الغنی اکبر آبادی

ان العلماء قد اصابوا فی الاجوبۃ الثلاثۃ وذلک ھو الحق المبین
ظھور حسن بند کا خاکسار

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد شہید کردی ہو انگریزوں نے اور عملہ اس کا متولی مسکین کو دے دیا ہو، اب متولی مسکین اس عملہ کو فروخت کرکے اپنے نان و پارچہ میں خرچ کرے یا نہیں، اور متولی اس قدر محتاج ہے، کہ نوبت فاقہ کی گذرتی ہے، اور پارچے بہت تنگ ہے، اور تمام مسجدیں اس جگہ پختہ ہیں، کوئی ایسی مسجد نہیں کہ اس پر خرچ کیا جاوے وہ عملہ، اور مبلغ تیئس روپے اس عملہ کے وصول ہوتے
بینوا توجروا۔

الجواب: درصورت مرقومہ واضح ہو کہ مبلغ تیئس روپیہ جو متولی مذکور کو بابت عملہ مسجد وصول ہوئے، اس کو اپنے صرف میں لانا ان کا شرعاً جائز نہیں ہے، بلکہ اس کو چاہیے کہ مبالغ مذکورہ کو اس جگہ کی کسی مسجد میں لگا دیوے، اور مرمت کرادے، اور اگر وہاں حاجت نہ ہو مرمت کی، تو اور جگہ کی کسی مسجد کی مرمت وغیرہ میں صرف کردے اور اپنے کام میں وہ روپیہ نہ لاوے، اور چونکہ حاکم شرع کا موجود نہیں، تو متولی مذکور اس روپیہ کو امانت رکھے، جب تک کہ وہ مسجد میں صرف نہ کرے، ہدایہ کی کتاب الوقف میں ہے،

وما[1] ھدم من بناء الوقف وآلته صرفہ الحاکم فی عمارۃ الوقف ان احتاج الیہ وان استغنی عنہ امسکہ حتی یحتاج الی عمارتہ فیصرفہ فیھا لانہ لابد للعمارۃ لیبقی علی التابید فیحصل مقصود الواقف الخ حررہ السید شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے مسجد چھاؤنی میں بنوائی، اور اسے ایک متولی مسکین کو دے دی، اور کہا کہ تم اس کی با ختیار خود خدمت کرو، جب چھاؤنی اس جگہ سے انگریزوں نے توڑ ڈالی، اور مسجد بھی ساتھ ہی ٹوٹ گئی، اور متولی نان و نفقہ سے تنگ ہے، جو عملہ مسجد مذکور کا ملے، اس کو فروخت کرکے اپنے کام میں لادے یا نہیں؟

الجواب:۔ درصورت مرقومہ معلوم کرنا چاہیئے، کہ مسجد مذکور کو جو انگریزوں کے منہدم کر دیا ہے، حقیقت میں وہ مسجد حکم مسجد کا نہیں رکھتی، کیونکہ بنا اس کی سرکاری زمین یعنی چھاؤنی کی زمین پر تھی، تو بقاء حق العباد ساتھ اس کے متعلق تھا، پس وہ مسجد خالصاً للہ نہ ہوئی تو اس حالت میں بیع عملہ کی واسطے مالک کے جائز ہے شرعاً، جیسا کہ ہدایہ سے واضح ہے ومن[2] جعل مسجدا تحتہ سرداب او فوقہ بیت وجعل باب المسجد الی الطریق وعزلہ عن ملکہ فلہ ان یبیعہ وان مات یورث عنہ لانہ لم یخلص للہ تعالی لبقاء حق العبد متعلقا بہ کذا فی الھدایۃ۔ پس اول مستحق اس عملہ کا مالک ہے اور وہ جو مر گیا ہو تو وارث اس کے مستحق ہوں گے، اور جو وہ بھی نہ ہوں مر گئے ہوں، تو بلاشک متولی مسکین عملہ مذکور کو فروخت کرکے اپنے کام میں لادے، واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ سید محمد شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

---

[1] اگر کوئی وقف کی عمارت گر جائے، تو اس کے سامان کو حاکم وقت وقف کی عمارت میں خرچ کرے، اور اس کی ضرورت نہ ہو، تو اسے اپنے پاس امانت رکھے، جب عمارت کی ضرورت پڑے تو پھر اس کو خرچ کرے، کیونکہ عمارت کا ہمیشہ تک رہنا ضروری ہے، تاکہ واقف کا مقصود حاصل ہو ۱۲ [2] اگر کوئی مسجد بنائے، اور اس کے نیچے اس کا تہ خانہ ہو، یا اوپر کوئی مکان ہو، اور اس نے مسجد کا دروازہ راستہ کی طرف کھول دیا ہو، اور اپنی ملکیت سے الگ کر دیا ہو، تو اس کو حق پہنچتا ہے، کہ اس مسجد کو بیچ سکے، اگر وہ مر جائے، تو وہ ورثہ میں چلی جائے گی کیونکہ وہ خالص اللہ تعالےٰ کے لئے نہیں ہے، اس کے ساتھ بندے کا حق ابھی تک متعلق ہے ۱۲

سوال:۔ ایک شخص نے زمین دوسرے کی کرایہ پر لی، اور اس پر مسجد تعمیر کی، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ حکم ایسی مسجد کا یہ ہے، کہ وہ شرعی مسجد نہیں اس واسطے کہ اس میں بقا حق العبد پایا گیا ہے، خالصاً اللہ کے واسطے نہیں، جیسا کہ ہدایہ سے مستفاد ہے، عبارتہا ہٰکذا ومن جعل مسجد اتحتہ سرداب او فوقہ بیت وجعل باب المسجد الی الطریق وعزلہ عن ملکہ فلہ ان یبیعہ وان مات یورث عنہ لانہ لم یخلص للہ تعالیٰ لبقاء حق العبد متعلقا بہ کن انی الھدایۃ۔ پس معلوم کرنا چاہیئے، کہ اگرچہ صورت کتاب علیحدہ ہے صورت سوال سے الا نتیجہ دلیل کے دونوں مشترک ہیں، اور مسجد میں جو فضیلت نماز کی ہے، وہ اس میں نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب، حررہ سید شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسئلوں میں کہ بعض مساجد میں مثل جامع مسجد وغیرہ کے صلوٰۃ تراویح وجمعہ وعیدین کے لئے جگہ روکنا جیسا کہ عام دستور اس شہر میں ہے، کہ جو شخص آتا ہے، وہ دوپٹہ یا پگڑی یا چادر وغیرہ ڈال کر اپنے احباب کے واسطے جو ابھی تک مسجد میں نہیں آئے ہیں، ان کے لئے دور تک جگہ روک لیتا ہے، اور دوسرے شخص کو اس جگہ بیٹھنے نہیں دیتا، اور اگر کوئی اس جگہ بیٹھ جاتا ہے تو اس سے جھگڑتا ہے، اور لڑتا ہے اور مار پیٹ اور خون نکلنے تک نوبت پہنچتی ہے، یہ امر جائز ہے یا نہیں، اور جگہ روکنے والا عند الشرع الشریف گنہگار ہوتا ہے یا نہیں؟

دوسرا یہ کہ کوئی شخص مسجد میں آکر بیٹھا، اور پھر کسی حاجت شرعی یا اور کسی واسطے اٹھ گیا، اور کپڑا وغیرہ صرف اپنی ہی جگہ پر چھوڑ گیا جتنے میں جگہ میں بیٹھا تھا، اس لئے کہ وہی شخص اس جگہ کا مستحق ہے اور دوسرے شخص کو نہیں بیٹھنے دیتا یہ امر جائز ہے یا نہیں۔ ونیز امام ومتولی ومہتمم مسجد جن کو اختیار ہے کہ ایسی خلاف حرکات سے نمازیوں کو روک سکتے ہیں بالکل اس طرف توجہ نہیں کرتے۔ ان کے حق میں شرع شریف کیا حکم دیتی ہے۔ بینوا بالکتاب وانتونا لکم الثواب فی یوم الحساب۔

الجواب:۔ ان الحکم الا للہ سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا۔ اس طرح

۱؎ اس کا ترجمہ کئی مرتبہ پہلے گذر چکا ۱۲

جگہ روکنا مساجد میں ہرگز جائز نہیں، اور ایسے کام کرنے والا خطاکار و گنہ گار ہے، اس لئے کہ مساجد سب خاص حق تعالےٰ شانہ کی ہیں، ان میں کسی کا استحقاق دوسرے سے زیادہ نہیں، سب برابر ہیں قال اللہ تعالیٰ وان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احدا وقال اللہ تعالیٰ سواء ن العاکف فیہ والباد ومن یرد فیہ بالحاد بظلم نذقہ من عذاب الیم۔ پس کوئی شخص سبقت کرکے آیا، تو بقدر اپنے جلوس کے جس محل میں بیٹھ گیا، اس محل کا مستحق ہوگیا، کہ کسی کو اس کا اٹھانا یا وہاں سے درست نہیں، اور اگر وہ زیادہ جگہ روکے گا، تو البتہ اس کو دوسرا آنے والا لے گا، کیونکہ حصر اس کا اس کو جائز نہیں، کہ وہ حق دوسرے حاضر ہی کا ہے، چنانچہ حدیث بخاری و مسلم کی ناطق ہے۔ وھو قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقیمن احدکم اخاہ یوم الجمعۃ ثم یخالف علی مقعدہ فیقعد فیہ ولکن یقول تفسحوا متفق علیہ۔ پس اول منطوق حدیث سے استحقاق سابق کا، اور اس کو اٹھانے کی حرمت ثابت فرمائی، اور آخر حدیث سے زیادہ جگہ لینے کی ممانعت سابق کو، اور اس زیادہ کا لے لینا دوسرے حاضر کو ارشاد فرمایا، کیونکہ اگر زیادہ کا کوئی اور مستحق نہ ہوتا، تو کلمہ تفسحوا کہہ کر کس طرح اپنی جگہ اس سے نکال سکتا، کہ وہ پہلے سے آیا ہوا تھا، پس ظاہر ہوگیا، کہ اگر زائد جگہ کہیں ہو، تو حاضر اس کو لے لیوے، کیونکہ حاضر اس کا مستحق ہے، اور سوائے اس دلیل قوی کے اور دلیل محکم امر مسئول میں یہ بھی ہے، کہ ایک وقت جب صحابہ رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب خاص میں آپ کے لئے منیٰ میں مکان بنانے کو عرض کیا، تو آپ نے فرمایا لا منی مناخ من سبق یعنے میرے لئے مکان مت بناؤ، کہ منیٰ فرودگاہ ہر سابق کے لئے ہے، اور در صورت بنانے مکان کے تخصیص بانی کی ہو جاتی ہے اور حصر محل کا قبل از حضوری حاضر لازم آتا ہے، اور منیٰ اس حکم مساوات تصرف عامہ میں مثل مسجد کے ہے کما لا یخفی علی الماہر الفطین۔

پس ظاہر ہوا کہ ایسے اکنہ یعنے مکانوں میں کسی کو پہلے سے جگہ روکنا روا نہیں، جو شخص آتا

لہ مسجدیں اللہ تعالیٰ کی ہیں، سو تم اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارا کرو۔ اس میں رہنے والے اور باہر سے آنے والے سب برابر ہیں، اور جو اس میں ظلم کی وجہ سے ٹیڑھا ہونے کا ارادہ بھی کرے، تو ہم اس کو دردناک سزا دیں گے ۱۲

سلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جمعہ کے روز کوئی آدمی تم میں سے اپنے بھائی کو اٹھا کر اس کی جگہ میں نہ بیٹھے، ضرورت ہو تو فراخ ہو جایا کرو ۱۲

جائے اپنی جگہ لیا جائے، نہ یہ کہ اپنے اقارب و احباب کے لئے جائے خاص کر رکھے، اور کپڑے ڈال کر رو کے رکھے، کیونکہ یہ فعل ایک نوع کا ظلم ہے، دیکھو تو کہ خود حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی ذات پاک کے لئے اس کو پسند نہیں فرمایا۔ پھر اور کسی کی تو کیا حقیقت ہے اور مار پیٹ آپس میں خاص ایسے امکنہ مبارکہ میں کرنے اور خون جاری کر دینا، تو سراسر نفس و شیطان کی پیروی ہے، اور شناعت اور حرمت اس کی ظاہر ہے۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔

جواب مسئلہ ثانیہ کا یہ ہے، کہ جو شخص پہلے سے آکر بہ ضرورت کے لئے اپنا کپڑا رکھ کر چلا جاوے، سو اگر یہ شخص حاجت ضروری قریب کے لئے مثلاً وضو یا استنجا کرنے کو گیا ہے تو البتہ یہ مستحق اس جگہ کا اول ہو چکا تھا، اب بھی وہی احق ہے یعنی حق دار ہے، بدلیل محکم حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام الرجل عن مجلس ثم رجع الیہ فھو احق بہ رواہ ابوداؤد فی سننہ[1] ہاں اگر وہ بھی جگہ کو حبس کر کے اپنے اور کاروبار اور کیر و دار دنیاوی کے لئے چل دیا تو اب وہ مستحق نہ رہا، بلکہ مثل اور غیر حاضرین کے ہے، چنانچہ حدیث بنا ر منی سے معلوم ہو سکتا ہے۔

لہذا اس کے مخفی نہ رہے، کہ جب یہ امور منکرہ شنیعہ قبیحہ مساجد میں سرزد ہوتے ہیں اگر متولی مسجد یا امام اور مہتمم اس کے جو ایسے امور کے دفع کرنے اور رد کرنے پر قادر ہیں اور جان کر ان کا ازالہ اور رد نہ کریں، تو وہ بھی گنہ گار اور ماخوذ ہوں گے۔ لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام ما من رجل فی قوم یعمل فیھم بالمعاصی یقدرون علی ان یغیروا علیہ ولا یغیرون الا اصابھم اللہ منہ بعقاب قبل ان یموتوا رواہ ابوداؤد[2]۔ پس ہر شخص قادر پر اصلاح اور ازالہ اس فساد کا لازم ہے، واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ حررہ الفقیر محمد حسین عفا اللہ عنہ [فقیر محمد حسین]

الجواب حسن۔ فقیر محمد مسعود نقشبندی دہلوی امام مسجد فتحپوری

جواب ہذا صحیح ہے۔ حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ دہلوی۔ مجیب نے جواب صحیح و درست لکھا ہے ایسا ہی فتاویٰ عالمگیریہ میں بھی ہے، حررہ محمد یسین الرحیم آبادی ثم العظیم آبادی۔

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب کوئی آدمی اپنی جگہ سے اٹھے اور پھر واپس آجائے، تو وہ اس جگہ کا زیادہ حق دار ہے ۱۲

[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی آدمی کسی قوم میں رہ کر گناہ کرے اور وہ اس کو روکنے پر قادر ہوں اور پھر بھی نہ روکیں، تو اللہ تعالیٰ ان کو مرنے سے پہلے پہلے اس کی سزا ضرور دیں گے ۱۲

اصل الجواب صحیح۔ حررہ الفقیر الحقیر محمد شاہ عفی عنہ مدرس مدرسہ مسجد فتحپوری دہلی

ہست امید دو جہان محمد شاہ ۱۲۵۳	دارد امید شفاعت ز محمد یعقوب	فقیر محمد یعقوب

عفا اللہ عنہ الذنوب الجواب صحیح والرائے نجیح۔ حررہ ابو محمد عبد الرؤف (البہاری)

سید محمد عبد السلام غفرلہ	سید محمد ابو الحسن	عبد الرؤف ۱۳۰۲

خادم شریعت رسول الاداب ابو محمد عبد الوہاب	خادم شریعت رسول الثقلین محمد تلطف حسین ۱۲۹۲

الجواب صحیح۔ محمد طاہر سلہٹی المسئلۃ صحیحۃ والمجیب نجیح۔ محمد عبد الرب ۱۲۹۰

سید محمد نذیر حسین

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ زید نے عمرو سے مسجد اور کنواں بنانے کے لئے زمین مانگی، عمرو نے زمین مسجد اور کنویں کے لئے وقف کر دی، پھر اس زمین میں مسجد اور کنواں تیار ہو گیا، بعد مدت کے وہ مسجد مسمار ہو گئی، مگر کنواں موجود ہے، پھر زید بانی مسجد وچاہ اور عمرو واقف زمین دونوں مر گئے، بعدہ عمرو کی زوجہ نے وارث بن کر اس زمین مسجد ویران کو مع چاہ فروخت کر دیا، بکر مشتری نے اس زمین پر مکان بنا لیا، اور چاہ وقف شدہ کو جو فیض عام تھا، مقیم اور مسافر اور مواشی اس سے پانی پیتے تھے، اپنے مکان میں لے لیا، تو اس صورت میں زمین ویران مسجد اور چاہ فروخت کرنا، یا خرید کرنا شریعت غرائے محمدیہ میں درست ہوا یا نہیں (افتونا لکم الثواب)

الجواب۔ ان الحکم الا للہ مسجد اگر منہدم اور ویران ہو جائے، اور اس کا نام ونشان بھی نہ رہے، تب بھی وہ زمین مسجد کی تا ابدالآباد مسجد ہی رہتی ہے، اور وقف ہونے سے خارج نہیں ہوتی، اور بیع وشرا اس کی حلال نہیں ہے علی الاصح اگر واقف مر جائے، تو اس کے وارثوں کی ملک میں نہیں آتی۔ فی مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر واذ صح الوقف ای لزم الموقف فلا یملک مبنی للمفعول ای لا یکون مملوکا لاحد اصلا ولا یملک مبنی للمفعول من التفعیل ای لا یقبل التملیک لغیرہ بوجہ من الوجوہ وفی فتاوی الحامدیۃ لابن عابدین وبیع الموقف لا یصح وفی کتاب الاسعاف فی احکام

لہ جب وقف صحیح ہو جائے، تو وہ کسی کی ملکیت میں نہ آئے گا، وقف کی بیع درست نہیں، اگر کوئی مسجد ویران ہو جائے، اور آبادی وہاں سے اٹھ جائے، تو پھر بھی وقف زمین یا وقف کی ملکیت نہیں بن سکے گی ۱۲

الاوقاف للشیخ الامام برھان الدین ابراھیم بن موسی ولو خرب المسجد ماحولہ وتفرق الناس عنہ لا یعود الی ملک الواقف۔ پس یہ بیع نادرست ہوئی، اور مشتری اس کا مالک نہیں ہوا، اور وہ مکان منہدم ہونا چاہیئے، اور اس زمین کا احاطہ بناکر محفوظ رکھنا چاہیئے، کہ تلوث نجاسات سے محفوظ رہے، اور کنواں اپنی حالت پر رہے یعنی جیسا کہ مسجد کی آبادی کے وقت فیض عام تھا، اور خلق اللہ اس سے نفع لیتے تھے، اسی طرح چھوڑا جائے۔ اور جس مکان نے اس کو روک لیا ہے، وہ مکان منہدم کیا جائے، کہ وہ کسی کی ملک نہیں ہو سکتا واللہ اعلم بالصواب، حررہ الفقیر محمد حسین عفا اللہ عنہ۔ نقیر محمد حسین ۱۲۷۳ یقال لہ ابراہیم

سید محمد نذیر حسین ابو عبد عبد القدوس بن عبد اللہ الغزنوی۔ ھذا صحیح بلا مریۃ

محمد محمود سبحان الملک القدوس لاریب فی صحتہ ابو تراب عبد التواب

الجواب صحیح۔ حررہ ابو عبد الرحمن محمد عفی عنہ

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں متولی یا منتظم مسجد یا اہل محلہ دوسرے محلہ کے مسلمانوں اہل سنت کو خصوصاً جو لوگ نماز میں رفع الیدین اور آمین پکار کر اپنے رسول کا طریقہ سمجھ کر کرتے ہیں ان کو اس فعل مذکور کے کرنے سے روک سکتے ہیں یا نہیں، اور یہ لوگ آمین ورفع الیدین نماز میں کرنے والے مسجد میں نماز پڑھنے کا حق رکھتے ہیں یا نہیں، اور رفع الیدین اور آمین پکار کر کہنے سے رفع الیدین نہ کرنے والوں اور آمین پکار کر نہ کہنے والوں کی نماز میں حرج آتا ہے یا نہیں۔

الجواب:۔ درصورت مرقومہ معلوم کرنا چاہیئے، کہ مسجد کسی کی ملک نہیں ہے، اس پر کل مسلمانوں کا حق ہے، اور سب نماز پڑھنے کے اس میں مجاز ومختار ہیں، کوئی کسی کو روک نہیں سکتا، خواہ اس میں کوئی آمین رفع یدین کرے یا نہ کرے، سب کا حق اس میں واسطے نماز کے متعلق ہے۔ علاوہ اس کے خود بانی مسجد کسی کو روک نہیں سکتا، پھر متولی اور منتظم وغیرہ کو کیا اختیار، اگر مسجد کا بانی اس ارادہ سے مسجد تعمیر کرے، کہ سوائے اہل محلہ کے دوسرے محلہ والے اس میں نماز نہ پڑھیں، تو یہ ارادہ اس کا شرعاً لغو وباطل ہے، بلکہ اہل محلہ اور غیر اہل محلہ سب اس میں نماز پڑھنے کا اختیار رکھتے ہیں، اور روکنا مسجد سے نمازی کو گناہ کبیرہ ہے، اور اصرار اس پر کفر ہے، جیسا کہ نہایہ حاشیہ ہدایہ اور فتاوے عالمگیری اور البحر الرائق وغیرہ میں مذکور ہے۔

وفی النہایۃ[1] وکان المتقدمون یکرھون شد المصاحف واتخاذ المشدۃ لہا کیلا یکون ذلک فی صورۃ المنع من قراءۃ القرآن فھذا مثلہ او فوقہ لان المصحف ملک لصاحبہ والمسجد لیس بملک لاحد انتہی. واعجب من ذلک انہ اذا غضب علی شخص یمنعہ من دخول المسجد خصوصا بسبب امر دنیوی وھذا کلہ جھل عظیم ولا یبعد ان یکون کبیرۃ فقد قال اللہ تعالی وان المساجد للہ وما تلوناہ من الآیۃ السابقۃ فلا یجوز لاحد مطلقا ان یمنع مومنا من عبادۃ یاتی بہا فی المسجد لان المسجد ما بنی الا لہا من صلوۃ واعتکاف وذکر شرعی وتعلیم علم وتعلمہ وقراءۃ القرآن کذا فی البحر الرائق وغیرہ فی الہندیۃ کما لو بنی مسجدا لاھل محلۃ وقال جعلت ھذا المسجد لاھل ھذہ المحلۃ خاصۃ کان لغیر اھل المحلۃ ان یصلی فیہ ھکذا فی الذخیرۃ انتہی ما فی العالمگیریۃ وغیرھا

اور آمین و رفع یدین احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں، کما لا یخفی علی الماہر بالصحاح الستۃ اور علمائے حنفیہ بھی ان کے صحیح ہونے کے قائل ہیں، اور فقہا نے بھی لکھا ہے، کہ آمین و رفع الیدین مفسد صلوۃ نہیں ہیں، پس عاملین بالحدیث کو مسجد میں نہ جانے دینے کی کیا وجہ سوائے عداوت و تعصب مذہب کے اور کوئی وجہ نہیں ہے۔ قال فی رفع الیدین وعدمہ[2] والکل سنۃ واخذ بکل واحد جماعۃ من الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم وھذا احد المواضع التی اختلف فیہا الفریقان اھل المدینۃ

---

[1] متقدمین قرآن مجید کو غلاف میں بند کرنا مکروہ سمجھتے تھے، تاکہ تلاوت قرآن سے منع کی صورت نہ بن جائے اور مسجد سے روکنا تو اس سے بھی بدتر ہے، کیونکہ قرآن تو کسی آدمی کی ملکیت ہوتا ہے، اور مسجد کسی کی ملکیت نہیں ہوتی اور اس سے بڑھ کر تعجب کی بات یہ ہے کہ کسی آدمی کو مسجد میں داخل ہونے سے روکا جائے، خصوصاً کسی دنیوی عداوت سے یہ سب جہالت کی باتیں ہیں، اور کچھ بعید نہیں کہ یہ کبیرہ گناہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مسجدیں اللہ کی ہیں، تو کسی آدمی کو جائز نہیں کہ کسی مسجد سے مسلمان کو عبادت کرنے سے روکے، کیونکہ مسجدیں تو بنائی ہی اس لئے جاتی ہیں، مثلاً نماز، اعتکاف، شرعی تعلیم و تعلم اور قرآن کی تلاوت کے لئے، اگر کوئی آدمی کسی خاص محلہ والوں کے لئے مسجد بنائے، تو دوسرے محلہ والوں کو بھی حق پہنچتا ہے، کہ اس میں آکر نماز پڑھ لیں ۱۲

[2] رفع یدین کرنا اور نہ کرنا دونوں سنت ہیں، اور ہر ایک مسلک کو صحابہ، تابعین اور بعد کے لوگوں کی ایک جماعت

والکوفۃ ولکل واحد اصل اصیل والحق عندی فی مثل ذلک ان الکل سنۃ ونظیرہ الوتر برکعۃ واحدۃ وبثلاث والذی یرفع احب الی ممن لا یرفع فان احادیث الرفع اکثر واثبت۔ کذا فی الحجۃ اللہ البالغۃ للشیخ ولی اللہ المحدث الدھلوی قدس سرہ۔

مولانا بحر العلوم حنفی رفع یدین کے بارہ میں رفع اور عدم رفع کی حدیثیں نقل کرکے اپنی کتاب ارکان اربعہ میں فرماتے ہیں:۔ فقد تلخص ان فعلہ صلی اللہ علیہ وسلم کان مختلفا وفعل الصحابۃ ایضا کان مختلفا فی الرفع وعدمہ الا عند الافتتاح وما عدا ذلک ان ترک فھو حسن وان فعل فلا باس بہ انتہی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب صراط مستقیم میں طرفین کے استدلالات بیان کرکے یوں کہتے ہیں، پس چارہ نیست از سنیت ہر دو فعل انتہی۔ رفع[۲] الیدین لا یفسد الصلوۃ کذا فی الفتاوی العالمگیریۃ وغیرھا وفی الذخیرۃ رفع الیدین لا یفسد الصلوۃ وکذا فی جامع الفتاوی لان مفسدھا ما لم یعرف قربۃ فیھا انتہی ما فی لسان الاحتداء فی بیان الاقتداء للشیخ علی القاری۔ واللہ اعلم بالصواب

حررہ السید شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

ھو الموفق:۔ مولانا بحر العلوم عبدالعلی حنفی نے نفس تامین کو سنت ٹھہرایا ہے، اور بالجہر اور بالسر دونوں کو مندوب بنایا ہے، چنانچہ ارکان اربعہ میں فرماتے ہیں اما تامین[۳] الامام والماموم فلما روی مسلم عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ

نے پسند کیا ہے، یہ ان مواقع میں سے ایک ہے، جن میں مدینہ اور کوفہ والوں کا اختلاف ہے اور فریقین کے پاس دلائل ہیں، میرے نزدیک صحیح یہ ہے، کہ دونوں سنت طریقے ہیں، اور اس کی مثال ایک یا تین رکعت وتر پڑھنا ہے، البتہ رفع یدین کرنے والے مجھے نہ کرنے والوں سے زیادہ محبوب ہیں، کیونکہ رفع یدین کرنے کی حدیثیں زیادہ بھی ہیں اور زیادہ صحیح بھی ہیں ۱۲ [۱] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رض کا عمل اس میں مختلف رہا ہے ہاں نماز شروع کرتے وقت رفع یدین کرنے میں اختلاف نہیں ہے، اور اس کے علاوہ اور جگہوں میں اگر رفع یدین نہ کرے تو بہتر ہے، اور اگر کرے تو کوئی حرج نہیں ہے ۱۲ [۲] رفع یدین کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی کیونکہ نماز اس فعل سے فاسد ہوتی ہے، جس سے خدا کا قرب حاصل نہ ہو، گویا رفع یدین کرنے سے خدا کا قرب نصیب ہوتا ہے) ۱۲ [۳] امام اور مقتدی کا آمین کہنا، تو حضرت ابوہریرہ رض کی حدیث سے ثابت ہے، کہ رسول

وسلم اذا امن الامام فامنوا فانہ من وافق تامینہ تامین الملائکۃ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ واما الاسرار بالتامین فھو مذھبنا ولم یرد فیہ الا ما روی الحاکم عن علقمۃ بن وائل عن ابیہ انہ صلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذا بلغ ولا الضالین قال آمین واخفی بہا صوتہ وھو ضعیف وقد بین فی فتح القدیر وجہ ضعفہ لکن الامر فیہ سہل فان السنۃ التامین۔ اما الجہر والاخفاء فندب انتہی کلامہ

کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب امام آمین کہے، تو تم بھی آمین کہو، جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے موافق ہو جائے گی، اس کے پہلے گناہ معاف ہو جائیں گے، ہمارا مذہب یہ ہے، کہ آمین آہستہ کہی جائے، اور اس کی دلیل علقمہ بن وائل کی حدیث ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، جب آپ ولا الضالین پر پہنچے، تو آہستہ آواز سے آمین کہی، اور یہ حدیث ضعیف ہے، لیکن اس امر میں وسعت ہے سنت صرف آمین کہنا ہے، اور آہستہ کہنا یا بلند آواز سے کہنا دونوں ٹھیک ہیں ۱۲

کتاب الصلوٰۃ

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بدعتی عالم امام کے پیچھے اقتدا کرنا خصوصاً صلوٰۃ خمسہ میں کوئی حرج ہے یا نہیں، علیٰ ہذا القیاس وعظ و پند اگر بدعتی عالم کا استماع میں لادیں تو کیا مضائقہ کی بات ہے، ممکن ہے کہ سامعین جو باتیں کہ وعظ کے اندر خلاف کتاب اللہ و سنت رسول کے ہوں خیال میں نہ لادیں، بقیہ باتیں خیال میں لادیں اور خصم یہ کہتا ہے، کہ بدعتی کے پیچھے نماز نہ پڑھیں، اور وعظ و پند کو استماع میں نہ لادیں، ورنہ سامعین بدعتی ہوں گے (مرشد) تعجب ہے، کہ مومنین کے اندر تفرقہ ڈالنا، اور ثواب سے ایسی خیر و برکت کی چیزوں سے محروم رکھنا ہمارے نزدیک مقولے خصم کی نفسانیت صادر ہوتی ہے یا نہیں، اس وجہ سے کہ بغیر غوض و فکر کے کسی کو بدعتی بنا دینا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس وقت کہ دستار فضیلت کا فرق مبارک پر رکھا گیا ہوگا من جانب اللہ کلید سقر کی ان کے ید مبارک میں دے دی گئی ہوگی، پس اختیار ہے، جسے چاہنا دوزخ کے دخول کا حکم دے دینا، بھلا غور تو کیجیے، کہ لفظ بدعت کا کسی کی شان میں نکالنا گویا اس کے دوزخی ہونے کا ثبوت کرنا ہے، خلاصہ کلام یہ ہے، کہ بدعتی عالم امام کے پیچھے نماز پڑھیں گے، یا نہیں، اور وعظ و پند میں شریک ہوں گے یا نہیں؟

الجواب:- واضح ہو، کہ بموجب حدیث شریف کے بدعتی کو قصداً امام بنانا نہیں چاہیے، بلکہ اپنے میں سے جو اچھا شخص ہو، اس کو امام بنانا چاہیے۔ عن ابن عباس رضی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجعلوا ائمتکم خیارکم فانھم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم رواہ الدار قطنی ھکذا فی المنتقی۔ اور بوقت ضرورت

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنے میں سے بہترین آدمی کو اپنا امام مقرر کیا کرو، کیونکہ وہ تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان ترجمان ہے ۱۲۔

اگر بدعتی کے پیچھے نماز پڑھ لے تو جائز ہے مثلاً وہ حاکم یا رئیس ہے، کہ اگر اس کا خلاف کرتے ہیں تو فتنہ اور فساد زیادہ ہو جاتا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری کے باب امامۃ المفتون والمبتدع میں مذکور ہے، کہ لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا۔ انک امام عامۃ ونزل بک ما تری ویصلی لنا امام فتنۃ ونتحرج یعنے آپ امام عام ہیں اور آپ پر جو مصیبت نازل ہوئی ہے، اسے آپ دیکھ رہے ہیں، اور ہم کو امام فتنہ نماز پڑھاتا ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے کو ہم گناہ سمجھتے ہیں، اس وقت حضرت عثمان رضؓ نے فرمایا الصلوۃ احسن ما یعمل الناس فاذا احسن الناس فاحسن معھم یعنی لوگوں کے سب عملوں سے اچھا عمل نماز ہے، جب لوگ نماز پڑھیں، تو ان کے ساتھ نماز پڑھ لیا کرو، یا اس لئے فرمایا، تاکہ فتنہ زیادہ نہ ہو، پس جب ایسا موقع ہو تو بدعتی کے پیچھے اگر نماز پڑھ لیں، تو درست ہے، اور ایسی ہی حالت پر یہ حدیث محمول ہے۔ الصلوۃ المکتوبۃ واجبۃ خلف کل مسلم برا کان او فاجرا۔ یعنی ضرورت کے وقت فاجر کے پیچھے نماز واجب ہو جاتی ہے۔

وعظ کے سننے اور سنانے کا فائدہ یہی ہے، کہ ہدایت ہو، لوگ شرک و بدعت اور معاصی سے بچیں، توحید اور اتباع سنت کو لازم پکڑیں، اور ظاہر ہے، کہ بدعتی مولویوں کے وعظ سے بجائے ہدایت کے گمراہی پھیلتی ہے، ان کے بدعتی وعظ سے لوگ گمراہ ہوتے ہیں، بدعت میں مبتلا ہوتے ہیں سنت کو چھوڑتے ہیں، اور طرح طرح کی خرابیاں ہوتی ہیں رہا یہ خیال کہ "بدعتی مولویوں کے وعظ کے اندر جو باتیں خلاف قرآن وحدیث ہوں ان کو سامعین خیال میں نہ لاویں، اور باقی باتوں کو خیال میں لاویں" صحیح نہیں کیونکہ ہر شخص کو اس کی تمیز نہیں، کہ کون بات قرآن وحدیث کے خلاف ہے، اور کون موافق، اور جس کو اس کی تمیز ہو اسے خلاف اور ناحق اور منکر باتوں کو سنکر انکار کرنا چاہیے، ہاتھ سے یا زبان سے یا دل سے، ہاتھ اور زبان سے انکار کی یہی صورت ہے، کہ اس بدعتی واعظ کو وعظ سے روکے، اور دل سے انکار کی صورت یہ ہے، کہ اس کی مجلس وعظ میں شریک نہ ہو، الحاصل بدعتی مولویوں کا بدعتی وعظ سننا نہیں چاہیئے واللہ اعلم بالصواب۔

سید محمد نذیر حسین

ھوالموفق:۔ ابن عباس رضؓ کی روایت مذکور جو دار قطنی سے منقول ہوئی ہے، وہ ضعیف ہے، مگر اس کی تائید حضرت انس رضؓ کی اس حدیث سے ہوتی ہے۔ عن انس بن مالک قال کان رجل من الانصار یؤمھم فی المسجد قباء الحدیث وفیہ وکانوا یرونہ

افضلهم وكرهوا ان يؤمهم غيره الخ اخرجه الترمذى وقال هذا حديث حسن غريب من هذا الوجه من حديث عبيد الله بن عمر عن ثابت البنانى (جامع ترمذی صفحہ ۱۲۱) کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سوال: امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا احادیث صحیحہ مرفوعہ غیر منسوخہ سے ثابت ہے یا نہیں، اور اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا خواہ صلوٰۃ سریہ میں ہو یا جہریہ میں احادیث صحیحہ مرفوعہ سے ثابت ہے۔ عن عبادة بن الصامت رض ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب رواه البخارى ومسلم[1] عن ابى هريرة رض قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى صلوة ولم يقرأ فيها بام القران فهى خداج غير تمام ثلاثا فقيل لابى هريرة رض انا نكون وراء الامام فقال اقرأ بها فى نفسك الحديث رواه مسلم۔ عن عبادة بن الصامت قال صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم الصبح فثقلت عليه القراءة فلما انصرف قال انى اراكم تقرءون خلف امامكم قال قلنا يا رسول الله اى والله قال لا تفعلوا الا بام القران فانه لا صلوة لمن لم يقرأ بها رواه الترمذى وقال حديث عبادة حديث حسن۔ اور روایت کی گئی ہے حدیث اس باب کی حضرت عائشہ و انس و ابو قتادہ و عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے، اور اسی پر عمل ہے بہت سے صحابہ اور تابعین اور محدثین کا، جیسا کہ جامع ترمذی میں مسطور ہے۔ باقی رہا حکم اس کا پس بعض قائل

---

[1] انس بن مالک کہتے ہیں، کہ ایک انصاری آدمی مسجد قبا میں ان کی امامت کرتا تھا، اور اس کو لوگ اپنے سے افضل سمجھتے تھے، اور اس کے بغیر کسی اور کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ جانتے تھے ۱۲

[2] عبادہ بن صامت کہتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو الحمد نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہے، ابوہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو بغیر فاتحہ کے نماز پڑھے، وہ نماز ناقص ہے، پوری نہیں ہے تین مرتبہ فرمایا، ابوہریرہ سے سوال کیا گیا، کہ ہم امام کے پیچھے ہوں تو کیا کریں؟ فرمایا اپنے دل میں آہستہ پڑھو۔ عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی، تو آپ پر قراءت بوجھل ہوگئی، جب فارغ ہوئے تو فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ تم امام کے پیچھے قراءت کرتے ہو، ہم نے کہا ہاں اے اللہ کے رسول آپ نے فرمایا ام القرآن کے سوا کچھ نہ پڑھا کرو، کیونکہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی ۱۲

فرضیت کے ہیں، اور بعض قائل استحباب کے ہیں، جیسا کہ امام ابو عیسیٰ ترمذی اپنی جامع میں فرماتے ہیں:-

قد[1] اختلف اهل العلم فی القراءة خلف الامام فرای اکثر اهل العلم من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم والتابعین ومن بعدهم القراءة خلف الامام وبه یقول مالك وابن المبارك والشافعی واحمد واسحاق وروی عن عبد الله بن المبارك انه قال انا اقرأ خلف الامام والناس یقرؤن الا قوم من الکوفیین واری من لم یقرأ صلوته جائزة وشدد قوم من اهل العلم فی ترك قراءة فاتحة الکتاب وان کان خلف الامام فقالوا لا تجزی صلوة الا بقراءة فاتحة الکتاب وحده کان او خلف الامام وذهبوا الی ما روی عبادة بن الصامت عن النبی صلی الله علیه وسلم وقرأ عبادة بن الصامت بعد النبی صلی الله علیه وسلم خلف الامام انتهی۔ اور دلائل دونوں فرقوں کے اپنی جگہ پر مذکور ہیں، اور وہ روایات جو در بارہ عدم جواز قرأت کے مروی ہیں، وہ مقابلہ ان روایات صحیحہ کا نہیں کر سکتی ہیں۔ حررہ ابو الطیب محمد شمس الحق عفی عنہ

ابو الطیب ۱۲۹۵ محمد شمس الحق

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص پیش امام مسجد ہو کر جلسہ ہائے احباب مثل ناچ وغیرہ کی محفل میں شریک ہو، اور بازاری طوائف کا کوئی رشتہ دار فوت ہو جاوے، تو وہ پیش امام اس کے سوئم وغیرہ کا کھانا کھاوے، اور قرآن پڑھ کر طوائف سے محنتانہ حاصل کرے، اور وہ پیش امام اپنے ہم صحبتوں سے ظاہر کرے، کہ میری کسی عورت سے ملاقات ہے، اور دوست اس کے روبرو بیان کریں، کہ یہ شخص ایسی حرکت کرتا ہے،

[1] امام کے پیچھے الحمد پڑھنے میں علماء کا اختلاف ہے، صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کی اکثریت الحمد پڑھنے کی قائل ہے، امام مالک، احمد بن حنبل، ابن مبارک، امام شافعی، اسحاق بن راہویہ کا یہی مذہب ہے، عبد اللہ بن مبارک نے کہا، میں امام کے پیچھے الحمد پڑھتا ہوں، اور دوسرے تمام لوگ بھی ماسوائے کوفیوں کی ایک جماعت کے امام کے پیچھے الحمد پڑھتے ہیں، میں اس آدمی کی نماز کو جائز سمجھتا ہوں، جو امام کے پیچھے الحمد نہیں پڑھتا لیکن اہل علم کی دوسری جماعت تو اس معاملہ میں بڑی سخت ہے، وہ ایسی نماز کو صحیح نہیں سمجھتے، جس میں فاتحہ نہ پڑھی گئی ہو، ان لوگوں نے عبادہ بن صامت کی حدیث اور ان کے طرز عمل سے استدلال کیا ہے۔

اور تب اس پیش امام سے دریافت کیا جاوے، تو وہ جواب دے، کہ تم کو نہیں ماہ کے معلوم نہیں ہے، اور کوئی شخص فوت ہو جاوے، تو پیش امام بوجہ نہ ملنے اجرت کے جنازہ کی نماز پڑھانے سے منکر ہو، اور کسی میت کی لاش کو غسل دیتے ہوئے کوئی چیز میت کی چرا لاوے تو ایسے پیش امام کے پیچھے اقتدا نماز جائز ہے یا نہیں از روئے شرع حکم صادر فرمایئے، ثواب عظیم درگاہ خدا سے پایئے۔

الجواب:۔ واضح ہو کہ جن امور مذکورہ کا پیش امام مرتکب ہے، وہ امور موجب فسق شدید ہیں، لہذا پیش امام مذکور بلاشبہ فاسق ہے اور فاسق کو بالخصوص پیش امام مذکور جیسے فاسق ہو نماز پڑھانے کے لئے ہرگز امام نہیں بنانا چاہیے، بلکہ کسی صالح اور اچھے شخص کو امام بنانا چاہیے، منتقی الاخبار میں ہے۔ عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجعلوا ائمتکم خیارکم فانھم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم رواہ الدار قطنی۔ نیل الاوطار میں ہے۔ وقد اخرج الحاکم فی ترجمۃ مرثد الغنوی عنہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سرکم ان تقبل صلوتکم فلیؤمکم خیارکم فانھم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم، ویؤید ذلک حدیث ابن عباس رض المذکور فی الباب انتہی۔

پس صورت مسئولہ میں پیش امام مذکور کو پیش امامی سے الگ کر کے کسی اچھے اور صالح شخص کو پیش امام مقرر کرنا چاہیے، اور ہاں پیش امام مذکور اگر نماز پڑھ رہا ہو، اور کوئی اس کی اقتدا کرے، تو اس کی نماز ہو جائے گی، مگر اس کو نماز پڑھانے کے لئے امام نہیں بنانا چاہیے اور نہ اس کو کسی مسجد کا پیش امام مقرر کرنا چاہیے، واللہ اعلم بالصواب، حررہ عبدالحق ملتانی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین درحق کسے کہ رافضی

۱؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ اپنے میں سے بہترین آدمیوں کو اپنا امام بنایا کرو، کیونکہ وہ تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان ترجمان ہیں ۱۲ ۲؎ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری نمازیں قبول ہوں، تو تمہارے امام بہترین آدمی ہونے چاہئیں، کیونکہ وہ تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان ترجمان ہیں ۱۲

۔ سوال:۔ ایک آدمی شیعہ ہے جو اپنے آپ کو شیعہ کہتا ہے، قرابت داری اور نکاح وغیرہ

است ومذہب خود را پیش مردمان شیعہ اقرار واظہار می کند و تناکح وتناسل در رشتہ کہ قرابت با رافضی کما ینبغی می دارد آیا نماز پس این چنین رافضی جائز است، جواب مطابق مذہب حنفی تحریر کردہ شود۔ بینوا توجروا

الجواب:۔ در صورت مرقومہ حسب مذہب حنفی نماز پس رافضی غیر جائز وناروا است۔ قال المرغینانی یجوز الصلوۃ خلف صاحب ھوی وبدعۃ ولا تجوز خلف الرافضی والجھمی والقدری والمشبھۃ ومن یقول بخلق القرآن۔ کذا فی الفتاوی العالمگیریۃ وغیرھا من کتب الفقہ۔ واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ اقتداء حنفی کی ساتھ شافعی کے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جائز ہے۔ لما ورد ان الجماعۃ رحمۃ والفرقۃ عقوبۃ ویشیر الیہ قولہ تعالی واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا لا یزال واستمر الامر علی ذلک فی زمن ابی حنیفۃ ومالک والشافعی واحمد وسائر المجتہدین ھنالک فلم ینقل من احد من الائمۃ ان یمنع الاقتداء بالمخالف من اھل السنۃ وذلک لعدم قطعھم علی انھم علی الصواب البتۃ وغیرھم علی الخطاء لا محالۃ بل کانوا مجتہدین فی الامر للدین طالبین للاولی فی طریق المولی من جھۃ الفروع الفقیھۃ بالادلۃ الظنیۃ مع اتفاقھم علی الاصول الدینیۃ التی مدارھا علی الادلۃ الیقینیۃ کما یشیر الیہ حدیث العلماء ورثۃ الانبیاء

شیعوں سے ہے، ایسے آدمی کے پیچھے حنفی مذہب والوں کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شیعہ کے پیچھے حنفی کی نماز نہیں ہوتی، مرغینانی میں ہے، بدعتی آدمی کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے، لیکن رافضی، جہمی، قدری، مشبہہ اور قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل کے پیچھے نماز نہیں ہوتی

لے کیونکہ جماعت بنے رہنا رحمت ہے اور تفرقہ بازی اللہ کی سزا ہے، خدا تعالی نے فرمایا اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام رکھو، اور فرقہ فرقہ نہ ہو، امام ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور احمد بن حنبل اور تمام مجتہدین کے زمانہ میں یہی دستور رہا ہے، کسی ایک بھی امام سے مخالف کی اقتداء سے مخالفت ثابت نہیں ہوتی، وہ ہر مسلمان کے پیچھے اقتداء کو جائز سمجھتے تھے، کیوں کہ وہ دین کے اصول میں متحد تھے، اور فروع میں اجتہاد کرتے تھے ہر ایک یہ کوشش کرتا تھا، کہ بہتر سے بہتر چیز سامنے لائے، لیکن اس کے باوجود وہ ظنی دلائل میں

رواہ احمد والدارمی عن ابی الدرداء کذا ذکرہ ملا علی القاری فی الرسالۃ بالاقتداء المخالف۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ ایک شخص امام مسجد کا ہے، نماز عشاء اکثر نہیں پڑھتا ہے، کھانا کھا کر سو رہتا ہے، اور وہی شخص نماز صبح کی تنگ وقت آکر پڑھتا ہے، پھر باوجود تنگ وقت ہونے کے پہلے قضا عشاء پڑھتا ہے، خواہ صبح کا وقت جاتا رہے، یا بہت تنگ ہو جاوے، کہ شبہ طلوع آفتاب کا ہوتا ہے، لوگ کہتے ہیں، کہ وقت صبح کی نماز کا بہت تنگ ہو گیا، اول صبح کی نماز پڑھنا چاہیئے، وہ شخص نہیں مانتا، اور عادت ترک عشاء اور تنگ وقت صبح کی نہیں چھوڑتا، ایسے شخص کے پیچھے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ترک کرنا نماز کا قصداً گناہ کبیرہ ہے، اور فرمایا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نماز عشاء اور فجر کی منافقین پر بہت بھاری ہے، اور بلا عذر تنگ وقت میں نماز کو پڑھنا، اور نماز کو قضا کرنا، یا وقت مشتبہ میں ادا کرنا درست نہیں بلکہ گناہ ہے، اگر وقت فراغت کا ہو، تو پہلے قضا پڑھے، بعد ازاں وقتی ادا کرے، اور جو وقت تنگ ہو، تو پہلے نماز وقتی ادا کرے، بعد ازاں قضا پڑھے، جیسا کہ حدیث اور فقہ میں مذکور ہے، وہ شخص فاسق ہے، اس کو امام بنانا نہیں چاہیئے واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ سید شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ سورہ فاتحہ مقتدی بموجب حدیث بخاری شریف پڑھے یا نہ پڑھے، بعضے عالم اس کو دلیل آیت و اذا قری القرآن الخ سے مکروہ تحریمی کہتے ہیں، اور سورت فاتحہ نماز میں فرض نہیں بتاتے، اور کہتے ہیں، کہ اگر فاتحہ کا پڑھنا فرض ہوتا، تو نص جلی سے ثابت ہوتا، جس قدر فرض ہیں، نص جلی سے ثابت ہیں، حدیث شریف سے سنت ثابت ہوتی ہے، نہ کہ فرض۔

الجواب:۔ بموجب حدیث بخاری شریف مقتدی پر سورت فاتحہ پڑھنا ضروری

اپنے آپ کو یقیناً حق پر اور مخالف کو یقینی غلطی پر نہیں سمجھتے تھے، وہ ہر ایک کو اجتہاد کا حق دیتے تھے جیسا کہ حدیث شریف ہے علماء نبیوں کے وارث ہیں" ملا علی قاری نے رسالہ "اقتداء بالمخالف" میں ایسا ہی لکھا ہے ۱۲

ہے، اور جو عالم آیت واذا قرئ القرآن کی دلیل سے مکروہ تحریمی کہتے ہیں، وہ بڑی غلطی کرتے ہیں، کیونکہ نور الانوار میں لکھا ہے، کہ آیت واذا قرئ القرآن آیت فاقرؤا ماتیسر من القرآن کے معارض ہے، اور معارضہ کی وجہ سے ساقط عن الاحتجاج ہے، یعنی دلیل میں پیش کرنے کے قابل نہیں ہے، اور اس سے امام کے پیچھے سورت فاتحہ پڑھنے کی ممانعت ثابت نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث بخاری شریف میں مروی ہے، کہ لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب یعنی جو سورت فاتحہ نہ پڑھے، اس کی نماز نہیں ہے اور یہ حدیث ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ میں بھی موجود ہے۔ عن عبادۃ بن الصامت رض قال کنا خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی صلوٰۃ الفجر فقرأ فثقلت علیہ القراءۃ فلما فرغ قال لعلکم تقرؤن خلف امامکم قلنا نعم یا رسول اللہ قال لا تفعلوا الا بفاتحۃ الکتاب فانہ لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بہا۔ یعنی عبادہ بن صامت سے روایت ہے، کہ ہم لوگ نماز فجر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھے، پس آپ نے قرأت پڑھی، پس آپ پر قرأت بھاری ہوئی، جب آپ فارغ ہوئے، تو فرمایا، کہ شاید تم لوگ اپنے امام کے پیچھے پڑھتے ہو، ہم لوگوں نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا، مت پڑھو مگر سورت فاتحہ، کیونکہ جس نے سورت فاتحہ نہیں پڑھی، اس کی نماز نہیں، یہ حدیث صحیح ہے، امام خطابی اور حاکم اور بیہقی اور ترمذی اور حافظ ابن حجر وغیرہ نے اس حدیث کے صحیح ہونے کی تصریح کی ہے،

ان دونوں حدیثوں سے صاف ثابت ہوتا ہے، کہ مقتدی کو سورت فاتحہ پڑھنا فرض ہے، بدوں سورت فاتحہ کے اس کی نماز نہیں ہوگی پس ان دونوں حدیثوں سے آیت واذا قرئ القرآن مخصوص ہے، اور حنفیہ کو بھی اس سے انکار نہیں ہو سکتا، کیونکہ ان کے نزدیک یہ آیت عام مخصوص منہ البعض ہے۔ دیکھو تفسیر احمدی مصنفہ ملا جیون، پس آیت مذکور کی اخبار احاد سے ان کے نزدیک بھی تخصیص ہو سکتی ہے۔

اور اس عالم کا یہ کہنا، کہ جس قدر فرض ہیں، وہ نص جلی سے ثابت ہوتے ہیں، صحیح نہیں دیکھو مثلاً نماز ظہر اور عصر کا چار چار رکعت ہونا بالاتفاق فرض ہے، حالانکہ نص جلی یعنی قرآن شریف میں ظہر اور عصر کی چار چار رکعت کا فرض ہونا کہیں مذکور نہیں ہے، بلکہ ظہر اور عصر وغیرہ فرائض پنجگانہ کی تعداد رکعت ہی کا ذکر نہیں ہے، اگر اس عالم کا یہ قول صحیح ہو تو لازم آتا ہے

کہ ظہر اور عصر کا چار چار رکعت ہونا فرض نہ ہو بلکہ سنت ہو، حالانکہ کوئی اس کا قائل نہیں ہے پس اس عالم کا یہ قول صحیح نہیں ہے، بلکہ جیسے نص جلی یعنی قرآن شریف سے فرضیت ثابت ہوتی ہے، حدیث شریف سے بھی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ حررہ علی محمد فیروزپوری عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ فاتحہ خلف الامام فرض ہے یا واجب یا سنت یا مستحب؟

الجواب: فاتحہ خلف الامام پڑھنا فرض ہے، بغیر فاتحہ پڑھے ہوئے نماز نہیں ہوتی، تمام کتب احادیث میں مرقوم ہے، واللہ اعلم۔ حررہ السید محمد عبد الحفیظ غفرلہ

سید محمد نذیر حسین | سید محمد عبد السلام غفرلہ | ۱۳۰۵ سید محمد ابو الحسن

سوال:۔ جو شخص امام کے پیچھے کسی رکعت میں سورت فاتحہ نہ پڑھ سکا اس کی وہ رکعت ہوئی یا نہ؟

الجواب:۔ بغیر سورت فاتحہ کے رکعت پوری نہیں ہوتی ہے، ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے، پس صورت مسئولہ میں اس شخص کی وہ رکعت نہیں ہوئی، اس کو دہرانا چاہیے عن ابی ھریرۃ رضان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من ادرک الامام فی الرکوع فلیرکع معہ ولیعد الرکعۃ رواہ البخاری فی جزء القراءۃ[1] نیل الاوطار میں ہے قد حکی ھذا المذھب البخاری فی جزء القراءۃ عن کل من ذھب الی وجوب القراءۃ خلف الامام وحکاہ فی الفتح عن جماعۃ من الشافعیۃ وقواہ الشیخ تقی الدین السبکی الخ[2] واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ محمد عبد الحق ملتانی

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ جس وقت امام جماعت کے ساتھ نماز پڑھائے، تو مقتدی لوگ اپنے امام کے ساتھ آہستہ آہستہ سورت فاتحہ پڑھتے جاویں یا نہیں، اگر مقتدی اپنے دل میں آہستہ آہستہ امام کے ساتھ الحمد نہ پڑھیں گے، تو ان کی نماز میں کچھ نقصان آئے گا یا نہیں، بینوا توجروا۔

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے امام کو رکوع میں پایا، وہ اس کے ساتھ رکعت ادا کرے اور اس رکعت کو لوٹائے ۱۲ [2] امام بخاری نے جزء القراءۃ میں ہر اس آدمی سے بھی بیان کیا ہے، جو امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا قائل ہے، شوافع کی ایک جماعت کا یہی مذہب ہے، اور سبکی نے اسی کو قوی کہا ہے ۱۲

الجواب:۔ امام کے پیچھے مقتدی کو آہستہ سورت فاتحہ پڑھنا نہایت ضروری ہے اگر مقتدی سورت فاتحہ نہیں پڑھیں گے، تو ان کی نماز ہی نہیں ہوگی صحیحین میں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب یعنے بغیر فاتحہ کے کوئی نماز نہیں، اس حدیث میں حضرت نے عام طور پر فرمادیا، کہ کوئی نماز مقتدی کی ہو یا امام کی، فرض ہو یا نفل، کوئی نماز بغیر فاتحہ کے نہیں ہوتی، اور خاص مقتدیوں کے لئے فرمایا ہے لا تفعلوا الا بفاتحۃ الکتاب فانہ لا صلوۃ لمن لم یقرأ بہا۔ رواہ الترمذی وغیرہ یعنے مت پڑھو مگر سورت فاتحہ پڑھو اس واسطے کہ جس نے سورت فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں، واللہ تعالے اعلم۔ حررہ عبدالحق ملتانی

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قرأت فاتحہ خلف الامام فرض ہے یا نہیں، اور حدیث قرأت کی اصح واثبت ہے، یا حدیث عدم قرأت کی بینوا توجروا۔

الجواب: قرأت خلف الامام فرض ہے، اور حدیث قرأت کی اعلیٰ درجہ کی صحیح وثابت ہے، اور حدیث عدم قرأت کی ضعیف وغیر صحیح ہے، بلوغ المرام میں ہے، عن عبادۃ بن الصامت قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوۃ لمن لم یقرأ بام القرآن متفق علیہ وفی روایۃ لابن حبان والدارقطنی لا تجزئ صلوۃ لا یقرأ فیہا بفاتحۃ الکتاب یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عبادہ بن صامت رضہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جس نے نماز میں سورت فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں، اور ابن حبان اور دار قطنی کی روایت میں ہے، کہ جس نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے، وہ نماز کافی نہیں۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام طور پر فرمادیا، کہ جو شخص مقتدی ہو یا امام یا منفرد نماز میں سورت فاتحہ نہ پڑھے، اس کی نماز نہیں ہوتی، پس ثابت ہوا، کہ ہر نمازی کے لئے سورت فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے، اور یہ حدیث متفق علیہ ہے، اس درجے اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، اور مقتدیوں کو خاص طور پر بھی سورت فاتحہ امام کے پیچھے پڑھنے کو فرمادیا ہے، چنانچہ ابوداؤد اور ترمذی وغیرہما میں عبادہ بن صامت رضہ سے روایت ہے، کہ کچھ مت پڑھو، مگر سورت فاتحہ پڑھو، اس واسطے کہ جس نے سورت

فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں، یہ حدیث بھی صحیح ہے، بہت سے محدثین نے اس کے صحیح ہونے کی تصریح کی ہے۔

اور جتنی حدیثیں قرأت فاتحہ خلف الامام کی ممانعت میں پیش کی جاتی ہیں ان میں جو حدیثیں صحیح ہیں، ان سے ممانعت ثابت نہیں ہوتی، اور جن سے ممانعت ثابت ہوتی ہے، وہ یا تو بالکل بے اصل ہیں یا ضعیف و ناقابل احتجاج ہیں، علمائے حنفیہ میں سے صاحب تعلیق الممجد نے اس کی تصریح کر دی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ لم یرد فی حدیث مرفوع صحیح النہی عن قراءۃ الفاتحۃ خلف الامام وکل ما ذکروہ مرفوعا فیہ اما لا اصل لہ واما لا یصح (تعلیق الممجد صفحہ ۱۰۱) یعنے کسی حدیث مرفوع صحیح میں قرأت فاتحہ خلف امام کی ممانعت نہیں وارد ہوئی ہے، اور ممانعت کے بارے میں علمائے حنفیہ جتنی مرفوع حدیثیں بیان کرتے ہیں، یا تو وہ بے اصل ہیں یا صحیح نہیں ہیں، یہی وجہ ہے، کہ کوفہ والوں سے ایک قوم کے سوا باقی تمام لوگ قرأت فاتحہ خلف الامام کے قائل و فاعل ہیں، عبد اللہ بن مبارک جو بہت بڑے محدث اور فقیہ ہیں، فرماتے ہیں۔ انا اقرأ خلف الامام والناس یقرؤن الا قوم من الکوفیین (جامع الترمذی صفحہ ۵۹) یعنی میں امام کے پیچھے قرأت کرتا ہوں، اور تمام لوگ امام کے پیچھے قرأت کرتے ہیں، مگر کوفہ والوں میں سے ایک قوم اور خود علمائے حنفیہ میں سے بعض لوگوں نے ہر نماز میں (سری ہو خواہ جہری) قرأت فاتحہ خلف امام کو مستحسن بتایا، اور بعض لوگوں نے صرف نماز سری میں، علامہ عینی شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں، بعض اصحابنا یستحسنون ذلک علی سبیل الاحتیاط فی جمیع الصلوات و بعضہم فی السریۃ فقط وعلیہ فقہاء الحجاز والشام انتہی واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفی عنہ | سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ اگر کوئی شخص فجر کے وقت امام کے ساتھ رکعت ثانیہ میں شامل ہو گیا، اور سنتیں اس نے ترک کر دیں، تو بعد نماز فرض کے سنتیں پڑھے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں بعد نماز فرض کے سنتوں کو پڑھنا جائز و درست ہے سنن ابو داؤد میں ہے۔ عن قیس بن عمرو قال رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلا یصلی بعد صلوۃ الصبح فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوۃ الصبح رکعتان فقال الرجل انی لم اکن صلیت الرکعتین اللتین قبلھما

فصیلتہما الا ان فسکت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یعنی قیس بن عمرو سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کو دیکھا، جو بعد نماز صبح کے دو رکعت نماز پڑھ رہا تھا، پس آپ نے فرمایا، کہ صبح کی نماز دو رکعت ہے، تو اس مرد نے کہا، کہ میں نے صبح کی دو سنتیں نہیں پڑھی تھیں، سو اس وقت میں نے ان دو رکعتوں کو پڑھ لیا ہے، پس آپ چپ رہے اس حدیث سے ثابت ہوا، کہ جو شخص فجر کی نماز میں امام کے ساتھ شامل ہو جائے، اور پہلے سنت پڑھنے کا موقعہ نہ ملے، تو وہ بعد نماز صبح کے سنت کو پڑھ لے، کتاب اعلام اہل العصر مصنفہ جناب مولانا مولوی محمد شمس الحق صاحب میں یہ مسئلہ مع مالہا وما علیہا خوب تحقیق سے لکھا گیا ہے۔ من شاء الاطلاع فلیرجع الیہا۔ حررہ عین الدین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ فرض جمعہ کے بعد سنتیں فوراً پڑھے، یا اگر کچھ دیر وظیفہ پڑھ کر بعد کو سنتیں پڑھے، تو گناہ ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فرض جمعہ کے بعد اگر کچھ دیر وظیفہ مسنونہ ثابتہ پڑھ کر بعد کو سنتیں پڑھے، تو کچھ گناہ نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم الجیب۔ سید عبد الوہاب عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ فرضی یا نفلی نماز میں امام بعد تین آیت کے یا کم تین آیت سے بھول جائے، تو مقتدی لقمہ دے سکتا ہے یا نہیں، اور مقتدی و امام دونوں کی نماز درست ہوگی یا نہیں؟

دیگر حافظ بینا کی موجودگی میں حافظ نابینا کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

دیگر نماز جنازہ کے ادا سے وضو باقی رہتا ہے یا ٹوٹ جاتا ہے؟

دیگر سبحان اللہ تنتیس بار اللہ اکبر چونتیس بار پڑھے، اس میں شک ہے کہ الحمد للہ تا آخر پڑھے یا صرف الحمد للہ پڑھے؟

الجواب:۔ جب امام کسی نماز میں بھول جائے فرض ہو یا نفل، اور تین آیت کے بعد بھولے یا تین آیت سے کم میں بھولے ہر نماز میں اور ہر صورت میں مقتدی کو لقمہ دینا درست ہے، اور مقتدی اور امام دونوں کی نماز درست ہوگی لقمہ دینے سے نہ مقتدی کی نماز میں کچھ خلل آتا ہے، اور نہ امام کی نماز میں بلکہ امام جب بھول جائے، یا اس کو متشابہ لگے، تو مقتدی

کو لقمہ دینے کا حکم ہے۔ سنن ابی داؤد میں ہے۔ عن المسور بن یزید المالکی ان رسول الله صلی الله علیہ وسلم یقرأ فی الصلوۃ فترک شیئا لم یقرأہ فقال لہ رجل یا رسول الله ترکت آیۃ کذا وکذا فقال رسول الله صلی الله علیہ وسلم ھلا ذکرتنیھا قال کنت أراھا نسخت وفی روایۃ ابن حبان فقال ظننت انھا نسخت قال فانھا لم تنسخ۔ یعنی مسور بن یزید سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قرأت پڑھ رہے تھے، پس کچھ چھوڑ دیا اور اس کو پڑھا نہیں، تو ایک مرد نے کہا یا رسول اللہ آپ نے فلاں فلاں آیت چھوڑ دی، تب آپ نے فرمایا کہ تو نے مجھے کیوں یاد نہیں دلایا اس مرد نے کہا، کہ میں نے گمان کیا، کہ وہ آیت (جس کو آپ نے چھوڑ دیا اور پڑھا نہیں) منسوخ ہو گئی ہے آپ نے فرمایا منسوخ نہیں ہوئی ہے، ونیز سنن ابی داؤد میں ہے۔ عن عبد الله بن عمر ان النبی صلی الله علیہ وسلم صلی صلوۃ فقرأ فلبس علیہ فلما انصرف قال لابی اصلیت معنا قال نعم قال فما منعک۔ یعنی عبد اللہ بن عمر رض سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نماز پڑھی، پس آپ نے قرأت کی، تو آپ پر قرأت ملتبس ہوئی، تو پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے، تو آپ نے ابی بن کعب سے کہا، کہ تم نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی ہے، انہوں نے کہا، ہاں، آپ نے فرمایا کس چیز نے لقمہ دینے سے تم کو روکا۔

اور بعض فقہائے حنفیہ نے جو یہ لکھا ہے، کہ[1] جب امام بقدر ما یجوز بہ الصلوۃ قرأت پڑھ لے یا کسی دوسری آیت کی طرف منتقل ہو جاوے، پھر مقتدی لقمہ دے، تو مقتدی کی نماز فاسد ہو جاوے گی، اور اگر امام لقمہ لیوے، تو اس کی بھی نماز فاسد ہو جاوے گی۔ سو یہ بالکل بے دلیل بات ہے، اسی وجہ سے حنفی مذہب میں ان بعض فقہاء کے اس قول پر فتوے نہیں ہے بلکہ فتوے اس پر ہے، کہ ان دونوں صورتوں میں بھی لقمہ دینے سے نہ مقتدی کی نماز فاسد ہوتی ہے، اور نہ امام کی، قال فی شرح الوقایۃ قال بعض المشائخ اذا قرأ امامہ مقدار ما یجوز بہ الصلوۃ او انتقل الی آیۃ اخری ففتح تفسد صلوۃ الفاتح وان اخذ الامام منہ تفسد صلوۃ الامام ایضا وبعضھم قالوا لا تفسد فی

[1] جب امام اتنی قرأت کرے، کہ جس سے نماز جائز ہو سکتی ہو یا کسی دوسری آیت کی طرف منتقل ہو جائے پھر کوئی لقمہ دے تو لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر امام لقمہ قبول کرے، تو اس کی نماز بھی

شئ من ذلک وسمعت ان الفتوی علی ذلک انتہی واللہ اعلم۔

(۲) نابینا امام کے پیچھے نماز پڑھنے میں کسی قسم کی کراہت نہیں ہے، بلا کراہت جائز و درست ہے، اور جو لوگ نابینا کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ جانتے ہیں، ان کا قول بالکل بے دلیل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ام مکتوم کو جو اندھے تھے، مدینہ پر دو بار خلیفہ بنایا جو لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے۔ عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم استخلف ابن ام مکتوم علی المدینۃ مرتین یصلی بھم وھو اعمی رواہ احمد وابوداؤد۔ پس حافظ بینا کی موجودگی میں حافظ نابینا کی امامت درست ہے اگر دونوں قرأت میں برابر ہیں، اور ان میں کوئی اعلم بالسنۃ نہیں ہے، اور اگر دونوں قرأت میں برابر ہیں، اور ان میں کوئی اعلم بالسنۃ ہے، تو اسی کو امام بنانا چاہیے، وہ بینا ہو یا نابینا واللہ اعلم۔

(۳) نماز جنازے کے ادائے وضو نہیں ٹوٹتا ہے، بلکہ علی حالہ باقی رہتا ہے

(۴) صرف الحمد للہ پڑھنا چاہیے آخر تک نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ سجدہ سہو کرنا بھول جاوے تو پھر اس کو ادا کرے یا نہیں اور اگر ادا کرے تو کیونکر کرے؟

الجواب:۔ جو شخص سجدہ سہو کرنا بھول جاوے، تو اس کو پھر کر لینا چاہیے اور جس طرح سجدہ سہو کیا جاتا ہے اسی طرح کرنا چاہیے، ہدایہ میں ہے۔ ومن سلم یرید بہ قطع الصلوٰۃ وعلیہ سہو فعلیہ ان یسجد لسھوہ انتہی۔ حررہ عبدالرحیم

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں نماز جماعت ہو گئی، اس کے بعد مسجد میں نماز پڑھنے، اور مکان پر نماز پڑھنے میں کوئی فرق ہے، یا دونوں صورتیں برابر ہیں، اور درصورت اول کون سی افضل ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ ایسی صورت میں گھر پر اور مسجد میں دونوں جگہ نماز پڑھنا مساوی ہے

فاسد ہو جائے گی۔ بعض کہتے ہیں کہ کسی کی بھی نماز فاسد نہیں ہوتی اور فتویٰ اسی پر ہے ۱۲ ۔ لے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ام مکتوم کو دو دفعہ مدینہ پر حاکم بنایا، وہ نماز پڑھاتے تھے حالانکہ وہ نابینا تھے ۱۲

سے اگر کوئی سلام پھیر کر نماز ختم کر دے، اور سجدہ سہو اس کے ذمہ ہو، تو اسے بعد میں سجدہ سہو کر لینا چاہیے ۱۲

اور ظاہر الروایت میں فضیلت کسی جگہ کو نہیں۔ فی الخانیۃ[1] رجل فاتتہ الجماعۃ فی مسجد حیۃ فان ذھب الی مسجد اخر وصلی فیہ بجماعۃ فھو حسن وان صلی فی مسجد حیۃ وحدہ فھو حسن وان دخل منزلہ وصلی فیہ باھلہ فھو حسن واللہ اعلم بالصواب وعندہ ام الکتاب۔ محمد اعظم غفر لہ اللہ عما اجرم۔

مخفی نہ رہے، کہ صورت مسئولہ میں تامل سے ثابت ہوتا ہے، کہ چار صورتیں پیدا ہوتی ہیں، ایک مسجد ومکان میں دونوں جگہ تنہا پڑھے دوسری دونوں جگہ جماعت سے پڑھے، تیسری مسجد میں جماعت سے اور گھر میں تنہا، چوتھی برعکس کے یعنی مسجد میں تنہا اور گھر میں جماعت سے، تو خانیہ کی عبارت سے اگر ثابت ہوتا ہے، تو اس صورت اخیر کا حکم ثابت ہوتا ہے اور پہلی تین صورتیں جو باقی رہیں ان کا حکم ظاہر نہیں ہوا اور اصلی مسئول صورت اول ہی ہے، تو واضح رہے، کہ ان تینوں صورتوں میں مسجد ہی افضل ہے، جیسا کہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے واللہ تعالےٰ اعلم، حررہ ابو محمد یحییٰ شاہ جہانپوری۔

درصورت تنہا پڑھنے کے ہر دو جگہ مسجد میں پڑھنا افضل ہے، فضیلت مسجد میں جو احادیث مطلق وارد ہیں قطع نظر جماعت سے وہ دال ہیں، اور اقوال فقہاء سے بھی معلوم ہوتا ہے، کہ اگر کوئی مسجد میں داخل ہو جاوے، تو اس کو وہاں سے دوسری مسجد میں جماعت کے واسطے بھی جانا نہ چاہیے، اگرچہ مسجد اول میں جماعت ہو چکی ہو۔ قال[2] صاحب فتح القدیر واذا کان مسجدان یختار اقدمھما وان استویا فالاقرب وان صلوا فی الاقرب وسمع اقامۃ غیرہ فان کان دخل فیہ لا یخرج ولا یذھب الیہ انتہی پس جب مسجد میں آن کر دوسری مسجد میں جماعت ادا کرنے کے لئے اجازت نہیں دیتے، تو گھر کو کیا مناسبت ہے، بقیہ صورتیں چونکہ سائل کو مطلوب نہیں، لہذا جواب نہیں لکھا، اور سائل کی زبانی معلوم ہوا

[1] محلہ کی مسجد میں اگر کسی آدمی کی جماعت فوت ہو جائے، تو پھر اگر وہ کسی اور محلہ کی مسجد میں جا کر جماعت سے نماز پڑھ لے تو بھی ٹھیک ہے، اور اگر محلہ کی مسجد میں اکیلا نماز ادا کرے، تو بھی ٹھیک ہے اور اگر اپنے گھر جا کر بال بچوں سمیت نماز پڑھ لے تو بھی ٹھیک ہے ۱۲

[2] اگر دو مسجدیں ہوں، تو قدیمی مسجد کو ترجیح دے، اگر دونوں ایک زمانہ کی ہوں، تو قریبی کو ترجیح دے اگر قریبی میں جماعت ہو چکی ہو اور دوسری میں تکبیر کہنے کی آواز سن لے تو اگر قریبی مسجد کے اندر داخل ہو چکا ہو تو پھر وہیں نماز پڑھے، اور اگر داخل نہ ہوا ہو، تو دوسری میں چلا جائے ۱۲

کہ قصد مسجد اقرب کا ہے فقط، عبدالکریم پنجابی **محمد یعقوب**

مسجد اور گھر ادائے صلوۃ کے واسطے مساوی خیال کرنا مجیب صاحب ہی کا کام ہے فقہائے کرام نے کہیں نہیں لکھا ہے، کہ مسجد اور گھر صلوۃ کے واسطے مساوی ہیں، اور جو روایت مجیب نے نقل کی ہے، اس کا مطلب انہوں نے نہیں سمجھا، کما لا یخفی معلوم کرنا چاہیئے کہ گھر اور مسجد ادائے صلوۃ مفروضہ کے حق میں بلکہ اور اذکار کے حق میں بھی مساوی نہیں، بلکہ مسجد میں نماز پڑھنا افضل ہے باعتبار گھر کے۔ عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من غدا الی المسجد او راح اعد الله له نزله فی الجنة کلما غدا او راح متفق علیه حافظ ابن حجر اس حدیث کے تحت میں لکھتے ہیں وظاهر الحدیث حصول الفضل لمن اتی المسجد مطلقا ولکن المقصود منه اختصاصه بمن یاتیه للعبادة والصلوة راسها انتهی۔ حررہ سید محمد عبدالحفیظ عفا اللہ عنہ **سید محمد نذیر حسین**

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نابینا اور لڑکے کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب:۔ ارباب فہم و ذکا پر مخفی نہیں ہے، کہ اندھا ہونا قدرتی عیب ہے کوئی شرعی نہیں ہے، جس سے اندھا قابل ملامت ہو کیونکہ شرع میں اسی عیب پر ملامت ہوتی ہے جو کسب سے ہو، اور یہ عیب کسبی نہیں ہے، کما لا یخفی، فرمایا اللہ سبحانہ و تعالی نے لها ما کسبت وعلیها ما اکتسبت پس اندھا ہونا کوئی ایسا عیب نہیں ہے جس سے نماز میں کسی قسم کا نقصان ہو، کہ اندھا قابل امامت نہ رہے، اور نہ فسق ہے کہ نماز اس کے پیچھے ناقص ذاتا یا وصفا ہو تو جب تک کوئی دلیل شرعی اس پر قائم نہ ہو، کہ اندھے کے پیچھے نماز مکروہ ہے اس کی امامت کی کراہت کا حکم لگانا صحیح نہیں ہو سکتا، جو لوگ اس کی امامت کو مکروہ کہتے ہیں ان کو دلیل شرعی قائم کرنی چاہیئے، ورنہ وہ مثل اور مسلمانوں کے رہے گا، اور جیسے بصیر مسلمان کے پیچھے نماز درست ہے، اس کے پیچھے بھی ہے، مکروہ کہنے والوں کی دلیل اور ان کا مذہب آئندہ ذکر کروں گا، اور اس کی کیفیت بھی حسنا دلیبنا انشاء اللہ اور اگر ان باتوں سے قطع نظر کریں

سلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی پہلے پہر یا پچھلے پہر مسجد کی طرف جائے، تو جب بھی وہ مسجد کی طرف جاتا ہے، اللہ تعالی اس کے لئے جنت میں مہمانی تیار کرتے ہیں ۱۲

سلہ جو کمائی کرے گا اس کا نفع اسی کو پہنچے گا، اور جو برائی کرے گا، اس کا وبال اسی پر ہوگا ۱۲

تو بھی امامت اندھے کی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، اور اقوال محققین بھی موافق اس کے ہیں، حدیثیں تریہ ہیں۔ عن انس رض قال استخلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن ام مکتوم یؤم الناس وھو اعمی رواہ ابوداؤد کذا فی المشکوٰۃ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابن ام مکتوم کو جو اندھے تھے مدینے میں اپنا خلیفہ بنا گئے تھے، وہ امامت کرتے تھے جب کسی سفر میں گئے تھے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی ترجمہ مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں، کہ ایسا اتفاق تیرہ بار ہوا، حالانکہ اور صحابہ بھی جلیل القدر موجود تھے، چنانچہ حضرت علی رض گفتہ اند کہ آن سیزدہ بار یود یک بار از آنہا وقتے کہ بغزوہ تبوک رفت، با آنکہ امیر المومنین علی رض در مدینہ بود و خلیفہ بود بر اہل و عیال و باعث بر استخلاف ابن ام مکتوم برائے امامت ہمیں بود تا علی رض را استغال بامر امامت مانع از قیام بحفظ اہل و عیال نباید، کذا فی اشعۃ اللمعات لشیخ عبدالحق دہلوی

وعن محمود بن الربیع عن عتبان بن مالک انہ کان یؤم قومہ وھو اعمی رواہ البخاری والنسائی۔ کذا فی منتقی الاخبار، اور ابو اسحٰق مروزی اور امام غزالی نے کہا ہے، کہ اندھے کے پیچھے نماز افضل ہے، کیونکہ بہ سبب نہ دیکھنے کسی چیز کے اس کا خیال نہیں بٹتا، اور نماز میں دل خوب لگتا ہے۔ وقد صرح ابو اسحٰق المروزی والغزالی بان امامۃ الاعمی افضل من امامۃ البصیر لانہ اکثر خشوعا من البصیر لما فی البصیر من شغل القلب بالمبصرات کذا فی نیل الاوطار۔ اور فقہ حنفیہ میں بھی حدیث کے موافق روایات آئی ہیں، ودر روایات فقہیہ در مذہب ما نیز آمدہ است کہ اگر اعمی متنقی بود باشد، جائز است امامت وے، و بعض گفتہ اند کہ اگر اعلم باشد پس وے اولی است کذا فی شرح الکنز نقلا عن المبسوط، و ہم چنین است در کتاب اشباہ و نظائر، انتہی ملخصا

لہ چنانچہ حضرت علی رض کہتے ہیں، کہ تیرہ دفعہ ایسا اتفاق ہوا، ایک بار ان میں سے وہ بھی تھی، جب آپ غزوہ تبوک کو گئے، حالانکہ حضرت علی رض اس وقت مدینہ میں موجود تھے اور آنحضرت کے اہل و عیال پر خلیفہ تھے، اور پھر عبداللہ بن ام مکتوم رض کو اس لئے خلیفہ بنایا گیا، تاکہ حضرت علی رض اہل و عیال کی خلافت اچھی طرح سے نباہ سکیں ۱۲ سلہ محمود بن ربیع کہتے ہیں کہ عتبان بن مالک اپنی قوم کی امامت کرتے تھے، حالانکہ وہ نابینا تھے ۱۲

سلہ ابو اسحٰق مروزی اور غزالی کہتے ہیں کہ نابینائی امامت دیکھنے والے کی امامت سے بہتر ہے، کیونکہ نابینا آنکھوں سے معذور ہونے کی وجہ سے چیزوں کے دیکھنے میں مشغول نہیں ہوتا، لہٰذا اس کی نماز میں خشوع زیادہ ہوتا ہے ۱۲

اشعۃ اللمعات، اور حنفی مذہب میں مکروہ ہے، اور دلیل یہ ہے، کہ اندھا نجاست سے نہیں بچتا، لانہ لا یتوقی النجاسۃ کذا فی الھدایۃ۔

ذرا صاحب بصیرت غور کریں، کہ یہ کیسی دلیل ہے، اول تو قاعدہ کلیہ کہ نجاست سے نہیں بچتا اس مدعی سے غلط ثابت ہوتا ہے، کوئی شخص اس کو ثابت نہیں کر سکتا، دوسرے اگر مان بھی لیا جاوے، تو علت نجاست سے نہ بچنا ہے، اندھا ہونا بذاتہ علت نہیں پس مطلقاً یہ حکم لگانا کہ اندھے کے پیچھے نماز مکروہ ہے، کیونکر صحیح ہو گا، جس سے یہ عقیدہ فاسد عوام میں راسخ ہو گیا کہ اندھا ہونا خود ایسا عیب ہے، جس سے نماز مکروہ ہوتی ہے، بلکہ یہ حکم لگانا چاہیے، کہ جو نجاست سے نہ بچے، چاہے اندھا ہو چاہے آنکھ والا اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے، بھلا اے مسلمانوں تمہارا ایمان چاہتا ہے، کہ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام بنایا ہو اس کی امامت کو ایسے ایسے خیالات موہومہ سے مکروہ بتاؤ اور حدیث کا مقابلہ خیالات واہیہ سے کرو۔

اور اسی طرح لڑکے کی امامت جب وہ ہوشیار قرآن پڑھا ہوا ہو حدیث صحیح سے ثابت ہے، عن عمرو بن سلمۃ۔ فی الحدیث الطویل فقدموفی وانا غلام ابن ست سنین قال فما شھدت مجمعا من جرم الا کنت امامھم الحدیث رواہ ابوداؤد اس کے خلاف کوئی دلیل شرعی قائم نہیں ہے، من ادعی فعلیہ البیان۔ واللہ اعلم وقد

نمقہ العبد المھین محمد یسین الرحیم آبادی ثم العظیم آبادی

جواب ہذا صحیح ہے نابینائی قدرتی پر عیب کرنا خود نابینائی ہے علم سے

حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ	سید محمد نذیر حسین	سید محمد عبد السلام غفرلہ ۱۲۹۹
محمد عبد الحمید ۱۲۹۲	ابو محمد عبد الحق ۱۳۰۵ لودیانوی	محمد یوسف ۱۳۰۲ نیمروز پوری
	محمد طاہر ۱۳۰۴ سلہٹی	

جواب ہر دو مسئلہ کا بہت صحیح ہے، اور خلاف اس کا تبع اور نہیر قابل اعتبار خاص کر لڑکے نابالغ کو امام بنانا، خواہ فرض ہوں یا نفل جیسے تراویح صحیح و درست ہے، کیونکہ احادیث صحیحہ میں آگیا ہے، کہ عمرو بن سلمہ صحابی صغیر چھ سات برس کے تھے۔ اور قرآن شریف خوب جانتے تھے کہ امامت کراتے تھے، کما فی البخاری وغیرہ من کتب الحدیث فقط واللہ

لہ نابینائی امامت اس لئے مکروہ ہے کہ وہ نجاست سے نہیں بچ سکتا ۱۲

۲ عمرو بن سلمہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے مجھے امام بنایا، حالانکہ ان دنوں میں ایک بچہ تھا ۱۲

اعلام حررہ العاجز ابومحمد عبدالوہاب الفنجابی الجھنگوی ثم الملتانی نزیل الدہلی

اصاب من اجاب

محمد حسین خان خورجوی

خادم شریعت رسول الاداب
ابو محمد عبدالوہاب ۱۳۰۰

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز تراویح میں امامت لڑکے نابالغ کی اور اس کے پیچھے تراویح جائز و درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- نزدیک علماء و مشائخ شہر بلخ اور مصر و شام کے جائز معمول بہ ہے اور علمائے ماوراء النہر کے نزدیک ناجائز ہے، اور مضمرات میں فتویٰ جواز ہی پر دیا ہے، یعنی روا اور درست ہے۔ اختلف اصحابہ فی النفل فجوزہ مشائخ بلخ وعلیہ العمل عندھم وبمصر والشام ومنعہ غیرھم وعلیہ العمل بماوراء النھر انتہی ما فی المرقاۃ شرح المشکوۃ لملا علی القاری اور صحیح بخاری میں مذکور ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک لڑکا چھ سات برس کا فرضوں کی جماعت کراتا تھا، امام بن کر۔ واللہ اعلم بالصواب

الراقم سید محمد نذیر حسین　　سید محمد نذیر حسین

ھو الموفق :- اس لڑکے کا نام عمرو بن سلمہ تھا، اور اس کے پیچھے پڑھنے والے سب صحابہ رضؓ تھے۔ نیل الاوطار میں ہے، الذین قدموا عمرو بن سلمۃ کانوا کلھم صحابۃ رضؓ قال ابن حزم ولا نعلم لھم مخالفا یعنی جن لوگوں نے عمرو بن سلمہ رضؓ کو امام بنایا تھا وہ سب کے سب صحابہ تھے، ابن حزم نے کہا کہ ان صحابہ رضؓ کا کوئی مخالف معلوم نہیں ہوتا، ابو داؤد اور احمد کی روایت میں اس لڑکے کا یہ بیان ہے کہ فما شھدت مجمعا من جرم الا کنت امامھم یعنی قبیلہ جرم کے جس مجمع میں میں حاضر ہوتا تھا، میں ہی اس مجمع کا امام ہوتا تھا، عمرو بن سلمہ کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے، کہ فرض نمازوں میں چھ سات برس کے لڑکے کی امامت جائز و درست ہے، اور یہی مذہب ہے حسن بصری اور امام شافعی اور اسحٰق کا اور جب فرض نمازوں میں اس کی امامت اور اس کے پیچھے نماز کا پڑھنا درست ہے، تو تراویح میں اس کی امامت بدرجہ اولےٰ درست ہوگی، اور امام احمد اور امام ابوحنیفہ سے دو روایتیں آئی ہیں، اور مشہور روایت ان دونوں اماموں سے یہ ہے، کہ نوافل میں نابالغ لڑکے کی امامت

لہ اصحاب نفلی نماز میں نابالغ کی امامت کے بارے میں مختلف ہیں، بلخ، مصر اور شام کے مشائخ اس کو جائز کہتے ہیں، اور اسی پر عمل کرتے ہیں، اور ماوراء النہر کے مشائخ اس کو درست نہیں سمجھتے۔

درست ہے، اور فرائض میں نادرست، حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں والی صحتہا معہ
الصبی ذہب ایضا الحسن البصری والشافعی واسحق وکرہہا مالک والثوری وعن
ابی حنیفۃ واحمد روایتان والمشہور عنہما الاجزاء فی النوافل دون الفرائض انتہی۔

کتبہ محمد عبید الرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وقت ظہر کا اصح مذہب پر
کہاں سے کہاں تک ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: ظہر کا وقت اصح مذہب پر آفتاب کے ڈھلنے سے اس وقت تک
ہے کہ ہر شے کا سایہ اس کے برابر ہو، علاوہ سایہ اصلی کے صحیح مسلم میں ہے عن[2] عبد اللہ
بن عمرو رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال وقت الظہر اذا زالت
الشمس وکان ظل الرجل کطولہ ما لم یحضر العصر الحدیث اور ابوداؤد و ترمذی میں ہے
عن[3] ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امنی جبریل عند البیت
مرتین فصلی بی الظہر حین زالت الشمس وکانت قدر الشراک وصلی بی العصر حین
صار ظل کل شیء مثلہ الحدیث طحطاوی حاشیہ درمختار میں ہے (و[4] وقت الظہر من
زوالہ) ای میل ذکاء عن کبد السماء (الی بلوغ الظل مثلیہ) وعنہ مثلہ وہو قولہما
وزفر والائمۃ الثلاثۃ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین قال الامام الطحاوی وبہ ناخذ
وفی غرر الافکار وہو المأخوذ بہ وفی البرہان وہو الاظہر لبیان جبریل علیہ السلام
وہو نص فی الباب وفی الفیض وعلیہ عمل الناس الیوم وبہ یفتی (رسوی نی)

---

[1] حسن بصری، امام شافعی اور اسحاق بچے کی امامت کے قائل ہیں، اور امام مالک و سفیان ثوری مکروہ سمجھتے ہیں
اور امام ابوحنیفہ اور امام احمد سے دو روایتیں ہیں مشہور یہ ہے، کہ نفلوں میں جائز ہے، فرائض میں نہیں۔

[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ظہر کا وقت سورج ڈھلنے سے لے کر سایہ کے ایک مثل ہونے تک
ہے جب تک کہ عصر کا وقت نہیں ہوتا۔ [3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جبریل نے
دو دفعہ بیت اللہ کے پاس میری امامت کرائی، ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سورج ڈھل گیا، اور ایک
تسمے کے برابر سایہ تھا، اور عصر کی نماز اس وقت پڑھائی، جب کہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو گیا۔

[4] ظہر کا وقت سورج کے نصف النہار سے ڈھلنے سے لے کر دو مثل تک ہے، اور امام صاحب سے ایک
مثل بھی مروی ہے، اور امام ابویوسف، محمد، زفر، امام مالک، شافعی اور احمد بن حنبل کا یہی مذہب ہے (یعنی ایک

یکون للاشیاء قبیل الزوال ویختلف باختلاف الزمان والمکان ولو لم یجد ما یعلم اعتبر بقامتہ وھی ستۃ اقدام ونصف بقدمہ من طرف ابھامہ الی آخر وقت العصر منہ الی قبیل الغروب انتھی واللہ اعلم ۔ حررہ محمد ابو الحسن عفی عنہ

سید محمد ابو الحسن — سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے، کہ حدیث ظل الرجل کطولہ کا یہ مطلب ہے، کہ مرد کا سایہ بعد دلوک الشمس مشرق کی طرف شمار کرنا چاہیے، فئی زوال کا قرآن وحدیث میں کہیں ذکر نہیں ہے، پھر اپنے اس قول کی تشریح بیان کرتا ہے تشریح یہ ہے، زید کہتا ہے، کہ بعد دلوک شمس سوائے فئی زوال کے ایک مثل مشرق کی جانب یعنی پورب کی طرف ناپنا چاہیے، مثلاً ایک لکڑی سیدھی کھڑی کی جاوے، مثلاً | یہ لکڑی ہے اس کا سایہ دوپہر کے وقت آج کل شمال کو ہوتا ہے، اس سایہ کو کچھ شمار نہ کرنا چاہیے، بلکہ اب جو سایہ مابین پورب وشمال کی جانب بڑھتا جائے، اس کو اس لکڑی کی جڑ سے لکڑی کے برابر ہونا چاہیے، تو ظہر کا وقت ختم ہو کر عصر کا وقت شروع ہوتا ہے، یعنی جو سایہ بڑھتا جاوے گا، اس کے سر سے سیدھی لکڑی جنوب کی طرف کھینچتے رہیں گے، جب اس لکڑی کی جڑ سے سرے تک برابر اس کے مقدار کے پورب کی طرف ہو جاوے گا، تو ایک مثل ہوگا، یہ مطلب ہے، حدیث ظل الرجل کطولہ کا، اور جو سایہ مابین مشرق وشمال کی طرف بڑھتا جائے گا، اس کا شمار نہ ہوگا، فقط عمر و کہتا ہے، مطلب حدیث ظل الرجل کطولہ کا یہ ہے، کہ جس طرف بغیر قید جہت کے کسی شئے لکڑی وغیرہ کا سایہ پڑے بعد دلوک شمس اس کو برابر یعنی ایک مثل لینا چاہیے، سوائے فئی زوال یعنی اصلی سایہ چھوڑ کر وہ وقت عصر کا ہے، یہی وقت بیان کیا ہے، نواب صدیق الحسن خاں صاحب نے مسک الختام میں زیر حدیث مذکور دو گرید و سایہ شخص درازی دے ورائے فئی زوال اور اسی کتاب کے صفحہ ۱۲۹ میں ہے، شاہ ولی اللہ در مصفٰی گفتہ کہ باشد سایہ ہر چیزے مانند قامت آں چیز سوائے فئی زوال، اور امام شوکانی نے نیل میں صفحہ ۲۹۰ بمصیر ظل الشئ مثلہ غیر الظل الذی یکون عند الزوال دخل وقت العصر اور قاضی ثناء اللہ صاحب نے مالابد منہ میں "سایہ

مثل الحاذی کہتے ہیں، ہمارا عمل اسی طرح ہے کیونکہ جبریل کی حدیث اس معاملہ میں نص ہے، فیض میں ہے آج کل عمل اسی پر ہے، اسی پر فتوی ہے یعنی ایک مثل اصلی سایہ کے بعد جو کہ مختلف علاقوں میں مختلف ہوتا ہے، اگر کوئی چیز گاڑنے کے لئے نہ مل سکے، تو آدمی اپنا سایہ ماپ لے اور وہ ساڑھے چھ قدم ہے، انگوٹھے کی جانب سے

ہر چیز دو چند او شود سوائے سایۂ اصلی" اور وقت ظہر بعد دلوک شمس ہوگا، کہ وہ اندازہ ساڑھے بارہ بجے ہے، اس سے پیشتر نماز ظہر درست نہ ہوگی، کیونکہ نقشہ تصدیق کردہ شاہ ولی اللہ صاحب میں ماہ حال یعنی شروع پھاگن میں وقت درمیان طلوع آفتاب و زوال چودہ گھڑی ہے، اس وقت سورج سات بجے کے قریب نکلتا ہے، تو حساب سے چودہ گھڑی ساڑھے بارہ بجے ہی ہے، اور ہمارا تجربہ بھی یہی ہے اور وقت عصر اب نصف پھاگن میں اندازہ پونے چار بجے کے بعد ہوتا ہے، جو اس سے پیشتر نماز عصر پڑھے گا، اس کی نماز عصر صحیح نہیں ہوگی، کیونکہ نصف پھاگن میں سات انگل کی لکڑی کا اصلی سایہ پانچ انگل ہے، اور ایک مثل کے سات انگل تو اس کا مجموعہ بارہ انگل پونے چار بجے کے بعد پورا ہوتا ہے، اور وقت سے پہلے نماز درست نہیں، اب علمائے ربانی سے استفسار ہے، کہ موافق مذہب اہل حدیث کس کا مطلب و بیان درست ہے، بینوا توجروا۔

الجواب: زید کا قول صحیح نہیں، عمرو کا قول مطابق حدیث و علمائے مذاہب اربعہ شاہدہ کے ہے، ابو داؤد میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کانت قدر صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الصیف ثلاثۃ اقدام الی خمسۃ اقدام وفی الشتاء خمسۃ اقدام الی سبعۃ اقدام[1]۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے، کہ فئی زوال کو اعتبار ہے، ورنہ یہ فرق کیوں ہوتا، اس حدیث میں اگرچہ قدرے ضعف ہے، مگر تعامل اہل علم کا اس حدیث کے ضعف کو رفع کرتا ہے، جیسا کہ اصول حدیث میں ہے، کہ تعامل اہل علم سے حدیث کا ضعف رفع ہوتا ہے، امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں۔ حتی خروج وقت الظهر بمصير ظل الشئ مثله غير الظل الذي يكون عند الزوال دخل وقت العصر[2] اور زرقانی علی الموطا میں ہے صل الظهر اذا كان ظلك مثلك اي مثل ظلك بغير ظل الزوال[3]۔ شرح مختصر حنابلہ میں ہے۔ ووقت العصر المختار من غير فصل بينهما ويستمر الى مصير الفئ مثليه بعد فئ الزوال اى بعد الظل الذي زالت عليه الشمس۔ امام نووی منہاج میں جو فقہ شافعیہ میں نہایت معتبر

[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا اندازہ گرمیوں میں تین اقدام سے پانچ اقدام تک تھا، اور سردیوں میں پانچ سے سات اقدام تک تھا۔ [2] جب ظہر کا وقت نکل جائے، اور زوال کے سایہ کے علاوہ ہر چیز کا سایہ اس کے مثل ہو جائے، تو اب عصر کا وقت شروع ہو گیا۔ [3] ظہر کی نماز اس وقت پڑھ جب کہ زوال کے سایہ کے علاوہ تیرا سایہ تیری مثل ہو جائے۔

کتاب ہے، لکھتے ہیں۔ آخرہ[1] (ای وقت الظهر) مصیر ظل الشئ مثله سوا ظل استواء الشمس۔ ابن ابی زید مالکی اپنے رسالہ میں جو فقہ مالکی میں معتبر کتاب ہے لکھتے ہیں آخر[2] وقت الظهر ان یصیر ظل کل شئ مثلیه بعد ظل نصف النهار اور فقہائے حنفیہ کی کتابوں میں تو یہ بات مشہور و معروف ہے، وقتا[3] لا اذا صار ظل کل شئ مثله سوی فی الزوال وهو روایة عن ابی حنیفة (فی الزوال) هو الفئ الذی یکون للاشیاء وقت الزوال اسی طرح شوکانی نیل الاوطار میں اور درر البهیه میں فرماتے ہیں و آخره[4] مصیر ظل الشئ مثله سوی فی الزوال اور شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی مصفیٰ و حجۃ اللہ البالغہ میں اور نواب صاحب نے اپنی تصانیف میں اس کے ساتھ تصریح کی ہے

غرض فی زوال کے سوا ایک مثل یا مثلین تک ظہر کا وقت رہتا ہے، اور من بعد عصر کا وقت ہونا مسئلہ متفق علیہا ہے، یہ امر بدیہی ہے، کہ اس ملک میں پوہ ماگھ کے مہینوں میں سارے دن میں کوئی ایسا وقت نہیں آتا ہے کہ سایہ ہر شے کا اس سے زیادہ نہ ہو، تو وقت ظہر کون سا ہوا۔ تو لا محالہ یہ ماننا پڑے گا، کہ سوائے فی الزوال کے جب ایک مثل ہو جائے، تو وقت عصر داخل ہوتا ہے۔

رہی یہ بات کہ فی الزوال کس طرح نکالنا چاہیے، تو علماء نے اس کا یہ طریقہ لکھا ہے، کہ زمین ہموار میں ایک لکڑی کو سیدھا کھڑا کر کے دیکھیے، کہ عین استواء شمس میں سایہ اس لکڑی کا کس قدر ہے لکڑی کے مثل یا کم و بیش جس قدر سایہ ہو اسی قدر سایہ چھوڑ کر اس پر نظر جو ایک مثل ہو جاوے عصر کا وقت داخل ہوتا ہے، لکڑی کی جڑ سے ایک مثل پورا کرنے سے وقت عصر کا داخل نہیں ہوتا امام ابو الحسن مالکی شرح رسالہ ابن ابی زید میں لکھتے ہیں۔ ویعرف[5] الزوال بان یقام عود مستقیم فاذا تناهی الظل فی النقصان واخذ فی الزیادة فهو وقت الزوال ولا اعتداد بالظل

لہ ظہر کا آخری وقت یہ ہے کہ کسی چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے اس سایہ کے علاوہ جو وقت زوال ہوتا ہے ۱۲ سلہ ظہر کا وقت یہ ہے کہ ہر چیز کا سایہ، زوال کا سایہ نکال کر اس کے برابر ہو جائے ۱۲ سلہ وہ کہتے ہیں کہ سایہ زوال کو چھوڑ کر جب کسی چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے تو یہی ظہر کا وقت ہے، امام ابو حنیفہ سے بھی ایک روایت یہی ہے، اور سایہ زوال سے وہ سایہ مراد ہے جو نصف النہار کے وقت ہوتا ہے ۱۲ سلہ اس کا آخری وقت یہ ہے، کہ ہر چیز کا سایہ سوائے دوپہر کے سایہ کے اس کے برابر ہو جائے ۱۲

شہ زوال کے معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک لکڑی سیدھی کھڑی کی جائے، جب اس کا سایہ کم ہوتے ہوتے ایسی جگہ پہنچ جائے کہ اس کے بعد بڑھنے لگے تو یہی زوال کا وقت ہے، اب زوال کے وقت جو سایہ ہوتا ہے، اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، بلکہ وہ سایہ معتبر ہوگا جو اس کے بعد شروع ہوا ہے ۱۲

الذی زالت علیہ الشمس فی القامۃ بل یعتبر ظلہ مفردا عن الزیادۃ اور طحطاوی میں ہے۔ واستثنی فیٔ الزوال لانہ قد یکون مثلہ فی بعض المواضع فی الشتاء وقد یکون مثلین فلو اعتبر المثل او المثلین من عند ذی الظل لما وجد الظہر عندھما ولا عندہ اور شامی میں ہے ان[1] وجد خشبۃ یغرزھا فی الارض قبل الزوال وینتظر الظل مادام متراجعا الی الخشبۃ فاذا اخذ الظل فی الزیادۃ حفظ الظل الذی قبلہا فہو ظل الزوال فاذا بلغ الظل طول القامۃ مرتین او مرۃ سوی ظل الزوال فقد خرج وقت الظہر ودخل وقت العصر اور شرح وقایہ میں ہے[2] مثلا اذا کان فیٔ الزوال مقدار ربع المقیاس فاخر وقت الظہر ان یصیر ظلہ مثلی المقیاس وربعہ ھذا فی روایۃ عن ابی حنیفۃ رح وفی روایۃ اخری عنہ وھو قول ابی یوسف ومحمد والشافعی وان صار ظل کل شیٔ مثلہ سوی فیٔ الزوال اور کفایہ میں ہے،[3] وطریقۃ معرفۃ الزوال ان ینصب عودا مستویا فی الارض فمادام ظل العود فی النقصان علم ان الشمس فی الارتفاع وان استوی الظل علم انہ حالۃ الزوال فاذا اخذ الظل فی الزیادۃ علم انہا زالت فیخط علی راس الزیادۃ فیکون من راس الخط الی العود فیٔ الزوال فاذا صار ظل العود مثلیہ من راس الخط لا من العود خرج الظہر عندہ اور شرح مختصر وقایہ میں ہے[4] ثم یعلم علی راس الظل علامۃ عند انحرافہ فاذا صار

---

[1] زوال کا سایہ اس سے مستثنیٰ ہوگا کیونکہ سردی میں یہ سایہ بعض جگہوں میں ایک مثل اور بعض جگہ دو مثل ہو جاتا ہے، تو اگر ایک مثل یا دو مثل کا اعتبار اس سایہ سے کیا جائے تو صاحبین اور امام صاحب دونوں فریق کے نزدیک ظہر کا وجود نہیں پایا جائے گا۔ [2] ایک لکڑی لے کر زوال سے پہلے زمین میں گاڑ دی جائے پھر اس کا سایہ لکڑی کی طرف آتے ہوئے دیکھا جائے، جب سایہ بڑھنا شروع ہو تو پہلے سائے کو محفوظ کر لیا جائے، بس یہی زوال کا سایہ ہوگا، اب اس سائے کے علاوہ جب سایہ اس لکڑی کے برابر یا دگنا ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم اور عصر کا وقت شروع ہوگا۔ [3] مثلاً جب زوال کا سایہ پیمانے کا ربع ہو تو جب یہ سایہ ایک ربع اور دو مثل ہوگا یہی ظہر کا آخری وقت ہوگا امام ابو حنیفہ سے ایک روایت یہ ہے، اور آپ سے ایک دوسری روایت بھی ہے، جو کہ امام ابو یوسف محمد اور امام شافعی کا قول ہے، یعنی جب زوال کے سایہ کے علاوہ سایہ ایک مثل ہو۔ [4] زوال معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک سیدھی لکڑی زمین میں گاڑ دی جائے، جب تک سایہ کم ہوتا جائے سمجھا جائے گا کہ سورج بلند ہو رہا ہے، جب سایہ برابر ہوگا تو یہ حالت زوال تصور ہوگی جب سایہ بڑھنے لگے، تو شروع زوال کی علامت ہوگی، اس مقام پر ایک خط کھینچ لیجیے، اس خط سے لکڑی تک کا سایہ زوال کا سایہ ہوگا اب جب لکڑی کا سایہ خط کے اس سرے سے آگے لکڑی سے دوگنا ہو جائے گا تو امام صاحب کے نزدیک ظہر کا وقت ختم ہو جائے گا۔ [5] پھر جب سایہ پھرنے لگے تو اس کے سرے پر نشان لگا لیا جائے تو اس نشان سے لے کر لکڑی کا سایہ جب دوگنا ہو

الظل من تلک العلامۃ لا من العود مثلی العود خرج وقت الظهر عند ابی حنیفۃ
شاید زید یہ دونوں قول متاخرین حنفیہ کے دیکھ کر اس سے اپنا مطلب نکالتا ہے، مگر درحقیقت یہ اس کی سمجھ کا فرق ہے، ان دونوں قولوں کا بھی وہی مطلب ہے، جو شامی اور صاحب شرح وقایہ نے بیان کیا ہے، مطلب اس علامت اور خط سے بھی یہی ہے کہ فی الزوال کا قدر معلوم کرنا ضروری ہے، اس علامت اور خط کے اندازہ پر سایہ جس طرف ہو جاوے، اسی قدر بوقت عصر چھوڑ کر ابتدا زاں یک مثل پورا کرنا ضروری ہے، غرضیکہ زید کی تشریح و بیان لی سند میں میری نظر سے کسی محدث کا قول گذرا ہے اور نہ کسی فقیہ کا، یہ فقط اس کا عندیہ معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم عبد الجبار بن عبد اللہ الغزنوی

بیشک تسعیر مولوی عبد الجبار غزنوی بہت درست ہے، اور پیمائش ان کی موافق حدیث جابر رضی اللہ عنہ جو ذیل میں درج ہے، بہت ٹھیک ہے، کہ جس طرح سایہ بعد زوال پڑے لکڑی کی جڑ سے بقدر سایہ اصلی یعنی فی زوال اور ایک مثل کے ہو جانے سے وقت عصر کا ہو جاوے گا حدیث یہ ہے۔ عن[1] بشیر بن سلام قال دخلت انا و محمد بن علی علی جابر بن عبد اللہ الانصاری رضی اللہ عنہ فقلنا اخبرنا عن صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وذالک زمن الحجاج بن یوسف قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصلی الظهر حین زالت الشمس وکان الفیء قدر الشراک ثم صلی العصر حین کان الفیء قدر الشراک وظل الرجل الخ

یہ حدیث نسائی میں صحیح سند سے مروی ہے، اور سندھی محدث نے اس پر یہ حاشیہ لکھا ہے۔ قدر[2] الشراک بکسر الشین احد سیور النعل التی علی وجهها وظاهر هذہ الروایۃ ان المراد الفیء الاصلی لا الزائد بعد الزوال ولذلک استثنی فی وقت العصر اور مجمع البحار

جائے گا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک ظہر کا وقت ختم ہو جائے گا۔

[1] حضرت بشیر بن سلام فرماتے ہیں، کہ میں اور محمد بن علی حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے متعلق سوال کیا، یہ حجاج بن یوسف کا زمانہ تھا، آپ نے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے، ظہر کی نماز اس وقت پڑھی جب کہ سورج ڈھل چکا تھا، اور سایہ تسمہ کے برابر تھا پھر آپ نے عصر اس وقت ادا فرمائی، جب سایہ تسمہ اور آدمی کے سایہ کے برابر تھا۔

[2] شراک شین کی زیر سے جوتی کے اوپر کی جانب جو تسمے ہوتے ہیں، ان میں سے ہر ایک کو شراک کہتے ہیں، اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے، کہ یہاں اصل سایہ مراد ہے نہ کہ وہ جو کہ زوال کے بعد ہوتا ہے، اس لئے عصر کے وقت سے اس کو مستثنیٰ کر دیا ہے۔

میں لفظ شراک کے تحت میں اس حدیث شراک کی شرح یوں کی ہے ۔ صلی الظہر[1] حین کان الفیئ بقدر الشراک ھو احد سیور النعل تکون علی وجہھا و قدرہ ھنا لیس علی وجہ التحدید لکن زوال الشمس لا یبین الا باقل مایری من الظل وکان حینئذ بمکۃ ھذا القدر والظل یختلف باختلاف الازمنۃ والامکنۃ الخ یہ پیمائش موافق حدیث ایک مثل کے ہے، یہی مذہب راجح ہے، اور مذہب ثانی جو راجح نہیں، لیکن بالکل بے اصل بھی نہیں، جیسا کہ حدیث ابو ہریرہ کا مضمون ہے ۔ صل الظہر[2] اذا کان ظلک مثلک، و العصر اذا کان ظلک مثلیک رواہ فی الموطا ۔ اسی واسطے مولوی عبدالجبار صاحب نے مذہب ثانی کی پیمائش بھی درج کر دی، ورنہ ان کے نزدیک روایت معمول بہا ایک ہی مثل ہے، اور زید کی پیمائش پر جو قول کسی فقیہ یا محدث کا نہ ملا، تو بیان کر دیا، کہ یہ اس کا عندیہ ہے پھر پیمائش زید مخالف ہے حدیث کے بھی، حدیث کہتی ہے، فئی یعنی سایہ پیمائش کیا جاوے اور زید کی پیمائش میں دھوپ ملتی ہے، اور دوسرے مخالف ہے حدیث قیراط کے بھی، جو بخاری درباب وقت عصر میں، اور کہ رکعۃ قبل الغروب لایا ہے، جس سے عصر کا وقت بہ نسبت ظہر کم معلوم ہوتا ہے، نہ برابر نہ زیادہ، فتح الباری میں اس حدیث کے تحت میں لکھا ہے، اگر وقت عصر کے ایک مثل پر تفریع کی جاوے، جیسے کہ مذہب جمہور کا ہے، لجیب بمنع المساواۃ وذلک معروف عند اہل العلم بھذا الفن وھو ان المدۃ التی بین الظہر والعصر اطول من المدۃ بین العصر والمغرب[3] زید کی پیمائش میں برخلاف اس کے زید کا مقولہ درست نہیں ہے، ورنہ لازم آوے گا، کہ جن ایام میں سایہ اصلی ایک مثل یا اس سے زائد ہو تو نماز ظہر کا کوئی وقت نہ رہے گا، اس لئے کہ بفور ڈھلنے کے ایک مثل سایہ ہو جانے کے سبب اس تقدیر پر عصر کا وقت ہو جاوے گا، فقط واللہ تعالے اعلم۔

بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔

---

[1] ظہر اس وقت پڑھی جب سایہ ایک شراک کے برابر تھا، یہ جوتی کا ایک تسمہ ہوتا ہے، جو سامنے کی طرف ہوتا ہے، اور یہاں اس سے تحدید مراد نہیں لیکن سورج کا زوال اس وقت تک ظاہر نہیں ہوتا جب تک کہ کم از کم سایہ نمودار نہ ہو، مکہ میں اس وقت اتنا ہی اندازہ تھا اور سایہ جگہ اور موسم کی تبدیلی سے بدلتا رہتا ہے۔ [2] تو ظہر اس وقت پڑھ جب تیرا سایہ تیرے برابر ہو جائے اور عصر اس وقت جب کہ سایہ دوگنا ہو جائے (موطا) [3] جواب دیتے ہوئے برابری کی نفی کی گئی ہے، اور یہ بات اس فن میں مہارت رکھنے والوں کے نزدیک مشہور ہے، کہ جو وقفہ ظہر اور عصر کے درمیان ہے وہ اس مدت سے زیادہ ہے، جو عصر اور مغرب کے درمیان ہے۔

ھوالموفق دونوں مجیب نے جو کچھ لکھا ہے، بہت صحیح و درست لکھا ہے، مگر مجیب ثانی نے جو یہ فرمایا کہ مذہب ثانی (یعنی وقت ظہر کا مثلین تک باقی رہنا) جو راجح نہیں لیکن بالکل بے اصل بھی نہیں، جیسا کہ حدیث ابوہریرہ رض کا مضمون ہے، صل الظھر اذا کان ظلك مثلك والعصر اذا کان ظلك مثلیك، رواہ فی الموطاء سو یہ ٹھیک نہیں ہے کیونکہ ابوہریرہ رض کی اس حدیث کے مضمون سے مذہب ثانی کا با اصل ہونا ثابت نہیں ہوتا اس واسطے کہ اس حدیث میں ظہر و عصر کے اول وقت کا بیان نہیں ہے، بلکہ آخر وقت کا بیان ہے، اور مضمون اس حدیث کا یہ ہے، کہ ظہر کا وقت زوال آفتاب سے ایک مثل تک ہے، اور عصر کا وقت ایک مثل سے مثلین تک، پس اس حدیث کے مضمون سے مذہب ثانی کا با اصل ہونا نہیں ثابت ہوتا ہے، بلکہ معاملہ برعکس ہے۔ قال فی التعلیق الممجد اقتصر فیہ علی ذکر اواخر الاوقات المستحبۃ دون اوائلہا فکانہ قال الظھر من الزوال الی ان یکون ظلك مثلك والعصر من ذلك الوقت الی ان یکون ظلك مثلیك انتہی واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال فقہاء قاطبۃً در تمامی متون کتب فقہیہ روایت مثلین درج می کنند و شراح در شروح روایت مثل می آرند سبب ایراد روایت مثلین چیست، و بادی النظر اختیار یکے از دو امرین در متون مشعر ترجیح است و صاحب در مختار بر روایت مثل فتوے نقل مے کند و قاضی ثناء اللہ قدس سرہ در رسالہ مالابد منہ بر روایت مثلین فتوے می دہند، درین باب محقق نزد جناب چیست، و بر افواہ بعض ارباب علم دائر است، کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ از روایت مثلین رجوع فرمودہ اند اگر روایت رجوع از نظر فیض اثر گذشتہ باشد عبارت آں

لہ ظہر اس وقت پڑھیے، جب آپ کا سایہ آپ کے مثل ہو، اور عصر جب سایہ دو مثل ہو جائے۔ ۱۲ التعلیق الممجد میں ہے کہ اس میں صرف آخری مستحب اوقات کا ذکر کیا ہے، نہ کہ ابتدائی وقتوں کا، گویا آپ نے فرمایا کہ ظہر زوال سے شروع ہو کر ایک مثل تک ہے، اور اس وقت سے آگے دو مثل تک عصر کا وقت ہے۔ ۱۲

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین، کہ فقہ کی تمام کتابوں کے متون میں ظہر کے وقت میں روایت مثلین درج ہے اور شارح اپنی تمام کتابوں میں روایت مثل بیان کرتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ ان دونوں میں سے روایت مثلین کے اختیار کرنے کی کوئی وجہ تو ضرور ہوگی، صاحب در مختار نے مثل کی روایت پر فتویٰ دیا ہے، اور قاضی ثناء اللہ نے اپنے

مرحمت فرمایند، فقط۔

الجواب:۔ باید دانست کہ اہل متون مثل صاحب قدوری وہدایہ ومختصر وقایہ وشرح وقایہ وصاحب کنز وغیرہ کہ از خطہ ماوراء النہر اند عقیدہ وقاعدہ ایشاں این بود کہ عمل بر مذہب مجتہد فی الشرع واجب است مر مقلد را بغیر اعتبار قوت دلیل وضعف آن پس ازیں جہت ایراد روایت مثلین در متون کردند قطع نظر از قوت دلیل نمودہ کار بند بروایت مثلین شدند، چنانکہ از فتاوی خانیہ مستفاد می شود، بخلاف صاحب درمختار وغیرہ کہ اسامی شان در درمختار مذکور است از جملہ علمائے عراقیین بودند ودر انیان چنداں تعصب نبودہ لہذا بنظر قوت دلیل روایت مثل را اختیار کردہ اند ودر آخر حاوی قدسی کہ در فقہ است می نویسد فان خالفاہ قال بعضھم یؤخذ بقولہ وقیل یخیر المفتی والاصح ان العبرۃ بقوۃ الدلیل انتہی کلامہ کما یستفاد من البحر پس بنا بر قوت دلیل در درمختار وغیرہ روایت مثل را معمول بہا قرار دادہ مولانا عابد سندی حنفی در مواہب لطیفہ شرح مسند ابی حنیفہ می نویسد۔ حدثنا ابو حنیفۃ عن شیبان عن یحیی عن بریدۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکروا بصلوۃ العصر وقد اختلف العلماء فی دخول وقت العصر فالجمہور علی ان وقت العصر یدخل بصیرورۃ ظل کل شیء مثلہ بلا فراد بیل لیل ما اخرجہ البخاری الخ وبعد ایراد چند حدیث پر مثل این چنین می نویسد۔ وذکر فی

مثلین کو ترجیح دی ہے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے، کہ امام ابو حنیفہ نے مثلین کی روایت سے رجوع کر لیا تھا آپ کی اس بارے میں کیا تحقیق ہے؟

الجواب:۔ صاحب قدوری وہدایہ ووقایہ وشرح وقایہ وکنز وغیرہ یہ سب علاقہ ماوراء النہر کے رہنے والے ہیں، ان کا مذہب یہ تھا کہ مقلد کو اپنے مجتہد کے قول سے کسی طرح انحراف نہیں کرنا چاہیے، اور دوسرے مقلدوں کا یہ مذہب ہے، کہ دلیل کے ضعف وقوت کو ملحوظ رکھنا چاہیے، اور صاحب درمختار اور چند ایک اور فقہا جن کے نام درمختار میں موجود ہیں، عراق کے رہنے والے ہیں، ان کا مسلک یہ ہے کہ جس مسئلہ میں دلیل واضح موجود ہو اس پر عمل کر لینا چاہیے، اور جہاں ایسا نہ ہو، وہاں اپنے مجتہد کے قول پر عمل کرنا چاہیے، چنانچہ اسی نظریہ کے اختلاف کے سبب اکثر اصحاب متون نے روایت مثلین کو قبول کر لیا، اور علمائے عراق کہ ان کے اندر اتنا تعصب نہیں تھا، انہوں نے روایت مثل کو اختیار کیا، حاوی قدسی عراقی نے لکھا ہے، کہ اگر صاحبین امام صاحب کے مخالف ہوں، تو بعض امام صاحب کے قول کو ترجیح دیتے ہیں، اور بعض اختیار کے قائل ہیں، کہ جس کے قول پر چاہے عمل کرے، اور صحیح بات یہ ہے، کہ دلائل کا جائزہ لیا جائے، جس کی دلیل قوی ہو اس کے قول کو ترجیح دی جائے

خزانۃ الروایات ناقلا عن ملتقی البحار ان ابا حنیفۃ قد رجع فی خروج وقت الظہر و دخول وقت العصر الی قولہما وممن نقل ایضا رجوع الامام الی صاحبیہ صاحب الفتاوی الشافی وصاحب کتاب الانیس وصاحب الجوہر المنیر شرح تنویر الابصار وذکرہ ایضا فی زیادات الہندوانی علی المستدرک الشیبانی فی باب ما یحل اکلہ وما لا یحل قال قد صح رجوع ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ عن قولہ لا یحل اکل لحم الخیل وعن اختلاف الشفق وعن خروج وقت الظہر ودخول وقت العصر بعد المثلین وعن اشیاء عددھا وممن نقل الرجوع ایضا صاحب الصراط المقویم فاذا کان ھذا القدر مقررا فی رجوع الامام وانضم الی ذلک قول اہل المذہب اذا کان الامام فی جانب وصاحباہ فی جانب فالمفتی بالخیار ان شاء افتی بقول الامام وان شاء افتی بقول الصاحبین کان العدول الی قول الجمہور واجبا انتہی ما فی المواہب اللطیفۃ فی الحرم المکی علی مسند الامام ابی حنیفۃ من روایۃ الحسفکی للملا عابد السندی رحمۃ اللہ علیہ وکذا نقل صاحب الحمادیۃ عن الظہیریۃ و التاسیس والاسرار وحاشیۃ المنظومۃ ترجیح قول صاحبیہ بروایۃ المثل لصلوۃ العصر انتہی

اعلم انہ قال الجمہور اذا صار ظل کل شیء مثلہ بعد ظل نصف النہار خرج وقت الظہر ودخل وقت العصر وقال ابو حنیفۃ فی المشہور عنہ انہ لا یخرج الظہر بصیر الظل المثل

پس اسی اصول کے مطابق صاحب درمختار نے ایک مثل والی روایت کو قبول کیا ہے، اور ملا عابد سندھی نے مواہب لطیفہ شرح مسند ابی حنیفہ میں لکھا ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ عصر کی نماز سویرے پڑھا کرو" عصر کا وقت شروع ہونے میں علماء کا اختلاف ہے، جمہور کا مسلک یہ ہے، کہ ایک مثل کے بعد عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے، اور پھر اس پر چند ایک حدیثیں نقل کر کے لکھا ہے، کہ امام ابو حنیفہ نے عصر کے وقت کے متعلق صاحبین کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا، اور صاحب" فتاوی الشافی" صاحب" کتاب الانیس" صاحب" جوہر منیر" نے بھی امام صاحب کا رجوع نقل کیا ہے، اور زیادات الہندوانی علی المستدرک الشیبانی نے بھی باب" ما یحل اکلہ وما لا یحل" میں امام صاحب کا رجوع نقل کیا ہے، اور صاحب" الصراط المقویم" نے امام صاحب کا رجوع نقل کر کے لکھا ہے، کہ اگر امام صاحب ایک طرف ہوں، اور صاحبین دوسری طرف تو مفتی کو اختیار ہے، چاہے تو امام صاحب کا مسلک اختیار کرے، اور چاہے تو صاحبین کا۔

جمہور کا مذہب یہ ہے کہ سایہ کے ایک مثل ہو جانے پر ظہر کا وقت نکل جاتا ہے، اور عصر کا شروع ہو جاتا ہے، اور امام ابو حنیفہ سے مشہور روایت یہ ہے، کہ ظہر کا وقت ایک مثل پر ختم ہو جاتا ہے، اور عصر کا وقت دو

ولا يدخل العصر بل يكون اول وقت العصر بمصير ظل كل شئ مثليه قال القرطبي خالفه الناس كلهم حتى اصحابه وروى عن ابى حنيفة رحمة الله عليه ايضا ان وقت الظهر الى المثل كما قالت الثلاثة الباقية والجمهور وفى البدائع هو الصحيح المذكور فى الاصل وفى غاية البيان بها اخذ ابو حنيفة وهو المشهور عنه وفى الينابيع هو الصحيح عن ابى حنيفة رحمة الله عليه وفى در المختار هو قولهما وزفر وطحاوى وبه ناخذ الى اخر ما فى الدر المختار انتهى ما فى المحلى شرح الموطا للعلامة المحدث سلام الله الحنفى من اولاد الشيخ عبد الحق المحدث الدهلوى، اما خروج وقت الظهر فلم يوجد فى حديث صحيح ولا ضعيف انه يبقى بعد مصير ظل كل شئ مثله ولذا خالف ابا حنيفة رحمة الله عليه فى هذه المسئلة صاحباه ووافقا الجمهور ودلالة حديث الابراد على ابقاء وقت الظهر بعد المثل ممنوع بل الابراد امر اضافى وشدة الحر انما يكون عند الزوال وبعض الابراد يحصل قبيل بلوغ الظل مثل الشئ ولو كان الحر فى ديارهم حين بلوغ ظل الشئ مثله اشد مما قبله كان مقتضى الامر بالابراد تعجيل الصلوة فى اول الوقت انتهى ما فى تفسير المظهرى للقاضى ثناء الله پانى پتى قدس سره و تحقیق کما حقہ درین مسئلہ در معیار الحق نوشتہ ام دراں بہ بینند، وقاعدہ کلیہ مطردہ نیست، کہ ہر مسئلہ متن صحیح و مفتی بہ باشد، چنانکہ خروج بصنع مصلی کہ متون از فرائض شمردہ اند، حالانکہ نزد محققین فرض نیست اما الخروج بصنع المصلى فليس بفرض هو الصحيح هكذا فى التبيين واكثر الكتب مالا يخفى على الماهر بالروايات الحنفية، والله تعالى اعلم بالصواب

مثل کے بعد شروع ہوتا ہے، اور درمیانی وقت نہ ظہر کا ہے نہ عصر کا، قرطبی نے کہا، امام صاحب کے اس قول کی مخالفت ساری دنیا نے کی ہے، حتیٰ کہ آپ کے تمام شاگردوں نے بھی، اور باقی تینوں امام بھی اس کے قائل ہیں کہ ایک مثل کے بعد عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے، اور یہی صحیح ہے، اور ظہر کی نماز کو ایک مثل کے بعد ٹھنڈا کرنا ممنوع ہے بلکہ ابراد ایک اضافی امر ہے، کیونکہ گرمی کی شدت دوپہر کے وقت زیادہ ہوتی ہے، اور ایک مثل سایہ ہونے تک نسبتاً کم ہو جاتی ہے، قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں، جن علاقوں میں دوپہر کی نسبت سہ پہر کو گرمی زیادہ ہو جاتی ہے، انہیں چاہیئے، کہ وہ گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز اول وقت میں پڑھیں، تاکہ ابراد حاصل ہو اس مسئلہ کی پوری تحقیق معیار الحق میں لکھی گئی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں، اور یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے، کہ متن کی روایت صحیح اور مفتی بہ ہو دیکھئے، اکثر کتب فقہ میں لکھا ہے، کہ نمازی اپنے کام سے نماز سے باہر آئے لیکن یہ صحیح نہیں ہے، چنانچہ تبیین اور اکثر کتب میں اس کی وضاحت موجود ہے، واللہ اعلم۔

حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ — سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ عمرو کہتا ہے کہ آیت الیس اللہ باحکم الحاکمین[1] اور سبح اسم ربک الاعلی[2] اور فبای حدیث بعدہ یؤمنون[3] وغیرہ آیات کا جواب جس طرح سے قاری کو دینا چاہیئے، اسی طرح سامع کو بھی دینا چاہیئے، اور زید کہتا ہے، کہ ان آیات کا جواب صرف قاری کو دینا چاہیئے، سامع کو نہیں دینا چاہیئے، پس ان دونوں میں سے کس کا قول حق و صواب ہے، بینوا توجروا

الجواب:۔ صورت مسئول عنہا میں عمرو کا قول اقرب الی الصواب ہے، یعنی آیات مذکورہ کا جواب دینا جس طرح سے قاری کو دینا چاہیئے، اسی طرح سے سامع کو بھی چاہیئے، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بوقت قرأت ان آیتوں کا جواب دینا ثابت ہے، اور آپ کا کل قول و فعل امت کے لئے ہر وقت دستور العمل ہے، تاوقتیکہ اس کی تخصیص کسی وقت خاص یا شخص خاص یا حالت خاص کے ساتھ ثابت نہ ہو، مثلاً رفع الیدین اور وضع الیدین علی الصدر اور رفع سبابہ فی التشہد اور جلسہ استراحت اور تورک اور قبل افتتاح قرأت کے اللہ اکبر کبیرا والحمد للہ کثیرا وسبحان اللہ بکرۃ واصیلا[4] یا انی وجہت وجھی للذی فطر السموات والارض الخ یا اللھم باعد بینی وبین خطایای کما باعدت بین المشرق والمغرب الخ پڑھنا یا رکوع میں سبوح قدوس رب الملائکۃ والروح[5] اور سجدہ میں لک سجد وجھی وعظامی ومخی[6] پڑھنا وغیر ذلک یہ ایسے افعال ہیں جن کی مسنونیت میں کسی طرح کا شک نہیں ہو سکتا ہے اور امت محمدیہ میں سے ہر شخص کے لئے یہ افعال مسنون ہیں، خواہ وہ شخص امام ہو یا مقتدی خواہ منفرد ہو، حالانکہ یہ کہیں ثابت نہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مقتدیوں کو ان امور کی تعلیم فرمائی ہے، یا عام طرح پر فرمایا ہے، کہ جو شخص جب نماز پڑھے تو ایسا کرے، پھر بھی یہ احکام ہر شخص کے لئے اسی وجہ سے عام رہے، کہ قول و فعل پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تمام افراد امت کے

---

[1] کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں کا حاکم نہیں ہے؟ [2] اپنے رب بلند کی تسبیح بیان کر۔ [3] پھر اس کے بعد کون سی بات پر ایمان لائیں گے۔ [4] اللہ بہت ہی بڑا ہے، اللہ کی بہت تعریف ہے، صبح و شام خدا کی پاکیزگی ہے، میں نے اپنا رخ اس خدا کی طرف کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا، اے اللہ میرے اور میرے گناہوں کے درمیان اتنا فاصلہ کر دے، جتنا مشرق مغرب میں ہے [5] فرشتوں اور روح کا رب پاک ہے [6] اے اللہ تیرے سامنے میرا چہرہ میری ہڈیاں، میرا گودا جھک گیا۔

لئے دستور العمل ہوتا ہے، جب تک حدیث مرفوع ہی سے تخصیص ثابت نہ ہو قال اللہ تعالیٰ[1] لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ الایۃ پس بنا بر تقریر بالا ان آیات کا جواب دینا ہر شخص کو چاہیے عام ازیں کہ قاری ہو یا سامع، نماز میں ہو یا غیر نماز میں، امام ہو یا مقتدی یا منفرد، اتباعاً لفعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما رواہ ابوداؤد عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا قرأ سبح اسم ربک الاعلی قال سبحان ربی الاعلی وروی ایضا عن موسی بن ابی عائشۃ قال کان رجل یصلی فوق بیتہ وکان اذا قرأ الیس ذلک بقادر علی ان یحیی الموتی قال سبحانک فبلی فسألوہ عن ذلک فقال سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وروی البیہقی عن علی انہ قرأ فی الصبح بسبح اسم ربک الاعلی فقال سبحان ربی الاعلی الحدیث وروی ابوداؤد عن عوف بن مالک الاشجعی قال قمت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ فقام فقرأ سورۃ البقرۃ لا یمر بایۃ رحمۃ الا وقف فسأل ولا یمر بایۃ عذاب الا وقف فتعوذ قال ثم رکع بقدر قیامہ یقول فی رکوعہ سبحان ذی الجبروت والملکوت والکبریاء والعظمۃ ثم سجد بقدر قیامہ ثم قال فی سجودہ مثل ذلک ثم قام فقرأ بال عمران ثم قرأ سورۃ الحدیث واخرجہ مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجۃ بنحوہ مختصرا ومطولا وروی الترمذی عن جابر قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی اصحابہ فقرأ علیھم سورۃ الرحمن من اولھا الی اخرھا فسکتوا فقال لقد قرأتہا

---

[1] تمہارے لئے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھتے تھے، تو سبحان ربی الاعلیٰ کہتے تھے، ایک آدمی اپنے مکان کی چھت پر نماز پڑھ رہا تھا، جب اس نے الیس ذلک بقادر علی ان یحیی الموتیٰ پڑھا، تو کہا سبحانک فبلی، لوگوں نے اس بارے میں اس سے پوچھا، تو اس نے کہا، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو سنا ہے، بیہقی میں روایت ہے، کہ آپ نے صبح کی نماز میں سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھا، تو فرمایا سبحان ربی الاعلیٰ، عوف بن مالک کہتے ہیں، کہ ایک رات آپ نے نماز میں سورت بقرہ شروع کی، جب آپ کوئی رحمت کی آیت پڑھتے، تو ٹھہر جاتے اور خدا سے رحمت کا سوال کرتے اور جب عذاب کی آیت پڑھتے تو اس سے پناہ مانگتے، پھر آپ نے قیام کے برابر رکوع کیا، اور اس میں سبحان ذی الجبروت والملکوت والکبریا والعظمۃ پڑھتے رہے، پھر سجدہ بھی قیام کے برابر کیا، اور اس میں بھی رکوع والی دعا پڑھتے رہے، پھر آپ کھڑے ہوئے، تو سورت آل عمران اور ایک اور سورت پڑھی، جابر کہتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ پر سورہ الرحمن پڑھی، وہ خاموشی سے سنتے رہے، آپ نے فرمایا، میں نے جنوں کی رات میں یہی سورۃ

علی الجن لیلۃ الجن فکانوا احسن مردودا منکم کنت کلما اتیت علی قولہ فبای الاء ربکما تکذبان قالوا لا بشئ من نعمک ربنا نکذب فلک الحمد انتہی

اس حدیث ترمذی سے یہ امر بھی معلوم ہوا، کہ اس قسم کی آیتوں کا جواب قاری یا مصلی کے اعتبار سے نہیں ہے، بلکہ خود اس کلام پاک کے معنی اور موقع کے لحاظ سے ہے، جب ہی تو آپ نے صحابہ کرام کے سکوت پر اعتراض فرمایا، اور جنات کے جواب دینے کو مدحیہ طور پر ذکر فرمایا، حالانکہ آپ نے اس واقعہ سے قبل صحابہ کرام کو اس جواب کی تعلیم نہیں فرمائی تھی، پس معلوم ہوا، کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جن جن آیتوں کا جواب دیا ہے، وہ اس خصوصیت سے نہیں، کہ آپ امام تھے یا قاری تھے، بلکہ ان آیتوں کا معنی اور موقع ہی ایسا ہے، کہ جب وہ آیت پڑھی جاوے، تو پڑھنے والا، اور سننے والا ہر شخص اس کا مناسب جواب جو احادیث سے ثابت ہو دیوے۔

قال المناوی فی الشرح الجامع الصغیر کان اذا قرأ قولہ تعالیٰ الیس ذلک بقادر علی ان یحیی الموتی قال بلی واذا قرأ الیس اللہ باحکم الحاکمین قال بلی کان قولہ بمنزلۃ سوال فیحتاج الی الجواب ومن حق الخطاب ان لا یترک المخاطب جوابہ فیکون السامع کھیئۃ الغافل او کمن لا یسمع الا دعاء ونداء من الناعق بہ صم بکم عمی فھم لا یعقلون فھذہ ھیئۃ سیئۃ ومن ثم ندب لو السن مر بایۃ رحمۃ ان یسأل اللہ الرحمۃ او عذاب ان یتعوذ من النار او بذکر الجنۃ بان یرغب الی اللہ فیھا او النار ان یستعیذ بہ منھا انتہی ثم قال اذا قرأ سبح اسم ربک الاعلی قال سبحان ربی الاعلی کما سمعتہ فیما قبلہ واخذ من ذلک ان للقاری او السامع کلما مر بایۃ تنزیہ ان ینزہ اللہ او تحمید ان یحمدہ او تکبیر

جنوں پر پڑھی تھی، وہ تم سے جواب دینے میں اچھے رہے، جب بھی میں پڑھتا، فبای آلاء ربکما تکذبان، تو وہ جواب دیتے، اے ہمارے رب ہم تیری کسی نعمت کا انکار نہیں کرتے، تیرے ہی لئے سب تعریفیں ہیں۔

لہ جب اللہ تعالیٰ کا یہ قول الیس ذلک بقادر علی ان یحیی الموتی پڑھتے، تو کہتے بلی، اور جب الیس اللہ باحکم الحاکمین پڑھتے، تو بلی کہتے، کیونکہ ان میں سوال کیا گیا ہے، جس کا جواب دینا چاہیئے، اور خطاب کا حق ہے کہ مخاطب کلام کا جواب دے، اگر نہ دے گا، تو سامع بے خبروں کی طرح ہو گا، یا جیسے کوئی جانور، جو آواز تو سنتا ہے لیکن مطلب نہیں سمجھتا، یا کسی اندھے، گونگے، بہرے کی طرح، جسے کچھ سمجھ نہ آئے، یہ حالت تو بہت بری حالت ہے، پھر مستحب ہے، کہ رحمت کی آیت سے گذرے، تو رحمت کا سوال کرے، عذاب کی آیت سے گذرے، تو پناہ مانگے، جنت کا تذکرہ ہو، تو اس کا سوال کرے، دوزخ کا ذکر ہو، تو پناہ مانگے، اگر تنزیہ کی آیت ہو،

ان یکبرہ وقس علیہ انتہی اور شرح صحیح مسلم للنووی میں ہے۔ اذا مر بآیۃ فیہا تسبیح سبح واذا مر بسوال سال واذا مر بتعوذ تعوذ فیہ استحباب ھذہ الامور لکل قاری فی الصلوٰۃ او غیرہا ومن ھبنا استحبابہ للامام والماموم والمنفرد۔ انتہی، وھکذا فی کتاب الاذکار للنووی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ حررہ ابو عبداللہ محمد ادریس عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: ہم لوگ چونکہ تبع امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں، اور امام مالک کے نزدیک ستر کو ہاتھ لگ جانے سے وضو ساقط نہیں ہوتا ہے، پس ہم لوگ غسل میں اول وضو کر لیتے ہیں، پھر تمام بدن کو دھوتے ہیں، پھر اس وضو سے نماز پڑھتے ہیں، آیا یہ غسل اور وضو ٹھیک ہے یا نہیں، اور نماز میں زیر ناف ہاتھ باندھتے ہیں، اور قیام کی حالت میں دونوں پاؤں کے درمیان چار یا چھ انگشت کا فاصلہ رکھتے ہیں، اور امام کے پیچھے الحمد نہیں پڑھتے، اور جب امام الحمد ختم کرتا ہے، تو آمین آہستہ کہتے ہیں، جہر سے نہیں کہتے، اور تشہد میں بائیں پاؤں پر بیٹھتے ہیں اور تورک نہیں کرتے، اور حسب روایات عدم رفع اور نسخ روایات رفع الیدین کے رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھانے وقت رفع الیدین نہیں کرتے، اور جمعہ کے دن خطبہ ہوتے وقت تحیۃ المسجد نہیں پڑھتے، اور وتر تین رکعت پڑھتے ہیں، ایک رکعت نہیں پڑھتے، اور فجر کی جماعت فرض ہوتے ہوئے اگر ایک رکعت میں شامل ہو جانے کی بھی امید ہو، تو فجر کی سنتیں مسجد کی کسی جانب میں پڑھ لیتے ہیں، بعد اس کے فرض نماز کی جماعت میں شامل ہوتے ہیں آیا ان سب صورتوں میں ہم لوگ عاملین سنت کے زمرہ میں ہیں، یا نہیں۔

الجواب: رد المستعان ہو اللہ العلی الوہاب، بعد حمد وصلوٰۃ کے واضح ہو کہ آپ صاحبان کا یہ کہنا، کہ ہم لوگ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تبع ہیں محض ایک قول ہے، جس کے معنی کچھ نہیں ہیں، کیونکہ امام صاحب کا تبع وہ ہو سکتا ہے، جو ان کے حکم پر چلے، اور آپ صاحب ان کے حکم پر چلتے نہیں، یعنی وہ فرماتے ہیں، کہ کسی کو جائز نہیں ہے، کہ ہمارے کسی قول پر فتویٰ دے، جب تک یہ معلوم نہ کر لے، کہ ہم نے وہ قول کس دلیل سے کہا ہے دیکھو، عقد الجید وفتح المبین،

تو اللہ کی پاکیزگی بیان کرے، تعریف کی آیت ہو، تو اللہ کی تعریف کرے، علیٰ ہذا القیاس۔

لہ جب تسبیح کی آیت سے گذرے تو تسبیح بیان کرے، جب سوال کا ذکر ہو تو سوال کرے، اور جب تعوذ سے گذرے تو پناہ مانگے، نماز میں قاری کے لئے یہ سب امور مستحب ہیں، اور ہم اسے امام، مقتدی، منفرد سب کے لئے مستحب جانتے ہیں

وغیرہ، جس کا مطلب یہ تھا، کہ دینیات میں عمل کا مدار میرے قول پر نہ رکھنا، بلکہ دلیل یعنی قرآن و حدیث پر رکھنا۔ اور آپ صاحبوں نے سارا مدار قول ہی پر رکھا، کہتے ہیں چونکہ ہم حنفی ہیں، اس لئے ہم یوں کرتے ہیں، چونکہ امام صاحب نے فلاں حکم دیا ہے، اس لئے ہم یوں کرتے ہیں، امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ میرے جس قول کو حدیث کے خلاف دیکھو، اس کو چھوڑ دینا، آپ صاحب حدیث کی مخالفت کے وقت ان کے قول کو نہیں چھوڑتے ہیں، بلکہ حدیث کو چھوڑتے ہیں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی تقلید کو مستحب بھی نہیں فرماتے، آپ صاحب اس کو فرض و واجب بتلاتے ہیں، پھر اس ضد اور عکس کا نام اتباع رکھنا سراسر زبردستی نہیں ہے، تو اور کیا ہے ؎

ببیں تفاوت راہ از کجا است تا بکجا

سائل کا جواب مختصراً یوں ہے۔ کہ ستر کو ہاتھ لگ جانے کے بارے میں دونوں طرف روایتیں موجود ہیں، یعنی بعض حدیثوں میں آیا ہے، کہ اس سے وضو ساقط ہو جاتا ہے، اور بعض میں آیا ہے، کہ ساقط نہیں ہوتا، اور دونوں قسم کی روایتیں اچھی ہیں، ہاں اتنی بات ہے، کہ وضو کے ساقط ہو جانے کے بیان والی حدیث چونکہ از روئے سند کے زیادہ قوی ہے، ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے اور امام اوزاعی، شافعی، احمد، اسحق، بخاری، ابوزرعہ، ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابن حبان، یحییٰ بن معین، بیہقی، حازمی وغیرہم حفاظ وائمہ رحمہم اللہ نے اس کو صحیح بتایا ہے، دیکھو ترمذی جلد ا صفحہ ۱۳ کتاب الوضوء اور دار قطنی صفحہ ۵۴، اور التلخیص الحبیر صفحہ ۴۴، اور نیل الاوطار صفحہ ۱۹۲ جلد اول وغیرہ اور دوسری جانب کی حدیث میں کسی قدر ضعف ہے، جیسا کہ دار قطنی اور اس کی شرح مغنی صفحہ ۵۴ میں اور تلخیص صفحہ ۴۶ وغیرہ میں ہے، کہ امام شافعی، ابو حاتم، ابوزرعہ، دار قطنی، بیہقی، ابن جوزی وغیرہم رحمہم اللہ نے اس کو ضعیف کہا ہے، دوسرے یہ کہ پہلی حدیث پر عمل کرنے میں احتیاط بھی ہے اس لئے اولیٰ اور افضل تو یہ بات ہے، کہ اگر ستر کو ہاتھ لگ جاوے، تو پھر وضو کر لے، اور اگر نہ کرے، تو بوجہ دوسری حدیث کے جائز اور معاف ہے، کچھ جائے اعتراض نہیں ہے۔

اور نماز میں ہاتھ باندھنے کے بارے میں یہ بات ہے، کہ زیر ناف کی حدیثوں کو امام احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے، لیکن دونوں صاحبوں نے ان کو ضعیف بھی بتایا ہے، اس بارے میں ایسی حدیث ایک بھی نہیں آئی ہے، کہ مرفوع بھی ہو، اور صحیح بھی ہو، اور سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حدیث کو ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، اور اس کو صحیح بھی بتایا ہے، اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے قبیصہ بن ہلب سے اس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے، کہ نبی صلی اللہ

علیہ وسلم سینہ پر ہاتھ باندھا کرتے تھے، اور یہ حدیث حسن ہے، اور حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ نے فرمایا ہے، کہ آیت فصل لربک وانحر نماز میں ہاتھ باندھنے کے بارے میں آئی ہے، دیکھو دار قطنی اور اس کی شرح مغنی صفحہ ۱۰۶، اور بیہقی اور حاکم نے بھی کہا ہے، کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے، اور بیہقی نے اس تفسیر کو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت کیا ہے، اور سندیں ان سب روایتوں کی محفوظ ہیں یعنے ان میں کچھ طعن نہیں ہے دیکھو نیل الاوطار جلد دوم صفحہ ۱۰۶، اور یہ ظاہر بات ہے، کہ نحر کا لفظ گردن کے قریب پر صادق آسکتا ہے، زیر ناف پر صادق نہیں آسکتا، اور گردن کے قریب تب ہی ہوں گے، جب کہ سینے پر باندھے جاویں، پس جب زیر ناف کی کوئی حدیث مرفوع اور صحیح نہیں آئی، اور فوق الصدر کی حدیثیں مرفوعہ صحیحہ موجود ہیں، اور تفسیر صحابہ رضوان اللہ تعالےٰ علیہم سے بہ سند صحیح اس کی تائید ہوتی ہے، اور صحابہ بھی وہ جن کا علم وفضل مشہور ہے، تو اس صورت میں اولیٰ اور سنت ثابتہ تو یہی ہوا کہ سینہ پر ہاتھ باندھے جاویں، اور زیر ناف ہاتھ باندھنا ایسا ہوا، کہ خیر یوں بھی جائز ہے، اور چنداں جائے اعتراض نہیں، اس لئے کہ کچھ سند اس کی بھی ہے

اور قیام میں درمیان دونوں پاؤں کے چار یا چھ انگشت کا فاصلہ رکھنے کا حکم نہ کسی آیت میں ہے نہ کسی حدیث صحیح یا ضعیف میں اس کا بیان، حدیثوں میں تو یوں آیا ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جماعت کے وقت حکم فرمایا کرتے تھے، کہ خوب مل کر کھڑے ہو، اور ایک دوسرے کے درمیان فاصلہ اور فرجہ نہ چھوڑو، اس کی تعمیل صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم یوں کرتے تھے، کہ ایک نمازی اپنے پاؤں کو دوسرے نمازی سے ملا دیتا تھا، دیکھو صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ، ابواب تسویۃ الصفوف صفحہ ۹۲ جلد ۱، اور یہ صورت یعنی ایک شخص کا قدم دوسرے شخص کے قدم سے مناسب ہی ہوگا، جب کہ ہر آدمی اپنے دونوں پاؤں کے درمیان کم از کم ایک بالشت کا فاصلہ رکھے، آسانی تو اس سے بھی زیادہ فاصلہ رکھنے میں ہوتی ہے، مگر اقل مرتبہ اتنا ضروری ولابدی ہے، اور ایک بالشت اوسط درجہ بارہ انگشت کی ہوتی ہے، پس یہ حدیث صحیح صاف طور پر چار یا چھ انگشت کے فاصلہ کی تردید کرتی ہے، اب رہا وہ شخص جو اکیلا نماز پڑھے، سو اس کے واسطے کسی حد کا بیان کسی حدیث میں نہیں آیا، لہٰذا جس شخص کو جتنے فاصلہ میں آسانی معلوم ہو، اسی قدر فاصلہ رکھے

اور مقتدی کو الحمد پڑھنے کا مسئلہ طویل البحث ہے، اور اس کی بابت بے شمار کتب، اور رسائل تالیف ہو چکے ہیں، جن کا حصر واحاطہ نہیں ہو سکتا، میں اس موقع پر بہت مختصر بقدر کفایت

لکھے دیتا ہوں، وہ یہ ہے، کہ اگرچہ اس بارے میں علماء کے کئی مذہب ہیں، جیسا کہ تفسیر معالم وغیرہ میں تحت آیت واذا قرئ القرآن الخ میں مذکور ہے، لیکن سیدھی اور پکی بات یہ ہے، کہ بدون الحمد کے نماز نہیں ہوتی، کیونکہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب یعنی جو شخص الحمد نہ پڑھے، اس کی نماز نہیں ہوتی، یہ حدیث مشکوٰۃ باب القرات فصل اول میں ہے اور متفق علیہ ہے، اور جو حدیث متفق علیہ ہوتی ہے اس کا درجہ صحت اور قوت میں سب سے زیادہ ہے، دیکھو نخبۃ الفکر مطبوعہ نظامی صفحہ ۱۵ و ۱۶ وغیرہ، اور یہ بات ایسی مقبول و مضبوط ہے کہ تخمیناً گیارہ سو برس سے اہل سنت والجماعت کے لاکھوں علماء اتفاق و اقرار کرتے چلے آئے ہیں معتبر اور مستند لوگوں میں سے کوئی اس کا مخالف نہیں ہوا ہے، جب کہ یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہوئی، تو پھر اس بات کا کھٹکا ہی نہیں رہا، کہ حدیث کیسی ہے، اور واجب العمل ہے یا نہیں ہے صرف یہ بات باقی رہی، کہ اس میں حکم کیا بیان ہوا ہے، سو حکم اس میں یہ بیان ہوا ہے، کہ جو شخص الحمد نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی، اس میں نہ کسی کی خصوصیت ہے، نہ کسی کا استثناء ہے پس ہر ایک نمازی کو ہر قسم کی نماز میں الحمد کا پڑھنا ضروری ہوا، یعنے وہ نمازی منفرد ہو، یا امام یا مقتدی یا مرد یا عورت، اور وہ نماز فرض ہو یا نفل، یا رات کی یا دن کی یا حضر کی یا سفر کی یا صحت کی یا مرض کی، یا جہری یا سری، اور ایسی صحیح اور عام اور جامع حدیث کے بعد اس بات کی ضرورت تو نہیں ہے، کہ مقتدی کی خصوصیت اور صراحت کے ساتھ الحمد پڑھنے کا حکم تلاش کیا جائے، لیکن اتفاقاً ایسی حدیث بھی چونکہ موجود ہے، اس لئے وہ بھی پیش کرتا ہوں، عبادہ بن صامت سے روایت ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فجر کی نماز پڑھائی، اور آپ کو اپنی قرارت میں خلجان ہوا، نماز کے بعد آپ نے مقتدیوں سے پوچھا، کہ تم امام کے ساتھ قرارت پڑھتے ہو، انہوں نے عرض کیا، کہ ہاں یا رسول اللہ ہم جلدی جلدی پڑھتے جاتے ہیں، آپ نے فرمایا، کہ کچھ مت پڑھا کرو، صرف الحمد پڑھ لیا کرو، کیوں کہ اس کے بدوں نماز نہیں ہوتی، یہ حدیث دار قطنی مطبوعہ فاروقی صفحہ ۱۲۰ میں ہے، دار قطنی نے کہا ہے، کہ یہ حدیث حسن ہے، اور دوسرے صفحہ میں اس مضمون کی حدیث کو کہا ہے کہ ابوداؤد میں بھی اسی سند سے آئی ہے جس کے راوی ثقہ ہیں، اور ترمذی میں بھی ہے، اور ترمذی نے کہا ہے کہ اس کے سب راوی ثقہ ہیں، خطابی نے کہا ہے، کہ سند اس حدیث کی جید ہے، اس میں کوئی راوی ایسا نہیں، جس پر طعن ہو سکے، حاکم نے کہا، کہ سند اس حدیث کی ٹھیک اور ثابت ہے، تخریج ہدایہ مطبوعہ فاروقی صفحہ ۹۴، اور امام بخاری نے کہا، کہ یہ حدیث صحیح ہے، دیکھو جزء القرارۃ فاروقی صـ ۱۳

وغیرہ، ابن حبان اور حاکم اور بیہقی نے بھی کہا ہے، کہ حدیث قرات خلف الامام کی صحیح ہے، دیکھو التلخیص الحبیر مطبوعہ انصاری صفحہ ۸۷۔

بعض حضرات ان حدیثوں میں کچھ جرح کرتے ہیں، مگر محققین نے جوابات شافی سے ان جرحوں کو بخوبی اٹھا دیا ہے، اگر زیادہ نہیں، تو جس کا جی چاہے، وہ رسالہ تعلیم المبتدی مؤلفہ مولوی محمد سعید صاحب بنارسی ہی کو مطالعہ کر کے اس بات کی جانچ کر لے، مجھ کو اس موقع پر اتنا ہی کہدینا کافی ہے، کہ یہ حفاظ وائمہ حدیث جن کا میں نے اس جگہ حوالہ دیا ہے، دنیا میں ایسا کون ہے، جس کی بات اس جماعت کی بات کو باطل اور بے کار کر سکے، ایک اکیلے بخاری علیہ الرحمۃ ہی کو اللہ پاک نے اس فن میں وہ مرتبہ عطا فرمایا ہے، کہ ان کی مخالفت لوہے کے چنے چبانے ہیں، اور جب کہ اور بھی کتنے ہی حفاظ وائمہ ان کے ساتھ ہوں، تو پھر اس بات کا ٹوٹنا کہاں، اور جب حدیث عام بھی موجود ہے، اور خاص بھی، اور دونوں صحیح بھی ہیں، اور دونوں میں صاف اور صریح لفظوں سے یہ بیان ہے، کہ جو کوئی الحمد نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی، تو اب کسی قسم کے نمازی کو کسی قسم کی نماز میں الحمد پڑھنے سے معافی یا ممانعت تب تک نہیں ہو سکتی، جب تک کہ کسی روایت میں یا کسی حدیث صحیح میں اس کا بیان نہ آدے، سو یہ لفظ کہ مقتدی الحمد نہ پڑھے، نہ کسی آیت میں آیا ہے، نہ کسی حدیث میں، جن حضرات کا یہ مذہب ہے، کہ مقتدی الحمد نہ پڑھے، انہوں نے جس قدر دلیلیں اپنے مذہب کی تائید میں پیش کی ہیں، ان میں کوئی آیت صریح یا حدیث صحیح صریح تو ہے ہی نہیں، کچھ کچھ تاویلیں کر کے سورہ اعراف کی آیت واذا قرئ القران الخ کو، اور ایک دو حدیث کو، اور بعض قول صحابہ رضا کو اپنے دعوے پر منطبق کیا ہے، سو اول تو کسی تاویل کی یہ شان نہیں، کہ کسی تصریح کا مقابلہ کر سکے، چہ جائے کہ قرآن وحدیث کی تصریح وتاویل، کیوں کہ اس کی تصریح حکم ربانی ہے، اور اس کی تاویل رائے وقیاس انسانی، پھر بھلا وہ کہاں اور یہ کہاں، دوسری بات یہ ہے، کہ جواب دینے والوں نے بہت پر زور تقریروں سے ان تاویلوں کو اٹھا دیا ہے، سب کو تو کوئی کیا دیکھ سکتا ہے مگر جس کا جی چاہے، وہ پہلی کتابوں میں سے صرف رسالہ جزء القراۃ مؤلفہ امام بخاری علیہ الرحمۃ کو اور پچھلی کتابوں میں سے رسالہ ہدایت المعتدی مؤلفہ مولوی عبد العزیز صاحب رحیم آبادی، اور تعلیم المبتدی مؤلفہ مولوی محمد سعید صاحب بنارسی کو غور وانصاف کی نظر سے مطالعہ کرے، انشاء اللہ تعالیٰ کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے گا، کچھ طول طویل کتابیں نہیں ہیں، مختصر رسالے ہیں، ان کی تمام سیر دو چار دن میں بہت آسانی اور اطمینان سے ہو سکتی ہے، ہدایت تو اللہ تعالیٰ

کے اختیار میں ہے، مگر تحقیق ماشاء اللہ ایسی ہو گئی ہے، کہ شاید و باید۔
اور آمین کے مسئلہ میں بھی یہ بات ہے، کہ جہر کی حدیثیں تو ایسی موجود ہیں، جو صحت کو پہنچ گئی ہیں، اور خفیہ آمین کی کوئی حدیث بھی ایسی موجود نہیں ہے، جو صحت کو پہنچ گئی ہو، چنانچہ ابو داؤد مطبوعہ قدیم شاہدرہ جلد اول صفحہ ۱۳۴ میں وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ انه صلی خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجهر بامین یعنی وہ بیان کرتے ہیں، کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین جہر سے کہی، نیل الاوطار جلد دوم صفحہ ۱۱۷ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ لفظ ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اتنی آواز سے آمین کہتے تھے، کہ پہلی صف میں سے قریب کے لوگ سن لیتے تھے اور ابن ماجہ کا یہ لفظ ہے، کہ پہلی صف والے سن لیتے تھے، اور آمین کی آواز سے مسجد میں گونج ہو جاتی تھی، اس حدیث کے بعض راوی ضعیف ہیں، لیکن ایسا راوی ایک بھی نہیں ہے، کہ اس کے ضعف پر سب محدثین کا اتفاق ہو، دیکھو کتب اسماء الرجال، اور دار قطنی نے بھی آمین بالجہر کی حدیث کو روایت کیا ہے، اور کہا کہ سند اس کی حسن ہے، اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے، اور کہا ہے سند اس کی صحیح ہے، اور بر شرط بخاری و مسلم کے، اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے، اور کہا کہ حسن صحیح ہے، دیکھو سبل السلام شرح بلوغ المرام مطبوعہ فاروقی جلد اول صفحہ ۱۰۸، اور نیل الاوطار جلد دوم صفحہ ۱۱۷ و التلخیص الحبیر صفحہ ۸۹ وغیرہ، اور صحیح بخاری مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۹۸ میں عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، کہ ابن زبیر وغیرہ سرداروں اور اماموں کا مکہ معظمہ میں یہ طریق دیکھا ہے، کہ امام اور مقتدی زور سے آمین کہا کرتے تھے، جس سے مسجد حرم گونج جاتی تھی، اور آہستہ آمین کہنے کی ایک حدیث بھی ایسی نہیں آئی جس کو حفاظ اور ائمہ حدیث نے صحیح کہا ہو، اس لئے مولانا بحر العلوم حنفی لکھنوی نے اپنی کتاب ارکان مطبوعہ علوی صفحہ ۷۶ میں لکھا ہے، کہ آہستہ آمین کہنے کے بارے میں سوائے ایک حدیث ضعیف کے کوئی روایت نہیں آئی، اور جب یہ صورت ہے، کہ جہر کی روایتیں صحیح سند سے موجود ہیں، اور آہستہ کی کوئی روایت صحیح نہیں، تو دلائل اور افضل تو یہی ہوا، کہ آمین جہر سے کہی جاوے، اور اگر کوئی آہستہ بھی کہہ لے، تو خیر اس پر کچھ اعتراض نہ کیا جاوے، اس موقع میں یوں کہنا ٹھیک نہیں ہے، کہ جس کا جی چاہے جہر سے کہے، جس کا جی چاہے آہستہ کہے کیونکہ یہ ایسے موقع پر ہو سکتا ہے، جہاں دونوں طرف کی روایتیں ایک درجہ کی ہوں، یا بہت تھوڑی کمی بیشی ہو، ہاں اگر

کوئی حدیث آہستہ آمین کہنے کی صحیح سند سے موجود ہو، اور میں نے اس کو ظاہر نہیں کیا ہو، تو جن صاحب کے پاس ہو، وہ پیش کریں،

اور تشہد میں بیٹھنے کی یوں بات ہے، کہ دونوں طرف کی حدیثیں صحیح ہیں، یعنی وہ حدیثیں بھی جن میں یہ تصریح نہیں، کہ آخر کے قعدے میں تورک کرتے تھے، بلکہ مطلقا یہ بیان ہے، کہ قعدے میں بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھتے تھے، اور جس حدیث میں یہ تصریح ہے، کہ پہلے قعدے میں پاؤں پر بیٹھتے تھے، اور آخر کے قعدے میں تورک کرتے، وہ بھی صحیح سندوں سے آئی ہیں، لہذا نمازی کو اختیار ہے، چاہے پاؤں پر بیٹھے، چاہے تورک کرے، ہاں تورک کے بیان والی حدیث چونکہ اول تو مقید ہے، اور عدم تورک کی مطلق، اور مطلق کا مقید پر محمول کرنا واجب ہے دوسرے از روئے سند کے بھی اعلےٰ ہے، اس لئے تورک کو ترجیح ہے، دیکھو نیل الاوطار صفحہ ۱۶۸-

اور رفع یدین کی بات یوں ہے، کہ تکبیر تحریمہ میں اور رکوع میں جاتے ہوئے، اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متفق علیہ حدیث سے ثابت ہے، لفظ یہ ہیں۔ عن ابن عمر کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرفع یدیہ حذو منکبیہ اذا افتتح الصلوٰۃ واذا کبر للرکوع واذا رفع رأسہ من الرکوع متفق علیہ سبل السلام مطبوعہ فاروقی جلد اول صفحہ ۱۰۲، اور یہ بات پہلے الحمد کے مسئلہ میں بیان ہو چکی ہے، کہ متفق علیہ حدیث کا درجہ صحت و قوت میں سب سے اعلیٰ ہے، اسی لئے علی بن المدینی نے کہا ہے، کہ رفع الیدین کی حدیث سب کے اوپر حجت ہے، کیونکہ اس کی سند میں کسی کو کوئی موقع کسی طرح کے عذر کا نہیں ہے، دیکھو تلخیص صفحہ ۸۱۔ اور رفع الیدین کی حدیث صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی روایت سے بیہقی میں، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دار قطنی میں، اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ابو داؤد میں، اور عبد اللہ بن زبیر و عبد اللہ بن عباس و ابو موسیٰ اشعری و براء بن عازب رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے دار قطنی و نسائی و ابن ماجہ و بیہقی وغیرہ میں آئی ہیں، دیکھو تلخیص صفحہ ۸۲۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ترمذی جلد دوم، کتاب الدعوات صفحہ ۱۹۹ میں آئی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے

ل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تھے، تو اپنے ہاتھوں کو کندھے کے برابر تک اٹھاتے تھے اور جب رکوع جانے کے لئے تکبیر کہتے، اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تھے تو بھی کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے

ہیں، کہ جس قدر صحابہ رضوان اللہ تعالے علیہم اجمعین رفع الیدین کی حدیث کے راوی ہیں، غالباً کسی حدیث کے اتنے راوی نہ ہوں گے، ابن منذر نے کہا ہے، کہ اہل علم نے اس بات میں اختلاف نہیں کیا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع الیدین کیا کرتے تھے، امام مجلدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے، کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم میں سے سترہ شخص سے رفع الیدین کی روایت آئی ہے، بیہقی نے تیس کی شمار کی ہے، حاکم نے کہا ہے، کہ اس روایت پر عشرہ مبشرہ کا اور دیگر بڑے بڑے صحابہ رضوان اللہ تعالے علیہم کا اتفاق ہوا ہے، اور بخاری نے بیان کیا ہے، کہ حسن بصری اور حمید بن ہلال نے کہا ہے، کہ تھے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع الیدین کرتے، ان میں سے کسی کو بھی مستثنے نہیں رکھا، بخاری کہتے ہیں، کہ کسی صحابی کی بابت یہ ثبوت نہیں ہوتا کہ وہ رفع الیدین نہیں کیا کرتے تھے، اور بیہقی نے اس حدیث میں یہ لفظ بھی روایت کیا ہے، کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہمیشہ وفات تک اسی طور نماز پڑھتے رہے، یہ سب بیان تلخیص صفحہ ۸۱ و صفحہ ۸۲ و نیل الاوطار جلد دوم صفحہ ۶۸ میں ہے۔

آپ صاحبوں نے جو فرمایا کہ جب روایت عدم رفع الخ اس کا تو حال یہ ہے، کہ عدم رفع میں بہت اعلی درجہ کی روایت ترمذی والی ہے، جس کو امام ترمذی نے حسن بھی کہا ہے، سو اس کا مقابلہ ایک تو یہ ہے، کہ خود ترمذی نے اسی باب میں عبداللہ بن مبارک کا یہ قول نقل کیا ہے، کہ رفع الیدین کی حدیث ثابت ہے، اور عبداللہ بن مسعود رضؓ والی حدیث عدم رفع یدین کی ثابت نہیں ہوئی، پھر ترمذی نے اس پر کچھ کلام نہیں کیا، دیکھو ترمذی جلد اول صفحہ ۳۶، دوسرے یہ کہ ابن ابی حاتم نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے، کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، اور امام احمد بن حنبل اور ان کے استاد یحیی بن آدم اور بخاری، اور ابوداؤد، اور دارقطنی اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہم نے بھی اس کو ضعیف اور غیر ثابت کہا ہے، دیکھو تلخیص صفحہ ۸۳۔ پس ایک دو امام کا قول اتنے اماموں کے مقابلے میں، اور وہ بھی ایسے جو ترمذی کے استادوں کے استاد ہیں مستند نہیں ہو سکتا، اور دوسری روایت محمد بن جابر کی سند سے ہے، سو اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا، کہ کوئی شئے نہیں ہے اور ابن جوزی نے کہا کہ موضوع ہے، دیکھو تلخیص صفحہ ۸۳۔ غرض عدم رفع کی کوئی حدیث ایسی نہیں ہے، جس کو دو چار حفاظ و ائمہ حدیث نے بھی صحیح کہا ہو، اور دوسروں نے اس پر جرح نہ کی ہو، اور جب یہ حال ہے، تو سنت یہی ہوا، کہ رفع الیدین کیا جاوے، اور اگر کوئی نہ کرے، تو بوجہ دوسری جانب کی روایات ضعیف کے اس پر کچھ اعتراض نہ کیا جاوے،

اور یہ جو آپ نے فرمایا، کہ حسب روایات نسخ کے سو نسخ کی یہ بات ہے، کہ معتمد و مستند حفاظ و ائمہ حدیث میں سے کسی نے اس رفع الیدین کی حدیث کو منسوخ نہیں کہا ہے، اور جس حدیث کو حنفی صاحب اس کا ناسخ بتلاتے ہیں، وہ التحیات کے بعد سلام کے بارے میں ہے اس کو اس کے نسخ سے کچھ تعلق نہیں ہے، جیسا کہ محمد بن اسمٰعیل امیر نے، اور امام نووی نے اور حافظ ابن حجر نے کہا ہے، دیکھو سبل السلام جلد اول صفحہ ۸۴، اور صحیح مسلم مع نووی جلد اول صفحہ ۱۸۱ اور تلخیص صفحہ ۸۲، اور بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے، کہ جو لوگ اس رفع الیدین کو حدیث مسلم مالی اراکم رافعی ایدیکم الخ سے منسوخ بتلاتے ہیں، ان کو علم کا کوئی حصہ نصیب نہیں ہوا ہے کیونکہ تمام اہل علم کا اتفاق ہے، کہ وہ حدیث تشہد کے بعد سلام پھیرنے کے بارے میں ہے دیکھو تلخیص صفحہ ۸۳۔

اور جمعہ کے دن خطبہ ہوتے وقت تحیۃ المسجد وغیرہ پڑھنے کی یہ بات ہے، کہ حدیث متفق علیہ میں یہ بیان موجود ہے، کہ ایک جمعہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے ایک شخص آیا، اور بیٹھ گیا، آپ نے پوچھا، کہ تم نے کچھ نماز پڑھ لی ہے، انہوں نے عرض کیا، کہ نہیں آپ نے فرمایا، کہ اٹھو، اور دو رکعتیں پڑھ لو، دیکھو سبل السلام جلد اول صفحہ ۱۶۲، اس حدیث سے اور اس بیان والی اور حدیثوں سے اکثر محدثین نے مراد یہ لی ہے، کہ یہ تحیۃ المسجد تھی، لیکن کسی حدیث میں تحیۃ المسجد کا لفظ صراحۃً نہیں آیا ہے، اور ابن ماجہ کی ایک روایت میں یہ لفظ ہے اصلیت رکعتین قبل ان تجئ یعنی آنے سے پہلے تو نے دو رکعت پڑھ لی ہیں، یا نہیں، اس سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے، کہ قبل از جمعہ کے سنتیں مراد ہیں، تحیۃ المسجد مراد نہیں، کیونکہ تحیۃ المسجد کا موقع آنے کے بعد ہوا کرتا ہے آنے سے پہلے نہیں ہوتا، اور سند اس حدیث کی صحیح ہے، اور ابن تیمیہ نے یہی مطلب اس حدیث کا بیان کیا ہے، دیکھو نیل الاوطار جلد سوم صفحہ ۱۳۶، مگر میں اس بحث سے قطع نظر کر کے یوں کہتا ہوں، کہ خواہ سنت قبل از جمعہ سمجھو، خواہ تحیۃ المسجد سمجھو، جب ان کا پڑھوانا حالت خطبہ میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی حدیث سے ثابت ہے، جو اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، اور بعض حضرات جو یوں بیان کرتے ہیں، کہ جتنی دیر میں اس آنے والے نے دو رکعت پڑھیں، آپ خطبہ سے خاموش رہے، وہ محض ضعیف ہے، دیکھو نیل الاوطار جلد سوم صفحہ ۱۳۲۔

لہ مجھے کیا ہے، کہ تم کو ہاتھ اٹھاتے دیکھتا ہوں، الحدیث۔

اور وتر کی بات یوں ہے، کہ صحیح حدیثوں میں آیا ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت وتر پڑھنے کا حکم بھی دیا ہے، اور خود بھی پڑھا ہے، دیکھو نیل الاوطار جلد دوم صفحہ ۲۷۶ و ۲۷۹۔ اور تین رکعت بھی وتر پڑھے ہیں لیکن دو تشہد نہیں کئے، صرف ایک تشہد آخر میں کیا ہے اور پانچ اور سات اور نو رکعت بھی وتر پڑھے، دیکھو نیل الاوطار جلد دوم صفحہ ۲۸۲، اور دار قطنی مع شرح صفحہ ۱۷۱ و ۱۷۲ وغیرہ پس خلاصہ مطلب اور لب لباب وتر کی بحث کا یہ ہے، کہ جس کا جی چاہے ایک رکعت وتر پڑھے، چاہے تین رکعت پڑھے، چاہے پانچ رکعت پڑھے چاہے سات رکعت پڑھے، چاہے نو رکعت پڑھے، سب طرح سنت ہے اور ایک اور تین اور پانچ رکعت میں ایک تشہد کرے، اور سات اور نو میں دو و دو تشہد کرے، اور کبھی کسی طرح اور کبھی کسی طرح پڑھتا ہے، ان میں سے کسی خاص عدد کو مثلاً ایک کو یا تین کو ہمیشہ لازم کر لینا اور دوسرے عدد کو ہمیشہ چھوڑے رکھنا خلاف سنت ہے، اور تین رکعت وتر میں دو تشہد کرنا بھی خلاف سنت ہے، کیونکہ کوئی حدیث صحیح بلکہ کوئی قول یا فعل صحابہ رضوان اللہ علیہم سے بسند صحیح ایسا نہیں ہے، جس میں صریح دو قعدے یا دو تشہد کا لفظ موجود ہو، اگر کوئی صاحب لا سکتے ہوں، تو ضرور لا دیں، اور دکھلائیں، اور صحیح سند سے اور صریح لفظوں سے ہوگی، تو انشاء اللہ تعالے بسر و چشم قبول ہے، اور اگر نہ ہووے، اور فی الحقیقت نہیں ہے، تو سنت کے خلاف ہونے میں کیا کلام ہے۔

اور فجر کی سنتوں کو جماعت فرض کے ہوتے ہوئے پڑھنے کی بات یوں ہے، کہ فرض کی جماعت ہوتے ہوئے سوائے اس فرض کے کوئی نماز پڑھنی جائز نہیں ہے خواہ سنت فجر ہو، خواہ کوئی اور نماز ہو، اور کسی وقت کے فرض کی نماز ہو، سب کا ایک ہی حکم ہے، اس لئے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ ترمذی مطبوعہ احمدی جلد اول صفحہ ۵۹ یعنی جب کسی فرض نماز کی تکبیر ہو جاوے، تو پھر سوائے اس فرض نماز کے اور کوئی نماز نہیں ہے اس میں ہر قسم کے نمازی کی نماز آ گئی، اور یہ حدیث صحیح ہے، بخاری نے اس کو ترجمۃ الباب میں ذکر کیا ہے، اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے کہ اس حدیث کو مسلم اور ابو داؤد اور ترمذی وغیرہ نے روایت کیا ہے، دیکھو فتح الباری پارہ سوم صفحہ ۳۶۸، اور فتح الباری کے اسی پارہ، صفحہ ۳۶۹ میں ہے، کہ حضرت ابن عباس رضی نے بیان کیا، کہ میں سنتیں پڑھ رہا تھا پھر تکبیر شروع ہوئی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کھینچ لیا، اور فرمایا، کہ صبح کی چار رکعتیں پڑھے گا،

اس حدیث کو ابن خزیمہ اور ابن حبان وغیرہ نے روایت کیا ہے پس جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عام حکم بھی فرما دیا، کہ فرض کی تکبیر ہو جانے کے بعد سوائے اس فرض کے اور کوئی نماز نہیں، اور خاص فجر کی جماعت کے شروع ہونے پر سنتیں پڑھتے ہوئے خود نیت تڑوا دی، تو پکی بات اور سنت کا چلن یہی ہوا، کہ فرض کی تکبیر ہو جانے کے بعد سنتوں کی نیت نہ کرے، فجر ہو یا کوئی اور نماز ہو اور اگر پہلے سے سنتیں پڑھ رہا ہے، تو جس وقت فرض کے واسطے تکبیر ہو سنتوں کی نیت توڑ دے، اور جماعت میں شریک ہو جائے، حدیث صحیح سے کسی مسئلہ کے ثابت ہونے کے بعد یہ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کہ اس بارے میں علماء کیا کہتے ہیں، جب کہ بڑے بڑے مجتہدین یوں کہہ گئے کہ حدیث کے مقابلے میں ہمارے قول کو چھوڑ دینا، پھر دوسرے علماء کس شمار میں ہیں، ہاں کوئی شخص مسجد سے علیحدہ کسی مکان پر سنتیں پڑھتا ہے اور مسجد میں فرض کی جماعت شروع ہو گئی ہے، تو یہ دوسری بات ہے، اس پر کچھ گرفت نہیں ہے

اب باقی رہا آپ صاحبوں کا یہ فرمانا، کہ ان سب صورتوں میں ہم لوگ زمرہ عاملین سنت میں سے ہیں یا نہیں، سو حضرت نام کے لئے تو مسلمانوں کے جتنے فرقے ہیں حتی کہ روافض اور خوارج بھی عاملین سنت کے زمرہ میں ہیں، کیونکہ (وہی) زبانی ہر فرقہ کا یہی ہے کہ ہمارا مذہب قرآن و حدیث سے نکلا ہے، مگر حقیقت اور اصلیت کی طرف دھیان کرو، تو عامل بالسنت وہی ہو سکتا ہے، جس نے کسی خاص مذہب یا خاص مجتہد کی تقلید کو لازم و واجب نہیں کر لیا، محض قرآن و حدیث پر اپنے عمل کا مدار رکھتا ہے، جو مسئلہ تحقیقات کے ذریعوں میں سے کسی ذریعہ سے تحقیق ہو گیا، اسی کو عمل میں لایا، خواہ کسی مجتہد نے اس کو لیا ہو یا نہ لیا ہو اور جن حضرات نے کسی کی تقلید کو لازم و واجب مان لیا ہے، انہوں نے تو گویا یہ عہد کر لیا ہے، کہ جس حدیث کو خاص فلاں مجتہد نے قبول کیا ہوگا، ہم بھی قبول کریں گے، اگر اس نے قبول نہ کیا، تو ہم بھی قبول نہ کریں گے، چنانچہ کوئی شخص مقلد اسی وقت کہلاتا ہے، جب تک کہ وہ اپنے مذہب کے خلاف حدیث پر عمل نہیں کرتا، جہاں خلاف مذہب حدیث پر عمل کیا، لامذہب کہلایا، اور یہ بات خوب عیاں ہے کہ تمام مذاہب مشہورہ مسلمانان میں سے اس امر سے خالی کوئی مذہب بھی نہیں، کہ تھوڑی بہت حدیثیں اس سے باہر نہ رہ گئی ہوں، پس کسی مذہب معین کی تقلید واجب جاننے کو بعض حدیث کا انکار یا ترک لازم ہوا، پھر جب ترک حدیث میں مذہب کی حفاظت ٹھہری تو تابع سنت کے زمرہ میں ہونا کہاں، ان کو تو ایک سخت وعید کا

سامنا ہو گیا، یعنی فرمایا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تارک سنت پر میری بھی لعنت ہے، اور اللہ تعالیٰ کی بھی لعنت ہے، دیکھو مشکوۃ باب الایمان بالقدر صفحہ ۱۶، اللھم احفظنا، اللھم احفظنا آمین۔

یہاں پر اگر کسی کو یہ خدشہ گذرے کہ جب مجتہدوں نے بعض بعض حدیث کو چھوڑ دیا تو اس وعید ترک سنت میں وہ بھی شامل ہوئے، تو جواب اس کا یہ ہے، کہ استغفر اللہ استغفر اللہ مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم کسی حدیث کو جان بوجھ کر کیوں چھوڑنے لگے تھے، بلکہ یوں بات ہے کہ ان کے زمانوں میں چونکہ لکھنے پڑھنے کا چرچا کم تھا تو سب حدیثیں کتابوں میں جمع نہیں ہوئی تھیں ہزاروں حدیثوں کا مدار راویوں کی یادداشت پر تھا، اور ساری ملکوں اور شہروں میں متفرق تھے تو ایسی صورت میں سب حدیثوں کا ہر ایک مجتہد کو مل جانا ممکن نہیں تھا، اس لئے جو حدیث ان کو نہیں ملی، اور اگر ملی تو ایسی سند سے نہ ملی، جس پر اطمینان ہوتا، وہ حدیث ان کے مذہب سے باہر رہ گئی، حضرات مجتہدین رحمہم اللہ کو بعض حدیث کا نہ ملنا کیا بعید ہے، جب کہ بڑے بڑے اجلہ صحابی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کو بعض بعض حدیث کا نہ ملنا کتابوں میں مذکور ہے، اور نہیں تو ازالۃ الخفا ہی کی سیر کر لیں، کہ شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ نے ایک فہرست لکھی ہے، کہ فلاں فلاں حدیث فلاں فلاں صحابہ رضہ کو نہ ملی تھی، پس مجتہدین رحمہم اللہ اس بارے میں معاف اور معذور ہیں، بایں ہمہ بطور مزید احتیاط ان سب نے یہ وصیتیں کی ہیں، کہ جب کوئی حدیث صحیح ہمارے قول کے خلاف پاؤ، تو اس حدیث کو لے لینا، اور ہمارے قول کو چھوڑ دینا، اور پچھلے زمانوں میں لکھنے پڑھنے کا رواج زیادہ ہو گیا، یہاں تک کہ تمام حدیثیں ضبط تحریر میں آگئیں، اور ان کی سندوں کی بھی کامل طور پر جانچ پڑتال ہو کر سب باتیں کتابوں میں درج ہو گئیں، جس سے ہر ایک شخص کو سب حدیثوں کا پڑھنا سننا اور حال معلوم کرنا آسان ہو گیا، لہذا پچھلے لوگ کسی حدیث کے چھوڑنے میں کسی عذر وحیلہ سے معاف و معذور نہیں ہو سکتے۔ حررہ حمید اللہ عفی عنہ ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ

سید محمد نذیر حسین

سوال: آمین بالجہر امام و ماموم و منفرد کے لئے صلوۃ جہریہ میں کہنا احادیث صحیحہ مرفوعہ غیر منسوخہ سے ثابت ہے یا نہیں، اور اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: آمین بالجہر کہنا حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوا ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے۔ عن ابی ھریرۃ رضہ قال کان رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من قراءۃ القرآن رفع صوتہ وقال آمین رواہ الدارقطنی و حسنہ والحاکم وصححہ کذا فی بلوغ المرام۔ عن[2] وائل بن حجر قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرأ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین وقال آمین ومد بہا صوتہ رواہ الترمذی۔ پس ان دونوں حدیثوں سے آمین بالجہر کہنا امام کا ثابت ہوا لیکن منفرد بعض حکم منفرد اور امام کا ہر چیز میں واحد ہے، جیسا کہ احادیث صحیحہ مرفوعہ سے ثابت ہے پس جب کہ ثابت ہوا واسطے امام کے ثابت ہوا واسطے منفرد کے، باقی رہا حکم مقتدی کا، پس لکھتا ہوں میں کہ مقتدی کا بھی آمین پکار کے کہنا حدیث مرفوع سے مستنبط ہے، اس واسطے کہ روایت ہے ابن عباس سے۔ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما حسدتکم الیہود علی شئی ما حسدتکم علی آمین فاکثروا من قول آمین رواہ ابن ماجہ یعنی فرمایا حضرت نے کہ نہیں حسد کیا یہود نے تم لوگوں کے ساتھ کسی فعل کے کرنے سے، جس قدر کہ حسد کرتے ہیں تم لوگوں سے آمین کہنے سے، پس بہت کثرت کرو آمین کہنے کی، اور ظاہر ہے کہ جب تک آمین بالجہر کہی نہ جاوے، اور کانوں تک یہود کے آواز اس کی نہ پہنچے، جب تک صورت حسد کی نہیں ہو سکتی، اور امام بخاری نے باب جہر الماموم بالتامین میں روایت کی ہے۔ عن[3] ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا قال الامام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقولوا آمین فانہ من وافق قولہ قول الملائکۃ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ رواہ البخاری۔ پس لفظ قولوا سے جہر قول بالتامین مراد ہے اور مؤید اس کے ہے عمل حضرت ابوہریرہ کا، کہ روایت کیا اس کو شیخ بدر الدین عینی نے کتاب عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں بیہقی سے۔ وکان[4] ابوہریرۃ مؤذنا لمروان فاشترط ان لا یسبقہ بالضالین حتی یعلم انہ قد دخل فی الصف فکان اذا قال مروان ولا الضالین

---

[1] حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قرات فاتحہ سے فارغ ہوتے، تو بلند آواز سے آمین کہتے۔ [2] وائل بن حجر کہتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھا تو میں نے خود سنا کہ آپ نے بلند آواز سے آمین کہی۔

[3] حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو، جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے متحد ہو جائے گی، اس کے پہلے گناہ بخش دیئے جائیں گے

[4] حضرت ابوہریرہ رض مروان کے مؤذن تھے، آپ نے اس سے شرط کرلی تھی، کہ مروان اس وقت تک

قال ابو ھریرۃ امین یمد بھا صوتہ وقال اذا وافق تامین اھل الارض تامین اھل السماء غفر لھم رواہ البیہقی کذا فی العینی۔ اور امام ترمذی بعد روایت حدیث وائل بن حجر رض کے فرماتے ہیں۔ قال ابو عیسی حدیث وائل بن حجر رض حدیث حسن وبہ یقول غیر واحد من اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین ومن بعدھم یرون ان یرفع الرجل صوتہ بالتامین ولا یخفیھا وبہ یقول الشافعی واحمد واسحق انتہی۔ حررہ ابو الطیب محمد شمس الحق عفی عنہ

ابو الطیب ۱۲۹۵ محمد شمس الحق — سید محمد نذیر حسین

سوال: ایک شخص آمین جہر سے کہتا ہے اور امام نماز مغرب میں سورہ فاتحہ غیر المغضوب تک جہر سے کہہ کر قرات کو اخفا کر کے دوسری سورت شروع کر دے اس غرض سے کہ مقتدی آمین جہر سے نہ کہنے پاوے اس امام کو کیا کہنا چاہیے اور نماز اس کے پیچھے پڑھنا درست ہے یا نہیں، کیونکہ سنت کو حقیر سمجھتا ہے۔

الجواب: آمین بالجہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت ہے، پس اس سنت کو حقیر اور برا سمجھنا اور اس سے چڑھنا اور ضد رکھنا مسلمان کا کام نہیں ہے بلکہ یہود کا کام ہے اور پھر اس چڑھ اور ضد کی بنا پر اس غرض سے کہ مقتدی جہر سے آمین نہ کہنے پاوے، نماز مغرب میں سورہ فاتحہ کو غیر المغضوب علیہم تک تو جہر سے پڑھنا اور ولا الضالین کو اخفا کر کے دوسری سورت شروع کر دینا بڑا گناہ ہے ایسے امام کو نماز کے اندر اس نیت سے ایسی حرکت کرنے سے توبہ کرنا لازم ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو حقیر سمجھنے اور اس سے چڑھ رکھنے میں ایمان کی خیر نہیں ہے، فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے من رغب عن سنتی فلیس منی یعنی جو شخص میری سنت سے روگردانی کرے اور نفرت رکھے وہ مجھ سے نہیں، ایسے امام کے پیچھے نماز درست ہو جاوے گی، مگر ایسے امام کو قصداً امام نہیں بنانا

علیہ ولا الضالین نہ پڑھے گا، جب تک کہ ابو ہریرہ صف میں شامل نہ ہولیں گے، جب مروان ولا الضالین کہتا تو حضرت ابو ہریرہ لمبی آواز سے آمین کہتے، اور فرماتے جب زمین والوں کی آمین آسمان والوں کی آمین سے مل جاتی ہے تو ان کو بخش دیا جاتا ہے ۔ ؎ امام ترمذی کہتے ہیں: وائل بن حجر کی حدیث حسن ہے، بہت سے اہل علم صحابہ، تابعین اور بعد کے لوگوں کا بھی ارشاد تھا کہ آدمی بلند آواز سے آمین کہے آہستہ نہ کہے، امام شافعی احمد بن حنبل اور اسحاق وغیرہ کا یہی مذہب ہے۔

چاہیئے۔ حررہ محمد علی فیروز پوری

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آمین بالجہر خاص مقتدیوں کے واسطے بالالفاظ صریح غیر محتمل المعنیین آیا کسی حدیث صحیح مرفوع متصل الاسناد سے ثابت ہے یا نہیں اور امام پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے اس لئے کہ امام بہت سی چیزوں کو بالجہر کہتا ہے مثلاً تکبیر و قرأت وسلام وغیرہ آیا کسی حدیث سے یہ بات ثابت ہے یا نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کسی مقتدی نے آمین بالجہر کہی ہے یا نہیں

سوال دوم۔ آمین بالجہر علی الخصوص نماز جہری میں کیوں خاص کی گئی ہے آیا کسی حدیث صحیح مرفوع سے تخصیص صلوٰۃ جہری و نفی صلوٰۃ سری کی بصراحت تمام وارد ہے یا نہیں اگر وارد ہے، تو براہ مہربانی دونوں سوالوں کا جواب حدیث مرفوع متصل الاسناد سے مع رواۃ و اسامی کتب کے تحریر فرمایا جاوے، بدرجہ تنزل میں اس کی بھی اجازت دیتا ہوں، کہ حدیث حسن یا ضعیف قابل عمل ہی سے لکھا جاوے، واضح رہے، کہ آثار صحابہ سے استدلال نہیں چاہتا ہوں۔

الجواب:۔ ہاں آمین بالجہر خاص مقتدیوں کے واسطے بالالفاظ صریح غیر محتمل المعنیین ایسی حدیث صحیح، مرفوع متصل الاسناد سے ثابت ہے جس کی صحت پر تمام علماء اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے، یعنی حدیث متفق علیہ سے ثابت ہے، وہ حدیث یہ ہے۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا قال الامام غیر المغضوب علیھم ولا الضالین فقولوا امین فانہ من وافق قولہ قول الملائکۃ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ[1] اخرجہ البخاری ومسلم واللفظ للبخاری۔ اس حدیث میں لفظ فقولوا کا مصدر قول ہے جو متضمن معنیین یا معانی چند کا ہرگز نہیں ہے، کیونکہ قول کے معنی لغت میں صرف گفتن کے ہیں پس معلوم ہوا کہ لفظ قولوا مشترک نہیں ہے اور جب مشترک نہیں ٹھہرا تو محتمل معنیین کا نہیں ہو سکتا، غایت ما فی الباب لفظ قول چونکہ مطلق ہے اس وجہ سے اس کے افراد نکلیں گے اور کم از کم اس کے دو فرد نکلیں گے، قول بالجہر و قول بالسر پس اس حدیث متفق علیہ سے جو مرفوع متصل الاسناد و درجہ نہایت صحیح ہے آمین بالجہر مقتدیوں کے واسطے بالالفاظ صریح غیر محتمل

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جب امام غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کہے، تو تم آمین کہا کرو، جس کا قول فرشتوں کے موافق ہو جائے گا اس کے پچھلے گناہ بخشے جائیں گے۔

المعنیین ثابت ہوا، اور اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے مقتدی آمین بالجہر کہتے تھے، کیونکہ لفظ قولوا کے اصل مخاطب صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں، جو آپ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، اور آپ کے حکم کی تعمیل کے لئے جان سے حاضر رہتے تھے، اگر تم یہ کہو، کہ جب قول مطلق ہے، اور اس کے دو فرد ہیں، قول بالجہر و قول بالسر، تو اس حدیث سے جیسے مقتدیوں کے لئے آمین بالجہر کہنا صراحۃً ثابت ہوتا ہے، اسی طرح ان کے لئے آمین بالسر کہنا بھی صراحۃً ثابت ہوتا ہے، کیونکہ اس حدیث میں لفظ قولوا مطلق واقع ہے اور بالجہر یا بالسر کی قید نہیں ہے، تو جواب اس کا یہ ہے، کہ جب لفظ مطلق علی الاطلاق بلا کسی قید کے استعمال کیا جاتا ہے، تو اس مطلق سے اس کا فرد کامل مراد ہوتا ہے، اور فرد ناقص مراد نہیں ہوتا ہے، اور یہ قاعدہ فقہائے حنفیہ کے نزدیک بھی مسلم ہے، علامہ صدر الشریعت توضیح میں تحریر فرماتے ہیں۔ لان[1] المطلق لا یتناول رقبۃ وھو فائت جلس المنفعۃ وھذا ما قال علماؤنا ان المطلق ینصرف الی الکامل (انتہی) اور علامہ محب اللہ البہاری مسلم الثبوت میں لکھتے ہیں۔ فانتقال[2] الذھن من المطلق الی الکامل ظاھر (انتہی) اور ملا جیون نور الانوار میں لکھتے ہیں۔ وثانی[3] ھذا المقام ضابطتان احدھما ان المطلق یجری علی اطلاقہ والثانیۃ ان المطلق ینصرف الی الفرد الکامل فالاول فی حق الاوصاف کالایمان والکفر والثانی فی حق الذات کالزمانۃ والعمی انتہی مختصرا۔ ان تمام عبارات سے صاف ظاہر ہوا کہ جب مطلق کا استعمال بلا کسی قید کے ہوتا ہے، تو اس کا صرف وہی فرد مراد ہوتا ہے، جو کامل ہوتا ہے، اور بالکل ظاہر ہے، کہ مطلق قول کے دونوں فرد قول بالجہر و قول بالسر میں سے قول بالجہر ہی فرد کامل ہے، اور مطلق قول سے اسی قول بالجہر ہی کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے، بناء علیہ حدیث مذکور میں لفظ فقولوا آمین سے آمین بالجہر کا مراد ہونا متعین ہے، اور مطابق قاعدہ مذکورہ کے آمین بالسر مراد لینا جائز نہیں ہے۔

اور دوسرا جواب یہ ہے، کہ عند الحنفیہ یہ قاعدہ مسلم ہو چکا ہے، کہ قول صحابی مطلق یا عام کا

---

[1] اس لئے کہ مطلق ایسے غلام کو شامل نہیں ہو گا، جس میں نفع کی جنس مفقود ہو، ہمارے علماء نے کہا ہے، کہ مطلق فرد کامل کی طرف پھرتا ہے۔ [2] ذہن کا مطلق سے فرد کامل کی طرف پھرنا ظاہر بات ہے [3] ہمارے اس مقام میں دو قاعدے ہیں، ایک یہ کہ مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے، اور دوسرا یہ کہ مطلق فرد کامل کی طرف پھرتا ہے، پس پہلا تو صفات کے حق میں ہے، جیسے ایمان اور کفر، اور دوسرا ذات کے حق میں ہے جیسے نابینا ہونا وغیرہ۔

مخصص ہوتا ہے، مسلم الثبوت میں ہے فعل[1] الصحابی العادل العالم مخصص عند الحنفیۃ و الحنابلۃ خلافا للشافعیۃ والمالکیۃ انتہی مختصرا اور اہل علم پر مخفی نہیں ہے، کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا فعل آمین بالجہر ہی تھا، امام کے پیچھے صحابہ رض آمین بالجہر ہی کہا کرتے تھے، صحیح بخاری میں ہے امّن[2] ابن الزبیر ومن وراءہ حتی ان للمسجد للجۃ وکان ابو ہریرۃ ینادی الامام لا تفتنی بآمین۔ فتح الباری میں ہے وصلہ[3] عبد الرزاق عن ابن جریج عن عطاء قال قلت لہ اکان ابن الزبیر یؤمن علی اثر ام القرآن قال نعم ویؤمن من وراءہ حتی ان للمسجد للجۃ ثم قال انما امین دعاء قال وکان ابو ہریرۃ یدخل المسجد وقد قام الامام فینادیہ فیقول لا تسبقنی بآمین وروی البیہقی من وجہ آخر عن عطاء قال ادرکت مائتین من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ہذا المسجد اذا قال الامام ولا الضالین سمعت لہم رجۃ بآمین۔ پس جب ثابت ہوا، کہ صحابہ رضی اللہ عنہم امام کے پیچھے آمین بالجہر کہتے تھے، تو صحابہ کا یہ فعل مطابق قاعدہ مذکورہ حنفیہ کے حدیث مذکور میں لفظ فقولوا امین کا مخصص ہوگا یعنی اس سے صرف آمین بالجہر مراد ہوگی، اور انہی آثار صحیحہ سے یہ بھی ثابت ہوا، کہ صحابہ رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے آمین بالجہر کہتے تھے کیونکہ یہ بات غیر معقول ہے، کہ صحابہ رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے آمین بالجہر نہ کہیں، اور ابن زبیر رض وغیرہ امام کے پیچھے آمین بالجہر کہیں، اور ہاں واضح رہے، کہ کسی صحابی سے آمین بالسر کرنا بسند صحیح ثابت نہیں ہے، اور بعض آثار جو آمین بالسر کے بارے میں منقول ہیں وہ ضعیف ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جواب سوال دوم۔ احادیث سے صرف نماز جہری میں آمین بالجہر کہنا ثابت ہے اور

---

[1] عادل، عالم صحابی کا فعل حنفیوں اور حنبلیوں کے نزدیک حدیث مطلق کا مخصص ہے، برخلاف شافعیہ اور مالکیہ کے ۱۲

[2] ابن زبیر اور ان کے مقتدیوں نے آمین کہی تو مسجد گونج اٹھی حضرت ابو ہریرہ امام کو آواز دیا کرتے تھے، کہ مجھے آمین کہہ لینے دینا ۱۲

[3] ابن جریج کہتے ہیں، کہ میں نے عطاء سے سوال کیا، کیا عبد اللہ بن زبیر رض آمین کہا کرتے تھے، کہا ہاں، آپ کے مقتدی بھی آمین کہتے تھے، تو مسجد گونج اٹھتی تھی، پھر فرمایا، کہ آمین دعا ہے اور فرمایا کہ ابو ہریرہ مسجد میں آتے اور جماعت کھڑی ہو چکی ہوتی، تو امام کو آواز دیتے میری آمین ضائع نہ کرنا، عطاء کہتے ہیں کہ میں نے دو سو صحابہ رض کو اس مسجد میں اس حال میں دیکھا، کہ جب امام ولا الضالین کہتا، تو ان کی آواز سے مسجد کانپ جاتی ۱۲

نماز سری میں آمین بالجہر کہنا ثابت نہیں ہے، اسی لئے آمین بالجہر نماز جہری کے ساتھ خاص کی گئی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم، حررہ السید محمد عبد الحفیظ غفر لہ ولوالدیہ۔

سید محمد نذیر حسین

ھو الموفق بیشک حدیث متفق علیہ مذکور سے صاف اور صریح طور پر مقتدیوں کے واسطے آمین بالجہر ثابت ہے، امام بخاری نے مقتدی کے واسطے آمین بالجہر کے لئے باب بایں لفظ منعقد کیا ہے، باب جھر الماموم بالتامین اور اس باب میں اسی ابوہریرہ کی حدیث مذکور کو ذکر کیا ہے، حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں۔ قال الزین بن المنیر مناسبة الحدیث للترجمة من جهة ان فی الحدیث الامر بقول آمین والقول اذا وقع به الخطاب مطلقا حمل علی الجهر ومتی ارید به الاسرار وحدیث النفس قید بذلك وقال ابن رشید تؤخذ المناسبة منه من جهات منها انه قال اذا قال الامام فقولوا فقابل القول بالقول والامام انما قال ذلك جهرا فكان الظاهر الاتفاق فی الصفة ومنها انه قال فقولوا ولم یقیده بجهر ولا غیره وهو مطلق فی سیاق الاثبات وقد عمل به فی الجهر بدلیل ما تقدم یعنی فی مسئلة الامام والمطلق اذا عمل به فی صورة لم یكن حجة فی غیرها باتفاق ومنها انه تقدم ان المأموم مأمور بالاقتداء بالامام وقد تقدم ان الامام یجهر فلزم جهره بجهره وهذا الاخیر سبق الیه ابن بطال وتعقب بانه یستلزم ان یجهر المأموم بالقراءة لان الامام جهر بها لكن یمكن ان ینفصل عنه بان الجهر بالقراءة خلف الامام قد نهی عنه فبقی التأمین داخلا تحت عموم الامر باتباع الامام ویتقوی ذلك بما تقدم عن عطاء ان من خلف ابن الزبیر كانوا یؤمنون جهرا وروی البیهقی من وجه

---

[1] زین بن منیر کہتے ہیں کہ حدیث سے ترجمہ باب کی مناسبت کئی طرح سے ہے، حدیث میں آمین کہنے کا حکم ہے اور قول کے ساتھ جب خطاب مطلق واقع ہو تو اسے جہر پر محمول کیا جاتا ہے، اور اگر اس سے سر مراد ہو تو اسے مقید طور پر بیان کیا جاتا ہے، دوسرا یہ کہ آپ نے قال کے مقابلہ میں قولوا فرمایا ہے، اور جب قول، قول کے مقابل ہو تو اس سے وہی کیفیت مراد ہوتی ہے، جو پہلے کی ہو، تو جب امام ولا الضالین بلند آواز سے کہے گا، تو آمین بھی بلند آواز سے ہوگی، تیسری یہ کہ قولوا کا لفظ مطلق واقع ہوا ہے، اور اس پر جہر کی صورت میں عمل ہوا ہے، تو مطلق پر جب ایک صورت میں عمل ہو جائے تو وہ بالاتفاق دوسری صورت میں حجت نہیں رہتا، چوتھی یہ کہ مقتدی کو امام کی اقتدا کا حکم ہے اور چونکہ امام جہر سے قرأت کرتا ہے، لہٰذا مقتدی بھی جہر سے آمین کہے گا، اس پر یہ اعتراض

ابن عطاء قال ادرکت مائتین من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ھذا المسجد اذا قال الامام ولا الضالین سمعت لھم رجۃ بامین والجھر بالماموم ذھب الیہ الشافعی فی القدیم وعلیہ الفتوی وقال الرافعی قال الاکثر فی المسئلۃ قولان اصحہما انہ یجھر انتہی۔ واللہ تعالی اعلم۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سوال:۔ چہ مے فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین در مسئلہ رفع یدین وآمین بآواز بلند در نماز سہ گانہ درست یا نہ و ہر آن شخص کہ بر ہر دو مسئلہ مذکورہ عمل کند آن شخص از مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ بیرون شود یا نہ بینوا توجروا؟

الجواب:۔ درصورت مرقومہ بر علمائے حقانی پوشیدہ نیست کہ در رفع یدین وقت رفتن در رکوع ووقت برداشتن سر از رکوع منازعت ومخاصمت ومشاتمت ومغاضبت کردن خالی از تعصب مذہبی وجہالت نخواہد بود زیرا کہ رفع وعدم رفع در ہر دو مقام باوقات مختلفہ از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم ثابت است چہ دلائل طرفین درین باب موجود، لہذا شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ در شرح سفر السعادت بعد بیان دلائل طرفین نوشتہ اند کہ چارہ نیست از قول سنیت ہر دو فعل انتہی کلامہ وہم چنین مولانا عبد الحی حنفی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ در ارکان اربعہ بعد بیان دلائل طرفین نیز میفرمایند

ہو سکتا ہے، کہ امام قرأت جہر سے کرتا ہے اور مقتدی جہر سے نہیں کرتا تو اس کا جواب یہ ہے، کہ قرأت بلند آواز سے نص صریح سے بند ہوگئی، لیکن آمین چونکہ قرأت نہیں تھی، وہ اپنے حال پر باقی رہی، اور اس سے پہلے گذر چکا ہے کہ ابن زبیر اور ان کے مقتدی بلند آواز سے آمین کہتے تھے، عطاء کہتے ہیں کہ میں نے دو سو صحابہ کو اس مسجد میں بلند آواز سے آمین کہتے دیکھا ہے مسجد کانپ جاتی تھی، امام شافعی کے نزدیک مقتدی بلند آواز سے آمین کہے، رافعی کہتے ہیں کہ اکثر اس مسئلہ میں دو قول بیان کرتے ہیں ان سے زیادہ صحیح یہ ہے، کہ بلند آواز سے آمین کہے۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ نماز میں رفع الیدین کرنا اور تینوں جہری نمازوں میں بلند آواز سے آمین کہنا درست ہے یا نہیں، اور جو شخص ان دونوں پر عمل کرے وہ امام اعظم کے مذہب سے باہر ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ علمائے حقانی پر پوشیدہ نہیں ہے، کہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنے میں لڑنا جھگڑنا تعصب اور جہالت سے خالی نہیں ہے، کیونکہ مختلف اوقات میں رفع یدین کرنا اور نہ کرنا دونوں ثابت ہیں اور دونوں طرح کے دلائل موجود ہیں، شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے شرح سفر السعادت میں طرفین کے دلائل بیان کر کے لکھا ہے، کہ دونوں طریقوں کو ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے، مولانا عبد الحی

ان ترك فهو حسن وان فعل فلا باس به انتهى كلامه واگر بنظر انصاف بہ بینی تارفع در ہر دو موضع از بسیارے صحابہ عظام رضی اللہ عنہم ثابت گردیده، بعضے از پنجاه صحابہ رضی اللہ عنہم نقل کرده اند، چنانکہ عراقی در شرح تقریب گفتہ، و مولوی سلام اللہ حنفی کہ از اولاد امجاد شیخ عبدالحق محدث دہلوی مستند در محلی شرح موطا افاده فرموده اند و بعضے از بست و سہ صحابہ روایت کرده چنانکہ شیخ جلال الدین سیوطی نقل کرده و نزد بعضے چہار صد خبر و اثر از حضرت رسالت پناه صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ و سلف رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین درین باب وارد یافتہ، چنانکہ مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس در سفر السعادت گفتہ است و دعوے نسخ آن دلیل است کما لا یخفی علی الماہر النبیل۔

اعلم انه قد روى الرفع عند الركوع والرفع منه غير ابن عمر وائل بن حجر ومالك بن الحويرث عند الشيخين وابو هريرة وعلى وابو حميد الساعدى وابن عباس عند ابى داؤد وانس وجابر وصهيب عند ابن ماجه والبيهقى وابو موسى عند الدارقطنى وابو سعيد وسهل بن سعد ومحمد بن مسلمة وابو قتادة وابو موسى الاشعرى وعمير الليثى كما ذكر الترمذى قال الشافعى فى الام يروى ذلك عنه صلى الله عليه وسلم

لکھنوی ارکان اربعہ میں طرفین کے دلائل لکھ کر فرماتے ہیں "اگر نہ کرے تو بہتر ہے اور اگر کرے تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن اگر انصاف کی نگاہ سے دیکھا جائے، تو بہت سے صحابہ کرام سے رفع یدین کرنا ثابت ہے، چنانچہ عراقی نے شرح تہذیب میں اور مولوی سلام اللہ حنفی نے محلی شرح موطا میں پنجاہ صحابہ سے رفع یدین نقل کی ہے سیوطی نے تئیس صحابہ سے رفع یدین نقل کی ہے، اور مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس نے سفر السعادت میں لکھا ہے، کہ مرفوع احادیث اور آثار و اخبار رفع یدین کے متعلق اکٹھے کئے جائیں، تو ان کی تعداد چار سو تک پہنچتی ہے اور رفع یدین کے منسوخ ہونے کا دعوی بالکل بلا دلیل ہے۔

رکوع کو جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ مالک بن حویرث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہ انس رضی اللہ عنہ جابر رضی اللہ عنہ صہیب رضی اللہ عنہ ابو موسی رضی اللہ عنہ ابو سعید رضی اللہ عنہ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ عمر ولیثی رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ سے حدیث کی مختلف کتابوں میں منقول ہے امام شافعی رحمہ اللہ نے کتاب الام میں چودہ صحابہ سے رفع یدین کی روایتیں نقل کی ہیں امام بخاری نے رفع یدین کو سولہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے حاکم کہتے ہیں، کہ یہ وہ حدیث ہے جس کو عشرہ مبشرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے، ولی عراقی کہتے ہیں، کہ ہم نے تتبع کیا تو ہم کو پچاس

اربعة عشر من الصحابة ويروى عن اصحابه صلى الله عليه وسلم من غير وجه وذكر البخاري انه رواه ستة عشر رجلا من الصحابة وذكر الحاكم وممن رواه العشرة المبشرة وذكر الولي العراقي انه تتبع من رواه من الصحابة فبلغوا خمسين رجلا فروى عبد الرزاق عن ابي حمزة مولى بني اسد قال رأيت ابن عباس اذا افتتح الصلوة يرفع يديه واذا ركع واذا رفع رأسه من الركوع وروى ابن ابي شيبة عن عطاء قال رأيت ابا سعيد الخدري وابن عباس وابن الزبير يرفعون ايديهم اذا افتتحوا الصلوة وحين ركعوا وبعد ما رفعوا وعن اشعث كان الحسن يفعله وعن ابن سيرين انه كان يرفع وذكر الترمذي ممن يقول بالرفع جابر وانس وابو هريرة وعطاء وطاؤس ومجاهد ونافع وسالم وسعيد بن جبير وبه قال الشافعي واحمد واسحق والمحدثون وقال الامام ابو حنيفة لا يرفع الا في تكبيرة الاحرام وهو رواية ابن القاسم والشافعي عن مالك رح قال ابن دقيق العيد هو المشهور عند اصحاب مالك والمعمول به عند المتاخرين واحتجوا بما رواه ابو داؤد والترمذي من طريق وكيع عن سفيان عن عاصم بن كليب عن عبد الرحمن بن الاسود عن علقمة قال قال لنا ابن مسعود الا اصلي بكم صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم وصلى ولم يرفع يديه الا مرة واحدة مع تكبيرة الافتتاح قال ابو داؤد وهذا حديث مختصر من حديث طويل ليس هو بصحيح على ذلك اللفظ قال الحافظ ابن حجر في تخريج الرافعي قال ابن المبارك لم يثبت عندي وضعفه احمد وشيخه يحيي بن آدم والبخاري وابو داؤد وابو حاتم والدارقطني والدارمي والحميدي والبيهقي وقال ابن حبان

صحابہ رفع یدین کی روایت نقل کرنے والے ملے، ابو حمزہ کہتے ہیں، کہ میں نے ابن عباس کو رکوع میں جاتے، اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرتے دیکھا ہے، عطاء کہتے ہیں، کہ میں ابو سعید خدری، ابن عباس اور ابن زبیر کو رفع یدین کرتے دیکھا ہے، امام حسن اور ابن سیرین رفع یدین کرتے تھے، امام ترمذی کہتے ہیں حضرت جابر رض انس رض ابو ہریرہ رض عطاء رح طاؤس رح مجاہد رح نافع، سالم، سعید بن جبیر امام شافعی، احمد، اسحاق اور تمام اہل حدیث رفع یدین کرتے تھے، امام ابو حنیفہ اور مالک کی ایک روایت رفع یدین نہ کرنے کے متعلق ہے، اور دلیل میں ابن مسعود رض کی روایت پیش کرتے ہیں، کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھ کر دکھائی اور تکبیر تحریمہ کے سوا اور کسی جگہ رفع یدین نہ کی، ابو داؤد نے کہا یہ حدیث صحیح نہیں ہے، ابن مبارک کہتے ہیں یہ حدیث ثابت نہیں ہے، امام احمد، یحیی بن آدم، امام بخاری، ابو داؤد، ابو حاتم، دار قطنی، دارمی، حمیدی، بیہقی، ابن حبان سب نے

هذا حسن خبر مروی لاهل الکوفة وهو فی الحقیقة اضعف شیٔ یعول علیہ لان لہ علة توهنه وقع فی الخلاصة للنووی حکایة الاتفاق علی تضعیف هذا الحدیث انتهی وقال ابن القطان هو عندی صحیح ولا یقول ثم لا یعود نقد قالوا ان وکیعا کان یقول من قبل نفسه وکذا قال الدارقطنی انه صحیح الا هذه اللفظة ذکره الحافظ فی تخریج الهدایة ترکت قال الترمذی انه حسن وبه یقول غیر واحد من اصحاب صلی اللہ علیه وسلم وصححه ابن حزم ذکره الزرکشی فی تخریج الرافعی نغایة مافی الباب ثبوت الرفع وعدمه کلاهما عنه وهی انما یدل علی نفی وجوب الرفع لا علی عدم مذهبه وترک ابن عمر للرفع لا یفید نسخ الندب قال البیهقی وقد یمکن الجمع بینهما ان ما رأه ثابتا ثم غفل عنه فلم یره وغیره رأه وغفل عنه ابن عمر فلم یفعله مرة او مرات اذ کان یجوز ترکه نفعله یدل علی انه سنة وترکه یدل علی انه لیس بواجب علی نقول وردت فی الرفع المذکور اربع مائة خبر بین مرفوع و اثر علی ما قاله مجد الدین فیروز ابادی فی السفر فالحدیث متواتر معنی رواه خمسون من الصحابة فیهم العشرة المبشرة علی ما قاله العراقی فی شرح التقریب وعده السیوطی رحمه اللہ تعالی من جملة الاحادیث المتواترة فی کتابه المسمی بالازهار المتناثرة فی الاخبار المتواترة ونسبه الی روایة ثلاثة وعشرین من الصحابة فقال حدیث رفع الیدین فی الاحرام والرکوع والاعتدال اخرجه الشیخان عن ابن عمر ومالک بن الحویرث ومسلم یعنی فی افراده عن وائل بن حجر والاربع فی اصحاب السنن الاربعة عن علی وابوداؤد یعنی فی افراده عن سهل بن سعد وابن الزبیر وابن عباس ومحمد بن مسلمة وابی اسید وابی حمید وابی قتادة وابی هریرة وابن ملجة

اس حدیث کو ضعیف کہا ہے امام نووی نے کہا اس کے ضعیف ہونے پر محدثین کا اتفاق ہے ابن قطان نے کہا ثم لا یعود دہرنہ کرتے کے الفاظ وکیع نے اپنی طرف سے بڑھائے ہیں، دارقطنی نے کہا یہ لفظ "لا یعود" صحیح نہیں ہیں امام ترمذی کہتے ہیں کچھ صحابہ سے رفع یدین نہ کرنا بھی ثابت ہے ابن حزم نے اس حدیث کو صحیح کہا اور ترمذی نے حسن قصہ مختصر رفع یدین کا ثبوت اور عدم ثبوت دونوں مروی ہیں اس اختلاف سے وجوب کی نفی تو ثابت ہو سکتی ہے اس کی عدم سنیت ثابت نہیں ہوتی اور عبداللہ بن عمر کا رفع یدین نہ کرنا اس کے مستحب ہونے کے منافی نہیں اور ہو سکتا ہے کہ ابن عمر نے کبھی خیال نہ کیا ہو، تو استمرار رفع یدین سے انہوں نے انکار کیا ہو اس سے زیادہ سے زیادہ نفی وجوب رفع تو ثابت ہو سکتی ہے، عدم سنت نہیں رفع یدین کے اثبات کی مندرجہ بالا تقریر سے بخوبی واضح ہے کہ یہ حدیث متواتر ہے، فیروزآبادی کے قول کے مطابق چار سو حدیثیں آثار و اخبار اس کے ثبوت میں موجود ہیں،

بیہقی فی افرادہ عن انس وجابر بن عبد اللہ وعمرو اللیثی واحمد عن الحکم بن عمیر والاعرابی والبیہقی عن ابی بکر الصدیق والبراء والدار قطنی عن عمر بن الخطاب وابی موسیٰ الاشعری والطبرانی عن عقبۃ بن عامر ومعاذ بن جبل انتہیٰ کلامہ ثم استمر علیہ دابہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی فارق الدنیا وھو فی زیادۃ البیہقی علی الحدیث المتفق علیہ عن الزہری عن سالم عن ابن عمر رض فمازالت تلک صلوتہ حتی لقی اللہ تعالیٰ قال ابن المدینی فی حدیث الزہری عن سالم عن ابیہ ھذا الحدیث عندی حجۃ علی الخلق وکل من سمعہ فعلیہ ان یعمل بہ لانہ لیس فی اسنادہ شئ حکاہ الحافظ فی تخریج احادیث الرافعی ولکونہ لم ینسخ بعد صحتہ وتواترہ وروایتہ عن جم غفیر من الصحابۃ رض کان معمولاً فی الصحابۃ بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کذا فی دراسات اللبیب فی الاسوۃ الحسنۃ بالحبیب للعلامۃ معین الدین السندی۔

واگر تحقیق زیادہ تر ازیں در ثبوت رفع یدین منظور باشد پس در تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین کہ یکے از مصنفات نفیسہ جناب مولانا محمد اسمٰعیل محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ است نظر کندو کہ حق حقیق بروظاہر شود واز عمل کردن بریک دو مسئلہ خلاف مذہب حنفی از مذہب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بقول ہمیں امام عالی مقام بیرون نخواہد بود، چنانچہ تحقیق این مسئلہ در معیار الحق بوجہ بسط مذکور است، ہر کرا شک وشبہ باشد، در معیار الحق بیند تا تشفی خاطرش بخوبی شود وما علینا الا البلاغ واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آخری زندگی تک رفع یدین کرتے رہے ہیں، چنانچہ امام بیہقی نے سنن کبریٰ میں حضرت ابن عمر رض سے حدیث روایت کی ہے، کہ "اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے وقت تک آپ کی نماز رفع یدین سے ہوتی رہی، عبد اللہ بن عمر رض کہتے ہیں کہ یہ حدیث میرے نزدیک ہر اس آدمی پر حجت ہے، جو اسے سنے، رفع یدین اپنی صحت اور تواتر اور ایک جم غفیر سے روایت کے بعد منسوخ نہیں ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی یہ صحابہ رض اور تابعین رح کا معمول رہی ہے جیسا کہ معین الدین سندی نے دراسات اللبیب میں بیان کیا ہے اور اگر اس کی زیادہ تحقیق مطلوب ہو تو شاہ اسمٰعیل شہید کی کتاب تنویر العینین ملاحظہ فرمائیں، آپ پر حق واضح ہو جائے گا۔

اور ایک دو مسائل میں امام صاحب کے قول کو چھوڑ کر دوسرے اقوال پر عمل کر لینے سے کوئی آدمی ان کے مذہب سے خارج نہیں ہو جاتا، چنانچہ اس مسئلہ کی پوری تحقیق معیار الحق میں موجود ہے اس کو ملاحظہ کر کے تسلی کریں،

جواب سوال دوم کا یہ ہے، کہ دلیل جمہور اور اکثر علماء کی اوپر جہر کرنے آمین کے حدیث ابوہریرہ کی ہے، جو کہ ابوداؤد وغیرہ نے نقل کی۔ عن وائل بن حجر قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قرأ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین قال آمین ورفع بھا صوتہ رواہ ابوداود وعن ابی ھریرۃ رض قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا تلا غیر المغضوب علیھم ولا الضالین قال آمین حتی یسمع من یلیہ من الصف الاول رواہ ابوداود۔ وعن ابی ھریرۃ رض قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من قراءۃ ام القرآن رفع صوتہ وقال آمین رواہ الدارقطنی وحسنہ والحاکم وصححہ ذکرہ ابن حجر العسقلانی فی بلوغ المرام وقال الحاکم اسنادہ صحیح علی شرطھما وقال البیھقی حسن صحیح وحدیث وائل اخرجوہ من طریق الثوری بلفظ صلیت خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما قال ولا الضالین قال آمین ومد بھا صوتہ رواہ ایضا ابن ماجۃ من طریق اخری عنہ بلفظ قال آمین فسمعناھا منہ ورواہ احمد والدارقطنی من ھذہ الطریق بلفظ مد بھا صوتہ کذا قال شارح بلوغ المرام القاضی حسین بن محمد بن سعید بن عیسی المغربی اللاعی وعن وائل بن حجر قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرأ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین فقال آمین ومد بھا صوتہ رواہ الترمذی وعن ابی ھریرۃ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قال غیر المغضوب علیھم ولا الضالین قال آمین حتی یسمعھا اھل الصف الاول فیرتج بھا المسجد رواہ ابن ماجۃ وعن علی قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے، کہ جمہور اور اکثر علماء کے نزدیک آمین بالجہر کہنا سنت ہے، اور ان کے دلائل حسب ذیل ہیں، وائل بن حجر کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب غیر المغضوب علیھم ولا الضالین پڑھتے تو بلند آواز سے آمین کہتے، ابوہریرہ رض کہتے ہیں، کہ آپ جب ولا الضالین پڑھتے تو آمین کہتے، جس کو پہلی صف والے سن لیتے، ابوہریرہ رض کہتے ہیں، کہ جب آپ الحمد کی قرارت سے فارغ ہوتے، تو بلند آواز سے آمین کہتے اس کی سند بخاری مسلم کی شرائط پر ہے، وائل بن حجر کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی، تو جب آپ نے ولا الضالین کہا، تو بلند آواز سے آمین کہی، دوسری حدیث میں ہے، کہ ہم نے آپ کی آمین سنی، وائل بن حجر رض کی ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے ولا الضالین کے بعد آمین بلند آواز اور مد کے ساتھ کہی، ابوہریرہ کہتے ہیں، کہ جب آپ نے ولا الضالین کہا، تو اتنی آمین کہی کہ پہلی صف والوں نے سن لی پھر صحابہ کی آمین سے مسجد گونج اٹھی، حضرت علی کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جب

قال ولا الضالین قال امین رواہ ابن ماجہ وعن عبد الجبار بن وائل عن ابیہ قال صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما قال ولا الضالین قال امین فسمعناھا منہ وعن عائشۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ما حسدتکم الیھود علی شئ ما حسدتکم علی السلام والتامین وعن ابن عباس رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما حسدتکم الیھود علی شئ ما حسدتکم علی امین فاکثروا من قول امین رواہ ابن ماجہ اور مقتدی کے حق میں فرمایا ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اذا امن الامام فامنوا فانہ من وافق تامینہ تامین الملائکۃ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ رواہ الترمذی وابوداؤد والبخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ۔

پس مقتدی کو چاہیے، کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرے یعنی جس طرح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آمین پکار کر کہتے تھے، اسی طرح مقتدی بھی پکار کر کہے، کہ اقتدار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پائی جاوے، کیونکہ رسول مقبول نے فرمایا ہے۔ صلوا کما رأیتمونی اصلی (ترجمہ یعنی پڑھو نماز جیسا کہ مجھ کو نماز پڑھتے دیکھا تم نے قال الاکثرون یجھر بالتامین کذا قال النووی وغیرہ من المحدثین مولانا عبد العلی حنفی در ارکان اربعہ می فرمایند کہ در باب آہستہ گفتن آمین ہیچ وارد نشدہ مگر حدیثے ضعیف اما تامین الامام والماموم فلما روی مسلم عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا امن الامام فامنوا فانہ من وافق تامینہ تامین الملائکۃ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ واما الاسرار بالتامین فھو مذھبنا ولم یرد فیہ الا ما روی الحاکم عن علقمۃ بن وائل عن ابیہ انہ صلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذا بلغ ولا الضالین

ولا الضالین پڑھتے، تو آمین کہتے، ابن حجر بیان کرتے ہیں، کہ ہم نے ولا الضالین کے بعد آپ کی آمین سنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جتنا حسد یہودی تمہاری آمین اور سلام پر کرتے ہیں اتنا اور کسی چیز پر نہیں کرتے، سو تم آمین بلند آواز سے کہا کرو، اور فرمایا جب امام آمین کہے، تو تم بھی آمین کہو جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے موافق ہو جائے اس کے پہلے گناہ بخشے جاتے ہیں۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلند آواز سے آمین کہتے تھے تو ہمیں بھی بلند آواز سے کہنا چاہیے کیونکہ آپ نے فرمایا ہے جیسے تم مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو ویسی ہی نماز تم بھی پڑھا کرو، اکثر علماء نے کہا آمین بلند آواز سے کہنا چاہیے مولانا عبد العلی ارکان اربعہ میں فرماتے ہیں آمین آہستہ کہنے کے بارے میں صرف ایک حدیث ہے، اور وہ بھی ضعیف ہے آہستہ آمین کہنا ہمارا مسلک ہے مگر اس کے متعلق علقمہ بن وائل کی حدیث کے سوا کوئی حدیث نہیں ہے، اور

قال امین واخفی بها صوته وهو ضعیف وقد بین فی فتح القدیر وجه ضعفه لکن الامر فیه سهل فان السنة التامین اما الجهر ولا خفاء فندب کما فی الارکان الاربعة۔

حاصل کلام کا یہ ہے، کہ تامین بالجہر نماز جہریہ میں امام شافعی و امام احمد و جمہور علماء کے نزدیک جائز ہے اور امام ابو حنیفہ و دیگر اہل کوفہ کے نزدیک تامین نماز جہریہ میں سراً مطلق جائز ہے اور استدلال جمہور کا حدیث وائل سے ہے۔ واستدل الجمہور مع ما فی حدیث الباب بما رواه ابوداؤد عن ابی هریرة کان صلی الله علیه وسلم اذا تلی غیر المغضوب علیهم ولا الضالین قال آمین حتی یسمع من یلیه من الصف الاول کذا فی المحلی شرح الموطا المولانا سلام الله الحنفی و مولانا محمد اسمٰعیل رحمة الله علیه در رسالہ تنویر العینین می فرمایند کہ بجہر آمین گفتن اولےٰ است از آہستہ گفتن وعبارته هکذا والتحقیق ان الجهر بالتامین اولی من خفضه۔ انتهی کلامه والله اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین — هذا الجواب صحیح والمجیب نجیح — محمد عبد القادر

المجیب مصیب و لہ اجر نصیب خادم عباد اللہ الجمیل محمد اسمٰعیل۔

محمد اسمٰعیل

فائدہ:۔ در مستدرک حاکم است حدثنا ابوبکر احمد بن سلمان الفقیه ببغداد ثنا الحسن بن مکرم البزار ثنا روح بن عبادة ثنا شعبة واخبرنی عبد الرحمن بن الحسن القاضی بهمدان ثنا ابراهیم بن الحسین بن دیزیل ثنا آدم بن ابی ایاس ثنا شعبة عن عاصم بن سلیمان ان ابا عثمان النهدی حدثهم ان بلال ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لا یستغنی بآمین هذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاه وابو عثمان النهدی مخضرم قد ادرک الطائفة الاولی من الصحابة وهذا بخلاف مذهب احمد بن حنبل فی التامین لحدیث ابی صالح عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال اذا قال الامام ولا الضالین فقولوا آمین وفقهاء اهل المدینة قالوا بحدیث سعید وابی سلمة عن ابی هریرة اذا

وہ حدیث ضعیف ہے لیکن معاملہ آسان ہے، آمین کہنا سنت ہے اور آہستہ یا بلند کہنا مستحب ہے، مولانا اسمٰعیل شہید تنویر العینین میں فرماتے ہیں کہ آمین آہستہ کہنے سے بلند آواز سے کہنا بہتر ہے۔

فائدہ :۔ مستدرک حاکم میں ہے، بلال کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لا یستغنی بآمین" یہ حدیث شیخین کی شرط پر ہے، گو انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا، امام احمد بن حنبل ابو ہریرہ کی حدیث کی بنا پر بلند آواز سے

امن الامام فامنوا۔ انتہی ما فی المستدرک۔

واضح باد کہ در روایت بلال در لفظ حدیث حاکم دو غلطی واقع شدہ، یکے آنکہ مقولہ بلال رامنسوب بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کردہ دوم آنکہ بجائے لفظ لا تسبقنی، لا تستغنی واقع شدہ و صحیح روایت این است حدثنا اسحق بن ابراهیم بن راھویہ انا وکیع عن سفیان عن عاصم عن ابی عثمان عن بلال انہ قال یا رسول اللہ لا تسبقنی بامین کما رواہ ابو داؤد فی سننہ (ترجمہ) بلال گفت اے رسول خدا در آمین گفتن سبقت نفرماید چیزے در قرات فاتحہ آہستگی نماید کہ من ہم بمقارنت آمین شما شریک شوم زیرا کہ مرا در اقامت و تسویہ صف من وجہ دیرے میشود، ونظیر قول بلال قول ابو ہریرہ در صحیح البخاری مذکور است وکان ابو ھریرۃ ینادی الامام ھو العلاء بن الحضرمی کما عند عبد الرزاق لا تفتنی من الفوات ولابن عساکر لا تسبقنی بامین من السبق وعند البیھقی کان ابو ھریرۃ یؤذن لمروان فاشترط ابو ھریرۃ ان لا یسبقہ بالضالین حتی یعلم انہ دخل فی الصف وکانہ کان یشتغل بالاقامۃ وتعدیل الصفوف وکان مروان یبادر الی الدخول فی الصلوۃ قبل فراغ ابی ھریرۃ نکان ابو ھریرۃ ینھاہ عن ذلک انتہی ما فی ارشاد الساری وغیرہ من الشروح البخاری۔

آمین کہتے اور مدینہ کے فقہاء کا بھی یہی مذہب ہے۔

واضح ہو کہ حاکم نے جو بلال سے روایت نقل کی ہے، اس میں دو غلطیاں ہیں، ایک تو یہ کہ بلال کے قول کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا گیا ہے، یعنی یہ حدیث حقیقت میں موقوف ہے جسے مرفوع بنا دیا گیا ہے، اور دوسری غلطی یہ ہے، کہ" لا تسبقنی بآمین" (مجھے آمین کہہ لینے دینا) کے الفاظ کو" لا تستغنی بآمین" بنا دیا گیا ہے، چنانچہ صحیح روایت میں" لا تسبقنی بامین" کے لفظ آئے ہیں، اور اس کی نظیر ابو ہریرہ رضہ کی حدیث ہے جسے بخاری نے روایت کیا ہے، کہ حضرت ابو ہریرہ رضہ اپنے امام علاء بن حضرمی کو آواز دیا کرتے تھے، کہ میری آمین فوت نہ ہونے دینا، ابن عساکر کی روایت میں ہے، کہ مجھ سے آمین پہلے نہ کہہ لینا اس کی وجہ یہ تھی، کہ ابو ہریرہ مروان کے مؤذن تھے، ابو ہریرہ رضہ نے مروان سے شرط کر لی تھی، کہ میں اس صورت میں مؤذن ہوں گا، کہ ولا الضالین میرے نماز شروع کرنے سے پہلے نہ کہہ لینا، کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضہ کے ذمہ بحیثیت مؤذن یہ ڈیوٹی بھی تھی کہ صفوں کو درست کریں، اور اقامت وغیرہ کہیں، اور مروان ابو ہریرہ کے فارغ ہونے سے پہلے ہی نماز شروع کر دیا کرتا تھا، تو ابو ہریرہ رضہ نے اس لئے یہ شرط کی تھی۔

حاصل معنے روایت حاکم این است کہ مقتدی بمعیت امام بلا مہلت آمین گوید زیراکہ بعدہ می نویسد کہ ھذا بخلاف مذھب احمد بن حنبل لانہ یعنی احمد تقدم امام و تاخر مقتدی بترتیب بلا مہلت باید بقرینۂ فا فقولوا و فامنوا زیراکہ مقتضی فا ترتیب بلا مہلت است چنانکہ بر متامل ذکی مخفی نہ باشد و لفظ یستغنی من النساء فہمیدن و باز یستغنی را بمعنے یتغنی قرار دادن یعنی لا یجہر بآمین مراد گرفتن بناء فاسد علی الفاسد خواہد بود زیراکہ استغنا بمعنی تغنی در لغت عرب مستعمل نہ شدہ و من ادعی فعلیہ البیان بلکہ بلا شبہ از غلطی کاتبان بجائے یستبقنی لا یستغنی واقع شد چہ روایت ابوداؤد بران شاہد عدل است، دوم قول ابوہریرہؓ مقوی و مساعد است آن را چنانکہ از صحیح بخاری سابق مذکور گردید، و در روایت مستدرک شعبہ است و در روایت ابوداؤد سفیان است قائم مقام شعبہ باقی عاصم و ابی عثمان نہدی از بلال در مستدرک و ابوداؤد متوافق اند پس اگر غلطی آن محمول بر کتابت نقل کنندگان نباشد، درین صورت مقابلہ شعبہ با سفیان خواہد بود، درمیان اختلاف روایت حاکم و ابوداؤد پس چنانکہ سنن ابوداؤد مقدم خواہد بود بر مستدرک حاکم ہمچنان سفیان مقدم شود بر شعبہ در صورت اختلاف، چنانچہ در باب الرجحان فی الوزن مستفاد میشود حدثنا ابن ابی رزمۃ قال سمعت یقول قال رجل لشعبۃ خالفک سفیان نقال دمغتنی و بلغنی عن یحیی بن معین قال کل من خالف سفیان فالقول قول سفیان حدثنا احمد بن حنبل نا وکیع عن شعبۃ قال کان سفیان احفظ منی انتہی مافی سنن

امام احمد بن حنبل کے مذہب کے مطابق امام و مقتدی ترتیب وار بلا مہلت آمین کہیں، چنانچہ فقولوا کی فا سے یہ معنی مستنبط ہوتا ہے، کہ فا ترتیب بلا مہلت کے لئے آتی ہے۔

عجیب لطیفہ ہے کہ احناف میں سے بعض نے لفظ لا یستغنی کو غنا سے سمجھ لیا ہے اور پھر یستغنی کا معنی یتغنی قرار دیا ہے، یعنی آمین بلند آواز سے نہ کہو یہ بناء فاسد علی الفاسد ہے، کہ استغنار کا معنی عربی زبان میں تغنی کبھی نہیں آیا، جو اس کا دعوے کرے وہ دلیل بیان کرے، یہ صرف کاتب کی غلطی تھی، جس سے مطلب برآری کی کوشش کی گئی ہے اور ابوداؤد کی روایت اس کی شاہد ہے، دوسری بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مستدرک کی روایت میں شعبہ ہے اور ابوداؤد کی روایت میں سفیان ہے، جو شعبہ کے قائم مقام ہے اگر بالفرض اسے کاتب کی غلطی تسلیم نہ کیا جائے، تو شعبہ کا مقابلہ سفیان سے ہوگا، اور حاکم و ابوداؤد کے اختلاف روایت میں ابوداؤد، حاکم سے مقدم ہے، اسی طرح سفیان شعبہ پر مقدم ہوگا، چنانچہ خود شعبہ کا قول ہے، کہ سفیان مجھ سے زیادہ احفظ ہے، یحیی بن معین نے کہا ہے، کہ اگر کوئی بھی آدمی سفیان کی مخالفت کرے گا، تو قول سفیان ہی کا معتبر ہوگا

ابی داؤد۔ خلاصہ کلام دریں مقام این است، کہ ہر کہ بروایت مستدرک حاکم مانع جہر آمین شود مخطی است چہ ازیں روایت نفی جہر آمین اصلا مستنبط نیست و مسلے ندارد چنانکہ از ما سبق بوضوح پیوست وما علینا الا البلاغ المبین۔ حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ رفع یدین رکوع میں جاتے ہوئے، اور رکوع سے سر اٹھا کر، اور دوسری رکعت سے کھڑے ہو کر کرنا احادیث صحیحہ مرفوعہ غیر منسوخہ سے ثابت ہے یا نہیں، اور اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ رفع یدین تینوں حالتوں میں احادیث صحیحہ مرفوعہ سے ثابت ہے۔ عن نافع عن ابن عمر کان اذا دخل فی الصلوٰۃ کبر ورفع یدیہ واذا رکع رفع یدیہ واذا قال سمع اللہ لمن حمدہ رفع یدیہ واذا قام من الرکعتین رفع یدیہ ورفع ذلک ابن عمر الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم رواہ البخاری[1]۔ اور سوائے حضرت ابن عمرؓ کے روایت کیا حدیث رفع یدین کو حضرت عمرؓ و علی ووائل بن حجر و مالک بن الحویرث و انس و ابوہریرہ و ابوحمید و ابو سعید و سہل بن سعد و محمد بن مسلمہ و ابو قتادہ و ابو موسیٰ اشعری و جابر و عمر واللیثی رضی اللہ عنہم نے، اور اکثر صحابہ و تابعین و محدثین کا اسی پر عمل ہے، جیسا کہ جامع ترمذی میں مذکور ہے اور اس کا نسخ کسی حدیث صحیح مرفوع سے ثابت نہیں ہے، پس جب کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت پایا گیا، اور اصحاب حضرت بھی اس کو عمل میں لائے، تو بے شک اس صورت میں اس پر عمل کرنے والا ماجور اور مصیب ہو گا۔ شیخ ولی اللہ دہلوی حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں والذی یرفع احب الی ممن لا یرفع[2] انتہی۔ حررہ ابو الطیب محمد شمس الحق عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین | ابو الطیب محمد شمس الحق

سوال:۔ صدر یعنی سینہ پر ہاتھ باندھنا نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے

خلاصہ یہ کہ مستدرک کی روایت سے جو آمین بالجہر کی ممانعت ثابت کرے، وہ غلطی پر ہے، واللہ اعلم

[1] عبداللہ بن عمر جب نماز شروع کرتے تکبیر کہتے اور اپنے ہاتھ اٹھاتے، رکوع کو جاتے تو ہاتھ اٹھاتے اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے اور جب دوسری رکعت سے کھڑے ہوتے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے، اور عبداللہ بن عمر اس فعل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے تھے

[2] رفع یدین کرنے والا بہ نسبت نہ کرنے والے کے مجھ کو زیادہ پیارا ہے۔

یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ سینہ پر ہاتھ باندھنا نماز میں صحیح احادیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ثابت ہے۔ حدثنا یحیی بن هلب عن ابیه قال رأیت النبی صلی اللہ علیه وسلم ینصرف عن یمینه وعن شماله ویضع یدہ علی صدرہ وصف یحیی الیمنی علی الیسری فوق المفصل رواہ الامام احمد فی مسندہ۔ اخبرنا ابو سعید احمد بن محمد الصوفی قال انبانا ابو احمد بن عدی الحافظ انبانا ابن ساعد حدثنا ابراهیم بن سعید حدثنا محمد بن حجر الحضرمی حدثنی سعید بن عبد الجبار بن وائل عن ابیه عن امه عن وائل بن حجر قال حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم نهض الی المسجد ثم رفع یدیه بالتکبیر ثم وضع یمینه علی الیسری علی صدرہ رواہ البیهقی فی السنن الکبری ان روایات سے سینہ پر ہاتھ باندھنا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں ثابت ہو گیا۔ واللہ اعلم۔

المجیب ابو البرکات محمد عبد الحی نقی عرف صدر الدین احمد حیدرآبادی

الجواب صحیح والرای نجیح | سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عرصہ بیس برس سے کا در پوا، کہ اہل حدیث اور حنفیہ میں نزاع ہوئی، اور دو فرقہ ہو گئے، ایک فرقہ اہل حدیث نماز جمعہ اور عیدین کی ایک محلہ کی مسجد میں ادا کرتے رہے، اس عرصہ میں ہم لوگوں کو معلوم ہوا، کہ نماز عیدین کی صحرا میں ادا کرنا افضل ہے، پس اس محلہ کی مسجد کو چھوڑ کر نماز عیدین کی ادا کرنے کے لئے چند آدمی صحرا میں چلے گئے، پس اس کے بعد چند آدمیوں نے طعن لعن کی، اور توڑنا جماعت کا چاہا، اور بعضے علماء نے فرمایا، کہ جو شخص بخیال سنت کے صحرا میں جائے گا، ماشاء اللہ ثواب پائے گا، اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ کا ہاتھ اوپر جماعت کے ہے، جماعت کو مقدم رکھو، اور پیسہ کے واسطے جاتے ہو تفرقی چلی جاتی ہے اور بعضے علماء نے یہ فرمایا کہ جس مسجد میں پنجگانہ نماز ادا کیجاتی ہے اس مسجد میں نماز عیدین ادا کرنا مکروہ معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ میرے خیال میں توڑنا جماعت کا نہیں معلوم ہوتا ہے پس ہم کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان دونوں میں ہمارے لئے کون افضل ہے جس کی ہم

لہ یحیی بن ہلب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نے دائیں بائیں جانب سلام پھیرا اور اپنے ہاتھ نماز میں سینے پر رکھے دایاں بائیں پر جوڑ کے قریب رکھا دوسری روایت میں ہے کہ آپ مسجد کی طرف تشریف لے گئے پھر تکبیر کیلئے اپنے ہاتھ اٹھائے پھر دایاں بائیں پر اپنے سینے پر باندھا

پیروی کریں

سوال دوم۔ نماز عیدین میں ہر تکبیر میں رفع یدین ہونا چاہئے یا بعد تکبیر اولی کے ہاتھ باندھنا چاہئے یا چھوڑ دینا چاہیے سنت سے کیا ثابت ہے بینوا توجروا۔

الجواب۔ آپ لوگوں کے لئے افضل یہ ہے کہ صحرا میں نماز پڑھیں کیونکہ سنت کے مطابق یہی فعل ہے اور محلہ کی مسجد میں بلا عذر پڑھنا خلاف سنت ہے اور اس پر اہلحدیث اور حنیفہ سب کا اتفاق ہے چنانچہ نمونہ کے طور پر دونوں فریق کی دو دو ایک ایک سندیں لکھی جاتی ہیں منتقی میں ہے عن[1] علی علیہ السلام قال من السنۃ ان تخرج الی العید ماشیا وان تاکل شیئا قبل ان تخرج رواہ الترمذی وقال حدیث حسن اور ہدایہ میں ہے ویتوجہ[2] الی المصلی ولا یکبر عند ابی حنیفۃ فی طریق المصلی وعندھما یکبر ونیز شرح وقایہ میں ہے ویخرج[3] الی المصلی غیر مکبر جہرا فی طریقہ نفی التکبیر بالجہر حتی لو کبر من غیر جہر لکان حسنا خاص کر حنفیہ کے نزدیک نماز عیدین کا صحرا میں پڑھنا سنت مؤکدہ ہے چنانچہ عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ میں ہے قولہ[4] ویخرج الی المصلی بصیغۃ المجہول ھو موضع فی الصحراء یصلی فیہ صلوٰۃ العیدین ویقال لہ الجبانۃ ومطلق الخروج من بیتہ الی الصلوٰۃ وان کان واجبا بناء علی ان ما یتم بہ الواجب واجب لکن الخروج الی الجبانۃ سنۃ موکدۃ وان وسعھم المسجد الجامع والاصل فیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یخرج الی المصلی ولم یصل صلوٰۃ العیدین فی المسجد کما شرفہ الا مرۃ بعذر المطر کما بسطہ ابن القیم فی زاد المعاد والقسطلانی فی المواہب اللدنیۃ وغیرھما والاحادیث فی

---

[1] حضرت علی کہتے ہیں سنت یہ ہے کہ عیدگاہ کی طرف پیدل جایا جائے اور عید کی نماز پڑھنے سے پہلے کچھ کھا لیا جائے۔ [2] عیدگاہ کی طرف جاتے ہوئے راستے میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک تکبیریں نہ کہے اور صاحبین کے نزدیک تکبیریں کہے [3] عیدگاہ کی طرف جاتے ہوئے آہستہ آواز سے تکبیریں کہے امام ابوحنیفہ سے جو نفی تکبیر کی گئی ہے اس کا یہ مطلب ہے کہ اونچی آواز سے نہ کہے۔ [4] عیدین کی نماز کے لئے جبانہ مقام کی طرف نکلنا چاہئے۔ یہ صحرا میں ایک مقام ہے نماز عید کے لئے گھر سے نکل کر باہر جانا تو واجب ہے اور جبانہ میں جانا سنت ہے اگرچہ مسجد وسیع ہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد میں عیدین کی نماز کے سوائے ایک دفعہ کے (وہ بھی بارش

ھذا الباب مخرجۃ فی کتب السنن وغیرھا انتہی۔

مختصراً خلاصہ یہ کہ نماز عیدین کی صحرا میں پڑھنا یہی فعل سنت کے مطابق ہے لہذا اس تقدیر پر لوگوں کا لعن طعن کرنا اور تفریق جماعت کہنا ہرگز صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ بات بہت ظاہر ہے کہ لعن طعن کا محل اور تفریق جماعت کا باعث انسان اس وقت ہوسکتا ہے کہ جب یہ فعل شر و فساد کی نیت سے کرے لیکن اگر ادائے سنت کے ارادے سے کرے تو ہرگز نہیں ہوسکتا معہذا یہ اعتراض فریق ثانی پر بھی موجود ہے کیونکہ جب جماعت کا قائم رکھنا ضروری ہے تو وہ لوگ بھی کیوں نہیں صحرا میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے تاکہ جماعت بھی قائم رہے اور سنت پر بھی عمل ہو علی ہذا یا اس بعض عالموں نے جو یہ فرمایا ہے کہ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے اور اس کو مقدم رکھنا چاہیے اور اس شرفی کو چھوڑ کر سیر کے واسطے نہیں جانا چاہیے سو یہ قول بھی قابل تسلیم نہیں کیونکہ ان سب باتوں کے لئے شرط یہ ہے کہ حضرت کی سنتوں پر عمل رہے اور اگر یوں ہی جماعت مقدم کی جاوے تو ایک روز ایسا آوے گا کہ تمام سنتیں اٹھ جاویں گی اور اہل اسلام غافل و عقدہ جاویں گے لہذا جو حضرات مخالف ہیں ان کو چاہیے کہ وہ اس سنت پر عمل کریں۔ اور تعصب کو راہ نہ دیں کیونکہ یہ دین کا معاملہ ہے۔

اور تکبیرات عیدین میں رفع یدین نہ کرنا چاہیے کیونکہ ثابت نہیں ہے اور خود حنفیہ نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس سے ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس میں رفع یدین کا ذکر ہی نہیں ہے چنانچہ حدیث مذکور کے بارے میں اور نیز عدم ثبوت کے بارے میں یوں مرقوم ہے۔ وذکرفی جملتھا تکبیرات الاعیاد تقدم الحدیث فی باب صفۃ الصلوۃ ولیس فیہ تکبیرات الاعیاد واللہ اعلم کما روی عن ابی یوسف انہ لا ترفع الایدی فیہا لا یحتاج فیہ الی القیاس ولا تکبیرات الجنائز بل یکفی فیہ کون المحقق من الشرع ثبوت

کے عذر سے) نہیں پڑھی، حالانکہ مسجد نبوی کی کتنی فضیلت ہے۔

ملے اور انہی میں سے عید کی تکبیروں کا مسئلہ بھی ہے پہلے باب صفۃ الصلوۃ میں حدیث گذر چکی ہے اور اس میں عید کی تکبیروں کا ذکر نہیں ہے، جیسا کہ ابو یوسف سے روایت کیا گیا ہے، کہ عید کی تکبیروں میں ہاتھ نہ اٹھائے جائیں اور نہ ہی جنازہ کی تکبیروں میں، بلکہ اس میں اتنا ہی کافی ہے کہ عید کی تکبیریں ثابت ہیں اور ان میں ہاتھ

التکبیر ولم یثبت الرفع فیبقی علی العدم الاصلی انتہی مختصراً۔ اور بعد تکبیر تحریمہ کے ہاتھ باندھنے چاہئیں، کیونکہ ظاہر ہے کہ تکبیر کے بعد اصل ہاتھ باندھنا ہے، پس تاوقتیکہ اس کے خلاف ثابت نہ ہو اسی اصل پر عمل ہو گا، اور اس اصل کے خلاف ثابت نہیں، لہذا اسی اصل پر عمل چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ عبدالحق

سید محمد نذیر حسین

ہوالموفق:۔ فی الواقع عیدین کی نماز صحراء میں پڑھنا سنت ہے اور بلا عذر مسجد میں پڑھنا خلاف سنت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدین کی نماز ہمیشہ صحراء ہی میں ادا فرمائی ہے، حالانکہ مسجد نبوی میں ایک نماز اور مقاموں کی ہزار نماز سے افضل ہے، باوجود اس فضیلت کے کبھی آپ نے بلا عذر مسجد نبوی میں عیدین کی نماز نہیں پڑھی، اور نہ آپ کے بعد خلفائے راشدین نے پڑھی، حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں استدل به[1] (ای بحدیث ابی سعید الخدری کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخرج یوم الفطر والاضحی الی المصلی) علی استحباب الخروج الی الصحراء لصلوٰۃ العید وان ذلک افضل من صلاتها فی المسجد لمواظبة النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی ذلک مع فضل مسجده وقال الشافعی فی الام بلغنا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یخرج فی العیدین الی المصلی بالمدینة وکذا من بعده الا من عذر مطر ونحوه انتهی بقدر الحاجة۔ پس جو لوگ عیدین کی نماز بلا عذر مسجد میں پڑھتے ہیں وہ خلاف سنت کرتے ہیں اور صحراء میں جانے والوں پر طعن کرنا یا ان پر تفریق جماعت کا الزام دینا محض بے جا اور ناروا کام ہے اور عیدین کی ہر تکبیر میں رفع یدین کرنا کسی حدیث مرفوع صحیح سے ثابت نہیں ہے ہاں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ہر تکبیر میں رفع یدین کرنا بسند صحیح ثابت ہے مگر یہ حضرت ابن عمرؓ کا فعل ہے عون المعبود شرح سنن ابی داؤد جلد صفحہ ۴۴۸ میں ہے

---

[1] ابو سعید خدری کی حدیث (کہ آنحضرتؐ عید الفطر اور عید الاضحی باہر جا کر پڑھا کرتے تھے) سے عیدین کی نماز کے لئے صحرا کی طرف نکلنے کے مستحب ہونے پر استدلال کیا گیا ہے اور یہ مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی پر ہمیشگی کی ہے باوجود مسجد نبوی کی فضیلت کے امام شافعی نے کتاب الام میں کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے بعد کے لوگ صحرا میں جا کر نماز پڑھا کرتے تھے ہاں اگر بارش کا عذر ہوتا تو مسجد میں پڑھتے

واما رفع الیدین فی تکبیرات العیدین فلم یثبت فی حدیث صحیح مرفوع وانما جاء فی ذلک اثر قال البیہقی فی المعرفۃ باب رفع الیدین فی تکبیر العید قال احمد البیہقی وروینا عن عمر بن الخطاب فی حدیث مرسل وھو قول عطاء بن ابی رباح وقاسم الشافعی علی رفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدیہ حین افتتح الصلوۃ وحین اراد ان یرکع وحین رفع راسہ من الرکوع ولم یرفع فی السجود قال فلما رفع یدیہ فی کل ذکر کان حین یذکر اللہ قائما او رافعا قیام من غیر سجود لم یجز الا ان یقال یرفع المکبر فی العیدین یدیہ عند کل تکبیرۃ کان قائما فیہا انتہی واللہ تعالی اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سوال ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مصلی پر دوبارہ جماعت کرنا مکروہ ہے یا نہیں اور جو لوگ کہ مکروہ بتاتے ہیں اور منع کرتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے روی عبد الرحمن بن ابی بکر عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج من بیتہ لیصلح بین الانصار فرجع وقد صلی فی المسجد بجماعۃ فدخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی منزل بعض اھلہ فجمع فصلی بھم جماعۃ ۔ وہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر نہ مکروہ ہوتا تکرار جماعت کا تو اسی مسجد میں آنحضرت نماز پڑھتے نہ پڑھنا حضرت کا خود دلالت کرتا ہے مکروہ ہونے تکرار جماعت پر۔ اب مستفتی استفسار کرتا ہے کہ آیا یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں اور مخرج اس کا کون ہے اور درصورت صحت حدیث کے

---

[۱] عیدین کی تکبیرات میں ہاتھ اٹھانا کسی صحیح مرفوع حدیث سے ثابت نہیں ہے محض ایک صحابی حضرت عمرؓ کا اثر ہے امام شافعی کہتے ہیں کہ اس بارے میں حدیث مرفوع تو ہے نہیں حضرت عمر نے دوسری نماز کے قیام اور رکوع کی تکبیروں پر اس کو قیاس کر کے کہا ہے کہ سجدہ کے علاوہ جب بھی آپ نے تکبیر کہی تو رفع یدین کیا [۲] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار میں صلح کرانے کے لئے اپنے گھر سے نکلے واپس آئے تو مسجد میں جماعت ہو چکی تھی آپ اپنے کسی حجرہ میں چلے گئے اور اپنے گھر والوں کو اکٹھا کر کے ان کی جماعت کرائی۔

استدلال کراہت تکرار جماعت ایک مصلی پر ٹھیک ہے یا نہیں اور علمائے حنفیہ رحمہم اللہ کا اس میں کیا فتویٰ ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ حقیقت مسئلہ کی یہ ہے کہ اگر جماعت اہل محلہ نے ہمراہ امام معین کے کرلی ہو تو اسی اہل محلہ کے باقی ماندہ کو اسی مسجد محلہ میں بہیئت اولی تکرار جماعت مکروہ ہے یعنی مسجد محلہ میں ساتھ اذان اور تکبیر کے اسی مصلی پر جماعت ثانیہ اسی اہل محلہ کی مکروہ ہے اور اگر بغیر اذان کے یا بہ تبدیل مصلی جماعت ثانیہ اسی اہل محلہ نے کی تو بلا کراہت درست اور جائز ہے اور اگر غیر اہل محلہ نے اول جماعت ساتھ اذان اور اقامت کے کرلی تھی تو اہل محلہ کو ساتھ اذان اور اقامت کے جماعت ثانیہ جائز ہے اور جو مسجد شارع عام میں ہو اس میں تکرار جماعۃ مطلقاً خواہ ساتھ اذان کے ہو یا بہ تبدیل مصلی ہو یا نہ ہو ہر طرح درست ہے۔ ویکرہ تکرار الجماعۃ باذان واقامۃ فی مسجد محلۃ لافی مسجد طریق او مسجد لا امام لہ ولا مؤذن در مختار قولہ باذان واقامۃ الخ۔ عبارتہ فی الخزائن اجمع مما ھنا ونصھا یکرہ تکرار الجماعۃ فی مسجد محلۃ باذان واقامۃ الا اذا صلی بھما فیہ اولا غیر اھلہ لکن بمخافتۃ الاذان ولو کرر اھلہ بدونھما او کان مسجد طریق جاز اجماعا کما فی مسجد لیس لہ امام ولا مؤذن ویصلی الناس فیہ فوجا فوجا فان الافضل ان یصلی کل فریق باذان واقامۃ علحدۃ کما فی امالی قاضی خان ونحوہ فی البدائع والمراد بمسجد المحلۃ مالہ امام وجماعۃ معلومون کما فی الدرر وغیرھا قال فی المنبع والتقیید بالمسجد المختص بالمحلۃ احتراز من الشارع وبالاذان الثانی احتراز عما اذا صلی فی مسجد المحلۃ جماعۃ بغیر اذان حیث یباح اجماعا

ا۔ محلہ کی مسجد میں اذان اور اقامت سے بار بار جماعت کرانا مکروہ ہے اگر کسی راستہ پر مسجد ہو یا ایسی مسجد ہو کہ اس میں کوئی امام اور مؤذن مقرر نہ ہو تو اس میں تکرار جماعت اذان اور اقامت سے بھی مکروہ نہیں ہے بلکہ افضل ہے اگر محلہ کی مسجد میں پہلے بغیر اذان کے جماعت ہوئی ہو تو دوسری جماعت اذان اور اقامت سے مکروہ نہیں ہے اور محلہ کی مسجد وہ ہے جس کا امام اور مقتدی معلوم اشخاص ہوں۔

انتہی مافی الشامی اور اسی طرح سے بدائع اور ظہیریہ اور عالمگیریہ اور شرح منیہ وغیرہم میں لکھا ہے کہ تبدل محراب اور مصلی میں ہئیت جماعۃ اولی کی بدل جاتی ہے۔ اور جماعۃ ثانیہ غیر مصلی اولی پر بلاکراہتہ ہو جاتی ہے۔ وفی شرح المنیۃ عن ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ انہ اذا لم تکن الجماعۃ علی الھیئۃ الاولی لاتکرہ والاتکرہ وھو الصحیح وبالعدول عن المحراب تختلف الھیئۃ کذا فی البزازیۃ انتہی وفی التتارخانیۃ عن الولواجیۃ وبہ ناخذ انتہی مافی الشامی اور حدیث مندرجہ سوال کو شارحین کتب فقہ نے بلا اسناد اور بلا مخرج باختلاف الفاظ بیان کیا ہے اور کتب صحاح میں صحیح سند اس کی کا پتہ نہیں لگتا پس قطع نظر اس کے کہ صحت اور عدم صحت حدیث میں بحث کی جاوے مطلب اس حدیث کا یہ نہیں ہے کہ جماعت دوسری مسجد واحد میں مکروہ ہے بلکہ اس حدیث سے تاکید جماعت ثابت ہوتی ہے کیونکہ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما ہوئے تو کوئی دوسرا نمازی نہیں پایا۔ اسی واسطے گھر میں جاکر ساتھ اہل اپنے کے نماز پڑھی اور یہ ظاہر ہے کہ اگر کوئی نمازی دوسرا ہوتا تو ضرور ہے کہ ان کو جماعت سے محروم نہ کرتے یا مسجد میں جماعت کراتے یا بیرون مسجد جیسا کہ حدیث ترمذی سے صاف ثابت ہوتا ہے۔
[2] عن ابی سعید الخدری قال جاء رجل وقد صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ایکم یتجر علی ھذا فقام رجل وصلی معہ رواہ الترمذی وھو قول غیر واحد من اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرھم من التابعین قالوا لاباس ان یصلی القوم جماعۃ فی مسجد قد صلی فیہ وبہ یقول احمد واسحاق اور ابوداؤد میں اس طرح سے آئی ہے عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابصر

---

[1] امام ابویوسف کہتے ہیں اگر دوسری جماعت پہلی ہئیت پر نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے ورنہ مکروہ ہے اور اگر محراب کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ پر جماعت کھڑی ہو جائے تو اس سے ہئیت بدل جاتی ہے [2] ایک آدمی مسجد میں آیا جماعت ہو چکی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو اس آدمی پر صدقہ کرے تو ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھی" صحابہ اور تابعین میں سے اہل علم حضرات کا یہی مسلک ہے کہ دوبارہ جماعت کرالینا درست ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی مذہب ہے [3] رسول اللہ صلی اللہ

رجلا یصلی وحدہ فقال الا رجل یتصدق علی ھذا فیصلی معہ پس جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واسطے فضیلت حاصل کرنے جماعت کے اس شخص کو حکم شامل ہونے کا دیا کہ پہلے نماز پڑھ چکا تھا تو جن اشخاص نے کہ نماز نہ پڑھی ہو ان کو بالاولی جماعت دوسری کرنی بلا کراہت ایک مسجد میں جائز ہوئی اور یہ امر نہیں ہوسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب کو جماعت دوسری کا حکم فرماویں اور آپ نہ کریں پس متحقق ہوا کہ حدیث مذکور فی السوال کا مورد یہ ہے کہ اس وقت دوسرا نمازی کوئی نہ تھا اگر ہوتا تو ضرور مسجد ہی میں نماز پڑھتے کیونکہ جماعت کی بہت تاکید احادیث میں آئی ماسوا اس کے چونکہ امر کو ترجیح اور غلبہ ہے فعل غیر ہمیشگی پر۔ اس لئے حدیث ترمذی پر عمل کرنا اولے اور اقدم ہوا اور تیسری وجہ یہ کہ حدیث ترمذی کی نص صریح ہے واسطے جماعت دوسری کے۔ اور حدیث مذکور فی السوال سے دلالۃً نکلتا ہے اور اصول فقہ میں مندرج ہے کہ بحالت تعارض عبارۃ النص و دلالۃ النص کی عبارت کو ترجیح دیتے ہیں دلالۃ النص پر۔ اور چوتھی یہ کہ نہ پڑھنا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر دلالت نہیں کرتا کہ جماعت دوسری مکروہ ہے بلکہ دیگر امورات عارضہ پر بھی دلالت کرتا ہے پس اختیار امر واحد کا بلا دلیل قابل اعتبار نہیں در صحیح بخاری میں آیا ہے کہ حضرت انس مسجد میں آئے اور جماعت ہوچکی تھی پس اذان کہی اور تکبیر کہی اور جماعت سے نماز پڑھی[1] جاء انس بن مالک الی مسجد قد صلی فیہ فاذن و اقام و صلی جماعۃ رواہ البخاری پس امر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم و فعل اصحابہ اور تابعین سے متحقق ہوا کہ جماعت دوسری مسجد واحد میں بلا کراہت صحیح و جائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب حررہ و اجابہ خاکسار محمد مسعود نقشبندی دہلوی۔ ۲۹ ربیع الاول ۱۲۹۳ھ

سید محمد نذیر حسین

ہو الموفق ۔ تکرار جماعت بلا کراہت جائز ہے ایک مصلی پر ہو خواہ ایک مصلی پر نہ ہو۔ جامع ترمذی کی حدیث مذکور اور انسؓ کا اثر مذکور جواز پر صاف دلالت کرتا ہے

علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا وہ اکیلا نماز پڑھ رہا تھا آپ نے فرمایا کوئی ہے جو اس پر صدقہ کرے اور اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھے [1] انس بن مالک ایک مسجد میں آئے وہاں جماعت ہوچکی تھی۔ آپ نے اذان اور تکبیر کہہ کر جماعت کرائی۔

اور مطلقاً تکرار جماعت کا مکروہ ہونا یا ایک مصلی پر نہ ہو تو مکروہ نہ ہونا سو اس کی کوئی دلیل میری نظر سے نہیں گزری ہے اور اسی طرح مجیب نے جو تشقیق شامی سے نقل کی ہے اس کی بھی کوئی دلیل میری نظر سے نہیں گزری ہے واللہ اعلم اور عبدالرحمن بن ابی بکر کی حدیث جو سائل نے نقل کی ہے وہ بالکل غیر معتبر و ناقابل احتجاج ہے کیونکہ نہ اس کے مخرج کا پتہ ہے اور نہ اس کی سند کا حال معلوم فقہائے حنفیہ یوں ہی بلا سند و بلا ذکر مخرج اس کو ذکر کرتے ہیں اور اگر فرض کر لیا جائے کہ یہ حدیث قابل احتجاج ہے تو اس سے تکرار جماعت کی کراہت ثابت نہیں ہوتی ہے جیسا کہ مجیب نے بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ایک جانماز واسطے تحفہ د نذر کرنے ایک رئیس کے تیار کرانے چاہتا ہے موافق نمونہ ذیل کے کہ جس کی پیشانی میں اسم اللہ اور دونوں پہلو میں رئیس کا نام مع نام ریاست لکھا کر تیار کرانا چاہتا ہے پس سوال یہ ہے کہ جانماز پر نام لکھنے میں کوئی حرج شرعی ہے یا نہیں بینوا توجروا

الجواب۔ صورت مسئولہ میں جانماز پر ان ناموں کے لکھنے میں حرج شرعی ہے اس واسطے کہ وہ لکھے ہوئے نام نماز پڑھنے والے کے خشوع میں خلل ڈالنے کے باعث ہوں گے اور اس کے قلب کو اپنی طرف مشغول کرنے کے موجب اور اس قسم کی چیزوں کے ازالہ و دفع کرنے کا حکم ہے صحیح بخاری میں ہے عن[1] انس قال کان قرام لعائشۃ سترت بہ جانب بیتہا فقال لہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم امیطی عنا قرامک ھذا فانہ لایزال تصاویرہ تعرض لی فی صلوتی قال فی سبل السلام فی الحدیث دلیل علی ازالۃ ما یشوش علی المصلی صلوتہ مما فی منزلہ او فی محل صلوتہ انتھی ونیز صحیح بخاری میں ہے عن[2] عائشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی فی خمیصۃ لہا اعلام فنظر الی اعلامہا

---

[1] انس کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ کے پاس ایک پردہ تھا جس سے انہوں نے اپنے مکان کی ایک جانب ڈھانپ رکھی تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا اپنے اس پردے کو میری آنکھوں سے دور کر دے۔ اس کی تصویریں میری نماز میں سامنے آتی رہی ہیں۔ اس حدیث میں دلیل ہے کہ ہر وہ چیز جو نمازی کو نماز سے غافل کر دے اس کو دور کر دینا چاہیے خواہ وہ چیز اس مکان میں ہو یا نماز کی جگہ میں [2] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دھاری دار چادر میں نماز پڑھی آپ کی نظر

نظرۃ فلما انصرف قال اذهبوا بخمیصتی ھذہ الی ابی جھم واتونی بانبجانیۃ ابی جھم فانھا الھتنی انفا عن صلوتی قال فی سبل السلام وفی الحدیث دلیل علی کراھتہ ما یشغل عن الصلوۃ من النقوش ونحوھا مما یشغل القلب وفیہ مبادرتہ صلی اللہ علی الفارش والسجاجید المنقوشۃ وکراھتہ نقش المساجد ونحوہ انتہی لمختصراً ونیز جانماز پر اسم اللہ لکھنے میں اس کے پائمال ہونے کا خوف ہے اس وجہ سے بھی جانماز پر اسم اللہ لکھنے میں شرعی حرج ہے واللہ تعالی اعلم وعلمہ اتم حررہ السید ابوالحسن عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تارک الصلوۃ کافر ہوتا ہے یا نہیں اور حدیث من ترک الصلوۃ متعمداً فقد کفر کے کیا معنی ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ تارک الصلوۃ کے کافر ہونے اور نہ ہونے میں علمائے کرام مختلف ہیں علامہ شوکانی نیل الاوطار میں لکھتے ہیں ولاخلاف بین المسلمین فی کفر من ترک الصلوۃ منکرا لوجوبھا الا ان یکون قریب عھد بالاسلام اولم یخالط المسلمین مدۃ یبلغہ فیھا وجوب الصلوۃ وان کان ترکہ لھا تکاسلا مع اعتقادہ لوجوبھا کما ھو حال کثیر من الناس فقد اختلف الناس فی ذلک فذھبت العترۃ والجماھیر من السلف والخلف منھم مالک والشافعی الی انہ لایکفر بل یفسق فان تاب والا قتلناہ حدا کالزانی المحصن ولکنہ یقتل بالسیف وذھب جماعۃ من السلف الی انہ یکفر وھو مروی عن علی بن ابی طالب علیہ السلام وھو احدی الروایتین عن احمد بن حنبل وبہ قال عبداللہ بن المبارک واسحق بن راھویہ وھو وجہ لبعض اصحاب الشافعی وذھب ابوحنیفۃ وجماعۃ من اھل الکوفۃ والمزنی صاحب الشافعی الی انہ لایکفر ولا یقتل بل یعزر ویحبس حتی یصلی انتہی یعنی جو شخص نماز کے وجوب کا منکر ہوکر نماز کو ترک کرے وہ بالاتفاق کافر ہے اس کے کفر میں مسلمانوں کے درمیان اختلاف نہیں مگر ہاں جو شخص نومسلم ہو یا مسلمانوں کے ساتھ رہنے کا اتفاق نہ ہوا ہو تو اس کو جب تک نماز کے

اس کی دھاریوں میں الجھ گئی جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا میری یہ چادر ابوجہم کے پاس لے جاؤ اس سے سادہ چادر لے آؤ اس چادر نے تو مجھ کو میری نماز سے غافل کر دیا" اس حدیث میں دلیل ہے کہ نمازی کے سامنے ایسی چیزوں کا ہونا مکروہ ہے جو نماز میں خلل ڈالیں مثلاً نقوش وغیرہ اس سے معلوم ہوا کہ منقوش جائے نماز یا منقش فرش یا مسجد میں نقش ونگار ہونا مکروہ ہے۔

وجوب کی خبر نہ پہنچے تب تک وہ کافر نہیں ہو سکتا اور جو شخص نماز کے وجوب کا عقیدہ رکھ کر بہ سبب کاہلی اور غفلت کے نماز کو ترک کرے جیسا کہ بہت سے لوگوں کا حال ہے سو ایسے تارک الصلوۃ کے کافر ہونے اور نہ ہونے میں لوگوں کا اختلاف ہے پس عترت اور امام مالک اور امام شافعی اور جماہیر سلف و خلف کا مذہب یہ ہے کہ ایسا شخص کافر نہیں ہے بلکہ فاسق ہے وہ اگر توبہ کرے فبہا ورنہ اس کو قتل کرنا چاہیئے اور اس کی یہی حد ہے جیسا کہ زانی محصن کی حد قتل ہے مگر ایسے تارک الصلوۃ کو تلوار سے قتل کرنا چاہیے اور سلف میں سے ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ وہ کافر ہے اور یہی مذہب مروی ہے حضرت علی سے اور امام احمد سے ایک روایت میں یہی منقول ہے اور عبداللہ بن مبارک اور اسحق بن راہویہ کا بھی یہی قول ہے اور بعض اصحاب شافعی کا بھی یہی مذہب ہے اور امام ابو حنیفہ اور ایک جماعت اہل کوفہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ نہ کافر ہے اور نہ وہ قتل کیا جاوے گا بلکہ اس کی تعزیر کی جائے گی اور جب تک وہ نماز نہیں پڑھے گا تب تک وہ قید میں رکھا جاوے گا اس کے بعد علامہ شوکانی نے لکھا ہے کہ حق یہ ہے کہ ایسا تارک الصلوۃ کافر ہے اور وہ قتل کیا جاوے گا اس کا کافر ہونا تو اس وجہ سے حق ہے کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ شارع نے ایسے تارک الصلوۃ کو کافر کہا ہے اور جو لوگ اس کے کافر ہونے کے قائل نہیں ہیں وہ جس قدر معارضات وارد کرتے ہیں ان میں سے ایک بھی ہم کو لازم نہیں آتا کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ جائز ہے کہ کفر کی بعض قسمیں ایسی ہوں جو مغفرت و استحقاق شفاعت سے مانع نہ ہوں جیسا کہ اہل قبلہ کا کفر بوجہ بعض ایسے گناہوں کے جن کو شارع نے کفر کہا ہے پس اس بنا پر ان تاویلات کی کچھ حاجت نہیں ہے جن میں لوگ پڑتے ہیں انتہی کلام الشوکانی مترجما۔ میں کہتا ہوں کہ بلا شبہ علامہ ممدوح کی یہ تحقیق احق بالقبول ہے اس واسطے کہ اس تحقیق پر احادیث مختلفہ میں بلا کسی تاویل کے جمع و توفیق ہو جاتی ہے مثلاً حدیث من[1] ترک الصلوۃ متعمدا فقد کفر اور حدیث العهد الذی بیننا وبینهم الصلوۃ فمن ترکها فقد کفر[2] اور حدیث بین الرجل وبین الکفر ترک الصلوۃ رواہ الجماعۃ الا البخاری والنسائی اور حدیث کان[3] اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یرون شیئا من الاعمال ترکه کفر غیر الصلوۃ

[1] جو جانتے بوجھتے نماز چھوڑے وہ کافر ہو گیا [2] وہ عہد جو ہمارے اور انکے درمیان ہے نماز کا ہے جس نے اس کو چھوڑ دیا وہ کافر ہو گیا [3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نماز کے علاوہ کسی عمل کے ترک کو کفر نہیں سمجھتے تھے

رواہ الترمذی سے صاف اور صریح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ تارک الصلوۃ کافر ہے اور آیہ[1] ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک اور حدیث[2] ومن لم یات بھن فلیس لہ عند اللہ عہد ان شاء عذبہ وان شاء غفر لہ رواہ احمد وابوداؤد ومالک فی الموطا اور حدیث[3] من شھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمدا عبدہ ورسولہ وان عیسی عبد اللہ وکلمتہ القاھا الی مریم وروح منہ والجنۃ حق والنار حق ادخلہ اللہ الجنۃ علی ما کان من العمل متفق علیہ اور حدیث[4] ما من عبد یشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ وان محمدا عبدہ ورسولہ الا حرمہ اللہ علی النار قال (ای معاذ) افلا اخبر بھا الناس الحدیث متفق علیہ اور حدیث شفاعت[5] فھی نائلۃ ان شاء اللہ من مات من امتی لا یشرک باللہ شیئا رواہ مسلم وغیر ذلک من الاحادیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تارک الصلوۃ کافر نہیں ہے بلکہ وہ مغفرت الٰہی وشفاعت نبوی ودخول جنت کا مستحق ہے۔

پس علامہ ممدوح کی تحقیق پر ان احادیث مختلفہ میں کسی کی تاویل کرنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے بلکہ یہ تمام احادیث اپنے ظاہر معنی پر محمول ہیں کیونکہ جن احادیث سے تارک الصلوۃ کا کفر ثابت ہوتا ہے ان احادیث سے وہ بلا شبہ کافر ہیں اور ان کو کافر کہنا روا ہے مگر ہاں تارک الصلوۃ کا کفر ایسا کفر نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے ملت اسلام سے خارج ہو جائے اور مغفرت وشفاعت ودخول جنت کا مستحق نہ رہے بلکہ تارک الصلوۃ کا کفر وہ کفر ہے جس کی وجہ سے نہ وہ ملت اسلام سے خارج ہوتا ہے اور نہ استحقاق مغفرت وشفاعت ودخول جنت سے محروم ہوتا ہے اور ہاں واضح رہے کہ ایسا کفر جو نہ مخرج از ملت اسلام ہو اور نہ مانع از استحقاق مغفرت وشفاعت احادیث سے ثابت ہے دیکھو حدیث

---

[1] اللہ تعالیٰ کسی کو شرک نہیں بخشیں گے اور اس کے علاوہ دوسرے گناہ جس کو چاہیں معاف کر دیں گے [2] جو ان کو ادا نہیں کرے گا اللہ کے پاس اس کا کوئی عہد نہیں چاہے تو اسے سزا دے چاہے تو معاف کر دے [3] جو آدمی شہادت دے کہ اللہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور عیسی اللہ کے بندے اور اس کا کلمہ ہیں جس کو اس نے مریم کی طرف ڈالا اور اس کی طرف سے روح ہے اور جنت دوزخ حق ہے اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا خواہ اس کے عمل کیسے ہی کیوں نہ ہوں۔ [4] جو آدمی شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں تو اللہ اس کو آگ پر حرام کر دے گا [5] میری شفاعت انشاء اللہ ہر اس آدمی کو پہنچے گی جو اللہ کے

متفق علیہ[1] سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر اور حدیث متفق علیہ[2] لیس من رجل ادعی لغیر ابیہ وھو یعلمہ الا کفر اور حدیث مسلم[3] اثنتان فی الناس ھما بھم کفر الطعن فی النسب والنیاحۃ علی المیت اور حدیث صحیح[4] ایما عبد ابق من موالیہ فقد کفر اور حدیث صحیح[5] من قال لاخیہ یا کافر فقد باء بھا وغیر ذلک من الاحادیث ان تمام احادیث میں کفر سے بالاتفاق اسی قسم کا کفر مراد ہے قال الشوکانی[6] الکفر انواع منھا مالا ینافی المغفرۃ ککفر اھل القبلۃ ببعض الذنوب التی سماھا الشارع کفرا وھو یدل علی عدم استحقاق کل تارک الصلوٰۃ للتخلید فی النار وقال سبب الوقوع فی مضیق التاویل توھم الملازمۃ بین الکفر وعدم المغفرۃ ولیست بکلیۃ وانتفاء کلیتھا یریحک من تاویل کثیر من الاحادیث وقال من سماہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافرا سمیناہ کافرا ولا نزید علی ھذا المقدار ولا نتاول بشئی منھا لعدم الملجئ الی ذلک واللہ تعالی اعلم کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ روز بلاناغہ نماز کو جمع کر کے پڑھ لینے نماز ظہر کو عصر کے ساتھ اور مغرب کو عشاء کے ساتھ پڑھنا یا برعکس جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

---

[1] مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس کے ساتھ جنگ کرنا کفر ہے [2] جو آدمی جان بوجھ کر اپنے باپ کا انکار کرے وہ کافر ہے [3] لوگوں میں دو چیزیں کفر کی نشانی رہ جائیں گی نسب میں طعن کرنا اور میت پر نوحہ کرنا۔ [4] جو غلام اپنے مالک سے بھاگ جائے وہ کافر ہو گیا [5] جس نے اپنے بھائی کو کہا اسے کافر وہ خود کافر ہو گیا [6] شوکانی نے کہا کفر کی کئی قسمیں ہیں ان میں بعض وہ بھی ہیں جن کی مغفرت ہو سکتی ہے جیسے اہل قبلہ کا کفران اعمال کی وجہ سے جن کو شارع نے کفر کہا ہے اور وہ دلالت کرتا ہے کہ تارک نماز ہمیشہ کے جہنم کا مستحق نہیں ہے تاویل کی تنگنائے میں داخل ہونے کا سبب یہ ہے کہ ہم نے کفر اور عدم مغفرت کو لازم ملزوم سمجھ لیا ہے حالانکہ یہ کوئی کلیہ نہیں ہے اور اس کلیہ کی نفی تجھے بہت سی حدیثوں کی تاویل سے نجات دلا دے گی جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر کہا ہے ہم بھی اس کو کافر کہیں گے اور اس پر کچھ زیادہ نہ کریں گے اور نہ اس کی کوئی تاویل کریں گے کیونکہ اس سے مفر نہیں ہے۔

الجواب۔ قال اللہ تعالیٰ ان الصلوۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا وعن جابر رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جاءہ جبریل علیہ السلام فقال لہ قم فصلی الظھر حین زالت الشمس الحدیث رواہ احمد والنسائی والترمذی[2]

ہر نماز کو اپنے وقت پر پڑھنا، جیسا کہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے، فرض ہے، اور جمع تقدیم یا تاخیر حنفیہ کے نزدیک سوائے حج کے مطلقاً جائز نہیں ہے، جیسا کہ شرح وقایہ اور دیگر معتبرات فقہ میں ہے۔ ولا یجمع فرضان فی وقت بلا حج۔ اور شافعیہ اور محدثین کے نزدیک سفر میں جائز ہے، جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، اور سارش میں جمع کرنے کی کوئی صحیح وصریح دلیل کتب فقہ وحدیث سے پائی نہیں جاتی، جیسا کہ ماہرین فقہ وحدیث پر مخفی نہیں، اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جمع بین الظھر والعصر وبین المغرب والعشاء بالمدینۃ من غیر خوف ولا مطر قیل لابن عباس ما اراد بذلک قال اراد ان لا یحرج امتہ۔ یعنی جمع کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر وعصر کو اور مغرب وعشاء کو مدینہ میں بغیر خوف ومطر کے، سو یہ جمع صوری پر محمول ہے، جیسا کہ صحیح نسائی میں موجود ہے۔ حررہ محمد جمال الدین بن حافظ غلام رسول بن حافظ محمود، ساکن امرت سر مسجد باغ والی،

سید محمد نذیر حسین

ہوالموفق۔ حضر میں ہر روز بلاناغہ نماز کو جمع کر کے پڑھنا جائز نہیں ہے، اس واسطے کہ یہ کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے، رہی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں بلا کسی عذر کے نماز کو جمع کر کے پڑھا ہے، سو اہل علم نے اس کے متعدد جواب لکھے ہیں، انہاں جملہ ایک یہ ہے، کہ اس حدیث میں جمع بین الصلوتین سے مراد جمع صوری ہے، یعنی ظہر کو اس کے آخر وقت میں، اور عصر کو اس کے اول وقت میں پڑھا، وعلی ہذا القیاس مغرب وعشاء کو پڑھا، اس جواب کو علامہ قرطبی نے پسند کیا ہے، اور امام الحرمین نے اس کو ترجیح دی ہے، اور قدماء میں سے ابن الماجشون اور طحاوی نے اسی کے ساتھ جزم کیا ہے، اور ابن سید الناس نے اس کو قوی بتایا ہے، اس وجہ سے کہ اس حدیث کے راوی ابو الشعثاء جنہوں نے اس کو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت

---

[1] ایمانداروں پر نماز وقت مقررہ پر فرض کی گئی ہے۔

[2] نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبریل آئے اور کہا اٹھیے، پھر جب سورج ڈھل گیا تو ظہر کی نماز پڑھی، الحدیث۔

کیا ہے، کا بھی یہی خیال تھا، کہ اس حدیث میں جمع سے جمع صوری مراد ہے، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں، کہ اس کی تقویت اس سے ہوتی ہے، کہ حدیث کے کسی طریق میں جمع کے وقت کا بیان نہیں ہے (یعنی یہ بیان نہیں ہے، کہ ظہر و عصر کو آپ نے کس وقت جمع کیا، آیا آپ نے جمع تقدیم کی یعنی ظہر کے وقت میں ظہر و عصر کو جمع کیا، یا جمع تاخیر کی یعنی عصر کے وقت میں ظہر و عصر کو جمع کیا یا جمع صوری کی و علیٰ ہذا القیاس مغرب و عشار کے جمع کے وقت کا بھی ذکر نہیں ہے) پس اس حدیث میں جمع سے یا تو مطلق جمع مراد لیا جاوے، تو نماز کو اس کے وقت محدود و معین سے بلا عذر خارج کرنا لازم آئے گا، یا کوئی ایسا جمع مراد لیا جاوے، جس سے نماز کا اس کے وقت محدود و معین سے خارج کرنا لازم نہ آئے، اور احادیث مختلفہ میں توفیق و تطبیق بھی ہو جاوے، تو جمع صوری ہی مراد لینا اولیٰ ہے، علامہ شوکانی نیل میں لکھتے ہیں، کہ اس حدیث میں جمع سے جمع صوری مراد ہونا متعین ہے، اس پر دلیل نسائی کی یہ حدیث ہے (عن ابن عباس رضی اللہ عنہ صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الظہر والعصر جمیعا والمغرب والعشاء جمیعا اخر الظہر وعجل العصر واخر المغرب وعجل العشاء) یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظہر اور عصر کی نماز جمع کر کے پڑھی، اور مغرب اور عشار کی نماز جمع کر کے پڑھی، ظہر میں دیر کی اور عصر میں جلدی اور مغرب میں دیر کی اور عشار میں جلدی کی۔ پس جب کہ ابن عباس نے جو حدیث کے راوی ہیں، خود تصریح کر دی، کہ جمع سے مراد جمع صوری ہے، تو اس حدیث میں جمع صوری ہی مراد ہونا متعین ہوا، اور اس حدیث میں جمع سے جمع صوری مراد ہونے کی تائید ابن مسعود رضی کی اس روایت سے ہوتی ہے۔ ما رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی صلوٰۃ لغیر میقاتہا الا صلوتین جمع بین المغرب والعشاء بالمزدلفۃ وصلی الفجر یومئذ قبل میقاتہا۔ پس ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جمع بین الصلوتین کی مطلقاً نفی کر کے اس کو مزدلفہ میں منحصر کر دیا ہے، حالانکہ حدیث جمع بین الصلاتین فی المدینہ کے راوی ابن مسعود رضی بھی ہیں، پس ابن مسعود رضی کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے، کہ مدینہ میں جو جمع بین الصلوتین واقع ہوئی تھی، وہ جمع حقیقی نہیں تھی، بلکہ صوری تھی، ورنہ ابن مسعود رضی کی دونوں روایتیں باہم لڑ جاویں گی، و نیز حدیث مذکور میں جمع سے جمع صوری مراد ہونے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے، کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے

ملہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے کبھی کوئی نماز بے وقت پڑھی ہو مگر دو نمازیں کہ آپ نے مغرب اور عشار کو مزدلفہ میں جمع کیا اور اس دن صبح کی نماز وقت سے پہلے پڑھی۔

بھی حدیث جمع بین الصلوتین فی المدینہ کو روایت کیا ہے، اور انہیں عبداللہ بن عمر رضہ سے یہ روایت آئی ہے۔ خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکان یؤخر الظھر و یعجل العصر فیجمع بینھما و یؤخر المغرب و یعجل العشاء فیجمع بینھما رواہ ابن جریر یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے، پس ظہر میں تاخیر اور عصر میں تعجیل فرما کر دونوں کو جمع کیا، اور مغرب میں تاخیر اور عشاء میں تعجیل فرما کر دونوں کو جمع کیا، پس عبداللہ بن عمرؓ کی یہ روایت صاف بتاتی ہے کہ حدیث جمع بین الصلوتین میں جس میں مطلق جمع لفظ وارد ہوا ہے، جمع صوری ہی مراد ہے، و نیز جمع بین الصلوتین کی تین صورتیں ہیں، جمع تقدیم و جمع تاخیر و جمع صوری، اور حدیث ابن عباس رضہ میں لفظ جمع بین الظھر والعصر و بین المغرب والعشاء تینوں صورتوں کو شامل نہیں ہو سکتا، اور نہ ان میں سے دو کو، کیونکہ لفظ جمع فعل مثبت ہے، اور فعل مثبت اپنے اقسام میں عام نہیں ہوتا، کما صرح بہ ائمۃ الاصول، پس لفظ جمع سے ایک ہی صورت مراد ہوگی، اور ایک صورت خاص کا متعین ہونا دلیل پر موقوف ہے، اور جمع صوری کے متعین ہونے پر دلیل قائم ہے، لہٰذا یہی صورت متعین ہوگی، انتہی کلام الشوکانی مترجماً و ملخصاً۔

علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں جمع بین الصلوتین پر بہت اچھی بحث تفصیل کے ساتھ کی ہے آخر میں لکھتے ہیں، فالقول[1] بان ذلک الجمع صوری متحتم وقد جمعنا فی ھذہ المسئلۃ رسالۃ مستقلۃ سمیناھا تشنیف السمع بابطال ادلۃ الجمع انتہی۔ علامہ محمد بن اسمٰعیل الامیر سبل السلام میں لکھتے ہیں، واما الجمع فی الحضر فقال الشارح بعد ذکر ادلۃ القائلین بجوازہ فیہ انہ ذھب اکثر الائمۃ[2] الی انہ لا یجوز الجمع فی الحضر لما تقدم من الاحادیث المبینۃ لاوقات الصلوات ولما تواتر من محافظۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی اوقاتھا حتی قال ابن مسعود ما رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی صلوۃ لغیر میقاتھا الا صلوتین جمع بین المغرب والعشاء بجمع و صلی الفجر یومئذ قبل میقاتھا واما حدیث

---

[1] یہ کہنا کہ یہ جمع صوری تھی غلط ہے، ہم نے اس مسئلہ میں ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے جس کا نام تشنیف السمع بابطال ادلۃ الجمع ہے [2] جمع حضر کے اکثر ائمہ قائل نہیں ہیں، اور ان کی دلیل وہ حدیثیں ہیں جن میں اوقات کی پابندی لازمی قرار دی گئی ہے، اور دوسرا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اوقات نماز پر پابندی کرنا، چنانچہ ابن مسعود کی حدیث میں ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری زندگی کوئی نماز بے وقت نہیں پڑھی، ماسوائے مزدلفہ کی دو نمازوں کے کہ وہاں آپ نے مغرب اور عشاء کو جمع کیا، اور صبح کی نماز وقت سے پہلے پڑھی، اور مسلم کی ابن عباس

ابن عباس عند مسلم انہ جمع بین الظہر والعصر والمغرب والعشاء بالمدینۃ من غیر خوف ولا مطر فقیل لابن عباس ما اراد بذلک قال اراد ان لا یحرج امتہ فلا یصح الاحتجاج بہ لانہ غیر معین بجمع التقدیم والتاخیر کما ھو ظاہر روایۃ مسلم وتعیین واحد منہما تحکم فوجب العدول عنہ الی ما ھو واجب من البقاء علی العموم فی حدیث الاوقات للمعذور وغیرہ وتخصیص المسافر لثبوت المخصص وھذا ھو الجواب الحاسم واما ما یروی من الآثار عن الصحابۃ والتابعین فغیر حجۃ اذ للاجتہاد فی ذلک مسرح وقد اول بعضہم حدیث ابن عباس بالجمع الصوری واستحسنہ القرطبی ورجحہ وجزم بہ الماجشون والطحاوی وقواہ ابن سید الناس لما اخرجہ الشیخان عن عمرو بن دینار راوی الحدیث عن ابی الشعثاء قال قلت یا ابا الشعثاء اظنہ اخر الظہر وعجل العصر واخر المغرب وعجل العشاء قال وانا اظنہ قال ابن سید الناس راوی الحدیث ادری بالمراد منہ من غیرہ وان لم یجزم ابو الشعثاء بذلک واقول انما ھو ظن من الراوی والذی یقال فیہ ادری بما روی انما یجری فی تفسیرہ للفظ مثلا علی ان فی ہذہ الدعوی نظرا فان قولہ صلی اللہ علیہ وسلم رب حامل فقہ الی من ھو افقہ منہ یرد عمومہا نعم یتعین ھذا التاویل فانہ صرح بہ النسائی فی اصل حدیث ابن عباس ولفظہ صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینۃ ثمانیا جمعا وسبعا جمعا اخر الظہر وعجل العصر واخر المغرب وعجل العشاء والعجب من

والی حدیث کہ آپ نے بغیر کسی عذر کے مدینہ میں نمازیں جمع کر کے پڑھیں، اس سے استدلال درست نہیں ہے کیونکہ اس میں جمع تقدیم وتاخیر کی تعیین نہیں ہے، اور اگر کوئی تعیین کرے تو یہ زبردستی ہے، تو اس صورت میں معاملہ اپنے اصل پر رہے گا کہ معذور کو جمع کرنے کی اجازت ہے، کیونکہ ان کا مخصص ثابت ہے، باقی رہے صحابہ اور تابعین کے آثار تو وہ حجت نہیں ہیں، کیونکہ اس میں اجتہاد کو دخل ہے، بعض نے ابن عباس کی حدیث کو جمع صوری پر محمول کیا ہے، مثلاً قرطبی، ماجشون، طحاوی، ابن سید الناس، چنانچہ راوی حدیث نے ابو الشعثاء سے پوچھا کہ آپ نے شاید جمع صوری کی ہو تو اس نے کہا، میرا بھی یہی خیال ہے، اور وہ جو کہتے ہیں کہ حدیث کا راوی اس کا مطلب اچھا جانتا ہے، تو اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ الفاظ حدیث کی تشریح اس کی معتبر ہے، لیکن ابن عباس کی حدیث کی صراحت کے ساتھ ان کا اپنا عمل بھی اس کی وضاحت کرتا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ میں سات سات، آٹھ آٹھ نمازیں جمع کر کے پڑھی ہیں، آپ نے ظہر کو مؤخر کیا اور

النووی کیف ضعف هذا التاویل وغفل عن متن الحدیث المروی والمطلق فی روایۃ یحمل علی المقید اذا کانا فی قصۃ واحدۃ کما فی هذا والقول بان قولہ اراد ان لا یحرج امتہ یضعف هذا الجمع الصوری لوجود الحرج فیہ مدفوع بان ذلک ایسر من التوقیت اذ یکفی للصلوتین تاهب واحد وقصد واحد الی المسجد ووضوء واحد بحسب الاغلب بخلاف الوقتین فالحرج فی هذا الجمع لا شک اخف واما قیاس الحاضر علی المسافر کما قیل فوهم لان العلۃ فی الاصل هی السفر وهو غیر موجود فی الفرع والا لزم مثلہ فی القصر والفطر انتهی قلت وهو کلام رصین وقد کنا ذکرنا ما یلائمہ فی رسالتنا الیواقیت فی المواقیت قبل الوقوف علی کلام الشارح رحمہ اللہ وجزاہ خیرا ثم قال واعلم ان جمع التقدیم فیہ خطر عظیم وهو کمن صلی الصلوٰۃ قبل دخول وقتها فیکون حال الفاعل کما قال اللہ وهم یحسبون انهم یحسنون صنعا الایۃ من ابتدائها وهذہ الصلوٰۃ المتقدمۃ لا دلالۃ علیها بمنطوق ولا مفهوم ولا عموم ولا خصوص انتهی ما فی السبل واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفی عنہ

سوال: زید بوجہ ضعف وسلب قوت جمع بین الصلوٰتین کر سکتا ہے یا نہ و ہم چنیں ترک جماعت کرنا اس کو پہنچتا ہے یا نہ۔ بینوا توجروا۔

الجواب: زید اگر اس قدر ضعیف و مسلوب القویٰ ہو گیا ہے، کہ فرائض پنجگانہ کو اپنے وقت پر نہیں پڑھ سکتا ہے، تو اس کو بوجہ ضعف و سلب قوت کے جائز ہے کہ جمع بین الصلوٰتین کیا کرے، اور اگر فرائض پنجگانہ کو اپنے اپنے وقت پر پڑھ سکتا ہے، تو

عصر کو مقدم اور مغرب کو مؤخر کیا اور عشاء کو مقدم تعجب ہے کہ نووی نے اس تاویل کو کیسے ضعیف قرار دیا اور حدیث مروی کے متن سے کیسے غافل رہا، اور مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے، جب کہ ان کا واقعہ ایک ہی ہو، جیسا کہ اس حدیث میں ہے اور جمع صوری کی تاویل کو یہ قول ضعیف قرار دیتا ہے، کہ آپ کی امت پر آسانی ہو، لیکن یہ غلط ہے جمع صوری میں بھی تو آسانی ہوتی ہے کیونکہ نماز کی تیاری اور وضو وغیرہ ایک ہی دفعہ کرنا پڑتا ہے، اور وقت پر نماز پڑھنے کی نسبت اس میں آسانی ہے اور مسافر پر حاضر کو قیاس کرنا وہم ہے، کیونکہ اصل میں علت سفر ہے اور وہ فرع میں موجود نہیں ہے، ورنہ اس سے قصر اور فطر بھی لازم آئے گا، اور جمع تقدیم ایک خطرناک کام ہے کہ اس سے نماز وقت کے ہونے سے پہلے پڑھی گئی، اور یہ غلط ہے، واللہ اعلم

اس کو جمع بین الصلاتین پر مداومت نہیں کرنا چاہیئے، ہاں اگر گاہے گاہے جمع کر لیا کرے، تو کوئی مضائقہ نہیں ہے، اور زید مذکور کو ترک جماعت کرنا بھی جائز ہے لیکن اس وقت کہ جماعت میں حاضر ہونے سے وہ بالکل معذور و مجبور ہو، اور اگر اس کو جماعت میں حاضر ہونے کی طاقت ہو، تو اس کو حاضر ہی ہونا چاہیئے۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمع کرنا دو نمازوں کا کیسا ہے مثلاً زید اپنے مکان سے بازار کو چلا، جو کہ اس کے مکان سے ایک میل یا دو میل کے فاصلہ پر واقع ہے، تو اتنے فاصلہ کے درمیان نماز کو جمع کر سکتا ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ ایک میل یا دو میل کی مسافت باتفاق ائمہ سفر نہیں ہے، اور اتنے فاصلہ پر بالاتفاق قصر جائز نہیں ہے، پس صورت مسئولہ میں اتنے فاصلہ کے درمیان نماز کو جمع کرنا جائز نہیں، اور سفر کے علاوہ حضر میں بلا عذر نمازوں کو جمع کرنا درست نہیں ہے۔ قال فی سبل السلام ص ۵ اما الجمع فی الحضر فقال الشارح بعد ذکر ادلۃ القائلین بجوازہ فیہ انہ ذھب اکثر الائمۃ الی انہ لا یجوز الجمع فی الحضر لما تقدم من الاحادیث المبنیۃ لاوقات الصلوۃ ولما تواتر من محافظۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی اوقاتھا حتی قال ابن مسعود رض ما رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی صلاۃ لغیر میقاتھا الا صلوتین جمع بین المغرب والعشاء بجمع وصلی الفجر یومئذ قبل میقاتھا۔ اور حدیث ابن عباس جس میں یہ بیان ہے، کہ مدینہ میں حضرت ؐ نے بغیر مطر و خوف کے نمازوں کو جمع کیا، سو یہ حدیث جواز جمع فی الحضر کے لئے حجت نہیں ہو سکتی، اس واسطے کہ اس میں تعیین جمع تقدیم یا جمع تاخیر کی نہیں ہے، اور اپنی طرف سے بلا دلیل ایک کو معین کر لینا تحکم ہے قال فی سبل السلام واما حدیث ابن عباس رض عند مسلم انہ جمع بین الظھر والعصر والمغرب والعشاء بالمدینۃ من غیر خوف ولا مطر قیل لابن عباس ما اراد بذلک قال اراد ان لا یحرج امتہ فلا یصح الاستدلال بہ لانہ غیر معین لجمع التقدیم

لے حضر میں نماز جمع کرنا شارح نے قائلین جواز کے دلائل ذکر کرنے کے بعد کہا ہے، کہ اکثر امام اس کے قائل نہیں ہیں، ان احادیث کی بنا پر جو اوقات معینہ پر نماز ادا کرنے کے متعلق ہیں، اور یہ بھی تواتراً ثابت ہے، کہ آنحضرت نے مزدلفہ کے علاوہ ساری زندگی نماز وقت سے بے وقت نہیں پڑھی۔

کے ابن عباس کی حدیث کہ انہوں نے مدینہ میں بغیر کسی عذر کے نمازوں کو جمع کر کے پڑھا اس بنا پر کہ امت پر تنگی نہ ہو،

وانما خیر کما هو ظاهر روایة مسلم و تعیین واحد منهما تحکم فوجب العدول عنه الی ما هو واجب من الابقاء علی العموم فی حدیث الاوقات للمعذور وغیره و تخصیص المسافر لثبوت المخصص وهذا هو الجواب الحاسم واما ما یروی من الاثار عن الصحابة والتابعین فغیر حجة اذ للاجتهاد فی ذلك مسرح وقد اول بعضهم حدیث ابن عباس بالجمع الصوری واستحسنه القرطبی ورجحه وجزم به الماجشون والطحاوی وقواه ابن سید الناس لما اخرجه الشیخان عن عمرو بن دینار راوی الحدیث عن ابی الشعثاء قال قلت یا ابا الشعثاء اظنه اخر الظهر وعجل العصر واخر المغرب وعجل العشاء قال وانا اظنه قال ابن سید الناس راوی الحدیث ادری بما روی انما یجری فی تفسیره للفظ مثلا علی ان فی هذه الدعوی نظرا فان قوله صلی الله علیه وسلم فرب حامل فقه الی من هو افقه منه یرد عمومها نعم یتعین هذا التاویل فانه صرح به النسائی فی اصل حدیث ابن عباس ح لفظه صلیت مع رسول الله صلی الله علیه وسلم بالمدینة ثمانیا جمعا وسبعا جمعا اخر الظهر وعجل العصر واخر المغرب وعجل العشاء والعجب من النووی کیف ضعف هذا التاویل وغفل عن متن الحدیث المروی والمطلق فی روایة یحمل

اس حدیث سے استدلال صحیح نہیں ہے، کیونکہ جمع تقدیم یا تاخیر کی اس میں تعیین نہیں ہے، اور از خود ایک جانب کی تعیین کرنا زبردستی ہے، تو حکم اپنے اصل پر رہے گا، کہ معذور کو جمع کرنے کی اجازت ہے، کیوں کہ اس کا مخصص موجود ہے، اور صحابہ اور تابعین کے آثار حجت نہیں ہیں، کیونکہ اس میں اجتہاد کو دخل ہے، بعض نے ابن عباس رضؓ کی حدیث کو جمع صوری پر محمول کیا ہے، اسے قرطبی، ماجشون، طحاوی اور ابن سید الناس نے پسند کیا ہے، کیونکہ بخاری و مسلم میں ابو الشعثاء سے راوی حدیث نے کہا میرا خیال ہے، کہ آپ نے ظہر کو مؤخر اور عصر کو مقدم کیا ہوگا، تو ابو الشعثاء نے کہا، میرا بھی یہی خیال ہے، ابن سید الناس نے کہا، کہ راوی حدیث کے مطلب کو اچھا سمجھتا ہے، اگرچہ ابو الشعثاء نے اپنے خیال کو تمام بیان نہیں کیا، لیکن اس دعویٰ میں نظر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ بہت سے علم والے اپنا علم ایسے آدمی کے پاس لے جاتے ہیں جو اس سے زیادہ سمجھدار ہوتا ہے، ہاں یہ تاویل نسائی کی حدیث سے متعین ہو جاتی ہے، کہ ابن عباس نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات سات اور آٹھ آٹھ نمازیں اکٹھی کر کے پڑھی ہیں، آپ ظہر کو مؤخر کرتے اور عصر کو مقدم اور مغرب کو مؤخر اور عشاء کو مقدم۔ اور نووی سے تعجب ہے، کہ انہوں نے اس تاویل کو ضعیف

علی المقید اذا کانا فی قصۃ واحدۃ کما فی ھذا والقول بان قولہ اراد ان لا یحرج امتہ یضعف ھذا الجمع الصوری لوجود الحرج فیہ مدفوع بان ذلک ایسر من التوقیت اذ یکفی للصلوتین تاھب واحد وقصد واحد الی المسجد ووضوء واحد بحسب الاغلب بخلاف الوقتین فالحرج فی ھذا الجمع لاشک اخف انتھی وقال فی الروضۃ الندیۃ والحق عدم جواز ذلک وکذا فی بدور الاھلۃ۔ واللہ تعالی اعلم۔ حررہ عبد العزیز عفی عنہ سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ زید بعمر پچیس سال مر گیا، اور وہ صاحب مال تھا، اب اس کے ورثاء چاہتے ہیں، کہ کچھ مال اس کے نماز و روزہ میں دیا جاوے، اب سوال یہ ہے، کہ نماز جو بدنی عبادت ہے، مال کے دینے سے ادا ہو سکتی ہے یا نہیں، اگر ادا ہو سکتی ہے، تو فی نماز کس قدر دیا جائے، اور نقد دینا بہتر ہے یا اناج، یا کوئی مسجد شکستہ کی تعمیر کرنا، یا کنواں یا سرائے بنانا، اور فرضیت نماز کی کس وقت سے شمار کی جاوے اور اگر مال کے دینے سے ادا نہیں ہو سکتی، تو اور کون سی تجویز ہے، کہ اللہ اس کی مغفرت کرے بینوا توجروا

جواب:۔ واضح ہو، کہ فقہ حنفی کی رو سے مال کے دینے سے نماز ادا ہو جاتی ہے، اور فی نماز آدھا صاع گیہوں یا ایک صاع خرما یا جو مقرر ہے، چنانچہ ہدایہ میں ہے۔ ومن مات وعلیہ قضاء رمضان فاوصی بہ اطعم عنہ ولیہ لکل یوم مسکینا نصف صاع من بر او صاعا من تمر او شعیر ونیز ہدایہ میں ہے۔ والصلوۃ کالصوم باستحسان المشائخ وکل صلوۃ تعتبر بصوم یوم ھو الصحیح۔ یعنی جو شخص کہ موت کے قریب ہو، اور اس کے ذمہ روزہ رمضان کی قضا ہو، اور وہ شخص اس کے بارے میں وصیت کرے، تو اس کے ولی کو ہر روز ایک مسکین کو آدھا صاع گیہوں یا ایک صاع جو دینا ہوگا، اور نماز مثل روزہ کے ہے باستحسان مشائخ، اور ہر نماز ایک روزہ کے برابر اعتبار کی جاوے گی، یہی صحیح ہے، اور نقد یا اناج سے بہتر یہی ہے، کہ کسی مسجد شکستہ کی تعمیر کرا دی جاوے، یا کوئی کنواں یا سرائے بنوائی

قرار دیا ہے، اور حدیث مروی کے تن سے غفلت اختیار کی ہے، کیونکہ جب واقعہ ایک ہی ہو تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے، اور نووی کا یہ کہنا، کہ حدیث کے الفاظ کہ آپ کی امت پر تنگی نہ ہو، یہ جمع صوری کی تاویل کو ضعیف قرار دیتے ہیں، اس کا جواب یہ ہے، کہ جمع صوری میں بھی ایک طرح کی آسانی ہے، کیونکہ نماز کی تیاری، وضوء وغیرہ ایک ہی دفعہ کرنا پڑتا ہے، تو بلاشبہ اس میں بھی ایک طرح کی تخفیف ہے، واللہ اعلم۔

جاوے، کیونکہ یہ باتیں صدقہ جاریہ کی قسم سے ہیں اور نماز کی فرضیت بالغ ہونے کے وقت سے شمار کی جاوے گی، کیونکہ شرعی احکام انسان کے ذمہ بلوغ ہی کے وقت سے متعلق ہوا کرتے ہیں۔ حررہ عبد الحق اعظم گڈھی

سید محمد نذیر حسین

ھو الموفق:۔ مذہب حنفی کا مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے روزہ رمضان کی قضا کے بارے میں وصیت کر کے مر جاوے، تو ورثار پر اس وصیت کی وجہ سے ورثار کو ضرور چاہیئے کہ اس کے ہر روزہ کے بدلے آدھا صاع گیہوں یا ایک صاع جو یا کھجور ایک مسکین کو دیں، اور وصیت نہ کرے، تو ورثار کو دینا ضروری نہیں ہے، مگر باوجود اس کے اگر وہ دیں تو ادا ہو جاوے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور مشائخ حنفیہ نے روزہ کی قضا پر نماز کی قضا کو قیاس کیا ہے، استحساناً تو اگر کوئی شخص اپنی نماز کی قضا کے بارے میں وصیت کر کے مر جاوے، تو ورثار پر ضروری ہے، کہ ہر نماز کے بدلے آدھا صاع گیہوں یا ایک صاع جو یا کھجور ایک مسکین کو دیں، اور اگر وصیت نہ کرے تو دینا ضروری نہیں، مگر باوجود اس کے اگر دیں، تو ادا ہو جاوے گی، انشاء اللہ تعالیٰ، ہدایہ کی پہلی عبارت جو ہدایہ سے منقول ہوئی ہے، اس عبارت کے بعد یہ عبارت ہے[1] لانہ عجز عن الاداء فی اخر عمرہ فصار کالشیخ الفانی ثم لابد من الایصاء عندنا خلافاً للشافعی انتہی۔ ہدایہ کے حاشیہ میں ہے ثم لابد من الایصاء عندنا معناہ لابد فی لزوم الاداء علی الورثۃ من الایصاء عندنا فانہ اذا لم یوص لم یلزم ومع ھذا لو ادی الورثۃ یتأدی عنہ ان شاء اللہ تعالیٰ وعند الشافعی وان لم یوص یجب علی الورثۃ ادائہ[2] انتہی۔ اور حدیث مرفوع صحیح ہے جو بات صاف اور صریح طور پر ثابت ہوتی ہے، وہ یہ ہے، کہ جب کوئی شخص مر جاوے اور اس کے ذمہ روزے باقی ہوں تو اس کی طرف سے اس کے ولی کو روزہ رکھنا چاہیئے، اور یہی مذہب اصحاب حدیث اور ایک جماعت کا ہے اور ابن عباس رض کا فتویٰ یہ ہے، کہ میت کے ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلانا چاہیئے

---

[1] کیونکہ وہ اپنی آخری عمر میں ادا کرنے سے عاجز آ گیا ہے، اور شیخ فانی کی طرح ہو چکا ہے، پھر ہمارے نزدیک وصیت کرنا بھی ضروری ہے امام شافعی کے نزدیک نہیں

[2] ہمارے نزدیک مرنے والے کو اپنی نمازوں کے متعلق وصیت کرنا ضروری ہے اور اگر وارث از خود اس کی طرف سے ادا کر دیں، تو ان شاء اللہ اس کی طرف سے ادا ہو جائیں گی لیکن ان کے ذمہ لازم نہیں ہو گا اور امام شافعی کے نزدیک اگر وصیت نہ بھی کرے تو بھی وارثوں کے ذمہ اس کا ادا کرنا واجب ہے۔

اور یہی مذہب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ و شافعی رم و ابوحنیفہ رم کا ہے، اور میت کی نماز فوت شدہ کے بارے میں حدیث صحیح سے کچھ ثابت نہیں ہے، نہ یہ ثابت ہے، کہ اس کی طرف سے اس کے ولی نماز پڑھیں، اور نہ یہ ثابت ہے، کہ اس کی نماز کے بدلے مسکین کو کھانا دیں، غرض کچھ ثابت نہیں ہے، اور اس بارے میں کسی صحابی کا کوئی فتویٰ بھی نظر سے نہیں گذرا پس موافق مسلک فقہاء حنفیہ کے اگر میت کی نماز فوت شدہ کے بدلے میں صدقہ دیا جائے تو بس اسی پر اکتفا نہیں کرنا چاہیئے، بلکہ میت کے لئے دعائے مغفرت بھی ضرور کرنا چاہیئے، کیونکہ دعا کا نفع میت کو بالاتفاق پہنچتا ہے، اور اس بارے میں آیات قرآنیہ و احادیث صحیحہ صریحہ موجود ہیں، واللہ تعالےٰ اعلم۔ کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ،

سوال:۔ میت نے اپنی حیات کے وقت نماز فرض کی وجہ سے نہیں پڑھی ہے، تو اس کے وارث بعد ممات اس کے نماز فرض ادا کرسکتے ہیں یا نہیں، المدادہ بزرگانہ اس مسئلہ کے جواب سے بصراحت مطلع فرمایا جائے، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ میت کی طرف سے اس کی نماز فوت شدہ کو اس کا کوئی وارث، یا کوئی شخص ادا نہیں کرسکتا، نسائی شریف ہے۔ عن[1] ابن عباس قال لا یصلی احد عن احد ولکن یطعم عنہ مکان کل یوم مد من حنطۃ۔ واللہ اعلم بالصواب

الجیب سید عبدالوہاب عفی عنہ

مسئلہ:۔ نماز جو عمداً ترک کی گئی ہو اس میں اختلاف ہے علماء کا جمہور کے نزدیک قضا فرض ہے، اور ایک جماعت علماء کے نزدیک قضا کرنا نہیں آتا اما القضاء للعامد فیستفاد من مفہوم الخطاب و دلالۃ النص فیکون من باب التنبیہ بالادنی علی الاعلی او یقال انہ اریدبالنسیان الترک المطلق من ذھول اوکاو منہ قولہ تعالی نسوا اللہ فانساھم انفسھم وقیل وجوب القضاء لہ بالخطاب الاول الموجب للاداء وقد بسط فی اصول الفقہ وذھب بعضھم ان العامد لا یقضی استدلالا بمفہوم

---

[1] حضرت ابن عباس رض نے کہا کہ کوئی آدمی کسی آدمی کی طرف سے نماز نہ پڑھے لیکن اس کی طرف سے ہر روز ایک مد گیہوں کھانا کھلا دیا کرے (نسائی)

(ترجمہ مسئلہ) اگر کوئی شخص جان بوجھ کر نماز چھوڑ دے، تو اس کی قضا ہے یا نہیں؟ جمہور کا مذہب یہ ہے، کہ وہ قضا ہے اور داؤد ظاہری، ابن حزم اور بعض شافعی حضرات کہتے ہیں کہ اس پر قضا نہیں ہے، اور نہ قضا سے اس کا گناہ ختم ہوگا

الشرط انتہی ما فی المحلی شرح الموطا للشیخ سلام اللہ رح اقول قد اختلف اہل العلم فی قضاء الفوائت المتروکۃ لا لعذر فذہب الجمہور الی وجوب القضاء وذہب داؤد الظاہری وابن حزم وبعض اصحاب الشافعی وحکاہ فی البحر عن ابن الہادی والاستاذ وروایۃ عن القاسم والناصر الی انہ لا قضاء علی العامد غیر المعذور بل قد باء باثم ترک الصلوۃ والیہ ذہب شیخ الاسلام تقی الدین بن تیمیۃ ولم یات الجمہور بدلیل یدل علی ذلک ولم اجد دلیلا لہم من کتاب وسنۃ الا ما ورد فی حدیث الخثعمیۃ حیث قال لہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فدین اللہ احق ان یقضی وہو حدیث صحیح وفیہ من العموم الذی یفید الا المصدر المضاف ما یشتمل ہذا الباب فہذا الدلیل لیس بایدی الموجبین سواہ وقد اختلف اہل الاصول ہل القضاء یکفی فیہ دلیل وجوب المقضی ام لا بد من دلیل جدید یدل علی وجوب القضاء والحق انہ لا بد من دلیل جدید لان ایجاب القضاء مستقل غیر تکلیف الاداء ومحل الخلاف ہو الصلوۃ المتروکۃ بغیر عذر عمدا واما اذا کان الترک لعذر نوم او سہو او نسیان او اشتغال بملاحمۃ القتال فانہ یجب قضاء الصلوۃ المتروکۃ عند زوال العذر انتہی ما فی الدراری المضیۃ شرح الدرر البہیۃ للشیخ محمد بن علی الشوکانی واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الابصار حررہ سید محمد نذیر حسین

سید محمد نذیر حسین

سوال: ایک شخص سے بحالت بے ہوشی پانچوں وقت کی نماز فوت ہو گئی اس کا

اور اسی مسلک کو بحر الرائق میں ابن الہادی کی طرف منسوب کیا ہے۔ قاسم اور ناصر سے بھی یہی مروی ہے۔ کہ غیر معذور جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والے پر قضا نہیں ہے۔ اور اگر وہ قضا دے بھی تو منظور نہیں ہے ابن تیمیہؒ کا یہی خیال ہے، اور اگر نماز نسیان یا نیند یا مجبوری کی وجہ سے فوت ہو جاوے تو اس کی قضا ہے سونے والا جب اٹھے اور بھولنے والا جب یاد کرے اور عذر والا عذر زائل ہو جانے کے بعد نماز ادا کرے اور جمہور کے پاس کوئی صریح حدیث یا اور کوئی دلیل نہیں ہے۔ ماسوائے خثعمیہ کی روایت ہے کہ اللہ کے قرضہ کا زیادہ حق ہے کہ اس کو ادا کیا جائے" یہ حدیث گو صحیح ہے لیکن صورت مسئلہ سے مطابق نہیں ہے کیونکہ یہاں اختلاف اس امر میں ہے، کہ نماز بغیر عذر کے جان بوجھ کر چھوڑی گئی ہے اور اس حدیث میں حج قضا کی اجازت دی گئی ہے، جو کہ عذر کی وجہ سے رہ گیا تھا۔ پس یہ حدیث اس مسئلہ کے لئے دلیل بن سکتی ہے۔ واللہ اعلم

کفارہ دینا لازم ہے، یا کہ قضا پڑھنا چاہیئے۔

الجواب :۔ حالت بے ہوشی میں جو نماز فوت ہو اس کا کچھ کفارہ نہیں ہے، اور اس کی قضا پڑھنے میں علماء کا اختلاف ہے، امام مالک اور شافعی رح کے نزدیک اس صورت مسئولہ میں قضا نہیں ہے، اور ایک حدیث سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے، وہ حدیث یہ ہے عن عائشۃ انہا سالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الرجل یغمی علیہ فیترک الصلوۃ فقال لا شئ من ذلک قضاء الا ان یفیق فی وقت صلوۃ فانہ یصلیہا رواہ الدارقطنی۔ یعنی حضرت عائشہ رضہ سے روایت ہے، کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے میں پوچھا، جو بے ہوش ہو جائے، پس اس کی نماز فوت ہو جائے تو فوت شدہ نماز کو قضا کرے یا نہیں، آپ نے فرمایا، کہ کسی فوت شدہ نماز کی قضا نہیں مگر جب کسی نماز کے وقت میں اس کو ہوش ہو، تو اس وقت کی نماز اس کو پڑھنا ہوگا، اس حدیث سے جو بات ثابت ہوتی ہے، اسی کے قائل ہیں امام مالک رح اور امام شافعی رح مگر یہ حدیث نہایت ہی ضعیف ناقابل احتجاج ہے، اور امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک صورت مسئولہ میں پانچوں نماز فوت شدہ کی قضا پڑھنی ضروری ہے، اس واسطے کہ امام محمد نے کتاب الآثار میں روایت کی ہے اخبرنا ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراہیم عن ابن عمر رضہ انہ قال فی الذی یغمی علیہ یوما ولیلۃ یقضی۔ یعنی ابن عمر رضہ نے فرمایا، کہ جو شخص ایک دن اور ایک رات بے ہوش رہے، وہ نماز فوت شدہ کی قضا پڑھے، اور دارقطنی نے یزید مولی عمار بن یاسر رضہ سے روایت کی ہے، کہ عمار بن یاسر رضہ ظہر سے کر عصر تک اور مغرب اور عشاء تک بے ہوش رہے، اور آدھی رات کو ہوش آیا، تو انہوں نے ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء کی نماز پڑھی، امام ابو حنیفہ کے نزدیک ایک دن اور ایک رات تک بے ہوشی رہے یا ایک دن ایک رات سے کم تو نماز فوت شدہ کی قضا پڑھنی چاہیئے اور اگر ایک دن ایک رات سے زیادہ بے ہوش رہے، تو نماز فوت شدہ کی قضا نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ حررہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص کی بوجہ بیماری کے چند روز کی نماز فوت ہو جاوے، اور ایسی حالت میں وہ مریض قضا کر جاوے، تو اس کی پنج وقتی نماز فوت شدہ میں سے ہر نماز کے عوض کس قدر اور کس حساب سے صدقہ دیا جاوے

آگاہ فرماویں۔ بینوا توجروا۔

الجواب ۔ جس شخص کی نمازیں فوت ہوگئی ہوں اور اس شخص نے کفارہ نماز میں وصیت بھی کی ہو تو اس کے ولی کو لازم ہے کہ اس کی ہر نماز فوت شدہ کے عوض نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو صدقہ کرے[1] فی الحمادیۃ اذا مات وعلیہ صلوات فائتۃ و اوصی بان یعطی کفارۃ صلواتہ یعطی لکل صلوۃ نصف صاع من بر وللوتر نصف صاع ولصوم یوم نصف صاع وانما یعطی من ثلث مالہ انتہی اور حالت عدم وصیت میں بھی تبرعا و احسانا جائز ہے کہ ولی میت کی طرف سے کفارہ دے[2] فی العالمگیریۃ وان لم یوص لورثتہ وتبرع بعض الورثۃ یجوز انتہی اور ہدایہ میں ہے[3] ومن مات وعلیہ قضاء رمضان فاوصی بہ اطعم عنہ ولیہ لکل یوم مسکینا نصف صاع من بر او صاعا من تمر او شعیر و نیز ہدایہ میں ہے[4] والصلوۃ کالصوم باستحسان المشائخ وکل صلوۃ تعتبر بصوم یوم ھو الصحیح واللہ اعلم

سوال ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مولوی نے ایک وقت میں دو جماعت کے ساتھ امامت کرائی نماز جماعت ثانیہ خلف اس کے روا صحیح ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب ۔ روا صحیح ہے بموجب ان حدیثوں کے کہ جو بخاری و مسلم وغیرہ میں مذکور ہیں[5] فی المشکوۃ عن جابر قال کان معاذ بن جبل یصلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم یاتی قومہ فیصلی بہم متفق علیہ وعنہ قال کان معاذ

---

[1] اگر کوئی آدمی مرجائے اور اس کے ذمہ نمازیں ہوں اور اپنی نمازوں کے کفارہ کی وصیت کرجائے تو ہر نماز کا کفارہ آدھا ٹوپہ گندم ہے اور وتر کا بھی نصف صاع ہے اور ایک دن کے روزے کا کفارہ بھی نصف صاع ہے اور یہ کفارہ ثلث مال سے دیا جائیگا[2] اگر مرنے والا وارثوں کو کفارہ کی وصیت نہ کرجائے اور وارث از خود کفارہ دے دیں تو جائز ہے [3] اگر کوئی آدمی مرجائے اور اس پر رمضان کے روزوں کی قضا ہو اور وصیت کرجائے تو اس کے وارث ہر روزہ کے بدلے میں نصف صاع گندم یا کھجور اور جو کا ایک صاع کفارہ میں دیدیں[4] مشائخ نے استحسانا نماز کو روزے کی طرح قرار دیا ہے اور ہر نماز ایک دن کے روزے کے برابر ہے [5] معاذ بن جبلؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے پھر اپنی قوم میں آتے اور ان کو نماز پڑھاتے حضرت معاذ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

یصلی مع النبی صلی اللہ علیہ العشاء ثم یرجع الی قومہ فیصلی بھم العشاء وھی لہ نافلۃ رواہ البخاری والبیہقی اقول الاظھر الانسب ارجاع الضمیر الی الاقرب فیفھم منہ صحۃ اقتداء المفترض بالمتنفل کما ھو المعول عند المتامل فعلیک بالانصاف فانہ من خیر الاوصاف قال النووی فی ھذا الحدیث جواز صلوۃ المفترض خلف المتنفل لان معاذا کان یصلی الفریضۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیسقط فرضہ ثم یصلی مرۃ ثانیۃ بقومہ ھی لہ تطوع ولھم فریضۃ وقد جاء ھکذا مصرحا بہ فی غیر مسلم وھذا جائز عند الشافعی وآخرین رحمھم اللہ تعالی استدلالا بھذا الحدیث والتاویلات دعاوی لا اصل لھا فلا یترک بھا ظاھر الحدیث قال صاحب التوضیح صلوۃ معاذ بقومہ فیہ دلالۃ علی صحۃ صلوۃ المفترض خلف المتنفل الخ فی المرقاۃ قال القاضی الحدیث یدل علی جواز اقتداء المفترض بالمتنفل فان من ادی فرضا ثم اعاد یقع المعاد نفلا قال ابن المبارک وبہ قال الشافعی الخ فی المشکوۃ عن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی بالناس صلوۃ الظہر فی الخوف ببطن نخل فصلی بطائفۃ رکعتین ثم سلم ثم جاء طائفۃ اخری فصلی بھم رکعتین ثم سلم رواہ فی شرح السنۃ فی المرقاۃ لا اشکال فی ظاھر الحدیث علی مقتضی مذھب الشافعی رحمۃ اللہ علیہ فانہ محمول علی حالۃ القصر وصلی بالطائفۃ الثانیۃ نفلا الخ قال النووی وکان صلی اللہ علیہ وسلم متنفلا فی الثانیۃ وھم مفترضون وبہ استدل الشافعی واصحابہ علی جواز صلوۃ المفترض خلف المتنفل وحکوہ عن الحسن البصری انتھی موجزا اقول وھکذا افادہ السید فی شرح المشکوۃ و

کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھتے پھر اپنی قوم میں واپس آتے اور ان کو عشاء کی نماز پڑھاتے اور یہ نماز انکی نفل ہوتی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض نماز ہو جاتی ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب اور اس کے برخلاف جو دعاوی تاویلات پیش کئے جاتے ہیں ان کا کوئی اصل نہیں ہے حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوف کے وقت بطن نخل میں لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھائی ایک جماعت کو دو رکعتیں پڑھائیں اور سلام پھیر دیا پھر دوسری جماعت کو دو رکعتیں پڑھائیں پھر سلام پھیر دیا ملا علی قاری نے کہا ہے کہ امام شافعی کے مذہب پر تو اس میں کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ نفل کے پیچھے فرض کی نیت صحیح جانتے ہیں اور آنحضرت قصر کی حالت میں تھے پچھلی دو رکعت جو آپ نے دوسری جماعت کو پڑھائیں وہ آپ کی نفل نماز تھی۔ حسن بصری اور عبداللہ بن مبارک کا یہی مذہب ہے

ھو المرام لما فی الصحیحین وغیرھما فی المقام فکانت لہ صلی اللہ علیہ وسلم اربع رکعات و القوم رکعتان کما یظھر صریحا من سنن ابی داؤد وغیرہ وتکمیل تفصیل المقال لا یلیق بتعجیل تقلیل المجال والتضییق واللہ اعلم بالصواب حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام تنہا مسجد کے سائبان میں ولسے پر کھڑا ہو اور مقتدی سب کے سب صحن مسجد میں نیچے کھڑے ہوں تو اس قدر بلندی اور پستی امام و مقتدی کی مانع اقتدا ہے یا نہیں حدیث اور فقہ سے جواب دیجئے اور اختلاف احادیث اور ائمۃ اجتہاد جو اس میں ہو اس سے مطلع فرمائیے ۔ بینوا توجروا۔

الجواب ۔ اس باب میں حدیثیں مختلف وارد ہوئی ہیں اور علمائے اجتہاد کے اقوال بھی مختلف ہیں لیکن احادیث اور اقوال ائمہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صورت اقتدا اور امامت کی سب کے نزدیک جائز ہے اما الاحادیث فعن سھل بن سعد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلس علی المنبر فی اول یوم وضع فکبر وھو علیہ ثم رکع ثم نزل القھقری فسجد وسجد الناس معہ ثم عاد حتی فرغ فلما انصرف قال ایھا الناس انما فعلت ذلک لتأتموا بی ولتعلموا صلوتی متفق علیہ پس یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ امام اگر اونچی جگہ پر کھڑا ہو اور مقتدی سب کے سب نیچے ہوں تو اقتدا اور امامت اور نماز درست ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے اور اپنی کتاب صحیح میں وہ اسی جواز کے قائل ہوئے ہیں اور اسی حدیث سے استدلال کیا ہے اور ان کے اتباع اور موافقین بھی ہیں اور ان کے نزدیک بھی یہی حدیث اس کے جواز کی حجت ہے دعن ھمام ان حذیفۃ ام الناس بالمدائن علی دکان فاخذ ابو مسعود بقمیصہ فجذبہ فلما فرغ من صلوتہ قال الم تعلم انھم کانوا ینھون عن ذلک قال بلی قد ذکرت ذلک حین مددتنی رواہ ابوداؤد وصححہ

لہ جس دن منبر بنا اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر پہلی مرتبہ بیٹھے آپ نے اسی پر تکبیر کہی پھر رکوع کیا پھر پیچھے چلتے ہوئے نیچے اتر آئے اور سجدہ کیا اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا پھر آپ منبر پر تشریف لے گئے یہاں تک کہ آپ نماز سے فارغ ہوئے اور فرمایا اے لوگو! میں نے یہ اس لئے کیا تاکہ تم کو میری نماز کا علم ہوسکے اور میری اقتدا کرسکو۔ ٢ حضرت حذیفہ نے مدائن میں ایک دکان پر کھڑے ہو کر لوگوں کو نماز پڑھائی ابو مسعود نے آپکو قمیص سے پکڑ کر کھینچا جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو کہا کیا تم نہیں جانتے کہ اس طرح کرنا منع ہے انہوں نے کہا ہاں جب آپ نے مجھ کو قمیص سے پکڑ کر کھینچا تو

ابن خزیمہ وابن حبان والحاکم وقواہ الحافظ فی التلخیص وعن ابن مسعود قال نهی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یقوم الامام فوق شیء والناس خلفہ یعنی اسفل منہ رواہ الدار قطنی لکن المرفوع ضعیف۔ پس یہ دونوں حدیثیں دلالت کرتی ہیں کہ امام اونچی جگہ پر کھڑا ہو اور مقتدی سب کے سب نیچے ہوں تو یہ امر ناجائز اور ممنوع ہے اور یہی مذہب ہے حنفیہ اور شافعیہ اور مالکیہ رحمہم اللہ کا اور یہی حدیثیں ان کی دلیل ہیں پس یہی ہے خلاصہ مذاہب اور ادلہ اس مسئلہ کا۔ تطبیق بین الاحادیث۔ حدیث صلوٰۃ علی المنبر کی محمول ہے تھوڑی سی بلندی کے جواز پر اور حدیث نہی عن الرفع کی محمول ہے زیادہ بلندی پر جس کی تقدیر میں علما نے اپنی اپنی رائے الگ قائم کی ہے پس دونوں حدیثوں کے ملانے سے یہ بات قائم ہوئی کہ ارتفاع قلیل امام کے لئے جائز ہے اور ارتفاع کثیر ممنوع ہے۔

تطبیق بین اقوال الائمۃ رحمہم اللہ تعالیٰ

امام بخاری اور ان کے موافقین واتباع رحمہم اللہ نے جو امام کا بلند جگہ پر کھڑا ہونا جائز کہا ہے تو اس سے بلندی ایسی مراد ہے جس سے امام کا حال مقتدیوں سے مخفی نہ رہے اور حنفیہ اور مالکیہ اور شافعیہ وغیرہ علما نے مطلق بلندی کو ناجائز کہا ہے سو ان لوگوں کا قول محقق نہیں ہے فی نیل الاوطار وذهب الشافعی الی انہ یعفی قدر ثلاث مائۃ ذراع وقال عطاء لا یضر البعد ولا الارتفاع مهما علم المؤتم بحال الامام وقال فی الدر المختار یکرہ انفراد الامام علی الدکان للنهی وقدر الارتفاع بذراع ولا باس بما دونہ وقیل ما یقع بہ الامتیاز وهو الاوجہ ذکرہ الکمال وغیرہ وکرہ عکسہ فی الاصح وقال فی العالمگیریۃ ویکرہ ان یکون الامام وحدہ علی الدکان وکذا القلب فی ظاهر الروایۃ کذا فی الهدایۃ وان کان بعض القوم معہ فالاصح انہ لا یکرہ کذا فی محیط السرخسی ثم قدر الارتفاع قامۃ ولا باس بما دونہا ذکرہ الطحاوی وقیل انہ مقدر بما یقع بہ الامتیاز وقیل مقدار الذراع اعتبارا بالسترۃ وعلیہ الاعتماد کذا فی التبیین وغایۃ البیان وهو الصحیح کذا فی البحر الرائق

مجھے یاد آگیا۔ امام شافعی نے کہا کہ اگر امام ایک ہاتھ کی بلندی پر ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ عطاء نے کہا اگر اتنی بلندی ہو کہ امام کے تمام حالات کا علم ہو سکے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ در مختار میں ہے کہ اگر اکیلا امام بلندی پر ہو اور تمام مقتدی نیچے ہوں تو یہ ناجائز ہے اگر کچھ امام کے ساتھ بھی ہوں تو جائز ہے اور اگر ایک ہاتھ کی بلندی ہو یا اس سے کم ہو تو کوئی حرج نہیں ہے طحاوی نے کہا اگر بلندی آدمی کے قد سے کم ہو تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ بلندی ایک ہاتھ تک ہو تو کوئی حرج نہیں۔

پس اب واضح ہوگیا، کہ احادیث اور اقوال رجال امت اگرچہ باہم بظاہر مختلف معلوم ہوتے ہیں، لیکن وہ درحقیقت سب کے سب ادائے معنی میں متحد ہیں، اور مراد احادیث کا مفاد بھی یہی ہے، کہ امام کا تنہا اکیلا تھوڑی سی بلندی پر کھڑا ہونا مضر نہیں ہے، بلکہ درست اور جائز ہے، اور زیادہ بلندی پر کھڑا ہونا ممنوع اور ناجائز ہے، اور رجال امت کے اقوال کا مفاد بھی یہی ہے غایۃ الامر علماء نے تقدیر بلندی وپستی جائز وناجائز میں اختلاف کیا ہے، نتیجہ کلام کا یہ ہوا کہ امام اکیلا مسجد کے سائبان میں واسطے پر کھڑا ہو اور سب مقتدی صحن مسجد میں نیچے کھڑے رہیں تو حدیث کے رو سے یہ امر جائز ہے، اور علمائے حنفیہ اور شافعیہ اور مالکیہ محققین رحمہم اللہ کے سب کے نزدیک یہ امر جائز ہے، جیسا کہ تطبیق احادیث واقوال بالا سے واضح ہوگیا ہے اور امام المحدثین جناب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے موافقین واتباع رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ ہذا ما ظہر لنا واللہ اعلم بالصواب ومنہ الاصابۃ فی کل باب، حدیث بخاری سے جواز معلوم ہوتا ہے، کیونکہ یہ صورت اگر ناجائز ہوتی، تو ناجائز صورت سے تعلیم نہ کرتے، اس سے ابن دقیق العید کے اعتراض کا جواب بھی ہوگیا، ہاں اولیٰ وافضل یہی ہے، کہ امام بلند جگہ پر کھڑا نہ ہو، اور حدیث نہی محمول خلاف اولیٰ پر ہے، کما ہو داب العلماء کافۃ فی التطبیق بین الاحادیث واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ العاجز ابو عبد الرحمن محمد عفی عنہ مصحح مطبع انصاری۔

الامر کما قال۔ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ　　سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱

سوال:۔ ما قول السادۃ العلماء الکرام فی رجل صلی مع جماعۃ ثم ادرک جماعۃ اخری یصلون تلک الصلوٰۃ ھل لہ ان یصلی معھم ثانیا۔ بینوا توجروا

الجواب:۔ نعم جاز لہ ان یصلی معھم ثانیا لحدیث یزید بن الاسود قال شہدت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ فصلیت معہ صلوٰۃ الصبح فی مسجد الخیف فلما قضی صلوتہ انحرف فاذا ھو برجلین فی اخری القوم لم یصلیا فقال علی بہما فجئی بہما ترعد فرائصہما فقال ما منعکما ان تصلیا معنا فقالا

سوال:۔ اگر کوئی آدمی جماعت سے نماز پڑھ لے، پھر دوسری جماعت اس کو مل جائے، تو کیا وہ ان کے ساتھ بھی نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ ہاں ان کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے، یزید بن اسود نے کہا، میں حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا صبح کی نماز مسجد خیف میں پڑھی، جب فارغ ہوئے تو آپ نے دیکھا دو آدمی پیچھے بیٹھے ہوئے

یارسول اللہ انا کنا قد صلینا فی رحالنا قال فلا تفعلا اذا صلیتما فی رحالکما ثم اتیتما المسجد جماعۃ فصلیا معہم فانہا لکما نافلۃ رواہ خمسۃ الا ابن ماجۃ وفی لفظ لابی داؤد واذا صلی احدکم فی رحلہ ثم ادرک الصلوۃ مع الامام فلیصلہا معہ فانہا لہ نافلۃ کذا فی المنتقی قال الشوکانی فی النیل ص ۴۰ ج ۳ الحدیث اخرجہ ایضا الدارقطنی وابن حبان والحاکم وصححہ ابن السکن وقال الترمذی حسن صحیح وقال قولہ فانہا لکما نافلۃ فیہ تصریح بان الثانیۃ فی الصلوۃ المعادۃ نافلۃ وظاہرہ عدم الفرق بین ان تکون الاولی جماعۃ او فرادی لان ترک الاستفصال فی مقام الاحتمال ینزل منزلۃ العموم فی المقال انتہی۔ ولحدیث ابی سعید قال صلی لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فدخل رجل فقام یصلی الظہر فقال الا رجل یتصدق علی ھذا فیصلی معہ اخرجہ الترمذی وحسنہ وابن حبان والحاکم ولحدیث محجن بن الادرع قال اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو فی المسجد فحضرت الصلوۃ فصلی یعنی ولم اصل فقال لی الا صلیت قلت یارسول اللہ قد صلیت فی الرحل ثم اتیتک قال فاذا جئت فصل معہم واجعلہا نافلۃ رواہ احمد۔ قال الشوکانی فی النیل ص ۴۳ ج ۲ وحدیث محجن اخرجہ ایضا مالک فی الموطا والنسائی وابن حبان والحاکم فان قلت قال ابن عبد البر قال جمہور الفقہاء انما یعید الصلوۃ مع الامام فی جماعۃ من صلی وحدہ فی بیتہ او

تھے، انہوں نے نماز نہیں پڑھی تھی، آپ نے فرمایا ان کو میرے پاس لاؤ، وہ آئے، تو ان کے کندھے کانپ رہے تھے، آپ نے فرمایا، تم نے ہمارے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھی؟ کہنے لگے، ہم اپنے خیموں میں نماز پڑھ آئے تھے، آپ نے فرمایا، ایسا نہ کرو، جب تم اپنے خیموں میں نماز پڑھ لو، پھر تم جماعت والی مسجد میں آؤ، تو ان کے ساتھ بھی نماز پڑھ لو، وہ تمہارے لئے نفل نماز بن جائے گی، امام ترمذی نے کہا، دوسری نماز جو جماعت کے ساتھ پڑھی جائے گی، وہ نفل ہوگی، اور پہلی فرض ہوگی، خواہ جماعت کے ساتھ پڑھی یا اکیلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے تھے، ایک آدمی آیا، آپ نے فرمایا کوئی آدمی ہے جو اس پر صدقہ کرے اور اس کے ساتھ نماز پڑھے (اس سے معلوم ہوا کہ جماعت سے نماز پڑھی ہو تو بھی دوسری جماعت سے نماز پڑھ سکتا ہے) محجن بن ادرع مسجد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، جماعت کھڑی ہوئی، تو انہوں نے جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھی، آپ نے پوچھا تو نے نماز کیوں نہیں پڑھی؟ انہوں نے کہا میں پڑھ چکا ہوں، آپ نے فرمایا،

فی غیر بیتہ واما من صلی فی جماعۃ وان قلت فلا یعید فی اخری قلت او کثرت ولو اعاد فی جماعۃ اخری لاعاد فی ثالثۃ ورابعۃ الی ما لا نہایۃ لہ وھذا لا یخفی فسادہ قال وممن قال بھذا القول مالک وابو حنیفۃ والشافعی واصحابہم ومن حجتہم قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تصلی صلوۃ فی یوم مرتین انتھی قلت من صلی صلوۃ فی جماعۃ ثم مر بجماعۃ یصلون تلک الصلوۃ فاعادہم تلک الصلوۃ فلا یلزم علیہا محذور لان ھذا امر اتفاقی وقلما یتفق مرورہ الی ثالثۃ اور رابعۃ فما ظنک بخامسۃ او سادسۃ فما ادعی فیہ الفساد لیس فیہ فساد واما قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تصلی صلوۃ فی یوم مرتین فلا یدل علی ما ادعی قال الشوکانی فی النیل ص ۳۳ ج ۳ قولہ لا تصلوا صلوۃ فی یوم مرتین لفظ النسائی لا تعاد الصلوۃ فی یوم مرتین قد تمسک بھذا الحدیث القائلون ان من صلی فی جماعۃ ثم ادرک جماعۃ لا یصلی معہم کیف کانت لان الاعادۃ لتحصیل فضیلۃ الجماعۃ وقد حصلت لہ وھو مروی عن الصیدلانی والغزالی وصاحب المرشد قال فی الاستذکار اتفق احمد بن حنبل واسحق بن راھویہ علی ان معنی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تصلوا صلوۃ فی یوم مرتین ان ذلک ان یصلی الرجل صلوۃ مکتوبۃ علیہ ثم یقوم بعد الفراغ منہا فیعیدھا علی جہۃ الفرض ایضا واما من صلی الثانیۃ مع الجماعۃ علی انہا نافلۃ اقتداء بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم فی امرہ بذلک فلیس ذلک من اعادۃ الصلوۃ فی یوم مرتین لان الاولی فریضۃ والثانیۃ نافلۃ فلا اعادۃ حینئذ انتھی۔ واللہ تعالی اعلم

کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ | سید محمد نذیر حسین

جب ایسا واقع ہے، تو نماز دوبارہ پڑھ لیا کرو، یہ نماز تیرے لئے نفل ہو جائے گی۔

اگر کوئی آدمی گھر میں پہلے اکیلا نماز پڑھے، اور پھر اس کو جماعت کے ساتھ نماز مل جائے، تو دوبارہ پڑھ لے اور اگر پہلے بھی جماعت ہی سے نماز پڑھی ہو۔ اور پھر دوسری مرتبہ جماعت ملے تو پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، امام مالک ابو حنیفہ اور شافعی کا یہی مذہب ہے، اور امام احمد و اسحق بن راہویہ کا مذہب یہ ہے، کہ پھر دوسری جماعت میں بھی شامل ہو جائے، اور وہ جو حدیث میں آیا ہے، کہ ایک نماز دو مرتبہ نہ پڑھی جائے، تو اس کا مطلب یہ ہے، کہ دونوں مرتبہ فرض کی نیت کر کے نہ پڑھے، بلکہ دوسری مرتبہ نفل نماز کی نیت کرے۔

سوال: قبل تکبیر تحریمہ کے ایک شخص نے سنت شروع کیں، پھر ابھی نماز میں تھا، کہ تکبیر ہوگئی، اب وہ نماز کو توڑ کر فرائض میں شامل ہوگیا، اب اس پر قضا سنت واجب ہے یا نہ، بینوا توجروا

الجواب: صورت مسئولہ میں سنت متروکہ کو ضرور قضا کرنا چاہیے، فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے من[1] لم یصل رکعتی الفجر فلیصلھما بعد ما تطلع الشمس رواہ الترمذی اور حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں آیا ہے کان[2] اذا لم یصل اربعا قبل الظہر صلاھن بعدھا رواہ الترمذی نیل الاوطار میں اس حدیث کے تحت میں مذکور ہے۔ والحدیث[3] یدل علی مشروعیۃ المحافظۃ علی السنن التی قبل الفرائض ونیز اسی کتاب میں دوسری جگہ میں مذکور ہے والحدیث[4] یدل علی مشروعیۃ قضاتہ اذا فات لنوم او عذر من الاعذار۔

حررہ الاجوبۃ محمد عبد الحق ملتانی ۲۲ جمادی الاخری سنۃ ۱۳۱۷ ھ

سید محمد نذیر حسین

سوال: خواجہ سرائے جائے خواہد کہ امامت کند، یا اذان گوید، یا در مقدمہ کسے گواہی دہد، درست است یا نہ بینوا توجروا۔

الجواب: امامت خواجہ سرائے جائز است بشرطیکہ معذور بعذر امامت نباشد واذان او نیز درست و شہادتش ہم مقبول۔ کما ھو مذکور فی الھدایۃ۔ ویقبل شہادۃ الاقلف والخصی قال عمر رضی اللہ عنہ قبل شہادۃ علقمۃ الخصی لانہ قطع عضو منہ ظلما فصار کما قطعت یدہ انتہی۔

سید محمد نذیر حسین	ھو الخالق	سید محبوب علی	محمد صدر الدین	محمد نقی خان

[1] جس نے صبح کی دو سنتیں نہ پڑھی ہوں وہ سورج نکلنے کے بعد پڑھے۔ [2] جب آپ ظہر سے پہلے چار رکعت نہ پڑھ سکتے، تو بعد میں پڑھ لیتے [3] اس حدیث میں دلیل ہے، کہ فرضوں سے پہلے سنتوں پر محافظت کرنا چاہیے ۱۲
[4] حدیث دلالت کرتی ہے، کہ جب نیند یا عذر کی وجہ سے فوت ہو جائے تو اس کی قضا دینا چاہیے۔

سوال:- اگر مخنث کسی جگہ امامت کرائے یا اذان کہے یا کسی مقدمہ میں گواہی دے، تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر مخنث میں امامت کی شرائط پائی جاتی ہوں، تو اس کی امامت درست ہے، اذان بھی درست ہے اس کی شہادت بھی مقبول ہے، بے ختنہ اور خصی کی شہادت بھی قبول ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے علقمہ کی شہادت قبول کرلی تھی، حالانکہ وہ خصی تھا، کیونکہ اس نے اپنے جسم سے ایک عضو ظلم سے کاٹ دیا تھا، جیسا کہ کسی کا ہاتھ کٹا ہو ۱۲

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں، علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں، کہ ایک مخنث ہے، اس نے اپنے کارواہیات سے مطلق توبہ کر لی ہے، اور مخنث مزدوری کرتا ہے، چنانچہ سال گذشتہ حج بھی کر آیا ہے، غرض بہرصورت گناہوں سے نہایت ڈرتا ہے اور بچتا ہے، آیا نماز جماعت میں اس مخنث کو شامل ہونا نزدیک شرع شریف کے جائز ہے یا نہیں

الجواب:۔ درصورت مرقومہ واضح ہو، کہ مخنث یعنی ہجڑہ کہ اس دیار میں موجود ہیں، مرد ہیں، اور سارے لوازم ذکور کے ان پہ جاری ہوتے ہیں، اگر بدکاری اور افعال شنیعہ سے توبہ اور استغفار کریں اور متقی پرہیزگار ہو جاویں، تو امامت ان کی درست اور جائز ہے باجماع مسلمین چہ جائے کہ صف مقتدیوں میں کھڑا ہونا ہرصورت سے جائز ہے، اور اس مسئلہ میں کسی امام اور محدث کا اختلاف نہیں بالاتفاق صف میں کھڑا ہونا جائز ہے، چنانچہ کتب فقہ شرح وقایہ اور ہدایہ اور کفایہ اور در مختار و فتاوی عالمگیری و بحر الرائق وغیرہ میں مذکور ہے، اور اس باب میں حدیث بھی کتب صحاح میں موجود ہے، اس میں شک و شبہ کرنا درست نہیں۔ الخصی[1] والمجبوب والمخنث فی المنظر الی الاجنبیۃ کالفحل کذا فی الدر المختار والھدایۃ وغیرھما واللہ اعلم بالصواب

السید محمد نذیر حسین ۱۲۸

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین درباب امامت اگر امام نابینا اور مرغ باز معروف اور سننے والا راگ زنان فاحشہ ہے امام مسجد واسطے ہمیشہ کے مقرر کریں، اس شخص کے پیچھے واسطے پڑھنے نماز کے کیا حکم رکھتا ہے۔ بینوا توجروا،

الجواب:۔ درصورت مرقومہ امام بنانا اور مقرر کرنا نابینا کو کہ مرغ باز اور سننے والا راگ زنان فاحشہ کا ہو، موجب کراہت تحریمہ اور سبب گناہ کا ہے، پس ہرگز روا و درست نہیں امام بنانا اس کو کیونکہ وہ فاسق ہے، اور امام بنانے میں اس کی تعظیم اور بزرگی متصور ہوتی ہے، حالانکہ وہ قابل اہانت کے ہے، جناب مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بیچ تفسیر اپنی کے ارشاد فرماتے ہیں لا ینال عھدی الظالمین[2] یعنی نمی رسد عہدہ خدمت و منصب من بظالمان خواہ نبوت باشد و خواہ امامت و خواہ خلافت باشد خواہ ولایت بموجب شرع شریف

---

[1] خصی آدمی، اور جس کا آلہ تناسل کٹا ہوا ہو اور مخنث اجنبی عورت کی طرف دیکھنے کے بارے میں مرد ہی کی طرح ہیں۔

[2] یعنی میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا، یعنی ظالموں کو کوئی عہدہ خدمت و منصب خواہ نبوت ہو یا امامت و خلافت نہیں مل سکے گا، فاسق اگر زیادہ عالم ہو، تو بھی اس کو آگے کھڑا نہ کیا جائے، اس لئے کہ اس کو آگے کھڑا کرنے

ظالماں وفاسقاں را نباید داد تمام شد عبارت تفسیر عزیزی اما الفاسق الاعلم فلا یقدم لان فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیہم اہانتہ شرعا ومفادہ کراھۃ التحریم ابو السعود انتہی ما فی الطحطاوی حاشیۃ الدر المختار اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے شرح سفر السعادت میں ایک حدیث نقل کی ہے لا یؤمن فاجر مومنا ترجمہ یعنی امامت نہ کراوے فاجر فاسق مرد مسلمان دیندار کی، پس مرد مسلمان ذی اقتدار کو روا نہیں کہ امام مقرر کرے کسی فاسق فاجر کو واسطے منصب امامت کے۔

امام شعرانی کشف الغمہ میں فرماتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ امام بناؤ مرد نیک بخت کو کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیرا ما یقول اجعلوا ائمتکم خیارکم فانہم وفد کم فیما بینکم وبین ربکم انتہی ما فی کشف الغمۃ اور مشکوۃ شریف میں عبداللہ بن عمر سے روایت ہے، کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تین شخصوں کی نماز قبول نہیں ہوتی، ایک وہ شخص کہ نماز پڑھاتا ہو کسی قوم کو کہ وہ لوگ اس کو مکروہ جانتے ہوں اور بد جنسی اس کی سے ناخوش ہوں، اور دوسرا وہ شخص کہ نماز کو قضا کرتا ہو اور تیسرا وہ شخص کہ حر کو غلام بنایا ہو روایت کیا اس کو ابوداؤد وابن ماجہ نے عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثۃ لا تقبل منہم صلوتہم من تقدم قوما وھم لہ کارھون ورجل اتی الصلوۃ دبارا والدبار ان یاتیہا بعد ان تفوتہ ورجل اعتبد محررہ رواہ ابوداؤد وابن ماجہ کذا فی المشکوۃ، پس بموجب روایات فقہ وحدیث کے نابینا مذکور بالا کو امام مقرر کرنا ہمیشہ کو بہت برا اور قریب حرام کے ہے، صاحب مسجد پر فرض وواجب ہے کہ نابینا فاسق کو امام مسجد کا مقرر نہ کرے، اگر مقرر کرے گا گنہ گار ہوگا، کہ خلاف حکم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں لاوے گا، اور وبال نقصان نماز اور عدم ثواب جماعت کا اس پر ہوگا، وما علینا الا البلاغ۔ حررہ سید شریف حسین

سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱

شہاب الدین ۱۲۹۰ | غزنوی | محمد عبدالقادر ۱۲۸۸ | متوطن ٹونک | عبدالغفور ۱۲۸۸

محمد ظہیر الدین | محمد اسد علی ۱۲۸۱ | عنایت اللہ ۱۲۸۸ | محمد عبدالعزیز ۱۲۸۸ الہاشمی المنیری

خادم العلماء امین الدین فاروقی | محمود شاہ | سید قلندر علی | انبالوی | حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ

حفیظ اللہ ۱۲۸۸ | فاروقی فتحپوری | محمد عبدالعزیز | البجری آبادالغازی پوری | العبد محمد عبدالمالک

پس اس کی تعظیم ہے، اور شرعاً واجب ہے کہ اس کی توہین کی جائے، اور اس کا مطلب یہ ہوگا، کہ اس کو آگے کھڑا کرنا مکروہ تحریمی ہے

در برجندی[1] نوشته که مکروه است امامت فاسق معلن زیرا که اولیٰ بامامت اعلم است بعلم احکام نماز بشرط قدرت بر قرأت حسنه واجتناب از فواحش ظاهری بعده اورع بعده اسن غیر متغیر العقل بعده ارضی عند القوم وبقولی خوبتر و نیز مکروه است امامت نابینا و حرامزاده ومبتدع اگر بدعت او ویرا بکفر نرساند والا روا نه انتهی حاصل آنکه از عبارات تفسیرات واحادیث واز عبارات کتب فقه که معلوم می شود امام متقی باشد ومجتنب از فواحش ظاہری وبدعات تا امامت او در شرع شریف باتفاق علما درست وصحیح باشد فقط خادم شرع متین رکن الدین غفر الله عنه یوم الدین۔

یہ سب مرقومہ بالا صحیح ہے یعنی نماز پیچھے فاسق کے مکروہ تحریمی ہے اور اس کی امامت ممنوع ہے بلکہ جہاں کہیں فاسق نماز پڑھ رہا ہو وہاں سے دوسری جگہ جاکر نماز پڑھنی چاہیئے کما فی العالمگیریۃ الفاسق اذا کان یؤم الجمعۃ وعجز القوم عن منعہ قال بعضھم یقتدی بہ فی الجمعۃ ولا یترک الجمعۃ بامامتہ وفی غیر الجمعۃ ان یتحول الی مسجد اٰخر ولا یاثم بہ ھکذا فی الظہیریۃ یعنی فاسق جب امام ہووے امام جمعہ کا اور عاجز ہوں لوگ اس کے روکنے سے کہا بعض نے اس کے پیچھے نماز پڑھ لے جمعہ کی اور جمعہ نہ چھوڑے اس کی امامت کی جہت سے اور جو غیر جمعہ کی کوئی فاسق نماز پنجگانہ میں سے امامت کراوے تو دوسری مسجد میں جاکر نماز ادا کرے اور اس میں گنہ گار نہیں ہوتا انتہی اور حدیث صلوا[2] خلف کل بر وفاجر کی صحیح نہیں ہے کیونکہ صاحب سفر السعادت لکھتے ہیں کہ در باب صلوا خلف کل بر وفاجر حدیثے صحیح نہ شدہ پس قابل عمل کے نہیں ہے اور بالفرض اگر

---

[1] برجندی میں لکھا ہے کہ فاسق معلن کی امامت مکروہ ہے کیونکہ امامت کیلئے سب سے مناسب بڑا عالم ہے جو احکام نماز کا سب سے بڑا عالم ہو بشرطیکہ قرات اچھی طرح کرسکتا ہو اور ظاہری فواحش سے پرہیز کرتا ہو اس کے بعد جو اچھا قاری ہو اس کے بعد جو زیادہ پرہیزگار ہو اس کے بعد عمر رسیدہ بشرطیکہ اس کے ہوش وحواس درست ہوں اس کے بعد جس کو قوم زیادہ پسند کرے اور بعض کے نزدیک جو زیادہ خوبصورت اور امامت مکروہ ہے نابینا حرامزادہ اور بدعتی کی بشرطیکہ اس کی بدعت کفر تک نہ پہنچے ورنہ نماز درست نہ ہوگی حاصل یہ کہ کتب فقہ واحادیث وتفاسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ امام وہ ہو جو متقی ہو اور فواحش وبدعات سے مجتنب ہو۔ واللہ اعلم

[2] ہر نیک وبد کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو۔

ثابت ہے تو امر امامت کے لئے نہیں ہے کما ہو الظاہر بلکہ اشارہ طرف اسلام کے اس کے ہے [1] فی المعراج قال اصحابنا لا ینبغی ان یقتدی بالفاسق الا فی الجمعۃ لانہ فی غیرھا یجد اماما غیرہ بل مشی فی شرح المنیۃ علی ان کراھتہ تقدیمہ کراھتہ تحریم کذا فی شرح در المختار یعنی شامی شرح در مختار میں معراج سے نقل کیا ہے کہ کہا حنفیوں نے یعنی امام صاحب اور دونوں صاحبین نے لائق نہیں اقتدا فاسق کے پیچھے سوا جمعہ کے کیونکہ سوا جمعہ کے اچھا امام کہیں نہ کہیں مل جاوے گا اور کہا شامی نے اور شرح منیہ میں ہے کہ فاسق کا امام بنانا مکروہ تحریمی ہے انتہی اور لکھا ہے آیات الاحکام ترجمہ تفسیر احمدی والے نے بیچ اس آیت کے [2] ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم یعنی متقی اللہ کے نزدیک بزرگ اور مکرم ہے اس سے معلوم ہوا کہ عادل پرہیزگار کو تقدم ہے امامت کا غیر پرہیزگار عالی نسب سے انتہی العبد الضعیف محمد امیر یار خاں تھانوی۔

یہ مسئلہ اختلافی ہے اور احتراز میں احتیاط ہے خصوصاً فاسق معلن ہرگز امام الحی نہ بنایا جاوے حررہ عبد السمیع رامپوری عفی عنہ۔

متعین کردن شخصے فاسق برائے امامت ہرگز جائز نیست قریب بحرام است زیراکہ نماز خلف فاسق مکروہ تحریمی است چنانچہ در طحاوی مصرح است [3] اما الفاسق الاعلم فلا یقدم لان فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب اھانتہ شرعاً و مفاد ھذا کراھتہ التحریم فی تقدیمہ و در عالمگیریہ مذکور است الفاسق اذا کان یؤم یوم الجمعۃ وعجز القوم عن منعہ وقال بعضھم یقتدی بہ فی الجمعۃ ولا یترک الجمعۃ بامامتہ وفی غیر الجمعۃ یجوز ان یتحول الی مسجد اخر ولا یاثم بہ و در تعیین احرار بر فعل مکروہ

---

[1] ہمارے ساتھی کہتے ہیں کہ فاسق کی اقتدا جمعہ کے علاوہ نہیں کرنی چاہیے کیونکہ دوسری نمازوں میں تو اس کے علاوہ اور امام بھی مل جائیگا اور فاسق کو آگے کھڑا کرنا مکروہ تحریمی ہے [2] تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ پرہیزگار ہے [3] فاسق آدمی کو مقرر کرنا جائز نہیں بلکہ حرام کے قریب ہے کیونکہ فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے چنانچہ طحاوی میں تصریح ہے کہ فاسق اعلم کو کھڑا نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ یہ اس کی تعظیم ہے حالانکہ شرعاً اس کی توہین واجب ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو آگے کھڑا کرنا مکروہ تحریمی ہے عالمگیری میں ہے کہ فاسق اگر جمعہ کے دن نماز پڑھائے اور اس کو ہٹایا نہ جا سکتا ہو تو اس کے پیچھے جمعہ پڑھ لینا چاہیے اور دوسری نمازیں کسی اور مسجد میں جاکر پڑھ لینی چاہئیں۔

وتحریمی متضمن است واحراز منقضی تحریمہ است واللہ اعلم وعلمہ اتم [محمد عبد الباری] للہ در من اجاب حیث اصاب [محمد آل حسن امروہی] ہذا الجواب صحیح [محمد امداد العلی] العبد کریم بخش۔ الجواب صحیح احقر الزمن احمد حسن۔ حقیقت میں فاسق کو امام بنانا برا ہے عبد اللہ عفی عنہ ہذا الجواب صحیح محمد رافت علی۔ امام ساختن شخص فاسق را مکروہ تحریمی است[1] لو قدموا فاسقا یاثمون بناء علی ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریم کبیری واما الفاسق فقد عللوا کراھۃ تقدیمہ بانہ لا یھتم بامر دینہ وبان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعا رد المختار مفاد ھذا کراھۃ التحریم فی تقدیمہ طحطاوی اما نماز خواندن خلف فاسق مکروہ تنزیہی است نہ مکروہ تحریمی وکسیکہ تحریمی گفتہ در تقدیم وتقدم فرقے نفہمیدہ ویکرہ تنزیہا امامۃ عبد واعرابی وفاسق در مختار قولہ یکرہ تقولہ فی الاصل امامۃ غیرھم احب الی بحر عن المجتبی والمعراج ثم قال فیکرہ لھم التقدم والاقتداء بھم تنزیہا فان امکن الصلوۃ خلف غیرھم فھو افضل والا فالاقتداء اولی من الانفراد درمختار ولو صلی خلف مبتدع او فاسق فھو محرز ثواب الجماعۃ لکن ینال لا مثل ماینال خلف تقی کذا فی الخلاصۃ عالمگیریۃ وکیف وقد صلی الصحابۃ والتابعون خلف الحجاج وفسقہ مالا یخفی کبیری قال عن المحیط وھکذا فی البحر الرائق والنھر الفائق وفتح القدیر وجوھرۃ نیرۃ ولو تقدموا جاز لحدیث صلوا الخ ھدایۃ واللہ اعلم وعلمہ اتم کتبہ احمد حسن عفی عنہ پنجابی مدرس مدرسہ عربی سہارنپور۔ اس زمانہ میں مقرر کرنا امام کا جماعت کے اختیار ہے اور حاکم کو اس میں کچھ مداخلت نہیں تو اب امام ہونا فاسق کا بہ تغلب ممکن نہیں اگر فاسق کو امام مقرر کریں گے تو باختیار کریں گے اور یہ مقرر کرنا فاسق کو امام مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے ویکرہ تقدیم العبد بعد اس کے کہا والفاسق لانہ لا یھتم لامر دینہ ولان فی تقدیم ھولاء

---

[1] فاسق کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے اگر فاسق کی اقتدا کریں گے تو گنہگار ہوں گے کیونکہ فاسق دینی امور کی تعظیم نہیں کرتا ایسے شخص کی توہین کرنا شرعاً واجب ہے اور اس کو امام بنانے میں اس کی تعظیم ہے طحطاوی میں ہے کہ فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے مکروہ تحریمی نہیں جو لوگ مکروہ تحریمی کہتے ہیں انہوں نے تقدیم اور تقدم کا فرق نہیں سمجھا (یعنی کسی کو خود امام بنانا اور کسی مقرر امام کے پیچھے نماز پڑھنے میں بڑا فرق ہے) غلام، بدوی اور فاسق کی امامت مکروہ تنزیہی ہے اگر ان کے سوا کوئی اور امام مل جائے تو بہتر ہے ورنہ اکیلے نماز پڑھنے سے ان کے پیچھے پڑھ لینا بہتر ہے اگر ان کے پیچھے نماز پڑھ لے گا تو اسے جماعت کا ثواب مل جائیگا کیونکہ صحابہ حجاج کے پیچھے نماز پڑھتے رہے ہیں حالانکہ اس کا فسق ظاہر ہے [2] فاسق دینی امور کی تعظیم نہیں کرتا اس کو امام مقرر

تنفیر الجماعۃ فیکرہ وان تقدموا جاز لقولہ علیہ السلام صلوا خلف بر وفاجر اور کبیری میں ہے ویکرہ تقدیم الفاسق لتساھلہ بالامور الدینیۃ وان تقدموا جاز یعنی جازت الصلوۃ وراءھم مع الکراھۃ ولا تفسد وفی الفاسق خلاف مالک فان عندہ لا تصح امامتہ والاقتداء بہ وکذا عند احمد فی روایۃ اور یہ بھی اسی میں ہے وفیہ اشارۃ الی انہ لو قدموا فاسقا یأثمون بناء علی ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریم اور یہ جواز مع الکراہت درصورت تقدم ہے مطلق کراہت مروی ہے اور مراد اس سے تحریمی ہوتی ہے اور جنہوں نے قید تنزیہی کی لگائی ہے جیسے درالمختار میں ہے ویکرہ تنزیھا امامۃ عبد والعلۃ ما تقدم من تقدم الجہل الاصلی اذ الکراھۃ تنزیہیۃ وفاسق ان لوگوں نے اس کی علت میں صلوۃ سلف کی ظلمہ کے پیچھے جیسے حجاج وغیرہ کی مثال دی ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ کراہت تنزیہی درصورت ضرورت ہے کہ امام کو بدل نہیں سکتے ترک جماعت کر نہیں سکتے اور دونوں صورتوں میں ظن فتنہ کا ہے اور یہ صورت اس زمانہ میں مفقود اور مطلق صلوۃ خلف الفاسق میں قید خوف فتنہ کی لگ گئی ہے اور اگر تحرز ممکن ہو تو اس سے تحرز کرے جیسا کبیری میں ہے لکن قال اصحابنا لا ینبغی ان یقتدی بہ الا فی الجمعۃ للضرورۃ فیھا بخلاف سائر الصلوۃ للتمکن فی التحول الی مسجد اٰخر فیھا سوی الجمعۃ اور آگے بڑھ کر جواز تعدد جمعہ کا ذکر کیا اور اس عذر کو بھی دفع کیا غرضکہ اس سے بخوبی واضح ہو گیا کہ بے ضرورت اور بدون کسی حرج کے نماز فاسق کے پیچھے مکروہ تحریمی ہے اور اس سے بچنا چاہیئے اور بضرورت خوف فتنہ مکروہ تنزیہی ہے اور اگر اتفاقاً کوئی فاسق کہیں امام ہو گیا یا کسی نے جہل کے سبب اس کو امام مقرر کر لیا تو جماعت کو لازم ہے کہ اس کو بدل دیں ورنہ تقدیم فاسق کی ان کے ذمہ لازم ہے اور اگر بدل نہیں سکتے تو کسی اور جگہ جا کر نماز پڑھ لیا کریں جیسا اوپر گذرا [محمد یعقوب] مدرس مدرسہ دیوبند عربی

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ [محمد عبد الرب]

ماحصل جواب مجیب ثانی کے سے تطبیق دونوں قولوں کی یعنی مکروہ تحریمیہ و مکروہ تنزیہیہ والی خوب ثابت ہوئی

کرنے سے جماعت متنفر ہو جائے گی ہاں اگر پہلے سے کوئی فاسق پڑھ رہا ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھ لینی چاہیے لے فاسق کے پیچھے نماز مع الکراہت جائز ہے نماز فاسد نہیں ہوگی امام مالک اور احمد بن حنبل کے نزدیک فاسق کی اقتدا حرام ہے ۲ے اگر فاسق کو خود آگے کھڑا کریں تو گنہگار ہونگے کیونکہ اس کی اقتداء مکروہ تحریمی ہے ۳ے غلام کی امامت تنزیہی ہے کیونکہ اصل اہلیت آزاد کا حق ہے ۴ے ہمارے ساتھی کہتے ہیں کہ جمعہ کے علاوہ فاسق کے پیچھے اور کوئی نماز نہیں پڑھنی چاہیے کیونکہ دوسری نمازیں کسی اور مسجد میں بھی جاکر پڑھی جاسکتی ہیں۔

حق یہ ہے کہ معنے یہ ہے کہ بلا ضرورت اگر فاسق کے پیچھے نماز پڑھیں تو مکروہ تحریمیہ ہے ورنہ تنزیہہ اور ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں کچھ ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس مسجد میں نہ پڑھے دوسری میں پڑھے اور بھی اہل مسجد کو اختیار ہے کہ امام کو بدل دیں پس باوجود ان سب اختیارات کے جو کوئی امام فاسق کے پیچھے ہمیشہ نماز پڑھے وہ بلا شبہ مکروہ تحریمیہ ہے الجواب صحیح محمد نور اللہ متوطن گلاوٹی ابوالبرکات سید احمد عفی عنہ مدرس مدرسہ عربی دیوبند۔ اصاب من اجاب محمد محمود دیوبندی عفی عنہ ۔ حیدر علی ۱۲۸۴

محصول قول ماحصل کا صحیح ہے کہ فاسق کو امام کرنا کچھ ضرور نہیں متقی شخص ہونے کے واسطے اس کے امام کرنے میں اس کی تعظیم ہوتی ہے اور واجب ہے مسلمانوں پر اہانت کرنی اس کی از روئے شرع کے چنانچہ یہ بات کتب فقہ سے ثابت ہے کہ امامت غلام اور اعرابی اور فاسق اور نابینا کی مکروہ ہے مگر کہ یہ لوگ سوائے فاسق کے اعلم قوم ہوں اور فاسق اگر اعلم قوم ہو تو بھی اسے امام نہ کرنا چاہیئے کہ اس کی امامت میں تعظیم و توقیر ہے اور تحقیق واجب ہے لوگوں پر اہانت کرنی اس کی پس اس مضمون سے کراہت تحریمی صاف معلوم ہوئی جیسے کہ عبارت در المختار اور طحطاوی حاشیہ[۱] اس کے سے صاف معلوم ہوتا ہے عبارتھما الا ان یکون ای غیر الفاسق اعلم القوم فھو اولی کذا فی الدر المختار قولہ الا ان یکون ای غیر الفاسق وھو العبد والاعمی والاعرابی الفاسق الاعلم فلا یقوم لان فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعا ومفادہ ھذا الکراھتہ کراھتہ تحریم کذا فی الطحطاوی فقط حررہ سید عبدالحمید عفی عنہ یکے از طالبعلمان مدرسہ کلکتہ وارد حال مظفر نگر و کھاتولی۔

البتہ نماز پڑھنی پیچھے ایسے شخص کے جو فاسق ہووے اور علانیہ فسق کرتا ہو مثل راگ مزامیر یا رنڈی کی زبان سے یا بھنگڑ یا شرابی یا گور پرست یا تعزیہ بنانے والا ہووے یا ان لوگوں میں شامل رہتا ہے یعنی اس میں مدد کرتا ہے البتہ ایسے شخصوں کے پیچھے نماز درست نہیں فتاوی تمرتاشی ۹۸ صفحہ میں ہے ولو کان اماما فاسقا لا یجوز اقتدائہ[۲] اور فتاوے کاشانی کے ۱۰۹ صفحہ میں ہے۔ ولو کان اھل السکر واھل الفسق لا یجوز الصلوۃ عقیبہ ہر انسان دیندار کو مناسب ہے کہ امام دیندار اور متقی صاحب ورع کو بنا دیں حررہ فقیر محمد رمضان ساکن قصبہ بوڑیہ۔ ہذا الجواب صحیح فقیر اللہ داد ساکن قندھار

---

[۱] اگر فاسق کے علاوہ اور لوگ یعنی غلام نابینا اور اعرابی زیادہ عالم ہوں تو وہ فاسق سے بہتر ہے کیونکہ فاسق کو امام بنانے سے اس کی عزت ہو گی حالانکہ اس کی توہین ہونی چاہیئے اور اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ [۲] اگر امام فاسق ہو تو اس کی اقتداء جائز نہیں۔

سوال:- ایک شخص تاڑی پیتا ہے، اور قمار باز اور زناکار و افیون کھاتا ہے، اور اپنی عورت کو پردہ میں نہیں رکھتا ہے، ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:- شخص مذکور تاڑی پینے والا، قمار باز، زناکار، افیون کھانے والا مرتکب گناہ کبیرہ ہے، اور دیوث اور بے حیا، کہ زوجہ اپنی کو پردہ میں نہیں رکھتا۔ الدیوث[1] ھو من لا یغار علی امرأتہ او محرمہ کذا فی کتب الفقہ والحدیث اور شخص مذکور کو امام بنانا درست نہیں کہ وہ واجب الاہانت ہے، اور امامت میں اس کی تعظیم پائی جاتی ہے، تو دیدہ و دانستہ امام بنانا اس کا گناہ ہوگا اما[2] الفاسق فلا یقدم لان فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیہم اہانتہ شرعا ومفادہ کراہۃ التحریم اھ ابو السعود کذا فی الطحطاوی وغیرہ من کتب الفقہ۔ اور اس کے گھر کا کھانا کھانا ممنوع ہے، اس واسطے کہ مال اس کا کسب حرام سے حاصل ہوا اور فاسق معلن ہے پس بسبب ان دو وجہ کے دعوت اس کی یا ہدیہ اس کا درست نہیں ولا یجیب[3] دعوۃ الفاسق المعلن لیعلم انہ غیر راض بفسقہ وکذا دعوۃ من غالب مالہ حرام ما لم یخبر انہ حلال او بالعکس ما لم یتبین انہ حرام واکل الربو وکاسب الحرام لو اھدی الیہ او اضافہ وغالب مالہ حرام لا یقبل ولا یاکل الی اخر ما فی الطحطاوی والعالمگیریۃ وغیرہما من کتب الفقہ واللہ اعلم بالصواب

حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ　　　سید محمد نذیر حسین

سوال:- شخصے خوانندہ سحر آموزید، و برائے آن نزد بت رفتہ سجدہ نمودہ و روغن سیاہ و سیندور بر آن بت انداختہ از آن قشقہ بر پیشانی خود کشیدہ و تا بست و دو روز نزد آن بت معتکف نشستہ و در منتر خوانی مشغول ماندہ، چونکہ مسلمانان را بر آن اطلاع گردید و از زجر و ملامت

---

[1] دیوث وہ ہے، جو اپنی عورت یا اپنی محرم عورتوں پر غیرت نہ کرے، کتب فقہ وحدیث میں اس کی یہی تعریف ہے

[2] فاسق کو آگے نہیں کھڑا کرنا چاہیئے، کیونکہ اس میں اس کی تعظیم ہے، اور شرعا اس کی اہانت واجب ہے، اس کا مطلب یہ ہے، کہ اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے

[3] کھلے ہوئے فاسق کی دعوت قبول نہیں کرنی چاہیئے تاکہ اسے معلوم ہو، کہ اس کے فسق کی وجہ سے اس سے ناراض ہے، اور ایسے ہی جس کا مال اکثر حرام ہو اور یہ بھی تصریح نہ کرے، کہ یہ دعوت حلال مال سے ہے، یا سود کھانے والا ہو یا حرام کمائی کرنے والا ہو ان کی دعوت قبول نہ کی جائے اور اسی طرح ان کا ہدیہ بھی قبول نہ کیا جائے۔

سوال:- ایک پڑھے لکھے آدمی نے جادو کا علم سیکھا، اور اس کے حصول کے لئے بت کو جا کر سجدہ کیا

گردند که این چه نادانی نمودی، گفته که سر گناه از خواندن کلمه پنجم رفع می گردد خواهم خواند و حال آنکه مسئول الیه بر همان فعل خود ثابت است و باز دیگران را تعلیم سحر می کند و تحریص بر پرستش پیران می کند آیا پس او نماز خواندن درست است یا نه بینوا توجروا۔

الجواب: در صورت مسئول عنها باید دانست، که نماز پس آن شخص هرگز جائز نیست، بلکه او کافر است، زیرا که کننده سحر کافر می شود، چنانکه حضرت شاه عبد العزیز صاحب محدث دهلوی قدس سره در تفسیر خود ارقام می فرمایند، عبارته هکذا باید دانست، که حکم سحر مختلف است اگر در سحر قولے یا فعلے که موجب کفر باشد، مثل ذکر نام بتان و ارواح خبیثه به تعظیمے که شایان حضرت رب العزت است، مثل اثبات عموم علم و قدرت و غیب دانی و مشکل کشائی یا ذبح لغیر الله یا سجده لغیر الله وغیر ذلک واقع شود بلاشبه آن سحر کفر است و صاحب آن مرتد می شود، و هم چنین کسے که این نوع سحر برائے مطلبے از مطالب خود بکناند دیده و دانسته کافر می گردد و احکام ارتداد برو جاری است، اگر مرد است او را سه روز مهلت باید داد تا توبه کند، و از ان قول و فعل تبرا نماید، و بعد از سه روز اگر توبه از وے درست نه شد او را باید کشت انتهی ما فی فتح العزیز و هم چنین در تفسیر مدارک نوشته است۔ قال الشیخ ابو منصور رحمۃ الله علیه القول بان

تیل اور سیندور بت پر لگایا، اور اس سے اپنی پیشانی پر قشقہ لگایا، اور بائیس روز تک اس بت پر معتکف رہا، منتر پڑھتا رہا، جب مسلمانوں کو اس کی اطلاع ہوئی، تو اس کو ملامت کی، کہ یہ کیا بے ذوقی کر رہا ہے، اس نے کہا، کہ پانچویں کلمہ کے پڑھنے سے تمام گناہ بخشے جاتے ہیں، میں وہ پڑھ لوں گا اور حالت اس کی اسی طرح ہے، اب لوگوں کو جادو کی تعلیم دیتا ہے، اور پیروں کی پرستش کی ترغیب دیتا ہے، اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں۔

الجواب:۔ یہ آدمی بالکل کافر ہے، اس کے پیچھے کبھی نماز نہیں پڑھنی چاہیئے، شاہ عبد العزیز اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں، جادو کا حکم مختلف ہے، اگر سحر قولی یا فعلی میں بتوں اور ارواح خبیثہ کے نام تعظیم سے لئے جائیں، یا ان میں خداوندی صفات مانی جائیں، مثلاً علم، قدرت، غیب دانی، مشکل کشائی وغیرہ یا ان کو سجدہ کیا جائے، یا ان کی نذر دی جائے، یا ان کے نام پر ذبح کیا جائے، تو ایسا جادو کفر ہے، اور ایسا جادو کرنے والا مرتد ہے اور اگر کوئی آدمی ایسا جادو اپنے مطلب کے لئے کسی سے دیدہ و دانستہ کرائے، تو وہ بھی کافر ہے، اس پر مرتد کے احکام جاری ہوں گے اگر مرد ہے، تو اس کو تین دن کی مہلت دی جائے، کہ توبہ کرے، اور اگر تین روز کے بعد بھی توبہ نہ کرے، تو اس کو قتل کر دینا چاہیئے،

تفسیر مدارک میں ہے، مطلقاً جادو کو کفر کہہ دینا غلطی ہے، اگر اس میں ایمان کے لوازمات کا رد ہو، تو کفر ہے

السحر کفر علی الاطلاق خطأ بل یجب البحث عن حقیقتہ فان کان فی ذلک رد ما لزم فی شرط الایمان فھو کفر والا فلا ثم السحر الذی ھو کفر یقتل علیہ الذکور دون الاناث وما لیس بکفر وفیہ اھلاک النفس ففیہ حکم قطاع الطریق ویستوی فیہ الذکور والاناث وتقبل توبتہ اذا تاب انتہی ما فی مدارک التنزیل وحقائق التاویل قال البغوی السحر وجودہ حق عند اھل السنۃ ولکن العمل بہ کفر کذا فی تفسیر المظھری واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ سید محمد شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید حافظ قرآن ہے، اور اس میں علامات خنثی کے پائے جاتے ہیں، جیسے محتلم کبھی نہ ہونا اور نشان مردانیت کے معدوم ہونا، چنانچہ داڑھی مونچھ بالکل نہیں ہے، اور آلہ رجولیت بھی نہیں معلوم ہوتا، اور بدزبانی غایت درجہ کی ہے، اور بدعتی ہر شخص کو کہنا گویا معمولی بات ہے، کسی کو بدعت سے ان کے بیان بوجب مخلصی نہیں ہے، اور ظہر کی اذان بارہ بجے، کبھی بارہ بجنے کو باقی رہتے ہیں، کہہ دیتا ہے اور امامت کا شوق ایسا ہے، کہ چاہے کوئی عالم ہو یا قاری بغیر پوچھے مثل امام بن جاتا ہے اور گالیاں اکثر ہر کس وناکس کو دیتا ہے، اور دونوں آنکھ کا اندھا ہے، ایسے شخص کو امام مقرر کرنا، یا اس کا خود بن جانا شرعاً بلا کراہت جائز ہے یا نہیں، اور تقدیر ثانی پر اس کا کیا حکم ہے؟

سوال دوم:۔ اسی زید نے ہندہ بڑھیا کے استاد کو جس سے اس نے قرآن شریف حفظ کیا تھا، اور بار بار اس استاد کو سنایا تھا، اور برابر اس کے یہاں آتی جاتی تھی، ہندہ سے جدا کرنے و ترک ملاقات کا حکم مستحکم دیا ہے کہ ہندہ کو سخت پریشان کیا ہے، تو آیا مابین استاد و شاگرد ترک موانست وحرمت ملاقات کا فتوی حق ہے یا ناحق، بینوا توجروا

الجواب:۔ زید مذکور اگر خنثی مشکل ہے، تو اس کو امام مقرر کرنا، یا اس کا از خود امام بن جانا ناجائز وناردرست ہے، اور خنثی مشکل اس شخص کو کہتے ہیں، جس میں آلہ رجولیت وانوثیت دونوں موجود ہوں، یا دونوں میں سے کوئی موجود نہ ہو اور زید کا خنثی مشکل ہونا، یا تو خود اس کے

ورنہ نہیں، اور سحر کفر پر مرد جادوگر کو قتل کیا جائے گا، اور اگر کفر نہیں، لیکن اس سے کوئی آدمی مر سکتا ہے تو ایسے جادوگر کا حکم ڈاکو کا ہے، اور اس میں مرد وعورت برابر ہیں، اس کی توبہ قبول کی جائے گی، بغوی نے کہا جادو حق ہے، اور اس پر عمل کرنے والا کافر ہے۔

اقرار سے ثابت ہوگا، یا مشاہدہ سے یعنی آلہ رجولیت وآلہ انوثت دونوں موجود ہونا، یا دونوں میں سے کسی کا نہ ہونا مشاہدہ سے معلوم ہوا ہو، اور اگر مشاہدہ سے اس کا خنثے مشکل ہونا معلوم نہ ہو، اور وہ اپنے خنثے مشکل ہونے کا اقرار بھی نہ کرتا ہو، بلکہ اپنے کو مرد کہتا ہو، تو بمجرد داڑھی مونچھ نہ ہونے کے اور بعض دیگر قرائن مذکورہ ظنیہ سے وہ خنثے مشکل قرار نہیں دیا جاسکتا، بلکہ اس صورت میں مطابق اس کے قول کے وہ مرد ہی قرار دیا جاوے گا، ہدایہ میں لکھا ہے کہ خنثے مشکل جب بالغ ہو، اور اس کا پستان برابر رہے، اور عورتوں کی طرح بلند نہ ہو، تو وہ مرد ہے کیونکہ بالغ ہونے کے بعد پستان کا برابر رہنا مرد ہونے کی علامت ہے وا[1] ذا ابلغ الخنثی وخرجت لحیتہ او وصل الی النساء فھو رجل وکذا اذا احتلم کما یحتلم الرجل او کان لہ ثدی مستو لان ھذہ من علامات الذکران کذا فی الھدایۃ، پس اگر زید مذکور کا پستان مردوں کی طرح برابر ہے، تو مطابق قول صاحب ہدایہ کے، وہ مرد ہے خلاصہ یہ کہ زید مذکور اگر در حقیقت خنثے ہے، تو اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے، اور اگر خنثے نہیں ہے، بلکہ مرد ہے تو اس کے پیچھے نماز جائز ہے، مگر جب کہ اس سے اچھا اور بہتر کوئی اور شخص موجود ہو، تو اس کے ہوتے ہوئے زید مذکور امام بنانا نہیں چاہیئے اور نہ اس کو از خود امام بننا چاہیئے، بالخصوص جب کہ لوگ اس کی امامت سے ناخوش ہوں،

جواب سوال دوم:۔ ماہین ہندہ بڑھیا اور اس کے استاد کے ترک موانست وحرمت ملاقات کا فتوے دینا ناحق ہے، بشرطیکہ ملاقات میں کسی قسم کے فتنہ کا خوف نہ ہو، اور اگر ہو تو حق ہے۔ واللہ تعالٰے اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مدرک رکوع کی رکعت ہوتی ہے یا نہیں استدلال سندل ابوہریرۃ کی ان دو روایتوں سے ہے من[2] فاتتہ قرأۃ القرآن فقد فات خیرا کثیرا۔ واذ[3] جئتم الی الصلوۃ ونحن سجود فاسجدوا ولا تعدوھا شیئا ومن ادرک رکعۃ من الصلوۃ فقد ادرک الصلوۃ، سو تدل

---

[1] جب خسرہ بالغ ہو جائے، اور اس کی داڑھی نکل آئے، یا عورت سے مجامعت کرے، تو وہ مرد ہے، اور اسی طرح جب مردوں کی طرح اسے احتلام ہو جائے، یا اس کی چھاتی مردوں کی طرح صاف ہو تو یہ مرد ہونے کی علامتیں ہیں

[2] جس سے قرآن کی قرات فوت ہو گئی، اس سے بہت سی بھلائی چلی گئی [3] جب تم نماز کو آؤ اور ہم سجدہ کی حالت میں ہوں تو تم بھی سجدہ میں شامل ہو جاؤ، اور اس کو رکعت نہ گنو، اور جس نے جماعت کی ایک رکعت بھی پالی، اس نے جماعت کا ثواب پالیا

کا استدلال ان دونوں روایتوں سے صحیح ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ مدرک رکوع کی رکعت نہیں ہوتی، اس لئے کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔ قال[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ لمن لم یقرا بفاتحۃ الکتاب متفق علیہ۔ اور جزء القراءۃ للامام البخاری میں ابوہریرہ رضہ سے مروی ہے۔ ان[2] ادرکت القوم رکوعا لم تعتد بتلک الرکعۃ یعنی اگر تم قوم کو رکوع میں پاؤ، تو اس رکعت کو شمار نہ کرو، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔ ھذا ھو المعروف عن ابی ھریرۃ موقوفا واما المرفوع فلا اصل لہ یعنی یہ روایت ابوہریرہ رضہ سے موقوفا معروف ہے لیکن یہ روایت مرفوعا بے اصل ہے، اور ابوہریرہ کی دونوں روایت مذکورہ سے استدلال صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ ان دونوں روایتوں میں رکعت ہونے نہ ہونے کا ذکر نہیں ہے، بلکہ مسکوت عنہ ہے، پس ان دونوں روایتوں کو ان روایات کی طرف پھیرنا چاہیئے، جن میں صراحتہ مذکور ہے، کہ وہ رکعت نہیں ہوتی ہے، علاوہ بریں حدیث من ادرک رکعۃ الخ میں رکعت سے رکوع مراد لینا جائز نہیں کیونکہ یہ معنی مجازی ہیں، اور لفظ کا معنے مجازی مراد لینا بلا قرینہ کے جائز نہیں، اور اس حدیث میں کوئی قرینہ نہیں ہے، اور ساتھ اس کے یہ حدیث ضعیف بھی ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

کتبہ عبد الرحمٰن گورکھپوری عفا اللہ عنہ | سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد میں نماز مغرب با جماعت ہو چکی ہے، جب وقت قضا ہوا، اور عشاء کی نماز کا وقت آگیا، تو دو شخص اس مسجد میں آئے، اور مغرب کی نماز قضا با جماعت مع اذان و اقامت کے پڑھی، ایسی صورت میں ان کو نماز قضا با جماعت پڑھنی چاہیئے ساتھ اذان و اقامت کے یا بغیر جماعت کے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ کسی مسجد میں نماز جماعت کے ساتھ ہو چکی تھی، تو اس میں پھر اس نماز کو یا اس کی قضا کو جماعت سے پڑھنے کی ممانعت ثابت نہیں ہے، بلکہ جواز ثابت ہے، ابوداؤد و ترمذی میں ابوسعید سے مروی ہے[3] ان رجلا دخل المسجد وقد صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باصحابہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یتصدق علی

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے الحمد نہیں پڑھی، اس کی نماز نہیں ہے۔ [2] اگر تو جماعت کو رکوع کی حالت میں پائے، تو اس رکعت کو شمار نہ کرنا۔ [3] ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا، جماعت ہو چکی تھی آپ نے فرمایا کوئی اس پر صدقہ کرے، اور اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھے، تو ایک آدمی نے اٹھ کر اس کے ساتھ نماز پڑھی۔

هذا فيصلي معه فقام رجل من القوم فصلى معه نیل الاوطار میں ہے وقد استدل[1] الترمذی بهذا الحديث على جواز ان يصلي القوم جماعة في مسجد قد صلى فيه قال وبه يقول احمد واسحاق اھ تعلیق المغنی علی الدار قطنی میں ہے ان تكرار الجماعة في المسجد الذي قد صلى فيه مرة واحدة او اثنتين او ثلاثة او اكثر من ذلك بلا كراهة جائز وعمل على ذلك الصحابة والتابعون ومن بعدهم واما القول بالكراهة فلم يقم دليل عليه بل هو قول ضعيف انتهى پس صورت مسئولہ میں ان کو نماز با جماعت پڑھنی چاہیئے، رہی یہ بات کہ اذان و اقامت ہو یا نہ ہو، سو واسطے جماعت ثانیہ کے لئے اذان کا ہونا اس مسجد میں جس میں پہلی جماعت کے لئے اذان ہو چکی ہو کسی حدیث مرفوع سے ثابت نہیں ہوتا، ہاں فعل حضرت انس رض سے ثابت ہوتا ہے، کہ ہونا چاہیئے صحیح بخاری میں ہے۔ جاء انس رض الى مسجد قد صلى فيه فاذن واقام وصلى جماعة رواه البخاری معلقا۔ یعنی حضرت انس ایک مسجد میں آئے، جس میں نماز ہو چکی تھی پس اذان دی اور اقامت کہی اور جماعت سے نماز پڑھی، اور قضا فوایت کی جماعت کے لئے اذان کا ہونا حدیث مرفوع سے ثابت ہے، چنانچہ حدیث ليلة التعريس وحدیث یوم الخندق میں مصرح ہے۔ فامر بلالا فاذن واقام۔ نیل الاوطار میں ہے[2] استدل بالحديث على مشروعية الاذان والاقامة في الصلوة المقضية وقد ذهب الى استحبابها في القضاء الهادي والقاسم والناصر وابو حنيفة واحمد بن حنبل وابو ثور عالمگیریہ میں ہے من فاتته صلوة في وقتها فقضاها اذن لها واقام واحدا كان او جماعة كذا في المحيط۔ اور یہ حکم عام ہے اس سے کہ جس مسجد میں قضا فوایت ہوتی ہے، اذان ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو، تاکہ یہ نماز قضا موافق ادا کے ہو واللہ اعلم۔ حرره محمد عبد الحق ملتانی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

---

[1] ترمذی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے، کہ جس مسجد میں جماعت ہو جائے، اس میں کوئی قوم دوبارہ جماعت کرا سکتی ہے امام احمد اور اسحاق کا یہی مذہب ہے [2] جس مسجد میں جماعت ہو چکی ہو، اس میں دو یا تین یا زیادہ مرتبہ جماعت کی تکرار بلا کراہت جائز ہے، اسی پر صحابہ، تابعین اور بعد کے لوگوں کا عمل رہا ہے، اور مکروہ کہنے کی کوئی دلیل نہیں ہے اور یہ قول ضعیف ہے۔

[3] بلال کو حکم دیا، اس نے اذان کہی اور تکبیر پڑھی ۔ اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے، کہ جماعت ہو جانے کے بعد اذان اور اقامت مشروع ہے، امام ابو حنیفہ، ناصر، قاسم، ہادی، احمد بن حنبل اور ابو ثور اس کو مستحب جانتے ہیں۔

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جواز تکرار جماعت مسجد واحد میں حدیث صحیح سے ثابت ہے یا نہیں، اور فقہائے حنفیہ کی اس میں کیا رائے ہے۔

الجواب :- بلا شک و شبہ فضیلت و ثواب جماعت اولیٰ کا زیادہ ہے، بہ نسبت جماعات اخری کے، مگر اس سے یہ بات لازم نہیں آتی ہے، کہ تکرار جماعت بعد جماعت اولیٰ ناجائز ہو جاوے، اور کراہت بھی اس کی کسی حدیث سے ثابت نہیں، بلکہ جواز تکرار جماعت فی مسجد واحد حدیث صحیح سے ثابت ہے، اور صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کا اس پر عمل بھی رہا ہے، دیکھو روایت کی ابوداؤد نے سنن میں۔ باب[1] فی الجمع فی المسجد مرتین۔ حدثنا موسی بن اسمعیل ثنا وھیب عن سلیمان الاسود عن ابی المتوکل عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابصر رجلا یصلی وحدہ فقال الا رجل یتصدق علی ھذا فیصلی معہ۔ یعنی ابوسعید خدری رض سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اکیلے نماز پڑھتے دیکھا، تو فرمایا کیا کوئی شخص اس کو صدقہ نہیں دیتا یعنی جو اس کے ساتھ نماز پڑھے، گویا چھبیس نمازوں کا ثواب اسے صدقہ میں دیا، اس واسطے کہ جماعت سے نماز پڑھنے میں ستائیس نمازوں کا ثواب لکھا جاتا ہے۔

اور روایت کیا ترمذی نے باب ما جاء فی الجماعۃ فی مسجد قد صلی فیہ مرۃ۔ عن ابی سعید قال جاء رجل وقد صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ایکم یتجر علی ھذا فقام رجل وصلی معہ وفی الباب عن ابی امامۃ وابی موسی والحکم بن عمیر قال ابوعیسی وحدیث ابی سعید حدیث حسن۔ یعنی روایت ہے، ابوسعید سے کہ آیا ایک شخص اور نماز پڑھ چکے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کون تجارت کرتا ہے اس شخص کے ساتھ، یعنی اس کے ساتھ شریک ہو جاوے، تو جماعت کا ثواب دونوں پاویں، سو کھڑا ہوا ایک مرد اور نماز پڑھ لی اس کے ساتھ، اور مسند امام احمد بن حنبل میں ہے عن ابی امامۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رای رجلا یصلی وحدہ فقال الا رجل یتصدق علی ھذا فیصلی معہ فقام رجل فصلی معہ فقال ھذان جماعۃ کذا فی فتح

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آدمی کو اکیلے نماز پڑھتے دیکھا، تو آپ نے فرمایا کیا کوئی ہے جو اس آدمی پر صدقہ کرے، اور اس کے ساتھ نماز پڑھے، ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھی، آپ نے فرمایا یہ دونوں جماعت ہیں۔

الباری شرح صحیح البخاری۔ اور ایک روایت میں سند کے اس لفظ کے ساتھ وارد ہے صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باصحابہ الظہر فدخل رجل وذکر کذا فی المنتقی اور کہا حافظ جمال الدین زیلعی نے تخریج احادیث ہدایہ میں ورواہ ابن خزیمۃ وابن حبان والحاکم فی صحاحہم قال الحاکم حدیث صحیح علی شرط مسلم ولم یخرجاہ انتہی

اور روایت کیا دارقطنی نے سنن مجتبے میں عن[1] محمد بن الحسن الاسدی عن حماد بن سلمۃ عن ثابت عن انس ان رجلا جاء وقد صلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقام یصلی وحدہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یتجر علی ھذا فیصلی معہ کہا زیلعی نے اس حدیث دارقطنی کے بارے میں وسندہ جید انتہی اور بھی روایت کیا دارقطنی نے عن[2] عصمۃ بن مالک الخطمی قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد صلی الظہر وقعد فی المسجد اذ دخل رجل یصلی فقال علیہ السلام الا رجل یقوم فیتصدق علی ھذا فیصلی معہ۔ اور یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے، مگر چنداں مضر نہیں، کیونکہ طرق متعددہ سے یہ حدیث ثابت ہے، اور روایت کیا بزار نے مسند میں حدثنا احمد ثنا ابو جابر محمد بن عبد الملک ثنا الحسن بن ابی جعفر عن ثابت عن ابی عثمان عن سلمان ان رجلا دخل المسجد والنبی صلی اللہ علیہ وسلم قد صلی فقال الا رجل یتصدق علی ھذا فیصلی معہ کذا فی نصب الرایۃ للحافظ الزیلعی اور یہ شخص جو شریک ہوئے اس شخص کے ساتھ نماز میں وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے کہا حافظ زیلعی نے وفی روایۃ البیہقی ان الذی قام فصلی معہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور کہا علامہ جلال الدین سیوطی نے قوت المغتذی میں قال[3] ابن سید الناس ھذا الرجل الذی قام معہ ھو ابوبکر الصدیق رواہ ابن ابی شیبۃ عن الحسن مرسلا انتہی پس ثابت ہوا کہ مسجد واحد میں تکرار جماعت جائز و درست ہے، کیونکہ اگر تکرار جماعت مسجد

---

[1] ایک آدمی آیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے تھے، وہ اکیلا نماز پڑھنے لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کون ہے، جو اس سے تجارت کرتا ہے، کہ اس کے ساتھ نماز پڑھے۔

[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز پڑھ چکے تھے، کہ ایک آدمی داخل ہوا اور نماز پڑھنے لگا، آپ نے فرمایا، کوئی ہے، جو اس پر صدقہ کرے، اور اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھے۔

[3] ابن سید الناس نے کہا، وہ آدمی جو اس کے ساتھ کھڑا ہوا تھا، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔

واحد میں جائز ہوتا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیوں ارشاد فرماتے الا رجل یتصدق علی ھذا فیصلی معہ۔ اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ یہاں پر اقتدا متنفل کی مفترض کے ساتھ پائی گئی، اور اس میں کلام نہیں، گفتگو اس میں ہے، کہ اقتدار مفترض کی مفترض کے ساتھ مسجد واحد میں بہ تکرار جماعت جائز ہے یا نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے، کہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا رجل یتصدق علی ھذا فیصلی معہ۔ وایکم یتجر علی ھذا۔ ومن یتجر علی ھذا فیصلی معہ۔ والا رجل یقوم فیتصدق علی ھذا فیصلی معہ عموم پر دلالت کرتا ہے، خواہ مقتدی متصدق و متجر متنفل ہو یا مفترض، اور اگرچہ اس واقعہ خاص میں متصدق اس کا متنفل ہوا، مگر یہ خصوص مورد قادح عموم لفظ کا نہ ہوگا، اور بڑی دلیل اس پر یہ ہے، کہ حضرت انس بن مالک جو من جملہ رواۃ اس حدیث کے ہیں، انہوں نے بھی یہی عموم سمجھا، چنانچہ انہوں نے بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جماعت ثانیہ ساتھ اذان واقامت کے قائم کی، اس مسجد میں جہاں جماعت اولی ہو چکی تھی صحیح بخاری کے باب فضل صلوۃ الجماعۃ میں ہے۔ وجاء[1] انس الی مسجد قد صلی فیہ فاذن واقام وصلی جماعۃ انتہی۔ کہا حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں وجاء[2] انس الخ وصلہ ابو یعلی فی مسندہ من طریق الجعد ابی عثمان قال مر بنا انس بن مالک فی مسجد بنی ثعلبۃ فذکر نحوہ قال وذلک فی صلوۃ الصبح وفیہ فامر رجلا فاذن واقام ثم صلی باصحابہ واخرجہ ابن ابی شیبۃ من طریق عن الجعد وعند البیہقی من طریق ابی عبد الصمد العمی عن الجعد نحوہ وقال مسجد بنی رفاعۃ وقال فجاء انس فی نحو عشرین من فتیانہ انتہی

حاصل کلام کا یہ ہوا، کہ یہ سات صحابہ حضرت ابو سعید خدری وانس بن مالک وعصمہ بن مالک وسلمان وابو امامہ وابو موسی اشعری والحکم بن عمیر رضی اللہ عنہم نے اس واقعہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بموجب ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ اس کے نماز پڑھنے لگے، اس مسجد میں جہاں جماعت اولی ہو چکی تھی، اور اطلاق اس پر جماعت کا ہوگا، کیونکہ الاثنان فما فوقہما جماعۃ، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بعد وفات رسول اللہ

---

[1] حضرت انس مسجد میں آئے، جماعت ہو چکی تھی، آپ نے اذان اور اقامت کہی، اور جماعت سے نماز پڑھی۔

[2] انس بن مالک بنو ثعلبہ کی مسجد میں آئے، صبح کی نماز پڑھی جا چکی تھی، آپ نے ایک آدمی کو حکم دیا، اس نے دوبارہ اذان کہی، اور اقامت پڑھی، پھر اپنے ساتھیوں سمیت نماز پڑھی۔

صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پر عمل کیا، جیسا کہ روایت سے مسند ابو یعلی موصلی و ابن ابی شیبہ و بیہقی کے معلوم ہوا، اور امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ کا بھی یہی مذہب ہے، جیسا کہ جامع ترمذی میں مذکور ہے، اور یہی مذہب صحیح و قوی ہے، کہ تکرار جماعت بلا کراہت جائز ہے، اور فقہاء حنفیہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ تکرار جماعت ساتھ اذان ثانی کے اس مسجد میں کہ امام و مؤذن وہاں مقرر ہوں مکروہ ہے، اور تکرار اس کا بغیر اذان کے مکروہ نہیں، بلکہ امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ اگر جماعت ثانیہ ہیئت اولے پر نہ ہو، تو کچھ کراہت نہیں، اور محراب سے عدول کرنے میں ہیئت بدل جاتی ہے، بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے۔ ومنها[1] حكم تكرارها في مسجد واحد ففي المجمع لا يكررها في مسجد محلة باذان ثان وفي المجتبى ويكره تكرارها في مسجد باذان واقامة انتهى مختصرا اور شرح منیۃ المصلی میں ہے۔ واذا لم يكن[2] للمسجد امام ومؤذن راتب فلا يكره تكرار الجماعة فيه باذان واقامة عند نابل هو الافضل اما لو كان له امام ومؤذن فيكره تكرار الجماعة وعن ابي يوسف رحمة الله عليه اذا لم تكن على هيئة الاولى لا يكره والا يكره وهو الصحيح۔ اور طوالع الانوار حاشیہ در المختار میں ہے كراهة الجماعة في غير مسجد الطريق مقيدة بما اذا كانت الجماعة الثانية باذان[3] واقامة لا باقامة فقط وعن ابي يوسف رحمة الله عليه اذا لم تكن على هيئة الاولى لا تكره والا تكره وهو الصحيح وبالعدول عن المحراب يختلف الهيئة انتهى، اور رد المحتار حاشیہ در المختار میں ہے۔ يكره[4] تكرار الجماعة في مسجد محلة باذان واقامة الا اذا صلى بهما فيه اولا غير اهله او اهله لكن بمخافتة الاذان ولو كرر اهله بدونهما

---

[1] اور اس میں سے ایک ہی مسجد میں تکرار جماعت کا مسئلہ بھی ہے مجمع میں ہے، محلہ کی مسجد میں دوسری آذان کہہ کر دوبارہ جماعت نہ کرائی جائے، مجتبے میں بھی ایسا ہی ہے [2] جب کسی مسجد کا کوئی امام اور مؤذن مقرر نہ ہوں تو اس میں باذان اور اقامت سے جماعت مکروہ نہیں ہے، بلکہ افضل ہے، ہاں اگر امام اور مؤذن مقرر ہوں، تو تکرار جماعت مکروہ ہے، اور ابو یوسف کے نزدیک اگر پہلی ہیئت پر نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے، ورنہ مکروہ ہے، اور یہی صحیح ہے [3] محلہ کی مسجد میں تکرار جماعت اسی صورت میں مکروہ ہے، جب کہ اذان و اقامت سے ہو، اگر صرف اقامت سے ہو، تو مکروہ نہیں ہے، ابو یوسف کہتے ہیں، اگر جماعت پہلی ہیئت پر نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے، اور محراب بدل دینے سے ہیئت بدل جاتی ہے [4] محلہ کی مسجد میں اذان اور اقامت سے جماعت مکروہ ہے، ہاں اگر پہلے محلہ والوں نے نہ پڑھی ہو، یا محلہ والوں نے اذان آہستہ کہی ہو، یا محلہ والے ہی دوبارہ جماعت کرائیں، یا مسجد

اوکان مسجد طریق جاز اجماعا کما فی مسجد لیس لہ امام ولا مؤذن انتہی ا درمختار
درالمختار میں ہے قد علمت بان الصحیح انہ لایکرہ تکرار الجماعۃ اذا لم تکن علی الھیئۃ
الاولی انتہی مختصرا۔ پس ان روایات فقہیہ سے صاف معلوم ہوا کہ جب جماعت ثانیۃ
میں عدول محراب سے ہو جاوے یا تکرار اس کا بغیر اذان کے ہو تو بلا کراہت جائز ہے اگرچہ اقامت
اس میں کہی جاوے اور حضرت انس کے فعل سے ثابت ہوا کہ انہوں نے تکرار جماعت ساتھ
اذان واقامت دونوں کے کیا واللہ اعلم بالصواب حررہ ابوالطیب محمد شمس الحق العظیم آبادی عفی عنہ

ابوالطیب محمد شمس الحق | سید محمد نذیر حسین | ۔ للہ در من اجاب حررہ ابوالمجد عبدالصمد بہاری غفرلہ ولوالدیہ

ابوالمجد عبدالصمد | ما احسن ہذا الجواب المقرون بالصدق والصواب حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو
الحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی | ابوالحسنات محمد عبدالحی | اصاب من اجاب
حررہ محمد حمایت اللہ حلیبری ۔ صح الجواب الفقیر امیر علی عفا اللہ عنہ للہ در المجیب حیث
اتی بدلائل شافیہ وبراھین قاطعۃ التی تزال عنہا شبہۃ المعارضین ودفع بھا شکوک
المجادلین فلیعمل العاملون حررہ عاجز البشر ابوظفر محمد عمر الاثر یسوی عفی عنہ | ابوظفر محمد عمر

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اٹھانا سبابہ
کا تشہد میں کتب احادیث سے کب تک ثابت ہے ۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ واضح ہو کہ اٹھانا سبابہ کا آخر تشہد تک کتب احادیث سے ثابت
ہے جیسا محلی شرح موطا میں مرقوم ہے ؎ ونقل عن بعض ائمۃ الشافعیۃ والمالکیۃ انہ یدیم
رفعہا الی اخر التشہد واستدل لہ بما فی ابی داؤد انہ رفع اصبعہ فرأیناہ یحرکہا ویدعوا
وفیہ تحریکہا دائما اذ الدعاء بعد التشہد قال ابن حجر ویسن ان یستمر الرفع الی اخر التشہد کما
قالہ بعض ائمتنا وان اعترضہ جمع بان الاولی عند الفراغ اعادتہا انتہی ۔ قال علی القاری و

شارع عام پر ہو یا اس کا کوئی امام مقرر نہ ہو تو ان تمام صورتوں میں تکرار جماعت مکروہ نہیں ہے لہ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں
کہ اگر پہلی ہیئت پر جماعت نہ ہو تو تکرار جماعت مکروہ نہیں ہے لہ شافعی اور مالکی بعض ائمہ سے منقول ہے کہ تشہد
کے آخر تک پھر انگلی اٹھائے رکھے اور انہوں نے ابوداؤد کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انگلی کو
اٹھایا تو پھر اس کو حرکت دیتے رہے اور دعا کرتے رہے ابن حجر کہتے ہیں کہ مسنون ہے کہ تشہد کے آخر تک انگلی اٹھائے
رکھے جیسا کہ ہمارے ائمہ سے منقول ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اٹھانے کے بعد پھر اس کو نیچے کرے ملا علی قاری کہتے ہیں کہ
پہلا قول معقول ہے کیونکہ اعادہ تب بھی ہو گا جبکہ اس کو نیچے رکھا جائیگا۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ انگلی اٹھائے تو کچھ جھکا کر قبلہ رخ رکھے۔

والاول ھو المعلول لان الاعادۃ یحتاج الی روایۃ وقال ابن حجر ایضا انہ یسن رفعھا مع الحنائھا قلیلا لخبر صحیح فیہ الی جھۃ القبلۃ کذا فی الحلی شرح المؤطا لمولانا سلام اللہ الحنفی من اولاد الشیخ عبد الحق المحدث الدھلوی واللہ اعلم بالصواب [سید محمد نذیر حسین]

سوال ۔ اشارہ بالسبابہ عند التشہد فی الصلوٰۃ حدیث شریف سے ثابت ہے یا نہیں اور اس کا کیا حکم ہے اور محققین حنفیہ کا اس باب میں کیا مسلک ہے ۔

الجواب ۔ اشارہ بالسبابہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے ۔ عن علی[1] بن عبد الرحمن انہ قال رآنی عبد اللہ بن عمر وانا اعبث بالحصباء فی الصلوٰۃ فلما انصرف نھانی وقال اصنع کما کان رسول اللہ صلعم یصنع فقلت وکیف رسول اللہ صلعم یصنع قال کان اذا جلس فی الصلوٰۃ وضع کفہ الیمنی علی فخذہ الیمنی وقبض اصابعہ کلھا واشار باصبعہ التی تلی الابھام ووضع کفہ الیسری علی فخذہ الیسری وقال ھکذا یفعل رواہ مالک فی المؤطا عن ابن عمران النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا جلس فی الصلوٰۃ وضع یدہ الیمنی علی رکبتہ ورفع اصبعہ التی تلا الابھام یدعو بھا ویدہ الیسری علی رکبتہ باسطھا علیہ رواہ الترمذی اسی طرح صحیح مسلم ودیگر کتب احادیث میں حدیث اس باب کی موجود ہے اور اسی پر عمل ہے تمام صحابہ اور تابعین اور ائمہ اربعہ ودیگر محدثین متقدمین ومتاخرین کا کسی اہل علم کا اس مسئلہ میں خلاف نہیں اور یہ جو بعض کتب فقہ حنفیہ میں کراہیت اس کی منقول ہے وہ مردود ہے قابل اعتبار اور لائق احتجاج نہیں اور ہرگز کراہیت اس کی بسند صحیح امام ابو حنیفہ تک نہیں پہنچی ۔ بلکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو جو شاگرد رشید امام صاحب کے ہیں مؤطا میں اپنے بعد نقل حدیث اس باب کی فرماتے ہیں

---

[1] علی بن عبد الرحمٰن کہتے ہیں میں نماز پڑھنے کے دوران کنکریوں سے کھیل رہا تھا عبد اللہ بن عمر نے مجھ کو دیکھ لیا نماز سے فارغ ہو کر مجھے اس سے منع کیا اور فرمایا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے اسی طرح کیا کر میں نے پوچھا آپ کیسے کیا کرتے تھے فرمایا جب نماز میں بیٹھتے تو اپنی دائیں ہتھیلی دائیں ران پر رکھتے اور اپنی تمام انگلیاں بند کر لیتے اور انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی سے اشارہ فرماتے اور بائیں ہتھیلی بائیں ران پر رکھتے حضرت عبد اللہ بن عمر کہتے ہیں کہ جب آپ نماز میں بیٹھتے تو دایاں ہاتھ اپنے گھٹنہ پر رکھتے اور انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی اٹھاتے اور بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھتے ۔

قال محمد وبصنیع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناخذ وھو قول ابی حنیفۃ انتھی اور محقق حنفیہ شیخ کمال الدین ابن الہام فتح القدیر میں فرماتے ہیں لاشک ان وضع الکف مع قبض الاصابع لا یتحقق حقیقۃ فالمراد واللہ اعلم وضع الکف ثم قبض الاصابع بعد ذلک عند الاشارۃ وھو المروی عن محمد فی کیفیۃ الاشارۃ قال یقبض خنصرہ والتی تلیہا ویحلق الوسطی والابہام ویقیم المسبحۃ وکذا عن ابی یوسف فی الامالی وھذا فرع تصحیح الاشارۃ وعن کثیر من المشائخ انہ لا یشیر اصلا وھو خلاف الروایۃ والدرایۃ انتھی۔

اور اسی طرح ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تزئین العبارۃ فی تحسین الاشارۃ میں وشیخ ولی اللہ المحدث مسوی شرح موطا اور حجۃ اللہ البالغۃ میں اور محمد بن عبداللہ الزرکانی شرح موطا میں وشیخ عبدالحق دہلوی شرح مشکوٰۃ وشرح سفر السعادت میں وعلاؤ الدین حصکفی درمختار میں اور ابن عابدین ردالمحتار میں فرماتے ہیں۔

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین حنفیہ اس مسئلہ میں کہ انگشت شہادت اٹھانی وقت تشہد یعنی لا الہ اللہ کہنے کے مذہب حنفی میں سنت منسوب ہے یا حرام مکروہ ہے اور جو کوئی یہ بات کہے کہ رفع سبابہ میں انگلی کاٹنی آتی ہے وہ شخص گنہ گار ہو گا یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب۔ درصورت مرقومہ معلوم کرنا چاہیئے کہ امام ابو یوسف امالی کتاب اپنی میں اور امام محمد موطا میں دونوں صاحب کہ جو شاگرد رشید امام اعظم کے ہیں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع سبابہ مروی اور منقول ہے اور ہم لوگ بھی اس پر عمل کرتے ہیں اور یہی قول ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے چنانچہ فتح القدیر وعینی وامیر الحاج وزیلعی والبحر الرائق ونہر الفائق وملتقط وشمنی ونجم الدین الزاہدی وعلامہ حلبی وبہنسی وابراہیم حلبی وغیرہ نے روایۃ ودرایۃ رفع سبابہ کو نقل کیا ہے اور اس باب میں علماء کوفہ وعلمائے مدینہ وغیرہ سے بہت سے اخبار وآثار مروی اور منقول ہیں

لے امام محمد کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل پر ہی عمل کرتے ہیں اور ابو حنیفہ نے بھی یہی کہا ہے ۲؎ یہ تو ظاہر ہے کہ ہاتھ کی انگلیاں بند کر کے ہتھیلی ران پر نہیں رکھی جا سکتی مطلب یہ ہے کہ پہلے ہتھیلی رکھے پھر اشارہ کرتے وقت انگلیاں بند کرے اور امام محمد نے اشارہ کی کیفیت اس طرح بیان کی ہے کہ دونوں آخری انگلیاں بند کر رکھے انگوٹھے اور بڑی انگلی کا حلقہ بنائے اور سبابہ سے اشارہ کرے اور کچھ مشائخ اشارے کے قائل نہیں ہیں لیکن یہ عقل اور نقل دونوں کے برخلاف ہے

اور ملا علی قاری اور ملا عابد سندی وامین الدین شامی نے اٹھائیس صحابہ سے روایت کی ہے اور رفع سبابہ میں ائمہ اربعہ وعلمائے مقلدین اہل مذاہب کے سب متفق ہیں، اس میں ائمہ اربعہ وغیرہ کا اختلاف نہیں، اور منع رفع سبابہ میں کوئی قول صحابی مذکور اور منقول نہیں تو اٹھانا اس کا مستحب آکد اور موجب ثواب کثیر ہے، اور خلاصہ کیدانی والے سے یا اور علماء سے اس باب میں خطا واقع ہوئی ہے، اس کے حرام مکروہ لکھنے میں تو قول مانعین کا اور حرام مکروہ کہنے والے کا ازروئے دلائل شرعیہ کے محض باطل ہے نزدیک علمائے محققین حنفیہ کے اور جو شخص بعد مطلع ہونے روایات فقہیہ اور احادیث نبویہ کے حرام کہے، اور منع کرے، وہ مردود اور گمراہ ہے، خوف کفر کا ہے اس پر انڈ روئے اہانت اور حقارت کے، قال[1] اللہ تعالی ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتھوا الآیۃ ورجح فی فتح القدیر القول بالاشارۃ وانہ مروی عن ابی حنیفۃ کما قال محمد فالقول بعدمھا مخالف للروایۃ والدرایۃ ورواہ فی صحیح مسلم من فعلہ صلی اللہ علیہ وسلم وفی المجتبی لما اتفقت الروایات عن اصحابنا جمیعا فی کونھا سنۃ وکذا عن الکوفیین والمدنیین وکثرت الاخبار والآثار کان العمل بھا اولی کذا فی البحر الرائق وقال فی الدر المختار واحترزنا بالصحیح عما قیل لا یشیر لانہ خلاف الدرایۃ والروایۃ وفی العینی عن التحفۃ الاصح انھا مستحبۃ وفی المحیط انھا سنۃ کذا فی الدر المختار مختصرا المعتمد ما صححہ الشراح لا سیما المتأخرون کالکمال والحلبی والبھنسی والباقلانی وشیخ الاسلام وغیرھم انہ یشیر بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم ونسبوہ لمحمد والامام وقال محمد فی المؤطا بعد حدیث الباب وبصنیع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناخذ وھو قول

---

[1] جو تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیں اسے لے لو، اور جس سے منع کریں، اس سے باز آجاؤ۔ فتح القدیر میں ہے انگلی سے اشارہ کرنا درست ہے، اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ سے مروی ہے، جیسا کہ امام محمد نے بیان کیا ہے اور اس کی ممانعت کرنا روایت اور درایت دونوں کے برخلاف ہے، مجتبی میں ہے اس کے سنت ہونے پر تمام روایات متفق ہیں، کوفیوں اور مدنی لوگوں کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اور احادیث وآثار اس کے متعلق بہت زیادہ ہیں، عینی نے اس کو مستحب کہا ہے، اور صاحب محیط نے سنت، در مختار میں ہے کہ یہی صحیح ہے، کہ یہ سنت ہے، متاخرین شراح مثلا کمال، حلبی، بہنسی، باقلانی اور شیخ الاسلام وغیرہ نے اس کی خوب تحقیق ہے، کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، اور امام محمد، امام ابویوسف، اور امام ابوحنیفہ

ابی حنیفۃ وذکرابو یوسف فی الامالی کما نقلہ الشمنی وغیرہ انہ یعقد الخنصر والبنصر ویحلق الابہام والوسطی ویشیر بالسبابۃ وھذا فرع تصحیح الاشارۃ وفی الخانی الاشارۃ عند لا الہ الا اللہ حسن لاخلاف فیہ وھکذا فی مختارات النوازل لصاحب الھدایۃ فان قیل الکیدانی قد عدہ فی المحرمات قلنا قولہم فی مقابلۃ النص واقوال الائمۃ مردود لا یعبأ بہ ولیس فی ھذا الجانب حدیث ولا اثر یعتمد علیہ ولا یستند قولھم بقول ابی حنیفۃ وصاحبیہ وقولھم انہ لاخلاف ظاھر اصول اصحابنا غیر مقبول ففی العنایۃ والذخیرۃ والمحیط والخزانۃ عن التاتارخانیۃ انہ لم یذکر محمد تلک المسئلۃ فی الاصل لا نفیا ولا اثباتا فلو یوجد لما نص علیہ محمد رحمۃ اللہ علیہ فی مؤطاہ معارض من ظاھر الروایۃ وقد روی الاشارۃ بالسبابۃ عند التشھد عن جماعۃ من الصحابۃ انتہی ما فی المحلی شرح المؤطا للعلامۃ سلام اللہ من اولاد الشیخ عبد الحق المحدث الدھلوی وقال العلامۃ عابد السندی ثم المدنی فی طوالع الانوار شرح الدر المختار ان الاشارۃ قد رویت عن سبعۃ وعشرین صحابیا وھکذا ذکرہ الملا علی قاری الھروی فی الرسالۃ۔ پھر جو کوئی باوجود احادیث اور اقوال وافعال صحابہ کرام ومجتہدین عظام اور دیگر علمائے اعلام کے حرام کہے اور انگلی کاٹنے کا قائل ہو اور اعتقاد رکھتا ہو مردود اور بڑا جاہل بے وقوف ہے، ایسے جاہل کے قول کا ہرگز اعتبار نہ کرنا چاہیئے، اور اس قدر دیندار منصف کو کافی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ الراقم العاجز محمد نذیر حسین عفی عنہ فی الدارین

اسد علی	سید محمد نذیر حسین

کا یہی مذہب ہے، خانیہ میں ہے۔ کہ لا الہ الا اللہ کے وقت انگلی کا اٹھانا سنت ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، امام ابو یوسف فرماتے ہیں، کہ آخری دو انگلیاں بند کرلے، اور انگوٹھے اور درمیانی انگلی کا حلقہ بنائے اور سبابہ سے اشارہ کرے۔

اگر کوئی سوال کرے، کہ کیدانی نے غرائب میں اس کو افعال محرمہ سے شمار کیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ نص اور اقوال ائمہ کے برخلاف ان کا قول مردود ہے، اس کی کوئی پرواہ نہیں کی جائے گی، اور اس کی حمایت میں کوئی حدیث قابل اعتبار نہیں ہے، اور امام صاحب اور صاحبین کے قول کے برخلاف ان کے قول کی کیا حقیقت ہے، در مختار کی شرح طوالع الانوار میں ہے، کہ تشہد میں انگلی اٹھانے کے متعلق ستائیس صحابہ سے روایات منقول ہیں، ملا علی قاری نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام مقتدی کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، جب دوسرا مقتدی آن کر ملا، تو امام دونوں پاؤں اٹھا کر دا سے پر جا کھڑا ہوا، مولانا اسمٰعیل صاحب قدس سرہ نے درس عام میں فرمایا تھا کہ اگر امام کا نماز میں پاؤں اکھڑے تو نماز جاتی رہے گی، پس درصورت مرقومہ بالا نماز رہی یا نہیں فقط۔

الجواب:۔ درصورت مرقومہ اگر امام ایک یا دو قدم آگے بڑھ گیا، تو نماز نہیں جاتی، جیسا کہ عالمگیری میں ہے۔ لو مشی فی صلوتہ مقدار صف واحد لم تفسد صلوتہ ولو کان مقدار صفین ان مشی دفعۃ واحدۃ فسدت صلوتہ وان مشی الی صف ووقف ثم الی صف لا تفسد کذا فی فتاوی قاضیخان اور اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ میں مرقوم ہے۔ وعن عائشہ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی تطوعا والباب علیہ مغلق فجئت فاستفتحت پس طلب کردم کشادن در را فمشی ففتح لی پس راہ رفت آنحضرت پس بکشاد در را برائے من یعنی ازانجا کہ برائے نماز ایستادہ بود قدمے چند زد و بکشاد در را ثم رجع الی مصلاہ پستر بازگشت بجائے کہ نماز می گذارد وذکرت ان الباب کان فی القبلۃ وذکر کرد عائشہ کہ در خانہ بود در جانب قبلہ یعنی نزد آمدن آنحضرت بکشادن در تحول از قبلہ لازم نیامد و برگشتن بمصلا بازپس رفتن بود پس در آمدن و برگشتن استقبال قبلہ بحال خود بود، و نیز گفتہ اند کہ خانہ تنگ بود و گنجائش زیادہ بریک دو خطوہ نداشت رواہ احمد وابوداود والترمذی وروی النسائی نحوہ و نیز نقل از خلاصہ کردہ است کہ اگر مردے امامت می کند یک کس را و درین میان ثالثے در آمد و اقتدا کرد و امام پیشتر رفت اگر مقدار آنچہ میان صف اول و امام می باشد رفت فاسد نمی گردد، و نیز اگر در نماز مشی کند اگر مقدار صف واحد رود فاسد نمی گردد، و اگر مقدار دو صف رود بدفعہ واحدہ فاسد می گردد

۱ے اگر نماز کی حالت میں ایک صف کے برابر چلے، تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی، اور اگر دو صف کے برابر ایک ہی دفعہ چلے، تو نماز فاسد ہو جائے گی، اور ایک صف کے برابر چل کر ٹھہر جائے، پھر ایک اور صف آگے بڑھ جائے، تو بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔ ۲ے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفلی نماز میں مشغول ہوتے اور دروازہ بند ہوتا، میں آکر دروازہ کھٹکھٹاتی تو آپ چند قدم چل کر دروازہ کھول دیتے، اور پھر اپنے جائے نماز پر واپس چلے جاتے، مکان کا دروازہ قبلہ کی طرف تھا، یعنی آگے بڑھنے اور واپس آنے میں منہ قبلہ ہی کی طرف رہتا، اور مکان تنگ تھا، یعنی ایک دو قدم چلتے تھے، اور ظہیریہ میں ہے، کہ اگر سو ج

واگر مشی مقدار یک صف گردد بایستاد و باز تا صف دیگر رفت باز بایستاد فاسد نمی شود واز فتاوی ظہیریہ آوردہ است، کہ مختار آن ست، کہ اگر بسیار گردد فاسد است و در حاشیہ شمنی بعلامت ظہیریہ نوشتہ است، کہ اگر در نماز آفتاب در آمد و گرمی آن ایذا می کند اگر بجانب سایہ رود بقدر دو گام فاسد نہ گردد، کذا فی المشکوٰۃ واشعۃ اللمعات تصنیف شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

اور فرمانا مولانا محمد اسماعیل صاحب محدث علیہ الرحمۃ کا بجا اور راست ہے، مطلب ان کے بیان کا یہ ہے، کہ ایک دو قدم سے زیادہ اگر امام آگے بڑھے، تو نماز فاسد ہے، اور ایک دو قدم عفو میں داخل ہے، جیسا کہ فتاوی عالمگیری، اور مشکوٰۃ شریف اور اشعۃ اللمعات سے واضح ہو چکا، واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو شخص نماز قریب قریب پڑھ رہے تھے، ایک مصلی کا دامن دوسرے مصلی سے جو قریب تھا دب گیا جس کے نیچے دبا تھا اس نے کچھ اٹھ کر اس کا دامن اپنے نیچے سے نکال دیا، آیا اس حرکت سے اس کی نماز فاسد ہوئی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ نماز میں ضرورت کے وقت اس قسم کے فعل سے اور اس قدر فعل سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے، ضرورت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے نماز کے اندر اس قسم کا فعل اور اس قدر فعل بلکہ اس سے زیادہ ثابت ہے، صحیحین میں ہے، عن ابی قتادۃ قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یؤم الناس وامامۃ بنت ابی العاص علی عاتقہ فاذا رکع وضعھا واذا رفع من السجود اعادھا مشکوٰۃ یعنی ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، کہ آپ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے، اور امامہ ابو العاص کی لڑکی یعنی آپ کی نواسی آپ کے کندھے پر تھیں، جب آپ رکوع کرتے تو ان کو زمین پر رکھ دیتے، اور جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو پھر کو اپنے کندھے پر رکھ لیتے، اور صحیح بخاری میں ہے۔ عن انس بن مالک قال کنا نصلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی شدۃ الحر فاذا لم یستطع احدنا ان یمکن وجھہ من الارض یبسط ثوبہ فسجد علیہ یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ

بادل سے نکل آئے، اور گرمی زیادہ ہو جائے، تو سایہ کی طرف نمازی ایک دو قدم چل کر جا سکتا، واللہ اعلم۔

ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو جب ہم میں سے کوئی زمین پر گرمی کی وجہ سے سر نہیں رکھ سکتا تھا تو اپنا کپڑا پھیلاتا، اور اس پر سجدہ کرتا، اور مسند و سنن ابی داود وغیرہ میں ہے۔ عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی تطوعا والباب علیہ مغلق فجئت فاستفتحت فمشی ففتح لی ثم رجع الی مصلاہ ذکرت ان الباب کان فی القبلۃ۔ (مشکوۃ) یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفلی نماز پڑھتے تھے، اور دروازہ بند ہوتا پس میں آتی اور دروازہ کھلواتی، تو آپ چل کر دروازہ میرے کھول دیتے پھر اپنے مصلی پر چلے جاتے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ذکر کیا، کہ دروازہ قبلہ کی جانب تھا، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ | ابو العلی محمد عبدالرحمن

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعد قائم ہونے جماعت فرض صبح کے دو رکعت سنتیں فجر کی مسجد کے اندر خواہ قریب صف کے یا دور صف سے پڑھنی مکروہ ہیں یا نہیں، حنفی مذہب کی کتب معتبرہ سے زبان اردو میں جواب با صواب فرما دیں، اور اس باب میں کوئی حدیث صحیح جو کہ دلالت کرے کراہت پر وارد ہوئی ہے یا نہیں، بیان کرو، ثواب پاؤ گے۔

الجواب: جب مسجد میں جماعت قائم ہو، تو بعد اس کے سنتیں فجر کی مسجد میں پڑھنی مکروہ ہیں، خواہ صف کے پاس پڑھے، یا دور صف سے پڑھے، دونوں صورتوں میں مکروہ ہے، کیونکہ اس میں مخالفت پائی جاتی ہے، کہ امام جماعت کرا رہا ہے، اور یہ شخص جدا جماعت سے سنت پڑھ رہا ہے، جیسا کہ ہدایہ اور فتح القدیر حاشیہ ہدایہ اور در مختار اور فتاوے ولوالجیہ اور فتاوے عالمگیری اور محیط رضوی وغیرہ سے سمجھا جاتا ہے، اور ہدایہ فقہ حنفی میں بہت معتبر کتاب ہے، اور فتح القدیر بھی بہت معتبر ہے، چنانچہ علمائے حنفیہ پر مخفی نہیں، اور قریب صف کے پڑھنے میں اشد کراہت ہے، جیسا کہ عادت آج کل جہلا کا ہے، ایسا ہی فتح القدیر میں مذکور ہے، اور دلیل کراہت کی بموجب حدیث کے ہے، بیان حدیث کا آگے آوے گا، عبارت ہدایہ کی یہ ہے ومن انتہی الی الامام فی صلوۃ الفجر وھو لم یصل رکعتی الفجر ان خشی ان تفوتہ رکعۃ ویدرک الاخری یصلی رکعتی الفجر عند باب المسجد ثم یدخل وان خشی فوتہما دخل مع الامام لان ثواب الجماعۃ اعظم والوعید بالترک الزم والتقیید بالاداء عند باب المسجد یدل علی الکراھۃ فی المسجد اذا کان الامام فی الصلوٰۃ

جو شخص مسجد میں آیا، اور امام جماعت کرا رہا ہے، اور اس شخص نے سنت فجر کی نہیں پڑھی تھی، پس اگر خوف ہو کہ ایک رکعت جاتی رہے گی، اور دوسری رکعت ملنا فوت ہو جاوے گی تو سنت فجر کی نزدیک دروازہ مسجد کے اگر جگہ ملے، تو ادا کر کے جماعت میں مل جاوے، اور جو خوف ہو کہ سنت پڑھنے میں دو رکعتیں فرض کی جماعت سے فوت ہو جاویں گی، تو جماعت میں مل جاوے اور سنت کو اس وقت چھوڑ دے، اس لئے کہ ثواب جماعت کا بہت بڑا ہے، اور اس کے ترک میں سخت وعید لازم آتی ہے، اور قید ادائے سنت کی نزدیک دروازہ مسجد کے دلالت کرتی ہے اوپر کراہت پڑھنے سنت کے مسجد میں جس وقت کہ امام جماعت کراتا ہو، ترجمہ ہدایہ کا تمام ہوا اور ایسا ہی فتح القدیر اور درمختار وغیرہ کا مطلب ہے، اور مراد نزدیک دروازہ مسجد سے خارج مسجد ہے یعنی خارج مسجد میں قریب دروازہ مسجد کے کوئی جگہ اگر ہو، تو وہاں سنت ادا کرے، جماعت میں شامل ہو جاوے، اور جو کوئی جگہ نہ ہو، تو جماعت فرض میں مل جاوے، اور سنت مسجد میں نہ پڑھے، کہ سنت مسجد کے اندر ادا کرنے میں کراہت لازم آوے گی، کیونکہ ترک مکروہ کا مقدم ہے ادائے سنت پر، جیسا کہ فتح القدیر اور درمختار وغیرہ سے صاف معلوم ہوتا ہے

قولہ[1] والتقیید بالاداء عند باب المسجد یدل علی الکراھۃ فی المسجد اذا کان الامام فی الصلوۃ لما روی عنہ علیہ الصلوۃ والسلام اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ ولانہ یشبہ المخالفۃ للجماعۃ والانتباذ عنھم فینبغی ان لا یصلی فی المسجد اذا لم یکن عند باب المسجد مکان لان ترک المکروہ مقدم علی فعل السنۃ غیر ان الکراھۃ تتفاوت فان کان الامام فی الصیفی فصلوتہ ایاھا فی الشتوی اخف من صلوتہا فی الصیفی وعکسہ اشد ما یکون کراھۃ ان یصلیھا مخالطا للصف کما یفعلہ کثیر من الجھلۃ انتہی ما فی فتح القدیر۔ واذا خاف فوت رکعتی الفجر لاشتغالہ

---

[1] اور مسجد کے دروازے کے پاس سنتیں ادا کرنے کی قید دلالت کرتی ہے، کہ مسجد میں ان کا ادا کرنا مکروہ ہے جب کہ امام نماز پڑھا رہا ہو، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، جب جماعت کھڑی ہو جائے، تو فرضوں کے علاوہ اور کوئی جماعت نہیں ہوتی، اور دوسری وجہ یہ ہے، کہ اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ یہ آدمی جماعت سے علیحدہ ہے، اور اگر مسجد کے دروازہ کے پاس کوئی جگہ نہ ہو، تو پھر سنت نہ پڑھے، کیونکہ مکروہ کا ترک سنت کے فعل پر مقدم ہے اور کراہت کے درجات متفاوت ہیں، مثلاً اگر کوئی آدمی جماعت کی صف کے پیچھے اگر سنت ادا کرنے لگے، تو اس کی کراہت بہت زیادہ ہوگی، جیسا کہ آج کل بعض جاہل لوگ کرتے ہیں

بسنتها ترکها لکون الجماعة اکمل والا بان رجاء ادراك رکعة فی ظاهر المذهب وقیل التشهد واعتمده المصنف والشرنبلالی تبعا للبحر لکن ضعفه فی النهر لا یترکها بل یصلیها عند باب المسجد ان وجد مکانا والا ترکها لان ترك المکروه مقدم علی فعل السنة کذا فی الدر المختار قوله عند باب المسجد ای خارج المسجد کما صرح به القهستانی کذا فی الشامی یصلی رکعتی الفجر عند باب المسجد ثم یدخل کذا فی العالمگیریة وذکر فی البحر الرائق امام یصلی الفجر فی المسجد الداخل فجاء رجل یصلی الفجر فی المسجد الخارج اختلف المشائخ فیه قال بعضهم لا یکره وقال بعضهم یکره لان ذلك کله کمکان واحد بدلیل جواز الاقتداء لمن کان فی المسجد الخارج بمن کان فی المسجد الداخل واذا اختلف المشائخ فالاحتیاط ان لا یفعل انتهی ما فی البحر الرائق۔

اور دلیل کراہت کی سنت فجر کے پڑھنے میں وقت قائم ہونے جماعت کے نزدیک صاحب ہدایہ کے اور صاحب فتح القدیر وغیرہ کے یہ حدیث ہے۔ اذا اقیمت الصلوٰة فلا صلوٰة الا المکتوبة۔ ترجمہ، جب قائم ہو جاوے نماز یعنے جب مؤذن اقامت شروع کرے، تو اس وقت نماز پڑھنی درست نہیں سوائے فرض کے، جیسا کہ نقل کیا، اس حدیث کو مسلم اور ترمذی اور ابوداؤد اور نسائی اور احمد بن حنبل اور ابن حبان نے، اور بخاری ترجمہ باب میں اس حدیث کو لائے ہیں، اور ابن عدی محدث نے ساتھ سند حسن کے آگے اس کے یہ نقل کیا ہے، اے رسول خدا کے اور نہ دو رکعت سنت فجر کی، یعنی کسی نے پوچھا کہ اقامت کے وقت سنت فجر کی بھی نہ پڑھے، فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب اقامت ہونے لگے، تو سنت فجر

اگر سنت پڑھنے فرض جماعت کے فوت ہو جانے کا خطرہ ہو تو سنت نہ پڑھے، اور اگر آخری رکعت مل جانے کی توقع ہو اور بعض کے نزدیک آخری تشہد کی توقع ہو تو مسجد کے دروازہ پر یعنی مسجد سے باہر سنت ادا کرے، اگر آخری رکعت کی بھی توقع نہ ہو تو سنت نہ پڑھے، یا اگر مسجد کے باہر کوئی جگہ نہ ہو تو بھی سنت نہ پڑھے، کیونکہ مکروہ کا ترک سنت کے فعل پر مقدم ہے، در مختار، قہستانی، شامی، عالمگیری میں ایسا ہی ہے، بحر الرائق میں ہے، امام صبح کی نماز مسجد کے اندر پڑھ رہا ہو، ایک آدمی مسجد کے باہر آ کر سنت پڑھنے لگے، تو مشائخ کا اس میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک مکروہ نہیں ہے، اور بعض کے نزدیک مکروہ ہے، اس لئے کہ یہ ایک ہی مکان ہے، کیونکہ مسجد کے اندر اگر امام کھڑا ہو، تو باہر اس کی اقتدار درست ہے، اور جب مشائخ کا اختلاف ہو تو احتیاط اسی میں ہے، کہ سنت نہ پڑھے۔

کی بھی نہ پڑھے، اور مؤطا امام مالک میں اس طرح پر روایت ہے، کہ چند شخص مؤذن کی اقامت سن کر دو رکعت سنتیں فجر کی مسجد میں پڑھنے لگے، پس گھر سے مسجد میں تشریف لائے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم، پھر فرمایا، کیا دو نماز سنت اور فرض اکٹھے ایک وقت خاص میں، کیا دو نماز سنت و فرض اکٹھے ایک وقت خاص میں، یعنی از راہ انکار و توبیخ و سرزنش کے یہ فرمایا، کیا دو نماز سنت و فرض اکٹھے پڑھتے ہو تم لوگ بعد اقامت کے، جیسا کہ محلی شرح مؤطا میں نقل کی ہے

اور دوسری حدیث انکار سنت فجر کی پڑھنے میں وقت قائم ہونے جماعت کے یہ ہے

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی رجلا وقد اقیمت الصلوٰۃ یصلی رکعتین فلما انصرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاث بہ الناس فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آتصلی الصبح اربعا رواہ البخاری عن عبد اللہ بن بحینۃ ترجمہ، مقرر دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کہ سنت فجر کی پڑھ رہا ہے، وقت قائم ہونے جماعت کے پھر جب فارغ ہوئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز فرض سے تو گرد ہوئے لوگ اس کے ساتھ، پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر توبیخ اور انکار فرمایا، کہ کیا چار رکعت صبح کی تو پڑھتا ہے، اس کو روایت کیا امام بخاری نے عبد اللہ بن بحینہ صحابی سے، اور صحیح مسلم وغیرہ میں عبد اللہ بن بحینہ سے یوں روایت ہے۔ قال اقیمت صلوٰۃ الصبح فرای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلا یصلی والمؤذن یقیم فقال اتصلی الصبح اربعا۔ ترجمہ، کہا عبد اللہ بن بحینہ نے اقامت ہوئی نماز صبح کی، پھر دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو، کہ سنت فجر کی پڑھنے لگا، اور مؤذن تکبیر کہہ رہا ہے، پس فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے از راہ انکار کے کیا پڑھتا ہے تو چار رکعت صبح کی،

اور صحیح مسلم اور ابو داؤد اور نسائی اور ابن ماجہ میں عبد اللہ بن سرجس صحابی سے یوں روایت ہے

قال دخل رجل المسجد ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی صلوٰۃ الغداۃ فصلی رکعتین فی جانب المسجد ثم دخل مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما سلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یا فلان بای الصلاتین اعتددت ابصلاتک وحدک ام بصلوتک معنا۔ کہا عبد اللہ بن سرجس صحابی نے کہ داخل ہوا ایک شخص مسجد میں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیچ نماز صبح کے تھے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح میں امامت کرا رہے تھے، پھر اس شخص نے دو رکعت سنت فجر کی بیچ ایک جانب مسجد کے پڑھی پھر داخل

ہوا وہ جماعت میں ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھر جب سلام پھیرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے فلانے ان دونوں نمازوں میں سے کونسی نماز کو فرض میں شمار کیا تونے آیا جو نماز تنہا پڑھی تونے اس کو فرض ٹھیرایا یا جو نماز ہمارے ساتھ پڑھی تونے اس کو فرض شمار کیا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سرزنش اور انکار کی راہ سے یہ بات فرمائی اس کو پس اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ سنت کا پڑھنا وقت قائم ہونے جماعت کے مکروہ اور ممنوع ہے اور ایک روایت عبداللہ بن بحینہ سے صحیح مسلم اور ابن ماجہ میں اس طرح سے ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر برجل یصلی وقد اقیمت صلوٰۃ الصبح فکلمہ بشئی لاندری ماھو فلما انصرفنا احطنابہ نقول ماذا قال لک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لی یوشک ان یصلی احدکم الصبح اربعا

ترجمہ۔ مقرر رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم ایک مرد کے پاس سے گذرے کہ وہ پڑھتا تھا سنتیں فجر کی اس حال میں کہ جماعت نماز صبح کی قائم ہوئی تھی پھر کلام کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد سے کہ ہم نے نہیں معلوم کیا کہ کیا فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آہستہ اسے پھر جب ہم لوگ نماز جماعت سے فارغ ہوئے تو گرد ہوئے اس مرد کے اور کہا ہم نے کیا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھ کو کہا اس مرد نے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قریب ہے کہ پڑھیگا ایک تمہارا فرض صبح کی چار رکعت یعنی پڑھنا سنت کا وقت قائم ہونے جماعت کے برابر فرض کے ٹھیراتا ہے آخر سنت کو ہوتے ہوتے بمنزلہ فرض کے اعتقاد کروگے تو اس طرح کا اعتقاد سنت کو درجہ فرض کے پہونچا دیگا سنت اور فرض میں امتیاز نرہے گا اور ایسا اعتقاد خلاف مرضی میری ہوگا اور جو اعتقاد کسی کا خلاف میری مرضی کے ہوگا وہ مردود اور بدعت اور ضلالت ہے۔ اذا[1] اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ حدیث مرفوع اخرجہ مسلم والاربعۃ عن ابی ھریرۃ واخرجہ ابن حبان بلفظ اذا اخذ المؤذن فی الاقامۃ واحمد بلفظ فلا صلوٰۃ الا التی اقیمت وھو اخص ورد ابن عدی بسند حسن قیل یا رسول اللہ ولا رکعتی الفجر قال ولا رکعتی الفجر نور بشتی وھکذا فی القسطلانی

---

[1] جب نماز کھڑی ہوجائے تو فرض نماز کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں ہوتی یہ مرفوع حدیث ہے دوسرے لفظ یہ ہیں کہ جب موذن اقامت شروع کردے تو وہی نماز ہوگی جس کی اقامت ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مالك عن شريك بن عبد الله بن ابى نمر انه سمع قوم الاقامة فقاموا يصلون اى التطوع فخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال اصلوتان اى السنة و الفرض معا اى موصلان فى وقت واحد اصلوتان معا وذلك فى صلوة الصبح فى الركعتين اللتين قبل الصبح اعلم انه قد اختلف فى اداء سنة الفجر عند الاقامة فكرهه الشافعى واحمد عملا بتلك الاحاديث وقالت المالكية لايبتدا الصلوة بعد الاقامة لا فرضا ولا نفلا لحديث اذا اقيمت الصلوة فلا صلوة الا المكتوبة واذا اقيمت وهو فى الصلوة قطع ان خشى فوت ركعة والا لا اثم واستدل بعموم الحديث من قال بقطع النافلة اذا اقيمت الفريضة وبه قال ابوحامد وغيره ورخص اخرون النهى بمن ينشاء النافلة عملا بقوله ولا تبطلوا اعمالكم ثم زاد مسلم بن خالد عن عمرو بن دينار فى قوله صلى الله عليه وسلم اذا اقيمت الصلوة فلا صلوة الا المكتوبة قيل يارسول الله ولا ركعتى الفجر قال ولا ركعتى الفجر اخرجه ابن عدى وسنده حسن واما زيادة الا ركعتى الصبح فى الحديث فقال البيهقى هذه الزيادة لا اصل لها كذا فى المحلى عن ابى هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا اقيمت الصلوة فلا صلوة الا المكتوبة وفى الباب عن ابن بحينة وعبد الله بن عمرو وعبد الله بن سرجس وابن عباس وانس قال ابوعيسى حديث ابى هريرة حديث حسن وكذا روى ايوب

سے سوال کیا گیا کیا صبح کی سنتیں بھی نہ پڑھی جائیں آپ نے فرمایا صبح کی سنتیں بھی نہ پڑھی جائیں اقامت ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو دیکھا وہ سنتیں پڑھ رہے تھے تو آپ نے فرمایا کیا دو نمازیں اکٹھی پڑھتے ہو؟ اور یہ صبح کی نماز کا وقت تھا۔ اقامت کے وقت فجر کی سنت ادا کرنے میں اختلاف ہے امام شافعی اور احمد اس کو ناجائز کہتے ہیں۔ مالکی کہتے ہیں کہ اقامت ہو جانے کے بعد کوئی نماز شروع نہ کرے خواہ فرض ہو یا نفل اگر پہلے سے نماز شروع کر رکھی ہو اور اقامت بعد میں ہو تو اگر رکعت کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو نماز توڑ دے اور اگر رکعت مل جانے کی امید ہو تو نماز پوری کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اپنے عملوں کو ضائع نہ کیا کرو باقی رہا الا رکعتی الخ (مگر صبح کی دو سنتیں) کا استثناء امام بیہقی نے کہا یہ زیادت صحیح نہیں ہے محلی میں بھی یہی ہے۔ ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کھڑی ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں ہوتی اس مضمون کی حدیثیں ابن بحینہ عبداللہ بن عمر، سرجس۔ ابن عباس اور

وورقاء ابن عمرو وزیاد بن سعد واسمعیل بن مسلم ومحمد بن جحادة عن عمرو بن دینار عن عطاء بن یسار عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم وروی حماد بن زید وسفیان بن عیینة عن عمرو بن دینار ولم یرفعاه والحدیث المرفوع اصح عندنا وقد روی هذا الحدیث عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم من غیر هذا الوجه رواه عیاش بن عباس القتبانی المصری عن ابی سلمة عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم والعمل علی هذا عند اهل العلم من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم وغیرهم اذا اقیمت الصلوة ان لا یصلی الرجل الا المکتوبة وبه یقول سفیان الثوری رحمة الله علیه وابن المبارک والشافعی واحمد واسحاق انتهی ما فی الترمذی عن عطاء بن یسار عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال اذا اقیمت الصلوة فلا صلوة الا المکتوبة وحدثنیه محمد بن حاتم وابن رافع قال حدثنا شبابة قال حدثنی ورقاء بهذا الاسناد وحدثنی یحیی بن حبیب الحارثی قال حدثنا روح قال حدثنا زکریا بن اسحاق قال حدثنا عمرو بن دینار قال سمعت عطاء بن یسار یقول عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال اذا اقیمت الصلوة فلا صلوة الا المکتوبة حدثناه عبد ابن حمید قال حدثنا عبد الرزاق قال اخبرنا زکریا بن اسحق بهذا الاسناد مثله وحدثنا حسن الحلوانی قال حدثنا یزید بن هرون قال اخبرنا حماد بن زید عن ایوب عن عمرو بن دینار عن عطاء بن یسار عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم بمثله قال حماد ثم لقیت عمروا فحدثنی به ولم یرفعه کذا فی صحیح مسلم مختصرا اقوله قال حماد ثم لقیت عمروا فحدثنی به ولم یرفعه هذا الکلام لا یقدح فی صحة الحدیث ورفعه لان اکثر الرواة رفعوه وقال الترمذی و

انس رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں امام ترمذی نے کہا ابوہریرۃ کی حدیث حسن ہے اس حدیث کو کئی راویوں نے مرفوعاً بیان کیا ہے اور کچھ لوگوں نے موقوفاً سفیان ثوری۔ ابن مبارک شافعی۔ احمد۔ اسحق سب کا یہی مذہب ہے کہ فرض کے شروع ہو جانے کے بعد کوئی اور نماز نہیں ہوتی امام ترمذی نے کہا مرفوع روایت صحیح ہے اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ صحیح مذہب پر رفع وقف سے مقدم ہوتا ہے اگرچہ رفع کی روایات کم ہوں اور اگر رفع کی روایات

روایۃ الرفع اصلح وقد اقدمنا فی الفصول السابقۃ فی مقدمۃ الکتاب ان الرفع مقدم علی الوقف علی المذھب الصحیح وان کان عدد الرفع اقل فکیف اذا کان اکثرانتہی ماقال النووی فی شرح مسلم وھکذا فی تدریب الراوی۔ اور معلوم کہ جو ابراہیم حلبی شارح منیۃ المصلی شاگرد ابن الہمام وغیرہ نے طحاوی وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ وابوالدرداءؓ صحابیوں میں سے اور مسروق وحسن بصری وابن زبیر وغیرہ تابعین میں سے بعد قائم ہوجانے جماعت کے سنت فجر کی گوشۂ مسجد میں پڑھ کر جماعت میں شامل ہوئے سو اس نقل سے سنت کا پڑھنا مسجد میں بعد اقامت صلوٰۃ کے جائز معلوم ہوتا ہے پس یہ نقل صاحب ہدایہ اور صاحب فتح القدیر ودرمختار وغیرہ کی تقریر اور تحریر سے صحیح اور ثابت نہیں ہوتی کیونکہ جو ثابت ہوتی تو صاحب ہدایہ وفتح القدیر کہ محقق مذہب حنفی کے ہیں ضرور نقل کرتے اس کو حالانکہ اس کو نقل نہیں کیا بلکہ خلاف اس کے بلحاظ حدیث اذا اقیمت الصلوٰۃ فلاصلوٰۃ الاالمکتوبۃ کے سنت فجر کی مسجد میں پڑھنے کو مکروہ لکھا ہے چنانچہ بخوبی پہلے مذکور ہوچکا تو اس سے معلوم ہوا کہ قول طحاوی وغیرہ کا جو ابراہیم حلبی مذکور نے نقل کیا ہے نزدیک صاحب ہدایہ اور صاحب فتح القدیر وغیرہ کے پایہ اعتبار سے ساقط ہے والا وہ ضرور نقل کرتے اور نیز فعل حضرت عمرؓ کا مخالف فعل عبداللہ بن مسعود وغیرہ کے منقول ہے یعنی حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ ایک شخص سنت فجر کی پڑھ رہا ہے وقت قائم ہونے جماعت کے تو اس کو مارا اور تعزیر دی اور عبداللہ بن عمر نے دیکھا ایک شخص کو کہ وقت اقامت موذن کے سنت فجر کی پڑھنے لگا تو اس کو کنکر مارا جیسا کہ بیہقی نے نقل کیا اور محلی شرح موطا میں مذکور ہے اور اگر بالفرض عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ نے سنت فجر کی پڑھی ہو تو جواب اس کا یہ ہے کہ عبداللہ ابن مسعودؓ وغیرہ کو حدیث نہی کی نہیں پہنچی اور حدیث نہی کے نہ پہنچنے میں کچھ تعجب نہیں کیونکہ مخفی رہا عبداللہ پر ہاتھ کا گھٹنوں پر رکھنا رکوع میں اور وہ ہمیشہ دونوں ہاتھ ملاکر رانوں میں رکھتے تھے موافق پہلے دستور کے اور مخالفت کی عبداللہ بن مسعود نے سب صحابہ سے اس مسئلہ میں چنانچہ صحاح میں مذکور ہے حالانکہ رکھنا دونوں ہاتھوں کا ملاکر رانوں میں منسوخ ہوچکا مگر عبداللہ بن مسعود کو نسخ کی حدیث نہیں پہنچی

وقف سے زیادہ ہوں تو پھر تو کوئی اعتراض ہی نہیں ہوسکتا۔

حالانکہ رکوع میں ہاتھ رکھنا گھٹنوں پر ہر وقت کا مدام معمول ہے ہر نماز میں اور یہ فعل ایسا
مشہور عبداللہ بن مسعودؓ پر مخفی رہا پس اسی طرح حدیث نہی سنت فجر کے پڑھنے میں
بیچ مسجد کے وقت قائم ہونے جماعت کے عبداللہ بن مسعودؓ اور ابوالدرداء کو نہ پہنچی اور
اسی طرح عبداللہ بن مسعودؓ اور ابوالدرداء بجائے قرأت وماخلق الذکر والانثی کے والذکر
والانثی پڑھتے تھے حالانکہ وماخلق الذکر قرأت متواترہ جمہور صحابہ کے نزدیک ہے اور یہی
قرأت متواترہ تمام قرآن مجید میں اور مصحف عثمانی میں اسی طرح سے مذکور ہے اور عبداللہ
بن مسعود اور ابوالدرداء کو یہ قرأۃ متواترہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ پہنچی جیسا کہ صحیح بخاری
اور صحیح مسلم میں وغیرہ میں یہ قصہ مذکور ہے پس بسبب لاعلمی اس حدیث نہی کے عبداللہ بن
مسعود اور ابوالدرداء نے سنت فجر کی کبھی مسجد میں بر وقت قائم ہوجانے جماعت کے اگر
پڑھی ہو تو وہ معذور رہیں گے اور ہم پر ان کا پڑھنا بمقابلہ حدیث صحیح کے کہ چھ سات صحابی
سے منقول ہے حجت نہیں ہو سکتا بموجب اس آیت کریمہ کے وما اتکم الرسول فخذوہ
ومانھکم عنہ فانتھوا ترجمہ۔ جو چیز دی تم کو رسولؐ نے پس لے لو اس کو اور عمل کرو
اس پر اور جس چیز سے منع کیا تم کو پس باز رہو اس سے اور نہ کرو اس کو پس قول وفعل
اور تقریر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی واجب الاتباع ہے امت پر۔[1] وقد روی عن
عمرؓ انہ کان اذا رای رجلا یصلی وھو یسمع الاقامۃ ضربہ وعن ابن عمرؓ انہ
رای رجلا یصلی رکعتین والمؤذن یقیم فحصبہ کذا فی المحلی اور بعضے عالم حنفی جواب
میں حدیث نہی کے یوں تقریر کرتے ہیں کہ اس شخص نے کنارہ مسجد کے یا اوٹ میں نہیں
پڑھی تھی اس واسطے انکار اور زجر فرمایا اور اگر دور یا اوٹ میں پڑھتا تو مضائقہ نہیں تھا
تو حدیث صحیح مسلم کی ان کے قول کو رد کرتی ہے جیسا کہ محلی میں موجود ہے۔[2] ومن الحنفیۃ
من قال انما انکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال الصبح اربعا لانہ علم انہ صلی
الفرض اولان الرجل صلاھما فی المسجد بلاحائل فشوش علی المصلین ویرد الاحتمال

[1] حضرت عمرؓ جب کسی آدمی کو اقامت ہوجانے کے بعد نماز میں مشغول پاتے تو اس کو مارتے۔ عبداللہ بن عمرؓ نے ایک
آدمی کو اقامت کے بعد سنتیں پڑھتے دیکھا تو اس کو کنکریاں ماریں [2] بعض حنفیہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم اس آدمی پر انکار کر کے جو فرمایا کیا صبح کی چار رکعتیں پڑھتا ہے یہ اس لئے کہا تھا کہ آپ نے سمجھا کہ اس
نے پہلے بھی فرض ہی پڑھے ہیں یا پھر سنتیں مسجد میں بغیر کسی اوٹ کے پڑھی ہوں گی پہلے احتمال کو یہ حدیث رد کرتی ہے

الاول قولہ صلی اللہ علیہ وسلم کما فی الکتاب اصلوتان معا ورما للطبرانی عن ابی موسی انہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی رجلا یصلی رکعتی الغداۃ والمؤذن یقیم فاخذ منکبیہ وقال الاکان ھذا قبل ھذا ویرد الثانی ما فی مسلم عن ابن سرجس دخل رجل المسجد وھو صلی اللہ علیہ وسلم فی صلوۃ الغداۃ فصلی رکعتین فی جانب المسجد ثم دخل مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما سلم النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یا فلان بای الصلوتین اعتددت الصلوتک وحدک ام بصلوتک معنا انتہی فانہ یدل علی ان اداء الرجل کانت فی جانب لا مخالطا للصف وفی المحیط الرضوی اختلفوا فی الکراھتہ فیما اذا صلی فی المسجد الخارج والامام فی الداخل فقیل لا یکرہ وقیل یکرہ لان ذلک کلہ کمکان واحد فاذا اختلف المشائخ فیہ کان الاحوی ان لا یصلی کذا فی المحلی پس احادیث مذکورہ بالا سے صاف واضح ہوتا ہے کہ سنت فجر کی بعد کھڑے ہوجانے جماعت فرض کے مطلقاً نہ پڑھے نہ مسجد میں اور نہ خارج مسجد میں اور یہی مذہب سارے اہل علم اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور ابن المبارکؒ اور احمد شافعی اور اسحاقؒ کا ہے جیسا کہ ترمذی سے واضح ہوتا ہے اور مالکی مذہب سے بھی ایسا ہی سمجھا جاتا ہے جیسا کہ محلی شرح موطا سے معلوم ہوتا ہے اور ہدایہ و فتح القدیر و در مختار سے پہلے مذکور ہوچکا کہ وقت اقامت کے مسجد میں سنت پڑھنی مکروہ ہے اور خارج مسجد میں پڑھنی درست ہے بشرطیکہ دونوں رکعت فرض کی فوت نہ ہوجاویں لیکن مضمون حدیث سے مطلق معلوم ہوتا ہے نہ پڑھنا سنت کا خواہ مسجد میں ہو خواہ خارج مسجد کے ہو وقت

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا وہ صبح کی دو سنتیں پڑھ رہا تھا مؤذن نے اقامت کہی آپ نے اس کو کندھوں سے پکڑا اور فرمایا اس سے پہلے سنتیں کیوں نہ پڑھ لیں اور دوسرے احتمال کا جواب یہ ہے کہ ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھا رہے تھے اس نے مسجد کے ایک گوشے میں دو رکعت سنت پڑھیں پھر نبی کے ساتھ جماعت میں شامل ہوا آپ نے فرمایا اے فلان ان دونوں نمازوں میں سے تونے کونسی نماز شمار کی ہے کیا اپنی اکیلے کی نماز زیادہ نماز جو تونے ہمارے ساتھ پڑھی یہ حدیث دلیل ہے کہ اس نے مسجد کے گوشے میں سنتیں پڑھی تھیں محیط میں ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ جب امام مسجد کے اندر نماز پڑھ رہا ہو اور باہر کوئی اگر سنتیں پڑھے تو یہ مکروہ ہے یا نہیں؟ بعض نے کہا مکروہ نہیں ہے اور بعض نے اسے مکروہ کہا ہے اس لئے کہ مسجد حقیقت میں ایک ہی مکان ہے اور جب مشائخ کا اختلاف ہے تو احتیاط اسی میں ہے کہ نہ پڑھے۔

قائم ہونے جماعت کے فیہ[1] دلیل علی انہ لا یصلی بعد الاقامۃ نافلۃ وان کان یدرک الصلوٰۃ مع الامام ورد علی من قال ان علم انہ یدرک الرکعۃ الاولیٰ او الثانیۃ یصلی النافلۃ انتہی۔ ما قال النووی فی شرح مسلم۔ اور نہ پڑھنے سنت میں وقت قائم ہوئے جماعت کے یہ حکمت ہے کہ دل جمعی سے ابتدا جماعت فرض میں مل جاوے اور ثواب تکبیر اولی اور تکمیل فرض کی حاصل ہو اور صورت اختلاف کی نہ ظاہر ہووے پس محافظت فرض کی اوپر درجہ کمال کے مقتدی کو ضرور ہے[2] الحکمۃ فیہ ان یتفرغ للفریضۃ من اولہا فیشرع فیہا عقیب شروع الامام واذا اشتغل بنافلۃ الاحرام ودفاتہ بعض مکملات الفریضۃ فالفریضۃ اولی بالمحافظۃ علی اکمالہا قال القاضی وفیہ حکمۃ اخری وھو النہی عن الاختلاف علی الائمۃ کذا قال الامام النووی فی شرح مسلم۔ اب آگے باقی رہا کلام اس میں کہ جس نے سنت فجر کی بعد طلوع آفتاب کے پڑھے پس عبد اللہ بن عمرؓ سے دونوں طرح منقول ہے خواہ بعد طلوع آفتاب کے یا قبل طلوع کے مالک انہ بلغہ ان عبد اللہ بن عمرؓ فاتہ رکعتا الفجر فقضاھما بعد ان طلعت الشمس کذا فی موطا امام مالک وھکذا اسند لابن ابی شیبۃ عن نافع عن ابن عمرؓ جاء الی القوم وھم فی الصلوٰۃ ولم یکن صلی الرکعتین فدخل معہم ثم جلس فی مصلاہ فلما اضحی قام[3] فصلاھما ولہ من طریق عطیۃ قال رأیت ابن عمرؓ قضاھما حین سلم الامام محلی اور نیز حدیث مرفوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے در

---

[1] اس میں دلیل ہے کہ اقامت کے بعد کوئی نفل نماز نہ پڑھی جائے اگرچہ وہ امام کے ساتھ نماز کو پا سکتا ہو اور اس میں اس آدمی کا رد ہے جو کہتا ہے کہ اگر اسے ایک رکعت یا دونوں رکعت مل جانے کی توقع ہو تو سنتیں پڑھ لے [2] اس میں حکمت یہ ہے کہ وہ فرضوں کیلئے فارغ ہو جائے گا جب امام نماز شروع کرے گا تو وہ بھی شروع کرے گا اور اگر نفل میں مشغول ہو گیا تو اس سے تکبیر تحریمہ اور بعض حصہ فرائض کا بھی فوت ہو جائیگا تو فرائض کی محافظت ضروری ہے قاضی عیاض نے کہا اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ ائمہ کی مخالفت سے ممانعت معلوم ہوتی ہے [3] امام مالک کو خبر پہنچی کہ عبد اللہ بن عمرؓ کی صبح کی سنتیں رہ گئی تھیں ان کی قضا آپ نے سورج نکلنے کے بعد کی۔ ایک دفعہ عبد اللہ بن عمرؓ مسجد میں آئے لوگ نماز پڑھ رہے تھے انہوں نے سنتیں نہیں پڑھی تھیں آپ ان کے ساتھ شامل ہو گئے پھر اپنی نماز کی جگہ بیٹھے رہے جب ضحیٰ کا وقت ہوا تو اٹھے اور ان کی قضا دی عبد اللہ بن عمرؓ نے ایک دفعہ صبح کی سنتوں کی قضا امام کے

باب قضاء سنت بعد طلوع آفتاب کے ابی ہریرۃ سے ترمذی میں موجود ہے اور کہا ترمذی نے اور اس پر عمل ہے اہل علم کا اور یہی قول سفیان ثوری اور شافعیؒ اور احمدؒ و ابن المبارکؒ و واسحاقؒ کا ہے۔ عن ابی ھریرۃ مرفوعا من لم یصل رکعتی الفجر فلیصلھما بعد ما تطلع الشمس قال الترمذی والعمل علی ھذا عند اھل العلم وبہ یقول الثوری والشافعی واحمد وابن المبارک واسحاق انتھی ما فی الترمذی اور ابو داود و ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ سے بعد فرض قبل طلوع آفتاب کے بھی پڑھنا سنت فجر کا واضح ہوتا ہے کہ قیس بن عمروؓ صحابی وقت اقامت جماعت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جماعت میں شامل ہوئے اور بعد ادائے فرض کے سنت فجر کی جلدی سے پڑھنے لگے اتنے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جماعت سے فارغ ہوئے اور پایا قیس کو سنت پڑھتے ہوئے تو فرمایا اے قیس ٹھیر جا آیا دو نماز اکٹھی پڑھتا ہے تو قیس نے کہا اے رسول خدا کے میں نے سنت فجر کی پہلے نہیں پڑھی تھی سو میں نے یہ دو رکعت سنت فجر کی پڑھی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پس نہیں مضایقہ اس وقت یعنی جبکہ پہلے تو نے سنت فجر کی نہیں پڑھی تھی اور بعد ادائے فرض کے تو نے پڑھی تو اس کے پڑھنے کا مضایقہ نہیں تو اس کلام سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے صاف واضح ہوا کہ بعد فرض صبح کے سنت فجر کی پڑھنا روا ہے اور نفل پڑھنا مکروہ ہے جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے تو حدیث نہی سے سنت فجر کی مستثنی اور خارج ہوئی اور نہی اس پر وارد نہیں ہوتی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیس کے سنت پڑھنے پر خاموش رہے اور ایک روایت میں یوں فرمایا کیا مضایقہ اور ایک روایت میں مسکرائے اور اسی واسطے جماعت علماء مکہ معظمہ کی حدیث قیس پر عمل کرنے کو روا رکھتے ہیں پس جو شخص ادائے فرض کے سنت فجر کی پڑھنے کو شدت سے منع کرتے ہیں تو قول ان کا بموجب حدیث قیس کے مقبول نہ ہوگا کیونکہ اس میں وسعت پائی گئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت کا اس حدیث کو مرسل کہیں گے اور حدیث مرسل حنفی مذہب اور مالکی مذہب میں حجت ہے جیسا کہ نور الانوار اور توضیح وغیرہ میں مذکور ہے باب من فاتتہ متی یقضیھا حدثنا عثمان بن ابی شیبۃ نا ابن نمیر عن سعد بن سعید حدثنی محمد

سلام پھیرنے کے بعد دی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا اس نے صبح کی نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھیں تو آپ نے فرمایا صبح کی نماز تو دو ہی رکعت ہے تو نے یہ کیا پڑھا ہے؟ اس نے کہا میں پہلے سنتیں ادا

بن ابراهيم عن قيس بن عمرو قال رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم رجلا يصلي بعد
صلوة الصبح ركعتان فقال الرجل اني لم اكن صليت الركعتين اللتين قبلهما فصليتهما الآن
فسكت رسول الله صلى الله عليه وسلم حدثنا حامد بن يحيى البلخي قال قال سفيان كان
عطاء بن ابي رباح يحدث بهذا الحديث عن سعد بن سعيد قال ابو داود روى عبد
ربه ويحيى ابنا سعيد هذا الحديث مرسلا ان جدهم زيدا صلى مع النبي صلى الله
عليه وسلم انتهى ما في ابي داود باب - ماجاء فيمن تفوته الركعتان قبل الفجر
يصليهما بعد صلوة الصبح حدثنا محمد بن عمرو السواق حدثنا عبد العزيز بن محمد
عن سعد بن سعيد عن محمد بن ابراهيم عن جده قيس قال خرج رسول الله صلى
الله عليه وسلم فاقيمت الصلوة فصليت معه الصبح ثم انصرف النبي صلى الله
عليه وسلم فوجدني اصلي فقال مهلا يا قيس اصلوتان معا قلت يا رسول الله صلى الله
عليه وسلم اني لم اكن ركعت ركعتي الفجر قال فلا اذا قال ابو عيسى حديث محمد بن
ابراهيم لا نعرفه مثل هذا الا من حديث سعد بن سعيد وقال سفيان بن
عيينة سمع عطاء بن ابي رباح من سعد بن سعيد هذا الحديث وانما يروى هذا
الحديث مرسلا وقد قال من اهل مكة بهذا الحديث لم يروا باسا ان يصلي الرجل
الركعتين بعد المكتوبة قبل ان تطلع الشمس قال ابو عيسى وسعد بن سعيد هو اخو
يحيى بن سعيد الانصاري وقيس هو جد يحيى بن سعيد ويقال هو قيس بن عمرو و
يقال هو قيس بن قهد واسناد هذا الحديث ليس بمتصل محمد بن ابراهيم التيمي
لم يسمع من قيس وروى بعضهم هذا الحديث عن سعد بن سعيد عن محمد
بن ابراهيم ان النبي صلى الله عليه وسلم خرج فرأى قيسا انتهى ما في الترمذي
هكذا رواه ابن ماجه فقط اور سنت فجر کی قضا نہیں ہے نزدیک امام ابوحنیفہؒ کے اور

نہیں کرسکا تھا وہ اب پڑھی ہیں تو آپ خاموش ہوگئے حضرت قیس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے نماز کھڑی
ہوگئی میں نے آپ کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی پھر جب آپ فارغ ہوئے تو میں نے سنتیں پڑھیں آپ نے فرمایا اے قیس
ٹھہر جا کیا دو نمازیں اکٹھی پڑھتا ہے؟ میں نے کہا میں پہلے سنتیں ادا نہیں کرسکا تھا آپ نے فرمایا پھر ٹھیک ہے یہ
حدیث مرسل ہے۔ لیکن مرسل حدیث احناف اور مالکیہ کے نزدیک حجت ہے اور اسی حدیث کی بنا پر اہل مکہ
کا فتوی ہے کہ اگر نماز کے بعد سورج نکلنے سے پہلے صبح کی سنتیں ادا کرے تو ٹھیک ہے۔

ابو یوسفؒ کے اور نزدیک امام محمدؒ کے تازوال قضا کرے اور بعض کہتے ہیں کہ جو قضا کرے گا تو نفل ہوں گے نزدیک شیخین کے اور محبوب سنت ہونگے نزدیک امام محمدؒ کے قضا کرنا چھوڑنے سے بہتر ہے جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا[1] ولا یقضیهما ای سنت الفجر الا حال کونہ تبعا للفرض قبل الزوال او بعدہ علی اختلاف المشائخ کما فی التمرتاشی وقیل یقضی بعدہ اجماعا والکلام دال علی انہا اذا فاتت وحدھا لا تقضی وھذا عندھما واما عند محمدؒ فیقضیها الی الزوال استحسانا وقیل لاخلاف فیہ فان عندہ لو لم یقض فلا شئی علیہ واما عندھما فلو قضی لکان حسنا وقیل الخلاف فی انہ لو قضی کان نفلا عندھما سنۃ عندہ کما فی جامع الرموز واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب حررہ السید شریف حسین

محمد اسد علی	سید محمد نذیر حسین	حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ

سوال ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب جماعت نماز فجر کی کھڑی ہو جائے اس دو رکعت سنت فجر کی پڑھ لے یا شامل ہو جاوے اور اگر شامل جماعت ہو گیا تو بعد نماز فرض کے طلوع آفتاب سے قبل نماز سنت کو پڑھے یا نہیں ۔ بینوا توجروا ۔

الجواب ۔ اس وقت سنت نہ پڑھے جماعت میں شامل ہو جاوے بموجب فرمودہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ[2] ترجمہ جس وقت جماعت نماز کی کھڑی ہو جاوے تو اس وقت سوائے نماز فرض کے اور کوئی نماز نہیں ہے دوسری حدیث ثم زاد مسلم بن خالد عن عمرو بن دینار فی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ قیل یا رسول اللہ ولا رکعتی الفجر قال ولا رکعتی الفجر اخرجہ ابن عدی بسند حسن اور بخاری میں عبد اللہ بن بحینہ سے روایت ہے ان[3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی رجلا وقد اقیمت الصلوٰۃ یصلی رکعتین فلما انصرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الصبح اربعا عن ابن عمر انہ ابصر رجلا یصلی

---

[1] اس عبارت کا ترجمہ متن میں عبارت سے پہلے آچکا ہے [2] جب نماز کھڑی ہو جائے تو پھر فرض نماز کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں ہوتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا ہے کہ صبح کی سنتیں بھی آپ نے فرمایا وہ بھی نہیں ہوتیں [3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا اس نے دو رکعتیں پڑھیں اور نماز کھڑی ہو چکی تھی

الرکعتین والمؤذن یقیم فحصبہ فقد روی عن عمرؓ انہ کان اذا رای رجلا یصلی و ہو یسمع الاقامۃ ضربہ عن طریق عطیۃ فقد رأیت ابن عمرؓ قضاہما حین سلم الامام اور قیس سے روایت ہے خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاقیمت الصلوۃ فصلیت معہ الصبح ثم انصرف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوجدنی اصلی فقال مہلا یا قیس اصلوتان معا قلت یا رسول اللہ انی لم اکن رکعت رکعتی الفجر قال فلا اذا قیس سے روایت ہے کہ قیس نے کہا کہ حضرتؐ باہر تشریف فرما ہوئے اور نماز فجر کی جماعت کھڑی ہوئی تو میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز فرض پڑھی بعد سلام پھیرنے کے حضرت نے مجھ کو نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا ٹھیر جا اے قیس کیا تو دو نمازیں اکٹھی پڑھتا ہے میں نے عرض کیا کہ میں نے دو رکعت سنت فجر کی نہیں پڑھی تھی تو حضرت نے فرمایا اگر ایسا ہے تو کچھ مضائقہ نہیں ان روایات مذکورہ بالا سے وقت کھڑی ہو جانے جماعت فرض کے شامل ہونا جماعت میں ضرور ہے اور پڑھنا سنتوں کا بعد جماعت کے قبل طلوع آفتاب کے یہ بھی ثابت ہو گیا اگر کوئی بعد طلوع آفتاب کے سنتیں پڑھے گا تو بھی درست ہے واللہ اعلم کتبہ محمد عبید اللہ و عبد الحق | محمد عبید اللہ ۱۲۹۱ | اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ نص است و بمقابلہ نص تعلیلات قیاسیہ باطل است | فقیر عبد الحق ۱۲۹۵ | میر احمد | پشاوری

واقعی ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ مانع جواز پڑھنے سنت کے ہے مگر بعد فرضوں کے بلاشبہ درست ہے | حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ |

قد ثبت[1] فی الصحیحین وغیرہما انہ اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ و زیادۃ الا رکعتی الفجر لا اصل لہا قالہ البیہقی و نقل عنہ فی المحلی شرح الموطا واللہ اعلم بالصواب

جب رسول اللہ صلعم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا صبح کی چار رکعتیں پڑھتے ہو؟ صبح کی چار رکعت پڑھتے ہو؟ عبد اللہ بن عمر نے ایک آدمی کو دیکھا وہ دو رکعت پڑھ رہا تھا اور مؤذن اقامت کہہ رہا تھا آپ نے اس کو کنکریاں ماریں حضرت عمر نے ایک آدمی کو نماز پڑھتے دیکھا اور اقامت کی آواز سنی جا رہی تھی آپ نے اس کو مارا حضرت عبد اللہ بن عمر نے امام کے سلام پھیرنے کے بعد صبح کی سنت کی قضا دی قیس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے نماز کی اقامت ہوئی میں نے آپ کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی جب آپ فارغ ہوئے تو میں نے سنتیں پڑھیں آپ نے فرمایا اے قیس ٹھہر جا کیا دو نمازیں اکٹھی پڑھتا ہے میں نے کہا اے اللہ کے رسول میں نے پہلی سنتیں نہیں پڑھی تھیں آپ نے فرمایا پھر ٹھیک ہے [1] صحیحین میں ثابت ہے کہ جب نماز کی اقامت ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں ہوتی اور

حررہ ابو محمد عبد الرؤف البہاری عبد الرؤف ۱۳۰۲

الجواب صحیح والرائے نجیح نمقہ محمد لیسن الرحیم آبادی عفی عنہ۔ مجیب صاحب نے بہت ہی عمدہ جواب دیا ہے حقیقت میں وقت اقامت ادائے سنت فجر ناجائز و نادرست از روئے حدیث صحیح السند کے ہے اور کتب فقہ میں بھی اس طرح سنت پڑھنے کو کہ جس طرح آجکل فی زماننا جہال پڑھتے ہیں یعنی قریب صف کے اور مسجد میں ممنوع لکھا ہے اور فتح القدیر میں لکھا ہے کہ اس طرح سے جیسا کہ آجکل مروج ہو رہا ہے سنت فجر پڑھتے ہیں بہت سخت مکروہ ہے اور وہ بڑے اجہل ہیں اور ہدایہ مع الکنایہ میں لکھا ہے کہ سنت فجر وقت اقامت مسجد میں ممنوع و نادرست ہے اگر پڑھے تو خارج از مسجد پڑھے اور مولوی عبد الحی صاحب لکھنوی حنفی نے عمدۃ الرعایہ صفحہ ۲۲۸ و تعلیق الممجد صفحہ ۸۶ میں بعد اللتیا خوب واضح کر کے لکھا ہے کہ از روئے احادیث صحیحہ مرفوعہ سنت فجر وقت تکبیر نہ پڑھنی چاہیئے فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العاجز ابو محمد عبد الوہاب الفنجابی نزیل الدہلی خادم شریعت رسول الاواب ابو محمد عبد الوہاب

الجواب صحیح محمد طاہر سلہٹی ۱۳۰۴۔ اکثر جاہل لوگ جو وقت اقامت فرض صبح کے سنتین پڑھتے ہیں یہ درست نہیں پس جماعت میں شامل ہونا چاہیئے حنفی واعظ جامع مسجد دہلی

سید محمد نذیر حسین	خادم شریعت رسول الثقلین محمد تلطف حسین ۱۲۹۱	سید محمد عبد السلام غفرلہ ۱۲۹۹	الجواب صحیح عبد اللطیف ۱۲۹۹

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حدیث شریف اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ میں لفظ اذا عموم زمان کیلئے ہے اور فلا صلوٰۃ میں صلوٰۃ عام ہے جو ہر نماز فرض وغیر فرض کو شامل ہے کیونکہ نکرہ نفی میں عموم کا فائدہ دیتا ہے پس اس حدیث کا ظاہر مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب اور جس وقت کسی نماز کے لئے اقامت کہی جائے تو بجز نماز مکتوبہ مقام لہا کے کوئی اور نماز پڑھنی نہیں چاہیے نہ فرض اور نہ غیر فرض پس سوال یہ ہے کہ جب اکثر مصلین کسی نماز فرض سے فارغ ہو کر عازم نوافل سابقہ کو ہوئے اسی اثنا میں چند اشخاص مسبوقین جماعت ثانیہ کی اقامت کہہ کر فرض نماز میں شامل ہوئے پس ان عازمین نوافل کو بوقت اقامت ان مفترضین کے بحکم حدیث مذکور نوافل پڑھنا چاہیے یا نہیں یا نوافل کو چھوڑ کر جماعت ثانیہ میں شریک ہو جانا چاہیے بینوا توجروا

الجواب۔ معلوم کرنا چاہیئے کہ اس حدیث شریف میں جملہ (فلا صلوٰۃ) کا نفی کرتا ہے نماز صلوٰۃ کا فریضۃ کانت او نافلۃ اور مستثنی ثابت و واجب کرتا ہے صلوٰۃ مکتوبہ مقام لہا کو۔

پس یہ وجوب دو حال سے خالی نہیں آیا یہ وجوب بوجہ اقامت کے ہوا ہے یا قبل سے اس پر واجب تھا صرف اقامت نے بفور بدون تراخی کے ادا کرنے کو واجب کر دیا صورت اولیٰ کا کوئی قائل نہیں کہ بوجہ اقامت کے وجوب صلوٰۃ ہوتا ہے ومن ادعی فعلیہ البیان بالبرھان باقی رہی صورت ثانیہ تو اس سے وہ افراد مصلین نکل گئے جو کہ اپنی صلوٰۃ مکتوبہ کو ادا کر چکے ہیں تو مطلب حدیث شریف کا یہ ہوا اذا اقیمت الصلوٰۃ وکنتم تریدون المکتوبۃ التی وجبت علیکم فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ واللہ اعلم حررہ السید عبد الحفیظ غفر لہ ولوالدیہ

سید محمد نذیر حسین

ہوالموفق ۔ جبکہ اکثر مصلین اپنے فرض نماز سے فارغ ہو چکے ہوں اور عازم نوافل راتبہ ہوں اور اسی اثنا میں اشخاص مسبوقین کی جماعت ثانیہ کیلئے اقامت کہی جائے تو ان عازمین نوافل کو نوافل پڑھنا جائز ہے اور ان کو نوافل کو چھوڑ کر اس جماعت ثانیہ میں شریک ہونا ضروری نہیں ہے رہی حدیث مذکور سو اس میں جملہ اذا اقیمت الصلوٰۃ میں صلوٰۃ سے مطلق ہر نماز مراد نہیں ہے بلکہ وہ فرض نماز مراد ہے جو ادا نہیں کی گئی ہے اور خلاصہ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ اسے نماز یو جب اس فرض نماز کے لئے اقامت کہی جاوے جس کو تم نے ابھی ادا نہیں کیا ہے تو بجز اس فرض نماز کے تم کو کوئی اور نماز نہیں پڑھنا چاہیئے پس صورت مسئولہ حدیث مذکور کے حکم سے خارج ہے واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری۔

سوال ۔ ادا کرنا سنتوں فجر کا وقت ہونے جماعت فرضوں فجر کے اسی مسجد اور مکان میں درست ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب ۔ متبعان سنت نبوی پر مخفی نہ رہے کہ صحیح مسلم و ترمذی و ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ وغیرہ میں مذکور ہے کہ اذا قیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ ترجمہ ۔ جب قائم کی جاوے نماز یعنی جب مؤذن اقامت شروع کرے تو اسوقت نماز پڑھنی درست نہیں سوائے فرض کے اور ابن عدی نے ساتھ سند حسن کے آگے اس کے یہ نقل کیا ہے کہ اے رسول خدا کے اور نہ دو رکعت سنت فجر کی ۔ یعنی کسی نے پوچھا کہ اقامت کے وقت سنت فجر کی بھی نہ پڑھے فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب اقامت ہونے لگے تو سنت فجر کی بھی پڑھنی نہ چاہیئے اور اسی مضمون کی حدیث اور کئی محلی شرح موطی میں مذکور ہے اب معلوم کرنا چاہیئے کہ جب رسول خدا نے سنت فجر کی پڑھنے کو وقت اقامت کے منع فرمایا تو پھر اور کے کہنے یا لکھنے کا کیا اعتبار ہے

لہ جب جماعت کھڑی ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں ہوتی۔

کیونکہ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں اطاعت پیغمبر خدا کی لازم کردی چنانچہ فرماتا ہے ما اتکم الرسول فخذوہ ونھٰکم عنہ فانتھوا ترجمہ جو چیز تم کو رسول دے یا کوئی کام ارشاد کرے پس اس کو لے لو یعنی قبول کرو اور بجا لاؤ اس کو تو جب حضرت نے سنت پڑھنی وقت قائم ہونے جماعت فرض کے منع کردیا تو امت کو چاہیئے کہ اس پر عمل کرے یعنی نہی فرمانے پر آنحضرت کے عمل کرے یعنی جماعت قائم ہونے کے وقت سنت نہ پڑھے ورنہ مخالف پیغمبر ہوگا ؎

خلاف پیمبر کسے رہ گزید — کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید۔

قال اللہ تعالیٰ ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ترجمہ۔ فرمایا خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں کہدے تو اے رسول اگر خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو دوست رکھے گا تم کو خدا۔ محلی شرح موطا میں ہے اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ حدیث مرفوع[1] اخرجہ مسلم والاربعۃ عن ابی ہریرۃ واخرجہ ابن حبان بلفظ اذا اخذ المؤذن فی الاقامۃ واحمد بلفظ فلا صلوٰۃ الا التی اقیمت وھو اخص و زاد ابن عدی بسند حسن قیل یا رسول اللہ ولا رکعتی الفجر قال ولا رکعتی الفجر تور بشتی وھکذا فی القسطلانی مالک عن شریک بن عبد اللہ بن ابی نمر انہ سمع قوم الاقامۃ فقاموا یصلون ای التطوع فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اصلاتان ای السنۃ والفرض معا ای موصولا فی وقت واحد اصلاتان معا ذلک فی صلوٰۃ الصبح فی الرکعتین اللتین قبل الصبح ثم زاد مسلم بن خالد عن عمرو بن دینار فی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ قیل یا رسول اللہ ولا رکعتی الفجر قال ولا رکعتی الفجر اخرجہ ابن عدی وسندہ حسن واما زیادۃ الا رکعتی الصبح فی الحدیث فقال البیہقی

---

[1] جب نماز کھڑی ہوجائے تو فرض نماز کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں ہوتی" یہ مرفوع حدیث ہے ایک لفظ یہ ہیں "تو صرف وہی نماز ہوگی جس کی اقامت ہوئی" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ صبح کی سنتیں بھی نہیں پڑھنی چاہئیں؟ تو آپ نے فرمایا صبح کی سنتیں بھی نہیں پڑھنی چاہییں کچھ لوگوں نے اقامت کی آواز سنی اور سنتیں پڑھتے رہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا دو نمازیں اکٹھی پڑھی جارہی ہیں؟ اور یہ صبح کی نماز کا واقعہ ہے امام بیہقی نے کہا یہ جو بعض لوگوں نے الا رکعتی الفجر (مگر صبح کی سنتیں پڑھنی جائز ہیں) اس کا بالکل کوئی اصل نہیں ہے حضرت عمر اگر اقامت کے بعد کسی کو الگ نماز پڑھتے دیکھتے تو اس کو مارتے۔ اقامت

هذہ الزيادة لا اصل لها قال البيهقي وقد روي ان عمر انه كان اذا رأى رجلا يصلي وهو يسمع الاقامة ضربه وعن ابن عمر انه ابصر رجلا يصلي الركعتين والمؤذن يقيم فحصبه وقالت الحنفية لهم ان يصليهما خارج المسجد او خلف اسطوانة لا مخالطا في الصف اذا تيقن بادراك الركعة الاخيرة مع الامام ومن الحنفية من قال انما انكر النبي صلى الله عليه وسلم وقال الصبح اربعا لانه علم انه صلى الفرض او لان الرجل صلاهما في المسجد بلا حائل فشوش على المصلين ويرد الاحتمال الاول قوله صلى الله عليه وسلم كما في الكتاب اصلاتان معا وما للطبراني عن ابي موسى انه صلى الله عليه وسلم رأى رجلا يصلي ركعتي الغداة والمؤذن يقيم فاخذ منكبيه وقال الا كان هذا قبل هذا ويرد الثاني ما في مسلم عن ابن سرجس دخل رجل المسجد وهو صلى الله عليه وسلم في صلوة الغداة فصلى ركعتين في جانب المسجد ثم دخل مع النبي صلى الله عليه وسلم فلما سلم النبي صلى الله عليه وسلم قال يا فلان باي الصلوتين اعتددت اصلوتك وحدك ام بصلوتك معنا انتهى فانه يدل على ان ادا الرجل كان في جانب لا مخالطا للصف بلا حائل وفي المحيط الرضوي اختلفوا في الكراهة فيما اذا صلى في المسجد الخارج والامام في الداخل فقيل لا يكره وقيل يكره لان ذلك كله كمكان واحد فاذا اختلف المشائخ فيه كان الاحوط لا يصلي تمام ہوئی عبارت محلی شرح موطا تصنیف مولانا

ہو گئی ایک آدمی سنتیں پڑھتا رہا عبداللہ بن عمر نے اس کو کنکریاں ماریں حنفی کہتے ہیں کہ اگر آخری رکعت مل جانے کا یقین ہو تو کسی ستون کے پیچھے یا مسجد کے صحن میں صبح کی سنتیں پڑھ لے اور بعض احناف کہتے ہیں کہ نہ پڑھے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو روک دیا تھا اور فرمایا تھا کیا دو نمازیں اکٹھی ہو رہی ہیں ایک دفعہ رسول اللہ نے ایک آدمی کو اقامت کے بعد سنتیں پڑھتے دیکھا تو اس کو کندھوں سے پکڑ کر کہا یہ سنتیں اس سے پہلے پڑھنی ہوتیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے ایک آدمی آیا اس نے پہلے سنتیں پڑھیں پھر جماعت میں شامل ہو گیا جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا ان دونوں نمازوں میں سے تونے کونسی نماز پسند کی ہے۔ کیا اپنی اکیلی نماز یا ہمارے ساتھ نماز۔ اگر امام مسجد کے اندر نماز پڑھ رہا ہو اور کوئی آدمی باہر صحن میں سنتیں پڑھے تو بعض نے کہا ہے یہ جائز ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ نہ پڑھے کیونکہ مسجد کا اندر اور باہر ایک ہی مکان کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ اگر امام اندر کھڑا ہو تو صحن میں کھڑی ہونے والی صفوں کی نماز اس کی اقتدا میں ہو جاتی ہے اگرچہ یہ دو جگہیں الگ الگ

سلام اللہ خلف شیخ الاسلام ...... شیخ عبدالحق محدث دہلوی دذکر انو لواجی امام یصلی الفجر فی المسجد الداخل فجاء رجل یصلی الفجر فی المسجد الخارج اختلف المشائخ فیہ قال بعضہم یکرہ لان ذلک کلہ کمکان واحد بدلیل جواز الاقتداء لمن کان فی المسجد الخارج بمن کان فی المسجد الداخل واذا اختلف المشائخ فالاحتیاط ان لا یفعل انتہی مافی البحر الرائق الراقم محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱

منصور الرحمن انصاری	محمد نجیب خاں	محمد اسمعیل	محمد عبدالقادر

سوال ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کروٹ پر لیٹنا بعد سنت فجر کے فرض ہے یا واجب یا سنت یا مستحب بینوا بالدلیل توجروا

الجواب ۔ جاننا چاہیئے کہ سنت فجر کے بعد داہنی کروٹ پر لیٹنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور ترک بھی ثابت ہے تو یہ فعل مستحب ہوا کیونکہ مستحب اسی فعل کو کہتے ہیں جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کیا ہو اور کبھی چھوڑ دیا ہو عن[1] عائشۃ قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی رکعتی الفجر اضطجع علی شقہ الایمن رواہ البخاری پس معلوم ہوا کہ اس فعل کو فرض یا واجب کہنا صحیح نہیں ہے اسی طرح اس فعل کو بدعت کہنا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ جب آنحضرتؐ سے ترک بھی ثابت ہے تو واجب یا فرض کیونکر ہو سکتا ہے واجب وفرض کا ترک تو ناجائز ہے چنانچہ بخاری نے عدم وجوب کے لئے ایک باب منعقد کیا ہے **باب** من[2] تحدث بعد الرکعتین فلم یضطجع اشار بہذہ الترجمۃ الی انہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یداوم علیہا وبذلک احتج الائمۃ علی عدم الوجوب وحملوا الامر الوارد بذلک فی حدیث ابی ہریرۃؓ عند ابی

سمجھی جائیں تو باہر کے لوگوں کی نماز نہ ہوتی لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ نہ پڑھی جائیں محلی شرح موطا اور بحر الرائق میں بھی اسی طرح ہے ۔ [1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی دو سنتیں پڑھتے تو اپنی دائیں جانب پر لیٹ جاتے حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ جب نماز پڑھتے تو اگر میں جاگ رہی ہوتی تو مجھ سے باتیں کرتے ورنہ آپ لیٹ جاتے یہاں تک کہ صبح کی اذان ہو جاتی [2] امام بخاری نے باب باندھا ہے " جو آدمی صبح کی سنتوں کے بعد باتوں میں مشغول ہو جائے اور لیٹے نہیں " اس ترجمہ باب میں اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ صبح کی سنتوں کے بعد نہیں لیٹا کرتے تھے اس سے ائمہ نے دلیل لی ہے کہ یہ لیٹنا واجب نہیں ہے اور ابو ہریرہؓ کی حدیث میں جو اثبات ہے اس سے استحباب ثابت ہوتا ہے ۔

داؤد وغیرہ علی الاستحباب کذا فی فتح الباری۔ اور ابو داؤد وغیرہ میں جو بصیغہ امر ارشاد فرمایا ہے تو ضرور ہوا کہ اس امر سے استحباب مراد ہو ورنہ حدیث ماقبل سے تطبیق کیونکر ہوگی اور اسی طرح جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فعل ثابت ہے تو بدعت کیونکر ہوسکتا ہے پس جن بزرگان دین سے اس فعل کا انکار وارد ثابت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو یہ حدیث نہیں ملی ورنہ کوئی مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کا کیونکر رد کرسکتا ہے چہ جائے کہ بزرگان دین واما انکار ابن مسعود الاضطجاع[1] وقول ابراھیم النخعی ھی ضجعۃ الشیطان کما اخرجھما ابن ابی شیبہ فھو محمول علی انہ لم یبلغھما الامر بفعلہ کذا فی فتح الباری اور یہ جو بعض نے کہا ہے کہ یہ فعل تہجد خوان کے ساتھ خاص ہے یہ بات بلا دلیل ہے تخصیص بلا دلیل نہیں ہوسکتی کما لا یخفی واللہ اعلم حررہ العاجز محمد یسین الرحیم آبادی ثم العظیم آبادی عفی عنہ سیئاتہ۔ المجیب مصیب محمد حسین خان خورجوی جواب ہذا صحیح ہے مستحب کو بدعت کہنا نہایت مذموم ہے سید محمد نذیر حسین

محمد عبد السلام غفرلہ ۱۲۹۹ عبد الرؤف ۱۳۰۲ بہاری ابو محمد عبد الحق ۱۳۰۵ لودہانوی

خادم شریعت رسول الاداب ابو محمد عبد الوہاب ۱۳۰۰ الفنجابی الجھنگوی نزیل الدہلوی

حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ محمد طاہر ۱۳۰۴ سلہٹی

سوال۔ کیا ائمہ وفقہائے حنفیہ کے نزدیک نماز میں فارسی وغیرہ زبان میں قرآن پڑھنا درست وجائز ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ درصورت مرقومہ معلوم کرنا چاہیئے کہ اس مسئلہ میں امام اعظم اور صاحبین کا اختلاف ہے مگر صاحبین کا قول عند الحنفیہ مفتی بہ اور قابل اعتماد کے ہے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا قول غیر مفتی بہ اور لائق اعتماد کے نہیں ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ امام ممدوح کے نزدیک فارسی وغیرہ زبان میں قرآن پڑھنا نماز میں لاچاری اور غیر لاچاری دونو حالت میں درست ہے اور صاحبین کے نزدیک فارسی وغیرہ زبان میں قرآن پڑھنا نماز میں جائز نہیں ہاں لاچاری کے وقت درست ہے مگر پڑھنے والا اس صورت میں گنہ گار ہوگا لمخالفۃ السنۃ المتوارثۃ اور امام صاحب نے اپنے اس قول سے رجوع کرکے صاحبین

[1] عبد اللہ بن مسعود اور ابراہیم نخعی نے جو صبح کی سنتوں کے بعد لیٹنے کا انکار کیا ہے تو وہ اس وجہ سے کہ انکو اس کا ثبوت

کے قول کو اختیار کیا ہے پس اب ان ائمہ ثلثہ میں سے کسی کے نزدیک غیر لاچاری کی حالت میں نماز کے اندر فارسی وغیرہ زبان میں قرآن پڑھنا درست نہیں۔ فان افتتح الصلوۃ بالفارسیۃ او قرأ فیہا بالفارسیۃ او ذبح وسمی بالفارسیۃ وھو یحسن العربیۃ اجزأہ عند ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ وقالا لا یجزیہ الا فی الذبیحۃ خاصۃ وان لم یحسن العربیۃ اجزأہ واما الکلام فی القرأۃ فوجہ قولہما ان القرآن اسم لمنظوم عربی کما نطق بہ النص الا ان عند العجز یکتفی بالمعنی کالایماء بخلاف التسمیۃ لان الذکر یحصل بکل لسان ولابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ قولہ تعالی وانہ لفی زبر الاولین ولم یکن فیہا بہذہ اللغۃ ولہذا یجوز عند العجز الا انہ یصیر مسیئا لمخالفۃ السنۃ المتوارثۃ ثم الخ ویروی رجوعہ فی اصل المسئلۃ الی قولہما وعلیہ الاعتماد والخطبۃ والتشہد علی ھذا الخلاف انتہی۔ ما فی الہدایۃ مختصرا قولہ کما نطق بہ النص یعنی قولہ تعالی قرآنا عربیا غیر ذی عوج وغیرہ فالفرض قرأۃ القرآن وھو عربی فالفرض العربی کذا فی فتح القدیر حاشیہ الہدایہ وشرطا عجزہ وعلی ھذا الخلاف الخطبۃ وجمیع اذکار الصلوۃ وان قرأہا عاجزا فجائز اجماعا قید القرأۃ بالعجز لان الاصح رجوعہ الی قولہما وعلیہ الفتوی انتہی ما فی تنویر الابصار والدر المختار وغیرہما من المعتبرات الحنفیہ ولا یجوز القرأۃ بالفارسیۃ الا بعذر عند ابی یوسف ومحمد رحمہما اللہ وبہ یفتی ھکذا فی شرح النقایۃ للشیخ ابی

نہیں پہنچا لے اگر کوئی فارسی میں نماز شروع کرے یا قرأت فارسی میں کرے یا ذبح کرتے وقت خدا کا نام فارسی میں لے اور وہ عربی اچھی طرح بول سکتا ہو تو بھی ابوحنیفہ کے نزدیک درست ہے اور صاحبین کہتے ہیں درست نہیں ہاں ذبیحہ میں جائز ہے اور اگر عربی اچھی طرح نہ جانتا ہو تو پھر اور زبانوں میں قرأت کر سکتا ہے صاحبین کا استدلال یہ ہے قرآن ایک عربی نظم ہے جیسا کہ نص سے ثابت ہے ہاں عجز کے وقت معنی پر اکتفا کر سکتا ہے جیسے کہ معذور آدمی سجدہ کی بجائے اشارہ کر لیتا ہے برخلاف تسمیہ کے کہ خدا کا ذکر ہر زبان میں کیا جا سکتا ہے امام ابوحنیفہ کا استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے انہ لفی زبر الاولین (قرآن پہلی کتابوں میں تھا) اور یہ تو ظاہر ہے کہ پہلی کتابوں کی زبان عربی نہیں

المکارم ویجوز عند ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ بالفارسیۃ وبای لسان کان وھو الصحیح ویروی رجوعہ الی قولھما وعلیہ الاعتماد ھکذا فی الھدایۃ وفی الاسرار ھو اختیاری وفی التحقیق ھو مختار عامۃ المحققین وعلیہ الفتوی کذا فی شرح النقایۃ للشیخ ابی المکارم وھو الاصح ھکذا فی مجمع البحرین انتھی ما فی العالمگیریۃ وغیرھا فقط واللہ اعلم بالصواب حررہ السید شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

از شرف سید کونین شد شریف حسین

سوال ما تقولکم ایھا العلماء رحمکم اللہ تعالی ھل یجوز الوتر بثلاث رکعات ام لا فلئن قلتم یجوز فما تقولون فیما جاء من نھی الوتر بثلاث رکعات قال فی منتقی الاخبار وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا توتروا بثلث اوتروا بخمس او بسبع ولا تشبھوا بصلاۃ المغرب رواہ الدارقطنی باسنادہ وقال کلھم ثقات وقال فی شرحہ نیل الاوطار واما حدیث ابی ھریرۃ فاخرجہ ایضا ابن حبان فی صحیحہ والحاکم وصححہ قال الحافظ رجالہ کلھم ثقات ولا یضرہ وقف من وقفہ واخرجہ ایضا محمد بن نصر عن روایۃ عراک بن مالک عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا توتروا بثلاث تشبھوا بالمغرب ولکن اوتروا بخمس او بسبع او بتسع او باحدی عشرۃ او اکثر من ذلک قال العراقی واسنادہ صحیح واخرج ایضا من روایۃ عبد اللہ بن الفضل

یعنی لہذا اگر کے وقت دوسری زبان میں پڑھ سکتا ہے لیکن وہ گنہگار ہوگا کیونکہ اس نے سنت متواترہ کی مخالفت کی ہے اور امام صاحب کا صاحبین کے قول کی طرف رجوع بھی بیان کیا جاتا ہے اور یہی صحیح ہے اسی طرح خطبۃ اور تشہد کا حال بھی ہے اور عبارت بالا میں جس نص کا حوالہ دیا گیا ہے وہ یہ آیت ہے قرآنا عربیا غیر ذی عوج تو ظاہر قرآن کی قرأت ہے اور وہ عربی زبان میں ہے تو عربی پڑھنا فرض ہوا واللہ اعلم اے کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ تین رکعت وتر پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟ اگر آپ یہ جواب دیں کہ جائز ہے تو ابو ہریرۃؓ ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ کی حدیثوں کا کیا جواب ہے کہ وہ مرفوعاً یا بہ اختلاف اقوال موقوفاً روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین رکعت

عن ابی سلمۃ وعبد الرحمن الاعرج عن ابی ھریرۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم قال لا توتروا بثلاث اوتروا بخمس او بسبع ولا تشبھوا بصلاۃ المغرب قال العراقی واسنادہ صحیح ثم روی محمد بن نصر قول مقسم ان الوتر لا یصح الا بخمس او سبع وان الحکم بن عتیبۃ سألہ عمن فقال عن الثقۃ عن الثقۃ عن عائشۃ ومیمونۃ وقد روی النسائی نحوہ عن میمونۃ مرفوعا وروی محمد بن نصر ایضاً باسنادہ قال العراقی صحیح عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال الوتر سبع او خمس ولا نحب ثلاثا بتراء وروی ایضا عن عائشۃ رض باسناد قال العراقی ایضاً صحیح انھا قالت الوتر سبع او خمس وانی لاکرہ ان یکون ثلاثا بتراء انتھی فان قلتم لا یجوز فما تقولون فیما وردت الاخبار والآثار بالوتر بثلاث رکعات منھا حدیث مسلم عن ابن عباس رض وفیہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم اوتر بثلاث رکعات منھا حدیث الترمذی عن علی رض قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بثلاث یقرأ فیھن بتسع سور من المفصل یقرأ فی کل رکعۃ بثلاث سور آخرھن قل ھو اللہ احد انتھی ومثل ذلک احادیث کثیرۃ واما الآثار فروی الطحاوی عن ابی خالد انہ قال سألت ابا العالیۃ عن الوتر فقال علمنی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الوتر مثل صلوۃ المغرب ھذا وتر اللیل وھذا وتر النھار وروی ایضا عن ثابت انہ قال صلی انس رض الوتر وانا عن یمینہ وام ولدہ خلفنا ثلث رکعات لم یسلم الا فی آخرھن انتھی کذا فی فتح القدیر وایضاً فیہ وروی الطحاوی عن عبد الرحمن بن ابی الزناد عن ابیہ عن الفقھاء السبعۃ

وتر نہ پڑھا کرو بلکہ پانچ یا سات رکعت وتر پڑھو اور مغرب کی نماز کی مشابہت نہ کرو وغیرہ وغیرہ اور اگر آپ کہیں کہ تین رکعت وتر جائز نہیں ہیں تو ان حدیثوں کا کیا جواب ہے جو تین رکعت وتر پڑھنے کے متعلق آئی ہیں چنانچہ حضرت علی ابن عباس ابوالعالیہ حضرت انس رض بیان کرتے ہیں کہ وتر تین رکعت ہیں مغرب کی نماز کی طرح کہ وہ دن کے وتر ہیں اور یہ رات کے اور فقہاء سبعہ نے بھی تین رکعت وتر کو اختیار کیا ہے اور حنفیہ تو اس پر اجماع نقل کرتے ہیں اور اگر مخالفت کی بنا پر اجماع نہ بھی تسلیم کیا جائے تو کم از کم جمہور کا مسلک تو ہوگا اور اگر آپ کہیں کہ تین رکعت مع الکراہت جائز ہیں جیسا کہ امام شوکانی نے بیان کیا ہے تو پھر اس کا کیا جواب ہے کہ اکثر لوگوں نے اس کو اختیار کر لیا ہے جواب شافی سے مطمئن فرما دیں۔ **الجواب** ۔ تین رکعت بلا کراہت جائز ہیں کیونکہ صحابہ کی ایک جماعت نے نبی صلی اللہ علیہ

سعید ابن المسیب وعروۃ بن الزبیر والقاسم بن محمد وابی بکر بن عبد الرحمن وخارجۃ بن زید وعبید اللہ ابن عبد اللہ وسلیمان بن یسار فی مشیختہ وھم اھل فقہ وصلاح فکان مما ادعیت عنھم ان الوتر ثلاث لا یسلم الا فی آخرھن انتھی فان قلتم ان الوتر بثلاث رکعات افضل من غیرھن قلنا کیف یکون الوتر بثلث افضل مع کونہ منھیا عنہ بالاحادیث التی ذکرت قبل وان قلتم انہ جائز مع کونہ مکروھا کما قال الشوکانی فی نیل الاوطار جمعا بین الاحادیث قلنا کیف یصح ذلک مع ثبوتہ بالاحادیث الصحیحۃ حتی ان الحنفیۃ یدعون الاجماع علی ذلک ای اجماع الصحابۃ والتابعین علی ان الوتر ثلاث رکعات قال فی فتح القدیر وفی مصنف ابن ابی شیبۃ تنا حفص شاعر وعن الحسن قال اجمع المسلمون علی ان الوتر ثلاث لا یسلم الا فی آخرھن انتھی فان نقضتم ذلک الاجماع بذھاب بعض السلف الی خلافہ فلا ینزل ھذا الاجماع عن درجۃ کونہ قول جمھورھم وفعل جمھورھم کما یدل علیہ عمل الفقھاء السبعۃ المذکورۃ فکیف یقال ان ھؤلاء الکبراء اختاروا ما کان مکروھا من الوتر بثلاث رکعات فیا ایھا العلماء رحمکم اللہ تعالی بینوا ھذا الامر المشکل بیانا شافیا مفردا بلا دلائل واضحۃ جزاکم اللہ خیرا جمیلا وسقاکم من عین تسمی سلسبیلا السائل الفقیر عبد اللہ بن القاضی احمد غفر اللہ لھما المرقوم فی شھر جمادی الثانیۃ سنۃ ۱۳۰۲ھ۔

الجواب ۔ نحن نقول ان الوتر بثلاث رکعات جائز بلا کراھتہ لان جماعۃ من الصحابۃ رضی اللہ عنھم رووا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم منھم علی بن ابی طالب وابن عباس وعمران بن حصین وعبد الرحمن ابن ابزی وعائشۃ وابی بن کعب وابو ایوب کما صرح بذلک الترمذی فی جامعہ ومنھم انس بن مالک وعبد اللہ بن ابی اوفی وعبد اللہ بن عمر وعبد اللہ بن مسعود وعبد الرحمن بن سبرۃ والنعمان ابن بشیر وابو ھریرۃ وعبد اللہ بن سرجس کما صرح بذلک العلامۃ المحقق محمد بن علی الشوکانی فی کتابہ نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار فھولاء خمسۃ عشر من

سے تین رکعت وتر روایت کئے ہیں مثلاً حضرت علی ابن عباس عمران بن حصین عبد الرحمن بن ابزی حضرت عائشہ ابی بن کعب ابو ایوب انس بن مالک عبد اللہ بن ابی اوفی عبد اللہ بن عمرو عبد اللہ بن مسعود عبد الرحمن بن سبرہ۔ نعمان بن بشیر ابو ہریرۃ عبد اللہ بن سرجس یہ پندرہ صحابہ کرام ہیں جنہوں نے تین رکعت وتر کی روایت کی ہے اور ان کی روایات صحاح

اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد نقلوا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الایتار بثلث ورواياتهم مخرجة فی الكتب الستة والموطا للامام مالك وغيرها من السنن والمسانيد كالدارمی وقيام الليل للامام محمد بن نصر المروزی والطبرانی وابی يعلی والحاكم والدارقطنی والبيهقی وابن حبان وصحيح ابن السكن وغيرها وان كان بعض الروايات فيها ضعيفة فقد ينجبر ويتقوى بما اسناده صحيح ثابت لا مقال فيه وانما تركنا استيعابها خوفا للاطالة ونكتفی بذكر بعض الروايات الصحيحة فمنها ما اخرجه الشيخان ومالك وغيرهم من اصحاب الصحاح عن عائشة[رض] انها قالت كان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يصلی اربعا فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم يصلی اربعا فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم يصلی ثلاثا ومنها ما اخرجه الترمذی عن علی قال كان رسول اللہ صلعم يوتر بثلث يقرأ فيهن بتسع سور المفصل يقرأ فی كل ركعة بثلث سور آخرهن قل هو الله احد ومنها ما اخرجه مسلم عن ابن عباس انه صلی اللہ علیہ اوتر بثلث ركعات فلما ثبت الايتار بثلث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلا معنی للكراهة فيه واما ما روی ابن حبان والدارقطنی ومحمد بن نصر المروزی والحاكم فی المستدرك واللفظ للحاكم ثنا عبد اللہ بن سليمان ثنا احمد ابن صالح ثنا عبد اللہ بن وهب عن سليمان بن بلال عن صالح بن كيسان عن عبد اللہ بن الفضل عن الاعرج عن ابی سلمة عن ابی هريرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا توتروا بثلاث تشبهوا بالمغرب اوتروا بخمس او سبع قال الحاكم بعد اخراج الحديث رواته كلهم ثقات وقال الدارقطنی فی السنن الكبير رواته كلهم ثقات وقال الحافظ زين الدين العراقی اسناده صحيح وقال الحافظ ابن حجر رجاله كلهم ثقات وقال الشيخ مجد الدين الفيروز آبادی فی سفر السعادة حديث صحيح ولكن اقر علی صحته الحافظ شمس الدين ابن القيم[رح] فی اعلام الموقعين

ستہ موطا امام مالک دارمی قیام اللیل مروزی طبرانی ابو یعلی حاکم دارقطنی بیہقی ابن حبان صحیح ابن سکن میں مروی ہیں گوان میں سے بعض بہت کمزور بھی ہیں لیکن ایک کو دوسری سے تقویت حاصل ہوتی ہے ان تمام روایات کو نقل کرنا موجب طوالت ہے پھر اتنی حاشیں ہوتے تین رکعت کو مکروہ کیسے کہا جاسکتا ہے اور ابن حبان دارقطنی محمد بن نصر مروزی حاکم نے جو تین رکعات کی ممانعت روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تین رکعت وتر نہ پڑھا کرو کہ مغرب کے ساتھ مشابہت کرو بلکہ پانچ یا سات رکعت وتر پڑھا کرو" حاکم دارقطنی

عن رب العالمين نتقول بالتوفيق والجمع بين حديث النهي هذا وبين احاديث
الايتار بثلث بحمل احاديث النهي على الايتار بثلث بتشهدين لمشابهة ذلك بصلاة
المغرب واحاديث الايتار بثلث على انها متصلة بتشهد في آخرها قال الحافظ
ابو الفضل ابن حجر العسقلاني في فتح الباري شرح البخاري هو جمع حسن و
يؤيد هذا الجمع ما رواه الحاكم ابو عبد الله في كتابه المستدرك عن عائشة قالت
كان النبي صلى الله عليه وسلم يوتر بثلث لا يقعد الا في آخرهن انتهى وحديث
عائشة هذا اورده الزرقاني في الجزء الثامن من شرح المواهب اللدنية وايضا
قرأت بخط الشيخ العلامة محمد بن اسمعيل الامير اليماني في الحاشية على
كتاب زاد المعاد لابن القيم الذي كتبه بيده الكريمة ما لفظه روى الحاكم
عن عائشة انه صلى الله عليه وسلم كان يوتر بثلث لا يتشهد الا في آخرهن انتهى وقد
روي فعل ذلك عن جماعة من السلف روى الحاكم في المستدرك باسناده عن
عطاء انه كان يوتر بثلث لا يقعد الا في آخرهن وقد بسطه الحافظ ابن حجر في
فتح الباري وتبعه العلامة القسطلاني في المواهب اللدنية وعبد الباقي الزرقاني
في شرحه فطالعه واما ما روي عن بعض الصحابة من النهي عن الايتار بثلث
فهو ايضا يحمل على ذلك اي كرهوا الايتار بتشهدين لا بتشهد واحد لان هذا
ابن عباس الذي اخرج عنه الامام محمد بن نصر الكراهة روى مسلم في صحيحه
عنه مرفوعا الايتار بثلث وهذه عائشة التي نقل عنها كراهة روى الشيخان
عنها مرفوعا جوازه فتعين ان الذي كرهوه هو الايتار بتشهدين كالمغرب لا الايتار

حافظ زین الدین عراقی حافظ ابن حجر شیخ مجد الدین فیروز آبادی ابن قیم نے کہا ہے کہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ
ہیں یہ حدیث بالکل صحیح ہے ہم اس کی تطبیق یوں دیتے ہیں کہ تین رکعت وتر پڑھنے سے جو ممانعت کی گئی ہے
وہ دو تشہد سے ہے جس سے وتر مغرب کی نماز کے مشابہ ہو جاتے ہیں اور اگر ایک ہی تشہد سے تین رکعت
وتر پڑھیں تو پھر مکروہ نہیں ہیں چنانچہ ابن حجر عسقلانی نے یہی تطبیق دی ہے اور اس کی تائید حضرت عائشہ کی اس
حدیث سے ہوتی ہے جس کو حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر پڑھا کرتے
تھے اور آخری رکعت میں تشہد کرتے حضرت عائشہ کی اس حدیث کو زرقانی نے مواہب اللدنیہ کی آٹھویں جلد
میں اور محمد بن اسمعیل الامیر نے زاد المعاد کے حاشیہ پر لکھا ہے اور سلف صالحین کی ایک جماعت کا یہی مسلک تھا

بثلث مطلقا ويحمل نفي التشبيه بالمغرب ايضاً بالايتار بثلث مفصولا بان يصلي شفعا ويسلم ثم يصلي بواحدة كما روى البخاري عن ابن عمر انه كان يسلم بين الركعتين والركعة في الوتر انه كان يامر ببعض حاجته فالحاصل ان الايتار بثلث مثل صلوٰة المغرب منهي عنه وان الايتار بثلث صحيح ثابت عن النبي صلى الله عليه وسلم فوجه الجمع بانه يوتر موصولا بتشهد واحد في آخره او يوتر مفصولا بان يصلي اولا شفعا ثم يصلي ركعة كما عرفت دليل هاتين الصورتين وما قال العلامة المحقق الناقد المدقق محمد بن علي الشوكاني رحمه الله عليه في نيل الاوطار وهذا لفظه يمكن الجمع بحمل النهي عن الايتار بثلاث على الكراهة والاحوط ترك الايتار بثلاث فليس بجيد لان النبي صلى الله عليه وسلم كثيرا ما كان يوتر بثلث كما كان يوتر بواحدة وبخمس وبغير ذلك فكيف يحمل النهي عن الايتار بثلث على الكراهة وايضا في صورة هذا الجمع يكون رد بعض الاحاديث .... واذا امكن الجمع بين الاحاديث لم يجز رد بعضها وقد امكن بطريقين اشرنا اليهما فان قلت قد ثبت من بعض اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم انهم اوتروا بثلث كالمغرب قلت كانهم لم يبلغهم النهي المذكور فهم معذورون فيه ولا حجة في قولهم وفعلهم اذا ثبت خلافه عن النبي صلى الله عليه وسلم ولم يثبت عن النبي صلى الله عليه وسلم انه اوتر بثلث بتشهدين كالمغرب ومن ادعى فعليه البيان وما روى الدارقطني ثم البيهقي عن يحيى ابن زكريا بنا الاعمش عن مالك بن الحارث عن عبد الرحمن بن يزيد النخعي عن عبد الله بن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وتر الليل ثلث كوتر النهار صلوٰة المغرب فقال الدارقطني لم يروه

عطا بھی تین رکعت وتر ایک تشہد سے پڑھتے ابن حجر عسقلانی قسطلانی اور زرقانی نے اپنی کتابوں میں اس کی خوب تفصیل بیان کی ہے اور بعض صحابہ سے جو تین رکعت وتر کی نہی ثابت ہے وہ بھی اسی پر محمول ہے کہ تین رکعت دو تشہد سے نہ پڑھے جائیں کہ اس سے مغرب کی نماز کے ساتھ مشابہت پیدا ہوتی ہے اور ایک تشہد سے تین رکعت وتر کو وہ مکروہ نہیں سمجھتے مثلاً حضرت عائشہؓ اور ابن عباس سے تین رکعت وتر کی مخالفت بھی ثابت ہے اور تین رکعت ایک تشہد سے روایت بھی کرتے ہیں اور مغرب کے ساتھ مشابہت کی نفی اس صورت میں ہو جاتی ہے کہ تین رکعت دو تشہد و سلام سے پڑھے جائیں۔ کہ پہلے دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے اور پھر ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیرے اس صورت میں تین رکعت

عن الاعمش مرفوعا غير يحيى بن زكريا وهو ضعيف وقال البيهقي الصحيح وقفه على ابن مسعود ورفعه يحيى
بن زكريا بن ابي الحواجب وهو ضعيف ورواه الثوري وعبد الله بن نمير وغيرهما عن الاعمش فوقفوه انتهى
واما ما اخرجه الدارقطني ايضا عن اسمعيل بن مسلم المكي عن الحسن عن سعد بن هشام عن عائشة مرفوعا نحوه و
من طريق الدارقطني رواه ابن الجوزي في العلل المتناهية وقال هذا حديث لا يصح قال ابن معين اسمعيل المكي
ليس بشيء ورواه في التحقيق وقال النسائي متروك وقال ابن المديني لا يكتب حديثه انتهى كذا في نصب
الراية للحافظ العلامة جمال الدين الزيلعي وما روى الامام الطحاوي في شرح معاني الآثار عن عبد الرحمن
بن ابي الزناد عن ابيه عن الفقهاء السبعة وهم اهل فقه وصلاح فكان مما وعيت عنهم ان الوتر ثلاث
لا يسلم الا في آخرهن ففيه انا لا ننكر الوتر بثلث ولا نقول ان الوتر لا يكون الا مفصولا بل نقول بجواز
الوتر موصولا ومفصولا لغاية ما يثبت منه ان المختار عند الفقهاء السبعة الوتر بثلث بتشهدين
بل قال ابو الزناد انه مما وعيت عنهم ان الوتر ثلث لا يسلم الا في آخرهن ففيه انما اخبر عن نفي الانفصال
من الشفع والواحدة اي لم يكونوا يوترون بثلث مفصولا بانهم يصلون شفعا ثم يصلون بواحدة و
ليس فيه اثبات التشهدين والايتار بخمس وثلث وبواحدة كلها قد ثبت عن النبي صلى الله عليه وسلم
باسانيد صحيحة لا مقال فيها الا ان احاديث الوتر بثلاث وبواحدة اكثر واثبت وعلى كل منها تعامل السلف
الصالحين قال الترمذي في جامعه قال سفيان ان شئت اوترت بخمس وان شئت اوترت بثلث وان

وتر دو تشہد سے پڑھے جائیں گے چنانچہ بخاری میں عبد اللہ بن عمر سے یہی طریقہ مروی ہے حاصل کلام یہ کہ بالکل مغرب کی طرح تین
رکعت وتر دو تشہد اور ایک سلام سے منع ہیں اور ایک تشہد یا دو سلام سے ثابت ہیں باقی رہا امام شوکانی کا قول "کہ
تین رکعت وتر جائز تو ہیں لیکن کراہت سے اور بہتر یہ ہے کہ تین رکعت وتر نہ پڑھے" یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم سے بکثرت تین رکعت وتر پڑھنا ثابت ہے گو آپ سے پانچ سات نو گیارہ رکعت بھی ثابت ہیں اور پھر اس صورت
میں بعض احادیث کا ترک بھی لازم آتا ہے اگر تطبیق کی کوئی صورت ممکن ہو تو تطبیق ہی دینا چاہیئے نہ کہ بعض احادیث صحیحہ کو چھوڑ
دیا جائے اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بعض صحابہ سے بالکل مغرب کی نماز کی طرح ایک سلام دو تشہد سے تین رکعت وتر ثابت
ہیں تو اس کا جواب یہ ہے ان کو نہی مذکور نہیں پہنچی وہ اس میں معذور ہیں اور جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے ایک فعل یا قول ثابت
ہو جائے تو اس کے خلاف کسی صحابی یا تابعی کے قول وفعل کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے اور کسی ایک بھی حدیث سے ثابت
نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی تین رکعت وتر ایک سلام دو تشہد سے پڑھے ہوں اور دارقطنی کی حدیث سے جو ثابت
ہوتا ہے وہ حدیث ضعیف ہے اس کو مرفوعا صرف یحیی بن زکریا نے روایت کیا ہے اور وہ ضعیف ہے بیہقی نے کہا صحیح
یہ ہے کہ یہ حدیث ابن مسعود پر موقوف ہے سفیان ثوری عبد اللہ بن نمیر نے اس کو موقوفا روایت کیا ہے اور اسی طرح دارقطنی

شئت اوترت برکعۃ قال سفیان والذی استحب ان یوتر بثلث رکعات وھو قول ابن المبارک واھل الکوفۃ انتہی وقال الشیخ سلام اللہ فی المحلی شرح الموطا وسئل احمد ماتقول فی الوتر قال اکثر الاحادیث واقواہ رکعۃ فانا اذھب الیہا ثم سئل عنہا فقال یسلم فی الرکعتین وان لم یسلم رجوت ان لا یضرہ الا ان التسلیم اثبت انتہی وما اخرج الطحاوی حدیث ابی ایوب ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الوتر حق فمن شاء اوتر بخمس ومن شاء اوتر بثلث ومن شاء اوتر بواحدۃ ثم قال ودل اجماعہم علی نسخ ما قد تقدمہ من قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم اخرج حدیث سعید ابن عبدالرحمن بن ابزی عن ابیہ انہ صلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الوتر فقرأ فی الاولی بسبح اسم ربک الاعلی وفی الثانیۃ قل یا ایہا الکفرون وفی الثالثۃ قل ھو اللہ احد ثم قال فہذا یدل علی انہ کان یوتر بثلث وقال علی القاری فی مرقاۃ المفاتیح اخرج الطحاوی باسانید متعددۃ عن ابی ایوب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الوتر حق فمن شاء اوتر بخمس ومن شاء اوتر بثلث ومن شاء اوتر بواحدۃ ثم قال ولولا اجماع علی خلاف ھذا لکان جائزا ان یقال من اوتر مخیر فی وترہ کما جاء فی ھذا الخبر فدل الاجماع علی نسخ ھذا انتہی فہذا عجیب جدا والعجب کل العجب این الاجماع ومن اجمع علی ان الایتار بثلث فقط

کی حضرت عائشہ سے حدیث ہے جس کو ابن جوزی نے موضوع بتایا ہے ابن معین نے کہا اسمعیل بن مکی کوئی شے نہیں ہے نسائی نے اسے متروک بتایا۔

اور فقہائے سبعہ سے جو تین رکعت وتر ایک سلام سے مروی ہیں وہ ہم تسلیم کرتے ہیں لیکن ان میں سے کسی ایک سے بھی دو تشہد ثابت نہیں ہیں اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ دو صورتوں میں تین رکعت وتر ثابت ہیں یا تو ایک تشہد اور ایک سلام سے پڑھے جائیں اور یا پھر دو سلام اور دو تشہد سے پڑھے جائیں اور فقہائے سبعہ نے پہلی صورت کو اختیار کیا ہے اور وہ بھی صحیح ہے

شیخ سلام اللہ حنفی نے محلی میں امام احمد کا مذہب نقل کیا ہے کہ وہ ایک رکعت وتر کو ترجیح دیتے تھے اور تین رکعت ایک سلام اور ایک تشہد سے جائز اور ایک سلام، دو تشہد سے مکروہ کہتے تھے باقی رہا طحاوی کا یہ کہنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تو ایک رکعت سے لیکر گیارہ رکعت تک وتر ثابت ہیں لیکن بعد میں تین رکعت وتر پر اجماع ہو گیا بڑے تعجب کی بات ہے یہ اجماع کب ہوا تھا؟ کہاں ہوا تھا؟ کن لوگوں نے کیا تھا۔ صحابہ اور تابعین سے بکثرت ایک رکعت وتر پڑھنا ثابت ہے چنانچہ حافظ زین الدین عراقی لکھتے ہیں "خلفائے اربعہ۔ سعد بن ابی وقاص۔ معاذ بن جبل۔ ابی بن کعب۔ ابوموسی اشعری۔ ابوالدرداء۔ حذیفہ۔ ابن عمر۔ ابن عباس۔ معاویہ

بل قد ثبت من طرق متعددۃ عن جماعۃ من الصحابۃ والتابعین و من بعدهم من العلماء انهم اوتروا بواحدۃ فقط قال الحافظ زین الدین العراقی وممن کان یوتر برکعۃ من الصحابۃ الخلفاء الاربعۃ وسعد بن ابی وقاص ومعاذ بن جبل وابی بن کعب وابو موسیٰ الاشعری وابو الدرداء وحذیفۃ وابن عمر وابن عباس ومعاویۃ وتمیم الداری وابو ایوب الانصاری وابو هریرۃ وفضالۃ بن عبید وعبد اللہ بن الزبیر و معاذ بن الحرث القاری وهو مختلف فی صحبتہ وممن اوتر برکعۃ من التابعین سالم بن عبد اللہ بن عمر وعبد اللہ بن عیاش بن ابی ربیعۃ والحسن البصری و محمد بن سیرین وعطاء بن ابی رباح وعقبۃ بن عبد الغافر وسعید بن جبیر ونافع بن جبیر بن مطعم وجابر بن زید والزهری وربیعۃ بن ابی عبد الرحمن وغیرهم ومن الائمۃ الشافعی والاوزاعی واحمد واسحاق وابو ثور وابو داؤد وابن حزم کذا نقلہ العلامۃ الربانی القاضی محمد بن علی الشوکانی فی نیل الاوطار فهذا تعامل السلف الماضین من الصحابۃ والتابعین ومن بعدهم من الائمۃ علی الایتار برکعت فقد ینقض الاجماع الذی زعمہ الزاعمون وما اخرج ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ ثنا حفص ثنا عمرو عن الحسن قال اجمع المسلمون علی ان الوتر ثلث لا یسلم الا آخرهن انتهی وضعیف لا یحتج بہ لان عمرو بن عبید یکذب علی

تمیم داری۔ ابو ایوب انصاری۔ ابو ہریرۃ۔ فضالۃ بن عبید۔ عبد اللہ بن زبیر۔ معاذ بن حرث القاری سب ایک رکعت وتر پڑھا کرتے تھے اور تابعین میں سے سالم بن عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن عباس بن ابی ربیعۃ۔ حسن بصری۔ محمد بن سیرین عطاء بن ابی رباح۔ عقبہ بن عبد الغافر سعید بن جبیر نافع بن جبیر جابر بن زید۔ زہری ربیعۃ بن عبد الرحمٰن وغیرہ ایک رکعت وتر کے قائل ہیں اور ائمہ میں سے امام شافعی۔ اوزاعی۔ احمد۔ اسحٰق۔ ابو ثور۔ داؤد بن حزم سب ایک رکعت وتر کے قائل ہیں۔ امام شوکانی نے بھی اسی طرح نقل کیا ہے اور ابن ابی شیبہ نے جو تین رکعت پر اجماع نقل کیا ہے وہ ضعیف ہے۔ کیونکہ عمرو بن عبید حسن بصری پر جھوٹ بولا کرتا تھا۔

الحسن البصری - قال الحافظ العلامۃ الزیلعی وعمرو ھذا الظاھر انہ عمرو بن عبید وھو متکلم فیہ انتھی وقال الحافظ الناقد شمس الدین الذھبی فی میزان الاعتدال فی ترجمۃ عمرو بن عبید البصری المعتزلی القدری مع زھدہ قال ابن معین لا یکتب حدیثہ وقال النسائی متروک الحدیث وقال حمید کان یکذب علی الحسن وقال ابن حبان کان من اھل الورع والعبادۃ الی ان احدث ما احدث واعتزل عن مجلس الحسن قال وکان یشتم الصحابۃ ویکذب فی الحدیث وھما لا تعمدا وقال الدارقطنی وغیرہ ضعیف انتھی ملخصا فعلم ان روایۃ الحسن البصری فی الاجماع علی ثلث ساقطۃ لا تقوم بھا الحجۃ وکیف ینقل الحسن البصری احد المصدق التابعین الاجماع علی ذلک مع انہ قد روی الترمذی فی جامعہ بسند صحیح عن ھشام عن محمد بن سیرین وھو ایضا من المصدق التابعین انہ قال کانوا یوترون بخمس وبثلاث وبرکعۃ ویرون کل ذلک حسنا - واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد الضعیف الراجی الی رحمۃ ربہ اللطیف ابو الطیب محمد المدعو بشمس الحق عفی عنہ العظیم آبادی -

سید محمد نذیر حسین	ابو الطیب محمد شمس الحق ۱۲۹۵

زیلعی نے کہا عمرو بن عبید متکلم فیہ ہے - علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں کہا ہے عمرو بن عبید معتزلی اور قدری تھا - ابن معین نے کہا اس کی حدیث نہیں لکھنی چاہیئے - نسائی نے کہا متروک الحدیث ہے -

ابن حبان نے کہا یہ پہلے بڑا پرہیزگار تھا پھر یہ معتزلی ہو گیا اور حسن بصری کی مجلس سے نکل گیا - صحابہ کو گالیاں دینے لگا اور حدیث میں جھوٹ بولنے لگا تو معلوم ہوا کہ حسن بصری سے جو تین رکعت وتر پر عمرو بن عبید نے اجماع نقل کیا ہے وہ ساقط الاعتبار ہے اور حسن بصری سے اجماع کیسے نقل کیا جا سکتا ہے جبکہ محمد بن سیرین ایک سچے تابعی سے وہ خود روایت کرتے ہیں کہ صحابہ پانچ رکعت وتر بھی پڑھتے اور تین رکعت بھی اور ہر ایک کو بہتر سمجھتے تھے -

سوال ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز وتر صحیح حدیث سے کے رکعت ثابت ہیں۔

الجواب ۔ احادیث صحیحہ سے نماز وتر ایک رکعت وتین وپانچ وسات ونو وگیارہ وتیرہ رکعتیں ثابت ہیں روضۃ الندیہ صفحہ ۷۵ مطبوعہ مصر میں ہے قال[1] فی المسوی واقل الوتر رکعۃ فی قول اکثرھم واکثرہ احدی عشرۃ او ثلاث عشرۃ وادنی الکمال ثلث وما زاد فھو افضل انتھی مشکوۃ شریف میں ہے عن[2] ابی ایوب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الوتر حق علی کل مسلم فمن احب ان یوتر بخمس فلیفعل ومن احب ان یوتر بثلث فلیفعل ومن احب ان یوتر بواحدۃ فلیفعل رواہ ابو داؤد والنسائی وابن ماجہ ادنیل الاوطار جلد ۲ صفحہ ۲۸۱ میں ہے عن[3] ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا توتروا بثلاث تشبھوا بالمغرب ولکن اوتروا بخمس او بسبع او بتسع او باحدی عشرۃ او اکثر من ذلک اخرجہ محمد بن نصر قال العراقی و اسنادہ صحیح ان احادیث سے ثابت ہوا کہ وتر کا اقل درجہ ایک رکعت اور اکمل درجہ گیارہ وتیرہ رکعت ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متصلاً ایک سلام سے وتر پڑھنا ایک رکعت سے نو رکعت تک ثابت ہے مشکوۃ شریف میں ہے عن[4] سعد بن ھشام قال انطلقت الی عائشۃ فقلت یا ام المومنین انبئینی عن خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قالت الست تقرأ القرآن قلت بلی قالت فان خلق نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان القرآن قلت یا ام المومنین انبئینی عن

---

[1] کم از کم وتر اکثر کے قول کے مطابق ایک رکعت ہے اور زیادہ سے زیادہ گیارہ یا تیرہ رکعت ہیں اور پورے وتر کا ادنی درجہ تین رکعت ہیں اور جو اس سے زیادہ ہو وہ افضل ہے [2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وتر ہر مسلمان پر ضروری ہے جو چاہے پانچ رکعت پڑھے جو چاہے تین پڑھے جو چاہے ایک رکعت پڑھے [3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین وتر نہ پڑھو اگر کہ اس سے مغرب کی نماز سے مشابہت ہوتی ہے پانچ، سات، نو، گیارہ یا اس سے زیادہ رکعت پڑھ لیا کرو [4] سعد بن ہشام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلعم کے اخلاق کے بارے میں سوال کیا آپ نے فرمایا کیا تو نے قرآن نہیں پڑھا انہوں نے کہا تو آپ نے فرمایا آنحضرت کے اخلاق قرآن تھے پھر آنحضرت کے وتروں کے متعلق سوال کیا تو کہا ہم آپ کے لئے مسواک اور پانی وغیرہ تیار

وتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت کنا نعد لہ سواکہ وطہورہ فیبعثہ اللہ ماشاء ان یبعثہ من اللیل فیتسوک ویتوضاء ویصلی تسع رکعات لایجلس فیہا الا فی الثامنۃ فیذکر اللہ ویحمدہ ویدعوہ ثم ینہض ولایسلم فیصلی التاسعۃ ثم یقعد فیذکر اللہ ویحمدہ ویدعوہ ثم یسلم تسلیما یسمعنا الحدیث رواہ مسلم ونیز مشکوٰۃ میں ہے عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی من اللیل ثلث عشرۃ رکعۃ یوتر من ذلک بخمس لایجلس فی شئی الا فی آخرہا متفق علیہ منتقی الاخبار میں ہے عن ام سلمۃ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بسبع وبخمس لایفصل بینہن بسلام ولاکلام رواہ احمد والنسائی وابن ماجہ اور مشکوٰۃ شریف میں ہے عن عبد العزیز بن جریج قال سالنا عائشۃ بای شئی کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر قالت کان یقرأ فی الاولی بسبح اسم ربک الاعلی وفی الثانیۃ بقل یاایہا الکفرون وفی الثالثۃ بقل ھو اللہ احد والمعوذتین رواہ الترمذی وابوداؤد اور حدیث لا توتروا بثلث اور حدیث من احب ان یوتر بثلث فلیفعل کے درمیان محدثین نے یوں تطبیق دی ہے کہ تین رکعت وتر میں دو رکعت کے بعد نماز مغرب کی طرح جلسہ نہ کرے بلکہ صرف تیسری رکعت میں جلسہ کرے اور اس جمع کی تائید حضرت عائشہؓ کی اس حدیث سے ہوتی ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بثلاث لایجلس الا فی آخرھن رواہ احمد والنسائی والبیہقی والحاکم واللہ اعلم بالصواب حررہ محمد عبد العزیز عفی عنہ　سید محمد نذیر حسین

سوال۔ چہ می فرمایند علماء دین متین کہ چند عرصہ سے بہ سبب شورش مخالفین اسلام و

کرکے رکھ دیتے جب اللہ تعالیٰ انکو اٹھاتے مسواک کرکے وضو کرتے اور نو رکعت وتر پڑھتے صرف آٹھویں رکعت میں بیٹھتے اللہ کا ذکر کرتے حمد بیان کرتے اور دعا کرتے پھر اٹھتے سلام نہ پھیرتے پھر نویں رکعت پڑھتے پھر بیٹھتے ذکر، حمد اور دعا کرتے پھر سلام پھیرتے لے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تیرہ رکعت نماز پڑھتے ان میں سے پانچ رکعت وتر ہوتے صرف آخری رکعت میں بیٹھتے لے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانچ یا سات رکعت وتر پڑھتے ان میں سلام نہ پھیرتے لے ابن جریج نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وتر کیسے پڑھا کرتے تھے فرمایا پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھتے دوسری میں قل یاایہا الکافرون اور تیسری میں قل ہو اللہ احد اور معوذتین لے رسول اللہ صلعم تین رکعت وتر پڑھتے اور صرف آخری رکعت میں بیٹھتے۔

گرمی قتال وجدال با سلطنت اہل اسلام جیسا کہ خلیفہ روئے زمین خادم حرمین الشریفین سلطان روم خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ کے ساتھ واقع ہے تمام مقامات متبرکہ یعنی مکہ معظمہ ومدینہ منورہ وجوامع شام وبیت المقدس وغیرہ میں فتح یابی اہل اسلام کے واسطے دعائیں مانگی جاتی ہیں اور دعائے قنوت پڑھی جاتی ہے مسلمانان ہند کو بھی ایسے وقت میں نماز ہائے فجر وغیرہ میں دعائے قنوت پڑھنی چاہیئے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ درمختار اور البحر الرائق وغیرہ میں مذکور ہے کہ قنوت نہ پڑھے وتر کے سوا دوسری نمازوں میں مگر کسی مصیبت کے وقت کہ امام قنوت پڑھے جہری نمازوں میں اور بعض فقہاء کا قول یہ ہے کہ سب نمازوں میں پڑھے جہری ہوں یا سری۔ ولا یقنت لغیرہ الا لنازلۃ فیقنت الامام فی الجہریۃ وقیل فی الکل در مختار فی شرح النقایۃ معزیا الی الغایۃ وان نزل بالمسلمین نازلۃ قنت الامام فی صلوۃ الجہر وھو قول الثوری واحمد وقال جمھور اھل الحدیث القنوت عند النوازل مشروع فی الصلوۃ کلھا انتہی مافی البحر الرائق اور اشباہ ونظائر میں نماز فجر میں قنوت پڑھنا لکھا ہے قولہ فیقنت الامام فی الجہریۃ یوافقہ مافی البحر والشرنبلالی عن شرح النقایۃ عن الغایۃ ان نازل بالمسلمین نازلۃ قنت الامام فی الصلوۃ الجہر وھو قول الثوری واحمد وکذا مافی شرح الشیخ اسمعیل عن النبایۃ اذا وقعت نازلۃ قنت الامام فی الصلوۃ الجہریۃ لکن فی الاشباہ عن الغایۃ قنت فی صلوۃ الفجر ویؤیدہ مافی شرح المنیۃ حیث قال بعد کلام فتکون شرعیۃ ای شرعیۃ القنوت فی النوازل مستمرۃ وھو محمل قنوت من قنت فی الصحابۃ بعد وفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم و

۱؎ وتروں کے علاوہ کسی نماز میں قنوت نہ پڑھے ہاں اگر کوئی مصیبت نازل ہو تو جہری نمازوں میں قنوت کرے بعض کہتے ہیں تمام نمازوں میں کرے جہری میں قنوت کرنا سفیان ثوری اور احمد کا مذہب ہے اور تمام نمازوں میں قنوت کرنا تمام محدثین کا مذہب ہے ۲؎ امام جہری نمازوں میں قنوت کرے اگر مسلمان پر کوئی مصیبت نازل ہو تو جہری نمازوں میں امام قنوت کرے اور یہ ثوری و احمد کا مذہب ہے بحر، شرنبلالی اور نبایہ میں اسی طرح ہے۔ اشباہ والنظائر میں ہے کہ صرف صبح کی نماز میں قنوت کرے۔ شرح منیہ میں ہے مصیبت میں دعا قنوت پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کا بھی معمول رہا ہے اور ہمارا یہی مذہب ہے اور اسی پر جمہور ہیں طحاوی کہتے ہیں اگر کوئی مصیبت نازل ہو تو فجر کی نماز میں قنوت کرے رسول اللہ نے ایسا ہی کیا اور تمام نمازوں میں قنوت کرنا صرف امام شافعی کا مذہب ہے

ھو من ھبنا وعلیہ الجمھور قال الحافظ ابو جعفر الطحاوی انما لا یقنت عندنا فی صلوٰۃ الفجر من غیر بلیۃ فان وقعت فتنۃ او بلیۃ فلا باس بہ فعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واما القنوت فی الصلوٰۃ کلھا للنوازل فلم یقل بہ الا الشافعی وکانھم حملوا ما روی عنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام انہ قنت فی الظھر والعشاء کما فی مسلم وانہ قنت فی المغرب ایضاً کما فی البخاری علی النسخ لعدم ورود المواظبۃ والتکرار الواردین فی الفجر عنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام آہ وھو صریح فی ان قنوت النازلۃ عندنا مختص بصلوٰۃ الفجر دون غیرھا من الصلوٰۃ الجھریۃ والسریۃ ومفادہ ان قولھم بان القنوت فی الفجر منسوخ معناہ نسخ عموم الحکم لا نسخ اصلہ کما نبہ علیہ نوح افندی وظاھر تقییدھم بالامام انہ لا یقنت المنفرد وھل المقتدی مثلہ لا ھل القنوت ھھنا قبل الرکوع ام بعدہ لم اراہ والذی یظھر لی ان المقتدی یتابع امامہ الا اذا جھر فیؤمن وانہ یقنت بعد الرکوع لا قبلہ بدلیل ان ما استدل بہ الشافعی علی قنوت الفجر وفیہ التصریح بالقنوت بعد الرکوع حملہ علماؤنا علی القنوت النازلۃ ثم رایت الشرنبلالی فی مراقی الفلاح صرح بانہ بعدہ واستظھر الحموی انہ قبلہ والاظھر ما قلناہ واللہ اعلم کذا فی رد المختار حاشیۃ الدر المختار۔ اور اس حاشیہ شامی سے معلوم ہوتا ہے کہ موقع قنوت پڑھنے کا بعد رکوع اخیر رکعت کے اس حالت خاص میں ہے اور مقتدی بھی متابعت امام کی کرے قنوت پڑھنے میں مگر جس وقت امام پکار کر پڑھے تو مقتدی آمین کہے اور دعا قنوت جو تم لوگوں سے سو پڑھتے اور یہ دعا پڑھے۔

کیونکہ مسلم میں ہے کہ آپ نے ظہر اور عشاء میں بھی قنوت پڑھی ہے اور بخاری میں ہے کہ آپ نے مغرب کی نماز میں بھی قنوت کی ہے گویا امام شافعی کو فجر کے علاوہ دوسری نمازوں میں قنوت منسوخ ہونے کی اطلاع نہیں ہوئی اور یہ جو عام مشہور ہے کہ یہ قنوت منسوخ ہو گئی اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ فجر کے علاوہ منسوخ ہوئی قنوت جماعت میں ہے منفرد قنوت نہ کرے مقتدی امام کے تابع ہے اگر امام بلند آواز سے قنوت کرے تو مقتدی بلند آواز سے آمین کہے اور قنوت رکوع کے بعد کرے شرنبلالی نے مراقی الفلاح میں اس کی تصریح کی ہے اور حموی نے کہا ہے کہ رکوع سے پہلے قنوت پڑھے لیکن صحیح پہلا قول ہے۔

اللھم اغفر لنا وللمؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات والف بین قلوبھم واصلح ذات بینھم وانصرھم علی عدوک وعدوھم اللھم العن کفرۃ کتابک الذین یصدون عن سبیلک ویکذبون رسلک ویقاتلون اولیائک اللھم خالف بین کلمتھم وزلزل اقدامھم وانزل بھم باسک الذی لا تردہ عن القوم المجرمین وقت سخت مصیبت کے قنوت کا پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور خلفائے راشدین سے پایا گیا ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے محاربہ مسیلمہ کذاب میں دعاء قنوت پڑھی ہے اسی طرح حضرت فاروق رضؓ اور علی مرتضےٰ رضؓ سے ثابت ہوا چنانچہ ماہران اخبار پر مخفی نہیں۔ وفی فتح القدیر ان مشروعیۃ القنوت للنازلۃ مستمر لم ینسخ وبہ قال جماعۃ من اھل الحدیث وحملوا علیہ حدیث ابی جعفر عن انس رضؓ مازال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقنت حتی فارق الدنیا ای عند النوازل وماذکرنا من اخبار الخلفاء یفید تقررہ لفعلھم ذلک بعدہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد قنت الصدیق رضؓ فی محاربۃ الصحابۃ رضؓ مسیلمۃ الکذاب وعند محاربۃ اھل الکتاب وکذلک عمر رضؓ وکذلک قنت علی [عفی عنہ] انتہی ما فی الاشباہ والنظائر۔ حررہ السید شریف حسین

زشرف سید کونین شد شریف حسین ۱۲۹۲	بطفیل نبی الٰہی بخش ۱۲۹۲	محمد عبد الحلیم ۱۲۹۱	۱۲۵۹ شیاء اللہ احمد حسن
			سید محمد نذیر حسین

سوال۔ تارک صلوٰۃ کے لئے جو لفظ شرک اور کفر کا حدیث میں آیا ہے تہدیداً ہے

لے اے اللہ ہم کو اور تمام مومن مردوں اور مومن عورتوں اور مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو بخش دے ان کے دلوں میں الفت ڈال دے ان کے حالات درست کر دے، ان کو اپنے اور ان کے دشمنوں پر فتح نصیب فرما، اے اللہ اپنی کتاب کے منکروں پر لعنت فرما جو تیرے راستے سے روکتے ہیں، تیرے رسولوں کو جھٹلاتے ہیں، تیرے دوستوں سے لڑائی کرتے ہیں، اے اللہ ان میں پھوٹ ڈال دے ان کے قدم ڈگمگا دے، ان پر اپنا وہ عذاب نازل فرما جس کو تو مجرم قوم سے واپس نہیں پھیرتا۔ ے فتح القدیر میں ہے، کہ مصیبت کے وقت دعا قنوت ہمیشہ سے چلی آ رہی ہے، منسوخ نہیں اہل حدیث نے بھی اسی طرح کہا ہے، اور انہوں نے انس رضؓ کی حدیث کو اسی معنی پر محمول کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ قنوت کرتے رہے مطلب یہ کہ مصیبت کے وقت ہمیشہ پڑھتے رہے، ویسے نہیں، اور پھر آپ کے بعد خلفاء راشدین بھی قنوت کرتے رہے، حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے مسیلمہ کذاب سے جنگ کے دنوں میں قنوت کی ہے حضرت عمر رضؓ اور حضرت علی رضؓ نے بھی اپنی خلافت میں قنوت کی ہے الاشباہ والنظائر میں ایسا ہی ہے۔

یا وہی ظاہری معنی مراد ہیں۔

الجواب ۔ جاننا چاہیئے کہ تارک صلوۃ دو قسم ہیں، ایک تارک منکر وجوب و فرضیت نماز، دوسرا بتکاسل و سستی، پس قسم اول تو خارج ملت اسلام سے ہے، اور واجب القتل ہے اگر توبہ نہ کرے، اور کافر حقیقی ہے، اما قسم ثانی اس پر اطلاق صرف اسم کفر از روئے حدیث ثابت ہے، چنانچہ امام نووی نے اسی طرح باب باندھا ہے۔ باب[1] بیان اطلاق اسم الکفر علی من ترک الصلوۃ۔ عن جابر رض یقول سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان بین الرجل وبین الشرک والکفر ترک الصلوۃ فمن ترکھا فقد کفر رواہ مسلم وعن بریدۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العھد الذی بیننا وبینھم الصلوۃ فمن ترکھا فقد کفر رواہ الترمذی۔ لیکن یہ کفر کفر حقیقی نہیں، بلکہ کفران عمل میں معدود ہے کیونکہ بہت آیات واحادیث صریحہ صحیحہ منافیہ معنی حقیقی سے وارد ہیں۔ قال[2] الامام البخاری رحمۃ اللہ علیہ باب المعاصی من امر الجاھلیۃ ولا یکفر صاحبھا بارتکابھا الا بالشرک لقول اللہ تعالی ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء۔ وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما فسماھم المؤمنین انتھی وقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقتال المسلم کفر وعن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاث من اصل الایمان الکف عمن قال لا الہ الا اللہ لا تکفرہ بذنب ولا تخرجہ من الاسلام بعمل والجھاد ماض رواہ ابوداؤد۔ وعن جابر قال قال رسول اللہ ثنتان موجبتان قال رجل یا رسول اللہ ما الموجبتان قال من مات یشرک باللہ

---

[1] جو آدمی نماز چھوڑ دے، اس پر لفظ "کافر" کا اطلاق ہو سکتا ہے، جابر کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا، کہ آدمی اور کفر و شرک کے درمیان حد فاصل نماز کا چھوڑنا ہے، آپ نے فرمایا، کہ وہ عہد جو ہمارے اور ان کے درمیان ہے نماز کا ہے جس نے اس کو چھوڑ دیا اس نے کفر کیا

[2] امام بخاری نے کہا، ان جاہلیت کے گناہوں کا باب جن کا مرتکب کافر نہیں ہوتا، ماسوائے شرک کرنے کے، اللہ تعالی نے فرمایا، اللہ کسی کو شرک نہیں بخشے گا، اور جو گناہ ان کے سوا ہیں، وہ جسے چاہے بخش دے، اگر ایمانداروں کی دو جماعتیں آپس میں لڑیں، تو ان میں صلح کرا دو، تو ان دونوں کو مومن قرار دیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مسلمان سے لڑنا کفر ہے آپ نے فرمایا، تین باتیں ایمان کا اصل ہیں، جو لا الہ الا اللہ کہے اس سے رک جانا اس کو کافر نہ کہنا کسی عمل کی وجہ سے کافر قرار نہ دینا، اور جہاد جاری ہے، آپ نے فرمایا، دو چیزیں واجب کرنے والی ہیں، کسی نے پوچھا، واجب کرنے والی کیا ہیں

شیئا دخل النار و من مات لا یشرک باللہ شیئا دخل الجنۃ رواہ مسلم و عن عثمان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مات وھو یعلم انہ لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ رواہ مسلم۔ وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ رواہ مسلم۔ وعن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالی یا ابن آدم ما دعوتنی و رجوتنی غفرت لک علی ما کان فیک ولا ابالی یا ابن آدم لو بلغت ذنوبک عنان السماء ثم استغفرتنی غفرت لک ولا ابالی یا ابن آدم انک لو لقیتنی بقراب الارض خطایا ثم لقیتنی لا تشرک بی شیئا لاتیتک بقرابھا مغفرۃ رواہ الترمذی و حسنہ۔ پس جمہور محققین بہ سبب ان آیات واحادیث موجبات رحمت کے حدیث فمن ترکھا فقد کفر کو محمول بر کفر حقیقی نہیں کرتے، اور یہی ہے مختار ائمہ ثلاثہ وجماہیر سلف کا قال الامام النووی[1] اما تارک الصلوۃ فان کان منکرا لوجوبھا فھو کافر باجماع المسلمین خارج من ملۃ الاسلام الا ان یکون قریب العھد بالاسلام وان کان ترکہ تکاسلا مع اعتقاد وجوبھا کما ھو حال کثیر الناس فقد اختلف العلماء فیہ فذھب مالک والشافعی وابو حنیفۃ وجماھیر من السلف والخلف الی انہ لا یکفر بل یفسق ویستتاب انتہی

علاوہ ازیں بنا بر مذہب سلف صالحین وائمہ متکلمین اعمال شرط کمال ایمان بالنظر الی اللہ ہیں نہ شرط صحت ایمان، جیسا کہ مذہب معتزلہ کا ہے۔ قال الحافظ ابن حجر[2] فی الفتح

آپ نے فرمایا جو اللہ کے ساتھ شرک کرے گا دوزخ میں جائے گا، اور جو شرک نہیں کرے گا جنت میں داخل ہوگا آپ نے فرمایا کہ جو اس حال میں مرے، کہ وہ جانتا ہو، کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ جنت میں داخل ہوگا، آپ نے فرمایا، جس نے لا الہ الا اللہ کہا، وہ جنت میں داخل ہوگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے آدم کے بیٹے جب تک تو مجھ کو پکارتا رہے گا، اور امید رکھے گا، میں تجھے بخشتا جاؤں گا، خواہ تیرے عمل کیسے ہوں مجھے اس بات کی پرواہ نہیں، اگر تیرے گناہ آسمان کے کناروں تک پہنچ جائیں، پھر تو مجھ سے بخشش مانگے، تو میں تجھے بخش دوں گا، اے ابن آدم مجھے اس بات کی پرواہ نہیں، اگر تو گناہوں سے بھری ہوئی زمین لے کر آئے، اور تو میرے ساتھ شریک نہ ٹھہراتا ہو، تو میں تیرے پاس اتنی ہی بخشش لے کر آؤں گا

[1] امام نووی نے کہا، اگر کوئی نماز کے وجوب کا منکر ہو تو وہ باتفاق مسلمین کافر ہے، ملت اسلامیہ سے خارج ہے، مگر یہ کہ وہ ابھی نیا نیا مسلمان ہوا ہو، اور اگر اس کو سستی کی بنا پر چھوڑے، اور اس کے وجوب کا قائل ہو، جیسا کہ اکثر لوگوں کا حال ہے، تو علماء کا اس میں اختلاف ہے، مالک، شافعی، ابو حنیفہ اور جمہور کے نزدیک وہ کافر نہیں ہے بلکہ فاسق ہے، اس سے توبہ کرائی جائے۔　　[2] حافظ ابن حجر نے کہا ہے، معتزلہ کہتے ہیں، کہ ایمان

المعتزلة قالوا هو العمل والنطق والاعتقاد والفارق بين المعتزلة وبين السلف انهم جعلوا الاعمال شرطا في صحته والسلف جعلوها شرطا في كماله وهذا كله بالنظر الى ما عند الله تعالى۔ پس بنا بر مذہب سلف بترک عمل مثل نماز خارج نفس ایمان سے نہ ہوگا، غایت مافی الباب کمالیت سے خارج ہوگا، اس لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صلوا خلف کل بر وفاجر وان عمل الکبائر رواہ ابوداؤد۔ ہاں فی زماننا حسب مصلحت وقت تہدیداً تارک صلوٰۃ کو مطلق کافر کہنا جائز ہے، نہ یہ کہ مانند کفار غسل و تجہیز و تکفین و نماز جنازہ سے محروم کیا جائے غایۃ الامر بخیال موعظت عوام امام محلہ و صلحاء لوگ اس کے جنازہ پر حاضر نہ ہوں، واللہ اعلم بالصواب۔

سوال:۔ تارک صلوٰۃ کے بارے میں جناب میاں صاحب مدظلہ کا کیا فتویٰ ہے اور من ترک الصلوٰۃ متعمدا فقد کفر کے کیا معنی ہیں، اور نیز فتویٰ بے نمازی کے جنازہ کے بارہ میں کیا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ تارک صلوٰۃ کے بارے میں حضرت میاں صاحب مدظلہم کا فتویٰ یہ ہے کہ وہ فاسق ہے، کافر نہیں ہے، اور حدیث من ترک الصلوٰۃ متعمدا فقد کفر میں کفر سے مراد کفران نعمت ہے، اور کفر جو ایمان کا مقابل ہے، وہ مراد نہیں، اور بے نمازی کے جنازہ کے بارے میں حضرت ممدوح کا یہ فتوے ہے، کہ ایسے شخص کا جنازہ، جو مقتدا ہیں، وہ نہ پڑھیں بلکہ کسی معمولی شخص سے پڑھوا دیں۔ حررہ السید ابوالحسن عفا اللہ عنہ | سید محمد نذیر حسین |

سوال:۔ ہر کسے کہ قصداً نماز یک وقت یا زیادہ ترک کند موافق قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ترک الصلوٰۃ متعمدا فقد کفر اطلاق کفر بر و خواہد شد یا نہ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ تارک صلوٰۃ نزد جمہور علماء اہل سنت رحمہم اللہ تعالےٰ مسلم است نہ کافر بشرطیکہ دیگر موجبات شرک و کفر و انکار ضروریات دین از وسر زدہ نشدہ باشد بدلیل اینکہ

عمل شہادت اور اعتقاد کا نام ہے، اور معتزلہ اور سلف کے درمیان فرق یہ ہے کہ معتزلہ عمل کو ایمان کی صحت کے لئے شرط قرار دیتے ہیں، اور سلف اعمال کو ایمان کے کمال کی شرط قرار دیتے ہیں، اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے معاملہ کے نظریہ سے ہے ۔۔ ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو، اگرچہ وہ کبیرہ کا مرتکب ہو۔

سوال:۔ جو آدمی ایک یا زیادہ نمازیں قصداً چھوڑ دے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے کے مطابق کہ جس نے جان بوجھ کر نماز کو چھوڑ دیا وہ کافر ہوا" کافر کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ جمہور اہل سنت کے نزدیک تارک نماز مسلمان ہے کافر نہیں بشرطیکہ دوسرے موجبات شرک

اعمال نزد اہل سنت وجماعت داخل جزو ایمان نیست، بلکہ از مکملات است بخلاف معتزلہ وخوارج کہ نزد ایشان اعمال جزو اصل ایمان است، لہٰذا تارک عملے کافر می شود نزد خوارج و نزد معتزلہ بین المنزلتین است کما ہو مذکور فی کتب الکلامیۃ، و دلیل بر خروج عمل از ایمان عطف عمل بر ایمان اظہر من الشمس است۔ قال فی التفسیر البیضاوی والمظہری للقاضی وعطف العمل علی الایمان رفیہ دلیل علی انہا خارجۃ عن مسمی الایمان اذ الاصل ان الشئ لا یعطف علی نفسہ وماھو داخل فیہ انتہی کلامہ مختصرا وھکذا فی سائر التفاسیر وفیہ دلیل علی ان العمل خارج عن الایمان کذا فی التفسیر المظہری للقاضی ثناء اللہ الپانی پتی تحت ھذہ الآیۃ الکریمۃ وبشر الذین امنوا وعملوا الصالحات

وبسیارے احادیث برین معنی کہ عمل جزو ایمان نیست دلالت واضح می کنند عن عبادۃ بن الصامت قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من شہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمدا عبدہ ورسولہ وان عیسی عبد اللہ ورسولہ وابن امتہ وکلمتہ القاھا الی مریم وروح منہ والجنۃ حق والنار حق ادخلہ اللہ الجنۃ علی ماکان من العمل متفق علیہ قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علی ماکان برآنچہ دارد کہ از عمل نیک یابد واین حدیث صریح است در مذہب اہل سنت وجماعت کما لا یخفی علی العالم المتفطن وعن معاذ رض قال کنت ردف النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی حمار لیس بینی وبینہ الا مؤخرۃ الرحل فقال

(کفر کا) ارتکاب یا ضروریات دین کا انکار نہ کرے اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک اعمال داخل جزو ایمان نہیں ہیں بلکہ دین کو مکمل کرنے والے ہیں، اور معتزلہ وخوارج اعمال کو اصل ایمان کا جزو قرار دیتے ہیں، اور تارک عمل خوارج کے نزدیک کافر ہے، اور معتزلہ کے نزدیک کفر وایمان کے درمیان ہے، اور اعمال کا ایمان سے علیحدہ ہونا اس بات سے ظاہر ہے، کہ اعمال کا عطف ایمان پر ڈالا گیا ہے، اور معطوف ومعطوف علیہ الگ الگ چیزیں ہوتے ہیں، اور کسی چیز کا عطف اسی چیز پر نہیں ہوتا تفسیر بیضاوی اور تفسیر مظہری میں ایسا ہی لکھا ہے۔

اور بہت سی حدیثیں بھی اس بات پر دلالت کرتی ہیں، کہ اعمال اصل ایمان سے خارج ہیں، مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جو آدمی شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، اور محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اور عیسیٰ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اس کی لونڈی کے بیٹے ہیں، اس کا کلمہ جس کو مریم کی طرف ڈالا، اور اس کی طرف سے روح ہیں، جنت اور دوزخ حق ہیں، تو اللہ اس کو جنت میں داخل کرے گا خواہ اس کے اعمال کیسے ہی ہوں، اور حضرت معاذ والی حدیث کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر بیٹھا ہوا تھا

یا معاذ هل تدری ما حق الله علی العباد وما حق العباد علی الله قلت الله ورسوله اعلم قال فان حق الله علی العباد ان یعبدوه ولا یشرکوا به شیئا وحق العباد علی الله ان لا یعذب من لا یشرك به شیئا فقلت یا رسول الله افلا ابشر به الناس قال لا تبشرهم فیتکلوا علیه متفق علیه۔ وعن انس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم مامن احد یشهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله صدقا من قلبه الا حرمه الله علی النار الی آخر ما فی المشکوۃ متفق علیه۔ وعن ابی ذر فقال مامن عبد قال لا اله الا الله ثم مات علی ذلك الا دخل الجنة وان زنی وان سرق قال وان زنی وان سرق متفق علیه کذا فی المشکوۃ۔

دیگر از حدیث طویل در باب شفاعت کہ از ابی سعید خدری در صحیح بخاری و مسلم و دیگر صحاح مروی است، صراحت دلالت می کند، کہ مرتکب کبائر و تارک الصلوٰۃ وغیرہ کافر باللہ نیستند کہ مخلد بالنار باشند، بلکہ عصاۃ اند، آخر شفاعت شفیعان و برحمت کاللہ او ارحم الراحمین در جنت داخل خواہند بود تحت آیت کریمہ ویغفر مادون ذلك لمن یشاء داخل اند فیقول الله شفعت الملائکة وشفع النبیون وشفع المؤمنون ولم یبق الا ارحم الراحمین فیقبض قبضة من النار فیخرج منها قوما لم یعملوا خیرا قط قد عادوا حمما فیلقیهم فی نهر فی افواه الجنة یقال له نهر الحیوة فیخرجون کما یخرج الحبة فی حمیل السیل فیخرجون کاللؤلؤ فی رقابهم الخواتیم فیقول اهل الجنة هؤلاء عتقاء

آپ نے فرمایا اے معاذ کیا تو جانتا ہے، کہ اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے، اور بندوں کا حق اللہ پر کیا ہے، میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانیں، فرمایا اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے، کہ اس کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرائیں، اور بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ وہ ان کو عذاب نہ کرے، میں نے عرض کیا، کیا میں لوگوں کو اس کی خوشخبری نہ سناؤں، آپ نے فرمایا رہنے دے، پھر وہ اس پر بھروسہ کر بیٹھیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جو سچے دل سے شہادت دے، کہ اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں، اور محمد اللہ کے رسول ہیں، تو اللہ تعالیٰ اس کو آگ پر حرام کر دیں گے، اور ابو ذر سے آپ نے فرمایا، جو بندہ لا الہ الا اللہ کہے، پھر اسی پر مر جائے، وہ جنت میں داخل ہوگا اگرچہ زنا اور چوری کرے، اور شفاعت کی لمبی حدیث سے، جو ابو سعید سے بخاری اور مسلم میں مروی ہے معلوم ہوتا ہے کہ کبائر کے مرتکب، اور تارک نماز کافر نہیں ہیں، بلکہ نافرمان ہیں، جو بالآخر شفاعت یا خدا کی رحمت سے، جنت میں چلے جائیں گے حدیث میں ہے، کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، فرشتوں نبیوں اور مومنوں نے سفارش کر لی اب صرف ارحم الراحمین باقی رہ گیا

الرحمٰن ادخلهم الجنة بغير عمل عملوه ولا خير قدموه فيقال لهم ما رأيتم لكم ومثله معه متفق عليه كذا في المشكوة۔

واصحاب ستہ وغیرہم بر اخراج احادیث مذکورہ متفق اند، واجماع بران مید ارند و متواتر المعنی بلا ریب اند، کما لا یخفی علی الماہر بکتب الحدیث۔ وعن عثمان قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من مات وهو يعلم انه لا اله الا الله دخل الجنة رواه مسلم۔ وعن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ثنتان موجبتان قال رجل يا رسول الله ما الموجبتان قال من مات يشرك بالله شيئا دخل النار ومن مات لا يشرك بالله شيئا دخل الجنة رواه مسلم۔ عن عبد الله بن عمرو قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله سيخلص رجلا من امتي على رؤس الخلائق يوم القيمة فينشر عليه تسعة وتسعين سجلا كل سجل مثل مد البصر ثم يقول اتنكر من هذا شيئا اظلمك كتبتي الحافظون فيقول لا يارب فيقول افلك عذر قال لا يارب فيقول بلى ان لك عندنا حسنة وانه لا ظلم عليك اليوم فتخرج بطاقة فيها اشهد ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله فيقول احضر وزنك فيقول يارب ما هذه البطاقة مع هذه السجلات فيقول انك لا تظلم قال فتوضع السجلات في كفة والبطاقة في كفة فطاشت السجلات وثقلت البطاقة فلا يثقل مع اسم الله شئ رواه الترمذي

پھر خدا دوزخ سے ایک مٹھی ان لوگوں کی نکالے گا، جنہوں نے کوئی نیک کام نہ کیا ہوگا، آخر حدیث تک، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو آدمی اس حال میں مرے، کہ اس کو علم ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے کوئی معبود نہیں ہے، تو وہ جنت میں داخل ہوگا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دو چیزیں واجب کرنے والی ہیں، ایک آدمی نے پوچھا یا رسول اللہ وہ کیا ہیں آپ نے فرمایا، جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا مر جائے گا، وہ دوزخ میں جائے گا، اور جو شرک نہ کرے گا، جنت میں جائے گا" اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ میری امت میں سے ایک آدمی کو بلائیں گے، اس کے ننانوے دفتر بدیوں کے ہوں گے، ایک ایک دفتر حد نگاہ تک ہوگا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ان میں سے کسی گناہ کا انکار کرتے ہو؟ یا کسی کے متعلق عذر کرنا چاہتے ہو؟ کہے گا نہیں، تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے آج کسی پر ظلم نہیں ہوگا، اپنا حساب دیکھو، وہ کہے گا میرا حساب ہی کیا ہے نیکی ہے ہی نہیں حساب کیسا؟ تو اللہ تعالیٰ کاغذ کا ایک پرزہ نکالیں گے، جس پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوگا، جو اس نے سچے دل سے پڑھا ہوگا، اسے ترازو کے دوسرے پلڑے میں رکھا جائے گا، تو وہ بوجھل ہو جائے گا، اور ننانوے بدیوں کے دفتر ہلکے ہو جائیں گے، اور

وابن ماجۃ کذا فی المشکوۃ۔ وعن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلث من اصل الایمان یعنی سہ خصلت است از جملہ اصول ایمان وقواعد آن الکف عمن قال یکے ازاں سہ چیز باز ایستادن از کسے کہ بگفت لا الہ الا اللہ لا تکفرہ بذنب بیان کفرا ست یعنی کافر مدان ومگو آن را کہ این کلمہ گوید بسبب گناہے کہ صادر شود از وے اگرچہ کبیرہ باشد ولا تخرجہ من الاسلام بعمل الی اخر ما رواہ ابوداؤد ودرین حدیث رد است مر معتزلہ وخوارج را کہ بارتکاب کبیرہ بیرون می آید از اسلام وبنا برین در متن مواقف گفتہ ان مرتکب الکبیرۃ من اہل الصلوۃ مومن انتہی وفی عقائد النسفی والکبیرۃ لا تخرج العبد المومن من الایمان انتہی ہکذا فی مائۃ المسائل لمولانا محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ ورضوانہ

حاصل اینکہ اعمال نزد اہل سنت وجماعت قطعاً جزو ایمان نیست، وآیات واحادیث برآن شاہد وجمہور صحابہ وتابعین ومحدثین ومجتہدین برین مستند، باقی ماند این کہ از بعض احادیث اطلاق کفر بر تارک صلوۃ کردہ می شود، بروایتے کہ جابر از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نقل کردہ عن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال بین الکفر والایمان ترک الصلوۃ وفی روایۃ اخری لہ قال بین العبد وبین الشرک والکفر ترک الصلوۃ وفی روایۃ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین العبد وبین الکفر ترک الصلوۃ کما رواہ الترمذی والروایۃ الاخیرۃ رواہا مسلم وترمذی نیز از عبداللہ بن بریدہ عن ابیہ روایت کردہ۔ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العہد الذی بیننا وبینہم الصلوۃ فمن ترکہا فقد کفر انتہی ما فی الترمذی ایضاً پس این بنا بر تغلیظ وتشدید است، یا مراد از کفر کفران نعمت است، نہ کفر باشد چہ عمل جزو ایمان نیست، کما ازا نتفاء عمل انتفاء ایمان گردد وکافر مخلد بالنار شود توفیقاً و

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین باتیں ایمان کا اصل ہیں، جو آدمی لا الہ الا اللہ کہے، اس کو کسی گناہ کے باعث کافر نہ کہنا چاہیے، اگرچہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، الحدیث۔ اس حدیث میں معتزلہ اور خوارج کا رد ہے، جو کبیرہ کے مرتکب کو کافر کہتے ہیں، مواقف اور عقائد نسفی میں ہے کہ کبیرہ گناہ سے مومن ایمان سے خارج نہیں ہو جاتا۔

نصرہ مختصر یہ کہ اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے، کہ اعمال جزو ایمان نہیں ہیں، آیات واحادیث اس پر گواہ ہیں، جمہور صحابہ وتابعین، مجتہدین ومحدثین کا یہی مسلک ہے، باقی رہیں وہ احادیث جن میں تارک نماز کو کافر کہا گیا ہے، مثلاً جابر وعبداللہ بن بریدہ کی احادیث، سو یہ بربنائے تشدید ہے، اور یا پھر کفر سے مراد کفران نعمت ہے نہ کہ اصل کفر، احادیث میں تطبیق کی یہی ایک صورت ہو سکتی ہے، البتہ کئی ایک بزرگ کفر کے قائل ہیں مثلاً

و تطبیقاً بین الاحادیث چہ سابقہ مشہورہ بلکہ متواتر اند وحدیث تارک الصلوۃ متضمن بترک خبر احاد
ومؤول است، وخبر احاد معارض مشہور ومتواتر نمی شود، ومؤول موجب کفر نمی شود، وچند اشخاص
مانند ابراہیم نخعی وابن المبارک واحمد واسحاق بظاہر حدیث حکم تکفیر بر تارک صلوۃ کردہ اند وہم چنین
حکایت از عمر وابن مسعود وغیرہ کردہ اند وقول منصوص یا دلالہ عدم تکفیر است وحمل کردہ اند این حدیث
را زجر وتغلیظ کذا فی شرح المصابیح وغیرہ. ودلیل بر عدم تکفیر این حدیث نیز است، عن عبادۃ
بن الصامت قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خمس صلوات افترضہن اللہ
من احسن وضوءہن وصلاہن لوقتہن واتم رکوعہن وخشوعہن کان لہ علی اللہ
عہد ان یغفر لہ ومراد از عہد وعدہ است وخلف در عہد الٰہی نیست ومن لم یفعل ذلک
فلیس لہ علی اللہ عہد ان شاء غفر لہ وان شاء عذبہ رواہ احمد وابوداؤد وروی
مالک والنسائی نحوہ کذا فی المشکوۃ. ودرین حدیث نیز دلیل است، کہ تارک صلوۃ کافر
نیست ومرتکب کبیرہ واجب نیست تعذیب او، مخلد نیست درنار، چنانکہ مذہب اہل سنت
وجماعت است، وپارہ از حدیث طویل کہ امام احمد روایت کردہ از معاذ این است ولا تترکن
صلوۃ مکتوبۃ فان من ترک صلوۃ مکتوبۃ متعمدا فقد برئت منہ ذمۃ اللہ پس بتحقیق
بیزار شد ودور شد از وعہد خدا کہ با امن وامان مومنان ثابت شدہ است. الذمۃ والذمام
ہما بمعنی العہد والامان والضمان والحرمۃ والحق وسمی اہل الذمۃ لدخولہم
فی عہد المسلمین وامانہم والعہد یکون بمعنی الیمین والامان والذمۃ والحفاظۃ
ورعایۃ الجزیۃ والوصیۃ ولا یخرج الاحادیث عن احدہا کذا فی مجمع البحار وغیرہ

ابراہیم نخعی، ابن مبارک، احمد، اسحاق، عمر وابن مسعود وغیرہ سو یہ تغلیظاً تارک نماز کو کافر کہتے ہیں، اور تارک نماز
کے کافر ہونے پر یہ حدیث بھی دلیل ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے پانچ نمازیں فرض
کی ہیں، جو اچھا وضو کرے، اور وقت پر پڑھے، اور رکوع خشوع اچھا کرے، تو اللہ اس کو بخشے گا یہ اس کا وعدہ ہے
اور اس کے وعدہ میں خلاف نہیں ہے، اور جو ایسا نہ کرے گا، اس کے لئے اللہ کے ذمہ کوئی عہد نہیں ہے چاہے
تو اسے بخشے چاہے تو سزا دے، اس حدیث میں بھی دلیل ہے، کہ تارک نماز کافر نہیں، اور کبیرہ کے مرتکب کے
لئے نہ سزا ضروری ہے، اور نہ وہ ہمیشہ کا جہنمی ہے۔

اور معاذ کی حدیث میں ہے، کہ جو نماز پر محافظت نہ کرے، اور جان بوجھ کر نماز چھوڑے تو اس سے اللہ کا
ذمہ اٹھ گیا، اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے، اور اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ تارک نماز کے لئے امان نہیں ہے

پس ایں حدیث نیز بر کفر دلالت نمی کند ولیکن ظاہر حدیث ہذا وجوب قتل تارک صلوٰۃ است وہم چنین است مذہب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وبعض ائمہ دیگر، ودر مذہب ابوحنیفہ ومالکیہ ضرب وتعزیر وحبس باید کرد ما دامیکہ توبہ از ترک آن نہ کند وبر نماز متعہد ومستقیم نشود، ونزد امام احمد در روایت مشہورہ از روے کافر می شود، ودلائل بالا بر وحجت است. کما لا یخفی علی الماہر بالشریعۃ الغراء وکفر دون کفر مستعمل وشائع است، وحدیث ابن عباس رض قیل لہ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ہم الکفرون قال ہم کفرۃ ولیسوا کمن کفر باللہ والیوم الاخر ومنہا ان الاوس والخزرج ذکروا ما کان منہم فی الجاہلیۃ فثار بعضہم الی بعض بالسیوف فانزل وکیف تکفرون وانتم تتلی علیکم آیات اللہ ولم یکن ذلک علی الکفر باللہ ولکن علی تغطیتہم ما کانوا علیہ من الالفۃ والمودۃ ومنہ اذا قال انت لی عدو فقد کفر احدہما بالاسلام اراد کفر نعمۃ لان اللہ الف بینہم فاصبحوا بنعمتہ اخوانا فمن لم یعرفہا فقد کفرہا انتہی فی مجمع البحار وغیرہ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ | سید محمد نذیر حسین |

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رکوع سے سر اٹھانے کے بعد ربنا لک الحمد حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ صلوٰۃ فرضیہ میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور دونوں سجدوں کے درمیان اللہم اغفرلی وارحمنی الخ صلوٰۃ فرضیہ میں چاہیئے یا نہیں حدیث سے کیا ثابت ہوتا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: واضح ہو کہ رکوع سے سر اٹھانے کے بعد ربنا لک الحمد حمدا

چنانچہ اسی حدیث کی بناء پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تارک نماز کے لئے قتل کا حکم دیا ہے، اور دوسرے اماموں نے بھی ایسا ہی کہا ہے، اور امام ابوحنیفہ اور مالک اس کو مارنے اور تعزیر لگانے اور قید کرنے کا حکم دیتے ہیں، یہاں تک کہ وہ توبہ کرے، اور امام احمد سے مشہور روایت یہ ہے، کہ تارک نماز کافر ہے، لیکن مندرجہ بالا احادیث ان کے برخلاف حجت ہیں، اور کفر دون کفر تو مشہور ہے، یعنی کفر حقیقی کے ماتحت کفر مجازی بھی ہیں اور اور عبداللہ بن عباس رض سے اس آیت ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ہم الکافرون (جو اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرے وہ کافر ہے) کا مطلب پوچھا گیا، تو انہوں نے کہا اس سے مراد اللہ کا کفر نہیں ہے، اوس اور خزرج لڑنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی، تم کیسے کفر کر سکتے ہو، حالانکہ اللہ کی آیتیں تم پر پڑھی جاتی ہیں، اس سے مراد اللہ کا کفر نہیں تھا، بلکہ خدا کی نعمت اتفاق واتحاد کا انکار تھا، واللہ اعلم۔

کثیرا طیبا مبارکا فیہ و بین السجدتین اللهم اغفرلی الخ صلوۃ فرضیہ میں بلا ریب جائز ہے یہی بات احادیث سے ثابت ہے۔ عن رفاعة بن رافع قال نصلی وراء النبی صلی الله علیه وسلم فلما رفع رأسه من الرکعة قال سمع الله لمن حمده فقال رجل وراءه ربنا ولك الحمد حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیه فلما انصرف قال من المتکلم انفا قال انا قال رأیت بضعة وثلاثین ملکا یبتدرونها ایهم یکتبها اولا رواه البخاری عن علی بن ابی طالب قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا رفع رأسه من الرکوع قال سمع الله لمن حمده ربنا ولك الحمد ملأ السموات والارض وملأ ما بینهما وملأ ما شئت من شیء بعد قال وفی الباب عن ابن عمر وابن عباس وابن ابی اوفی وابی جحیفة وابی سعید قال ابو عیسی حدیث علی حسن صحیح والعمل علی هذا عند بعض اهل العلم وبه یقول الشافعی قال یقول فی المکتوبة والتطوع وقال بعض اهل الکوفة یقول هذا فی صلوة التطوع ولا یقوله فی صلوة المکتوبة کذا فی الترمذی وغیره وعن حذیفة ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یقول بین السجدتین رب اغفرلی رواه النسائی والدارمی کذا فی المشکوة وعن ابن عباس ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یقول بین السجدتین اللهم اغفرلی وارحمنی واجبرنی واهدنی وارزقنی، حدثنا الحسن بن علی الخلال نا یزید بن هارون عن زید بن حباب عن کامل ابی العلاء نحوه. قال ابو عیسی

[1] رفاعہ بن رافع کہتے ہیں، کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، کہ ایک آدمی نے رکوع سے سر اٹھا کر کہا ربنا لك الحمد حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا یہ کلمات کس نے کہے تھے، میں نے تیس سے زیادہ فرشتے دیکھے ہیں، جو اس کی طرف دوڑ رہے تھے، کہ کون پہلے لکھے۔ حضرت علی کہتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے سر اٹھاتے تو فرماتے ربنا ولك الحمد ملأ السموات والارض وملأ ما بینهما وملأ ما شئت من شیء بعد اور اس مضمون کی روایتیں عبداللہ بن عمر، ابن عباس، ابن ابی اوفی، ابو جحیفہ اور ابو سعید خدری سے مروی ہیں، امام ترمذی کہتے ہیں، کہ حضرت علی کی حدیث حسن ہے، اور بعض اہل علم کا عمل اسی پر ہے، امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے، اور فرض اور نفل دونوں میں پڑھے، بعض اہل کوفہ کہتے ہیں، کہ نفل نماز میں پڑھے، اور فرضوں میں نہ پڑھے، حضرت حذیفہ کہتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو سجدوں کے درمیان رب اغفرلی پڑھا کرتے تھے، ابن عباس کہتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو سجدوں کے

ھذا حدیث غریب وھکذا روی عن علی وبہ یقول الشافعی واحمد واسحٰق یرون ھذا جائزا فی المکتوبۃ والتطوع کذا فی الترمذی وغیرہ۔ اور صاحب تفسیر مظہری نے اپنے رسالہ مالابد منہ میں لکھا ہے ونشیند وباطمینان بخواند اللھم اغفر لی وارحمنی الخ رواہ الترمذی عن ابن عباس انتہیٰ۔

واضح ہو کہ بقاعدہ حنفیہ اللھم اغفر لی وارحمنی واھدنی وعافنی الخ کا پڑھنا درمیان جلسہ کے مستحب ہے، کیونکہ حنفی مذہب میں درمیان جلسہ کے ذکر مسنون نہیں کہتے پس نفی سنت سے نفی مستحب نہیں ہوتی، کیونکہ مذہب حنفی میں اطلاق سنت کا مؤکدہ پر ہوتا ہے نہ مستحب پر، پس نفی سنت مستلزم نفی مستحب نہیں ہو سکتی، کما لا یخفی علی الماہر بالفقہ، و مع ہذا حدیث میں مطلقاً پڑھنا اس کا نماز میں درمیان جلسہ کے آیا ہے، خواہ فرض ہو یا نفل اور تخصیص تحکم محض ہے، اور امام احمد فرض کہتے ہیں اس کو پڑھنا جلسہ میں، اسی لئے قاضی ثناء اللہ صاحب قدس سرہ نے بہیئت ادا نماز میں دعاء مذکورہ کو بیان کیا ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ پر عمل چاہیے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ السید محمد نذیر حسین

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ جو لوگ ہمیشہ سفر میں رہتے ہیں جیسے جہاز کے سارنگ یا خلاصی وغیرہ ان کو نماز قصر پڑھنی چاہیے یا پوری، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ جو لوگ ہمیشہ سفر میں رہتے ہیں، جیسے جہاز کے خلاصی وغیرہ وہ شرعاً مقیم نہیں ہیں، بلکہ مسافر ہیں، کیونکہ وطن کی تین ہی قسمیں ہیں، وطن اصلی، وطن اقامت و وطن سکنی، فتح القدیر میں ہے۔ الاوطان ثلثۃ وطن اصلی وھو مولد الانسان او موضع تاھل بہ ومن قصدہ التعیش بہ لا الارتحال ووطن اقامۃ وھو ما ینوی الاقامۃ فیہ خمسۃ عشر یوما ووطن سکنی وھو ما ینوی الاقامۃ فیہ اقل من خمسۃ عشر یوما، اور مخفی نہیں کہ خلاصی وغیرہ ان تینوں اوطان سے خالی ہیں، پس بلا شبہ وہ مسافر ٹھہرے پس احکام

درمیان اللھم اغفرلی وارحمنی واجبرنی واھدنی وارزقنی پڑھا کرتے تھے، حضرت علی رضہ سے بھی ایسی روایت ہے امام شافعی، احمد، اسحاق بھی اسی کے قائل ہیں، فرضوں اور نفلوں میں پڑھے

لے وطن تین ہیں، وطن اصلی یہ انسان کی رہائش کی جگہ ہے اور وطن اقامت، جہاں پندرہ دن سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ ہو، اور وطن سکنی، یہ وہ جگہ ہے جہاں پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کا ارادہ ہو۔

سفران پر لازم رہیں گے، و نیز احادیث و آیات قرآنیہ عام ہیں، چنانچہ آیت واذا ضربتم فی الارض۔ اور او کنتم علی سفر۔ میزان شعرانی میں ہے۔ قال الا ئمۃ الثلاثۃ ان الملاح اذا سافر فی سفینتہ فیہا اھلہ و مالہ لہ القصر و قال احمد انہ لا یقصر و قال احمد کذلک المکاری الذی یسافر دائما و خالفہ فیہ الا ئمۃ الثلاثۃ ایضا فقالوا ان لہ الترخص بالقصر والفطر۔ پس ثابت ہو گیا کہ دائم السفر کو بھی قصر کرنا چاہیے، چنانچہ تاجر جو ہمیشہ تجارت کے لیے سفر میں رہتے ہیں مصنف ابن ابی شیبہ ہے۔ قال حدثنا وکیع عن الاعمش عن ابراھیم قال جاء رجل فقال یا رسول اللہ انی رجل تاجر اختلف الی البحرین فامرہ ان یصلی رکعتین ھذا مرسل۔ واللہ اعلم

حررہ محمد عبد الحق ملتانی ۴ ربیع الثانی ۱۳۰۸ھ — سید محمد نذیر حسین

سوال: ما تولہم رحمہم اللہ تعالیٰ دریں مسئلہ کہ نماز فرض در ریل گاڑی کہ درین دلا شیوع یافتہ است، در زمان حرکتش و سکونش بدون عذر جائز است یا نہ، و ہم قصر صلوٰۃ واجب خواہد بود یا نہ، بینوا توجروا۔

الجواب: باید دانست کہ نماز بر ریل گاڑی در حالت سیر بلا عذر ہم جائز است بشرطیکہ استقبال قبلہ نوت نہ شود، چنانکہ بر سریر و چار پائی سخت کہ جبہہ بر آن قرار گیرد، رواست و نماز ریل گاڑی در حکم سواری بر دابہ نیست، کہ فرائض بلا عذر بر آن جائز نہ باشد، چراکہ ریل گاڑی بمعاونت دخان دہوا بر زمین میرود، چنانکہ نماز فرض بر کشتی در حالت سیر نیز رواست۔ واما الصلوٰۃ علی العجلۃ ان کان طرف العجلۃ علی الدابۃ وھی تسیر او لا

ملاح جب کشتی میں اپنے اہل و عیال سمیت سفر کرے، تو تینوں اماموں کے نزدیک وہ قصر کرے، امام احمد قصر کے قائل نہیں ہیں، اور کرایہ پر کام کرنے والا مثلاً گاڑیوں کے ڈرائیور اور جہازوں کے ملاح وغیرہ بھی اسی حکم میں ہیں کہ ایک آدمی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، کہ میں ایک تاجر آدمی ہوں، سمندر میں پھرتا رہتا ہوں آپ نے اس کو دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم دیا۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ آج کل ریل گاڑی عام ہو چکی ہے اس کی حرکت اور سکون کے وقت اس میں فرض نماز پڑھنی بغیر عذر کے جائز ہے یا نہیں، اور ریل کے سفر میں دوگانہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ریل گاڑی میں اس کی حرکت کے وقت بھی بغیر عذر کے نماز پڑھنا درست ہے بشرطیکہ رخ قبلہ کی طرف ہو جیسا کہ کسی تخت یا سخت چارپائی پر نماز پڑھنا جائز ہے کہ اس پر پیشانی پوری طرح رکھی جا

تسیر فهی صلوٰۃ علی الدابۃ فیجوز فی حالۃ العذر المذکور فی التیمم لا فی غیرها وان لم یکن طرف العجلۃ علی الدابۃ جاز نور الابصار متن در المختار قوله علی العجلۃ هی ما یجلف مثل المحفۃ یحمل علیها الاثقال مغرب قوله او لا تسیر کذا فی الزیلعی والخانیۃ و مثله فی البحر عن الظهیریۃ قوله فهی صلوٰۃ علی الدابۃ اما اذا کانت تسیر فهی ظاهر واما اذا کانت لا تسیر وکانت علی الارض وطرفها علی الدابۃ فمشکل لانها فی حکم المحمل اذا رکز تحته خشبۃ فتکون کالارض وقد یفرق بانها اذا کان احد طرفیها علی الارض والاخر علی الدابۃ لم یصیر قرارها علی الارض فقط بل علیها وعلی الدابۃ بخلاف المحمل لانه انما تصح الصلوٰۃ علیه اذا کان قراره علی الارض فقط بواسطۃ الخشبۃ لا علی الدابۃ تامل وسیاتی مالو کان کلها علی الارض شامی قوله وان لم یکن الخ کان المناسب ذکره قبل بیان الاعذار قوله لو دا نفته در مختار کذا قیل کا فی شرح المنیۃ ولو اراد لغیره یعنی اذ کانت العجلۃ علی الارض ولم یکن شئ منها علی الدابۃ وانما لها حبل مثلا تجره الدابۃ به تصح الصلوٰۃ علیها لانها حینئذ کالسریر الموضوع علی الارض ومقتضی هذا التعلیل انها لو کانت سائرۃ فی هذه الحالۃ لا تصح الصلوٰۃ علیها بلا عذر وفیه تامل لان جرها بالحبل وهی علی الارض لا تخرج به عن کونها علی الارض ویفیده عبارۃ التاتارخانیۃ عن المحیط وهی لو صلی علی العجلۃ ان کان طرفها علی الدابۃ وهی تسیر تجوز فی حالۃ العذر لا فی غیرها وان لم یکن طرفها علی الدابۃ جازت وهو بمنزلۃ الصلوٰۃ علی السریر اه فقوله وان لم یکن الخ یفید ما ذکرنا لانه راجع الی المسئلۃ وقد قیدها بقوله وهی تسیر ولو کان الجواز مقیدا بعدم السیر بقیده به فتامل شامی. ومراد از عجلہ مثل گراچی دو چو پہیا دشکرم کہ دروئش دسعتی قابل

سکے ، اور ریل گاڑی کی نماز سواری کی نماز جیسی نہیں ہے، کہ بلا عذر جائز نہ ہو سکے کیونکہ ریل گاڑی زمین پر حرکت کرتی ہے، تو اس کی نماز کشتی کی نماز کی طرح بالکل درست ہوگی، اور ٹانگہ یا بگھی وغیرہ کی نماز کا یہ حکم ہے، کہ اگر ٹانگہ کی ساخت اس طرح کی ہو، کہ اس کا کچھ حصہ جانور کی پیٹھ پر بھی ہو، تو وہ جانور کی سواری کی نماز سمجھی جائے گی اور اگر پہیوں وغیرہ کی مدد سے زمین پر چلے، اور کسی رسے یا لکڑی وغیرہ کے ذریعے جانور اس کو کھینچے، تو وہ نماز زمین پر نماز پڑھنے کے مترادف ہوگی، اور بالکل درست ہوگی، اور اس کی مثال اس تخت پوش کی سی ہوگی جو زمین پر بچھا ہو کہ اس پر بلا عذر بھی نماز درست ہے۔

گذاردن نماز از تختہائے چوبیں شغروش می باشد صاحب قاموس می گوید العجلۃ بالتحریک
الالۃ التی تجرہا الثور وخشب یؤلف تحمل علیہا الاثقال۔

جواب سوال دوم۔ اینکہ مسافت سہ روزہ راہ بسیر وسط معتدل در قصر صلوۃ معتبر است
وسیر برید وسیر عجلہ واسپ سریع السیر کہ مسافت راہ دوروزہ وسہ روزہ را بیک روز طے کند یا سیر
بطی چھکڑہ کہ راہ یک روزہ را بدو روز طی نماید پس در قصر صلوۃ معتبر نیست پس اگر ریل گاڑی
یا اسپ سریع السیر یا برید سہ روزہ راہ در یک روز طے کند تاہم قصر صلوۃ واجب خواہد بود شرعاً
چنانکہ از کتب فقہ مستفاد می گردد، کما لا یخفی علی العالم بالفقہ، واللہ اعلم بالصواب، فاعتبروا
یا اولی الابصار۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وقت روانی یعنی چلتی ہوئی
ریل میں نماز فرض وسنت پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں حالت روانگی میں ریل کے نماز فرض پڑھنی جائز ہے
اور جب فرض پڑھنے جائز ہوئے، تو سنت بدرجہ اولی جائز ہوگی، اس واسطے کہ ریل کسی طور پر
رواں ہو یا ٹھہری ہوئی حکم میں تخت کے ہے اور تخت پر نماز عذراً اور غیر عذر دونوں حالت میں درست
ہے، تو بلاشبہ اس پر بھی دونوں صورتوں میں نماز درست ہے کیونکہ وجہ تشبیہ سے حکم مشبہ کا
مثل حکم مشبہ بہ کے ہوتا ہے، کما لا یخفی علی من لہ ادنی فطانۃ فی علم البلاغۃ۔ رہا یہ امر کہ اس کو
روانگی میں گھوڑے وغیرہ کے ساتھ مشابہت ہے، اور گھوڑے وغیرہ پر بلا عذر نماز فرض جائز نہیں
تو اس پر بھی بلا عذر جائز نہ ہوگی، صورت اس کی یہ ہے، کہ گھوڑے یا شتر پر جو نماز بلا عذر جائز نہیں
وہ اس وجہ سے کہ باوجود قدرت کے قیام اور رکوع اور سجود فوت ہو جاتا ہے، بخلاف ریل
کے کہ کوئی رکن قیام ورکوع وسجود فوت نہیں ہوتا، پس باوجود مشابہت گھوڑے وغیرہ کے
ارکان اصلی فوت نہیں ہوئے، اور مشابہت نے کچھ اثر نہ کیا، تو حکم ایک نہ رہا جیسا کہ بحر الرائق
میں ظہیریہ سے نقل کیا ہے۔ واما الصلوۃ علی العجلۃ ان کان طرف العجلۃ علی الدابۃ وھی

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے، کہ درمیانہ چال سے اگر سفر تین روز کا ہو جائے، تو اس پر قصر کرنا جائز ہے خواہ
گاڑی اسے ایک ہی دن میں طے کرے، اور اسی طرح اگر رفتار سست سے تین روز کا سفر بھی ہو، تو قصر درست نہ
ہوگا، مثلاً چھکڑا جو ایک دن کا سفر دو دن میں ختم کرتا ہے، واللہ اعلم۔

[1] اگر بگھی یا ٹانگہ کا کچھ حصہ جانور کے اوپر بھی ہو تو خواہ وہ چلتا ہو یا ساکن ہو اس پر بغیر عذر کے نماز جائز نہیں ہے

تسییراولا تسییر فھی صلوۃ علی الدابۃ تجوز فی حالۃ العذر ولا تجوز فی غیر حالۃ العذر وان لم تکن طرف العجلۃ علی الدابۃ جاز وھو بمنزلۃ الصلوۃ علی السریر انتہی وھذا کلہ فی الفرض۔

پس اس عبارت سے صاف ظاہر ہے، کہ ریل گاڑی کا حکم چلتے اور ٹھہرتے دونوں وقتوں میں مثل تخت کے ہے، اس واسطے کہ صاحب ظہیریہ نے دوسرے جملہ وان لم یکن الخ میں قید سیر اور عدم سیر کی نہیں کی جیسا کہ اول جملہ میں کی ہے، باقی رہا امر اگر کوئی کہے، کہ جب عجلہ کا ایک طرف دابہ پر ہووے، اس وقت بھی رکوع اور قیام اور سجود فوت نہیں ہوتا، تو چاہیئے کہ اس حالت میں بھی نماز جائز ہو جاوے، حالانکہ سیر اور عدم سیر دونوں حالت میں بلا عذر نماز فرض جائز نہیں، جیسا کہ عبارت ظہیریہ سے ظاہر ہوتا ہے، جواب اس کا یہ ہے، کہ عجلہ پر جواز نماز کی وجہ مشابہت تخت کے ہے، اور وقت تعلق دابہ کے اس کی طرف سے مشابہت کامل پائی نہ گئی تو ترتب حکم کا یعنی جواز نماز کا کیونکر ہووے، رہا فوت اور عدم فوت ارکان کا وہ وجہ خاص عدم جواز نماز دابہ کی ہے، عجلہ سے کچھ علاقہ نہیں پس جب عجلہ حکم تخت سے خارج ہوئی تو بسبب تعلق دابہ کے حکم میں اس کے داخل ہو گئی، اور مشابہت تام تخت سے جب ہی ہوگی، کہ جب عجلہ بتمامہ زمین پر ہووے، کیونکہ غرض شارع کی وضع علی الارض میں تشابہ ہے نہ کسی دوسرے امر میں فی ردالمختار الشامی اذا کانت العجلۃ علی الارض ولم یکن شیئ منہا علی الدابۃ وانما ھا حبل مثلا تجرھا الدابۃ بہ تصح الصلوۃ علیہا لا نہا حینئذ کالسریر الموضوع علی الارض ومقتضی ھذا التعلیل انہا لو کانت سائرۃ فی ھذہ الحالۃ لا تصح الصلوۃ علیہا بلا عذر وفیہ تامل لان جرھا بالحبل وھی علی الارض لا تخرج بہ عن کونہا علی الارض ویفیدہ عبارۃ التاتارخانیۃ عن المحیط وھی لو صلی علی العجلۃ ان کان طرفہا علی الدابۃ وھی تسیر تجوز فی حالۃ العذر لا فی غیرھا وان لم یکن طرفہا علی الدابۃ جازت وھو بمنزلۃ الصلوۃ علی السریر انتہی۔

اور اگر اس کا کوئی حصہ جانور پر نہ ہو تو اس کا حکم تخت کا ہے اس پر نماز بغیر عذر کے بھی جائز ہے۔

لـــ اگر بگھی کا کوئی حصہ جانور پر نہ ہو اور جانور اس کو رسی کے ذریعہ کھینچتا ہو تو اس پر نماز بلا عذر جائز ہے کیونکہ وہ تخت کے حکم میں ہے، جو زمین پر بچھا ہو اور اگر اس کا کوئی حصہ جانور پر ہو اور بگھی چل رہی ہو تو اس پر بلا عذر نماز جائز نہیں ہے۔

اور اگر اس ریل گاڑی کو بہ سبب روانگی بدوں گھوڑے اور بیل وغیرہ کے کشتی کے ساتھ تشبیہ دے دیویں، تو بے شک و شبہ نماز پڑھنی جائز و درست ہے جیسا کہ کشتی میں ولو صلی فی ذلک قاعدا اصح یعنی لو صلی فرضا قاعدا بلا عذر صحت وقد اشار کما فی البدائع وقالا لا یجزیہ الا من علۃ لان القیام مقدور علیہ فلا یترک ولہ ان الغالب فیھا دوران الرأس وھو کالمتحقق الا ان القیام افضل لانہ ابعد عن شبھۃ الخلاف کذا فی البحر الرائق وھکذا فی الھدایۃ والنھایۃ والاختیار پس اس مقالہ پر بیٹھ کے پڑھنے کی صورت میں اختلاف ہے، اور اگر کھڑے ہو کے پڑھے، تو بالاتفاق جائز ہے اور یہ اختلاف اور اتفاق سائرہ اور غیر مربوطہ میں ہے، اور مربوطہ میں تو اتفاق ہے، والخلاف[1] فی غیر المربوطۃ والمربوطۃ کالشط ھو الصحیح کذا فی الھدایۃ وھو مقید بالمربوطۃ بالشط اما اذا کانت مربوطۃ فی لجۃ البحر فالاصح ان کان الریح یحرکھا شدیدا فھی کالسائرۃ والا فکالواقفۃ ثم ظاھر الھدایۃ والنھایۃ والاختیار جواز الصلوۃ فی المربوطۃ فی الشط مطلقا کذا فی بحر الرائق، تو جب اختلاف امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کا قیام کے پائے جانے سے جاتا رہا، کشتی کی حالت روانگی اور سیر میں کیونکہ ٹھہرنے کے وقت جواز نماز میں اتفاق ہے، جیسا کہ عبارت منقولہ سے ظاہر ہے، پس بر تقدیر تشبیہ ریل کی کشتی سے ریل میں بھی بلا اختلاف عین روانگی میں بہ سبب پائے جانے جملہ ارکان نماز کے نماز فرض درست و جائز ہوگی، ہاں باقی کا خدشہ حدیث اسکنوا فی الصلوۃ کا، اگرچہ وہ اس مقام پر قابل جواب کے نہیں، کیونکہ اگر یہ خدشہ واقعی ہے تو کشتی میں بھی ہوگا، اور کشتی میں تو جواز نماز مسلم ہے، پس جو جواب اس میں ہوگا وہی جواب اس میں بھی ہے، مگر واسطے وضاحت اور رفع اشتباہ کے لکھا جاتا ہے، وہ یہ ہے، کہ یہاں امر سکون سے ممانعت حرکت اختیاری اور

لہ اگر کشتی میں بیٹھ کر نماز بلا عذر پڑھے تو جائز ہے، تو صاحبین کے نزدیک بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا درست نہیں کیونکہ کشتی میں کھڑا ہوا جا سکتا ہے، اور امام صاحب کا استدلال یہ ہے، کہ کشتی پر اکثر چکر آجاتے ہیں، اور اس کو متحقق ہی سمجھ لیا گیا ہے، ہاں قیام بہتر ہے، اور اس سے اختلاف کا شبہ دور ہو جاتا ہے۔

[1] اور اختلاف اس میں ہے، جو بندھی ہوئی نہ ہو اور بندھی ہوئی کنارے کی طرح ہے اور یہ کنارہ کے ساتھ بندھی ہونے سے مقید ہے، اگر سمندر یا دریا کے درمیان بندھی ہوئی ہو تو صحیح یہ ہے کہ اگر ہوا اس کو شدید حرکت دے رہی ہو تو وہ چلنے والی کی طرح ہے، ورنہ ٹھہری ہوئی کی طرح، اور مختار یہ ہے کہ کنارہ سے بندھی ہوئی کشتی پر نماز مطلقا جائز ہے۔

قصدی ہے جو لوگ وقت سلام کے ہاتھ اٹھا کے اشارہ کرتے تھے، جیساکہ مورد اس حدیث سے سمجھا جاتا ہے۔ قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال مالی اراکم رافعی ایدیکم کانہا اذناب خیل شمس اسکنوا الخ اور خشوع اور خضوع مراد ہے۔ وفیہ[۲] الامر بالسکون فی الصلوٰۃ والخشوع فیہا کذا فی النووی۔ نہ حرکت اضطراری کی ممانعت، کیونکہ امر اضطراری غیر مقدور ہے، اور غیر مقدور پر فعل و ترک کی تکلیف نہیں، جیساکہ وسوسہ قلب مطلقاً نہ اس کے ترک پر عزیمت اور نہ اس کے قبول اثر میں استحقاق عقاب، فی الجلالین ولا[۳] یوخذ احد بذنب احد ولا بما لم یکسبہ بما وسوست بہ نفسہ پس حرکت ریل کا صدمہ کچھ تھوڑا جس سے مطلقاً ادائے ارکان نماز میں خلل نہیں ہوتا ہے، جو راکب کو پہنچتا ہے، وہ بہ سبب غیر مقدور ہونے کے محض لاشے ہے، اس کا کچھ اعتبار نہیں، اور دوسرا خدشہ اس امر کا کہ صاحب درمختار نے نماز عجلہ میں واقف ہونے کی قید لگائی ہے۔ فی الدر المختار[۴] وان لم یکن طرف العجلۃ علی الدابۃ جاز لو واقفۃ وہ جمہور فقہاء کے نزدیک ماخوذ نہیں، اس واسطے کہ اگر یہ قول اس قید کے ساتھ جمہور فقہاء کے نزدیک مقبول ہوتا، تو ہر کتاب فقہ میں یہ قید موجود ہوتی، حالانکہ ایسا نہیں فی رد المختار قولہ ولو واقفۃ کذا قیدہ فی شرح المنیۃ والطہارۃ وغیرہ یعنی اذا کانت العجلۃ علی الارض الخ پس معلوم ہوا کہ قول مختار اور مفتی بہ جمہور فقہاء کا بغیر قید واقف ہونے کے ہے، اور عرصہ پانچ چھ برس کا گذرا کہ بعض علماء[(۱)] نے اپنی تحریر میں روایات وجوب استقرار موضع سجدہ سے اس مدعا پر کہ نماز عجلہ میں سکون و قرار شرط ہے، استدلال کیا تھا ہم نے اس کے جواب میں بعبارت فارسی جواب الجواب میں یہ لکھا تھا کہ:۔

آنچہ در باب سجدہ بر چیزے[۵] مستقر روایات نقل کردہ اند ازاں روایات ایں معنی ثابت نمی شود کہ در صورت تحرک و انتقال مقام نماز مثل عجلہ وغیرہ باوجودیکہ جبہہ مصلی براں قرار پذیرد

---

[۱] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر نکلے اور فرمایا مجھے کیا ہے، کہ میں تم کو سرکش گھوڑوں کی دموں کی طرح ہاتھوں کو اٹھائے دیکھتا ہوں سکون اختیار کرو الخ۔ [۲] اور اس میں حکم ہے، کہ نماز میں سکون اور خشوع اختیار کرو [۳] کوئی آدمی کسی دوسرے کے گناہ پر نہیں پکڑا جاتا، اور نہ کسی ایسے جرم پر جو اس نے نہ کیا ہو صرف دل میں خیال آیا ہو۔ [۴] اگر بگھی کا کوئی حصہ جانور پر نہ ہو، تو وہ ٹھہری ہوئی کی طرح ہے

[۵] وہ جو کسی ٹھہری ہوئی چیز پر سجدہ کرنے کے متعلق انہوں نے روایات نقل کی ہیں، ان روایات سے یہ مفہوم نہیں

---

(۱) مراد بعض علماء سے مولوی سعد اللہ صاحب مفتی رام پور ہیں۔

ونماز صحیح نیست، بلکہ ازاں روایات ہمیں قدر مستفاد می شود، کہ درصورت نہ قرار پذیرفتن پیشانی نماز صحیح نیست وسببش این ست، کہ موضع سجدہ ومقام نہادن پیشانی چنان باید کہ چوں ساجد مبالغہ کند آن موضع سجدہ پست نہ گردد یعنی آن موضع سنگین وثخین باشد، چنانکہ مصادمت ومدافعت پیشانی نہ کند۔ الاصل انہ کما یجوز السجود علی الارض یجوز علی ماھو بمعنی الارض مما تجد جبھتہ حجمہ وتستقر علیہ وتفسیر وجدان الحجم ان الساجد لو بالغ لا یتسفل رأسہ ابلغ من ذلک فیجوز علی الطنفسۃ والحصیر والحنطۃ والشعیر والسریر والعجلۃ ان کانت علی الارض لانہ یجد حجم الارض بخلاف ما اذا کانت علی ظھر الحیوان لان قرارہ حینئذ علی الحیوان کالبساط المشدود بین الاشجار الی اٰخر ما فی بحر الرائق، پس ثابت شد کہ چیزے کہ سنگین وثخین باشد ومدافعت ومصادمت پیشانی کند ووقت مبالغہ ساجد پست نہ شود نماز فرائض براں صحیح است، عام ازیں کہ آں چیز بحالت سیر باشد یا بحالت قیام چنانچہ صاحب بحر الرائق از ظہیریہ نقل می کند۔ اما الصلوٰۃ علی العجلۃ ان کان طرف العجلۃ علی الدابۃ وھی تسیر اولا تسیر فھی صلوٰۃ علی الدابۃ تجوز فی حالۃ العذر ولا یجوز فی حالۃ غیر العذر وان لم یکن طرف العجلۃ علی الدابۃ جاز وھو بمنزلۃ الصلوٰۃ علی السریر انتھی ما فی بحر الرائق پس

نکلتا، کہ مقام نماز کے تحرک وانتقال کی صورت میں جب کہ نمازی کی پیشانی اس پر قرار پکڑے، تو بھی نماز جائز نہیں ہے، بلکہ ان روایات سے صرف اسی قدر معلوم ہوتا ہے، کہ اگر نمازی کی پیشانی قرار نہ پکڑے، تو نماز صحیح نہیں ہے، اور اس کا سبب یہ ہے، کہ سجدہ کی جگہ اور پیشانی رکھنے کا مقام ایسا ہونا چاہیئے، کہ جب سجدہ کرنے والا اپنے منہ سے اس جگہ کو دبائے، تو وہ جگہ نیچی نہ ہو یعنی وہ جگہ سخت اور موٹی ہونی چاہیئے، حاصل کلام یہ کہ جیسے زمین پر سجدہ جائز ہے، ایسی جگہ پر بھی جائز ہے جو زمین کے حکم میں ہو کہ اس پر پیشانی ٹک سکے تو ایسی صورت میں چٹائی، جائے نماز، گندم، جو، تخت، بگھی وغیرہ پر جب کہ وہ زمین پر ہو سجدہ جائز ہوگا، کیونکہ وہ زمین کے حکم میں ہے بخلاف اس کے کہ اگر وہ جانور کی پیٹھ پر ہوگی، تو اس کا حکم اس چٹائی کا ہے، جو درختوں کے درمیان بندھی ہوئی ہو مطلب یہ کہ ہر وہ چیز جو سخت ہو کر سجدہ کرنے والے کے دبانے سے نیچی نہ ہو سکے، اس پر نماز جائز ہے، خواہ وہ ساکن ہو یا متحرک، چنانچہ بحر الرائق وغیرہ میں لکھا ہے کہ اگر بگھی کا کچھ حصہ جانور پر بھی ہو تو وہ جانور کے حکم میں ہے، اس پر بغیر عذر کے نماز درست نہیں ہے، اور اگر وہ زمین پر ہو تو اس پر نماز بغیر عذر بھی جائز ہے، خواہ حرکت میں ہو یا ساکن میں، تو بگھی کے کھڑا ہونے کو مقام سجدہ کے استقرار کے ہم معنی قرار دینا قیاس مع الفارق ہے۔

قیاس وجوب قیام عجلہ برا ستقرار موضع سجدہ ہم چون نیچ قیاس مع الفارق است انتہی کلامنا فی جواب الجواب واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الابصار۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ۔ محررہ دوم شوال سنہ ۱۲۸۰ ہجری نبوی صلعم۔ سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ بعد فرض نماز کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا درست ہے یا نہیں بینوا توجروا

الجواب:۔ ہاتھ اٹھا کر بعد نماز فرض کے دعا مانگنا درست ہے، کتاب عمل الیوم واللیلہ لابن السنی میں ہے۔ حدثنی احمد بن الحسن حدثنا ابو اسحق یعقوب بن خالد بن یزید البالسی حدثنا عبد العزیز بن عبد الرحمن القرشی عن خصیف عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال مامن عبد بسط کفیہ فی دبر کل صلوٰۃ ثم یقول اللھم الھی والہ ابراھیم واسحق ویعقوب والہ جبریل ومیکائیل واسرافیل اسئلک ان تستجیب دعوتی فانی مضطر وتعصمنی فی دینی فانی مبتلی وتنالنی برحمتک فانی مذنب وتنفی عنا الفقر فانی متمسکن الا کان حقا علی اللہ عزوجل ان لا یرد یدیہ خائبتین[1] یعنی انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جو بندہ ہر نماز کے بعد اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلائے، پھر کہے اللھم الھی والہ ابراہیم الخ تو اللہ تعالیٰ اس کے دونوں ہاتھوں کو نامراد نہیں پھیرتا ہے، اس حدیث سے ثابت ہوا، کہ بعد فرض نماز کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا درست ہے، اس حدیث کے راویوں میں ایک راوی عبد العزیز بن عبد الرحمن اگر متکلم فیہ ہے، جیسا کہ میزان الاعتدال وغیرہ میں مذکور ہے لیکن اس کا متکلم فیہ ہونا ثبوت جواز واستحباب کے منافی نہیں، کیونکہ حدیث ضعیف سے جو موضوع نہ ہو استحباب وجواز ثابت ہوتا ہے۔ قال[2] فی فتح القدیر فی الجنائز والاستحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع انتہی۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے قال ابن ابی حاتم حدثنا ابی حدثنا ابو معمر المقری حدثنی عبد الوارث حدثنا علی بن زید عن سعید بن

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو آدمی ہر نماز کے بعد اپنے ہاتھ پھیلائے اور کہے، اے میرے خدا اور ابراہیم اسحاق یعقوب کے، اور جبریل اور میکائیل اور اسرافیل کے خدا میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، تو میری دعا کو قبول فرما میں بے قرار ہوں تو میرے دین کو محفوظ رکھ، میں مبتلا ہوں، مجھے اپنی رحمت میں لے لے میں گنہ گار ہوں ہم سے فقر دور کر دے میں مسکین ہوں، تو اللہ پر حق ہے کہ اس کے ہاتھوں کو خالی نہ لوٹائے۔ [2] ضعیف حدیث سے استحباب ثابت ہو جاتا ہے۔

المسیب عن[1] ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدہ بعد ما سلم وھو مستقبل القبلۃ فقال اللھم خلص الولید بن الولید وعیاش بن ابی ربیعۃ وسلمۃ بن ھشام وضعفۃ المسلمین الذین لا یستطیعون حیلۃ ولا یھتدون سبیلا من ایدی الکفار ذکرہ الحافظ ابن کثیر فی تفسیر آیۃ الا المستضعفین من الرجال والنساء والولدان لا یستطیعون حیلۃ ولا یھتدون سبیلا۔ یعنی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد سلام پھیرنے کے اپنے ہاتھوں کو اٹھایا، اور آپ قبلہ رو تھے پس کہا، اللھم خلص الولید بن الولید الخ اس حدیث کے راویوں میں علی بن زید ہے، جس کو حافظ ابن حجر نے تقریب میں ضعیف کہا ہے، لیکن اس کا ضعیف ہونا ثبوت جواز واستحباب کے منافی نہیں ہے، کما مر مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔ عن الاسود بن عامر عن ابیہ قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفجر فلما سلم انحرف ورفع یدیہ ودعا الحدیث یعنی عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی پس جب آپ نے سلام پھیرا، تو قبلہ کی طرف سے منحرف ہوئے، اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا اور دعا کی، ان احادیث سے بعد نماز فرض کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا قولاً وفعلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوا، واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ العاجز عین الدین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ نماز فرض کے بعد دعا کے لئے رفع الیدین ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ رفع الیدین بعد نماز فریضہ بعض[(1)] احادیث ضعیفہ سے ثابت ہے۔ عن[2] انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما من عبد بسط کفیہ دبر کل صلوٰۃ یقول اللھم الھی والہ ابراھیم الحدیث رواہ ابن السنی فی کتابہ عمل الیوم واللیلۃ۔ وعن[3] الاسود العامری عن ابیہ قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفجر فلما سلم انصرف ورفع یدیہ ودعا الحدیث رواہ ابوبکر بن ابی شیبۃ فی مصنفہ۔

حررہ عبد الرحیم عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

[1] ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرنے کے بعد قبلہ رخ بیٹھے ہوئے اپنے ہاتھ اٹھاتے اور کہا اے اللہ ولید بن الولید اور عیاش بن ربیعہ اور سلمہ بن ہشام اور کمزور مسلمانوں کو نجات دے، جو کسی حیلہ کی طاقت نہیں رکھتے، اور کفار کے ہاتھ سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں پاتے [2] و [3] کا ترجمہ صفحہ ۵۶۴ پر گزر چکا

(1) قولہ بعض احادیث ضعیفہ الخ اقول بعض احادیث صحیح بھی ہیں، چنانچہ صفحہ ۵۶۶ پر آئندہ آئے گا۔ ۱۲ ابو سعید محمد شرف الدین۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بعد نماز فرائض کے ہاتھ اٹھا کے دعا مانگنا درست ہے یا بدعت، زید کہتا ہے کہ بعد نماز فرائض کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا بدعت ہے، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ صاحب فہم پر مخفی نہ رہے، کہ بعد نماز فرائض کے ہاتھ اٹھا کے دعا مانگنا جائز ومستحب ہے، اور زید مخطی ہے۔ عن[1] انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال مامن عبد یبسط کفیہ فی دبر کل صلوٰۃ ثم یقول اللھم الٰھی واله جبرئیل ومیکائیل واسرافیل اسئلك ان تستجیب دعوتی فانی مضطر وتعصمنی فی دینی فانی مبتلی وتنالنی برحمتك فانی مذنب وتنفی عنی الفقر فانی متمسکن الا کان حقا علی اللہ عزوجل ان لا یرد یدیہ خائبتین رواہ الحافظ ابوبکر بن[1] السنی۔ عن[2] الاسود العامری عن ابیہ قال صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الفجر فلما سلم انحرف ورفع یدیہ ودعا الخ رواہ الحافظ ابوبکر بن ابی شیبۃ فی مصنفہ۔ اور حافظ جلال الدین نے اپنی کتاب فض الوعاء فی احادیث رفع الیدین فی الدعاء میں روایت کیا ہے، محمد بن یحیی اسلمی سے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں اٹھاتے تھے اپنے ہاتھ کو دعا میں مگر جب کہ فارغ ہوتے نماز سے اور کہا ہے، اس حدیث کے راوی جتنے ہیں سب ثقہ ہیں۔ عن[3] محمد بن یحیی الاسلمی قال رأیت عبد اللہ بن زبیر ورأی رجلا رافعا یدیہ قبل ان یفرغ من صلوتہ فلما فرغ منھا قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یرفع یدیہ حتی یفرغ من صلوتہ

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو آدمی نماز کے بعد اپنے ہاتھ پھیلا کر کہے، اے میرے، اور جبریل اور میکائیل اور اسرافیل کے خدا میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو میری دعا کو قبول فرما، میں بے قرار ہوں، میرے دین کو محفوظ رکھ، میں فتنوں میں مبتلا ہوں مجھے اپنی رحمت میں لے لے، میں گنہ گار ہوں، میرے فقر کو دور کر دے، میں مسکین ہوں، تو اللہ تعالےٰ پر حق ہے، کہ اس کے ہاتھوں کو خالی نہ اٹھائے

[2] اسود عامری کے باپ کہتے ہیں، کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی، جب آپ نے سلام پھیرا، تو رخ ہماری طرف کیا، اپنے ہاتھ اٹھائے اور دعا مانگی ۱۲

[3] عبد اللہ بن زبیر نے ایک آدمی کو دیکھا، اس نے پوری نماز پڑھنے سے پہلے ہی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنی شروع کی، آپ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہاتھ اٹھایا کرتے تھے۔

---

(۱) اس کی سند میں عبد العزیز بن عبد الرحمٰن قرشی ضعیف ہے ۱۲ ابو سعید محمد شرف الدین۔

و رجالہ ثقات[1]۔ اور نیز ابوداؤد میں ہے، کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، کہ جب سوال کرو اللہ تعالیٰ سے تو سوال کرو بطون کف اپنے کے ساتھ، اور نہ سوال کرو اس سے ساتھ ظہور کف اپنے کے، عن مالک بن یسار قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سألتم اللہ فاسئلوہ ببطون اکفکم ولا تسئلوہا بظہورہا وفی روایۃ ابن عباس قال سلوا اللہ ببطون اکفکم ولا تسئلوہ بظہورہا فاذا فرغتم فامسحوا بہا وجوہکم[2] رواہ ابوداؤد۔ اور ترمذی میں ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہاتھ دعا میں اٹھاتے تو نہیں چھوڑتے تھے یہاں تک کہ مسح کرتے اپنے منہ کو، عن عمر قال کان رسول اللہ صلی

(۱) میں کہتا ہوں، کہ اس حدیث کو صاحب مجمع الزوائد نے بھی نقل کیا ہے۔ حیث قال عن محمد بن ابی یحییٰ قال رأیت عبداللہ بن الزبیر ورأی رجلا رافعا یدیہ یدعو قبل ان یفرغ من صلاتہ فلما فرغ منہا قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یرفع یدیہ حتی یفرغ من صلوتہ رواہ الطبرانی وترجم لہ فقال محمد بن یحییٰ الاسلمی عن عبداللہ بن الزبیر ورجالہ ثقات انتہی۔ مجمع الزوائد قلمی جلد ۴ صفحہ ۴۳ کتاب الادعیۃ باب ماجاء فی الاشارۃ فی الدعاء ورفع الیدین۔ وعن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلیتم الصبح فافرغوا الی الدعاء وباکروا فی طلب الحوائج اللہم بارک لامتی فی بکورہا انتہی۔ اس حدیث کو علی متقی نے کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۱۷۵ میں صحیح مسلم، ابوداؤد، نسائی وغیرہ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ وعن ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال سلوا اللہ ببطون اکفکم ولا تسئلوہ بظہورہا رواہ الطبرانی فی الکبیر ورجالہ رجال الصحیح غیر عمار بن خالد الواسطی وہو ثقۃ، مجمع الزوائد جلد ۴ صفحہ ۴۳ کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۱۷۵، فضل الدعاء صفحہ ۴۸ وفی روایۃ ابن عباس رضی اللہ عنہما مرفوعا عند ابن ماجۃ اذا دعوت اللہ فادع ببطن کفیک الخ حاصل ان حدیثوں کا یہ ہے، کہ آپ نے فرمایا، صبح کی نماز کے بعد یعنی فرض نماز کے بعد دعا مانگو، اور جب دعا مانگو تو ہاتھ اٹھا کر دعا مانگو۔ نتیجہ یہ ہوا، کہ فرضی نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگو، وہو المدعی، واللہ اعلم۔ ابوسعید محمد شرف الدین مصحح فتاویٰ ہذا۔

(۲) سندہ ضعیف واخرجہ ایضا الطبرانی فی الکبیر والحاکم فی المستدرک عن ابن عباس رض مرفوعا کنز العمال۔ ابوسعید محمد شرف الدین۔

اللہ علیہ وسلم اذا رفع یدیہ فی الدعاء لم یحطھما حتی یمسح بھما وجھہ[1] رواہ الترمذی
اور نیز مشکوٰۃ کے صفحہ ۱۸۷ میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بندہ ہاتھ اٹھا
کے دعا کرتا ہے، تو اللہ شرم کرتا ہے، کہ اس کے ہاتھ خالی پھیر دے۔ عن سلمان قال قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ربکم حی کریم یستحیی من عبدہ اذا رفع یدیہ ان
یردھما صفرا رواہ الترمذی وابوداؤد والبیھقی فی الدعوات الکبیر[2]

علاوہ اس کے دعا میں ہاتھ اٹھانا شریعت من قبلنا سے بھی ثابت ہے چنانچہ بخاری
صفحہ ۴۷۵ میں ہے، کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب حضرت ہاجرہ کو چھوڑ چلے، پھر جب
کر ثنیہ کے پاس پہنچے، تو قبلہ کی طرف منہ پھیر کر ہاتھ اٹھا کے دعا کی، امام نووی صاحب عبداللہ
بن عمرو بن العاص کی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔ ھذا الحدیث[1] مشتمل علی کثیر من
الفوائد ومنھا استحباب رفع الیدین فی الدعاء انتہی، اور ادب المفرد کے صفحہ ۸۹ میں ہے
عن[2] عکرمۃ عن عائشۃ انہ سمعہ منھا انھا رأت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدعو رافعا
یدیہ یقول اللھم انما انا بشر فلا تعاقبنی ایما رجل من المؤمنین اذیتہ او شتمتہ فلا
تعاقبنی فیہ۔ وعن[3] ابی ھریرۃ قال قدم الطفیل بن عمر الدوسی علی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ ان دوسا عصت وابت فادع اللہ علیھا فاستقبل
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم القبلۃ ورفع یدیہ فظن الناس انہ یدعو علیھم
فقال اللھم اھد دوسا وائت بھم۔ پس ان احادیث سے ظاہر ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ

لے یہ حدیث بہت سے فوائد پر مشتمل ہے، اس سے دعا میں ہاتھ اٹھانے کا استحباب معلوم ہوتا ہے ۲ے حضرت
عائشہ رض نے کہا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے دیکھا، آپ کہہ رہے تھے، اے اللہ میں
بھی ایک آدمی ہوں، اگر میں نے کسی مومن کو کوئی تکلیف دی ہو، یا کوئی سخت کلامی کی ہو تو مجھے معاف کر دینا
۳ے طفیل بن عمرو دوسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اور کہا اے اللہ کے رسول دوس نے نافرمانی کی
اور دین حق کا انکار کیا، آپ ان پر بددعا کریں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ کی طرف متوجہ ہوئے، اور اپنے ہاتھ اٹھائے
لوگوں نے سمجھا کہ آپ ان پر بددعا کریں گے، آپ نے فرمایا، اے اللہ دوس کو ہدایت دے، اور ان کو میرے پاس لا۔

---

(۱) اخرجہ ایضا الحاکم فی المستدرک وقال الترمذی صحیح غریب ۱۲ کنز العمال۔ ابو سعید محمد شرف الدین
(۲) اخرجہ ایضا احمد وابن ماجہ وابن حبان فی صحیحہ والحاکم وقال صحیح علی شرط الشیخین الترغیب
والترھیب وکنز العمال ۱۲ ابو سعید محمد شرف الدین۔

علیہ وسلم ہاتھ اٹھا کے دعا مانگتے تھے، اور دعا میں ہاتھ اٹھانا مسنون طریقہ ہے، واللہ اعلم بالصواب، حررہ محمد عبد الغفور عفی عنہ، سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱ سید محمد عبد السلام غفرلہ ۱۲۹۹

سید محمد ابو الحسن ۱۳۰۰

مسئلہ: چہ می فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ رفع یدین در دعائے کہ بعد ادائے نماز کردہ می شود، چنانکہ معمول ائمہ دیار است از احادیث قولیہ یا فعلیہ ثابت است یا نہ ہرچند کہ فقہا ایں را مستحسن می نویسند واحادیث در مطلق رفع یدین در دعا نیز وارد اند لیکن دریں خصوص ہم حدیثے وارد است یا نہ، بینوا توجروا۔

ہو المصوب: دریں خصوص نیز حدیثے وارد است، چنانچہ حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق بن السنی در کتاب عمل الیوم واللیلہ می نویسند، حدثنی احمد بن الحسن حدثنا ابو اسحق یعقوب بن خالد بن یزید البالسی حدثنا عبد العزیز بن عبد الرحمن القرشی عن خصیف عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال مامن عبد بسط کفیہ فی دبر کل صلوٰۃ ثم یقول اللھم الھی واله ابراھیم واسحق ویعقوب واله جبرئیل ومیکائیل واسرافیل اسئلك ان تستجیب دعوتی فانی مضطر وتعصمنی فی دینی فانی مبتلی وتنالنی برحمتك فانی مذنب وتنفی عنی الفقر فانی متمسکن الا کان حقا علی اللہ عزوجل ان لا یرد یدیہ خائبتین۔ اگر گفتہ شود، کہ در سند ایں روایت عبد العزیز بن عبد الرحمن است، وآں متکلم فیہ است، چنانچہ در میزان الاعتدال وغیرہ مصرح است گفتہ خواہد شد، کہ حدیث ضعیف برائے اثبات استحباب کافی است، چنانچہ ابن ہمام در فتح القدیر

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین، کہ فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جیسا کہ اس علاقہ کے علماء کا دستور ہے کسی حدیث قولی یا فعلی سے ثابت ہے یا نہیں؟ اگرچہ فقہاء اس کو مستحسن کہتے ہیں، اور دعا میں ہاتھ اٹھانے کے متعلق بھی احادیث میں آیا ہے لیکن خصوصاً اس دعا کے متعلق بھی کوئی حدیث ہے یا نہیں۔

اس مخصوص دعا کے بارے میں بھی حدیث ہے، انس نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا جو آدمی ہر نماز کے بعد اپنے ہاتھ پھیلا کر یہ دعا کرے اے میرے اور ابراہیم واسحاق ویعقوب کے خدا، اے جبریل، میکائیل، اسرافیل کے خدا میں اپنی دعا کی قبولیت کا تجھ سے سوال کرتا ہوں، میں بے قرار ہوں، میں مبتلا ہوں میرے دین کو محفوظ رکھ، میں گنہ گار ہوں مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے، میں مسکین ہوں، میرا فقر دور کردے، تو اللہ پر حق ہے کہ اس کو خالی ہاتھ نہ لوٹائے اگر اس حدیث پر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس کی سند میں عبد العزیز بن عبد الرحمن متکلم فیہ ہے

در کتاب الجنائز می نویسد و الاستحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع واللہ اعلم

حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

سید محمد نذیر حسین	ابو الحسنات محمد عبد الحی	حسبنا حفیظ اللہ

الجواب صحیح والرای نجیح ویؤیدہ مارواہ ابو بکر بن ابی شیبۃ فی المصنف عن الاسود العامری عن ابیہ قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفجر فلما انحرف رفع یدیہ ودعا الحدیث فثبت بعد الصلوۃ المفروضۃ رفع الیدین فی الدعاء عن سید الانبیاء اسوۃ الاتقیاء صلی اللہ علیہ وسلم کما لا یخفی علی العلماء الاذکیاء

حررہ السید شریف حسین عفا اللہ عنہ فی الدارین | سید شریف حسین

سید محمد نذیر حسین	حسبنا حفیظ اللہ	محمد عبد الرب	سید احمد حسن

سوالات:- اول، جو شخص معنی نماز کے نہیں جانتا، اس کی نماز ہو جاتی ہے، یا نہیں ہوتی؟

دوئم۔ سجدہ تلاوت بے وضو کرنا درست ہے یا نہیں؟

سوم۔ مسبوق کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا منع ہے؟

چہارم۔ پنج گانہ نمازوں سے کسی نماز کی اذان ہوئی، اذان سن کر ایک شخص پاخانہ چلا گیا، اس کے آنے سے پہلے جماعت ہو چکی ہے، اگر وہ شخص دوبارہ جماعت کر لے، تو جائز ہے یا نہیں؟

ان سوالات کے جوابات مع دلائل ازراہ مہربانی عنایت فرمادیں۔

جوابات (۱) اس کی نماز ہو جاتی ہے، کیونکہ بہت سے عجمی لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، آپ ان کو صرف نماز سمجھا دیتے تھے، اور معنے کا سمجھانا ثابت نہیں۔

(۲) سجدہ تلاوت جمہور کے نزدیک بے وضو درست نہیں ہے، اور عبد اللہ بن عمر نے

تو اس کا جواب یہ ہے کہ استحباب کے ثبوت کے لئے ضعیف حدیث بھی کافی ہے چنانچہ ابن الہمام نے فتح القدیر کتاب الجنائز میں اس کی تصریح کی ہے، اسود عامری اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے صبح کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی آپ نے سلام پھیرا، اور رخ ہماری طرف کیا، اپنے ہاتھ اٹھائے اور دعا مانگی، تو معلوم ہوا کہ فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، واللہ اعلم۔

وضو سجدہ کیا کرتے تھے، اور مشرکین نے بھی بے وضو سجدہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کیا ہے چنانچہ بخاری میں ہے۔ عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سجد بالنجم و سجد معہ المسلمون والمشرکون والجن والانس رواہ البخاری۔ پس اس حدیث سے جواز سجدہ تلاوت بے وضو نیز ثابت ہوتا ہے۔

(۳) مسبوق کے پیچھے نماز پڑھنی حدیث سے مسکوت عنہ ہے، اور اصل مسکوت عنہ میں جواز و اباحت ہے، پس جواز ثابت ہوگا۔

(۴) حوائج ضروریہ مثل بول و براز وغیرہما کا پورا کرنا ضروری ہے، اس اثنار میں اگر جماعت اولیٰ فوت ہوگئی، تو پھر جماعت سے پڑھنا بے شبہ جائز ہے، کیونکہ جماعت ثانیہ کا جواز حدیث سے ثابت ہے، اور اکیلے پڑھنے سے جماعت میں زیادہ ثواب و فضیلت ہے، عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ الجماعۃ تعدل خمسا وعشرین من صلوٰۃ الفذ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والماٰب

حررہ العبد الضعیف الراجی رحمۃ ربہ القوی ابو محمد عبد العزیز الملتانی غفر اللہ

لہ ولوالدیہ و احسن الیہما و الیہ۔ الجواب صحیح والرای نجیح | سید محمد نذیر حسین

سید محمد عبد السلام غفر لہ ۱۲۹۹ | سید محمد ابو الحسن | ابو سعید محمد حسین ۱۲۰۹ھ

سوال۔ عمرو کہتا ہے کہ بے نمازی کے یہاں کا کھانا پانی، اور اس کے ساتھ کھانا، اور مصاحبت جائز و درست نہیں، تا وقتیکہ نمازی نہ ہو جاوے، خالد اور اس کے تابعین کہتے ہیں، کہ بے نمازی بھی مخلوق خدا سے ہیں، سب کے یہاں کا کھانا پانی، اور سب کے ساتھ کھانا پینا درست و جائز ہے، اب سوال یہ ہے، کہ عمرو اور خالد کی باتوں میں سے کس کی بات صحیح ہے اور کس کی غلط۔ بینوا توجروا

الجواب:۔ بے نمازی کے یہاں کا کھانا اور پانی حرام نہیں ہے، مگر چونکہ بے نمازی اسلام کے ایک رکن اعظم یعنی نماز کا تارک ہے، جو کفر اور ایمان کے درمیان میں مابہ الفرق ہے، اور اسی ترک نماز کی وجہ سے بے نمازی بہت سے علمار کے نزدیک کافر ہیں، اور بعض احادیث سے بھی اس کا کافر ہونا ثابت ہوتا ہے، اور اس کے نہایت درجے کے فاسق ہونے میں تو کوئی شبہ ہی

لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ نجم میں سجدہ کیا، اور آپ کے ساتھ تمام مسلمانوں اور مشرکوں، اور جنوں اور انسانوں نے بھی سجدہ کیا۔ ۲ہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جماعت کی نماز اکیلے آدمی کی نماز سے پچیس گنا زیادہ اجر رکھتی ہے۔

نہیں ہے، لہٰذا اس کی دعوت قبول کرنا، اور اس کے یہاں کھانا نہیں کھانا چاہیئے، مشکوٰۃ شریف میں عمران بن حصین سے روایت ہے۔ نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اجابۃ طعام الفاسقین یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاسقین کی دعوت قبول کرنے، اور ان کے یہاں کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے، اور بے نمازی سے ملنے جلنے اور اس کے ساتھ مصاحبت رکھنے کی بات یوں ہے، کہ اس کے سمجھانے اور نصیحت کرنے کی غرض سے اس سے مصاحبت ومخالطت جائز ہے پس اگر وہ سمجھ گیا، اور اللہ تعالیٰ نے اسے ہدایت دی، اور نماز پڑھنے لگا فبہا اور اگر باوجود سمجھانے اور نصیحت کرنے کے بھی نماز نہیں پڑھتا، تو اب اس کی مصاحبت ومخالطت سے احتراز چاہیئے، مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ عن عبد اللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما وقعت بنو اسرائیل فی المعاصی نھتھم علماؤھم فلم ینتھوا فجالسوھم فی مجالسھم واکلوھم وشاربوھم فضرب اللہ قلوب بعضھم ببعض فلعنھم علی لسان داؤد وعیسی بن مریم ذلک بما عصوا وکانوا یعتدون الحدیث رواہ الترمذی وابو داؤد یعنی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بنی اسرائیل معاصی میں پڑے، تو ان کے علماء نے ان کو منع کیا، سو وہ باز نہیں آئے، پھر ان کے علماء نے ان کے ساتھ مجالست ومصاحبت کی، اور ان کے ساتھ کھانے پینے لگے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بعض کے قلوب کو بعض کے ساتھ مارا، اور داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے ان کو لعنت کی، اور یہ اس سبب سے کہ وہ نافرمانی کرتے، اور حد سے بڑھتے تھے، روایت کیا اس حدیث کو ترمذی اور ابو داؤد نے، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ حررہ سید محمد نذیر حسین

سید محمد نذیر حسین

کتاب الجُمُعَة

سوال:۔ (۱) اگر اتفاق سے عید و جمعہ دونوں ایک ہی دن میں جمع ہو جاویں، تو اس میں جمعہ کا پڑھنا رخصت ہے یا نہیں، زید ایسے دنوں میں جمعہ نہیں ادا کرتا ہے، اور کہتا ہے، کہ میں ایک سنت مردہ کو زندہ کرتا ہوں، یہ کہنا اس کا کیسا ہے؟

(۲) خطبہ جمعہ کے لئے عصا یا قوس کا لینا ضروری ہے یا غیر ضروری ہے؟

(۳) جمعہ کے روز اذان ثالث جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا

الجواب (۱) جب عید اور جمعہ ایک دن میں جمع ہو جاویں، تو اس دن اختیار ہے جس کا جی چاہے جمعہ پڑھے، اور جس کا جی نہ چاہے نہ پڑھے، اور ایسے دنوں میں زید جو نماز جمعہ ادا نہیں کرتا ہے، اور کہتا ہے، کہ میں ایک مردہ سنت کو زندہ کرتا ہوں، سو اس کا یہ کہنا اچھا ہے منتقی میں ہے۔ عن[1] زید بن ارقم رضہ وسأله معاوية هل شهدت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم عيدين اجتمعا قال نعم صلى العيد اول النهار ثم رخص في الجمعة فقال من شاء ان يجمع فليجمع رواه احمد وابوداؤد وابن ماجة وعن ابي هريرة رضه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قال قد اجتمع في يومكم هذا عيدان فمن شاء اجزاه وانا مجمعون رواه ابوداؤد وابن ماجة۔ وعن وهب بن كيسان رضه قال اجتمع عيدان على عهد ابن الزبير رضه فاخر الخروج حتى تعالى النهار ثم خرج فخطب ثم نزل

[1] زید بن ارقم رضہ سے امیر معاویہ رضہ نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی ایسے موقع کی حاضری تم کو ملی ہے، جب کہ جمعہ اور عید اکٹھے ہو گئے ہوں، زید نے کہا ہاں! آپ نے دن کے پہلے حصہ میں عید کی نماز پڑھی پھر جمعہ کے متعلق رخصت دے دی، کہ جو جمعہ پڑھنا چاہے، پڑھ لے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج تمہاری دو عیدیں جمع ہو گئیں ہیں، جو چاہے اس کے لئے عید کافی ہے، اور ہم جمعہ پڑھیں گے، عبداللہ بن زبیر رضہ کے زمانہ میں عید اور جمعہ اکٹھے ہو گئے، آپ عید کے لئے دیر سے نکلے، خطبہ دیا، اور نیچے اتر آئے، عید کی

فصلی ولم یصل للناس یوم الجمعۃ فذکرت ذلک لابن عباس فقال اصاب السنۃ رواہ النسائی وابوداؤد بنحوہ لکن من روایۃ عطاء انتہی۔

(۲) خطبہ جمعہ کے لئے عصا یا قوس کا لینا ضروری نہیں ہے، بلکہ مندوب و مستحب ہے، عن الحکم بن الحزن شہدنا الجمعۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقام متوکئا علی العصا او قوس رواہ ابوداؤد یعنی حکم بن حزن سے روایت ہے، کہ ہم لوگ جمعہ میں حاضر ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ، آپ عصا یا قوس پر ٹیک دے کر کھڑے ہوئے، روایت کیا اس کو ابوداؤد۔ قال فی سبل السلام تحت ہذا الحدیث وفی الحدیث دلیل انہ یندب للخطیب الاعتماد علی عصا او نحوہ وقت خطبتہ والحکمۃ ان فی ذلک ربط القلب ولتعتمد یدیہ علی العبث ومن لم یجد ما یعتمد علیہ ارسل یدیہ او وضع الیمنی علی الیسری او علی جانب المنبر ویکرہ دق المنبر بالسیف اذ لم یؤثر فہو بدعۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) جائز ہے منتقی میں ہے۔ عن السائب بن یزید رضی اللہ عنہ قال کان النداء علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم الجمعۃ اولہ اذا جلس الامام علی المنبر علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ فلما کان عثمان رضی اللہ عنہ وکثر الناس زاد النداء الثالث علی الزوراء ولم یکن للنبی صلی اللہ علیہ وسلم مؤذن غیر واحد رواہ البخاری والنسائی وابوداؤد وفی روایۃ لہم فلما کانت خلافۃ عثمان وکثروا امر عثمان یوم الجمعۃ بالاذان الثالث فاذن بہ علی الزوراء فثبت الامر علی ذلک انتہی واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

حررہ عبد الرحیم عفی عنہ

نماز پڑھی اور لوگوں کو جمعہ نہ پڑھایا، ابن عباس سے اس کا تذکرہ ہوا، تو انہوں نے فرمایا اس نے سنت کے مطابق کیا ہے۔ اس حدیث میں دلیل ہے، کہ خطیب کو عصا پر ٹیک لگانا مستحب ہے اور اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ اس سے جمعیت خاطر رہتی ہے، جو عصا پر ٹیک نہ لگائے گا، وہ کبھی ہاتھوں کو حرکت دے گا، کبھی چھوڑ دے گا، کبھی باندھ لے گا، اور لاٹھی یا تلوار سے منبر کو کھٹکھٹانا مکروہ ہے ۳؎ سائب بن یزید نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں پہلی اذان اس وقت ہوتی تھی، جب امام منبر پر بیٹھتا، اور جب عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا، اور لوگ زیادہ ہو گئے، تو زوراء مقام پر تیسری اذان بڑھا دی گئی، اور حضور کے زمانہ میں ایک ہی مؤذن ہوتا تھا، اور ایک روایت میں ہے، جب عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت ہوئی اور لوگ زیادہ ہو گئے، تو حضرت عثمان نے جمعہ کے دن تیسری اذان بڑھا دی، پس زوراء پر اذان دی گئی پھر معاملہ اس پر ٹھہر گیا

سوال: جمعہ کے روز جب امام خطبہ پڑھتا ہو، اور کوئی شخص باہر سے آکر السلام علیکم کہے، تو یہ السلام علیکم کہنا یا اس کا جواب دینا جائز ہے یا منع ہے؟

الجواب: جس وقت خطیب خطبہ دے رہا ہو اس وقت سلام نہیں کہنا چاہیئے، کیونکہ سلام کہنا سنت ہے، اور خطبہ کا سننا فرض ہے، تو سلام کہنے والے نے فرض کو ترک کیا، لہذا خطبہ کے وقت سلام نہیں کہنا چاہیئے، اور اگر کسی نے سلام کہا، تو سننے والا چپکے سے جواب دے دے، واللہ اعلم بالصواب، حررہ السید محمد عبد الحفیظ غفرلہ

سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱	سید محمد عبد السلام غفرلہ ۱۲۹۹	سید محمد ابو الحسن ۱۳۰۵

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو لوگ آج کل بعد نماز جمعہ کے چار رکعت احتیاط الظہر پڑھتے ہیں، اور تارک کو اس کے ملوم جانتے ہیں اور یہاں تک پابندی اس کی ہوگئی، کہ بعض شہروں میں تو مثل جمعہ وغیرہ کے جماعتیں اس کی ہونے لگی ہیں، آیا یہ نماز احتیاط کی اس صورت مسئولہ میں جائز ہے یا نہیں، اور اگر ایسی پابندی ایک خاص شخص کے عقیدے میں نہ ہو، مگر اس کو ایسی پابندی کے زمانہ میں دوسروں کے ساتھ مشابہت اس عمل کی جائز ہے یا نہیں، اور اگر وہ پڑھے گا، انہی میں داخل ہوگا یا نہیں، اور بصورت عدم پابندی و اصرار کا لوجوب کے نفس اس نماز احتیاط کا کیا مسئلہ ہے جس نے اس کو نکالا تھا کس بنا پر نکالا تھا اور کس درجہ میں رکھا تھا، اور اب کس درجہ میں پہنچا، اور تعجب پر تعجب ہے، کہ اس نماز احتیاط کو عوام کیا بعض علماء بھی پڑھتے ہیں، واللہ اعلم ان کے پاس کون سی دلیل کتاب و سنت و قیاس و اجتہاد سے ہے، اور بظاہر یہ نماز احتیاط نماز شک پائی جاتی ہے، کہ اگر جمعہ نہ ہوا، تو ظہر ہو جائیگی آیا قیاس اس کا صوم یوم الشک پر ہو سکتا ہے یا نہیں، اور من جملہ دوسری بدعات محدثہ فی الدین کے ہے یا نہیں، بالکل جواب اس مسئلہ کا صاف صاف مدلل بدلائل شرعیہ و مزین بمہر و دستخط خاص آنجناب عنایت فرمادیں، بینوا توجروا۔

الجواب: مذہب حنفیہ میں شرائط جمعہ میں مصر یعنی شہر اور ہونا امام یا اس کے نائب کا لکھتے ہیں، لہذا چونکہ امام اور اس کا نائب ہندوستان میں بہ سبب تسلط کفار کے نہیں پایا جاتا، تو بنا بر مذہب حنفیہ پر جمعہ نہ ہوا، اور چونکہ دیگر ائمہ نے یہ شرط نہیں رکھی، تو ان کے مذہب پر جمعہ ادا ہو جاتا ہے، مگر چونکہ دوسری خرابی یہ ہوگئی، کہ ایک شہر میں دو تین جگہ جمعہ کا پڑھنا ان کے نزدیک درست نہیں، جس کا جمعہ اول واقعہ ہوتا ہے، اس کا جمعہ تو ادا ہوا، اور جس کا بعد ہوا

اس کے ذمہ پر ظہر کی نماز قائم رہی، اور یہ حال دریافت نہیں ہو سکتا، کہ کس کا جمعہ پہلے ہوا، تو ان مذاہب پر بھی محل تعدد جمعہ میں ہر شخص کو تردد واسطے جمعہ اور سقوط ظہر میں رہتا ہے، اس وجہ سے لوگوں نے ایجاد احتیاط ظہر کا کیا تھا، کہ اگر جمعہ ادا نہ ہووے گا، تو ظہر بالیقین ذمہ سے ساقط وادا ہو جاوے گی، اور جو جمعہ ادا ہو گیا، تو یہ رکعات نفل ہو جاویں گی، یہ اصل اس کی ہے، مگر احناف یعنی حنفیوں کا یہ عمل پسند نہیں، اول تو یہ احتیاط وجوب کے درجہ کو پہنچی، اور یہ خود بدعت ہے دوسرے بعضے اولی النزاع یعنی آپس جھگڑا اٹھانے والے ہو گئے، اگر درجہ احتیاط واستحباب میں رہتے، تو خیر سہل بات تھی، پھر یہ کہ جن علماء سے شرطیت وجود امام ونائب دریافت ہوئی ہے وہی علماء یہ بھی یہ لکھتے ہیں، کہ اگر امام ونائب سے تعذر ہو تو مسلمین اپنا امام جمعہ مقرر کر کے ادا کریں، پس جب اس روایت سب جگہ امام موجود ہوتا ہے، تو ایسی حالت میں جب مصر میں جمعہ پڑھا گیا، ادا ہو گیا، اور سقوط ظہر ذمہ سے ہو چکا، پس احتیاط ظہر لغو ہے، اور جن لوگوں کے نزدیک یہ قول علماء کا معتبر نہیں، تو خود شرط جمعہ کی مفقود ہے، چاہیئے، کہ ظہر بجماعت پڑھا کریں، یہ کیا بے موقع بات ہے، کہ شرط جمعہ کی موجود نہیں اور فقط تردد کی وجہ سے نوافل کو بجماعت ادا کریں، اور فرض وقت کو فرادی یعنی تنہا تنہا پڑھیں، یہ سخت خرابی ہے، پس احناف کا احتیاط ظہر تو بایں وجہ پسند نہیں کرتا ہوں، خصوصاً اس صورت وجوب اور نزاع میں اور دیگر اہل مذاہب پر یہ اعتراض ہے کہ اگر تعدد درست نہیں، تو دیدہ ودانستہ اس حرکت لایعنی یعنی بے فائدہ کو کیوں اختیار کیا، واجب ہے، کہ سب جمع ہو کر ایک جگہ جمعہ کو ادا کریں، الغرض یہ امر نہایت لغو اور فضول اور سستی دین کا باعث ہے، اور موجب کمال غفلت اور بے پرواہی دین سے ہونے کا ہے، فقط، واللہ تعالیٰ اعلم، کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

رشید احمد

الجواب صحیح۔ محمد امیر الدین پٹیالوی، واعظ جامع مسجد دہلی

محمد امیر الدین ۱۳۰۱

طلع الحق حق الطلوع وسطع الصدق حق السطوع فما قال ملک العلماء، سلطان الاتقیاء، زین المفسرین، رئیس المحدثین، نعمان اوانہ مجدد زماننا، نائب رسول اللہ الصمد علیہ صلوات من اللہ الاحد مولانا العالم العامل الحافظ الحاج رشید احمد مد اللہ ظلال فیوضہ علی رؤس العالمین اللہم امین فھو حق وا لحق احق بان یتبع واولی کان الحق یعلو ولا یعلی۔ حررہ اول تلامذتہ الفقیر محمد حسین عفا اللہ عنہ

فقیر محمد حسین ۱۲۵۰ مدرس مدرسہ حسین بخش قادر بخش عفی عنہ ۱۳۰۴

جواب ہذا صحیح ہے۔ حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ۔ محمد ساکن درگاہ سلطان نظام الدین اولیاء ضلع دہلی
المجیب مصیب، محمد حسین خان خورجوی بقلم خود، اصاب من اجاب، محمد حمایت اللہ عفا اللہ عنہ
جواب بہت صحیح اور ٹھیک ہے، اور خلاف اس کا ضلالت و بدعت سیئہ ہے، کیونکہ اس
فعل نامقبول کو کسی نے بھی ائمہ اربعہ سے نہیں کیا ہے، کما ہو فی البحر و تاتارخانی وغیرہما من کتب
الفقہ، اور اصل میں یہ یعنی نماز احتیاط الظہر بدعت سیئہ ایک بادشاہ عباسی معتزلی کہ عرب و عجم
وغیرہ کا بادشاہ تھا، اس کی نکالی ہوئی ہے حنفی مذہب میں ہرگز یہ نماز درست نہیں ہے، جواب
یہ کہ ہے، وہ نہ حنفی ہے نہ مالکی نہ شافعی نہ حنبلی بلکہ معتزلی مذہب ہے، اس ظالم نے یہ حکم دیا تھا
کہ نماز احتیاط الظہر کل جگہ جاری کی جائے، جو اس کو نہ کرے اسے تعزیر لگائی جائے، جو مولوی
اس وقت میں عبد الدینار والدرہم تھے اس کو قبول کیا، اور فتوؤں میں درج کر گئے، اور مذہب حنفی
بالائے طاق رکھا، اس قصہ کو ایک عالم جید قصوری پنجابی حنفی المذہب نے خوب تحقیق سے
لکھا ہے، کذا فی تفسیر المحمدی، اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف دو رکعت یا چار رکعت بعد
جمعہ کے اور پڑھتے تھے، فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العاجز محمد عبد الوہاب پنجابی نزیل دہلی

خادم شریعت رسول الاداب
ابو محمد عبد الوہاب ۱۳۰۰

سید محمد عبد السلام غفرلہ ۱۲۹۹	ابو محمد عبد الحق ۱۳۰۵	لودبانوی

ہذا الجواب صحیح

سید محمد اسماعیل ۱۲۰۸	فرید آبادی	سید محمد نذیر حسین

جواب صحیح ہے۔ محمد فقیر اللہ پنجابی، ضلع شاہ پور، محمد ناظم ملک بنگالہ ضلع فرید پور
ہذا جواب صحیح۔ حررہ ثابت علی، ضلع اعظم گڈھ۔ الجواب صحیح۔ محمد طاہر سلہٹی
مسکین عبد الغنی، ضلع کرنال

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چھوٹا گاؤں جس میں جمعہ
درست نہیں، اس کی کیا تعریف ہے اور بڑا گاؤں جس میں جمعہ درست ہے، وہ کتنے آدمیوں
کا ہوتا ہے، اور اگر چھوٹے گاؤں میں پڑھیں، تو پھر ظہر پڑھنا ضروری ہے یا نہیں، اور بڑے گاؤں
میں جمعہ کے بعد ظہر پڑھیں یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب:۔ واضح ہو کہ جمعہ پڑھنے کے لئے کسی خاص قسم کی بستی ہونے کی ضرورت
نہیں ہے، کیونکہ یہ بات کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں ہے، بلکہ شرعی دلیل سے یہ ثابت ہے
کہ جمعہ کا پڑھنا ہر جگہ فرض ہے، خواہ شہر ہو یا گاؤں اور خواہ بڑا گاؤں ہو یا چھوٹا گاؤں، چنانچہ قرآن

شریف میں ہے۔ یا ایہا الذین امنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ، یعنی اے ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جاوے، تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو، ظاہر ہے، کہ اس آیت میں جناب باری تعالیٰ نے عام طور پر ہر مسلمان کو فرمایا کہ جمعہ کے دن جمعہ کی اذان ہو تو لوگ فوراً حاضر ہوں لہٰذا اس آیت سے صاف معلوم ہوا، کہ جمعہ کے لئے کسی قسم کی بستی ہونے کی ضرورت نہیں ہے ہاں البتہ حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے، کہ جمعہ کے لئے اس قدر آدمی ہونے چاہئیں، کہ جماعت ہو جاوے، چنانچہ منتقی میں ہے، عن طارق بن شہاب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الجمعۃ حق واجب علی کل مسلم فی جماعۃ الا اربعۃ عبد مملوک او امرأۃ او صبی او مریض رواہ ابو داؤد انتہی۔ مختصراً یعنی ہر مسلمان پر فرض ہے، کہ جمعہ کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھے، مگر چار شخص غلام مملوک، عورت اور لڑکا، اور مریض یعنی ان چار شخصوں پر نماز جمعہ فرض نہیں، پس جمعہ کے لئے اتنے آدمی ہونے چاہئیں، کہ جن سے جماعت ہو جاوے، اور جماعت کے لئے کم از کم دو شخص ہونا چاہیئے، نیل الاوطار میں ہے واما الاثنان فبانضمام احدھما الی الاٰخر یحصل الاجتماع وقد اطلق الشارع اسم الجماعۃ علیہما فقال الاثنان فما فوقہما جماعۃ کما تقدم فی ابواب الجماعۃ خلاصہ یہ کہ دو شخصوں سے جماعت ہو جاتی ہے، اب آیت اور حدیث دونوں کے ملانے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے، کہ جمعہ کے لئے کسی خاص قسم کی بستی ہونے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ بقدر جماعت آدمی ہونے چاہئیں، جس کا کم سے کم درجہ دو عدد ہے، لہٰذا ان دلیلوں کے بموجب اگر کوئی ایسی بستی ہو، کہ اس میں صرف دو ہی مسلمان ہوں تو ان پر بھی جمعہ فرض ہے۔

ہاں البتہ حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے لئے مصر یعنی شہر کا ہونا شرط ہے اور اس کے ثبوت میں حضرت علیؓ کے اس قول سے لا جمعۃ ولا تشریق ولا فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع لیکن واضح ہو کہ حضرت علیؓ کے اس قول سے جمعہ کے لئے مصر کا شرط ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوتا اور خود حنفیہ کے اصول و قواعد کی رو سے بھی ثابت نہیں ہوتا اس واسطے کہ آیت قرآن اور احادیث صحیحہ مرفوعہ اس قول کی صاف نفی کرتی ہیں کیونکہ آیت و احادیث مرفوعہ سے

لیکن دو جب ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں، تو اجتماع حاصل ہو جاتا ہے، اور شارع نے اس پر جماعت کا اطلاق کیا ہے، فرمایا دو اور اس سے اوپر جماعت ہے۔ ؎ جمعہ، تشریق، فطر، اضحیٰ بڑے شہر ہی میں ہو سکتے ہیں۔

ثابت ہوتا ہے، کہ صحت جمعہ کے لئے مصر کا ہونا شرط نہیں ہے، بلکہ ہر جگہ اور ہر مقام میں اقامت جمعہ صحیح و درست ہے مصر ہو خواہ مصر نہ ہو اور حنفیہ لکھتے ہیں، کہ جب حدیث مرفوع صحابی کے کسی قول کی نفی کرے یعنی صحابی کا قول حدیث مرفوع کے خلاف ہو تو وہ قول حجت نہیں ہے فتح القدیر میں ہے۔ قول الصحابی حجۃ فیجب تقلیدہ عندنا اذا لم ینفہ شئی اخر من السنۃ انتہی۔ بنا علیہ حضرت علیؓ کا قول مذکور حجت نہیں ہو سکتا، لہٰذا اس قول سے جمعہ کے لئے مصر کا شرط ٹھہرانا خود حنفیہ کے اصول سے بھی باطل ہے، اور جمعہ کے بعد ظہر پڑھنا ہرگز جائز نہیں ہے، کیونکہ کسی دلیل شرعی سے جمعہ کے بعد ظہر پڑھنا ثابت نہیں، اور جو لوگ جمعہ کے بعد ظہر پڑھنے کے قائل ہیں، وہ یہ وجہ بیان کرتے ہیں، کہ دیہاتوں میں جمعہ کے فرض ہونے میں شک ہے، اس وجہ سے احتیاطاً ظہر پڑھ لینا چاہیئے، سو یہ وجہ بالکل غلط اور باطل ہے، کیوں کہ قرآن و احادیث سے دیہات اور غیر دیہات میں جمعہ کا فرض ہونا نہایت صاف اور صراحت کے ساتھ ثابت ہے، اور اس میں کسی قسم کا ذرا بھی شک و شبہ نہیں پس جمعہ کے بعد ظہر کو جائز بتانا بنا الفاسد علی الفاسد ہے، واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ ابو محمد عبد الحق اعظم گڈھی عفی عنہ

۹ ذی قعدہ ۱۳۱۶ھ۔ سید محمد نذیر حسین

ہوالموفق:۔ فی الواقع قرآن و حدیث سے یہی ثابت ہوتا ہے، کہ ہر جگہ اور ہر مقام میں اقامت جمعہ درست ہے، اور چھوٹے اور بڑے گاؤں کی تفریق نہیں آئی ہے، کہ بڑے گاؤں میں تو جمعہ درست ہو اور چھوٹے گاؤں میں نادرست، بلکہ ہر جگہ اور ہر گاؤں میں خواہ کتنا ہی چھوٹا ہو اقامت جمعہ درست ہے، اور علمائے حنفیہ جمعہ کے درست ہونے کے لئے جو مصر کا ہونا شرط لکھتے ہیں، سو ان کی یہ بات بالکل بے دلیل ہے اور ساتھ اس کے مصر کی تعریف میں انہوں نے بڑا ہی اختلاف کیا ہے کوئی مصر کی تعریف کچھ لکھتا ہے اور کوئی کچھ، اور ان کی تعریفات متخالفہ و متناقضہ میں سے کوئی تعریف بھی نہ لغت سے ثابت ہے اور نہ قرآن و حدیث سے، بلکہ فقہائے حنفیہ نے محض اپنی اپنی رائے سے لکھی ہیں، اور جمعہ کے بعد ظہر پڑھنا ہرگز جائز نہیں، نہ چھوٹے گاؤں میں اور نہ بڑے گاؤں میں اور نہ کسی اور مقام میں رسالہ تحقیقات العلی میں مرقوم ہے، کہ نماز جمعہ فرض عین ہے، فرضیت ظہر اس سے ساقط ہو جاتی ہے، اس لئے کہ صلوٰۃ جمعہ قائم مقام صلوٰۃ ظہر ہے، پس جس شخص نے ظہر احتیاطی ادا کی، اس نے ایک صلوٰۃ مفروضہ کو

لہٰذا ہمارے نزدیک صحابی کا قول حجت ہے اور اس کی تقلید ضروری ہے جب کہ اس سے کسی حدیث کی نفی نہ ہو

دوبار ایک دن، ایک وقت میں بلا اذن شارع ادا کیا، اور یہ ممنوع ہے۔ عن[1] ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تصلوا صلوۃ فی یوم مرتین رواہ احمد و ابوداؤد والنسائی۔ پس جب جمعہ بالکل قائم مقام ظہر کے ہوا، تو اب جمعہ کے بعد ظہر پڑھنا جائز نہ ہوا، اور کسی سلف صالحین صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین و تبع تابعین و ائمہ مجتہدین اور محدثین رحمہم اللہ سے یہ ظہر احتیاطی منقول نہیں، نہ ان میں سے کسی نے پڑھا، اور پڑھنے کا حکم دیا بلکہ یہ ظہر احتیاطی بدعت و محدث فی الدین ہے، پڑھنے والا اس کا عاصی و آثم ہوگا، کیوں کہ یہ ایک بدعت نکالی گئی ہے، دین میں بعض متاخرین حنفیہ نے اس کو نکالا ہے، جیسا کہ بحر الرائق میں ہے۔ وقد[2] افتیت مرارا بعدم صلوۃ الاربع بعدھا بنیۃ ظھر خوف اعتقادھم عدم فرضیۃ الجمعۃ وھو الاحتیاط فی زماننا۔ اور بھی بحر الرائق میں ہے، ھھنا[3] طال فی فتح القدیر فی بیان دلائلھا ثم قال انما اکثرنا فیہ نوعا من الاکثار لما نسمع من بعض الجھلۃ انھم ینسبون الی مذھب الحنفیۃ عدم افتراضھا الی قولہ اقول قد اکثر ذلک من جھلۃ زماننا ایضا ومنشأ جھلھم صلوۃ الاربع بعد الجمعۃ بنیۃ الظھر وانما وضعھا بعض المتاخرین عند الشک فی صحۃ الجمعۃ بسبب روایۃ عدم تعددھا فی مصر واحد ولیست ھذہ الروایۃ بالمختارۃ ولیس ھذا القول اعنی اختیار صلوۃ الاربع بعدھا مرویا عن ابی حنیفۃ وصاحبیہ انتہی کلامہ۔ پس مروج و متبع سنت وہ ہے جو کہ اس بدعت و محدث فی الدین کی بیخ کنی کرے اور لوگوں کو اس ظہر احتیاطی کے پڑھنے سے روکے، انتہی ما فی تحقیقات العلی مختصرا۔ واللہ اعلم کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک ہی دن میں ایک ہی نماز کو دو مرتبہ مت پڑھو۔

[2] میں نے کتنی مرتبہ فتوی دیا ہے، کہ جمعہ کے بعد چار رکعت ظہر کی نیت سے جائز نہیں جس کو ہمارے زمانہ میں احتیاطی کہا جاتا ہے۔

[3] فتح القدیر میں اس کے دلائل کو بسط سے بیان کیا ہے، پھر کہا ہم نے اس بحث کو اس لئے طول دیا ہے، کہ بعض جاہلوں سے سننے میں آتا ہے، کہ وہ اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں اور جمعہ کو فرض نہیں سمجھتے۔ میں کہتا ہوں ہمارے زمانہ کے جاہلوں کی اکثریت ہے اور ان کی جہالت کی دلیل یہ ہے، کہ وہ جمعہ کے بعد ظہر کی نیت سے چار رکعت پڑھتے ہیں، جس کو بعض متاخرین نے جمعہ میں شک کی وجہ سے جاری کیا ہے، اور شک اس بنا پر ہے کہ ایک شہر میں متعدد جمعے جائز نہیں، اور یہ روایت صحیح نہیں، اور نہ ہی چار رکعت کا ثبوت بعد جمعہ کے امام ابوحنیفہ اور صاحبین سے مروی ہے ۱۲

یہ فتوی گو ناتمام ہے، اور سوال ہی مذکور نہیں، چونکہ اس کا مضمون نہایت ہی مفید معلوم ہوتا ہے، اس لیے بغرض حصول ثواب و فائدہ عام جو کچھ دستیاب ہو سکا ہے، ذیل میں ہدیہ ناظرین ہے، وہو ہذا۔

سوال:۔ . . . .

الجواب:۔ در ہدایہ مرقوم است لا تصح الجمعۃ الا فی مصر جامع او فی مصلی المصر ولا تجوز فی القری لقولہ علیہ السلام لا جمعۃ ولا تشریق ولا فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع۔ والمصر الجامع کل موضع لہ امیر وقاض ینفذ الاحکام ویقیم الحدود وہذا عن ابی یوسف وعنہ انہم اذا اجتمعوا فی اکبر مساجدہم لو یسعہم الاول اختیار الکرخی وہو الظاہر والثانی اختیار البلخی ولا تجوز اقامتہا الا للسلطان او لمن امرہ السلطان لانہا تقام بجمع عظیم وقد تقع المنازعۃ فی التقدم والتقدیم وقد یقع فی غیرہ فلا بد منہ تتمیما لامرہا انتہی، وشیخ عبدالحق محقق محدث دہلوی در فتح المنان فی تائید مذہب النعمان می فرماید ھذا تقریر الہدایۃ وظاہرہ یفید الا ولویۃ والاحتیاط عقلا لا الاشتراط وعدم جواز الصلوۃ بدونہ شرعا وقال الشیخ ابن الہمام حقیقۃ ہذا الوجہ لا اشتراط السلطان لئلا یؤدی الی عدمہا کما یفیدہ قولہ تتمیما لامرہا انتہی

درین جا تقریر دلپذیر بحر العلوم مولانا عبدالعلی مرحوم کہ در ارکان اربعہ می فرماید ملاحظہ باید کرد۔ ومنہا السلطان او امرہ باقامۃ الجمعۃ عند الحنفیۃ خاصۃ لا عند الشافعیۃ فانہم یقولون اذا اجتمع مسلموا بلدۃ وقدموا اماما وصلوا الجمعۃ خلفہ جازت الجمعۃ

الجواب:۔ ہدایہ میں ہے جمعہ مصر جامع یا شہر کی عیدگاہ کے علاوہ جائز نہیں، اور بستیوں میں جمعہ پڑھنا جائز نہیں، آپ کا فرمان ہے جمعہ، تشریق، عید الفطر اور عید الاضحی مصر جامع کے سوا جائز نہیں، مصر جامع ہر وہ جگہ ہے جہاں کوئی امیر یا قاضی ہو جو احکام کا نفاذ کرے، حدود قائم کرے، یہ امام ابو یوسف کا مذہب ہے، اور امام صاحب کے نزدیک مصر جامع وہ ہے کہ اگر وہاں کے رہنے والے سب کے سب بڑی مسجد میں جمع ہو جائیں تو اس میں سما نہ سکیں امام کرخی نے اسی کو پسند فرمایا ہے، اور دوسرے قول کو بلخی نے پسند کیا ہے، نیز جمعہ بادشاہ قائم کرے یا اس کا نائب کیونکہ اس وقت مجمع کثیر ہوتا ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے فتح المنان میں بیان کیا ہے کہ ہدایہ کی اس تقریر سے ثابت ہوتا ہے [illegible] بہتر تو بادشاہ ہو [illegible] شرط [illegible] جواز صلوۃ میں [illegible]

مولانا عبدالعلی مرحوم ارکان اربعہ میں بیان کرتے ہیں، کہ حنفیہ کے نزدیک اقامت جمعہ میں سلطان یا اس کے نائب کا ہونا شرط ہے اور شافعیہ کے نزدیک شرط نہیں، وہ کہتے ہیں، کہ کسی شہر کے لوگ جمع ہو جائیں، اور ایک امام ان کو جمعہ پڑھا دے، تو یہ جائز ہے، لیکن

والمامور من قبل السلطان افضل ولم اطلع علی دلیل یفید اشتراط امر السلطان و ما فی الهدایۃ لانها تقام بجماعۃ فعسی ان تقع منازعۃ فی التقدم والتقدیم لان کل انسان یطلب لنفسہ رتبۃ فلابد من امر السلطان لیدفع هذہ المنازعۃ فهذا رای لا یثبت للاشتراط لاطلاق نصوص وجوب الجمعۃ ثم هذہ المنازعۃ تندفع باجماع المسلمین علی تقدیم واحد کما ان رتبۃ السلطان یطلبها کل احد من الناس فعسی ان تقع المنازعۃ فلا یصح نصب السلطان لکن تندفع هذہ المنازعۃ باجماع المسلمین علی تقدیم واحد فکذا هذا وکما فی جماعۃ الصلوۃ عسی ان تقع المنازعۃ فی تقدیم رجل لکن تندفع باجماع المصلین فکذا فی الجمعۃ ثم الصحابۃ اقاموا الجمعۃ فی زمان فتنۃ بلوی امیر المؤمنین عثمان وکان هو اماما حقا محصورا ولم یعلم انهم طلبوا الاذن فی اقامۃ الجمعۃ بل الظاهر عدم الاذن لان هؤلاء الاشقیاء من اصحاب الشر لم یرخصوا ذلک فعلم ان اقامۃ الجمعۃ غیر مشروطۃ عندهم بالاذن ولعل لهذا لما وقعت یرجع المشائخ عن هذا الشرط فیما تعذر الاستیذان وافتوا بانہ ان تعذر الاستیذان من الامام فاجتمع الناس علی رجل یصلی بهم جاز کذا فی العالمگیریۃ ناقلا عن التهذیب انتہی

وآنکہ مخالفین استدلال نمودہ اند بحدیث لا جمعۃ ولا تشریق الحدیث بر شرطیت مصر آن قابل احتجاج و استدلال نمی تواند شد زیرا کہ ضعیف است باتفاق. قال الامام النووی

سلطان وقت کی طرف سے کسی کا مقرر ہونا افضل ہے مگر مجھے کوئی ایسی دلیل نہیں ملی جو اس کا واجب ہونا ثابت کرے اور ہدایہ میں جو لکھا ہے کہ اگر اکٹھے ہوں گے امامت جمعہ کے لئے تنازع پیدا ہوگا اس لئے سلطان وقت کا حاضر ہونا ضروری ہے یہ کوئی ایسی بات نہیں کیونکہ لوگ اجماع کے ساتھ کسی ایک کو جمعہ کے لئے مقرر کر لیں گے اس طرح جماعت کی امامت میں بھی تنازع پڑ سکتا ہے لیکن وہ نمازیوں کے اجماع سے رفع ہو جاتا ہے اسی طرح جمعہ میں بھی ہو سکتا ہے اور حضور سلطان کی شرط کی ضرورت نہیں صحابہ نے حضرت عثمان کے محاصرہ کے زمانہ میں جمعہ پڑھ لیا تھا حالانکہ حضرت عثمان خلیفہ برحق تھے اور کہیں یہ مروی نہیں کہ انہوں نے اقامت جمعہ کے لئے حضرت عثمان سے اجازت طلب کی بلکہ فتنہ پرداز لوگ اس بات کی رخصت بھی کب دیتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کے نزدیک جمعہ کے لئے حضور سلطان کی شرط نہیں ممکن ہے مشائخ اس کی توجیہ یہ کرتے ہوں کہ اس وقت استیذان متعذر تھا اور اس حالت میں انہوں نے اس بات کا فتویٰ دیدیا ہو کہ کوئی ایک شخص بالاتفاق تمام نمازیوں کو نماز جمعہ پڑھائے ... سے اذن لئے بغیر ... فتاوی عالمگیریہ ناقلا عن التہذیب انتہی۔

نیز مخالفین نے جس حدیث لا جمعۃ ولا تشریق الخ سے استدلال کیا ہے تو باتفاق محدثین ضعیف ہے امام نووی کہتے ہیں حدیث لا جمعۃ ولا تشریق کے ضعف پر تمام محدثین کا اتفاق ہے امام احمد نے بھی اسے ضعیف کہا ہے کہ اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں ابن حزم نے

حدیث لا جمعۃ ولا تشریق الحدیث متفق علی ضعفہ، وامام احمد نیز تضعیفش نمودہ وگفتہ رفع او صحیح نیست، وابن حزم جزم بوقف او نمودہ واجتہاد را دراں دخل است، پس منتہض برائے احتجاج نمی شود، حالا ذکر می شود ضعف حدیث لا جمعۃ ولا تشریق بتفصیل تام فاستمع وانصف ولا تعصب اذا قلت اللہ رحیق التحقیق باب صلوۃ الجمعۃ الحدیث الاول عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا جمعۃ ولا تشریق ولا فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع قلت غریب مرفوعا وانما وجدناہ موقوفا علی علی رضی اللہ عنہ رواہ عبد الرزاق فی مصنفہ اخبرنا معمر عن ابی اسحق عن الحارث[1] عن علی رضی قال لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع انتہی ورواہ ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ حدثنا عباد بن العوام عن حجاج عن ابی اسحاق عن الحارث عن علی قال لا جمعۃ ولا تشریق ولا صلوۃ فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع او فی مدینۃ عظیمۃ انتہی ورواہ عبد الرزاق ایضا انا الثوری عن زبید الایامی بہ عن سعد بن عبیدۃ عن ابی عبد الرحمن السلمی عن علی رضی قال لا تشریق ولا جمعۃ الا فی مصر جامع واخرجہ البیہقی فی المعرفۃ عن شعبۃ عن زبید الایامی بہ قال وکذلک رواہ الثوری عن زبید بہ وھذا انما یروی عن علی رضی موقوفا فاما النبی صلی اللہ علیہ وسلم فانہ لا یروی عنہ فی ذلک شیء انتہی کلامہ۔ تخریج ھدایۃ للزیلعی۔

باید دانست کہ در روایت عبد الرزاق وابن ابی شیبہ حدیث لا جمعۃ ولا تشریق مروی است بروایت حارث از علی رضی امام مسلم در مقدمہ جامع صحیح خود صفحہ چہاردہم و پانزدہم نوشتہ

اس کو موقوف قرار دیا ہے اب اس کی صحت اور عدم کے متعلق تفصیل سے سنیے، حدیث لا جمعۃ ولا تشریق الخ عبد الرزاق کہتے ہیں کہ یہ حضرت علی پر موقوف ہے اور مرفوع صحیح نہیں ابن ابی شیبہ نے عباد بن عوام عن حجاج عن ابی اسحاق عن الحارث عن علی کی سند سے اس حدیث کو ذکر کیا ہے، عبد الرزاق نے بھی انا الثوری عن الزبید الایامی عن سعد بن عبیدۃ عن ابی عبد الرحمن السلمی عن علی کی سند سے اس کو روایت کیا ہے بیہقی نے معرفت میں عن شعبۃ عن زبید الایامی کے واسطے سے حضرت علی سے موقوف روایت کیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارہ میں کچھ ثابت نہیں (تخریج ہدایہ) عبد الرزاق اور ابن ابی شیبہ کی روایت میں حدیث لا جمعۃ ولا تشریق حارث عن علی کی روایت سے مروی ہے، لیکن امام مسلم نے اپنی جامع صحیح کے مقدمہ میں لکھا ہے، کہ شعبی کہتے ہیں کہ حارث اعور بڑا کذاب تھا نیز انہوں نے سند کے ساتھ مغیرہ سے بیان کیا ہے، کہ انہوں نے کہا میں نے شعبی سے سنا وہ کہہ رہے تھے، کہ مجھ سے یہ

[1] قال ابو داؤد فی مقدمتہ واما ابو اسحاق عن الحارث عن علی فلم یسمع ابو اسحاق من الحارث الا اربعۃ احادیث لیس فیہا مسند واحد انتہی۔

حدثنا قتیبۃ بن سعید قال حدثنا جریر عن مغیرۃ عن الشعبی قال حدثنی الحارث الاعور وکان کذابا حدثنا ابو عامر عبد اللہ بن براد الاشعری قال حدثنا ابو اسامۃ عن مفضل عن مغیرۃ قال سمعت الشعبی یقول حدثنی الاعور وھو یشھد انہ احد الکاذبین وحدثنا قتیبۃ بن سعید قال حدثنا جریر عن مغیرۃ عن ابراھیم قال قال علقمۃ قرأت القرآن فی سنتین فقال الحارث القرآن ھین والوحی اشد وحدثنی حجاج بن الشاعر قال حدثنا احمد یعنی ابن یونس قال حدثنا زائدۃ عن الاعمش عن ابراھیم ان الحارث قال تعلمت القرآن فی ثلاث سنین والوحی فی سنتین او قال الوحی ثلاث سنین والقرآن فی سنتین وحدثنی حجاج بن الشاعر قال حدثنی احمد وھو ابن یونس قال حدثنا زائدۃ عن منصور والمغیرۃ عن ابراھیم ان الحارث اتھم وحدثنا قتیبۃ بن سعید قال حدثنا جریر عن حمزۃ الزیات قال سمع مرۃ الھمدانی من الحارث شیئا فقال له اقعد بالباب قال فدخل مرۃ واخذ سیفہ وقال واحس الحارث من الشر فذھب انتہی ما فی مقدمۃ صحیح مسلم وقال الامام الحافظ الذھبی فی میزان الاعتدال وروی مغیرۃ عن الشعبی حدثنی الحارث الاعور وکان کذابا وقال منصور عن ابراھیم ان الحارث اتھم وروی ابو بکر بن عیاش عن مغیرۃ قال لم یکن الحارث یصدق عن علی فی الحدیث وقال ابن المدینی کذاب وقال ابن معین ضعیف وقال الدارقطنی ضعیف وقال ابن عدی عامۃ ما یرویہ غیر محفوظ وعن الشعبی ما کذب علی احد من ھذہ الامۃ ما کذب علی علی رض وقال ایوب کان ابن سیرین یری ان عامۃ ما یروی عن علی رض باطل وقال الاعمش عن ابراھیم عن الحارث قال تعلمت القرآن فی

حدیث اعور نے بیان کی لیکن وہ ایک جھوٹا آدمی ہے، نیز قتیبہ بواسطہ مغیرہ ابراہیم سے بیان کرتے ہیں کہ علقمہ کہنے لگے میں نے قرآن دو سال میں حفظ کیا، یہ سنکر حارث کہنے لگا کہ قرآن تو بہت آسان ہے اور وحی بہت سخت ہے، نیز اس روایت کو زائدہ نے اعمش سے بواسطہ ابراہیم سے بیان کیا ہے کہ حارث کہتا تھا کہ میں نے قرآن تین سال میں سیکھا اور وحی دو سال میں، ابراہیم کہتے ہیں کہ حارث متہم ہے حمزۃ الزیات کہتے ہیں کہ حارث ہمدانی نے ایک مرتبہ حارث سے کچھ سنا اور کہا دروازے کے باہر بیٹھو وہ اندر آ گیا، اور چپکے سے اس کی تلوار پکڑ لی حافظ ذہبی نے شعبی سے ذکر کیا ہے کہ شعبی اسے کذاب کہا کرتے تھے، ابو بکر بن عیاش مغیرہ سے روایت کرتے ہیں کہ حارث حضرت علی سے روایت بیان کرنے میں سچا نہیں، نیز ابن مدینی نے کذاب، ابن معین نے ضعیف کہا ہے، ابن عدی کہتے ہیں کہ وہ جو روایت کرتا ہے غیر محفوظ ہے، ابن سیرین کہا کرتے تھے کہ حارث نے حضرت علی سے جو بیان کیا ہے، باطل ہے

ثلاث سنین والوحی فی سنتین وقال مفضل بن مہلہل عن مغیرۃ سمع الشعبی یقول حدثنی الحارث واشہد انہ احد الکذابین وروی محمد بن شیبۃ الضبی عن ابی اسحاق قال زعم الحارث الاعور وکان کذوبا ۱۲ میزان، قال ابن حبان وکان الحارث غالیا فی التشیع واہیا فی الحدیث وہو الذی روی عن علی قال لی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تفتح علی الامام فی الصلوۃ رواہ الفریابی ۱۲ میزان ایضا

باقی حدیث ثوری در بیہقی آن مضطرب است از انکہ بعضے جائے یعنی در روایت ثوری شعبہ مروی عنہ است و بعضے جائے یعنی در روایت بیہقی شعبہ است راوی این است حال موقوف کہ دانستی و مسند شدن این حدیث را بسیارے از علماء انکار نمودہ اند چنانچہ عبارت زیلعی متقدم برو مشعر است وعن ابن عباس رض ان اول جمعۃ جمعت فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مسجد عبد القیس بجواثا من البحرین رواہ البخاری وابوداود وقال جواثا قریۃ من قری البحرین ۱۲ منتقی الاخبار وقال الامام الشوکانی فی نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار واحتجوا بما روی عن علی مرفوعا لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع وقد ضعف احمد رفعہ وصحح ابن حزم وقفہ وللاجتہاد فیہ مسرح فلا ینتہض للاحتجاج وقد روی ابن ابی شیبۃ عن عمر انہ کتب الی اہل البحرین ان جمعوا حیث ما کنتم وہذا یشمل المدن والقری وصححہ ابن خزیمۃ وروی البیہقی عن اللیث بن سعد ان اہل مصر وسواحلہا کانوا یجمعون علی عہد عمر وعثمان رض بامرہما وفیہا رجال من الصحابۃ واخرج عبد الرزاق عن ابن عمر باسناد صحیح انہ کان

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلا جمعہ بحرین میں قریہ جواثا میں عبد القیس نے ادا کیا۔ ابوداؤد میں ہے کہ جواثا بحرین میں ایک قریہ (بستی) ہے جو لوگ حضرت علیؓ کے اس اثر سے استدلال کرتے ہیں کہ جمعہ اور عید صرف شہر میں ہی ہو سکتی ہے۔ یہ روایت بجمیع طرقہ ضعیف ہے اور حضرت عمرؓ نے اہل میاہ کو لکھا کہ جہاں کہیں ہوا کرو جمعہ ادا کیا کرو۔

یعنی اہل المیاہ بین مکۃ والمدینۃ یجمعون فلا یعیب علیہم فلما اختلف الصحابۃ وجب الرجوع الی المرفوع ویؤید عدم اشتراط المصر حدیث ام عبد اللہ الدوسیۃ المتقدم انتہی، حدیث علی رض لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع ضعفہ احمد وآخرون ۱۲ بدر المنیر فی تخریج الاحادیث والآثار الواقعۃ فی الرافعی الکبیر للشیخ سراج الدین بن الملقن و تحریر شرح احادیث الوجیز للرافعی ۱۲ قال فی البدر لا یصلح الاحتجاج بہ للانقطاع وضعف اسنادہ ۱۲ وروی البیہقی فی المعرفۃ عن معاذ بن موسی بن عقبۃ ومحمد بن اسحاق ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین رکب من بنی عمرو بن عوف فی ہجرتہ الی المدینۃ مر علی بنی سالم وہی قریۃ بین قبا والمدینۃ فادرکتہ الجمعۃ فصلی فیہم الجمعۃ وکانت اول جمعۃ صلاہا حین قدم ووصلہ ابن سعد من طریق الواقدی باسانیدہ وفیہ انہم کانوا حینئذ مائۃ رجل وذکر عبد الرزاق فی مصنفہ عن ابن جریج انہ صلی اللہ علیہ وسلم جمع فی سفر وخطب متوکئا علی قوس وروی عبد الرزاق ایضا ان عمر بن عبد العزیز کان مبدیا بالسویداء فی امارتہ علی الحجاز فحضرت الجمعۃ فہیأوا لہ مجلسا من البطحاء ثم اذن بالصلوۃ فخرج وخطب وصلی رکعتین وجہر وقال ان الامام یجمع حیث کان وروی البیہقی فی المعرفۃ من طریق جعفر بن برقان ان عمر بن عبد العزیز کتب الی عدی بن عدی

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ جمعہ اور تشریق مصر جامع میں ہے مگر یہ حدیث چند وجوہ صحیح نہیں ہے۔ اس کی اسناد ضعیف ہے امام بیہقیؒ نے معرفۃ السنن میں روایت کی ہے کہ آنحضرت نے سفر ہجرت میں جب محلہ بنی سلمہ سے گذرے تو وہاں جمعہ ادا کیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے کمان کے سہارے پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا اسی طرح حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے "سویداء" میں جمعہ پڑھا آپ نے خطبہ دیا اور دو رکعت نماز ادا کی۔ واللہ اعلم۔

(۱) حدیث ام عبد اللہ الدوسیۃ المتقدم ان الست۔ وعن ام عبد اللہ الدوسیۃ رضی اللہ عنہا سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الجمعۃ واجبۃ علی اہل کل قریۃ وان لم یکونوا الا ثلثۃ رابعہم امامہم اخرجہ الدارقطنی ۱۲ کذا فی تخریج الزیلعی انتہی۔

انظر کل قریۃ اہل قرار لیسوا ہم باہل عمود ینتقلون فامر علیہم امیرا ثم مرہ فلیجمع بہم و قال ابن المنذر فی الاوسط روینا عن ابن عمر انہ کان یری اہل المیاہ من مکۃ والمدینۃ یجمعون فلا یعیب ذلک علیہم ثم ساقہ موصولا وروی سعید بن منصور عن ابی ہریرۃ رض ان عمر رض کتب الیہم ان جمعوا حیث ما کنتم وحدیث لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر ضعفہ احمد کذا فی تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر للحافظ ابن حجر العسقلانی و این سند حدثنا جریر عن منصور عن طلحۃ بن سعد عن عبیدۃ بن عبد الرحمن) کہ صاحب شرح وقایہ آوردہ قابل احتجاج نہ نمودہ شود، کہ راوی این عبیدہ بن عبد الرحمن ضعیف است، عبیدۃ بالفتح وقیل بالضم ہو عبیدۃ بن عبد الرحمن ابو عمر البجلی ذکرہ ابن حبان بالوجہین فقال روی عن یحیی بن سعید الانصاری حدث عن حرمی بن حفص یروی الموضوعات عن الثقات ۱۲ میزان الاعتدال ولما قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ اقام یوم الاثنین والثلثاء والاربعاء والخمیس فی بنی عمرو بن عوف واسس مسجدہم ثم خرج من بعدہم فادرکتہ الجمعۃ فی بنو سالم بن عوف فصلاہا فی المسجد الذی فی بطن الوادی فکانت اول جمعۃ صلاہا بالمدینۃ انتہی ما فی البحر الرائق وقال الشمنی لما قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ اقام یوم الاثنین والثلثاء والاربعاء والخمیس فی بنی عمرو بن عوف ثم خرج من عندہم فادرکتہ الجمعۃ فی بنی سالم بن عوف فصلاہا فی المسجد الذی فی بطن الوادی وکانت اول جمعۃ صلاہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم انتہی وروی عبد الرزاق باسناد صحیح عن ابن

حضرت ابوہریرہ رض سے روایت ہے کہ حضرت عمر رض نے اہل میاہ کو لکھا کہ جہاں بھی ٹھہرو جمعہ بہر صورت ادا کیا کرو اور حدیث لا جمعہ الخ ضعیف ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص الحبیر میں تصریح کی ہے۔ اور متعدد روایات سے ثابت ہے کہ آنحضرت نے سفر ہجرت میں محلہ بنی سالم بن عمرو بن عوف میں جمعہ ادا کیا اور یہ پہلا جمعہ ہے جو آپ نے ادا کیا۔

قال جمع اهل المدینۃ قبل ان یقدمها النبی صلی الله علیہ وسلم وقبل ان ینزل سورۃ الجمعۃ فقالت الانصار ان الیهود لهم یوم یجتمعون فیہ بعد سبعۃ وللنصاری کذلك فلنجعل یوما لنا نذکر الله تعالیٰ ونشکر ونصلی فیہ فجعلوه یوم العروبۃ واجتمعوا الی اسعد بن زرارۃ فصلی بهم یومئذ رکعتین وذکرهم فسموه یوم الجمعۃ وانزل الله تعالیٰ بعد ذلك واذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ والحدیث وان کان مرسلا فلہ شاهد حسن اخرجہ ابوداود عن کعب بن مالك وصححہ ابن خزیمۃ وهو اول من صلی الجمعۃ بالمدینۃ قبل الهجرۃ اسعد بن زرارۃ قال الحافظ ابن حجر ولا یمنع ذلك انہ صلی الله علیہ وسلم علمہ بالوحی وهو بمکۃ فلم یتمکن من اقامتها ثم ولذلك جمع لهم اول ما قدم المدینۃ ویدل علی ذلك ما اخرجہ الدارقطنی عن ابن عباس رضی الله عنہ قال اذن النبی صلی الله علیہ وسلم قبل ان یهاجر ولم یستطع ان یجمع بمکۃ فکتب الی مصعب بن عمیر اما بعد فانظر الیوم الذی یجهر فیہ الیهود بالزبور فاجمعوا نساءکم وابناءکم فاذا مال النهار عن شطره عند الزوال فتقربوا الی الله برکعتین قال فهو اول من جمع حتی قدم النبی صلی الله علیہ وسلم المدینۃ فجمع عند الزوال من الظهر انتهی ما فی المحلی شرح الموطا للعلامۃ سلام الله من اولاد الشیخ عبد الحق محدث دهلوی رقال فی تفسیر النیشاپوری روی ان الانصار اجتمعوا الی اسعد بن زرارۃ وکنیتہ ابوامامۃ وقالوا هلموا نجعل لنا یوما نجتمع فیہ فنذکر الله تعالیٰ ونصلی فان للیهود السبت وللنصاری

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت کے مدینہ پہنچنے سے پہلے اہل مدینہ نے جمعہ ادا کیا اور اسعد بن زرارہ نے ان کو جمعہ پڑھایا۔ آنحضرت نے مکہ میں جمعہ اس لیے نہیں پڑھا کہ مکہ کے حالات اجازت نہیں دیتے تھے۔ تفسیر نیشاپوری میں ہے کہ انصار نے اسعد بن زرارہ کے پاس جمع ہوئے اور جمعہ ادا کیا۔

الاحد فاجعلوہ یوم العروبۃ فصلی بھم یومئذ رکعتین وذکرھم فسموہ یوم الجمعۃ لاجتماعھم فیہ وانزل اللہ ایۃ الجمعۃ فھی اول جمعۃ کانت فی الاسلام قبل مقدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم واما اول جمعۃ جمعھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فھی انہ لما قدم المدینۃ مھاجرا نزل قبا فی بنی عمرو بن عوف واقام بھا یوم الاثنین والثلثاء والاربعاء والخمیس واسس مسجدھم ثم خرج یوم الجمعۃ عامد المدینۃ فادرکتہ صلوۃ الجمعۃ فی بنی سالم بن عوف فی بطن وادیھم فخطب فصلی الجمعۃ انتہی ما فی النیشافوری واول جمعۃ جمعھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ لما قدم المدینۃ نزل قبا واقام بھا الجمعۃ ثم دخل المدینۃ وصلی الجمعۃ فی دار لبنی سالم بن عوف انتہی ما فی البیضاوی

دپس ازیں قصہ صحیحہ مذکورہ ہویدا شد کہ مدینہ منورہ درابتداء نزول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شوکت وغلبہ اہل اسلام وظہور ونفاذ حدود وقصاص نبود باوجود ایں جمعہ گذاردہ شد پس حدیث لاجمعۃ ولاتشریق برتقدیر فرض ثبوت از قبیل احاد است وخبر واحد معارض دلیل قطعی نمی تواند شد ونہ مخصص عام کما تقرر فی اصول الحنفیۃ من التوضیح والبزدوی ومسلم الثبوت والحسامی والمنار والشاشی وغیر ذلک پس تخصیص آیت مذکورہ بر مذہب مخالفین جائز نیست، چہ جائیکہ خبر واحد بثبوت نرسد اما الحدیث الضعیف فلکذب راویہ وفسقہ لا ینجبر بتعدد طرقہ کذا فی خلاصۃ الطیبی والسید وغیرھما من کتب الاصول پس حدیث لاجمعۃ ولاتشریق بسبب کذب وفسق راوی ضعیف شد ومع ہذا موقوف است بر حضرت علی رض والموقوف ھو مطلقا ما روی عن الصحابی من قول او فعل متصلا کان او منقطعا وھو لیس بحجۃ

معلوم ہوا کہ آنحضرت ؐ کے مدینہ پہنچتے ہی اسلام کو غلبہ حاصل نہیں ہوا تھا اور نہ ہی حدود وقصاص کا اجراء کیا تھا لہٰذا حدیث لا جمعہ ولا تشریق سے استدلال بے محل ہے کیونکہ یہ خبر واحد ہے اور اخبار آحاد دلیل قطعی کے نہ معارض ہو سکتی ہے اور نہ مخصص ہو سکتی ہے جب کہ اصول فقہ کی کتابوں میں تصریح کی گئی ہے۔

علی الاصح کذا قال السید جمال الدین وھو لیس بحجۃ کذا فی مجمع البحار | سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ اگر ایک گاؤں میں دو مسجدیں ہوں، تو ان میں علیحدہ علیحدہ نماز جمعہ پڑھنی جائز ہے یا نہیں، یا ایک ہی میں جمعہ پڑھنا چاہیئے۔

الجواب: جائز ہے لیکن اولیٰ یہ ہے، کہ ایک ہی مسجد میں جمعہ ادا کیا جائے تاکہ جماعت بڑی ہو، واللہ اعلم بالصواب، حررہ السید محمد عبد الحفیظ غفر لہ | ۱۲۸۱ سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں، علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ (۱) جمعہ دیہات میں پڑھا جاوے یا نہ، اگر پڑھا جاوے، تو احتیاطاً ہو یا غیر

(۲) جوائی قریہ ہے یا شہر اس میں جمعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھایا، یا اصحابوں نے رضوان اللہ علیہم۔

(۳) وادی بنی سالم بن عوف مدینہ سے کتنے فاصلہ پر ہے؟

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے تشریف لے گئے ہیں، اس وقت بادشاہ تھے، یا نہیں؟

(۵) حضرت علی رض کا قول لا جمعۃ ولا تشریق الخ کیا صحیح ہے یا ضعیف ہے۔

(۶) حدیث ابن ماجہ جس سے جمعہ ہونے کے لئے بادشاہ کا ہونا نکلتا ہے، وہ کیا ہے، اور کیسی ہے، صحیح یا ضعیف اور قرآن سے بادشاہ کا ہونا نکلتا ہے یا نہ، بینوا توجروا

الجواب:۔ جمعہ دیہات میں وجوباً و فرضاً پڑھنا چاہیئے اس واسطے کہ ادلہ مثبت وجوب جمعہ عام ہیں، جیسے آیت اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ الآیۃ[1] اور حدیث الجمعۃ واجب علی کل محتلم رواہ ابو داؤد والنسائی ادلہ مثبت وجوب جمعہ سے جیسے شہر میں جمعہ واجب و فرض ہونا ثابت ہوتا ہے، اسی طرح دیہات میں بھی، اور عام جب تک اس کے مقابل کوئی خاص موازن اس کی صحت میں نہ پایا جاوے، اپنے عموم پر محمول ہوتا ہے، اور ادلہ مثبت وجوب کی اپنے عموم پر باقی رہنے کی تائید روایات ذیل سے ہوتی ہے، جن کو حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں نقل کیا ہے۔ عن عمر انہ کتب الی اہل البحرین ان جمعوا حیثما کنتم[2] قال الحافظ وھذا یشمل المدن والقری قال اخرجہ

---

[1] جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان کہی جائے، تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو، اور حدیث جمعہ ہر جوان آدمی پر واجب ہے، [2] حضرت عمر نے اہل بحرین کو لکھا، کہ جہاں بھی تم ہو جمعہ پڑھا کرو، حافظ نے کہا یہ شہروں اور بستیوں دونوں

ابن ابی شیبۃ ایضا من طریق ابی رافع عن ابی ھریرۃ عن عمر وصححہ ابن خزیمۃ وروی البیھقی من طریق الولید بن مسلم سألت اللیث ابن سعد فقال کل مدینۃ او قریۃ فیھا جماعۃ امروا بالجمعۃ فان اھل مصر وسواحلھا کانوا یجمعون الجمعۃ علی عھد عمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ بامرھما وفیھما رجال من الصحابۃ وعند عبد الرزاق باسناد صحیح عن ابن عمر انہ کان یری اھل المیاہ بین مکۃ والمدینۃ یجمعون فلا یعیب علیھم کذا فی فتح الباری ج ۲ ص ۳۱۶ مطبوعہ مصر۔ ان روایات کے علاوہ اور بھی روایات ہیں، جو ادلہ مثبت وجوب جمعہ کے عموم پر دلالت کرتی ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) جواثی قریہ ہے، شہر نہیں ہے صحیح بخاری میں ہے۔ عن ابن عباس قال اول جمعۃ جمعت بعد جمعۃ فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مسجد عبد القیس بجواثی من البحرین وفی روایۃ لابی داود قریۃ من قری البحرین، یعنی مسجد نبوی میں جمعہ ہونے کے بعد اول جمعہ مقام جواثی میں ہوا، اور ابوداود کی روایت میں ہے، کہ جواثی بحرین کے قریوں میں سے ایک قریہ ہے، دیکھو ابوداود کی نفس روایت ہے جواثی کا قریہ ہونا نصاو صراحتا ثابت ہے، حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں قولہ بجواثی من البحرین وفی روایۃ وکیع قریۃ من قری البحرین وفی اخری عنہ من قری عبد القیس، یعنی وکیع کی روایت میں ہے کہ جواثی بحرین کے قریوں میں سے ایک قریہ ہے، اور ان کی ایک دوسری روایت میں ہے، کہ جواثی عبد القیس کے قریوں میں سے ایک قریہ ہے، خلاصہ یہ کہ بحرین ایک شہر (۱) ہے اور اس شہر کے متعلق متعدد قریے ہیں، انہی قریوں میں سے جواثی بھی ایک قریہ ہے، اور علامہ جوہری اور زمخشری اور ابن الاثیر نے جو یہ لکھا ہے، کہ جواثی بحرین میں ایک قلعہ کا نام ہے، سو یہ جواثی کے قریہ ہونے کے منافی نہیں ہے، مطلب یہ ہے، کہ شہر بحرین کا جواثی ایک قریہ ہے، اور اسی قریہ میں قلعہ ہے پس جواثی کو قریہ کہنا بھی صحیح ہے، اور جواثی کو قلعہ کہنا بھی صحیح ہے، حافظ ابن حجر

کو شامل ہے، ولید بن مسلم نے کہا، میں نے لیث بن سعد سے پوچھا، کہ انہوں نے کہا، ہر شہر یا بستی جس میں کوئی جماعت ہو ان کو حکم دیا گیا ہے، اہل مصر اور اس کے کناروں پر رہنے والے حضرت عمرؓ و عثمانؓ کے زمانہ میں ان کے حکم سے جمعہ پڑھا کرتے تھے حالانکہ ان میں بعض صحابہ بھی موجود تھے، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ مکہ اور مدینہ کے درمیان چشمے والوں کو دیکھتے، کہ وہ اپنے شہروں پر جمعہ پڑھتے تھے اور عبد اللہ بن عمرؓ ان کو منع نہ کرتے۔

(۱) صراح میں ہے، کہ بحرین نام شہر ہے ۱۲

فتح الباری میں لکھتے ہیں۔ وحکی[1] الجوھری والزمخشری وابن الاثیر ان جواثی اسم حصن
بالبحرین وھذا لا ینافی کونھا قریۃ۔ اور علامہ ابن التین نے ابوالحسن لخمی سے جو نقل کیا ہے
کہ جواثی ایک شہر ہے، سو ابوالحسن کا یہ قول قابل اعتبار اور لائق اعتماد کے نہیں ہے کیونکہ
جب خود حدیث سے ثابت ہوگیا، کہ جواثی بحرین کے قریوں میں سے ایک قریہ ہے، تو بھلا بمقابلہ
اس کے ابوالحسن کا یہ قول کہ جواثی ایک شہر ہے، کب قابل التفات ہو سکتا ہے، علاوہ اس کے
ممکن ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد جواثی قریہ سے شہر ہوگیا ہو، اسی بنا
پر ابوالحسن نے جواثی کو شہر کہا ہو، جیسے مرور زمانہ کے بعد بہت سے قریہ آباد ہوتے ہوتے
شہر بن جاتے ہیں، اور بہت سے شہر ویران ہوتے ہوتے قریہ ہو جاتے ہیں، حافظ ابن حجر فتح
الباری میں لکھتے ہیں۔ وحکی[2] ابن التین عن ابی الحسن اللخمی انھا مدینۃ وما ثبت فی
نفس الحدیث من کونھا قریۃ اصح مع احتمال ان تکون فی الاول قریۃ ثم صارت
مدینۃ انتہی۔ اور قریہ جواثی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ نہیں پڑھا ہے بلکہ آپ
کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے پڑھا ہے، اور ظاہر یہی ہے، کہ صحابہ رض نے جواثی میں آپ کے
حکم سے جمعہ پڑھا، اس واسطے کہ صحابہ رض کی یہ عادت تھی، کہ بلا حکم اور بلا اجازت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی شرعی اور دینی کام محض اپنی طرف سے قائم وجاری نہیں کرتے تھے
امام بیہقی معرفۃ السنن میں لکھتے ہیں، وکانوا[3] لا یستبدون بامور الشرع بجمیل نیاتھم
فی الاسلام فالاشبہ انھم لم یجمعوا فی ھذہ القریۃ الا بامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم
انتہی۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں۔ والظاھر[4] ان عبد القیس لم یجمعوا الا بامر النبی
صلی اللہ علیہ وسلم لما عرف من عادۃ الصحابۃ من عدم الاستبداد بالامور الشرعیۃ
فی زمن الوحی ولانہ لو کان ذلک لا یجوز لنزل فیہ القرآن کما استدل جابر وابو سعید

ف۱ جوہری و زمخشری اور ابن اثیر نے بیان کیا ہے، کہ جواثی بحرین میں ایک قلعہ کا نام ہے اور یہ بستی ہونے کے
منافی نہیں ۱۲ ف۲ ابوالحسن لخمی کہتے ہیں، کہ جواثی شہر ہے، اور جو حدیث میں بستی کا لفظ آیا ہے، ممکن ہے،
کہ پہلے وہ بستی ہو اور بعد میں شہر بن گیا ہو ۱۲ ف۳ اپنی نیتوں کے اچھا ہونے کے باوجود وہ شرعی کاموں کو از
خود شروع نہیں کیا کرتے تھے، تو گمان یہی ہوتا ہے، کہ انہوں نے جمعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے شروع کیا
ہوگا ۱۲ ف۴ ظاہر یہی ہے، کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جمعہ شروع کیا تھا، کیونکہ صحابہ کی عادت
معلوم ہے، کہ وہ امور شرعیہ کو از خود شروع نہیں کیا کرتے تھے، اور اگر بستی میں جمعہ ناجائز ہوتا، تو قرآن نازل ہوتا تھا

علی جواز العزل فانہم فعلوہ والقرآن ینزل فلو نہیوا عنہ انتہی۔ واللہ اعلم۔

(۳) وادی بنی سالم بن عوف مدینہ سے ایک میل کے فاصلہ پر یا ایک میل سے کچھ کم، یا زیادہ پر واقع ہے، اس واسطے کہ وادی بنی سالم مدینہ اور قبا کے درمیان واقع ہے، اور قبا مدینہ سے دو یا تین میل کے فاصلہ پر ہے، تلخیص الحبیر میں ہے۔ روی البیہقی فی المعرفۃ عن المغازی ابن اسحٰق وموسیٰ بن عقبۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین رکب من بنی عمرو بن عوف فی ھجرتہ الی المدینۃ مر علی بنی سالم وھی قریۃ بین قبا والمدینۃ فادرکتہ الجمعۃ فصلی فیہم الجمعۃ وکانت اول جمعۃ صلاھا حین قدم۔ اور مجمع البحار میں ہے۔ قبا بضم قاف وفتح موحدۃ مع مد وقصر موضع بمیلین او ثلاثۃ من المدینۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سے مبعوث ہوئے، اسی وقت سے آپ کو نبوت اور حکومت وسلطنت عطا ہوئی، مگر زمانہ ہجرت تک آپ کو غلبہ نہیں تھا، اور اسلام میں اس وقت اور اس کے بعد کچھ اور دنوں تک ہر طرح کی غربت تھی۔

(۵) حضرت علی رضؓ کا یہ قول صحیح ہے، ابن حزم نے اس قول کی تصحیح کی ہے، جیسا کہ نیل الاوطار صفحہ ۱۱ جلد ۳ میں علامہ شوکانی نے لکھا ہے، اور حافظ ابن حجر درایہ میں لکھتے ہیں حدیث لا جمعۃ ولا تشریق ولا فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع لم اجدہ وروی عبد الرزاق عن علی موقوفا لا تشریق ولا جمعۃ الا فی مصر جامع واسنادہ صحیح انتہی۔ اور فتح الباری صفحہ ۳۸ جلد ۲ میں لکھتے ہیں ومن ذلک حدیث علی لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع اخرجہ ابو عبید باسناد صحیح الیہ موقوفا۔ مگر یہ خوب یاد رکھنا چاہیے، کہ حضرت علی رضؓ کے اس

اس میں اس کی مخالفت نازل ہوجاتی، جیسا کہ عزل کے جواز میں جابر اور ابو سعید نے قرآن نازل ہونے پر استدلال کیا تھا۔ ؎۲ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بنی عمرو بن عوف کے محلے سے ہجرت کر کے مدینہ جانے لگے، تو بنی سالم کی بستی میں جمعہ کا وقت ہوگیا، اور یہ بستی قبا اور مدینہ کے درمیان تھی، وہاں آپ نے جمعہ پڑھایا، اور یہ ہجرت کے بعد سب سے پہلا جمعہ تھا۔ ؎۳ قبا مدینہ منورہ سے دو یا تین میل کے فاصلہ پر ایک بستی ہے۔

؎۴ یہ حدیث کہ جمعہ، تشریق، اور عید الفطر اور عید الاضحیٰ بڑے شہر ہی میں ہوتی ہے، یہ حدیث کہیں نہیں دیکھی گئی ہاں حضرت علی رضؓ کا قول ہے، یعنی حدیث موقوف ہے، اور سند صحیح ہے۔

؎۵ حدیث لا جمعۃ ولا تشریق حضرت علی رضؓ کا موقوف قول ہے، اور اس کی سند صحیح ہے۔

قول سے رجس میں قیاس و اجتہاد کو دخل ہے، اور ساتھ اس کے آیت قرآن و احادیث صحیحہ کے اطلاق و عموم کے خلاف ہے، و نیز اقوال و افعال دیگر صحابہ کے معارض ہے، و نیز معلوم نہیں کہ اس قول میں مصر سے ان کی کیا مراد ہے، اور اس قول سے ان کا اصلی مقصود کیا ہے، صحت جمعہ کے لیے مصر کا شرط ہونا ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا، اور اس قول سے آیت قرآنیہ و احادیث مرفوعہ کی ہرگز ہرگز تخصیص نہیں ہو سکتی۔

(۶) ابن ماجہ کی وہ حدیث یہ ہے۔ حدثنا[1] محمد بن عبد اللہ بن نمیر ثنا الولید بن بکیر حدثنی عبد اللہ بن محمد العدوی عن علی بن زید عن سعید بن المسیب عن جابر بن عبد اللہ قال خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اعلموا ان اللہ قد افترض علیکم الجمعۃ فی مقامی ھذا فی یومی ھذا فی شہری ھذا من عامی ھذا الی یوم القیمۃ فمن ترکہا فی حیاتی او بعدی ولہ امام عادل او جائر الحدیث یہ حدیث بالکل ہی ضعیف ہے، اس حدیث کا ایک راوی عبد اللہ بن محمد العدوی متروک الحدیث ہے، امام وکیع نے فرمایا ہے، کہ یہ عبد اللہ بن محمد العدوی جھوٹی حدیثیں بنایا کرتا تھا امام بخاری نے فرمایا، کہ یہ شخص منکر الحدیث ہے یعنی اس شخص سے حدیث روایت کرنا حلال نہیں ہے، ابن حبان نے فرمایا، کہ اس شخص کی سے احتجاج جائز نہیں ہے، تقریب التہذیب میں ہے۔ عبد[2] اللہ بن محمد العدوی متروک الحدیث رماہ وکیع بالوضع انتہی میزان الاعتدال میں ہے۔ قال[3] البخاری منکر الحدیث وقال وکیع یضع الحدیث وقال ابن حبان لا یجوز الاحتجاج بخبرہ انتہی اور میزان میں ابان بن جبلہ کے ترجمہ میں مرقوم ہے نقل[4] ابن القطان ان البخاری قال کل من قلت فیہ منکر الحدیث فلا تحل الروایۃ عنہ انتہی۔ اور عبد اللہ بن محمد العدوی کے علاوہ اس حدیث کے بعض اور راوی بھی ضعیف ہیں،

---

[1] جابر نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خطبہ دیا، اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم پر جمعہ فرض کیا ہے، میرے اس مقام، اس دن، اس مہینہ، اس سال میں اور قیامت تک فرض ہے جس نے اس کو میری زندگی یا وفات کے بعد چھوڑ دیا، اور اس کا کوئی امام عادل یا ظالم ہو، الحدیث ۱۲ [2] عبد اللہ بن محمد عدوی متروک ہے، وکیع نے کہا یہ حدیثیں بناتا تھا۔ [3] بخاری نے کہا یہ منکر الحدیث ہے وکیع نے کہا یہ حدیثیں وضع کیا کرتا تھا، ابن حبان نے کہا اس کی حدیث سے استدلال جائز نہیں ۱۲ [4] امام بخاری نے کہا، ہر وہ آدمی جس کے متعلق میں منکر الحدیث کہوں، اس سے روایت کرنا جائز نہیں ہے ۱۲

خلاصہ یہ کہ ابن ماجہ کی یہ حدیث بالکل ضعیف اور ناقابل احتجاج ہے، اور قرآن سے صحت جمعہ کے لئے بادشاہ کا ہونا نہیں نکلتا ہے، بلکہ قرآن سے یہ نکلتا ہے، کہ اقامت جمعہ ہر مقام میں جائز و درست ہے، دیہات ہو یا شہر بادشاہ ہو یا نہ ہو، اور اقامت جمعہ کے لئے بادشاہ کا ہونا کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب، کتبہ محمد عبد الحق ملتانی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: از حقیر فقیر ابو تراب محمد عبد الرحمٰن گیلانی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ بخدمت شریف شیخ العرب والعجم محی السنۃ وقامع البدعۃ شمس العلماء جناب حضرت مولانا مولوی سید محمد نذیر حسین صاحب دام فیضہم، واضح رائے عالی باد، میں نے ایک رسالہ مسمی بازالۃ الشبہۃ عن فرضیۃ الجمعۃ مع ترجمہ مطبوعہ احمدی لاہور کو اول سے آخر تک دیکھا، اس رسالہ کے صفحہ ۴۲ میں یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔ وقال ابن ابی شیبۃ حدثنا جریر عن منصور عن طلحۃ عن سعد بن عبیدۃ عن ابی عبد الرحمٰن انہ قال قال علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع ذکرہ العینی فی عمدۃ القاری و سندہ صحیح۔ اب التماس یہ ہے، کہ اس ناچیز کے پاس اسماء الرجال میں تین ہی کتابیں ہیں، میزان الاعتدال، تقریب التہذیب، خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال، راقم خاکسار کے مسکن کی جگہ بہت چھوٹی سی بستی ہے، بھائی احناف اس رسالہ کو دیکھ کر مجھ پر بڑا اعتراض کر کے کہتے ہیں، کہ تم ایسی بستی میں کیوں جمعہ پڑھتے ہو، کتب مذکورہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے، کہ جریر جو اس میں راوی ہے منصور سے اگرچہ رواۃ صحاح سے ہے لیکن متکلم فیہ ہے، اور منصور ان کا استاذ ہے لیکن ان کے ہم نام بہت سے راوی ہیں کوئی ثقہ ہے اور کوئی ضعیف، اور یہ معلوم نہیں کہ طلحہ سے کون منصور روایت کرتا ہے، اور طلحہ کے بھی ہم نام بہت سے ہیں، کوئی ثقہ کوئی ضعیف اور معلوم نہیں، کہ کون طلحہ سعد بن عبیدہ سے روایت کرتا ہے، اور سعد بن عبیدہ ثقہ ہیں، لیکن ابی عبد الرحمٰن سے روایت کرتے ہیں، اور ابی عبد الرحمٰن کے ہم نام بھی بہت ہیں، کوئی مجہول اور کوئی غیر مجہول، لیکن جو ابی عبد الرحمٰن حضرت علی رضہ سے روایت کرتے ہیں، ان کا پتہ ان کتابوں سے نہیں لگتا ہے، الحاصل جریر کو منصور سے تلمذ ضرور ہے لیکن منصور کو طلحہ سے اور طلحہ کو سعد بن عبیدہ سے اور سعد بن عبیدہ کو ابی عبد الرحمٰن سے، اور ابی عبد الرحمٰن کو حضرت علی رضہ سے ہرگز

لہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جمعہ اور تشریق بڑے شہر ہی میں ہے۔

تلمذ نہیں معلوم ہوتا ہے، اب التماس یہ ہے، کہ عینی حنفی نے سند مذکور کو جو صحیح کہا ہے، آیا یہ کہنا ان کا صحیح ہے یا نہ، کتب مذکورہ و دیگر کتب رجال سے سند مذکور کی تنقید فرمائی جاوے بینوا توجروا۔

الجواب:۔ علامہ عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اثر علی رضی اللہ عنہ کی سند مذکور صحیح کہا ہے، سو ان کا یہ کہنا صحیح[1] ہے، قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے نیل الاوطار صفحہ ۱ جلد ۳ میں لکھا ہے، کہ ابن حزم نے اثر علی رضی اللہ عنہ کی تصحیح کی ہے، اور حافظ ابن حجر درایہ صفحہ ۱۳۱ تخریج ہدایہ میں لکھتے ہیں حدیث[1] لا جمعۃ ولا تشریق ولا فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع لم اجدہ وروی عبد الرزاق عن علی رضی اللہ عنہ موقوفا لا تشریق ولا جمعۃ الا فی مصر جامع واسنادہ صحیح ورواہ ابن ابی شیبۃ مثلہ وزاد ولا فطر ولا اضحی وزاد فی اخرہ او مدینۃ عظیمۃ واسنادہ ضعیف اور فتح الباری صفحہ ۳۰۸ جلد ۲ مطبوعہ مصر میں لکھتے ہیں ومن[2] ذلک حدیث علی لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع اخرجہ ابو عبید باسناد صحیح الیہ موقوفا۔ مگر واضح رہے، کہ حضرت علی کے اس اثر کے صحیح ہونے سے قری اور بستیوں میں نماز جمعہ پڑھنے کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی اولاً اس وجہ سے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول ایک ایسا قول ہے جس میں قیاس و اجتہاد کو دخل ہے اور صحابی کا ایسا قول بالاتفاق حجت نہیں ہے، علامہ شوکانی نیل الاوطار میں لکھتے ہیں۔ وللاجتہاد فیہ مسرح فلا ینتہض للاحتجاج بہ[3] انتہی۔ ثانیاً اس وجہ سے کہ آیت قرآنیہ و احادیث مرفوعہ مطلق و عام

۱؎ حدیث لا جمعۃ ولا تشریق الحدیث میں نے کہیں نہیں دیکھی، عبد الرزاق نے اس کو حضرت علی سے موقوفاً روایت کیا ہے، اور اس کی سند صحیح ہے، ابن ابی شیبہ میں او مدینۃ عظیمۃ (یا کسی بڑے شہر میں) کے الفاظ زائد ہیں ۱۲

۲؎ اور اس سے حضرت علی کی موقوف حدیث ہے، لا جمعۃ ولا تشریق جس کو ابو عبید نے صحیح سند سے موقوفاً روایت کیا ہے ۱۲

۳؎ اس میں اجتہاد کو دخل ہے، لہذا اس سے احتجاج جائز نہیں ہے ۱۲

---

(۱) قولہ صحیح ہے اقول، اس لئے کہ سند مذکور میں منصور ابن المعتمر ہے، اور طلحہ ابن مصرف ہے اور ابو عبد الرحمن السلمی ہے جن کا نام عبد اللہ بن حبیب ہے اور یہ سب راوی ثقہ اور رجال صحیحین وغیرہ میں سے ہیں، البتہ جریر بن عبد الحمید مذکور کو اخیر عمر میں وہم ہو گیا تھا، اور علاوہ طلحہ بن مصرف کے ہر ایک راوی کو اپنے اپنے استاذ سے تلمذ اور سماع ثابت ہے، اور طلحہ بن مصرف کی اگرچہ سعد بن عبیدہ سے سماع کی تصریح نہیں مگر سماع ممکن ہے کیونکہ یہ دونوں تابعی کوفی ہم عصر ہیں، اور پھر طلحہ باوجود ثقہ اور غیر مدلس ہونے کے روایت بھی کرتا ہے، تو سماع ضروری ہوا، مزید براں عبد الرزاق کی صحیح روایت میں زبید یامی نے طلحہ کی متابعت بھی کی ہے لہذا سند مذکور کو بقول امام مسلم صحیح کہنا صحیح ہے۔ واللہ اعلم ملتقط من تہذیب التہذیب نصب الرایہ ابو سعید محمد شرف الدین

ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے، کہ مصر اور غیر مصر ہر مقام میں اقامت جمعہ جائز و درست ہے، پس یہ نصوص مطلقہ و عامہ حضرت علی رض کے اس قول کے نافی ہیں، اور صحابی کا ایسا قول ہے جس کی احادیث مرفوعہ و آیات قرآنیہ سے نفی ہوتی ہو، وہ قول بالاتفاق حجت نہیں، فقہائے حنفیہ کو بھی اس کا اعتراف ہے، ثالثاً اس وجہ سے کہ آیت یاایھا الذین اٰمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ ہر مکلف کو عام ہے، اور ہر مکان مصر و غیر مصر کو شامل پس اس آیت قرآنیہ کے عموم سے مصر و غیر مصر، ہر جگہ و ہر مقام میں اقامت جمعہ کا جائز و درست ہونا صاف و روشن ہے، علامہ ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں۔ دلیل الافتراض من کلام اللہ تعالیٰ علی العموم فی الامکنۃ انتہی۔

پس اگر حضرت علی رض کے اس قول کی وجہ سے یہ کہا جائے، کہ بستیوں اور دیہاتوں میں اقامت جائز نہیں، بلکہ فقط مصر ہی میں جائز ہے، تو حضرت علی رض کے اس قول سے آیت قرآنیہ کی تخصیص لازم آتی ہے، حالانکہ صحابی کی قول سے قرآن کی تخصیص بالاتفاق جائز نہیں ہے، نہایت تعجب ہے علمائے حنفیہ سے کہ ان کی تمامی اصول کی کتابوں میں یہ لکھا ہوا ہے، کہ اخبار احاد سے قرآن کی تخصیص جائز ہے، چنانچہ تلویح میں ہے، لا یجوز تخصیص الکتاب بخبر الواحد لان خبر الواحد دون الکتاب، لانہ ظنی والکتاب قطعی فلا یجوز تخصیصہ لان التخصیص تغییر والتغییر لا یکون الا بما یساویہ او یکون فوقہ انتہی یعنی خبر واحد سے قرآن کی تخصیص جائز نہیں، کیونکہ خبر واحد کا درجہ قرآن کے درجہ سے ادنیٰ ہے، اس لئے کہ خبر واحد ظنی ہے اور قرآن قطعی ہے، پس خبر واحد سے قرآن کی تخصیص جائز نہیں، اس وجہ سے کہ تخصیص کے معنی ہیں متغیر کر دینا اور بدل دینا، اور کسی شے کا متغیر کرنا، اور اس کو بدل دینا اسی چیز سے ہوگا، جو اس شے کے مساوی ہو یا اس سے بڑھ کر ہو، یہی مضمون اصول فقہ کی تمام کتابوں میں لکھا ہوا ہے، مگر باوجود اس کے وہ حضرت علی رض کے قول مذکور سے جو خبر واحد کے درجہ میں بھی نہیں ہے، آیت مذکورہ کی تخصیص کرتے ہیں، اور اس کے حکم عام کو اس قول سے منسوخ کرتے ہیں اور کہتے ہیں، کہ اقامت جمعہ فقط مصر میں درست و جائز ہے، اور غیر مصر میں ناجائز و نادرست، دیکھو علمائے حنفیہ کا یہ صنیع کس قدر قابل تعجب ہے، رابعاً اس وجہ سے کہ اگر حضرت علی رض کے قول سے غیر مصر میں جمعہ کا ناجائز ہونا نکلتا

لے اے ایمان والو جب جمعہ کی نماز کے لئے اذان کہی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو۔

۵ لے اللہ تعالیٰ کے قول سے جمعہ ہر جگہ فرض ہونے کی دلیل یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو عموم الامکنہ کے لئے فرض کیا ہے ۱۲

ہے، تو حضرت عمر و عثمان و ابو ہریرہ و ابن عمر وغیرہم رضی اللہ عنہم کے افعال و اقوال سے غیر مصر میں جمعہ کا جائز و درست ہونا ثابت ہوتا ہے، پس چونکہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال و افعال آیت مذکورہ و احادیث مرفوعہ کے موافق ہیں لہٰذا انہیں صحابہ رض کے اقوال و افعال کا لینا، اور حضرت علی رض کے قول کو ترک کرنا لازم ہے، یا حضرت علی رض کے قول کو، اور ان صحابہ رض کے اقوال کو ترک کرنا، اور قول اللہ اور قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنا لازم ہے قال اللہ تعالیٰ فان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاخر ذلک خیر واحسن تاویلا[1]۔ اور جب کہ ہم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یعنی قرآن و حدیث کی طرف رجوع کیا تو ثابت ہوا، کہ اقامت جمعہ مصر و غیر مصر ہر جگہ جائز و درست ہے، پس اسی کو لینا، اور اسی پر عمل کرنا فرض ہے، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

کتبہ محمد عبد الرحمن عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: ۔ احقر العباد سلیم الدین و عباد الحق ساکنان ضلع ڈھاکہ بحکم آیت کریمہ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون، بخدمت علمائے محققین دیندار دہلی سوال می کنند، کہ دریں ولا بعضے عالم این اطراف فتوے بعدم فرضیت جمعہ و عدم صحت آں میدہند ازیں باعث بسیارے عوام ترک جمعہ کردند و تمسک بعض علمائے این جا بہدایہ است، کہ لا تصح الجمعۃ الا فی مصر جامع اوفی مصلی المصر ولا تجوز فی القری لقولہ علیہ السلام لا جمعۃ ولا تشریق ولا فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع والمصر الجامع کل موضع لہ امیر وقاض ینفذ الاحکام ویقیم الحدود وھذا عن ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ وعنہ انھم اذا اجتمعوا فی اکبر مساجدھم لم تسعھم والاول اختیار الکرخی وھو الظاھر والثانی اختیار البلخی انتہی ما فی الھدایۃ

---

[1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اگر کسی چیز میں تمہارا جھگڑا ہو جائے، تو اس کو اللہ اور رسول کے پاس لے آؤ، اگر تم اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہت بہتر ہے، اور اسی کا انجام اچھا ہے۔

سوال: ۔ احقر العباد سلیم الدین و عباد الحق علمائے محققین کی خدمت میں التماس کرتے ہیں، کہ بعضے عالموں نے اس علاقہ میں عدم فرضیت جمعہ کا فتوے دے رکھا ہے، اور اس وجہ سے بہت سے عوام نے جمعہ چھوڑ دیا ہے، اور وہ استدلال میں ہدایہ کی یہ عبارت پیش کرتے ہیں، کہ جمعہ مصر جامع یا شہر کی عیدگاہ کے علاوہ جائز نہیں ہے، اور بستیوں میں جمعہ نہ پڑھنا چاہیئے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ جمعہ، تشریق، عید الفطر اور عید الاضحی مصر جامع کے سوا جائز نہیں ہے، اور مصر جامع ہر وہ مقام ہے، جہاں کوئی امیر اور قاضی ہو، جو احکام جاری کرے، اور

پس بموجب اختیار کرخی فتوے در عدم جواز جمعہ دریں دیار می فرمایند، ولہذا اکثر مردم جمعہ را گذاشتند و اختیار بلخی را اعتبار نمی کنند با وجودیکہ صاحب شرح وقایہ و در مختار اختیار بلخی را اختیار نمودند، و ہمیں را مذہب اکثر متاخرین گفتند و قطع نظر ازیں فرضیت جمعہ بدلیل قطعی ثابت است و شرط مصر جامع بصفات مذکورہ و وجود سلطان از خبر احاد استنباط کردہ اند، و اکثر ائمہ دیگر در دیہات جمعہ را روا می دانند، و در اصول حنفیہ مثل شاشی و نور الانوار و توضیح وغیرہ می نویسندان خبر الواحد یرد فی معارضۃ الکتاب لان الکتاب مقدم لکونہ قطعیا متواتر النظم لا شبھۃ فی متنہ کذا فی التوضیح وغیرہ لہذا نیت دل را در جواز وضو شرط می گویند وہم چنین دیگر جزئیات فقہیہ برایں شاہد است پس مصر جامع کہ دران قاضی و حاکم تنفیذ احکامات کند قرار دادہ اند، چنانکہ مسلک کرخی است، چگونہ شرط ادائے جمعہ بخبر واحد گردد بثبوت این شرط جمعہ فوت شود، چہ بریں تقدیر زیادت خبر واحد بر کتاب اللہ لازم می آید، و این مخالف قاعدہ کلیہ حنفیہ می شود، پس قبول در وجوب ادائے جمعہ بروایت کرخی می باید یا بروایت بلخی درین دیار فتوی دادن لازم است، بینوا توجروا۔

الجواب :۔ در صورت مرقومہ باید دانست، کہ شرائط صحت ادائے جمعہ نزد مذہب حنفی شش چیز است، اول مصر و فنار آن، دوم وجود سلطان، سوم وقت ظہر، چہارم خطبہ بقدر یک تسبیح، پنجم جماعت و اقل این یک امام و سہ نفر مقتدی، و محل اختلاف فرض بودن جمعہ

حدود قائم کرے، یہ امام ابو یوسف کا مذہب ہے، اور امام صاحب کے نزدیک مصر جامع وہ ہے، کہ اگر وہاں کے رہنے والے سب سے بڑی مسجد میں جمع ہوں، تو اس میں سما نہ سکیں، ابو یوسف کے مذہب کو کرخی نے اختیار کیا ہے اور دوسرے کو بلخی نے۔

پس کرخی کی روایت کی بنا پر آج علماء عدم جمعہ کا فتوی دے رہے ہیں، جس کی وجہ سے لوگ جمعہ چھوڑ رہے ہیں اور بلخی کی روایت کو اختیار نہیں کرتے، حالانکہ صاحب شرح وقایہ و در مختار نے بلخی کے پسندیدہ قول کو پسند کیا ہے اور متاخرین میں سے اکثر کا مذہب یہی بیان کیا گیا ہے۔ اس سے قطع نظر جمعہ کی فرضیت آیت قرآن سے ثابت ہے اور اصول فقہ کی کتابوں مثلاً اصول شاشی، نور الانوار اور توضیح میں یہ اصول مقرر کیا گیا ہے کہ خبر واحد قرآن کی مخصص نہیں ہو سکتی اور یہاں اپنے ہی اصول کے برخلاف ان شرائط کو جو مرفوع حدیث بھی نہیں ہیں، کیونکر قرآن کا مخصص قرار دیا گیا ہے، فرمایا جائے اس ملک میں کرخی کے قول کے مطابق فتوی دینا چاہیئے، یا بلخی کے مطابق۔

الجواب :۔ جاننا چاہیئے کہ جمعہ ادا کرنے کے لئے احناف کے نزدیک چھ شرطیں ہیں، شہر یا اس کا میدان،

عدم فرضیت آن درین دیار تمام ہندوستان براختیار کردن مسلک کرخی است در تعریف مصر پس درمقامیکہ تفسیر مصر بر مسلک کرخی یافتہ شود جمعہ فرض گردد، دران مقام وجائے کہ یافتہ شود، فرض دراں جانخواہد بود، وحالانکہ جمعہ مطلقا فرض است، قطع از شرط مصر و وجود سلطان بدلیل قطعی، لقولہ تعالےٰ یاایھا الذین امنوا اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ الایۃ وبر فرضیت آن اجماع واقع گشتہ، وشرط مصر و وجود سلطان دراں حسب اختیار مسلک کرخی ظنی ومختلف فیہ است، وامر ظنی امر قطعی را فی الواقع معارض نمی تواند شد، وظنی مختلف فیہ چگونہ معارض گردد مر قطعی را چہ اکثر ائمہ این ہر دو شرط را اعتبار نمی کنند لہذا ادائے جمعہ در دیہات وقری نیز تجویز می نمایند، بدلیل این کہ اسعد بن زرارہ پیش تشریف آوری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درمدینہ منورہ جمعہ خواندہ بود، ودرمدینہ مطہرہ بحکم ارشاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم از مکہ معظمہ چنانکہ از تفسیر نیشاپوری وغیرہ ہویدا می گردد، واز بحرالرائق وشمنی شرح نقایہ ومحلی شرح موطا مولوی سلام اللہ صاحب وغیرہ نیز مستفاد می شود، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روز دوشنبہ درمدینہ منورہ رونق افروز شدند، وچہار روز بخانہ بنی عمرو بن عوف اقامت فرمودند، وروز جمعہ از خانہ بنی عمرو تشریف فرما بودہ بسوئے بنی سالم بن عوف آمدند، ودرمسجد بنی سالم کہ متصل وادی بود نماز جمعہ ادا نمودند، وہنوز مسجد نبوی تعمیر نشدہ بود وتسلط تام اہل اسلام برا جراء وتنفیذ احکام

وجود سلطان، وقت ظہر، خطبہ بقدر ایک تسبیح، جماعت، اور کم از کم امام کے علاوہ تین آدمی ہوں، ہندوستان کے تمام علاقوں میں جمعہ کی فرضیت یا عدم فرضیت کا اختلاف کرخی کی روایت کے مطابق ہے، پس جس جگہ کرخی کے مسلک کے مطابق مصر (شہر) کی تعریف صادق آئے گی، وہاں جمعہ درست ہوگا، اور جہاں وہ تعریف صادق نہ آئے گی وہاں جمعہ درست نہ ہوگا، حالانکہ جمعہ مطلقا فرض ہے، اس میں مصر اور سلطان کی کوئی شرط نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛ جب جمعہ کی نماز کے لئے اذان ہو تو اے ایماندارو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ کر آؤ" اور جمعہ کی فرضیت پر اجماع واقع ہے، اور مصر اور وجود سلطان کی شرائط ظنی اور مختلف فیہ ہیں، اور امر ظنی امر قطعی کا معارض نہیں ہوسکتا، اور پھر اگر ظنی بھی مختلف فیہ ہو، تو اس کی کیا حیثیت ہے، کہ اکثر ائمہ کے نزدیک ان شرائط کا اعتبار نہیں ہے، اور اسی بنا پر انہوں نے دیہات میں جمعہ کا فتوی دیا ہے، اور ان کی دلیل اسعد بن زرارہ کی حدیث ہے، کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے حضور کے حکم سے مدینہ میں جمعہ پڑھا یا تفسیر نیشاپوری، بحرالرائق اور شمنی وغیرہ سے یہی مستفاد ہوتا ہے، مولانا سلام اللہ محلی میں لکھتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوموار کو مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے چار روز بنی عمرو بن عوف کے پاس گذارے، اور جمعہ کے دن بنی عمرو سے بنی سالم کی طرف آئے، اور مسجد بنی سالم میں جو کہ وادی کے متصل تھی جمعہ کی

حدود و قصاص در مدینہ منورہ ابتداء واقع نہ گردیدہ بود اصلاً بلکہ نفس احکام حدود و قصاص ہنوز مشروع نہ گشتہ بود، چنانکہ تفصیل این اجمال عنقریب می آید پس دریں صورت مسلک بلخی را اختیار کردن واجب است و دریں دیار چہ روایت بلخی موافق قضیہ صحیحہ مذکورہ بالا است و نیز سُبل اکثر بلاد و قصبات راست بخلاف مسلک کرخی، و پر ظاہر است کہ جمعہ از عمدہ شعائر اسلام است و بر مسلک کرخی درہم و برہم می شود، لہذا اکثر متاخرین حنفیہ مسلک بلخی را واجب العمل دانستہ مختار نوشتہ اند، چنانکہ از تنویر الابصار، و در مختار و ملتقی و شرح وقایہ وغیرہ واضح می شود، و از ارکان اربعہ مولانا عبد العلی الکنوی توت و ضعف مسلک کرخی برائے مستفتی منکشف خواہد بود، و یشترط لصحتہا المصر وھو ما لا یسع اکبر مساجدہ اھلہ المکلفین بہا وعلیہ فتوی اکثر الفقہاء لظہور التوانی فی الاحکام کذا فی تنویر الابصار والدر المختار ومنہج الغفار وشرح الوقایۃ ومختصر الوقایۃ ومولانا عبد العلی در ارکان اربعہ فرماید اختلف الروایات فی مذہبنا ففی ظاہر الروایۃ ھو بلدۃ لہا امام وقاض یصلح لاقامۃ الحدود وفی فتح القدیر بلدۃ فیہا سکک واسواق ووال ینتصف المظلوم من الظالم وعالم یرجع الیہ فی الحوادث وھذا اخص وحملوا قول امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ علی ما رواہ عبد الرزاق لا تشریق ولا جمعۃ الا فی مصر جامع علی احدی ھاتین الروایتین فان المصر الجامع لا یکون الا ما ھذا شانہ و علی التفسیر الاول المصر الذی والیہ کافر لا تجب فیہ الجمعۃ وعلی التفسیر الثانی لا تجب فی المصر الذی والیہ ظالم لا ینتصف المظلوم من الظالم ویرد ھذین الروایتین ان الصحابۃ والتابعین لم یترکوا الجمعۃ فی زمان یزید الشقی مع انہ لا شبہۃ فی انہ کان من اشد الناس ظلما بالاجماع لانہ ھتک حرمۃ

حاصل اس فرمائی ابھی مسجد نبوی کی تعمیر نہیں ہوئی تھی اہل اسلام کا مدینہ پر پورا تسلط نہیں تھا تنفیذ احکام و اجرائے حدود تو در کنار ابھی حدود کا وجود بھی نہ تھا پس اس صورت میں بلخی کا مسلک اختیار کرنا ضروری ہے جو کہ واقعہ کے مناسب ہے اور اکثر شہر دیہات قصبوں میں اس سے جمعہ پڑھا جا سکتا ہے جمعہ اسلام کے عمدہ شعائر سے ہے اور کرخی کے مسلک سے یہ درہم برہم ہو جاتا ہے لہذا اکثر متاخرین فقہاء نے بلخی کا مسلک اختیار کیا ہے مولانا عبد العلی نے کرخی کے مسلک پر ایک عمدہ تبصرہ فرمایا ہے ملاحظہ فرمائیں۔ جمعہ کی فرضیت کے لئے ایک تو مصر کی شرط ہے اور شہر وہ ہے جس کی سب سے بڑی مسجد میں اس کے رہنے والے نہ سما سکیں اسی پر اکثر فقہاء نے فتوی دیا ہے کیونکہ آجکل احکام میں سستی پائی جاتی ہے

اهل البيت وبقي مصراً عليه ولم يرعليه وقت الاركان الاهو يصد دانظلم من اباحة دماء الصحابة الاخيار واما انتصاف المظلوم من الظالم فبعيد منه كل البعد فافهم وفي رواية الامام ابي يوسف المصر موضع يبلغ المقيمون فيه عدد الايسع اكبر مساجدهم كذا في الهداية هو اختيار البلخي وبه افتى كثير من المشائخ لما راوا فساد اهل الزمان والولاة فان شرط اقامة الحدود وانتصاف المظلوم من الظالم ينفي وجوب الجمعة مع انها من شعائر الاسلام ونحن نقول قد وقع التهاون في اقامة الحدود وانتصاف المظلوم من الظالم في امارة بني امية بعد وفات معاوية الا في زمان عمر بن عبد العزيز قدس سره وفي امارة بعض العباسية ولم يترك الجمعة احد من الصحابة والتابعين وتبعهم فعلم انهما ليسا بشرطين فاذن قابل الفتوى في من هذا الرواية المختارة للبلخي ومنها السلطان اوامره باقامة الجمعة عند الحنفية خاصة لا عند الشافعية فانهم يقولون اذا اجتمع مسلمو بلدة وقد موا اماما وصلوا الجمعة خلفه جازت الجمعة والمامور من قبل السلطان افضل ولم اطلع على دليل يفيد اشتراط امر السلطان وما في الهداية لا نها تقام بجماعة نعسي ان تقع منازعة في التقدم

اس کے متعلق ہمارے مذہب کی روایت میں اختلاف ہے ظاہر روایت یہ ہے کہ شہر وہ ہے جس میں کوئی امام یا قاضی ہو جو حدود قائم کرسکے فتح القدیر میں ہے شہر وہ ہے جس میں کوچے اور بازار ہوں جس میں حاکم ہو جو ظالم سے مظلوم کو انصاف دلا سکے جس میں کوئی بڑا عالم ہو جو مسائل پیش آمدہ میں فتوی دے سکے اور یہ اس سے خاص ہے حضرت علیؓ کے قول لاجمعۃ ولاتشریق الخ کے جس کو عبدالرزاق نے بیان کیا ہے یہی دو مطلب بیان کئے گئے ہیں تو مصر جامع وہ ہے جس میں یہ صفات پائی جائیں پہلی تفسیر کے مطابق جس شہر کا والی کافر ہو اس میں جمعہ فرض نہ رہے گا اور یہ دونوں شرطیں مردود ہیں صحابہ نے یزید کے زمانہ میں جمعہ نہ چھوڑا حالانکہ اس کے ظالم ہونے میں کوئی شک ہی نہیں ہے اس نے اہل بیت کی حرمت ختم کی۔ مدینہ پر چڑھائی خانہ کعبہ پر گولے برسائے کیا اس کے ظالم ہونے میں شک ہے؟ اور پھر صحابہ نے ان دنوں میں جمعہ کیوں نہ چھوڑ دیا اب اگر صرف اس بنا پر بلخی کی روایت قبول ہے کہ لوگوں میں سستی پیدا ہو چکی ہے

والتقدیم لان کل انسان یطلب لنفسہ رتبۃ فلابد من امر السلطان لیندفع هذه المنازعۃ فهذا رای لا یثبت الاشتراط لاطلاق نصوص وجوب الجمعۃ ثم هذه المنازعۃ تندفع باجماع المسلمین علی تقدیم واحد کما ان نصبۃ السلطان یطلبها کل احد من الناس فعسی ان تقع المنازعۃ فلا یصح نصب السلطان لکن تندفع هذه المنازعۃ باجماع المسلمین علی تقدیم واحد فکذا هذا وکما فی جماعۃ الصلوۃ عسی ان تقع المنازعۃ فی تقدیم رجل لکن تندفع باجماع المصلین فکذا فی الجمعۃ ثم الصحابۃ اقاموا الجمعۃ فی زمان فتنۃ بلوی امیر المومنین عثمان وکان هو اماما حقا محصورا ولم یعلم انہم طلبوا الاذن فی اقامۃ الجمعۃ بل الظاهر عدم الاذن لان هؤلاء الاشقیاء من اصحاب الشر لم یرخصوا ذلک فعلم ان اقامۃ الجمعۃ غیر مشروطۃ عندهم بالاذن ولعل لهذه الواقعۃ رجع المشائخ عن هذا الشرط فیما تعذر الاستیذان وافتوا بانہ ان تعذر الاستیذان من الامام فاجتمع الناس علی رجل یصلی بہم کذا فی العالمگیریۃ ناقلا عن التهذیب انتهی۔ کلام مولانا المرحوم فی الارکان الاربع۔

پس بر متبصران شریعت غراء مخفی مباد کہ از تقریر مولانا مرحوم صاف واضح میشود کہ شرط

اور مظلوم کا ظالم سے انصاف نہیں دلایا جاتا تو ہم کہتے ہیں کہ یہ سستی اور بے انصافی تو امیر معاویہ کے بعد بنو امیہ کے دور میں شروع ہو چکی تھی سوائے عمر بن عبد العزیز کے اور پھر عباسی خاندان میں بھی رہی تو کیا کسی صحابی یا تابعی یا تبع تابعی نے کبھی جمعہ چھوڑا؟ معلوم ہوا کہ یہ دونوں شرطیں غلط ہیں اور ایک شرط بادشاہ کی لگائی گئی ہے یا اس کے امیر کی اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ اگر یہ نہ ہوئے تو ممکن ہے جمعہ پڑھانے کے متعلق اختلاف اور جھگڑا پیدا ہو جائے ایک عالم کہے کہ میں جمعہ پڑھاؤں گا اور دوسرا کہے میں جمعہ پڑھاؤں گا لیکن یہ اختلاف تو عام جماعتوں میں بھی ہو سکتا ہے وہاں بادشاہ یا امیر کی شرط کیوں نہیں لگائی گئی اس کا حل یہ سوچ لیا گیا ہے کہ جس امام کو لوگ متفق ہو کر امام بنالیں وہ جماعت کرائے تو یہی فیصلہ جمعہ کے متعلق بھی ہو سکتا ہے اور پھر حضرت عثمان کا جب محاصرہ ہو گیا تھا اس وقت جمعہ چھوڑ دینا چاہیے تھا لیکن صحابہ نے نہیں چھوڑا بلکہ حضرت عثمان سے اجازت بھی نہیں لی گئی اور جمعہ ہوتا رہا یہی وجہ ہے کہ شوافع نے بادشاہ یا اس کے امیر کی شرط نہیں رکھی یہ شرط صرف حنفیہ کے نزدیک ہے عالمگیری اور تہذیب میں بھی اسی طرح ہے

مصر موافق مسلک کرخی و شرط وجود سلطان از دلائل شرعیہ مضبوط نیست کہ بفوت آنہا جمعہ فوت گردد و صحیح نشود چنانکہ بر متاملان نصوص پوشیدہ نباشد قطع نظر ازین اذن سلاطین سابقہ در ادائے جمعہ برائے امامان و قاضیان این دیار نسلاً بعد نسل واقع است پس اذن جدید ضرور نیست چنانکہ از در مختار وغیرہ این حکم مستفاد میشود کما لایخفی علی المتامل المنصف ولما قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ اقام یوم الاثنین والثلاثاء والاربعاء والخمیس فی بنی عمرو بن عوف واسس مسجد ھم ثم خرج من عند ھم فادرکتہ الجمعۃ فی بنی سالم بن عوف فصلاھا فی المسجد الذی فی بطن الوادی فکانت اول جمعۃ صلاھا بالمدینۃ انتہی ما فی البحر الرائق وقال الشمنی لما قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ اقام یوم الاثنین والثلاثاء والاربعاء والخمیس فی بنی عمرو بن عوف ثم خرج من عند ھم فادرکتہ الجمعۃ فی بنی سالم بن عوف فصلاھا فی المسجد الذی فی بطن الوادی فکانت اول جمعۃ صلاھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم انتہی۔ وروی عبد الرزاق باسناد صحیح عن ابن سیرین قال جمع اھل المدینۃ قبل ان یقدمھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقبل ان ینزل سورۃ الجمعۃ فقالت الانصار ان الیھود لھم یوم یجمعون فیہ بکل سبعۃ وللنصاری کذلک فلنجعل یوماً لنا نذکر اللہ تعالی ونشکر ونصلی فیہ فجعلوہ یوم العروبۃ واجتمعوا الی اسعد بن زرارۃ فصلی بھم یومئذ رکعتین

مولانا کی مندرجہ بالا تقریر سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ کرخی کے مسلک کے مطابق مصر یا بادشاہ کی جو شرطیں لگائی گئیں ہیں یہ صحیح نہیں ہے کہ ان کے فقدان سے جمعہ نہ پڑھا جائے اور پھر یہ بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ سلاطین سابقہ نے جمعہ کے ادا کرنے کے لئے اماموں اور قاضیوں کو نسلاً بعد نسل اجازت دے رکھی ہے ہر وقت نئی اجازت کی ضرورت نہیں۔

عبد الرزاق نے ابن سیرین سے بسند صحیح روایت کیا ہے کہ مدینہ والوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ آنے سے پہلے اور سورۃ جمعہ نازل ہونے سے پہلے مدینہ میں جمعہ پڑھا اس طرح

وذكرهم فسموه يوم الجمعة وانزل الله تعالى بعد ذلك واذا نودي للصلوة من
يوم الجمعة والحديث وان كان مرسلا فله شاهد حسن اخرجه ابوداؤد
عن كعب بن مالك وصححه ابن خزيمة و اول من صلى الجمعة بالمدينة
قبل الهجرة اسعد بن زرارة قال الحافظ ولا يمنع ذلك انه صلى الله عليه
وسلم علمه بالوحي وهو بمكة فلم يتمكن من اقامتها ثمه ولذلك جمع
لهم اول ما قدم المدينة ويدل على ذلك ما اخرجه الدارقطني
عن ابن عباس قال اذن النبي صلى الله عليه وسلم للجمعة قبل ان
يهاجر ولم يستطع ان يجمع بمكة فكتب الى مصعب بن عمير اما
بعد فانظر اليوم الذي يجهر فيه اليهود بالتوراة فاجمعوا نساءكم
وابناءكم فاذا مال النهار عن شطره عند الزوال يوم الجمعة فتقربوا
الى الله تعالى بركعتين قال فهو اول من جمع حتى قدم النبي صلى الله
عليه وسلم المدينة فجمع عند الزوال من الظهر انتهى ما في المصفى
شرح الموطا للعلامة سلام الله من اولاد الشيخ عبد الحق المحدث الدهلوي
وقال في التفسير النيشاپوري روي ان الانصار اجتمعوا الى اسعد بن
زرارة وكنيته ابوامامة وقالوا هلموا نجعل لنا يوما نجتمع فيه فنذكر
الله تعالى ونصلي فان لليهود السبت وللنصارى الاحد فاجعلوه يوم
العروبة فصلى بهم يومئذ ركعتين وذكرهم فسموه يوم الجمعة
لاجتماعهم فيه وانزل الله آية الجمعة فهي اول جمعة كانت في الاسلام
قبل مقدم النبي صلى الله عليه وسلم واما اول جمعة جمعها رسول

کہ انصار اسعد بن زرارہ کے پاس جمع ہوئے اور کہنے لگے کہ یہودیوں نے بھی ایک دن عبادت کے لئے مقرر کر
رکھا ہے کہ اس میں تورات پڑھتے ہیں اور عبادت کرتے ہیں اور نصاریٰ نے بھی ایسا ہی کر رکھا ہے ہم کو بھی کوئی
دن مقرر کرنا چاہیے کہ جس میں ہم خدا کی عبادت کریں حمد کریں اور شکر ادا کریں چنانچہ انہوں نے یوم العروبہ کو عبادت
کا دن مقرر کر لیا اور بعد ازاں اسی دن کا نام یوم الجمعہ ہو گیا اسعد بن زرارہ نے ان کو دو رکعت نماز پڑھائی اور بعد
ازاں خدا تعالےٰ نے سورۃ جمعہ نازل فرمائی اگرچہ یہ حدیث مرسل ہے لیکن اس کا ایک شاہد ابوداؤد میں حدیث
حسن موجود ہے حافظ ابن حجر نے کہا ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کا حکم وحی کے ذریعہ مکہ

اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فہی انہ لما قدم المدینۃ مہاجرا نزل قباء علی بنی عمرو بن عوف و اقام بہا یوم الاثنین والثلثاء والاربعاء والخمیس واسس مسجدھم ثم خرج یوم الجمعۃ عامد المدینۃ فادرکتہ الصلوۃ الجمعۃ فی بنی سالم بن عوف فی بطن واد لہم فخطب و صلی الجمعۃ انتہی ما فی النیشاپوری واول جمعۃ جمعہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم انہ لما قدم المدینۃ نزل قباء واقام بہا الجمعۃ ثم دخل المدینۃ وصلی الجمعۃ فی دار بنی سالم بن عوف انتہی۔ ما فی البیضاوی۔

پس ازیں قصۂ صحیحہ مذکورہ ہویدا گردید کہ مدینہ منورہ در ابتدائے نزول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دار شوکت و غلبہ اسلام و ظہور و نفاذ حدود و قصاص ہرگز نبود باوجود ایں جمعہ گذاردہ شد دریں جا دریں صورت مسلک کرخی مخالف ایں قصہ مذکورہ است پس ناگزیر مسلک بلخی کہ موافق و مطابق ایں قصہ است واجب العمل باید دانست آں را بنا برآں اختیار کردن مسلک بلخی را واجب افتاد کما لا یخفی علی المتأمل المتفطن الماہر بالنصوص وبالفرض والتقدیر اگر دریک شرط فتور و شک واقع شود امر قطعی ازاں چہ گونہ مرتفع شود لہذا اطال فی فتح القدیر فی بیان دلائلہا ثم قال انما اکثرنا فیہ نوعاً من الاکثار لما تسمع عن بعض الجہلۃ انہم ینسبون الی مذہب الحنفیۃ

میں معلوم کر لیا ہو لیکن وہاں آپ جمعہ قائم نہ کر سکے ہوں یہی وجہ ہے کہ آپ نے مدینہ آتے ہی پہلا جمعہ پڑھایا اسے ضائع نہیں ہونے دیا اور اس پر دارقطنی کی عبداللہ بن عباس سے نقل کردہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ ہی میں مصعب عمیر کو حکم بھیجدیا تھا کہ جمعہ پڑھیں عورتوں اور بچوں کو جمع کریں جب سورج ڈھل جائے تو دو رکعت نماز پڑھیں یہ سب سے پہلا جمعہ تھا جو مدینہ میں پڑھا گیا محلی شرح موطا کا خلاصہ ختم ہوا۔

تفسیر نیشاپوری میں ہے کہ سب سے پہلے انصار نے اسعد بن زرارہ کے ماتحت جمعہ پڑھا اور پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ آتے ہی سب سے پہلا جمعہ بنی سالم کے پاس بطن وادی میں پڑھایا تفسیر بیضاوی میں اسی طرح ہے اس صحیح واقعہ سے معلوم ہوا کہ جب مدینہ میں جمعہ کی ابتدا ہوئی اس وقت مدینہ میں مسلمانوں کی اور غلبہ نہیں تھا حدود و قصاص کا اجرا نہیں تھا لیکن اس کے باوجود جمعہ پڑھا گیا تو اس صورت میں بلخی کی روایت ہی قابل اعتماد معلوم ہوتی ہے اسی کو اختیار کرنا چاہیے اور اگر ان شرائط کو بفرض محال صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو ایک شرط

عدم افتراضها و منشاء غلطهم ما سیاتی من قول القدوری و من صلی الظهر فالحرمة لترك الفرض و صحت الظهر لما سنذكر و قد صرح اصحابنا بانها فرض آكد من الظهر و بإكفار جاحدها انتهى اقول قد كثر ذلك من جهلة زماننا ایضا و منشاء جهلهم الصلوة الاربع بعد الجمعة بنية الظهر و انما وضعها بعض المتاخرین عند الشك فی صحة الجمعة بسبب رواية عدم تعددها فی مصر واحد و لیست هذه الروایة بالمختارة و لیس هذا القول اعنی اختیار صلوة الاربع بعدها مرویا عن ابی حنیفة و صاحبیه انتهى ما فی البحر الرائق و نیز فقہاء می نویسند کہ در مقامیکہ ولاۃ کفار و غلبہ الیشان باشد واجب است کہ یکے را والی و قاضی گردانند و بحکم او جمعہ و اعیاد گزارند قال فی جمع الفتاوی غلب علی المسلمین ولاة الکفار یجوز للمسلمین اقامة الجمعة والاعیاد و یصیر القاضی قاضیا بتراضی و یجب علیهم ان یلتمسوا والیا مسلما انتهى ما فی مفتاح السعادة هكذا فی الطحطاوی و لو مات الوالی او لم یحضر لفتنة و لم یوجد احد ممن له حق اقامة الجمعة ینصب العامة لهم خطیبا للضرورة كما سیاتی مع انه لا امیر و لا قاضی ثمه اصلا و بهذا ظهر جهل من یقول لا تصح الجمعة فی ایام الفتنة مع انها تصح فی البلاد التی استولی علیها الكفار كذا فی رد المحتار حاشیة در المختار۔

کے ارتفاع سے ایک حکم قطعی کیسے اٹھ جائے گا۔

فتح القدیر میں اس پر دلائل قائم کئے ہیں اور تفصیل سے کئے ہیں، اور اس کے بعد لکھا ہے کہ ہم نے اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے، کیونکہ سننے میں آتا ہے کہ بعض جاہل لوگ جمعہ کی عدم فرضیت امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور ان کو قدوری کی عبارت سے ٹھوکر لگی، کہ اس نے لکھا ہے کہ جو آدمی ظہر پڑھے، تو ظہر صحیح ہے کیونکہ فرض کو چھوڑنا حرام ہے اور ہمارے اصحاب نے تصریح کی ہے، کہ جمعہ فرض ہے، اور یہ مؤکد تر ہے ظہر سے اور اس کا منکر کافر ہے، میں کہتا ہوں، کہ ہمارے زمانے کے جہلاء بھی ایسے ہی ہیں، ان کی جہالت دیکھئے کہ جمعہ کے بعد چار رکعت ظہر کی نیت سے پڑھتے ہیں، اس کو بعض متاخرین نے جمعہ میں شک کی وجہ سے ایجاد کیا ہے، کہ ایک ہی شہر میں متعدد جمعے نہیں ہونے چاہئیں اور یہ قول مختار نہیں ہے اور یہ احتیاطی کی چار رکعت پڑھنا نہ تو امام صاحب سے مروی ہے اور نہ صاحبین سے۔

اور اس کے علاوہ فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کفار کا غلبہ ہو یا والی مرگیا ہو، یا فتنہ کی وجہ سے وہ ظاہر نہ ہو سکتا ہو،

پس ازیں روایات ہم واضح گردید، کہ ادائے جمعہ بہر طور باید و ترک آں نشاید و چگونہ ترک کردہ شود کہ یکے از عمدہ شعائر اسلام است، دریں صورت بر علمائے دیندار واجب و لازم کہ بر دلائل فرضیہ جمعہ نظر فرمایند، و حکم گذاردن آں بوجہ وجوب بروایت بلخی نمایند، کہ ایں روایت مؤید بدلائل شرعیہ است، چنانکہ بیانش گذشت نسازند کہ موجب وبال اخروی گردد، وما علینا الا البلاغ فقط

الراقم العاجز سید محمد نذیر حسین۔

ھذا الجواب صحیح لما فی المجتبی عن ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ انہ ما اجتمعوا فی اکبر مساجدھم للصلوٰۃ الخمس لم یسعھم و علیہ فتوی اکثر الفقہاء قال ابو شجاع ھذا احسن ما قیل فیہ وفی الولوالجیۃ وھو صحیح کذا فی البحر الرائق وغیرہ من کتب الفقہ فقط۔ حررہ حفیظ اللہ خان

ھذا الجواب صحیح عند اھل العلم و عند اولی الالباب، بلا ارتیاب فعلی المرء ان لا یترک الجمعۃ لانھا من اعظم شعائر الاسلام وکان لمن ترکھا عذاب یوم الحسرۃ والندامۃ من الدیان کما تدین تدان۔ حررہ کریم اللہ

نماز جمعہ را ہرگز ترک نباید کرد، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الجمعۃ حق واجب علی کل مسلم فی جماعۃ الحدیث رواہ ابو داؤد فقط، کتبہ محمد قطب الدین الدھلوی

بعد حمد و نعت باید دانست، کہ نماز جمعہ را ہرگز ہرگز بدیں شبہات کہ دشمنان دین می اندازند ترک نباید کرد لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام من ترک الجمعۃ ثلث مرات من غیر ضرورۃ طبع اللہ علی قلبہ رواہ احمد والحاکم و صححہ در روایت کرخی را بنابر خوف ایں وعید شدید باید گذاشت و بروایت بلخی کہ فتوی اکثر فقہاء براں است عمل باید فرمود، المصر ھو ما لا یسع اکبر

تو مسلمانوں کو چاہیئے، کہ مقامی طور پر کسی کو اپنا امیر، امام، یا قاضی مقرر کریں اور اس کی سرکردگی میں جمعہ اور عیدین ادا کریں، مفتاح السعادت طحطاوی اور در المختار میں بھی ایسا ہی ہے پس ان روایات سے ثابت ہوا کہ جمعہ بہر حال ادا کرنا چاہیئے کیونکہ وہ عمدہ شعائر اسلامی ہے اس صورت میں علماء کا فرض ہے، کہ فرضیت جمعہ کے دلائل پر غور فرمائیں، اور بلخی کے مسلک کے مطابق جمعہ ادا کرنے کا حکم دیں، کہ یہ روایت شرعی دلائل سے مؤید ہے۔

نماز جمعہ کو دشمنان دین کے شبہات کی وجہ سے بالکل ترک نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ جو آدمی بغیر عذر کے تین جمعے چھوڑ دے، اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر کر دیتے ہیں، پس اس وعید شدید کی بناء پر کرخی کی روایت کو چھوڑ کر بلخی کی روایت پر عمل کرنا چاہیئے، کہ اکثر فقہاء کا فتوی اسی پر ہے، کہ شہر وہ ہے

مساجد ھم اھلہ المکلفین بھا وعلیہ فتوی اکثر الفقہاء مجتبی ھکذا فی الدر المختار ثم اختلفوا فی تفسیر المصر الجامع یجوز فیہ اقامۃ الجمعۃ فقال بعضھم ما یعیش فیہ کل محترف بحرفتہ فی سنۃ الی سنۃ من غیر ان یحتاج الی حرفۃ اخری واختار البعض ما ذکرہ المصنف فی المتن وقیل احسن ما قیل فیہ اذا کانوا بحال ای اھلہ لو اجتمعوا فی اکبر مساجد ھم لم یسعھم ذلک حتی احتاجوا الی بناء مسجد الجمعۃ کذا فی اسد الثمر وشرح الوقایۃ انتہی ما فی المستخلص شرح کنز الدقائق، پس بدیں عبارات ہم واضح ولائح است، کہ روایت بلخی احسن است از روایت کرخی بلکہ آن را مختار بعض قرار دادہ اگرچہ روایت دیگر فتاوے مثل قاضی خاں وسراجیہ وحمادیہ وقنیہ وشرح وحواشی کتب فقہ دال برین مستند خواستہ بودم کہ تحریر پرسش نمایم اگرچونکہ حضرت مجیب اول دریں چیزے نگذاشتہ اند وتحقیق بلیغ نمودہ اند بنا بر آں برین کلمات اکتفا رفتہ، واللہ اعلم بالصواب، حررہ محمد عبد الرب

سید محمد نذیر حسین	حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ	المجیب محمد قطب الدین خان
محمد عبد الرب ۱۲۶۰	محمد اسد علی ۱۲۸۱	محمد اکریم اللہ

سوال:- وقت نماز جمعہ کا نزدیک اہل حدیث کے کب تک رہتا ہے، اور جمعہ کی نماز میں خطبہ کس قدر اور نماز کس قدر چاہیئے، اور ایک شخص نے بارہ بجے سے خطبہ شروع کیا اور دو بجے خطبہ ختم کیا، اور کل بارہ منٹ نماز دو رکعت میں ختم کیا، یہ موافق سنت کے ہوا یا خلاف سنت ہے، بینوا توجروا۔

الجواب:- وقت نماز جمعہ بعینہ وقت ظہر ہے پس جب تک وقت ظہر کا باقی رہتا ہے اسی وقت تک جمعہ کا بھی وقت باقی رہتا ہے، چنانچہ فتح القدیر میں ہے۔ اما مالکا[1] یقول ببقاء وقتہا الی الغروب قال ویجاب بان شرعیۃ الجمعۃ مقام الظہر علی خلاف القیاس

جس کے رہنے والے سب سے بڑی مسجد میں نہ سما سکیں" در مختار میں بھی ایسا ہی لکھا ہے، بعض نے شہر کی یہ تعریف کی ہے، کہ وہاں ہر طرح کے پیشہ ور آدمی موجود ہوں، اور سال بھر تک اپنے پیشے ہی سے روزی کما سکیں کسی اور پیشہ کے محتاج نہ ہوں، بدائع، شرح وقایہ، مستخلص، فتاوی قاضی خاں، سراجیہ، حمادیہ، قنیہ وغیرہ شروح وحواشی کتب فقہ میں بلخی کی روایت ہی کو مختار سمجھا گیا ہے، اور اسی پر عمل کرنا چاہیئے، واللہ اعلم۔

[1] امام مالک کہتے ہیں، جمعہ کا وقت غروب آفتاب تک ہے، اس کا جواب یہ ہے، کہ جمعہ کو ظہر کے قائم مقام خلاف قیاس رکھا گیا ہے، کیونکہ اس کی دو رکعتوں سے ظہر کی چار رکعتیں ساقط ہوتی ہیں تو انہی خصوصیات کی

لانہ سقوط اربع برکعتین فتراعی الخصوصیات التی ورد الشرع بھا اھ۔ اور امام شوکانی درر بہیہ میں فرماتے ہیں ووقتھا وقت الظہر لکونھا بدلا عنہ، پس ثابت ہوا کہ سوائے سایہ اصلی کے ایک مثل تک نماز جمعہ کا وقت رہتا ہے، اور نماز جمعہ کا لمبا کرنا، اور خطبہ کا مختصر ہونا حدیث مرفوع صحیح سے ثابت ہے مسلم شریف میں عمار بن یاسر سے مروی ہے۔ ان طول صلوۃ الرجل وقصر خطبتہ مئنۃ من فقھہ فاطیلوا الصلوۃ واقصروا الخطبۃ الحدیث پس ثابت ہوا کہ صورت مذکورہ فی السوال بالکل مخالف حدیث و مناقض سنت سنیہ ہے فالحذر الحذر!

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس امر میں کہ خطبہ جمعہ وغیرہ میں واسطے سمجھانے عربی نہ جاننے والوں کے خطبہ عربی کا اردو یا پنجابی یا فارسی میں حسب حاجت ترجمہ کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب:۔ اقول وباللہ احول۔ ماہران شریعت پر مخفی نہیں کہ خطبہ لغت عربیہ میں وعظ و نصیحت کو کہتے ہیں جیسا کہ عبارات کتب لغت سے ظاہر ہے، الخطب والمخاطبۃ والتخاطب المراجعۃ فی الکلام ومنہ الخطبۃ والخطبۃ لکن الخطبۃ تختص بالموعظۃ والخطبۃ لطلب المرأۃ انتہی ما فی مفردات القرآن للامام راغب بن الحسین مختصرا خطبہ بالضم کلام کہ در ستائش خداوندو نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم و موعظت خلق باشد و نثر مسجع انتہی ما فی منتہی الارب، الوعظ والموعظۃ ھو مقترن بتخویف وقال الخلیل ھو التذکیر بالخیر فیما یرق لہ القلب قال اللہ عز وجل یعظکم لعلکم تذکرون وقال قد جاءتکم موعظۃ من ربکم الی آخر ما فی مفردات القرآن پس یہ بات ہوئی کہ خطبہ وعظ کو کہتے ہیں اور غرض و غایت درس و وعظ قرآن مجید و حدیث شریف سے یہ ہے کہ سامعین وعظ سن کر اس سے پند پذیر و عبرت گیر ہوں، اور مطلب و معنی آیت وما انزلنا علیک الکتب الا

رعایت کی جائے گی جو شریعت نے مقرر کی ہے، لے خطب۔ مخاطبہ تخاطب ایک دوسرے سے کلام کرنے کو کہتے ہیں اور خطبہ وعظ و نصیحت کی کلام سے خاص ہے اور خطبہ عورت کی منگنی سے اور خطبہ بالضم خدا تعالیٰ کی تعریف و رسول کی توصیف اور وعظ و نصیحت کو کہتے ہیں جس میں تخویف شامل ہو اور اس سے دل نرم ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا " وہ تم کو نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو اور فرمایا تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آئی ہے ۲ے ہم نے تجھ پر کتاب اس لئے نازل فرمائی ہے کہ آپ ان

لتبین لهم الذی اختلفوا فیه و معنی آیۃ و انزلنا ہ الیک لتخرج الناس من الظلمات الی النور وغیرہا کے اسی پر دال ہیں کہ سامعین غیر عربی دان کو بدون سمجھانے معنی اور واقف کرانے اس کے عبارت درس و وعظ سے کچھ حاصل نہیں اسی لحاظ سے خدا تعالیٰ نے فرمایا وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه لیبین لهم الآیۃ وبیان مستلزم تفہیم و تفہم کو ہے اور بغیر قصد تفہیم و تفہم کے درس و وعظ معری عن المقصود ہوگا کما لا یخفی علی المتامل اما بالنسبۃ الی عامۃ الخلق فهو انه تعالی ذکر انه ما بعث رسولا الی قومه الا بلسان اولئک القوم فانه متی کان الامر کذلک کان فهمهم لاسرار تلک الشریعۃ و وقوفهم علی حقائقها سهل و عن الغلط و الخطاء ابعد انتهی ما فی التفسیر الکبیر مختصرا قوله لیبین لهم ما امروا به فیتلقونه منه بیسر وسرعۃ انتهی ما فی تفسیر ابی السعود قوله تعالی وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه لیبین لهم ما امروا به فیتفقهوه عنه بیسر وسرعۃ ثم ینقلوه ویترجموه لغیرهم انتهی ما فی البیضاوی اور فرمایا سورۂ نحل میں ان الله یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربی وینهی عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون قوله لعلکم تذکرون لیس المراد منه الترجی والتمنی فان ذلک محال علی الله تعالی فوجب ان یکون معناہ ان الله تعالی یعظکم لارادۃ ان تتذکروا طاعۃ انتهی ما فی التفسیر الکبیر لعلکم تذکرون طلبا لان تتعظوا بذلک انتهی ما فی التفسیر ابی السعود۔ پس ان تفاسیر سے صاف ظاہر و واضح ہوا کہ بدون سمجھنے معنے کے تذکر و اتعاظ متعذر و دشوار ہے بنا بر اس کے ترجمہ وعظ و درس و خطبہ کا غیر عربی دان کے واسطے ضرور چاہیے اور وعظ و خطبہ بدون ترجمہ کے واسطے سامعین غیر عربی دان کے بالکل نا تمام ناکام و غیر نافع

کے سامنے وہ چیز بیان کریں جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں" اور ہم نے تیری طرف قرآن اس لئے اتارا کہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آئیں لے ہم نے جو رسول بھی بھیجا وہ اپنی قوم کی زبان میں بھیجا تاکہ ان کے سامنے بیان کر سکے کہ رسولوں کو ان کی قوم کی زبان میں وحی اس لئے کی گئی کہ وہ اس کو آسانی سے سمجھ سکیں اور کسی بات کے سمجھنے میں غلطی نہ کریں اور اس کو آسانی کے ساتھ دوسروں کے پاس نقل کر سکیں اللہ تعالیٰ نے سورہ نحل میں فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں انصاف احسان اور قرابت داروں کے حق ادا کرنے کا حکم دیتے ہیں اور بے حیائی، برائی اور سرکشی سے روکتے ہیں اور تمہیں نصیحت کرتے ہیں تاکہ تم

ہو گا کیونکہ درس و وعظ و خطبہ واسطے تفہیم و تفہم سامعین کے موضوع و مقرر ہوا تاکہ سامع سمجھ و بوجھ کر متنبہ ہو جاوے اور براہ راست آجاوے اسی نظر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حج و خطبہ جمعہ وغیرہ میں فرمایا فلیبلغ الشاھد الغائب اور بے سمجھ کیا پہنچا وے گا قاضی بیضاوی نے لیبین لہم کے تحت میں تصریحاً لکھدیا فیتفقھو ثم ینقلوہ و یترجموہ لغیرھم محض اس لئے کہ جب تک واعظ و خطیب کا وعظ و بیان سامعین کے مرکوز خاطر نہ ہو گا محض لغو و بیکار ہو گا کیونکہ جو غرض شارع کی اس خطبہ و وعظ سے تھی وہ فوت ہو گئی کما لا یخفی علی المتامل المتفطن اگر کوئی کہے کہ نماز میں بھی قاری کو چاہیے کہ مقتدی کے واسطے ترجمہ قرأت کا کرے تاکہ وہ اس کے معنے سمجھ بوجھ لے تو یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ قرآن کا پڑھنا امام و مقتدی دونوں پر نماز میں واجب ہے حسب ارشاد خداوند کریم کے فاقرؤا ما تیسر من القرآن پس امر وجوبی صیغہ فاقرؤا سے واضح ہوا کہ ہر نمازی کو خواہ امام ہو یا مقتدی نظم قرآن کہ خاص عربی منظوم کا نام ہے جو نقل متواتر ہم تک پہنچا پڑھنا ضرور و لابد ہے اور زبان فارسی وغیرہ میں ترجمہ اس کا نماز میں کرے تو منقول خاص متواتر باقی نہ رہیگا کیونکہ اس پر اطلاق قرآن کا نہ ہو گا تو خلاف مامور بہ کا لازم پس اسی سبب سے ترجمہ قرآن کا نماز میں پڑھنا ممنوع و محظور ہو گا کما لا یخفی علی ماھر الشریعۃ

علاوہ ازیں نماز ذکر ہے اور خطبہ تذکیر ذکر اور تذکیر کا حکم ایک کب ہو سکتا ہے احناف کرام نے بھی خطبہ کو بزبان عربی منحصر نہ رکھا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین اس پر متفق ہیں و بعض حنفیہ نے لکھا ہے کہ صاحبین نے وقت عجز رکھا نہ بلا عجز لیکن قول امام اعظم صاحب کا معتمد ہے

تتمہ لم یقیدا الخطبۃ بکونہا بالعربیۃ اکتفاء بما قدمہ فی باب صفۃ الصلوۃ من انہا غیر شرط ولو مع القدرۃ علی العربیۃ عندہ خلافا لہما حیث شرطاھا الا عند العجز الخ کما فی الشامی قولہ وشرطا عجزہ المعتمد قولہ ای الامام ابی حنیفۃ انتہی ما فی الطحطاوی اور ہرگاہ نص مذکور مساعد ترجمہ کا واسطے غیر عربی داں کے ہوا تو پھر لگلے پچھلے سے ہم کو پاک نہیں تلک امۃ قد خلت لہا ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون واللہ اعلم

نصیحت حاصل کر دلے تاکہ وہ اس کو سمجھیں پھر اس کو دوسروں کے پاس نقل کریں اور اس کا ترجمہ کریں۔

۲ جو قرآن سے میسر ہو وہ پڑھو ۳ خطبہ عربی زبان میں ہونا ضروری نہیں ہے باب صفۃ الصلوۃ میں پہلے بیان ہو چکا ہے کہ عربی میں پڑھنا فرض نہیں ہے اگرچہ عربی کی قدرت رکھتا ہو اور صاحبین عجز کی شرط لگاتے ہیں لیکن معتمد قول امام ابو حنیفہ ہی کا ہے۔ طحطاوی میں ایسا ہی ہے۔

وھو الموفق للصواب فلیعتبروا اولو النھی والالباب

سید محمد نذیر حسین

سید محمد عبد السلام سید محمد ابو الحسن

ھذا الجواب صواب لامریۃ فیہ واما احتجاج المانعین للجواز بانہ لم ینقل الینا عن احد من السلف انہ ترجم بلسان الاعاجم فمنقوض بانہ لا یلزم من عدم الثبوت علی ان مارواہ مسلم عن جابر بن سمرۃ من انہ کانت للنبی صلعم خطبتان یجلس بینھما یقرأ القرآن ویذکر الناس وفی روایۃ یعظھم صریح فی الجواز فان اثر الوعظ والتذکیر فی بلاد العجم لا یمکن حصولہ الا بالترجمۃ واللہ اعلم[1]

عبد التواب

چونکہ خطبہ میں شارع کی طرف سے کوئی تعیین کلمات کی وارد نہیں ہوئی بلکہ فقط حمد وثنا بما ھو اھلہ اور تذکیر بالقرآن اور امر بالمعروف وارد ہوا ہے اور تذکیر عوام اہل ہند کو بغیر ترجمہ کے ممکن نہیں اس لئے بموجب دلائل فتوی بالا خطبہ میں ترجمہ قرآن کا کرنا اور وعظ کہنا اور امر بالمعروف کرنا زبان ہندی میں جائز ہے فقط حررہ محمد تغمدہ اللہ الصمد بالرحمۃ والفضل المؤید

خادم شریعت رسول الاداب ابو محمد عبد الوہاب

مقصود شارع کا شریعت خطبہ سے صرف پند وموعظت ہی ہے پس جب خطبہ اس مقصود سے خالی ہوگا تو حقیقت میں وہ خطبہ خطبہ ہی نہیں یونہی برائے نام بطور رسم سمجھا جائے گا بیشک خطبہ میں واعظ جس زبان میں حاجت پوری کر سکتے ہیں کریں جو لوگ خطبہ میں وعظ بزبان عجمی کرنے سے باوجود دواعی شدیدہ کے منع کرتے ہیں وہ مقصود خطبہ سمجھنے سے بے خبر ہیں فقط حررہ محمد ابراہیم بن مولوی احمد ساکن جزیرہ جشیمان ۔ جواب بہت ہی صحیح ہے عبد الرحمن بن عبد الکریم جواب خطبہ جمعہ کا ہو خواہ کسی اور محل کا مقصود صرف وعظ وتذکیر ہے پس اگر یہ وعظ تذکیر صرف عربی عبارت سے ہو سکے اور اس کو اکثر مخاطبین وحاضرین مجلس سمجھیں تو عربی پر اکتفا کرنا اولے ہے اور اگر اکثر مخاطب عربی نہ سمجھیں تو اس کا ترجمہ ہندی میں اور دوسری زبانوں میں جو مخاطب سمجھیں ضروری ہے صحیح مسلم میں جابر بن سمرۃ سے روایت ہے کانت للنبی صلعم

[1] یہ جو کہا جاتا ہے کہ سلف سے منقول نہیں ہے کہ انہوں نے عجمی زبان میں ترجمہ کیا ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ عدم ذکر سے عدم ثبوت لازم نہیں آتا صحیح مسلم میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو خطبے ہوا کرتے تھے ان کے درمیان بیٹھتے قرآن پڑھتے اور لوگوں کو نصیحت کرتے اور ایک روایت میں ہے کہ ان کو وعظ کرتے یہ ترجمہ کے جواز میں صریح ہے کیونکہ عجمی ملکوں میں اس وقت تک وعظ کا اثر نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا ترجمہ نہ کیا جائے۔

خطبتان یجلس بینھما یقرء القرآن ویذکر الناس نووی نے شرح مسلم میں کہا ہے فیہ دلیل للشافعی فی انہ یشترط للخطبۃ الوعظ والقراءۃ جو لوگ ہندیوں میں جو عربی نہ سمجھتے ہوں صرف عربی خطبہ اکتفا کرنے کو واجب جانتے ہیں اور ترجمہ کرنے کو ناجائز کہتے ہیں وہ خطبہ کی حقیقت سے ناواقف ہیں اور مقصود شرع سے بے خبر ہیں اس باب میں ایک مفصل اشاعۃ السنہ شائع ہوگا اس لئے اس مقام میں زیادہ تفصیل نہیں ہوئی

ابو سعید محمد حسین

ان الحکم الا للہ اگر کوئی شخص اس طور پر خطبہ پڑھے کہ اس میں عبارات عربی مثل آیات قرآنی اور احادیث اور ادعیہ ماثورہ کچھ نہیں ہوں تو یہ صورت جائز نہیں ہے اور اگر ایسا نہیں کرے بلکہ عبارات عربیہ کو بھی پڑھے اور اس کے بعد اس کا ترجمہ کر دے تاکہ عوام الناس کو اس سے فائدہ پہنچے یہ صورت جائز ہے صحیح مسلم میں ہے کانت للنبی صلعم خطبتان یجلس بینھما یقرء القرآن ویذکر الناس جب تک ترجمہ نہیں کیا جائے گا تو عوام الناس کیونکر سمجھیں گے اور تذکیر کا اختصاص بھی آنحضرت صلعم کے ساتھ اس مقام میں کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ کافی و وافی ہے واللہ اعلم بالصواب حررہ ابو الطیب محمد المدعو بشمس الحق العظیم آبادی عفی عنہ

ابو الطیب محمد شمس الحق | محمد اشرف عفی عنہ | ابو عبد اللہ محمد ادریس

سوال ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین القاھم اللہ الی یوم الدین اس مسئلہ میں کہ درمیان خطبہ جمعہ کے واسطے پند و نصائح سامعین کے جو عربی زبان نہیں جانتے کچھ اشعار بزبان سامعین کہ جن کا مضمون ما جاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے پڑھنا درست ہے یا نہیں اور شعروں کے بارہ میں کیا حکم ہے شرع کا۔ بینوا توجروا

الجواب ۔ درست ہے کیونکہ پند و نصیحت خطبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے صحیح مسلم کی روایت سے مشکوۃ کے باب الخطبہ میں جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے قال کانت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبتان یجلس بینھما یقرء القرآن ویذکر الناس یعنی انہوں نے بیان کیا ہے کہ پڑھا کرتے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبہ اور بیٹھتے درمیان دونوں کے اور خطبہ میں قرآن پڑھتے اور لوگوں کو وعظ فرمایا کرتے اور

لے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو خطبے ہوا کرتے تھے ان کے درمیان بیٹھتے قرآن پڑھتے اور نصیحت کرتے

وعظ کا فائدہ جبھی ہوتا ہے کہ سننے والے کی بولی میں ہو اسی واسطے فرمایا اللہ تعالیٰ نے سورہ ابراہیم میں وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ لیبین لھم یعنی نہیں بھیجا ہم نے کسی نبی کو مگر اس کی قوم کی بولی میں تو کہ وہ اچھی طرح سمجھا سکے ان کو پس اس آیت سے بخوبی ثابت ہوا کہ نصیحت سامعین کی بولی میں ہو کہ وہ سمجھیں اور یہ اعتراض کہ خطبہ میں نصیحت بزبان اردو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں بیجا ہے کیونکہ اس بارہ میں کسی زبان کی خصوصیت نہیں صرف یہ ثبوت چاہیئے کہ خطبہ میں آپ نصیحت کرتے تھے یا نہیں سو اس کا ثبوت حدیث صحیح میں موجود ہے اور یہ خطبہ ہی پر حصر کیوں رکھا قرآن وحدیث کا ترجمہ اور وعظ کرنا بھی تو بزبان اردو وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ سے ثابت نہیں ہے پھر وہ کیوں منع نہیں غرضکہ وعظ بزبان سامعین دین میں کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ قرآن وحدیث دنیا میں اسی واسطے آئے ہیں کہ سب جہان کے لوگ سمجھیں، اور شعر کے بارے میں یہ ہے۔ ذکر[1] عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الشعر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھو کلام فحسنہ حسن وقبیحہ قبیح رواہ الدارقطنی وحسنہ العزیزی

اور مالابد منہ میں ہے، شعر[2] کلام است موزون حسن او حسن است وقبیح او قبیح لیکن بیشتر اشتغال وقت دراں مکروہ است، اور اس کے حاشیہ میں ہے یعنی اگر مضمونش[3] مشتمل باشد بر حمد خدا یا نعت رسول یا تحریض بر ذکر خدا وعبادت یا مسئلہ دینیہ پس گفتنش وخواندنش ہر دو موجب ثواب واجر است واگر مشتمل باشد بر امر مباح پس مباح است واگر متضمن باشد بر امور ممنوعہ مثل بیان سراپا وخد وخال امردے یا زنے صاحب حسن کہ دراں شہر زندہ موجود باشد یا ہجو مسلمانے غیر ظالم پس انشادش ہر دو حرام کذا فی العینی شرح الکنز واللہ اعلم بالصواب

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شعر کا تذکرہ ہوا، تو آپ نے فرمایا، وہ بھی ایک کلام ہے جس کا مضمون اچھا ہے وہ اچھا شعر ہے، اور جس کا برا ہے وہ برا ہے

[2] شعر ایک موزون کلام ہے، جو اچھا ہے سو اچھا ہے، اور جو برا ہے سو برا ہے لیکن اس میں زیادہ وقت صرف کرنا مکروہ ہے

[3] اگر شعر کا مضمون حمد خدا اور نعت رسول یا ذکر خدا وعبادت کی ترغیب پر مشتمل ہو، یا اس میں کوئی دینی مسئلہ بیان کیا گیا ہو، تو اس کا کہنا اور پڑھنا موجب ثواب ہے اور اگر مباح امر پر مشتمل ہو تو مباح ہے، اور اگر امور ممنوعہ پر مشتمل ہو، مثلاً کسی امرد یا عورت کے خد وخال کی تعریف یا کسی عادل مسلمان کی ہجو ہو تو اس کا لکھنا اور پڑھنا دونوں حرام ہیں۔

حررہ خادم العلماء محمد حسن عفا اللہ عنہ وعن جمیع المؤمنین واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

سید محمد نذیر حسین

ھوالموفق:۔ اس مضمون میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ شعر ایک کلام ہے کہ جس کا مضمون اچھا ہے، وہ اچھا ہے، اور جس کا برا ہے، وہ برا ہے، مگر ساتھ اس کے خطبہ میں کبھی شعر پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں اور آپ کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سے بھی ثابت نہیں، خطبہ نبویہ وخطبات خلافت راشدہ اشعار سے خالی ہوتے تھے فاتباع سنتہ صلی اللہ علیہ وسلم وسنۃ خلفائہ الراشدین المہدیین اولی، ھذا ما عندی واللہ تعالی اعلم بالصواب، کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز جمعہ بغیر خطبہ کے ہو جاتی ہے یا نہیں، اور خطبہ داخل نماز جمعہ ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ نماز جمعہ بغیر خطبہ کے ہو جاتی ہے اور خطبہ داخل نماز جمعہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ خطبہ سنت مؤکدہ اور شعائر اسلام سے ہے، نہ واجب اور نہ شرط مگر بغیر خطبہ کے نماز جمعہ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اور نہ صحابہ اور نہ تابعین وغیرہ سے منقول بلکہ خطبہ پر مواظبت ومداومت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ وغیرہ کے پائی گئی ہے، چنانچہ تفصیل ذیل سے واضح ہو گا، پس ترک کرنا اس کا ہرگز نہیں چاہیے اگرچہ اس کے ترک سے جمعہ میں کچھ خلل شرعی نہیں واقع ہوتا ہے، جیسا کہ فتح الربانی فی فتاوے الشوکانی وسیل الجرار المتدفق علی حدائق الازہار وروضۃ الندیہ میں مذکور ہے۔ [1] لم یتقرر لدینا دلیل صحیح معتبر یدل علی وجوب الخطبۃ فی الجمعۃ حتی یکون شہودھا واجبا والفعل الذی وقعت المداومۃ علیہ لا یستفاد منہ الوجوب بل یستفاد منہ ان ذلک المفعول علی الاستمرار سنۃ من السنن المؤکدۃ فالخطبۃ فی الجمعۃ سنۃ من السنن المؤکدۃ وشعار من شعائر الاسلام لم تترک منذ شرعت الی موتہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا قیمت صلوۃ جمعۃ بغیر خطبۃ وھکذا بعد عصرہ فی جمیع الاقطار

[1] ہم نے آج تک کوئی ایسی صحیح ومعتبر دلیل نہیں دیکھی جس سے خطبہ کا وجوب ثابت ہوتا ہو، ہاں ایسا فعل جس پر ہمیشہ سے عمل ہوتا آرہا ہو اس سے سنت مؤکدہ کا تو ثبوت مل سکتا ہے، نہ واجب کا، سو جمعہ میں خطبہ سنت مؤکدہ ہے، اور اسلام کا شعار ہے، جب سے جمعہ شروع ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک اور اس کے بعد بھی کسی زمانہ میں

الی ھذا العصر لم تترک فی قطر من اقطار المسلمین ولا اھملت فی عصر من العصور الاسلامیۃ واما کونھا واجبۃ مفترضۃ فلم یات فی کتاب اللہ سبحانہ ولا فی سنۃ رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم مایدل علی ذلک ولا بلغ الینا مایفید الوجوب کذا فی فتح الربانی انتہی ما فی الموعظۃ الحسنۃ وغیرھا واما فی کون الخطبۃ شرطا للصلوۃ فعدم وجود دلیل یدل علیہ لایخفی علی عارف فان شان الشرطیۃ ان یؤثر عدمھا فی عدم المشروط فھل من دلیل یدل علی ان عدم الخطبۃ یؤثر فی عدم الصلوۃ کذا فی الروضۃ الندیۃ شرح الدرر البھیۃ۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ السید شریف حسین عفی عنہ

السید احمد حسن ۱۲۸۹

سید محمد نذیر حسین

خادم شریعت رسول الثقلین
تلطف حسین ۱۲۹۲

ابو البرکات حافظ محمد المعتصم
بحبل اللہ الاحد ۱۲۹۲ھ

ز شرف سید کونین شد
سید شریف حسین ۱۲۹۳

محمد عبد الحمید ۱۲۹۳

محمد غلام اکبر خان محمدی السنی ۱۲۸۹

اسے نہیں چھوڑا گیا لیکن اس کا واجب یا فرض ہونا، نہ تو کتاب اللہ سے ثابت ہے، نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، روضہ ندیہ میں ہے، کہ خطبہ کا نماز کے لئے شرط ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ شرط کا عدم مشروط کے عدم کو مستلزم ہوتا ہے، تو کیا کوئی ایسی دلیل مل سکتی ہے، کہ عدم خطبہ عدم نماز میں مؤثر ہو۔

کتاب العیدین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندراس مسئلہ کے کہ عورتوں کو اس زمانہ میں نماز عیدین کے لئے عیدگاہ میں جانا درست ہے یا نہیں، اگر درست ہے، تو اس اثر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا کیا جواب ہے۔ عن عائشۃ رض قالت لو ادرك رسول الله صلی الله علیه وسلم ما احدث النساء لمنعهن المساجد رواه البخاری، یعنی فرمایا حضرت عائشہ نے کہ اگر پاتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو احداث کیا ہے عورتوں نے، تو بے شک منع فرماتے ان کو مسجدوں سے الخ روایت کیا اس کو بخاری نے

الجواب:۔ عورتوں کا بروز عیدین عیدگاہ میں جانا حدیث صریح صحیح مرفوع سے بلانکیر ثابت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں اہتمام بلیغ تھا، یہاں تک کہ حائضہ اور بن کپڑے والی کو بھی عیدگاہ میں حاضر ہونے کا حکم فرماتے، بخاری و مسلم میں ہے۔ عن ام عطیة قالت امرنا ان نخرج الحیض یوم العیدین وذوات الخدور فیشهدن جماعة المسلمین ودعوتهم وتعتزل الحیض عن مصلاهن قالت امرأة یا رسول الله احدنا لیس لها جلباب قال لتلبسها صاحبتها من جلبابها، یعنی ام عطیہ سے روایت ہے، کہا انہوں نے کہ حکم کئے گئے ہم لوگ کہ نکالیں حیض والیوں کو عیدین میں اور پردہ دار کو، پس حاضر ہوں مسلمانوں کی جماعت میں اور دعائیں ان کی، اور علیحدہ بیٹھیں حیض والیاں اپنی نمازیوں کی صف سے کہا ایک عورت نے کہ یا رسول اللہ اگر نہ ہو کسی عورت کے پاس چادر، فرمایا تب چاہئے کہ اوڑھا دے اس کو ساتھ والی اس کی، اپنی چادر سے، اور ایک روایت میں ہے صحیحین کے، کہ جائیں حیض والیاں عیدگاہ میں، پھر رہیں پیچھے لوگوں کے، اللہ اکبر کہیں ساتھ ان کے، نووی شارح مسلم نے قاضی عیاض سے نقل کیا ہے، کہ حضرت ابوبکر رض و علی رض و ابن عمر رض وغیرہ کے نزدیک ضرور تھا نکلنا عورتوں کا عیدین میں، اور تحت میں قوله صلی الله علیه وسلم لتلبسها کے نووی لکھتے ہیں، کہ وفیه حث علی حضور العید لکل احد وعلی المواساة والتعاون علی

البر والتقوی۔ یعنی حضرت کے اس فرمانے ہیں کہ بے کپڑے والی کو اس کے ساتھ والی کپڑا اڑھا کر لے جائے شوق دلانا ہے عیدین میں حاضر ہونے کے لئے ہر ہر شخص کو اور اوپر احسان اور مدد کرنے کے نکوئی و پرہیز گاری پر، اور یہاں شیخ عبدالحق دہلوی شرح مشکوۃ میں لکھتے ہیں واگر عاجزہ از چادرہ استعارہ نماید و سوال کند نیز جائز است، کہ وسیلہ امر خیر است، اور شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں ولذلک استحب خروج الجمیع حتی الصبیان والنساء وذوات الخدور والحیض یعنی اسی اظہار شوکت اسلام کے لئے مستحب ہے جانا ہر ہر شخصوں کا عیدگاہ میں حتی کہ لڑکے اور عورتیں اور پردہ دار اور حیض والیاں، اور بخاری میں ہے۔ قلت لعطاء اتری حقا علی الامام الان ان یاتی النساء فیذکرھن حین یفرغ قال ان ذلک لحق علیھم وما لھم ان لا یفعلوا یعنی کہا جریج نے عطا تابعی سے کہ کیا گمان کرتے ہیں آپ ضرورت امام پر اس زمانہ میں اس بات کی، کہ آوے امام پاس عورتوں کے، پھر وعظ کہے نماز سے فارغ ہو کر کہا عطا نے یہ البتہ بے شک ضرور ہے، اماموں پر اور کیا ہے واسطے ان کے یہ کہ نہ کریں۔

اور جواب اثر حضرت عائشہ رضؓ کا اولا یہ ہے، کہ غرض ان کی امتناع احداث عورتوں کا ہے، جو کچھ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدا کر رکھا تھا من الزینۃ والطیب وحسن الثیاب ونحوھا کذا فی العینی نہ نفس حضوری مسجد، چنانچہ لفظ ما احدث النساء کا دلیل روشن ہے اس معنی پر اور وہ بے شک ممنوع و موجب فساد ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا شھدت احدٰکن المسجد فلا تمس طیبا رواہ مسلم۔ یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آوے کوئی عورت مسجد میں پس خوشبو نہ لگاوے روایت کیا اس کو مسلم نے، اور ابو داؤد میں ہے، کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں قبول ہوتی نماز اس عورت کی جو خوشبو لگائے مسجد کے لئے، یہاں تک کہ غسل کرے غسل کرنا ناپاکی کا۔ اور بخاری کی ایک روایت میں ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا استاذنکم نساؤکم باللیل الی المسجد فاذنوا لھن۔ یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کہ اجازت مانگیں تم سے عورتیں تمہاری مسجد کی رات کو پس اجازت دو ان کو اس حدیث میں اجازت کو رات کے ساتھ مقید فرمایا، غرض جو امر باعث فساد ہے، اس کی

لے اگر کوئی غریب عورت امیر عورت سے چادر مانگ لے، تو یہ بھی جائز ہے، کیونکہ نیک کام کا وسیلہ ہے ۱۲

اصلاح شارع سے خود ثابت ہے، اس کی اصلاح بقدر نقصان کرنا چاہیے، نہ کہ معدوم کر دینا اصل امر شرعی کا، یہ اصلاح نہیں ہے، بلکہ افساد ہے، حج کے لئے عورتیں جب سے گھر چھوڑ کر نکلتی ہیں، تو ابتدائے روانگی سے کیا کیا حالتیں ریل وجہاز وادنٹ پالان کی بے پردگی کی پیش آتی ہیں، پھر مکہ معظمہ میں وقت طواف وسعی وغیرہ کے کس مرتبہ کا اختلاط مردوں سے رہتا ہے، کہ مارے دھکوں کے گر گر جاتی ہیں، نعوذ باللہ من ذلک، اور یہ صریح حرام ہے، تو اس جہت سے عورتیں حج سے باز نہ رکھی جاویں گی، بلکہ اختلاط رجال اور دوسرے منہیات سے تاکید لازم ہو گی، ہاں جمعیت عورت و مرد خلاف شرع البتہ باعث فساد ضرور ہوتی ہے، اس کا انسداد لازم ہے، جیسے مردوں کا سامنے اپنے غیر محرمات مثل بھاوج وسالیاں وسرہجین وغیرہ کے آیا کرنا، ان سے دل لگیاں ہونا، کشف عورت رہنا، جیسا کہ اکثر بلکہ تمام ہند میں دائر وسائر ہے، اس کو ضرور مسلمانوں کے گھر سے موقوف ہو جانا چاہیئے، کہ اس میں بڑے بڑے واقعات ہو گئے ہیں، اور شرعاً وعقلاً کسی طرح جائز نہیں ہے، غرض جس مجمع خلاف شرع میں کہ فساد واقع ہو رہا ہے، اس سے چشم پوشی کرنا، اور مجمع موافق شرع کو موقوف کر دینا فقط تقاضائے شرافت وامارت واغوائے شیطانی ہے، اس سے پرہیز ناگزیر ہے۔

ثانیاً اگر تسلیم بھی کیا جائے، کہ غرض حضرت عائشہ رضؓ کی مطلقاً منع حضوری مسجد ہے پس اس میں صریح تخصیص مسجد کی موجود ہے، قیاس امتناع حضوری عیدگاہ اس پر درست نہیں ہے، اس لئے کہ حضوری مسجد عورتوں کو جائز ہے، اور مستحب یہ ہے کہ گھر میں نماز ادا کریں، چنانچہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تمنعوا نساءکم المساجد وبیوتھن خیر لھن رواہ ابو داؤد یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ روکو اپنی عورتوں کو مسجدوں سے، اور گھر ان کے بہتر ہیں ان کے لئے بخلاف نماز عیدین کے، کہ اس میں یہاں تک تاکید فرمائی، کہ حائضہ اور بے کپڑے والی محتاج اوروں کے کپڑوں میں عیدگاہ آئیں، عذر سے بھی اس دن خانہ نشینی کی اجازت نہ دی

ثالثاً آپ منع کہاں فرماتی ہیں، وہ تو اپنا فہم ظاہر کرتی ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر اس احداث کو دیکھتے، تو میرے نزدیک یہ ہے، کہ عورتوں کو مسجد سے روکتے، اور یوں فرمانا یا اس سبب سے تھا، کہ مطابقت فہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ فہم اپنے کے ضروری نہ جانا، یا ترک ادب سے ڈریں، کہ اپنی رائے سے حکم صریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیونکر

اٹھایا جا سکتا ہے، یا آپ مختار حلت و حرمت ہی کی نہ تھیں، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بمقتضائے حیا و بیان صریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ بیوتھن خیر لھن عورتوں کا مسجد میں جانا مکروہ جانتے تھے، پر منع کرنے میں دم نہیں مارتے تھے، کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف اجازت دینے کا حکم فرمایا، کہ لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ تو اب کون اس اجازت کو اٹھا سکتا ہے، بخاری شریف کے صفحہ ۱۲۳ میں ہے عن ابن عمر قال کانت امرأۃ لعمر تشھد صلوۃ الصبح والعشاء فی الجماعۃ فی المسجد فقیل لھا لم تخرجین وقد تعلمین ان عمر رض یکرہ ذلک ویغار قالت فما یمنعہ ان ینھانی قال یمنعہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ رواہ البخاری، یعنی حضرت ابن عمر رض فرماتے ہیں، کہ تھیں بی بی حضرت عمر رض کی کہ نماز صبح اور عشاء کو جماعت سے ادا کرنے کو مسجد میں جایا کرتیں پس کسی نے ان سے کہا، کہ تم کیوں نکلتی ہو جب کہ جانتی ہو کہ عمر رض مکروہ جانتے ہیں نکلنا عورتوں کا، اور غیرت کرتے ہیں، کہا ان کی بی بی صاحبہ نے پس کس چیز نے منع کیا عمر رض کو کہ مجھے منع کر دیتے، کہا اس شخص نے کہ باز رکھا عمر رض کو تمہارے روکنے سے قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہ نہ روکو اللہ کی لونڈیوں کو اللہ کی مسجدوں سے روایت اس حدیث کو بخاری نے، اور حضرت عبد اللہ بن عمر رض نے اس سے منع کرنے پر اپنے بیٹے کو اس قدر سخت و درشت کہا، کہ کبھی کسی کو نہ کہا تھا، اور مرنے کو مر گئے پر بیٹے سے پھر مارے غصہ کے بات نہ کی، عن[1] بلال بن عبد اللہ عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تمنعوا النساء حظوظھن من المساجد اذا استاذنتکم فقال بلال واللہ لنمنعھن فقال لہ عبد اللہ اقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتقول انت لنمنعھن وفی روایۃ سالم عن ابیہ قال فاقبل علیہ عبد اللہ فسبہ سبا ما سمعتہ سبہ مثلہ قط وقال اخبرک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتقول واللہ لنمنعھن

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر عورتیں تم سے اجازت مانگیں تو ان کو مساجد کے حصہ سے منع نہ کرو، بلال نے کہا خدا کی قسم ہم تو ان کو روکیں گے، تو حضرت عبد اللہ نے کہا میں کہہ رہا ہوں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، اور تو کہتا ہے ہم ان کو روکیں گے، اور ایک روایت میں ہے، کہ عبد اللہ اس پر متوجہ ہوئے اور اس کو ایسی گالیاں دیں، کہ پہلے کبھی نہ دی تھی، اور کہا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر تجھے دے رہا ہوں، اور تو کہتا ہے۔ کہ ہم ان کو روکیں گے ۱۲

رواہ مسلم اور احمد کی روایت میں ہے نما کلمہ عبد اللہ حتی مات کذا فی المشکوۃ ہر گاہ نماز وقتیہ میں یہ معاملے گذرے جس کا گھر میں ادا کرنا خود حدیث صریح صحیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوا، بلکہ اس کو بہتر فرمایا ہے، پس نماز عیدین سے کہ جس کے لئے عیدگاہ میں جانے کی تاکید شدید اور اہتمام بلیغ موجود ہے، اور کوئی حدیث ضعیف بھی اس کے خلاف نہیں آئی، اور یہ نماز گھر گھر ادا بھی نہیں کی جاتی ہے، اور اس مجمع کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر فرمایا ہے، کس حجت سے بھلا کوئی عورتوں کو منع کرے

رابعًا یہ کہ دلو فرضنا تو یہ حضرت عائشہ رض اپنے فہم سے فرماتی ہیں، اور فہم صحابہ حجت شرعی نہیں ہے۔ کما ثبت فی اصول الحدیث

خامسًا یہ کہ اگر مان بھی لیا جائے، کہ مقصود حضرت عائشہ رض کا امتناع عام ہے، تو یہ اثر کب معارض ہو سکتا ہے حدیث صحیح صریح مرفوع کا، اور ناسخ بھی کلام معصوم کا نہیں ہو سکتا پس حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درباب حضوری عورتوں کے عیدگاہ میں اسی اہتمام کے ساتھ بحال خود رہا اور جانا ان کا عیدگاہ میں ثابت ہوا، پھر اب جو شخص بعد ثبوت قول رسول و فعل صحابہ کی مخالفت کرے، وہ اس آیت کا مصداق ہے، ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولی الآیۃ جو حکم صراحۃ شرع شریف میں ثابت ہو جائے، اس میں ہرگز ہرگز رائے و قیاس کو دخل نہ دینا چاہیے کہ شیطان اسی قیاس سے کہ انا خیر منہ حکم صریح الٰہی سے انکار کر کے ملعون بن گیا ہے اور یہ بالکل شریعت کو بدل ڈالنا ہے، عورت و مرد کے اختلاط کا فتنہ کچھ اسی زمانہ میں پیدا نہیں ہوا ہے ازل سے ابد تک رہا ہے، اور رہے گا جس کی حکایتیں قرآن و حدیث میں موجود ہیں، اس لئے شارع نے سارے فساد کو خود دفع فرما دیا ہے، پھر بھی اس کو اصلاح طلب ہی سمجھنا تولہ تعالی فبدّل[1] الذین ظلموا قولا غیر الذی قیل لھم کے وعید میں داخل ہونا ہے، ہاں یہ بھی زمانہ فساد کا ہے، ہر شخص اپنی عورتوں کا نگران رہے، بے پردہ بن ٹھن کر خوشبو لگا، بجتے گہنے زیور پہن کر ہرگز نہ جانے دے، ان کو مردوں سے الگ بٹھائے غرض اصلاح فساد ساتھ بقائے حکم شرع جس طرح ممکن ہو کرے، اور حکم شرع کو ہرگز ہاتھ سے نہ دے۔ واللہ اعلم بالصواب، اللھم ارزقنا اتباع سنن سید الموجودات

---

[1] تو ظالموں نے اس بات کو بدل دیا جو ان کو کہی گئی تھی ۱۲

وجنبنا عن البدعات امین، المجیب وصیت علی الجواب صحیح والرای نجیح

زشرف سید کونین شد شریف حسین	سید محمد نذیر حسین

اور روضہ ندیہ میں لکھا ہے۔ باب صلوۃ العیدین۔ قد اختلف اھل العلم ھل صلوۃ العید واجبۃ ام لا والحق الوجوب لانہ صلی اللہ علیہ وسلم مع ملازمتہ لھا قد امرنا بالخروج الیھا کما فی حدیث امرہ صلی اللہ علیہ وسلم للناس ان یغدوا الی مصلاھم بعد ان اخبرہ الرکب برؤیۃ الھلال وھو حدیث صحیح وثبت فی الصحیح من حدیث ام عطیۃ قالت امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نخرج فی الفطر والاضحی العواتق والحیض، وذوات الخدور، فاما الحیض فیعتزلن الصلوۃ ویشھدن الخیر ودعوۃ المسلمین فالامر بالخروج یقتضی الامر بالصلوۃ لمن لا عذر لھا بفحوی الخطاب والرجال اولی من النساء بذلک انتہی۔ پس میلان خلفائے ثلاثہ یعنی ابوبکر صدیق وعمر وعلی رضی اللہ عنہم کا بھی واجب کی جانب تھا، اور اسی بات کی تائید کرتی ہے حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ جو ابن ماجہ میں مذکور ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ازواج و بنات کو عیدین میں لے جاتے تھے، پس یہ عموم شامل ہے جوان و بڑھیا دونوں کو، کذا فی بدر التمام شرح بلوغ المرام، اور نہج المقبول من شرائع الرسول میں مرقوم ہے اس طور سے، وزنان را بر آمدن سوئے عیدگاہ از برائے نماز و شرکت در دعا مسلمین مشروع است وسنت صحیحہ بداں وارد گشتہ و نماز فرادی ہم صحیح است

جہاں شد منور ز نور الحسن ۱۲۹۲

خادم شریعت رسول الثقلین محمد تلطف حسین ۱۲۹۲	نعم المولی و نعم النصیر ۱۲۹۲	محمد عبد العزیز

امیر حسن ساکن بہار، محمد جمیل، سید محمد حسن، حسن علی خان

سوال:۔ علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں، کہ ایک شہر میں باوجود ایسی

لہ علماء میں اختلاف ہے، کہ عید کی نماز واجب ہے یا نہیں؟ صحیح یہ ہے، کہ واجب ہے، کیونکہ حضور نے خود بھی اس پر ہمیشگی کی ہے، اور ہم کو بھی حکماً عید کی نماز کے لئے باہر نکلنے کو کہا ہے۔ جب کہ ایک قافلہ نے آکر اطلاع دی، کہ ہم نے کل رات چاند دیکھا تھا تو حکم دیا کہ کل لوگ عید کی نماز کے لئے باہر نکلیں، اور ام عطیہ کی حدیث میں ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا، کہ ہم عید الفطر اور عید الاضحی میں باہر نکلیں، حائضہ عورتیں بھی، پردہ نشین بھی، حائضہ عورتیں نماز سے الگ رہیں، اور دعا وغیرہ میں شامل ہو جائیں، اور باہر نکلنے کا حکم نماز کے حکم کا تقاضا کرتا ہے جس کو شرعی عذر نہ ہو، اور یہ حکم عورتوں کی نسبت مردوں کو زیادہ شامل ہوگا۔

عیدگاہ تیار ہونے کے کہ سارے شہر کے نمازیوں کی اس میں بخوبی گنجائش ہے، پھر بھی نماز عید بعض لوگ عیدگاہ میں پڑھتے ہیں، اور بعض مسجد میں، پس ان میں افضل و بہتر کون سا طریقہ ہے بینوا بالتفصیل توجروا بالاجر الجزیل۔

الجواب:۔ وہو الموفق للصواب۔ شہر کے سب مسلمانوں کی نماز عیدین پڑھنا عیدگاہ میں بہتر اور افضل ہے، بشرطیکہ کوئی عذر شرعی مثل بارش و برد شدید و ضعف پیری و بیماری وغیرہ کے نہ رکھتے ہوں، اور اس میں کئی خوبیاں مخصوص ایسی ہیں کہ کوئی ان میں سے اور جگہ نماز پڑھنے میں حاصل نہ ہوگی، پہلے تو اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور پیروی خلفاء راشدین کی اس واسطے کہ آپ ہمیشہ مع صحابہ کرام باوجود گنجائش مسجد نبوی کے نماز عیدین عیدگاہ میں ادا فرماتے تھے، جیسا کہ احادیث صحاح سے ثابت ہے، وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخرج یوم الفطر والاضحی الی المصلی ای الی الجبانۃ وھی الصحراء خارج المدینۃ ومسیرتہا من الحجرۃ الشریفۃ الف خطوۃ[1]۔ مگر ایک مرتبہ آپ نے بوجہ بارش شدید کے نماز عید مسجد نبوی میں ادا فرمائی تھی، چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے انہ[2] اصابھم مطر فی یوم عید فصلی بہم النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلوۃ العید فی المسجد رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ، اور آپ کو جب رؤیت ہلال شوال کی خبر پہنچی، تو آپ نے روزے افطار کرائے، اور صبح کو عیدگاہ جانے کا حکم فرمایا، جیسا کہ ابوداؤد اور نسائی میں مروی ہے۔ فامرھم ان یفطروا واذا اصبحوا ان یغدوا الی مصلاھم اور شرح السنۃ میں مرقوم ہے۔ ان یخرج الامام لصلوۃ العید الی الجبانۃ، اور فرمایا ابن ہمام نے سنت یہ ہے، کہ نکلے امام عیدگاہ کی طرف اور کسی کو اپنا خلیفہ کر جاوے، تاکہ وہ ضعیفوں اور معذوروں کو شہر میں نماز پڑھا دے۔ وھکذا[3] فی الخلاصۃ والخانیۃ السنۃ ان یخرج الامام الی الجبانۃ ویستخلف غیرہ لیصلی فی المصر بالضعفاء اور اسی طرح خروج الی الجبانۃ کا

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحی کے دن عیدگاہ کی طرف نکلتے، مدینہ سے باہر جاتے، اور وہ حجرہ شریفہ سے ایک ہزار قدم کا فاصلہ رکھتی تھی ۱۲

[2] ایک دفعہ عید کے دن بارش ہو گئی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز مسجد میں پڑھائی

[3] خلاصہ اور خانیہ میں ہے، کہ سنت یہ ہے، کہ امام عیدگاہ کی طرف باہر نکلے، اور پیچھے کسی آدمی کو مقرر کر دے جو کمزور اور معذور لوگوں کو نماز پڑھائے ۱۲

مسنون ہونا کتب فقہ معتبرہ مثل در مختار و ہدایہ و کنز و عالمگیری وغیرہ میں لکھا ہے فمن شاء الاطلاع علیہا فلیرجع الیہا۔ اور ابن حجر عسقلانی نے فرمایا کہ حکم خروج الی الجبانہ کا واسطے امام کے سوائے مسجد اقصےٰ اور مسجد حرام کے ہے، اس لئے کہ یہ دونوں مسجدیں یعنی بیت المقدس اور مکہ معظمہ کی عیدگاہ سے افضل ہیں، اور سوا ان کے عیدگاہ مساجد دیگر سے افضل ہے، حتیٰ کہ مسجد نبوی سے بھی، ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد چھوڑ کے عیدگاہ تشریف نہ لے جاتے، بہر حال عیدگاہ میں نماز پڑھنا سنت ٹھہرا، اور تارک اس کا تارک سنت ہوا جیسا کہ طحاوی حاشیہ در مختار میں مرقوم ہے فلو لم یتوجہ الیہا فقد ترک السنۃ۔ اور تارک سنت بلا عذر شرعی ملعون اور محروم الشفاعت اور قابل ملامت و عتاب اور مستحق عذاب و ضلالت ہے، اس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر لعنت فرمائی ہے، کما ورد فی الحدیث ستۃ لعنتہم ولعنہم اللہ وکل نبی یجاب یعنی چھ شخصوں پر لعنت کی میں نے اور اللہ نے اور ہر نبی مستجاب الدعوات نے، منجملہ ان کے چھٹا شخص آپ نے فرمایا، والتارک لسنتی، فرمایا ملا علی قاری نے اس کی شرح میں لکھا ہے تکاسلا عاص و استخفافا کافر یعنی جو کوئی از راہ سستی کے سنت کو چھوڑے، وہ گنہگار ہے، اور جو محقر سمجھ کر اس کو ترک کرے وہ کافر ہے، نعوذ باللہ من ہذا الوعید۔ وفی الصبح[1] الصادق شرح المنار انہ یستوجب لوما فی الدنیا وحرمان الشفاعۃ فی العقبیٰ بما ورد مرفوعا من ترک سنتی لم ینل شفاعتی وفی شرحہ فتح الغفار وتارکہا یستوجب اساءۃ ای التضلیل واللوم وفی غایۃ البیان السنۃ ما فی فعلہ ثواب وترکہ عقاب وفی التلویح ترک السنۃ المؤکدۃ قریب من الحرام یستحق حرمان الشفاعۃ وفی رد المحتار حاشیہ رد المختار الاصح انہ یاثم بترک السنۃ المؤکدۃ کالواجب۔ حق تعالیٰ ہم سب کو طریقہ مسنونہ پر چلا دے، اور مواخذہ ترک سنت سے بچا دے۔

---

[1] صبح صادق شرح المنار میں ہے کہ اس سے دنیا میں ملامت اور آخرت میں شفاعت سے محرومی نصیب ہوگی کیونکہ مرفوع حدیث میں ہے کہ جس نے میری سنت چھوڑ دی اسے میری شفاعت سے حصہ نہ ملے گا شرح غفار میں ہے سنت کا تارک سزا اور ملامت کا مستحق ہے غایۃ البیان میں ہے سنت وہ جس کے کرنے میں ثواب ہے اور چھوڑنے پر عتاب ہے تلویح میں ہے سنت مؤکدہ کا چھوڑنا حرام کے قریب ہے اس سے شفاعت سے محرومی نصیب ہوتی ہے رد المختار میں ہے صحیح یہ ہے کہ سنت مؤکدہ کے چھوڑنے سے آدمی ایسا ہی گنہگار ہوتا ہے جیسا کہ واجب کے چھوڑنے

دوسرے کثرت جماعت کا ثواب بے حساب ہے اس واسطے کہ نماز جماعت کا ثواب اکیلے کی نماز سے پچیس حصے زیادہ ہوتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا صلوٰۃ الجماعۃ تفضل صلوٰۃ الفذ بخمس وعشرین درجۃ رواہ البخاری ومسلم اور بعض روایات میں ستائیس درجے آیا ہے بہرحال یہ ثواب جماعت کا اقل عدد جماعت سے حاصل ہوتا ہے کہ وہ امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک سوائے امام کے تین شخص ہیں اور امام ابویوسف کے نزدیک دو شخص اور جس قدر اس پر زیادہ ہوں گے اسی حساب سے ثواب بھی بڑھتا جائے گا ظاہر ہے کہ جو گنجائش کثرت جماعت کی میدان عیدگاہ میں ہو گی وہ کسی مسجد میں ممکن نہیں پس ثواب نماز عیدگاہ کا بسبب زیادہ ہونے نمازیوں کے زیادہ ہوگا جیسا کہ تنویر الحوالک شرح موطا امام مالک میں بروایت ابن عباس مروی ہے فضل صلوٰۃ الجماعۃ علی صلوٰۃ الواحد خمس وعشرون درجۃ فان کانوا اکثر فعلی عدد من فی المسجد فقال رجل وان کانوا عشرۃ آلاف قال نعم وان کانوا یعین الفاھذا یدل علی ان التضعیف المذکور فی الجماعۃ مرتب علی اقل عدد یحصل بہ الجماعۃ فیزید بزیادۃ المصلین نظر برآن اگر سب مساجد شہر کی جماعتیں ٹوٹ کر عیدگاہ جاویں تو کس قدر کثرت جماعت سے ثواب بے حساب اور اجر کثیر پاویں۔

تیسرے فی نفسہٖ عیدگاہ میں نماز پڑھنے کا بہت بڑا ثواب ہے اس واسطے کہ موافق اس حدیث کے صلوٰۃ فی مسجدی ھذا خیر من الف صلوٰۃ فیما سواہ الا المسجد الحرام مسجد نبوی کی ایک نماز کا ثواب سوائے نماز مسجد کعبہ کے اور مساجد کی ہزار نماز ول سے افضل اور بڑھ کر ہے مثلاً دو رکعتیں عید کی مسجد نبوی میں پڑھی جاویں تو دو ہزار رکعت کا ثواب ملے گا پھر باایں ہمہ افضلیت وکثرت ثواب کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی کو چھوڑ کر عیدگاہ میں نماز پڑھتے تھے تو بیشک یہاں ان دو رکعتوں کا ثواب دو ہزار رکعت سے بھی زیادہ ہوگا اور اجر کثیر ملے گا

چلتے تھے جو شخص محض اتباع سنت نبوی عیدگاہ جائے گا یقینی وہ سو شہیدوں کا ثواب

سے سے جماعت کی نماز کا ثواب اکیلے کی نماز سے پچیس گنا زیادہ ہوتا ہے اور اگر آدمی زیادہ ہوں تو ان کی تعداد کے مطابق ثواب بڑھتا ہے کسی نے کہا اگر بالفرض دس ہزار نمازی ہوں تو دس ہزار گنا ثواب ملے گا؟ انہوں نے کہا اگرچہ چالیس ہزار ہوں یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ پچیس گنا اجر سب سے کم درجہ جماعت پر ملتا ہے

کہ حدیث شریف میں وارد ہے من تمسک بسنتی عند فساد امتی فلہ اجر مأیۃ شہید
پانچویں جو کوئی بھائی مسلمانوں کو عیدگاہ کیطرف بلائے گا وہ برابر ان لوگوں کے ثواب
پائے گا جو اس نیک کام میں اس کے تابع ہوئے ہیں چنانچہ مسلم میں حدیث وارد ہے۔ من
دعا الی الھدی کان لہ من الاجر مثل اجور من تبعہ لا ینقص ذلک من اجورھم
شیئا اور مضمون حدیث من دل علی خیر فلہ اجر مثل فاعلہ کا بھی اسی پر دلالت کرتا ہے
چھٹے جو کوئی واسطے نماز کے جس قدر دور سے چل کر آوے گا اتنا ہی ثواب زیادہ پائے
گا کہ حدیث شریف میں وارد ہے اعظم الناس اجرا فی الصلوۃ ابعدھم فابعدھم
ممشی یعنی بڑا لوگوں میں از روئے ثواب کے نماز میں جو دور ان کا ہے پھر دوران کا ہے
چلنے میں یعنی جس کا گھر دور ہو مسجد سے بلکہ نماز کے واسطے جس قدر زیادہ چلتا ہوگا ہر ہر
قدم پر ایک ایک درجہ ثواب کا بڑھتا جاوے گا اور ایک ایک گناہ اس کا مٹتا جائے گا۔
چنانچہ حدیث میں وارد ہے من یذھب الی المصلی لم یخط خطوۃ الا رفعہ اللہ بھا
درجۃ وحط عنہ بھا خطیئۃ۔ پس ظاہر ہے کہ عیدگاہ جو باہر آبادی سے ہوتی ہے لا
محالہ بہ نسبت مساجد شہر کے دور ہوگی۔ پس ثواب اس کا بسبب زیادہ ہونے بعد مسافت
اور قدموں کے بھی زیادہ ہوگا
ساتویں ایک جگہ شہر کے کنارے عیدگاہ میں سب دینداربھائی جمع ہو کر نماز پڑھیں گے
تو کس قدر شوکت وشان دینی اور ترقی ورونق اسلامی ظاہر ہوگی اور کیسا کچھ مسلمانوں میں
اتفاق اور اتحاد باہمی ایک دوسرے کی ملاقات سے بڑھے گا اور اظہار فرحت وسرور
ہوگا کہ یہ باعث ہے نزول انوار رحمت کا اور سبب ہے حصول خیر وبرکت کا اور وسیلہ
ہے قبول حاجات کا اور ذریعہ ہے اجابت دعوات کا کہ حق تعالیٰ اس روز اپنے بندوں
کی طرف جو عیدگاہ میں جاتے ہیں متوجہ ہو جاتا ہے کہ انہوں نے تمام ماہ رمضان کے روزے
رکھے اور ہماری اطاعت کی آج کا دن ان کی مزدوری لینے کا ہے جو یہ مانگیں میں دوں گا
اور ان کی دعاؤں کو قبول کروں گا واللہ اعلم بالصواب وعندہ علم الکتاب حررہ العبد الآسی
محمد المدعو بعبد العلی المدراسی تجاوز اللہ عن جمیع المعاصی — محمد عبد العلی المدراسی

اور نمازیوں کے بڑھ جانے سے بڑھ جاتا ہے لے جو آدمی بھلائی کی طرف راہنمائی کرے اس کو بھلائی کرنے والے
کے برابر اجر ملتا ہے۔

ما احسن ہذا التقریر المتضمن للخبر الکثیر فی الواقع عیدگاہ میں نماز عیدین ادا کرنا سنت ہے اور ترک اس کا بلا عذر شرعی باعث ملامت ہے حق جل شانہ اہل اسلام کو توفیق اس سنت کے اجرا کی دیوے اور مخالفت سنت سے محفوظ رکھے حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔ ابوالحسنات محمد عبدالحی ۱۲۸۹

حامداً ومصلیاً مسلمان دیندار پر واضح ہو کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہی ہے کہ نماز عیدین باہر نکل کر عیدگاہ میں پڑھنی چاہیے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ الایۃ[1] ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ الایۃ اسی لئے تعامل خلفائے راشدین و دیگر صحابہ کرام وتابعین ومجتہدین ومحدثین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسی پر چلا آیا بنابراس کے تمامی فقہائے متقدمین ومتاخرین لکھتے چلے آتے ہیں کہ باہر جاکر جبانہ یعنی عیدگاہ میں نماز ادا کرنا سنت وشعائر اسلام سے ہے اگرچہ جامع مسجد گنجائش نماز کی رکھتی ہو۔[2] والخروج الیہا ای الجبانۃ لصلوۃ العید سنۃ وان وسعہم المسجد الجامع الی اخرما فی تنویر الابصار والدر المختار والکنز والہدایہ۔ وغیرہا من المتون والشروح والفتاوی۔

واللہ اعلم الراقم العاجز سید محمد نذیر حسین عفی عنہ سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱

سوال ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عیدین کی نماز مسجد میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو مسجد میں عیدین کی نماز ادا کرنے والے کو بدعتی کہہ سکتے ہیں یا نہیں اور مسجد میں عیدین کی نماز ادا کرنا بدعت ہے یا نہیں اور اگر جائز ہے تو میدان و مسجد میں کیا فرق ہے اور کون افضل ہے بینوا توجروا۔

الجواب ۔ عیدین کی نماز بالعذر مسجد میں پڑھنا جائز ہے جیسا کہ حدیث سے ابو داؤد وغیرہ کے معلوم ہوتا ہے کہ بے دن عذر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پایا نہیں گیا مسجد میں جو لوگ عیدین کی نماز ادا کرتے ہیں وہ البتہ تارک السنت ہیں بدعتی نہیں کہے جا سکتے کیونکہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بالعذر پایا گیا ہے دیگر حضرت

---

[1] تمہارے لئے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے الایہ اور جس نے رسول کی پیروی کی اس نے اللہ کی اطاعت کی

[2] عید کی نماز کیلئے عیدگاہ کی طرف باہر نکلنا سنت ہے اگرچہ جامع مسجد میں تمام لوگ سما سکتے ہوں۔ تنویر الابصار۔ در المختار۔ کنز۔ ہدایہ وغیرہ متون و شروح اور فتاوی میں ایسا ہی ہے۔

علیؓ نے بوڑھے وضعیف وغیرہ کے واسطے مسجد میں پڑھنے کی اجازت دی تھی میدان میں پڑھنا سنت ہے جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے لہذا میدان میں پڑھنا اولیٰ وافضل ہوگا حضرت علی فرماتے ہیں کہ اگر میدان میں پڑھنا سنت نہ ہوتا تو میں مسجد میں پڑھتا لولا انہ السنۃ لصلیت فی المسجد هکذا فی سبل السلام واللہ اعلم حررہ السید محمد عبدالحفیظ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال: بارہ تکبیریں جو عیدین میں ہوتی ہیں یہ مع تکبیر تحریمہ وتکبیر قیام کے ہیں یا کہ ان کے علاوہ ہیں بینوا توجروا۔

الجواب: عیدین میں جو بارہ تکبیروں کی جو روایتیں آئی ہیں ان میں بعض روایتوں میں لفظ سوی تکبیر الافتتاح واقع ہوا ہے اور بعض میں سوی تکبیرتی الرکوع وارد ہوا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عیدین کی بارہ تکبیریں تکبیر تحریمہ کے علاوہ ہیں اور امام مالک اور امام احمد وغیرہما کے نزدیک یہ بارہ تکبیریں مع تکبیر تحریمہ کے اور ان بارہ تکبیروں میں تکبیر قیام اور تکبیر رکوع کسی کے نزدیک داخل نہیں۔ قال النووی واما التکبیر المشروع فی اول صلوۃ العید فقال الشافعی هو سبع فی الاولیٰ غیر تکبیرۃ الاحرام وخمس فی الثانیۃ غیر تکبیرۃ القیام وقال مالک واحمد وابو ثور کذلک ولکن سبع فی الاولیٰ احدیٰهن تکبیرۃ الاحرام کذا فی عون المعبود صفحہ ۴۴۲ جلد ۱ اور نیل الاوطار صفحہ ۱۵۸ جلد ۳ میں ہے وقد تقدم فی حدیث عائشۃ عند الدارقطنی سوی تکبیرۃ الافتتاح وعند ابی داؤد سوی تکبیرتی الرکوع وهو دلیل لمن قال ان السبع لا تعد فیها تکبیرۃ الرکوع واحتج اهل القول الثانی باطلاق الاحادیث المذکورۃ فی الباب و

لہ اگر میدان میں پڑھنا سنت نہ ہوتا تو میں عید کی نماز مسجد میں پڑھتا۔ ۲ہ مشروع تکبیریں عید کی پہلی رکعت میں شافعی کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے علاوہ سات ہیں اور دوسری میں تکبیر قیام کے علاوہ پانچ ہیں۔ امام مالک احمد ابو ثور بھی پہلی رکعت میں سات کے قائل ہیں لیکن وہ تکبیر تحریمہ سمیت سات کہتے ہیں ۳ہ عائشہ کی حدیث میں ہے کہ تکبیر افتتاح اور رکوع کی تکبیروں کے علاوہ اور وہ ان لوگوں کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ ان سات میں تکبیر تحریمہ اور رکوع اور پانچ میں تکبیر رکوع شمار نہیں کی جائے گی اور دوسرے قول والے مطلق احادیث سے استدلال کرتے ہیں اور حضرت عائشہؓ کی اس حدیث کو ضعیف کہتے ہیں اور فقہا کہتے ہیں کہ دوسری میں پانچ تکبیریں تکبیر قیام کے علاوہ ہیں۔

اجابوا عن حدیث عائشة بانہ ضعیف انتہی حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں والفقہاء علی ان الخمس فی الثانیة غیر تکبیرة القیام کذا فی التعلیق المجد

سوال۔ عیدین کی تکبیریں حدیث شریف سے کس قدر ثابت ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ حدیث شریف سے نماز عیدین میں بارہ تکبیریں ثابت ہیں پہلی رکعت میں سات تکبیریں قبل قرأت کے اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں قبل قرأت کے اور یہی قول ہے اکثر اہل علم صحابہ وتابعین اور ائمہ کا اور یہی مروی ہے حضرت عمر اور ابوہریرۃ اور ابوسعید اور جابر اور ابن عمر اور ابن عباس اور ابوایوب اور زید بن ثابت اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے اور یہی قول ہے مدینہ کے فقہاء سبعہ مشہورین کا اور یہی قول ہے امام مالک اور امام اوزاعی اور امام احمد اور امام اسحق کا کما ذکرہ فی النیل صفحہ ۱۸۴ جلد ۳ منتقی الاخبار میں ہے عن[1] عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان النبی صلی کبر فی عید ثنتی عشرة تکبیرة سبعا فی الاولی وخمسا فی الاخرة ولم یصل قبلها ولا بعدها رواہ احمد وابن ماجہ قال احمد انا اذهب الی هذا وفی روایة قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم التکبیر فی الفطر سبع فی الاولی وخمس فی الاخرة والقراءة بعدهما کلیتهما رواہ ابوداؤد والدارقطنی قال القاضی الشوکانی فی النیل صفحہ ۱۸۲ جلد ۳ حدیث[2] عمرو بن شعیب قال العراقی اسنادہ صالح ونقل الترمذی فی العلل المفردة عن البخاری انہ قال انہ حدیث صحیح انتہی وقال الحافظ ابن حجر فی التلخیص صفحہ ۱۴۲ ورواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ والدارقطنی من حدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ وصححہ احمد وعلی والبخاری فیما حکاہ الترمذی انتہی موطا امام مالک صفحہ ۶۳ میں ہے عن[3] نافع مولی عبد اللہ بن عمر انہ قال شهدت الاضحی والفطر مع ابی هریرة فکبر فی الرکعة الاولی سبع تکبیرات قبل القراءة و

---

[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز میں بارہ تکبیریں پڑھیں سات پہلی میں اور پانچ دوسری میں اور اس سے پہلے یا پیچھے کوئی نماز نہ پڑھی امام احمد کا یہی مذہب ہے ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا عید الفطر میں سات تکبیریں پہلی رکعت میں ہے اور پانچ دوسری میں اور دونوں رکعتوں میں قرأت تکبیروں کے بعد ہے۔ [2] عراقی نے کہا اس کی سند اچھی ہے امام بخاری نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

[3] نافع عبد اللہ بن عمر کے غلام کہتے ہیں کہ میں نے عید الفطر اور عید الاضحی حضرت ابوہریرۃ کے پیچھے پڑھیں

وفی الاخرۃ خمس تکبیرات قبل القرأۃ قال مالک وھو الامر عندنا انتہی الحاصل حدیث صحیح مرفوع سے عیدین میں بارہ تکبیریں ثابت ہیں اور بارہ تکبیروں کے سوا اور اس سے کم وبیش تکبیرات کے بارے میں جو حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں وہ ضعیف ہیں۔ واللہ تعالے اعلم بالصواب حررہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سید محمد نذیر حسین — ابو العلی محمد عبدالرحمن

سوال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نفل پڑھنا عیدگاہ میں قبل نماز عید کے یا بعد نماز عید کے ثابت ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب - درصورت مرقومہ واضح ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عیدگاہ میں نفل پڑھنا ثابت نہیں ہے نہ قبل نماز عید کے اور نہ بعد نماز عید کے بلکہ نہ پڑھنا ثابت ہے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی یوم الفطر رکعتین لم یصل قبلھما ولا بعدھما رواہ البخاری ومسلم کذا فی المشکوۃ ترجمہ - ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھیں دن فطر کے دو رکعتیں نہ پڑھی پہلے ان کے اور نہ پیچھے ان کے روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم نے اور امت کو کرنے نہ کرنے دونوں میں اقتداء واتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لازم ہے چنانچہ اللہ تعالے فرماتا ہے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ الایۃ ونیز فرماتا ہے ما اتکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان احسن الکلام کلام اللہ وخیر الھدی ھدی محمد الحدیث - وما علینا الا البلاغ واللہ اعلم بالصواب حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

مسئلہ - واضح ہو کہ عیدگاہ میں نفل پڑھنے کی بابت علماء کا اختلاف ہے علماء سلف کوفہ کے قبل نماز عید کے عیدگاہ میں نفل پڑھنا جائز نہیں رکھتے اور بعد نماز کے جائز رکھتے ہیں اور علمائے بصرہ کے قبل نماز عید کے جائز رکھتے ہیں اور بعد نماز کے جائز نہیں

آپ نے پہلی رکعت میں سات تکبیریں قرأت سے پہلے کیں اور دوسری میں قرات سے پہلے پانچ تکبیریں امام مالک کا یہی مذہب ہے۔ جو رسول تمہیں دے اسے لے لو اور جس سے روکے اس سے باز آجاؤ۔ بہترین کلام اللہ کی کلام ہے اور بہترین راستہ محمد کا راستہ ہے۔

رکھتے اور علمائے مدینہ منورہ کے نہ قبل نماز عید کے جائز رکھتے ہیں اور نہ بعد نماز عید کے ان تینوں مذہبوں میں مذہب علمائے مدینہ منورہ کا مطابق فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہ گھر میں قبل نماز عید کے نفل نماز پڑھی ہے اور نہ عیدگاہ میں نہ قبل نماز کے نہ بعد نماز کے اور نہ صحابہ کرام سے کبھی پڑھنا منقول ہے پس یہی مذہب حق ہے اسی پر عمل کرنا چاہیئے۔ کہ اتباع سنت وترک سیۂ بدعیہ امت مرحومہ کو نصیب ہوا اور اتباع واقتدا آنحضرت صلعم کے فعل وترک فعل دونوں میں ضروری ہے قال اللہ تعالی لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ الآیۃ[1] وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احسن الکلام کلام اللہ واحسن الھدی ھدی محمد صلعم[2] اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہ گھر میں قبل نماز عید کے نفل پڑھے اور نہ عیدگاہ میں نہ قبل نماز عید کے اور نہ بعد نماز عید کے۔ تو جو کوئی برخلاف اس کے کرے یعنی عیدگاہ میں قبل نماز کے یا بعد نماز کے نفل پڑھے یا گھر میں نفل پڑھ کر عیدگاہ میں جاوے سو وہ حدیث من عمل عملا لیس علیہ امرنا فھو رد[3] کا مصداق ہوگا اور بہ سبب عدم ثبوت نفل کے عیدگاہ میں آنحضرت صلعم سے عبداللہ بن مسعود اور حذیفہ رضی اللہ عنہما عیدگاہ میں نفل پڑھنے سے لوگوں کو منع کرتے تھے[4] روی سعید بن منصور فی سننہ عن ابن سیرین ان ابن مسعود وحذیفۃ قاما فنھیا الناس ان یصلوا یوم العید قبل خروج الامام الی المصلی واللہ اعلم بالصواب حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

ھو الموفق۔ فی الواقع عیدگاہ میں نفل پڑھنا رسول اللہ صلعم سے ثابت نہیں نہ قبل نماز عید کے اور نہ بعد نماز عید کے بلکہ نہ پڑھنا ثابت ہے اور اسی طرح قبل نماز عید کے گھر میں بھی نفل پڑھنا ثابت نہیں ہاں بعد نماز عید کے گھر میں آکر دو رکعت نفل پڑھنا رسول اللہ صلعم سے ثابت ہے بلوغ المرام میں ہے عن ابی سعید[5] قال کان رسول اللہ صلعم لا یصلی

---

[1] تمہارے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے [2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین کلام اللہ کی کلام ہے اور بہترین راستہ محمد کا راستہ ہے [3] جو کوئی ایسا کام کرے جس پر ہمارا حکم نہیں ہے تو وہ کام مردود ہے [4] حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت حذیفہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے اور لوگوں کو عید کے دن امام کے نکلنے سے پہلے نفل نماز پڑھنے سے روکنے لگے [5] رسول اللہ صلعم عید کی نماز سے پہلے کچھ نہیں پڑھتے تھے اور

قبل العید شیئا فاذا رجع الی منزلہ صلی رکعتین رواہ ابن ماجہ باسناد حسن وقال فی السبل صفحہ ۲۷۳ جلد ۱ واخرجہ الحاکم واحمد وروی الترمذی عن ابن عمر نحوہ وصححہ انتہی۔ کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفی عنہ۔

اور جب گھر واپس آتے تو دو رکعت پڑھتے۔

کتاب التراویح

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کتنی رکعتیں نماز تراویح کی رسول اللہ صلی اللہ وسلم سے ثابت ہیں اور خلفائے راشدین کا کیا عمل رہا ہے اور فی زماننا بعض بعض آٹھ رکعت پر اکتفا کرتے ہیں اور بعض نے بیس رکعت پر مداومت کرنے کو زیادہ ثواب جانا ہے افعال واقوال جو آپ کے اور آپ کے خلفا کے ہوں بیان فرمائیں۔

الجواب۔ صورت مذکورہ فی السوال میں حال تراویح کا یہ ہے کہ زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ثبوت تراویح کا مختلف طور سے ہے۔ بعض روایات سے آٹھ ثابت ہوتی ہیں اور بعض سے بیس سے زیادہ بھی ثابت ہوتی ہیں لیکن زمانہ حضرت عمرؓ میں عمرؓ کے ارشاد کے موافق بیس رکعت پر اجماع ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے لا تجتمع امتی علی الضلالۃ ترجمہ۔ میری امت کا اجماع گمراہی پر نہیں ہو گا خاص کر صحابہ کرام کا اجماع اور صحاح میں یہ حدیث ہے علیکم[1] بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المهدیین جو شخص بیس رکعت سے انکار کرے وہ شخص حدیث علیکم بسنتی الخ کا منکر ہو گا اور جس حدیث سے بیس رکعت ثابت ہیں وہ یہ ہے فی[2] الموطا عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمن عمر بن الخطاب بثلاث وعشرین رکعۃ جو شخص کہ اجماع سے انکار کرے اس کی تنبیہ کے واسطے یہ حدیث کافی ہے من[3] شذ شذ فی النار یعنی جو مسلمانوں کے گروہوں سے جدا ہوا وہ دوزخ میں تنہا ہو گا العبد المجیب محمد وصیت مدرس مدرسہ حسین بخش۔

---

[1] تم میری سنت اور خلفائے مہدیین کی سنت پر عمل کرنا۔

[2] یزید بن رومان نے کہا حضرت عمر بن خطاب کے زمانے میں لوگ تئیس رکعت پڑھا کرتے تھے۔

[3] جو الگ ہوا وہ جہنم میں گیا۔

ہوالمصوب ۔ سوال مذکور کا یہ جواب جو مجیب نے لکھا ہے بالکل غلط ہے اب پہلے سوال مذکور کا صحیح جواب لکھا جاتا ہے پھر مجیب کے جواب کے غلط ہونے کی وجوہ لکھی جائیں گی پس واضح ہو کہ احادیث صحیحہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز تراویح کی مع وتر کے گیارہ رکعتیں ثابت ہیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے عن ابی سلمۃ بن عبد الرحمن انہ سأل عائشۃ رضی اللہ عنہا کیف کانت صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان فقالت ماکان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ الحدیث یعنی ابوسلمۃ بن عبد الرحمن سے روایت ہے کہ انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان میں کیونکر تھی یعنی آپ تراویح کی نماز کے رکعت پڑھتے تھے پس عائشہؓ نے فرمایا کہ آپ گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے نہ رمضان میں اور نہ غیر رمضان میں یعنی آنحضرت کی نماز تراویح کی تعداد گیارہ رکعت تھی جیسا کہ اس مدعیٰ کو ابن حبان وغیرہ کی یہ روایت خوب صراحت کے ساتھ ثابت کئے دیتی ہے عن جابر رضی اللہ عنہ قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان ثمان رکعات ثم اوتر الحدیث رواہ ابن خزیمۃ وابن حبان فی صحیحیھما ھکذا فی المفاتیح وسبل السلام ونیل الاوطار یعنی جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو رمضان میں آٹھ رکعت نماز پڑھائی پھر وتر پڑھے روایت کیا اس کو ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنے صحیح میں یہ حدیث صحیح وقابل احتجاج ہے کسی محدث نے اس کو ضعیف نہیں کہا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اُبَیّ اور تمیم داری کو نماز تراویح پڑھانے کا حکم کیا تو گیارہ ہی رکعت پڑھانے کا حکم کیا نہ زیادہ نہ کم موطا امام مالک میں ہے عن السائب بن یزید انہ قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب وتمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشر رکعۃ یعنی سائب بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم کیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت تراویح پڑھایا کریں سند اس کی بہت صحیح ہے اور مصنف ابن ابی شیبہ اور سنن سعید بن منصور میں بھی یہ روایت موجود ہے اور جب حضرت عمرؓ نے

لے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان میں کیسے ہوا کرتی تھی آپ نے کہا رمضان ہو یا غیر رمضان آپؐ کی نماز گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔

آٹھ رکعت تراویح پڑھنے کا حکم کیا تو ظاہر ہے کہ خود بھی گیارہ ہی رکعت پڑھتے رہے ہوں گے اور خلفائے راشدین میں سے حضرت ابوبکر وحضرت عثمان وحضرت علی رضی اللہ عنہم کا حال صحیح روایت سے ثابت نہیں کہ یہ لوگ کتنے رکعت پڑھتے تھے مگر جب حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ ہی رکعت تراویح پڑھتے تھے اور جن راتوں میں آپ نے صحابہؓ کے ساتھ باجماعت تراویح پڑھی ان راتوں میں بھی گیارہ ہی رکعت پڑھنا ثابت ہے تو ظاہر یہی ہے کہ یہ لوگ بھی گیارہ ہی رکعت تراویح پڑھتے رہے ہوں گے۔ خلاصہ جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تراویح گیارہ رکعت ثابت ہے اور خلفائے راشدین میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی گیارہ ہی رکعت ثابت ہے اور بقیہ خلفائے راشدین سے تراویح کی تعداد ثابت نہیں مگر ظاہر یہی ہے کہ یہ لوگ بھی گیارہ رکعت پڑھتے رہے ہوں گے۔ واللہ اعلم مجیب مذکور کے جواب مذکور کے غلط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے دو دعوے کئے ہیں اور دونوں دعوے باطل ہیں پہلا دعویٰ یہ کیا ہے کہ "زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ثبوت تراویح کا مختلف طور سے ہے بعض روایات سے آٹھ ثابت ہوتی ہیں بعض سے بیس اور بعض سے بیس سے زیادہ بھی ثابت ہوتی ہیں" اس دعویٰ کا بطلان بالکل ظاہر ہے اس واسطے کہ زمانہ نبوی میں ثبوت تراویح کا ہرگز مختلف طور سے نہیں ہے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور نہ کسی صحابی سے اوپر معلوم ہو چکا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف گیارہ رکعت تراویح پڑھتے تھے اور آپ سے بیس رکعت تراویح پڑھنے کی روایت جو بیہقی وغیرہ میں مروی ہے وہ بالکل ضعیف ہے اس کے ضعیف ہونے کی تصریح خود حنفیہ نے بھی کی ہے اور آپ سے بیس سے زیادہ پڑھنے کی تو کوئی روایت ہی نہیں آئی ہے اور زمانہ نبوی میں کسی صحابی سے بھی بیس رکعت یا بیس سے زیادہ پڑھنا ہرگز کوئی ثابت نہیں کر سکتا پس مجیب کا یہ پہلا دعویٰ سراسر غلط و باطل ہے اور دوسرا دعویٰ یہ ہے کہ "زمانہ حضرت عمرؓ میں عمرؓ کے ارشاد کے موافق بیس رکعت پر اجماع ہو گیا ہے" یہ دوسرا دعویٰ بھی بالکل غلط و سراسر باطل ہے زمانہ حضرت عمرؓ میں گیارہ رکعت پر اجماع ہونا البتہ ثابت ہے جیسا کہ سائب بن یزید کی روایت مذکورہ بالا سے ظاہر ہے و نیز موطا کی اس روایت سے ظاہر ہے عن داؤد بن الحصین انہ سمع الاعرج یقول ما ادرکت الناس الا وھم یلعنون الکفرۃ فی رمضان

وکان القاری یقرأ البقرۃ فی ثمان رکعات فاذا قام بہا فی اثنتی عشرۃ رکعۃ رأی الناس انہ خفف یعنی داؤد بن حصین سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے اعرج سے سنا وہ کہتے تھے کہ نہیں پایا میں نے لوگوں کو مگر اس حالت میں کہ وہ کافروں پر لعنت کرتے تھے رمضان میں اور قاری پڑھتا تھا سورہ بقرہ آٹھ رکعتوں میں اور جب کبھی سورہ بقرہ کو بارہ رکعتوں میں پڑھتا تو لوگ سمجھتے کہ آج اس نے تخفیف کی۔ اس روایت سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ زمانہ عمر بن الخطاب میں عام طور پر آٹھ رکعت تراویح پڑھی جاتی تھی اور کبھی کبھی بارہ رکعت پڑھ لی جاتی تھی اور مجیب نے جو بیس رکعت کے ثبوت میں اور بیس رکعت پر اجماع ہونے کے ثبوت میں یزید بن رومان کی حدیث موطا سے نقل کی ہے سو یہ حدیث صحیح نہیں ہے بلکہ منقطع ہے یزید بن رومان نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا ہے امام زیلعی حنفی تخریج ہدایہ میں لکھتے ہیں ویزید بن رومان لم یدرک عمر انتہی الحاصل مجیب مذکور کا جواب دو دعووں پر مشتمل ہے اور دونوں دعوے غلط و باطل ہیں لہذا مجیب کا جواب مذکور غلط ہے اور ہاں مجیب کا جواب مذکور خود اجلہ فقہائے حنفیہ کے قول سے بھی باطل ہے علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ جو مذہب حنفی کے بہت بڑے حامی ہیں فتح القدیر میں صاف لکھتے ہیں کہ تراویح گیارہ رکعت سنت ہے فتحصل من ھذا ان قیام رمضان احدی عشرۃ رکعۃ بالوتر فی جماعۃ فعلہ علیہ السلام انتہی ما فی فتح القدیر بقدر الحاجۃ یعنی تحریر بالا سے یہ بات حاصل ہوئی کہ تراویح گیارہ رکعت مع وتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے اور ایسا ہی بحر الرائق شرح کنز الدقائق و طحطاوی میں ہے کہ تراویح اسی قدر سنت ہے جس قدر آنحضرت سے ثابت ہے یعنی گیارہ رکعت مع وتر۔ اور فتح المعین شرح الشرح کنز کی ہے اس میں فتاوے شرنبلالیہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جماعت کے ساتھ تراویح پڑھائی تھی وہ گیارہ ہی رکعت تھی اور وہ حدیث جو روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے علاوہ بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے سو یہ حدیث ضعیف ہے وفی الشرنبلالیۃ الذی فعلہ علیہ السلام بالجماعۃ احدی عشرۃ رکعۃ بالوتر وما روی انہ کان یصلی فی رمضان عشرین سوی الوتر ضعیف انتہی ما فی فتح المعین دیکھو ان اجلہ فقہا کے قول سے مجیب

کا جواب مذکور کیسا صاف باطل ہوتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب حررہ السید عبدالحفیظ عفی عنہ سید محمد نذیر حسین

ہو الموفق۔ فی الواقع احادیث صحیحہ سے گیارہ ہی رکعت تراویح مع وتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے جیسا کہ مجیب ثانی نے لکھا ہے اور کسی حدیث صحیح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیس رکعت تراویح پڑھنا یا اس سے زیادہ پڑھنا ہرگز ثابت نہیں اور بیس رکعت کی حدیث جو حنفیہ پیش کرتے ہیں وہ ضعیف و ناقابل احتجاج ہے اور باوجود ضعیف ہونے کے حضرت عائشہؓ کی گیارہ رکعت والی حدیث صحیح کے خلاف ہے علمائے حنفیہ نے بھی اس کی تصریح کی ہے علامہ ابن الہمام فتح القدیر صفحہ ۲۰۵ جلد ا میں لکھتے ہیں واما ما روی ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ والطبرانی وعنہ البیہقی من حدیث ابن عباس انہ علیہ السلام کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر فضعیف بابی شیبۃ ابراھیم بن عثمان جد الامام ابی بکر بن ابی شیبۃ متفق علی ضعفہ مع مخالفتہ للصحیح انتہی یعنی جو ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور طبرانی اور بیہقی نے ابن عباس کی حدیث سے روایت کی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعت وتر کے سوا پڑھتے تھے سو یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کا راوی ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان جو امام ابوبکر ابن ابی شیبہ کا دادا ہے باتفاق ائمہ حدیث ضعیف ہے علاوہ بریں یہ حدیث صحیح کے مخالف بھی ہے اور علامہ عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری صفحہ ۳۵۸ جلد ۲ میں لکھتے ہیں فان قلت روی ابن ابی شیبۃ من حدیث ابن عباس کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر قلت ھذا الحدیث رواہ ایضا ابو القاسم البغوی فی معجم الصحابۃ قال حدثنا منصور بن مزاحم ثنا ابو شیبۃ عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس الحدیث وابو شیبۃ ھو ابراھیم بن عثمان العبسی الکوفی قاضی واسط جد ابی بکر بن ابی شیبۃ کذبہ شعبۃ وضعفہ احمد وابن معین والبخاری والنسائی و غیرھم واورد لہ ابن عدی ھذا الحدیث فی الکامل فی مناکیرہ انتہی یعنی اگر تم سوال کرو کہ ابن ابی شیبہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کی ہے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے تو میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ اس حدیث کو ابوالقاسم بغوی نے بھی معجم صحابہ میں روایت کیا ہے اور ابوشیبہ جو اس حدیث کا ایک راوی ہے اس کا نام ابراہیم بن عثمان ہے اور ابوبکر بن ابی شیبہ کا دادا ہے شعبہ نے اس کو جھوٹا کہا ہے اور امام احمد اور بخاری اور نسائی وغیرہم نے اس کو ضعیف کہا ہے اور ابن عدی نے کامل میں اس حدیث کو ابوشیبہ کی منکر حدیثوں میں درج کیا ہے اور علامہ زیلعی حنفی تخریج ہدایہ صفحہ ۲۹۳ جلد ا میں لکھتے ہیں روی ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ والطبرانی وعنہ البیہقی من حدیث ابراہیم بن عثمان بن ابی شیبۃ عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر الی قولہ وہو معلول بابی شیبۃ ابراہیم بن عثمان جد الامام ابی بکر بن ابی شیبۃ وہو متفق علی ضعفہ ولینہ ابن عدی فی الکامل ثم انہ مخالف للحدیث الصحیح انتہی۔ یعنی ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور طبرانی اور بیہقی نے ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کی حدیث سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعت پڑھتے تھے سوی وتر کے اور یہ حدیث معلول ہے یعنی ضعیف ہے اس وجہ سے کہ اس کا ایک راوی ابوشیبہ ابراہیم بالاتفاق ضعیف ہے اور ابن عدی نے کامل میں اس کو ضعیف کہا ہے پھر باوجود ضعیف ہونے کے عائشہؓ کی حدیث صحیح کے مخالف ہے دیکھو علامہ ابن الہمام اور علامہ عینی اور حافظ زیلعی جیسے جلیل القدر علماء حنفیہ نے بیس رکعت والی حدیث کی کس طرح پر صاف صاف تضعیف کی ہے اور علاوہ ان علماء حنفیہ کے علمائے محدثین نے بھی تضعیف کی ہے دیکھو تلخیص الحبیر صفحہ ۱۱۹ اور فتح الباری صفحہ ۱۳۷ جلد ۲ اور نیل الاوطار صفحہ ۲۹۹ جلد ۲ حاصل یہ کہ احادیث صحیحہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گیارہ ہی رکعت تراویح پڑھنا ثابت ہے اور آپ کا بیس رکعت تراویح پڑھنا کسی حدیث صحیح سے ہرگز ہرگز ثابت نہیں اور بیس رکعت والی حدیث بالکل ضعیف و غیر معتبر ہے اس کے راوی ابوشیبہ کو شعبہ نے جھوٹا کہا ہے اور شعبہ کے سوا اور محدثین نے اس کو ضعیف و غیر معتبر بتایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعت سے زیادہ تراویح پڑھنے کی کوئی حدیث ہی نہیں آئی ہے نہ ضعیف اور نہ غیر ضعیف اور زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں

کسی صحابیؓ سے بھی بیس رکعت یا بیس رکعت سے زیادہ تراویح پڑھنا ہرگز ثابت نہیں ہے۔ بلکہ صحابہؓ نے جو اپنی تراویح کی رکعتوں کی کبھی تصریح کی ہے تو اسی قدر جس قدر احادیث صحیحہ سے ثابت ہے یعنی آٹھ رکعت اور وتر۔ امام محمد بن نصر مروزی کی کتاب قیام اللیل صفحہ ۱۶۰ میں ہے وعن جابر جاء ابی بن کعب فی رمضان فقال یارسول اللہ کان اللیلۃ شئی قال وما ذالک یا ابی قال نسوۃ داری قلن انا لا نقرأ القرآن فنصلی خلفک بصلوتک فصلیت بھن ثمان رکعات والوتر فسکت عنہ وکان شبہ الرضا یعنی جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابی بن کعب رمضان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ رات کو ایک بات ہوگئی ہے آپ نے فرمایا کونسی بات ہوگئی ہے اے ابی انہوں نے عرض کیا کہ میرے گھر کی عورتوں نے کہا کہ ہم لوگ قرآن نہیں پڑھتے ہیں پس ہم لوگ تمہارے پیچھے نماز پڑھیں گے اور تمہاری اقتدا کریں گے تو میں نے ان کو آٹھ رکعت تراویح اور وتر پڑھائے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر سکوت کیا اور گویا اس بات کو پسند فرمایا۔ ہمارے اتنے بیان سے صاف واضح ہے کہ مجیب اول کی یہ بات کہ " زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ثبوت تراویح کا مختلف طور سے ہے بعض روایات سے آٹھ ثابت ہوتی ہیں اور بعض سے بیس اور بعض سے بیس سے زیادہ بھی ثابت ہوتی ہیں " غلط بات ہے اور فی الواقع خلفائے راشدین میں سے بجز حضرت عمرؓ کے اور کسی سے صحیح سند سے کچھ ثابت نہیں کہ وہ حضرات کئے رکعت تراویح پڑھتے تھے یا کئے رکعت تراویح پڑھانے کا حکم فرماتے تھے ہاں حضرت عمرؓ سے بسند صحیح ثابت ہے کہ آپ گیارہ رکعت تراویح پڑھانے کا حکم فرماتے تھے جیسا کہ مجیب ثانی نے موطا کی بہت صحیح روایت سے اس کو ثابت کیا ہے اور امام بیہقی کی کتاب معرفۃ السنن والآثار میں ہے قال الشافعی اخبرنا مالک عن محمد بن یوسف عن السائب ابن یزید قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب وتمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ الحدیث یعنی سائب بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ گیارہ رکعت تراویح لوگوں کو پڑھایا کریں

اور اسی طرح پر امام محمد بن نصر مروزی کی کتاب قیام اللیل صفحہ ۱۶۲ میں بھی ہے اور زمانہ عمر بن الخطاب میں حسب حکم حضرت عمرؓ کے عموماً تمام لوگ گیارہ ہی رکعت تراویح پڑھتے تھے چنانچہ حافظ جلال الدین سیوطی اپنے رسالہ المصابیح صفحہ ۱۹ فی صلوۃ التراویح میں لکھتے ہیں کہ سنن سعید بن منصور میں ہے حدثنا عبد العزیز بن محمد حدثنی محمد بن یوسف سمعت السائب بن یزید یقول کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب باحدی عشرۃ رکعۃ الحدیث۔ یعنی سائب بن یزید کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عمر کے زمانہ میں گیارہ رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے حافظ سیوطی اس روایت کی سند کی نسبت لکھتے ہیں سندہ فی غایۃ الصحۃ۔ یعنی اس روایت کی سند نہایت صحیح ہے دیکھو نہایت صحیح سند سے ثابت ہوا کہ حضرت عمر کے زمانہ میں عموماً تمام لوگ حضرت عمر کے حکم سے گیارہ ہی رکعت تراویح پڑھتے تھے رہی یہ بات کہ حضرت عمرؓ خود کے رکعت تراویح پڑھتے تھے۔ سو بالکل ظاہر ہے کہ جب آپ اوروں کو گیارہ رکعت پڑھنے کا حکم فرماتے تھے تو خود بھی گیارہ ہی رکعت پڑھتے رہے ہوں گے اور مجیب اول نے جو موطا سے یہ روایت نقل کی ہے عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمن عمر بن الخطاب بثلاث وعشرین رکعۃ یعنی یزید بن رومان سے روایت ہے کہ لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تیئس رکعت تراویح پڑھتے تھے" سو یہ روایت منقطع ہے اس وجہ سے ضعیف وغیر معتبر ہے علمائے حنفیہ نے بھی اس روایت کے منقطع ہونے کی تصریح کی ہے علامہ عینی حنفی رح عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری صفحہ ۸۰۴ جلد ۲ میں لکھتے ہیں ویزید لم یدرک عمر ففیہ انقطاع یعنی یزید بن رومان نے حضرت عمر کا زمانہ نہیں پایا ہے پس اس کی سند منقطع ہے دیز اسی کتاب کے صفحہ ۳۵۶ جلد ۵ میں لکھتے ہیں رواہ مالک فی الموطا باسناد منقطع یعنی امام مالک نے اس کو موطا میں سند منقطع سے روایت کیا ہے اور حافظ زیلعی نے بھی اس روایت کی سند کو منقطع بتایا ہے حاصل یہ کہ خلفائے راشدین میں سے حضرت عمر کے زمانہ میں حضرت عمرؓ کے حکم سے عموماً تمام لوگوں کا گیارہ رکعت تراویح پڑھنا نہایت صحیح سند سے ثابت ہے اور آپ کے زمانہ میں آپ کے حکم سے عموماً تمام لوگوں کا تیئس رکعت مع وتر پڑھنا ہرگز ہرگز کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے ہمارے اتنے بیان سے صاف واضح ہو گیا کہ مجیب اول کی یہ بات کہ "زمانہ حضرت عمرؓ میں عمرؓ کے ارشاد

کے موافق بیس رکعت پر اجماع ہوگیا" بالکل غلط ہے اور گیارہ رکعت تراویح کے قائلین کی نسبت مجیب اول نے جو تعریضاً ایک بے جا اور نا ملایم تقریر لکھی ہے وہ خود انہیں پر اور ان کے ہم خیالوں پر عائد ہوگئی۔ کتبہ محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سوال۔ چہ می فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ تراویح سنت موکدہ است یا غیر موکدہ و تعریف سنت موکدہ در اصول فقہ چہ می نویسند و بر فعلیکہ صحابہ رضی اللہ عنہم مواظبت فرمودہ اند سنت موکدہ است یا نہ ہرچہ محقق نزد جناب باشد موافق اصول فقہ تحریر فرمایند۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ باید دانست کہ در تمام کتب اصول فقہ تعریف سنت موکدہ ہمیں قدر می کنند کہ ھی ما واظب علیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و مواظبت صحابہ رضی اللہ عنہم را کسے از اصولیین سنت موکدہ ننوشتہ پس بریں تقریر تراویح بر مواظبت رسول اللہ علیہ السلام کہ شارع اند و ہر فعل کہ برآں مواظبت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ثابت نہ شدہ گو برآں مواظبت صحابہ ثابت شدہ باشد آں فعل سنت موکدہ نخواہد شد و تراویح از ہمیں قسم است پس موکدہ نخواہد شد علاوہ آنکہ مواظبت خلفائے راشدین بر بست رکعت تراویح چنانکہ فقہاء می نویسند از کتب احادیث ثابت نمی شود۔ واللہ اعلم۔

سید شریف حسین | سید محمد نذیر حسین | محمد اسد علی

سوال۔ چہ فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین درصورت خواندن مردمان بالغ و عاقل نماز فرض و سنت و نفل خصوصاً تراویح برائے سماعت ختم قرآن خلف صبیان نابالغ جائز است یا نہ۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ امامت نابالغ در فرائض نزد فقہاء حنفیہ جائز نیست و در تراویح و سنن مطلقہ نزد المشایخ و غیرہم جائز است لکن از حدیث صحیح بخاری وغیرہ صحت امامت نابالغ در فرائض ثابت است و چون در فرائض جائز شد پس در تراویح و سنن بدرجہ اولیٰ جائز خواہد شد۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سید محمد نذیر حسین

سوال۔ سننا قرآن کا اور پڑھنا اجرت کے ساتھ نماز تراویح میں جائز ہے یا نہیں ایسی تراویح کا ثواب ہوگا یا نہیں۔

الجواب۔ سننا قرآن کا اور پڑھنا اجرت کے ساتھ نماز تراویح میں جائز

ہے اور ثواب ہوگا عند الائمۃ الثلاثۃ وعامۃ اہل حدیث خلافاً للحنفیہ کما فی الکتب الدینیۃ واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

سید محمد عبدالسلام غفرلہ

سید محمد ابوالحسن

ہوالموفق۔ بعض ائمہ سلف سے ثابت ہے کہ وہ اجرت کے ساتھ تراویح کا پڑھنا اور سننا جائز نہیں رکھتے تھے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے اس امام کے بارے میں سوال کیا گیا جو لوگوں سے کہے کہ اتنے روپیہ پر تم لوگوں کو رمضان میں تراویح پڑھاؤں گا آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتا ہوں ایسے امام کے پیچھے کون نماز پڑھے گا عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں مکروہ سمجھتا ہوں کہ اجرت کے ساتھ نماز پڑھی جائے اور فرمایا ڈرتا ہوں کہ ان لوگوں پر نماز کا اعادہ واجب ہو مصعب نے عبداللہ بن معقل کو حکم کیا کہ رمضان میں جامع مسجد میں لوگوں کو نماز پڑھائیں پس جبکہ افطار کیا تو مصعب نے پانچ سو درہم اور ایک حلہ عبداللہ بن معقل کے پاس بھیجا تو انہوں نے واپس کر دیا اور کہا کہ میں قرآن پر اجرت نہیں لیتا کذا فی قیام اللیل لمحمد بن نصر المروزی میرے نزدیک انہیں بعض ائمہ سلف کا قول قابل قبول ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

کتاب الجنائز

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ منع فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قطعی رات کے وقت دفن کرنے کو۔ عمرو اس مسئلہ کی تفسیر کا متلاشی ہے اندر دئے شرع شریف کے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب۔ رات کے وقت مردہ دفن کرنا جائز ہے چنانچہ حضرت کے زمانہ میں ایک شخص تھے کہ رات کو ان کا انتقال ہو گیا اور رات ہی کو لوگوں نے ان کو دفن بھی کر دیا۔ پھر صبح ہوئی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ واقعہ بیان کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے مجھ کو کیوں خبر نہ کی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر کے پاس تشریف لیگئے اور ان پر جنازہ کی نماز پڑھی منتقی میں ہے عن[1] ابن عباس قال مات انسان کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعودہ فمات بالیل فدفن لیلاً فلما اصبح اخبروہ فقال ما منعکم ان تعلمونی قالوا کان اللیل فکرھنا وکانت ظلمۃ ان نشق علیک فاتی قبرہ فصلی علیہ رواہ البخاری وابن ماجہ وقال البخاری ودفن ابوبکر لیلا جب لوگوں نے رات کو دفن کرنے کا اپنا واقعہ بیان کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا کہ مجھ کو کیوں نہ خبر کی میں بھی تمہارے دفن میں شریک ہوتا اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ رات کو دفن کرنا جائز ہے ہاں البتہ بعض حدیث سے ممانعت کا شبہ ہوتا ہے چنانچہ منتقی میں ہے عن[2] جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطب یوماً فذکر رجلا من اصحابہ قبض وکفن فی کفن غیر طائل

---

[1] عبداللہ بن عباس نے کہا ایک آدمی رات کو فوت ہو گیا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت (بیمار پرسی) کرتے تھے) اور رات ہی کو اس کو دفن کر دیا گیا جب صبح ہوئی تو آپ کو اطلاع دی گئی آپ نے فرمایا تم نے مجھے کیوں نہ اطلاع دی انہوں نے کہا رات تھی اور اندھیرا تھا آپ کو تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا پھر آپ اس کی قبر پر آئے اور نماز پڑھائی۔

وقبر لیلا فزجر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یقبر الرجل لیلا حتی یصلی علیہ الا ان یضطر انسان الی ذلک وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا کفن احدکم اخاہ فلیحسن کفنہ رواہ احمد ومسلم وابوداؤد لیکن فی الحقیقت اس سے ممانعت نہیں ثابت ہوتی کیونکہ حدیث کا لفظ یوں ہے فزجر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یقبر الرجل لیلا حتی یصلی علیہ اس جملے سے صاف ثابت ہے کہ رات کے وقت دفن کرنا مطلقاً ممنوع نہیں ہے بلکہ بغیر نماز کے رات کو دفن کرنا ممنوع ہے لہذا زید کا مطلقاً یہ کہنا کہ منع فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قطعی رات کے وقت دفن کرنے کو "صحیح نہیں ہے ہاں البتہ بغیر نماز پڑھے رات کو دفن کرنا ممنوع ہے جیسا کہ حضرت جابرؓ کی حدیث سے ثابت ہے خلاصہ یہ کہ رات کو مردہ دفن کرنا جائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سید محمد نذیر حسین

ہو الموفق ۔ اگر رات کو تجہیز وتکفین اور نماز جنازہ ہو سکے تو رات کو دفن کرنا بلا شبہ جائز ودرست ہے کما یدل علیہ حدیث ابن عباسؓ المذکور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رات ہی کو دفن کئے گئے تھے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی رات ہی کو دفن کی گئی تھیں حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں استدل المصنف (ای الامام بخاریؒ) للجواز ای لجواز الدفن باللیل) بما ذکرہ من حدیث ابن عباس ولم ینکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیہم دفنہم ایاہ باللیل بل انکر علیہم عدم اعلامہم بامرہ وایدی ذلک بما صنع الصحابۃ بابی بکر وکان ذلک کالاجماع منہم علی الجواز وصح ان علیا دفن فاطمۃ لیلا

صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ دیا آپ کے صحابہ میں سے ایک آدمی کا ذکر کیا گیا کہ وہ فوت ہو گیا ہے اور اسے معمولی قسم کا کفن دیا گیا ہے اور اسے رات ہی میں دفن کیا گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈانٹ کر منع فرمایا کہ کسی آدمی کو رات کو دفن نہ کیا جائے تاکہ اس پر جنازہ کی نماز کثرت سے پڑھی جائے ہاں اگر مجبوری ہو تو علیحدہ بات ہے اور فرمایا جب کوئی تم میں سے اپنے بھائی کو کفن دے تو اچھا کفن دے لے امام بخاریؒ نے ابن عباس کی حدیث سے رات کو دفن کرنے کے متعلق استدلال کیا ہے اور کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو دفن کرنے سے منع نہیں فرمایا بلکہ ان کو اطلاع نہ دینے کیوجہ سے زجر کی اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ صحابہ نے حضرت ابوبکر کو رات کے وقت دفن کیا تو یہ ایک طرح کا اجماع ہوا اور حضرت علی نے حضرت فاطمہؓ کو رات کے وقت دفن کیا۔

انتہیٰ ملخصاً قاضی شوکانی نیل الاوطار صفحہ ۱۳۳ جلد ۳ میں لکھتے ہیں والاحادیث المذکورۃ فی الباب تدل علی جواز الدفن باللیل وبہ قال الجمہور وکرہ الحسن البصری واستدل بحدیث ابی قتادۃ وفیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم زجران یقبرالرجل لیلا حتی یصلی علیہ واجیب عنہ ان الزجر منہ صلی اللہ علیہ وسلم انما کان لترک الصلوۃ لالدفن باللیل اولاجل انہم کانوا یدفنون باللیل لرداءۃ الکفن فالزجر انما ھو لما کان الدفن باللیل مظنۃ اسائۃ الکفن کما تقدم فاذا لم یقع تقصیر فی الصلوۃ علی المیت وتکفینہ فلا باس بالدفن لیلا۔ واللہ اعلم۔ کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ [محمد شمس الحق]

سوال۔ اگر کوئی مشرک کا جنازہ واسطے دفعہ فتنہ کے پڑھے اور صرف تکبیریں کہے اور دعائیں نہ پڑھے کیونکہ اگر جنازہ سے انکار کرتا ہے تو لوگ گاؤں سے نکالتے ہیں تو اس کے لئے کیا حکم ہے جائز ہے یا منع ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ نماز جنازہ مشرکین مجاہرین کسی صورت جائز نہیں قال اللہ تعالیٰ[۲] انما المشرکون نجس وقال اللہ تعالیٰ ان اللہ لایغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء پس جب مشرک ہرگز مغفور نہیں تو اس کے لئے جنازہ (کہ سراسر استغفار ہے) لغو ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو جب منافقین کے جنازے سے منع کیا تو مشرک کا بطریق اولے ممنوع ہوگا قال[۳] اللہ تعالیٰ ولا تصل علی احد منہم مات ابدا ولا تقم علی قبرہ (تنبیہ) باقی ایسے امور میں انسان کو ڈرنا چاہیئے کہ اگر مشرک کا جنازہ وغیرہ نہ پڑھوں گا تو گاؤں سے یا دیار شہر سے نکالا جاؤں گا بلکہ دلیر ہو کر جہاں تک ہو

---

[۱] اس باب میں مندرجہ احادیث دلالت کرتی ہیں کہ رات کو مردے کو دفن کیا جا سکتا ہے جمہور کا یہی مذہب ہے حسن بصری اسے مکروہ جانتے ہیں اور انہوں نے ابوقتادہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو دفن کرنے سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ اس پر نماز پڑھی جائے اور اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک نماز کی وجہ سے ممانعت کی ہے نہ کہ رات کو دفن کرنے سے اور اس لئے بھی رات کو ردی سا کفن دے دیا کرتے تھے اور جب نماز جنازہ اور کفن میں تقصیر نہ ہو تو پھر رات کو دفن کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے [۲] اللہ تعالےٰ نے فرمایا مشرک ناپاک ہیں اور فرمایا اللہ کسی کو شرک نہیں بخشے گا اور اس کے علاوہ اور گناہ جس کو چاہے بخش دے [۳] اللہ تعالےٰ نے فرمایا اگر ان میں سے کوئی مر جائے تو اس کی نماز نہ پڑھ

سے قول حدیث ابی قتادۃ کذا فی النیل والصواب بحدیث جابر کما لایخفی علی من طالع فی النیل باب استحباب احسان الکفن

اتباع سنت کا خیال رکھنا چاہیئے قال اللہ تعالیٰ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجو اللہ والیوم الآخر وذکر اللہ کثیرا فقط واللہ اعلم بالصواب و الیہ المرجع والمآب حررہ العبد الضعیف الراجی رحمۃ ربہ القوی ابو حریر عبد العزیز الملتانی غفر اللہ لہ ولوالدیہ واحسن الیہما والیہ الجواب صحیح والرائے نجیح ۔

سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱ — سید محمد عبد السلام ۱۲۹۹ — سید محمد ابو الحسن ۱۳۰۵ — ابو سعید محمد حسین ۱۲۰۹ھ

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک جنازہ پر لوگ نماز جنازہ سے فارغ ہو گئے ہوں پھر بعد نماز کے اور قبل دفن کے ایک یا دو آدمی یا زیادہ آ جاویں اور ان کو نماز جنازہ نہ ملی ہو تو کیا وہ لوگ دوبارہ جنازہ مذکور پر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ صورت مسئولہ میں جنازہ مذکور پر دوبارہ نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں اس واسطے کہ نماز جنازہ ایک دفعہ ہو جانے کے بعد پھر دوبارہ پڑھنا ان لوگوں کو درست ہے جن کو نماز جنازہ نہ ملی ہو ایک مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے رات کے وقت ایک شخص کے جنازہ کی نماز پڑھ کر اس کو دفن کر دیا اور رات کی تاریکی کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر نہ کی صبح کو جب آپ کو خبر ہوئی تو آپ نے اس کی قبر پر جنازہ کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی جیسا کہ حدیث متفق علیہ میں آیا ہے پس جب بعد دفن کے قبر پر جنازہ کی نماز دوبارہ پڑھنی جائز ہے تو قبل دفن کے میت پر جنازہ کی نماز دوبارہ پڑھنی تو بدرجہ اولیٰ جائز ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تکرار نماز جنازہ شافعی مذہب میں درست ہے اس واسطے کہ دعا ہے میت کے لئے۔ اور تکرار دعا کی ممنوع نہیں اور حنفی مذہب میں بھی درست ہے یا نہیں اور اگر درست نہیں ہے تو اس کی کیا دلیل ہے بینوا توجروا۔

اور اس کی قبر پر بھی نہ جا۔ لہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ کے رسول میں اس آدمی کے لئے بہترین نمونہ ہے جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو۔ اور اللہ کی یاد میں بکثرت مشغول رہتا ہو۔

الجواب - دلیل حنفیوں کی یہ ہے کہ جب ایک بار نماز جنازہ کی پڑھی گئی پھر دوسری بار نہ چاہیئے کیوں کہ فرض ادا ہو گیا اور تنفل اس نماز میں مشروع نہیں مگر ولی کو اعادہ پہنچتا ہے اس صورت کہ غیر ولی و سلطان نے نماز پڑھی ہو لان الحق لہ اور شافعیہ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز قبر پر پڑھی بعد اس کے کہ اہل میت نماز پڑھ چکے تھے علمائے حنفیہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حضرت نے نماز اس لیے پڑھی کہ وہ ولی تھے لقولہ تعالی النبی اولی بالمومنین من انفسھم[1] واللہ اعلم حررہ سید شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال - کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ (۱) نماز جنازہ ایک بار ہو چکی پھر اور آدمی آئے انھوں نے بھی نماز پڑھی تو یہ نماز جائز ہے یا نہیں (۲) غائب کی بھی نماز پڑھنی چاہیے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب - جنازہ پر دوبار نماز پڑھنی جائز ہے مشکوۃ شریف میں ہے عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر بقبر دفن لیلا فقال متی دفن ھذا قالوا البارحۃ قال افلا اذنتمونی قالوا دفناہ فی ظلمۃ اللیل فکرھنا ان نوقظک فقام فصففنا خلفہ فصلی متفق علیہ۔ یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر پر گذرے جس میں مردہ رات کو مدفون ہوا تھا آپ نے فرمایا یہ کب مدفون ہوا ہے لوگوں نے کہا شب گذشتہ کو آپ نے فرمایا تو مجھے تم لوگوں نے کیوں خبر نہیں دی لوگوں نے کہا اندھیری رات میں ہم نے دفن کیا اس وجہ سے آپ کو جگانا مناسب نہیں سمجھا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (نماز جنازہ کے لئے کھڑے ہوئے اور ہم لوگ آپ کے پیچھے صف باندھ کر کھڑے ہوئے پس آپ نے نماز جنازہ پڑھی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ ہونے کے بعد مردہ دفن ہو چکا ہو تو اس کی قبر پر دوبارہ نماز جنازہ پڑھنا درست ہے پس جب دفن کے بعد قبر پر دوبارہ نماز جنازہ درست ہے تو قبل دفن کے تو بدرجہ اولی درست ہوگی۔ اور اس کی تائید حضرت علی کے اثر سے ہوتی ہے جس کو صاحب کنز العمال نے بایں لفظ نقل کیا ہے صلی علی علی جنازۃ بعد ما صلی علیھا۔ یعنی حضرت علی نے ایک

[1] ایمانداروں کے لئے نبی ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہے۔

جنازہ پر نماز پڑھی بعد اس کے کہ اس پر نماز پڑھی جا چکی تھی۔ جواب سوال دوم (۲) نماز جنازہ غائب پر پڑھنا درست ہے اور یہی مذہب ہے امام شافعی اور امام احمد اور جمہور سلف رحمہم اللہ کا حتی کہ ابن حزم نے کہا ہے کہ کسی صحابی سے غائب پر نماز جنازہ پڑھنے کی ممانعت نہیں آئی ہے لحن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی علی اصحمۃ النجاشی فکبر علیہ اربعا وفی لفظ قال توفی الیوم رجل صالح من الحبش فھلموا فصلوا علیہ فصففنا خلفہ فصلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیہ ونحن صفوف متفق علیہ کذا فی المنتقی قال القاضی الشوکانی فی شرحہ[1] قد استدل بھذہ القصۃ القائلون بمشروعیۃ الصلوۃ علی الغائب عن البلد قال فی الفتح وبذلک قال الشافعی واحمد وجمہور السلف حتی قال ابن حزم لم یات عن احد من الصحابۃ منعہ انتہی۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غائب کا جنازہ پڑھنا درست ہے یا نہیں اگر ہے تو بعد تین روز کے بھی جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: غائب کا جنازہ پڑھنا جائز ہے اور یہی ہے مذہب امام شافعی اور امام احمد اور جمہور سلف کا اور تین روز کے بعد بھی جائز ہے کیونکہ تین روز کے بعد ناجائز ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے۔ عن[2] جابر بن عبد اللہ یقول قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد توفی الیوم رجل صالح من الحبش فھلموا فصلوا علیہ قال فصففنا فصلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ونحن صفوف حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں[3] استدل بہ علی مشروعیۃ الصلوۃ علی المیت الغائب عن

---

[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحمہ نجاشی (بادشاہ) پر غائبانہ نماز پڑھی چار تکبیریں کہیں اور فرمایا آج حبشہ کا ایک نیک آدمی فوت ہو گیا ہے آؤ اور صف بناؤ اور نماز پڑھو سو ہم نے آپ کے پیچھے صف بنائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نماز پڑھی اور ہم صفوں میں کھڑے تھے کہ امام شوکانی نے کہا اس واقعہ سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو غائبانہ جنازہ کے قائل ہیں امام شافعی احمد اور جمہور کا یہی مذہب ہے ابن حزم نے کہا اس کا انکار کسی بھی صحابی سے ثابت نہیں[2] کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج حبشہ کا ایک نیک آدمی فوت ہو گیا ہے آؤ اس پر نماز پڑھو ہم نے صفیں بنائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی[3] اس حدیث سے غائبانہ جنازہ پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے امام شافعی احمد اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔ ابن حزم نے کہا کسی صحابی سے غائبانہ

ایلد وبذلک قال الشافعی واحمد وجمہور السلف حتی قال ابن حزم لم یأت عن احد من الصحابة منعه قال الشافعی الصلوٰة علی المیت دعاء له وهو اذا کان ملففا یصلی علیه فکیف لا یصلی وهو غائب او فی القبر بذلک الوجه الذی یدعی له وهو ملفف انتهی

واللہ اعلم کتبہ محمد عبد العزیز مرشد آبادی عفی عنہ ۲۱ شوال ۱۳۱۸ھ   سید محمد نذیر حسین

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل مندرجہ ذیل میں کہ ایک شخص کبھی نماز پنجگانہ ادا کرتا تھا کبھی نہیں سو ایسے شخص کی نماز جنازہ پڑھنی چاہیئے یا نہیں دوئم ایک شخص نماز عید کی پڑھتا تھا پنجگانہ نماز ترک کرتا تھا لیکن اقرار کرتا تھا کہ میں نماز پڑھوں گا سو اس کی نماز جنازہ پڑھنی چاہیئے یا نہیں سوئم ہمارے گاؤں میں ایک امام ہیں وہ اس قسم کے جنازے نہیں پڑھاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اس میت کی ٹانگ میں ایک رسی باندھ کر ستر قدم کھینچو جب نماز پڑھوں گا علمائے دین سے سوال ہے کہ مسائل مرقوم الصدر کے جواب مع عبارت کتب معتبرہ تحریر فرماویں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ وہو الموفق للصواب جملہ سوال مرقومہ سے اول اور دوئم صورت کا یہ جواب ہے کہ حضرات ائمہ اربعہ علیہم الرحمۃ اور جملہ اہل سنت وجماعت قامع وقالع اہل بدعت کے نزدیک ان دونوں شخصوں کی نماز جنازہ ضرور چاہیے اور ہرگز ایسے شخصوں کی نماز نہ چھوڑنی چاہیے اور ان کو بے نماز نہ دفن کرنا چاہیئے کیونکہ ایسے اشخاص کہ نماز گنڈے دار پڑھتے ہیں یا فقط عید بقر عید کی پڑھتے ہیں یا تمامی عمر نہیں پڑھتے مگر فرضیت نماز سے کبھی انکار ثابت نہیں ہوا تو یہ لوگ اہل اسلام اور داخل اہل اسلام ہیں اگرچہ فاسق اور اشد گنہ گار نماز نہ پڑھنے پر ہیں لیکن کافر مطلق نہیں ہیں جو ان کے جنازہ کی نماز نہ پڑھی جائے شرعاً کافر کی نماز جنازہ اور اس کے لئے دعا استغفار کی ممانعت اہل اسلام کو ہے فاسق کے واسطے نماز جنازہ اور دعاء استغفار کی ممانعت وارد نہیں چنانچہ اس پر اجماع صحابہ اور تابعین اور ائمہ دین متین کا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ولا تصل علی

جنازہ کی ممانعت ثابت نہیں ہے امام شافعی نے کہا میت پر جنازہ اس کے لئے دعا ہے جب وہ کفن پیٹا ہوا ہے تو قبر کے اندر چلے جانے یا غائب ہونے کی صورت میں دعا منع کیسے ہو جاتی ہے

[1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر کوئی ان میں سے مرجائے تو اس پر کبھی نماز نہ پڑھو اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہو یہ آیت صاف دلالت کرتی ہے کہ کافر کا جنازہ نہیں پڑھنا چاہیئے اور دفن کے وقت یا زیارت کے لئے

احد منهم مات ابداً ولا تقم على قبره انهم كفروا بالله ورسوله وماتوا وهم فاسقون وهذه الآية اعنى قوله تعالى ولا تصل على احد منهم مات ابدا ولا تقم على قبره صريحة فى النهى عن الصلوة على الكافر وقوله تعالى ولا تقم على قبره عطف على لا تصل اى لا تقف على قبره للدفن او للزيارة وقوله تعالى انهم كفروا بالله الخ تعليل لتابيد الموت او لعدم جواز الصلوة والقيام على القبر ويعني قوله تعالى وهم فاسقون وهم كافرون لان الصلوة على الفاسق جائز باجماع الصحابة والتابعين ومضى عليه العلماء الصالحون وهو مذهب اهل السنة والجماعة وانما اختلف فيه الروافض خاصة فيجب حمله على معنى الكفر وهو الفسق المطلق وقد شاع استعماله فى القرآن كما فى قوله تعالى افمن كان مومنا كمن كان فاسقا وغيره (تفسيرات احمديه مختصراً) وشرطها اسلام الميت وطهارته (تنوير الابصار) جواب سوال سوم کا یہ ہے کہ گاؤں کے امام صاحب جو فرماتے ہیں کہ "اس میت کی ٹانگ میں ایک رسی باندھ کر ستر قدم کھینچو جب نماز پڑھوں گا" سو یہ ان کا فرمانا غلط ہے ہرگز قابل اعتبار نہیں کیونکہ اس میں توہین میت ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو شرافت و عظمت حیاً و میتاً بخشی ہے قال اللہ تعالیٰ ولقد کرمنا بنی آدم دوم اس میں اذیت و تکلیف میت پہنچے گی اور میت مسلم کو اذیت و تکلیف دینی حرام اور ممنوع و موجب اثم ہے قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كسر عظم الميت ككسره حيا رواه الامام مالك وابو داؤد وابن ماجه (مشکوٰۃ شریف) قال القارى فى قوله عليه السلام ككسره حيا يعنى فى الاثم كما فى رواية قال الطيبى اشارة الى انه لا يهان الميت كما لا يهان الحى وقال

اس کی قبر پر جانا چاہیے اور فاسق کا معنی اس آیت میں کافر ہے کیونکہ فاسق کا جنازہ پڑھنا باجماع صحابہ و تابعین جائز ہے سلف صالحین اور اہل سنت کا یہی مذہب ہے ہاں شیعہ اس کے خلاف ہیں تو ضروری ہے کہ یہاں فاسق کے معنی کافر کے کئے جائیں اور فاسق کے الفاظ کافر کی جگہ قرآن مجید میں کئی جگہ آئے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "کیا مومن فاسق کی طرح ہو سکتے ہیں" ے جنازہ کے لئے میت کا مسلمان اور پاک ہونا شرط ہے۔
ے ہم نے بنی آدم کو بزرگی عطا فرمائی ے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میت کی ہڈی توڑنا ایسا ہی ہے جیسے زندہ آدمی کی ہڈی توڑنا" یعنی اور دونوں کا گناہ برابر ہے طیبی نے کہا میت کی توہین کرنا ایسا ہی ہے جیسے زندہ کی توہین کرنا۔ ابن مالک نے کہا میت بھی اسی طرح دکھ محسوس کرتی ہے جیسے زندہ۔ عبداللہ بن مسعود نے کہا میت بھی تکلیف محسوس کرتی ہے اور جیسے زندہ آدمی لذت محسوس کرتا

ابن الملك والی ان المیت یتالم قال ابن حجر ومن لازمه ان یستلذ بما یلتذ به الحی۔

انتہی۔ وقد اخرج ابن ابی شیبۃ عن ابن مسعود اذی المومن فی موتہ کاذاہ فی حیاتہ۔ ذکرہ فی المرقاۃ اور حضرات فقہا ارشاد فرماتے ہیں کہ میت کو ایسے نیم گرم پانی سے غسل دینا چاہیئے کہ جس سے میت کو اذیت و تکلیف نہ پہنچے حیف ہے جناب امام صاحب مذکور فی السوال کو کہ یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میت کی ٹانگ میں ایک رسی باندھ کر قدم کھینچو جب نماز پڑھو گا خدا جانے کس شریعت پر عمل کرتے ہیں جو توہین اور اذیت میت مسلم پر آمادہ و مستعد ہوتے ہیں اور خلاف شریعت غرا پر راضی ہیں العجب کل العجب امام جی کو ایسے مسئلے گھڑنے سے توبہ و استغفار کرنی چاہیئے کہ ایسی گھڑت کی باتوں سے رخنہ دین اور فتنہ شرع متین میں پڑتا ہے قال الشامی قولہ (والاخذ بالماء حار ص مغلی) ای اغلاء وسطالان المیت یتاذی مما یتاذی بہ الحی درالمختار حاشیہ درالمختار والله اعلم اجابہ وکتبہ الفقیر محمد یعقوب عفا الله عنہ الذنوب۔ تارک الصلوۃ فاسق ویجوز صلاۃ الجنازۃ علیہ حرره فتح محمد الجواب صحیح بندہ ضیاء الحق مدرس امینیہ۔ الجواب صحیح بندہ محمد قاسم مدرس مدرسہ امینیہ الجواب صحیح محمد عبدالغفور مدرس مدرسہ امینیہ سید محمد نذیر حسین

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز جنازہ اندر مسجد یا صحن مسجد اندر وئے مذہب حنفیہ جائز ہے یا نہیں اور از روئے کتاب الله و سنت رسول الله کیا ہے ارقام فرمادیں بینوا توجروا۔

الجواب۔ نماز جنازہ مسجد میں ازروئے مذہب حنفیہ کے مکروہ ہے مسجد کے اندر ہو خواہ صحن مسجد میں ہو بعض فقہائے حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے اور بعض کے نزدیک مکروہ تنزیہی امام محمد اپنے موطا میں لکھتے ہیں لا یصلی علی جنازۃ فی المسجد اور اس کے حاشیہ میں ہے ای کرہت الصلوۃ علیہا فیہ کراہتہ تحریمہ فی روایۃ وتنزیہ فی روایۃ ھو اولی انتہی اور شرح وقایہ میں ہے وکرہت فی مسجد جماعۃ ان کان المیت

۱؎ میت بھی کرتی ہے ۔ شامی نے کہا میت کو خالص گرم پانی سے غسل دینا چاہیئے اور پانی زیادہ گرم ہو کیونکہ جن چیزوں سے زندہ کو تکلیف ہوتی ہے مردے کو بھی ہوتی ہے ۲؎ جنازہ کی نماز مسجد میں پڑھنا مکروہ ہے بعض کے نزدیک مکروہ تحریمی اور بعض کے نزدیک تنزیہی اولیٰ ہی صحیح ہے ۳؎ جنازہ کی نماز جماعت والی مسجد میں مکروہ ہے بشرطیکہ میت بھی مسجد میں ہو۔

فیہ اور اس کے حاشیہ میں ہے قیل[1] تحریما کما حققہ قاسم بن قطلوبغا فی رسالۃ مستقلۃ لہ والیہ مال اکثر المتاخرین وقیل تنزیھا ورجحہ المحقق ابن الھمام فی الفتح وتلمیذہ کابن امیر حاج فی الحلیۃ وغیرھما انتھی اور از روئے حدیث صحیح کے مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا جائز و درست ہے منتقی الاخبار میں ہے عن[2] عائشۃ انھا قالت لما توفی سعد بن ابی وقاص ادخلوا بہ المسجد حتی اصلی علیہ فانکروا ذلک علیھا فقالت لقد صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابنی بیضا فی المسجد سھیل و اخیہ رواہ مسلم وفی روایۃ ما صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی سھیل بن البیضاء الا فی جوف المسجد رواہ الجماعۃ الا البخاری اس حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا ثابت ہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جنازہ کی نماز مسجد ہی میں پڑھی گئی تھی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ کے درست اور جائز ہونے پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع و اتفاق تھا۔ فتح الباری میں ہے وقد[3] روی ابن ابی شیبۃ وغیرہ ان عمر صلی علی ابی بکر فی المسجد وان صھیبا صلی علی عمر فی المسجد زاد فی روایۃ ووضعت الجنازۃ فی المسجد تجاہ المنبر وھذا یقتضی الاجماع علی جواز ذلک اور حنفیہ جو مسجد میں نماز جنازہ کے مکروہ ہونے پر ابوداؤد کی حدیث من[4] صلی علی جنازۃ فی المسجد فلا شئی لہ سے استدلال کرتے ہیں سو یہ ان کا استدلال صحیح نہیں کیونکہ یہ حدیث ضعیف ہے اور جو یہ کہتے ہیں کہ مردہ نجس ہوتا ہے اس وجہ سے جنازہ کی نماز مسجد میں پڑھنا

---

[1] نماز جنازہ مسجد میں مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ ابن قطلوبغا نے اپنے ایک مستقل رسالہ میں اس کی تحقیق کی ہے اور اکثر متاخرین کا یہی مذہب ہے اور بعض نے مکروہ تنزیہی کہا ہے ابن ہمام اور اس کے شاگرد ابن امیر الحاج نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

[2] جب حضرت سعد بن ابی وقاص فوت ہوئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا اس کو مسجد میں لے آؤ تاکہ میں اس پر نماز پڑھوں لوگوں نے اس کو برا محسوس کیا تو آپ نے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیضاء کے بیٹوں سہل و سہیل کا جنازہ مسجد میں ہی تو پڑھا تھا [3] ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کا جنازہ مسجد میں پڑھایا اور حضرت صہیب نے حضرت عمر کا جنازہ مسجد میں پڑھایا اور ان کی چارپائی مسجد کے درمیان منبر کے سامنے رکھی گئی" اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کا اس کے جواز پر اجماع تھا [4] جو مسجد میں جنازہ کی نماز پڑھے اس کو

مکروہ ہے سوان کی یہ بات بھی ٹھیک نہیں کیونکہ مردہ کی نجاست کسی دلیل سے ثابت نہیں بلکہ میت مسلم کی طہارت ثابت ہے اور جو یہ کہتے ہیں کہ "حضرت عائشہ نے جب یہ کہا کہ سعد بن ابی وقاص کا جنازہ مسجد میں داخل کرو کہ میں بھی ان کے جنازہ کی نماز پڑھوں تو صحابہؓ نے ان پر انکار کیا اس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ مسجد میں مکروہ ہے" سو حنفیہ کی یہ بات بھی ٹھیک نہیں کیونکہ حضرت عائشہؓ نے صحابہؓ کے انکار کرنے پر انکار کیا اور ان کو یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سہل اور سہیل کے جنازہ کی نماز مسجد ہی میں پڑھی تھی صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عائشہؓ سے یہ حدیث سن کر ان کے انکار کو تسلیم کر لیا اور مسجد میں نماز جنازہ کے جواز کو سب نے قبول کر لیا علامہ شوکانی نیل الاوطار میں لکھتے ہیں والحدیث (ای حدیث عائشۃ المذکور) یدل علی جواز ادخال المیت فی المسجد والصلوۃ علیہ فیہ وبہ قال الشافعی واحمد واسحق والجمہور قال ابن عبد البر ورواہ المدنیون فی الموطا عن مالک وبہ قال ابن حبیب المالکی وکرہہ ابن ابی ذئب وابوحنیفۃ ومالک فی المشہور عنہ وکل من قال بنجاسۃ المیت واجابوا عن حدیث الباب بانہ محمول علی ان الصلوۃ علی ابنی بیضاء وھما کانا خارج المسجد والمصلون داخلہ وذلک جائز بالاتفاق ورد بان عائشۃ استدلت بذلک لما انکروا علیہا امرہا بادخال الجنازۃ المسجد واجابوا ایضا بان الامر استقر علی ترک ذلک لان الذین انکروا علی عائشۃ کانوا من الصحابۃ ورد بان عائشۃ لما انکرت ذلک الانکار سلموا لہا فدل علی انہا حفظت ما نسوہ وان الامر استقر علی الجواز ویدل علی ذلک الصلوۃ

کوئی اعتراض نہیں۔ [1] حضرت عائشہ کی حدیث دلالت کرتی ہے کہ میت کو مسجد میں داخل کرنا اور اس پر نماز پڑھنا جائز ہے امام شافعی، احمد، اسحق، جمہور، ابن حبیب مالکی اور بقول ابن عبدالبر امام مالک کی بھی ایک روایت میں یہی مذہب ہے اور ابن ابی ذئب، امام ابوحنیفہ اور ایک روایت کے مطابق امام مالک اس کو مکروہ سمجھتے ہیں مکروہ کہنے والے حضرت عائشہ کی حدیث کے جواب میں کہتے ہیں کہ بیضا کے بیٹوں کی لاشیں مسجد سے باہر رکھی گئی تھیں اور جماعت مسجد میں ہوئی تھی قائلین اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اگر لاشیں باہر رکھی گئی ہوتیں تو حضرت عائشہ سعد کا جنازہ مسجد کے اندر داخل کرنے پر کیسے استدلال کرتیں منکرین یہ بھی کہتے ہیں اگر مسجد میں جنازہ منع نہ ہوتا تو صحابہ حضرت عائشہ پر انکار ہی کیوں کرتے اس کا جواب یہ ہے کہ جب عائشہؓ نے جواب میں ان کو بیضا کے بیٹوں کا حوالہ دیا تو وہ خاموش کیوں ہو گئے معلوم ہوا کہ صحابہ ایک واقعہ کو بھولے ہوئے تھے اور

علی ابی بکر وعمر فی المسجد کما تقدم وایضا العلۃ التی لاجلہا کرہوا الصلوۃ علی المیت فی المسجد ہی زعمہم انہ نجس وہی باطلۃ لما تقدم ان المومن لاینجس حیا ولا میتا و انہض علی ما استند الیہ القائلون بالکراہۃ ما اخرجہ ابوداود عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من صلی علی جنازۃ فی المسجد فلاشئی لہ و اخرجہ ابن ماجہ ولفظہ فلیس لہ شئی وفی اسنادہ صالح مولی التوأمۃ وقد تکلم فیہ غیر واحد من الائمۃ قال النووی واجابوا عنہ یعنی الجمہور باجوبۃ احدہا انہ ضعیف لایصح الاحتجاج بہ قال احمد بن حنبل ہذا حدیث ضعیف تفرد بہ صالح مولی التوأمۃ وہو ضعیف والثانی ان الذی فی النسخ المشہورۃ المحققۃ المسموعۃ من سنن ابی داود من صلی علی جنازۃ فی المسجد فلاشئی علیہ فلاحجۃ لہم حینئذ والثالث انہ لو ثبت الحدیث وثبت انہ فلاشئی لہ لوجب تاویلہ بان لہ بمعنی علیہ لنجمع بین الروایتین قال وقد جاء بمعنی علیہ کقولہ تعالی وان اسأتم فلہا والرابع انہ محمول علی نقص الاجر فی حق من صلی فی المسجد ورجع ولم یشیعہا الی المقبرۃ لما فاتہ من تشییعہ الی المقبرۃ وحضور دفنہ انتہی حررہ یوسف عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: زید مقروض مرا اور کچھ بھی ترکہ نہیں چھوڑا اس کے وارث بیٹے یعنی ابن عمین اور بھائی ایک اور بی بی ایک ہے ان ورثہ میں سے کون کون کتنا کتنا قرضہ ادا کرنے کا

نے اس کو یاد رکھا تھا اور بالآخر سب کا اتفاق مسجد میں جنازہ پڑھنے پر ہو گیا اور حضرت ابوبکر وعمر کا جنازہ بھی مسجد میں پڑھایا گیا جو مسجد میں جنازہ مکروہ کہتے ہیں وہ اس لیے کہتے ہیں کہ ان کے نزدیک میت پاک نہیں اور یہ بالکل غلط ہے کیونکہ مومن نہ زندگی میں پلید ہے نہ مرنے کے بعد اور کراہت کی بنیاد ابوداود کی روایت پر رکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسجد میں جنازہ پڑھے اس کو کوئی اجر نہیں ہے اس کے کئی ایک جواب ہیں پہلا یہ کہ یہ حدیث ضعیف ہے اس کی سند میں صالح مولی توأم ضعیف ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ صحیح اور محقق نسخوں میں فلیس لہ شئی (اس کو کوئی اجر نہیں ہے) کی بجائے فلیس علیہ شئی (اس کو کوئی گناہ نہیں) کے لفظ ہیں تیسرا یہ کہ لام بمعنی علی عربی زبان میں بکثرت استعمال ہوتا ہے قرآن مجید میں ہے وان اساتم فلہا چوتھا یہ کہ اس آدمی کا اجر کم ہوتا ہے جو مسجد میں صرف جنازہ پڑھ کر واپس آجائے اور دفن کرنے کے لئے قبرستان میں نہ جائے۔

ذمہ دار ہے۔ بینوا توجروا

الجواب۔ وارثان زید میں سے کوئی اس کے قرضہ ادا کرنے کا شرعاً ذمہ دار نہیں ہے ہاں اگر وہ تبرعاً و احساناً اپنی اپنی حسب لیاقت قرضہ ادا کریں اور اس کو بار قرض سے سبکدوش کر دیں تو بہت اچھی بات ہے اور اس صورت میں کچھ متعین نہیں ہے کہ فلاں اس قدر دے اور فلاں اس قدر دے اگر ایک ہی کل قرضہ ادا کر دے تو بھی ادا ہو جاوے گا

سید محمد نذیر حسین

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت مومنہ بے قرار کو زیارت قبور مطابق سنت رخصت ہے یا نہیں اور بعد وفات کے روح انسان کی چالیس روز تک ہفتہ وار آتی ہے یا نہیں یا تمام عمر آتی رہتی ہے اور بعد وفات کے نابالغ کی روح پڑھتی ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ اگر عورت صابر ہے اور اس سے کسی قسم کے فتنہ کا خوف نہیں ہے اور نہ اس امر کا خوف ہے کہ قبرستان میں جا کر رو دے گی چلائے گی اور بے صبری کی حرکتیں کرے گی تو اس کے لئے گاہے گاہے زیارت قبور مطابق سنت کے جائز و رخصت ہے اور اگر بے صبر ہے اور اس سے امر مذکور کا خوف ہے تو اس کے لئے جائز نہیں نیل الاوطار میں ہے قال[1] القرطبی هذا اللعن انما هو للمكثرات من الزيارة لما تقتضيه الصفة من المبالغة ولعل السبب ما يفضي اليه ذلك من تضييع حق الزوج والتبرج وما ينشأ منهن من الصياح ونحو ذلك فقد يقال اذا امن من جميع ذلك فلا مانع من الاذن لان تذكر الموت يحتاج اليه الرجال والنساء انتهى وهذا الكلام هو الذي ينبغي اعتماده في الجمع بين الاحاديث المتعارضة في الظاهر انتهى باقی رہا بعد مرنے کے انسان کی روح کا آنا یا نابالغ کی روح کا پڑھنا سو ان باتوں کا

---

[1] قرطبی نے کہا قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر جو لعنت آئی ہے یہ بطور مبالغہ ہے اور قبرستان میں اکثر اوقات جانے والی عورتوں کے متعلق ہے کیونکہ اس سے خاوند کے حقوق ضائع ہوتے ہیں بے پردگی ہوتی ہے۔ بعض دفعہ نوحہ کرنے لگتی ہیں اگر یہ چیزیں نہ ہوں تو پھر جائز ہے کیونکہ موت کی یاد کے لئے جیسے مرد محتاج ہیں ایسے ہی عورتیں بھی محتاج ہیں اس سے دونوں طرح کی حدیثوں کی تطبیق ہو جاتی ہے۔

شریعت میں کچھ ثبوت نہیں ہے۔ واللہ اعلم حررہ ابو محمد عبد الحق اعظم گڑھی عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

ھو الموفق۔ مردوں کے واسطے زیارت قبور بالاتفاق سنت ہے اور عورتوں کی نسبت اختلاف ہے اکثر علما کے نزدیک عورتوں کے لئے بھی زیارت قبور جائز و رخصت ہے اور بعض علما کے نزدیک مکروہ ہے اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ عورتوں کی زیارت قبور کی نسبت حدیثیں مختلف آئی ہیں جو اہل علم عورتوں کے لئے بھی زیارت قبور کو جائز بتاتے ہیں ان کی پہلی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو ایک قبر کے پاس روتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ اللہ سے ڈر اور صبر کر (رواہ البخاری) اور آپ نے اس کو قبر کے پاس بیٹھنے سے منع نہیں فرمایا اور دوسری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم لوگوں کو زیارت قبور سے منع کیا تھا سو تم لوگ قبروں کی زیارت کرو (رواہ مسلم) وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ اجازت مردوں اور عورتوں دونوں کو شامل ہے اور (۳) تیسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اپنے بھائی عبد الرحمن کی قبر کی زیارت کی تو ان سے کسی نے کہا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو زیارت قبور سے منع نہیں کیا ہے انہوں نے کہا ہاں منع کیا تھا مگر پھر ان کو زیارت قبور کا حکم کیا (رواہ الحاکم) اور (۴) چوتھی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یا رسول اللہ جب میں قبروں کی زیارت کروں تو کیا کہوں آپ نے فرمایا کہ جب تو قبروں کی زیارت کرے تو کہہ السلام علی الدیار (الحدیث) (رواہ مسلم) اور (۵) پانچویں دلیل یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ ہر جمعہ کو اپنے چچا حمزہؓ کی قبر کی زیارت کرتی تھیں (رواہ الحاکم وھو مرسل) اور (۶) چھٹی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اپنے باپ ماں دونوں کی یا ایک کی قبر کی زیارت ہر جمعہ کو کیا کرے تو اس کی مغفرت کی جاوے گی اور وہ بار لکھا جاوے گا (رواہ البیہقی فی شعب الایمان مرسلا) اور جو لوگ عورتوں کے لئے زیارت قبور کو مکروہ بتاتے ہیں ان میں بعض مکروہ بکراہت تحریمی کہتے ہیں اور بعض مکروہ بکراہت تنزیہی۔ ان لوگوں کی پہلی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالے نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت

کی ہے (اخرجہ الترمذی وصححہ) اور (۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فاطمہؓ کو سامنے آتے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ کہاں سے آتی ہو انھوں نے کہا کہ اس میت کی تعزیت کو گئی تھی آپ نے فرمایا شاید تو جنازہ کے ہمراہ کدیٰ یعنی قبرستان میں گئی تھی انھوں نے کہا نہیں (اخرجہ احمد والحاکم وغیرہما) ان لوگوں کی یہی دو دلیلیں ہیں علامہ قرطبی نے ان متعارض ومختلف احادیث کی جمع وتوفیق میں جو مضمون لکھا ہے اس کا خلاصہ مجیب نے جواب میں لکھ دیا ہے اور علامہ شوکانی نے اس کو اعتماد کے قابل ولایق بتایا ہے اور بلاشبہ جمع وتوفیق کی یہ صورت بہت اچھی ہے واللہ تعالےٰ اعلم وعلمہ اتم۔ حافظ ابن حجر فتح الباری صفحہ ۲۶۲ جزو ۵ میں لکھتے ہیں[1] واختلف فی النساء فقیل دخلن فی عموم الاذن وھو قول الاکثر ومحلہا اذا امنت الفتنۃ ویؤید الجواز حدیث الباب وموضع الدلالۃ منہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم لم ینکر علی المرأۃ قعودھا عند القبر وتقریرہ حجۃ وممن حمل الاذن علی عمومہ للرجال والنساء عائشۃ فروی الحاکم من طریق ابن ابی ملیکۃ انہ راٰھا زارت قبر اخیہا عبد الرحمن فقیل لہا الیس قد نہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلک قالت نعم کان نہی ثم امر بزیارتہا وقیل الاذن خاص بالرجال ولا یجوز للنساء زیارۃ القبور وبہ جزم الشیخ ابو اسحٰق فی المہذب واستدل لہ بحدیث عبد اللہ بن عمرو الذی تقدمت الاشارۃ الیہ فی باب اتباع النساء بجنائز وبحدیث لعن اللہ زوارات القبور اخرجہ الترمذی وصححہ من حدیث ابی ھریرۃ ولہ شاھد من

---

[1] قبروں کی زیارت کے لئے عورتوں کے جانے میں اختلاف ہے اکثر کا یہ مذہب ہے کہ جب قبروں کی زیارت کی اجازت ہوئی تو اس میں عورتوں کو بھی اجازت ہوگی بشرطیکہ زیادہ نہ جائیں اور وہاں جاکر بے صبری نہ کریں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو قبر کے پاس بیٹھے دیکھا تو اس کو منع نہ کیا حضرت عائشہ اپنے بھائی عبد الرحمٰن کی قبر پر زیارت کے لئے گئیں کسی نے کہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو قبرستان میں جانے سے روکا ہے کہنے لگیں جب روکا تھا تو سب کو روکا تھا اور جب اجازت ہوئی تو عورتوں کو بھی ہوگئی ابو اسحٰق نے مہذب میں کہا ہے کہ اجازت صرف مردوں کو ہوئی ہے عورتوں کو نہیں مانعین عبد اللہ بن عمر کی حدیث سے اور لعن اللہ زوارات القبور سے استدلال کرتے ہیں پھر مکروہ کہنے والوں میں سے بعض مکروہ تنزیہی کہتے ہیں اور بعض مکروہ تحریمی۔ قرطبی کہتے ہیں اگر عورت قبرستان میں زیادہ نہ جائے نوحہ نہ کرے مرد کے حقوق ضائع نہ کرے تو اس کو

حدیث ابن عباس ومن حدیث حسان بن ثابت واختلف من قال بالکراھۃ فی حقھن ھل ھی کراھۃ تحریم او تنزیہ قال القرطبی ھذا اللعن انما ھو للمکثرات من الزیارۃ لما تقتضیہ الصفۃ من المبالغۃ ولعل السبب ما یفضی الیہ ذلک من تضییع حق الزوج والتبرج وما ینشأ منھن من الصیاح ونحو ذلک فقد یقال اذا امن جمیع ذلک فلا مانع من الاذن لان تذکر الموت یحتاج الیہ الرجال والنساء انتہی بلوغ المرام اور اس کی شرح سبل السلام میں ہے وعن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و [سلم] لعن زائرات القبور اخرجہ الترمذی وصححہ ابن حبان وقال الترمذی بعد اخراجہ ھذا حدیث حسن وفی الباب عن ابن عباس وحسان وقد قال بعض اھل العلم ان ھذا کان قبل ان یرخص النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی زیارۃ القبور فلما رخص دخل فی الرخصۃ الرجال والنساء وقال بعضھم انما کرہ زیارۃ القبور للنساء لقلۃ صبرھن وکثرۃ جزعھن ثم ساق بسندہ ان عبد الرحمن بن ابی بکر توفی ودفن فی مکۃ واتت عائشۃ قبرہ ثم قالت شعرا ؎

وکنا کندمانی جذیمۃ حقبۃ	من الدھر حتی قیل لن یتصدعا
وعشنا بخیر فی الحیوۃ وقبلنا	اصاب المنایا رھط کسری وتبعا
ولما تفرقنا کانی ومالکا	لطول اجتماع لم نبت لیلۃ معا

انتہی ویدل لما قالہ بعض اھل العلم ما اخرجہ مسلم عن عائشۃ قالت کیف اقول یارسول اللہ اذا زرت القبور فقال قولی السلام علی اھل الدیار من المسلمین والمومنین یرحم اللہ المتقدمین منا والمتاخرین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون وما اخرج

جانا جائز ہے ورنہ نہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو زیارت کرنے والی عورتوں کو لعنت کی ہے یہ رخصت سے پہلے تھی جب رخصت ہوئی تو عورتیں مردوں کو ہو گئی اور عورتوں کے لئے جو زیارت مکروہ ہے وہ صرف بے قراری اور بے صبری کی وجہ سے ہے چنانچہ حضرت عائشہؓ نے بھی جب اپنے بھائی عبد الرحمٰن کی قبر کی زیارت کی تو دردناک شعر پڑھے اور حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ نے نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے پوچھا جب میں قبرستان میں جاؤں تو کیا کہا کروں آپ نے دعا سکھلائی ان کو منع نہ کیا حضرت فاطمہؓ حضرت حمزہؓ کی قبر پر ہر جمعہ کو جایا کرتی تھیں اور حدیث میں ہے جو ہر جمعہ اپنے والدین کی قبر پر جائے اس کو بخش دیا جائے گا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے والا لکھا جائے گا۔

الحاکم من حدیث علی بن الحسین ان فاطمۃ علیہا السلام کانت تزور قبر عمہا حمزۃ کل جمعۃ فتصلی وتبکی عندہ قلت وھو حدیث مرسل کان علی بن الحسین لم یدرک فاطمۃ بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعموم ما اخرجہ البیہقی فی شعب الایمان مرسلا من زار قبر الوالدین او احدھما فی کل جمعۃ غفر لہ وکتب بارا انتہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قبرستان میں جوتی پہن کر چلنا درست ہے یا نہیں اور جنازے کی نماز میں سورۃ فاتحہ اور سورہ کا زور سے پڑھنا جس حدیث میں مذکور ہے اس کے راوی ٹھیک ہیں یا نہیں اور اس پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ قبرستان میں جوتی پہن کر چلنا نہیں درست ہے منتقی میں ہے عن بشیر بن الخصاصیۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رای رجلا یمشی فی نعلین بین القبور فقال یا صاحب السبتیین القہما رواہ الخمسۃ الا الترمذی یعنی بشیر ابن خصاصیۃ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ایک شخص کو کہ وہ جوتی پہنے ہوئے قبرستان میں جارہا تھا تو آپ نے فرمایا کہ اے جوتی والے جوتیوں کو ڈال دے اور جنازہ کی نماز میں سورۃ فاتحہ اور سورت کا پڑھنا جس حدیث میں مذکور ہے اس کے راوی ٹھیک ہیں سورہ فاتحہ کی حدیث کے راوی تو اس واسطے ٹھیک ہیں کہ وہ صحیح بخاری کی حدیث ہے۔ چنانچہ منتقی میں ہے عن ابن عباس انہ صلی علی جنازۃ فقراء بفاتحۃ الکتاب و قال لتعلموا انہ من السنۃ رواہ البخاری وابوداؤد والترمذی وصححہ والنسائی وقال فیہ فقرا بفاتحۃ الکتاب وسورۃ وجہر فلما فرغ قال سنۃ وحق یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک جنازے پر نماز پڑھی تو سورہ فاتحہ پڑھی اور کہا کہ سورہ فاتحہ میں نے اس واسطے پڑھی ہے تاکہ تم لوگ جان لو کہ سنت ہے روایت کیا اس حدیث کو بخاری اور ابوداؤد اور ترمذی نے اور صحیح کہا اس کو اور روایت کیا اس کو نسائی نے اور اس میں یوں کہا ہے کہ پھر پڑھی ابن عباسؓ نے سورہ فاتحہ اور ایک اور سورہ اور زور سے پڑھی پھر جب فارغ ہوئے تو فرمایا

کہ یہ سنت اور حق ہے اور وہ حدیث کہ جس میں سورہ ملانے کا ذکر ہے وہ نسائی شریف کی روایت ہے جیسا کہ اوپر منتقی کی عبارت سے معلوم ہوا اور اس کے راوی اس واسطے ٹھیک ہیں کہ اس کی سند کو علامہ قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے نیل الاوطار شرح منتقی میں صحیح کہا ہے چنانچہ نیل الاوطار میں ہے قولہ[1] وسورۃ فیہ مشروعیۃ قراءۃ سورۃ مع الفاتحۃ فی صلوۃ الجنازۃ ولا محیص عن المصیر الی ذلک لانہا زیادۃ خارجۃ عن مخرج صحیح انتہی مختصرا۔ جب ثابت ہوا کہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ اور سورہ کا جہر سے پڑھنا جس حدیث سے مذکور ہے اس کے راوی ٹھیک ہیں اور وہ حدیث صحیح ہے تو اس پر عمل کرنا جائز ہوا واللہ تعالے اعلم حررہ محمد عبدالحق ملتانی سید محمد نذیر حسین

ہوالموفق۔ قبرستان میں جوتی پہن کر چلنے کی ممانعت بشیر بن خصاصیہ کی حدیث مذکور سے صاف ثابت ہوتی ہے اور بعض اہل علم اس حدیث کے مطابق ممانعت کے قائل ہیں اور بعض اہل علم قبرستان میں جوتی پہن کر چلنے کو جائز بتاتے ہیں مگر جس حدیث سے یہ لوگ استدلال کرتے ہیں اس سے ان کا مطلوب ثابت نہیں ہوتا علامہ ابن حزم کہتے ہیں کہ سبتی جوتی (یعنی مدبوغ چمڑے کی جوتی جس میں بال نہ ہوں) پہن کر قبرستان میں چلنا حرام وناجائز ہے اور غیر سبتی جوتی پہن کر چلنا جائز ہے لیکن ابن حزم کا بھی یہ قول ٹھیک نہیں کیونکہ سبتی اور غیر سبتی جوتی میں کوئی فارق نہیں ہے امام طحاوی کہتے ہیں کہ حضرت نے جو اس شخص کو جوتی پہن کر چلنے سے منع فرمایا سو یہ ممانعت محمول ہے اس پر کہ اس کی جوتی میں ناپاکی لگی تھی مگر یہ بات بھی ٹھیک نہیں کیونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں پس جو لوگ ممانعت کے قائل ہیں انہیں کا قول مدلل ہے حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں واستدل به[2] (ای بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ لیسمع قرع نعالہم) علی جواز المشی بین القبور بالنعال ولا دلالۃ فیہ قال ابن الجوزی لیس فی الحدیث سوی الحکایۃ عمن یدخل المقابر وذلک لا یقتضی اباحۃ ولا تحریما انتہی وانما استدل به من استدل علی الاباحۃ اخذا من کونہ صلی اللہ علیہ وسلم قالہ واقرہ فلوکان

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ اور سورۃ کا پڑھنا بھی درست ہے اور اس کو قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کیونکہ یہ زیادت صحیح سند سے ثابت ہے

[2] ابن حجر نے کہا اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ قبرستان میں جوتیوں سمیت چلنا جائز ہے ابن جوزی نے کہا اس میں جائز ناجائز کی کوئی

مکروها بینه لکن یعکر علیه احتمال ان یکون المراد سماعه ایاها بعد ان یجاوز المقبرة ویدل علی الکراهة حدیث بشیر بن الخصاصیة اخرجه ابوداؤد والنسائی وصححه الحاکم واغرب ابن حزم فقال یحرم المشی بین القبور بالنعال السبتیة دون غیرها وهو جمود شدید وقال الطحاوی یحمل نهی الرجل المذکور علی انه کان فی نعلیه قذر فقد کان النبی صلی الله علیه وسلم یصلی فی نعلیه ما لم یرفیها اذی انتہی مختصراً اور بلاشبہ ابن عباس کی روایت مذکور بالا سے ثابت ہے کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ اور کسی اور سورہ کا پڑھنا سنت و حق ہے اور بلاشبہ یہ روایت بھی قابل عمل ہے لیکن رہی یہ بات کہ سورۂ فاتحہ اور سورہ کو جہر سے پڑھنا چاہیے یا آہستہ سو ابن عباسؓ نے اپنی ایک روایت میں تصریح کر دی ہے کہ میں نے فاتحہ اور سورۃ کا نماز جنازہ میں پڑھنا سنت ہے۔ فتح الباری صفحہ ۶۹ میں ہے [1] وللحاکم من طریق ابن عجلان انه سمع سعید بن ابی سعید یقول صلی ابن عباس علی جنازة فجهر بالحمد ثم قال انما جهرت لتعلموا انها سنة وفیه ایضا روی الحاکم ایضا من طریق شرحبیل بن سعد عن ابن عباس انه صلی علی جنازة فکبر ثم قرا بالفاتحة رافعا صوته ثم صلی علی النبی صلی الله علیه وسلم ثم قال اللهم عبدک الی قوله ثم انصرف فقال یا ایها الناس انی لم اقرأ علیها ای جهرا الا لتعلموا انها سنة اور اسی طرح شافعی کی روایت میں ہے تلخیص الحبیر صفحہ ۱۶۰ کے حاشیہ میں ہے [2] وفی روایة الشافعی فجهر بالقراءة

بحث ہی نہیں ہے یہ تو ایک واقعہ کی حکایت ہے مجوزین لکھتے ہیں کہ اگر یہ ناجائز ہوتا تو نبی صلعم اس کو بیان کر دیتے اور یہ بھی احتمال ہے کہ قبرستان کے باہر جوتیوں کی آواز مردہ سنتا ہو اور بشیر بن خصاصیہ کی حدیث سے جو کراہت ثابت ہوتی ہے طحاوی کہتے ہیں ممکن ہے اس کی جوتیاں پلید ہوں ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں پاک جوتیوں سے نماز پڑھ لیا کرتے تھے قبرستان اس سے زیادہ پاک جگہ نہیں ہے

[1] سعید بن ابی سعید کہتے ہیں کہ ابن عباس نے ایک جنازہ کی نماز پڑھائی اور الحمد بلند آواز سے پڑھی اور کہا میں نے اس لئے بلند آواز سے پڑھی کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ الحمد پڑھنا سنت ہے ایک اور روایت میں ہے کہ پھر اس کے بعد نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا پھر یہ دعا پڑھی اللھم ھذا عبدک الخ پھر فارغ ہوئے تو کہا میں بلند آواز سے جنازہ اس لئے پڑھایا کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ جنازہ کا سنت طریقہ کیا ہے

[2] آپ نے بلند آواز سے قرأت کی اور کہا میں نے اس لئے بلند آواز سے قرادت کی کہ تم کو معلوم ہو جائے

وقال انما جهرت لتعلموا انها سنة ومثلها للحاكم انتهى بلفظه۔ اور اسی طرح منتقی ابن الجارود میں بھی ہے عون المعبود شرح سنن ابی داؤد صفحہ ۱۹۱ جلد ۳ میں ہے واخرج ابن الجارود فی المنتقی من طریق زید بن طلحة التیمی قال سمعت ابن عباس قرأ علی جنازة فاتحة الکتاب وسورة وجهر بالقراءة وقال انما جهرت لاعلمکم انها سنة انتهى۔ پس جب معلوم ہوا کہ ابن عباسؓ نے فاتحہ اور سورۃ کو فقط اس خیال سے زور سے پڑھا تھا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ نماز جنازہ میں فاتحہ اور سورۃ کا پڑھنا سنت ہے تو اس روایت سے جہر سے پڑھنا نہیں ثابت ہوتا بلکہ آہستہ پڑھنا ثابت ہوتا ہے ہاں اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ جہاں لوگوں کو یہ مسئلہ نہ معلوم ہو تو وہاں زور سے پڑھ دینا چاہیئے تاکہ لوگ سن کر معلوم کر لیں اور آہستہ پڑھنے کی تائید ابوامامہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے[2] عن ابی امامة بن سهل انه اخبره رجل من اصحاب النبی صلی الله علیه وآله وسلم ان السنة فی الصلوة علی الجنازة ان یکبر الامام ثم یقرأ بفاتحة الکتاب بعد التکبیرة الاولیٰ سرا فی نفسه ثم یصلی علی النبی صلی الله علیه وآله وسلم ویخلص الدعاء للجنازة فی التکبیرات ولا یقرأ فی شیء منهن ثم یسلم سرا فی نفسه رواه الشافعی فی مسنده (منتقی الاخبار) قال الحافظ فی التلخیص صفحہ ۱۶۱ وضعفت روایة الشافعی بمطرف لکن قواها البیهقی بما رواه فی المعرفة من طریق عبید الله بن ابی زیاد الرصافی عن الزهری بمعنی روایة انتهى اور آہستہ پڑھنے کی تائید ابن سلمہ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے[3] السنة علی الجنازة ان یکبر الامام ثم یقرأ القرآن فی نفسه الحدیث رواه ابن ابی حاتم فی العلل ذکره الحافظ فی التلخیص صفحہ ۱۶۰۔ انہیں روایات کی وجہ سے جمہور کا یہ مذہب ہے کہ نماز

جہر سے قراءت کرنا سنت ہے۔ [1] ابن عباس نے ایک جنازہ پر الحمد اور سورۃ بلند آواز سے پڑھی اور کہا کہ میں نے اس لئے بلند آواز سے قراءت کی کہ تم کو معلوم ہو جائے بلند آواز سے قراءت کرنا سنت ہے۔

[2] ایک صحابی نے کہا جنازہ کی نماز میں سنت یہ ہے کہ امام تکبیر کہے پھر تکبیر اولیٰ کے بعد الحمد پڑھے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے پھر میت کے لئے دعا کرے اور باقی تکبیروں میں قراءت نہ کرے پھر آہستہ آواز سے سلام پھیرے حافظ نے تلخیص میں کہا کہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن اس کی تائید ایک اور حدیث سے ہو جاتی ہے [3] جنازہ میں سنت یہ ہے کہ امام تکبیر کہے پھر آہستہ آواز سے قرآن پڑھے۔

جنازہ میں فاتحہ اور سورہ جہر سے پڑھنا مستحب نہیں ہے نیل الاوطار صفحہ ۲۹۸ جلد ۳ میں ہے لے
ذھب الجمھور الی انہ لایستحب الجھر فی صلوۃ الجنازۃ وتمسکوا بقول ابن عباس
المتقدم لما قرأ ای جھرا الا لتعلموا انہ سنۃ وبقولہ فی حدیث ابی امامۃ
سرا فی نفسہ انتھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ اہل قبور کی روح
قبر میں باقی رہتی ہے اور ان کو علم اور شعور رہتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے دوست
اور آشنا وغیرہ کو پہچانتا ہے جس وقت اس کی قبر پر زیارت کو آئیں اور یہاں تک کہ
ان کی جوتیوں کی بھنک اور ان کی آواز کو سنتا ہے اور علاوہ ازیں جب کوئی پرندہ اس
کی قبر پر بیٹھے تو نر اور مادہ میں فرق کرکے پہچان لیتا ہے اور اپنے ثبوت کے لئے اس
حدیث شریف کو پیش کرتا ہے عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ان المیت اذا وضع فی قبرہ انہ لیسمع قرع نعالھم اذا انصرفوا۔ رواہ مسلم۔
اس کے جواب میں عمرو کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ومن اضل ممن یدعو من
دون اللہ من لا یستجیب لہ الی یوم القیامۃ وھم عن دعائھم غافلون۔
بمصداق اس دلیل مبین کے ان کا سننا اور جاننا غیر ممکن ہے اور وہ ہرگز ہرگز قیامت تک
نہیں سنیں گے اور نہ ان کی پکار کو پہنچیں گے پس آپ حضرات کی خدمات مبارکات میں عرض
ہے کہ زید اور عمرو کے خیالات کو موافق قرآن حدیث کے بیان فرما کر طرفین کے شک اور
وہم کو رفع کردیں اور اس مسئلہ میں کس طرح اعتقاد رکھنا چاہیے اور خوب واضح طور
سے بیان فرمائیں تاکہ یقین کامل آجاوے۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ قرآن وحدیث کی رو سے زید کا قول غلط ہے اور عمرو کا قول
صحیح ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عمرو کے قول کے لئے قرآن وحدیث میں دلیل موجود
ہے چنانچہ ایک دلیل وہی آیت ومن اضل ممن یدعوا من دون اللہ ہے جو

لے جمہور کا مسلک یہ ہے کہ جنازہ میں بلند آواز سے قرات مستحب نہیں ہے اور انھوں نے ابن عباس اور
ابوامامہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے ۲ے جب میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو جب لوگ واپس آتے ہیں
وہ انکی جوتیوں کی آواز بھی سنتا ہے ۳ے اس سے زیادہ اور کون گمراہ ہوسکتا ہے جو اللہ کے سوا ان کو پکارے جو
اس کو قیامت تک جواب نہ دے سکیں اور وہ ان کے پکارنے سے بے خبر ہیں ۴ے اور اس سے زیادہ گمراہ کون

عمرو کے قول میں موجود ہے اور زید کے قول کے لئے قرآن اور حدیث میں کوئی دلیل نہیں پائی جاتی باقی رہی یہ حدیث (ان المیت اذا وضع فی قبرہ الخ) جو زید نے اپنے قول کے ثبوت میں پیش کی ہے اس سے اس کا قول ثابت نہیں ہوتا کیونکہ زید کا اپنے قول میں پہلا دعوی یہ ہے کہ اہل قبور کی روح قبر میں باقی رہتی ہے زید نے اپنے اس قول میں کسی خاص وقت کا ذکر نہیں کیا لہذا اس کا ظاہر مطلب یہی ہے کہ اہل قبور کی روح قبر میں ہمیشہ باقی رہتی ہے حالانکہ حدیث مذکور سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کیونکہ حدیث مذکور میں صرف یہ ذکر ہے کہ جب لوگ میت کو دفن کر کے لوٹتے ہیں تو میت لوگوں کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے پس حدیث مذکور سے اگر ثابت ہوگا تو صرف اتنا ثابت ہوگا کہ دفن کر کے لوٹتے وقت قبر میں روح باقی رہتی ہے باقی اور اوقات میں روح کا قبر میں رہنا حدیث مذکور سے ثابت نہیں ہوا۔ زید کا دوسرا دعوی یہ ہے کہ اہل قبور کو علم و شعور رہتا ہے کہ جس کی وجہ سے زیارت کے وقت وہ اپنے دوست و آشنا وغیرہ کو پہچانتے ہیں اور ان کے جوتوں کی آواز اور ان کی آواز کو سنتے ہیں اس مقام میں بھی زید نے کسی خاص وقت کا ذکر نہیں کیا لہذا یہاں بھی اس دعوے کا ظاہر مطلب یہی ہوگا کہ اہل قبور کو ہمیشہ علم و شعور رہتا ہے لیکن یہ دعوے بھی حدیث مذکور سے ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ حدیث مذکور میں صرف یہ ذکر ہے کہ جب لوگ میت کو دفن کر کے لوٹتے ہیں تو میت لوگوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے اور یہ میت کا سننا اس واسطے ہے کہ صحیح حدیث کے موافق اس وقت مردے کے جسم میں روح آجاتی ہے مگر اس وقت کے آنے سے ہمیشہ مردے جسم میں روح کا آنا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے پس حدیث مذکور سے اگر ثابت ہوگا تو صرف اتنا ثابت ہوگا کہ دفن کر کے لوٹتے وقت میت کو علم و شعور رہتا ہے اور حدیث مذکور سے یہ بات ہرگز ثابت نہیں ہوتی کہ دفن کر کے لوٹنے کے بعد بھی اہل قبور کو علم و شعور رہتا ہے لہذا اہل قبور کو ہمیشہ علم و شعور کا رہنا بھی حدیث مذکور سے ثابت نہیں ہوا پس زید کا دوسرا دعوی بھی غلط ہو گیا تیسرا دعوے زید کا یہ ہے کہ جب کوئی پرندہ اس کی قبر پر بیٹھتا ہے تو نر اور مادہ میں فرق کر کے پہچان لیتا ہے یہ دعوے حدیث مذکور سے بالکل ثابت نہیں ہوتا کیونکہ یہ ظاہر بات ہے کہ پرندوں میں فرق کر کے

پہچاننا بصارت یعنی آنکھ سے دیکھنے کے متعلق ہے حالانکہ حدیث مذکور سے میت کیلئے بصارت کا ہونا نہیں ثابت ہوتا لہذا حدیث مذکور سے میت کا پرندوں میں فرق کر کے پہچان لینا ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا اس کے علاوہ زید کا یہ دعوے عقلاً بھی باطل ہے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اپنی زندگی میں بھی اکثر پرندوں کے نر و مادہ میں نہیں فرق کر سکتا تو موت کے بعد کیونکر ہوسکتا ہے خلاصہ یہ کہ زید کا یہ قول بے سند اور خلاف شرع ہے اور عمرو کا قول مدلل اور شرع کے موافق ہے لہذا مسلمانوں کو لازم ہے کہ زید کے قول سے پرہیز کریں اور عمرو کے قول کو اختیار کریں واللہ اعلم بالصواب حررہ عبدالحق اعظم گڑھی عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

ہو الموفق ۔ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ (پارہ ۲۲ سورہ فاطر) یعنی نہیں ہے تو سنانے والا ان لوگوں کو جو قبروں میں ہیں۔ اور فرماتا ہے اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی (پارہ ۲۰ سورہ نمل) یعنی بے شک تو نہیں سنا سکتا مردوں کو یہ دونوں آیتیں نص صریح ہیں اس بات پر کہ مردے نہیں سنتے ہیں اور مردے کا سننا جیسا کہ زید کہتا ہے کسی آیت یا کسی حدیث سے ثابت نہیں اور زید کی یہ بات بھی کسی آیت یا حدیث صحیح سے ثابت نہیں کہ "قبروں پر جو لوگ زیارت کو آتے ہیں ان کو مردے پہچان لیتے ہیں اور قبروں پر کوئی پرندہ بیٹھتا ہے تو نر اور مادہ میں فرق کر کے پہچان لیتے ہیں" اور زید نے اپنے ثبوت کے لئے جو حدیث شریف پیش کی ہے اس سے اس کا مدعا ثابت نہیں ہوتا چونکہ اس زمانہ میں بہت سے عوام و جہال احناف کا قریب قریب وہی خیال ہے جو زید کا ہے اس لیے یہاں غایۃ الاوطار ترجمہ در مختار مصنفہ مولوی خرم علی صاحب حنفی سے سماع موتے کے متعلق ایک مضمون نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے مولوی صاحب ممدوح فرماتے ہیں کہ فتح القدیر میں مذکور ہے کہ میت کو سماع نہیں نو فہم بھی نہیں اور بعد موت کے میت کی قبر کی زیارت ہوتی ہے نہ میت کی۔ اور یہ جو صحیح بخاری میں مروی ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے مقتولوں کی لاشوں کو کنویں میں ڈلوا کر ان سے فرمایا کہ جو تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا یعنی شکست کفار اس کو تم نے سچا پایا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا آپ

---

[1] تو قبر والوں کو نہیں سنا سکتا [2] تو مردوں کو نہیں سنا سکتا

مردوں سے کلام کرتے ہیں یا رسول اللہ تو فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قابو میں میری جان ہے کہ تم ان سے زیادہ نہیں سنتے ہو اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی معارض صحیح بخاری میں دوسری حدیث ثابت ہے کہ عایشہ صدیقہ نے اس روایت کو قرآن مجید کی دو آیتوں سے رد کیا اول آیت یہ ہے کہ (ما انت بمسمع من فی القبور) یعنی تو سنا نہیں سکتا ان کو جو قبروں میں ہیں اور ثانی آیت یہ ہے (انك لا تسمع الموتی) یعنی مقرر تو سنا نہیں سکتا مردوں کو اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ کلام بطریق ضرب المثل تھا زندوں کی نصیحت کے واسطے چنانچہ حضرت علی مرتضی سے منقول ہے کہ قبرستان میں جاکر فرمایا کہ تمہاری عورتوں کے نکاح ہو گئے اور تمہارے مال تقسیم ہو گئے اور تمہارے مکانوں میں اور لوگ ساکن ہو گئے یہ خبر تمہاری ہے ہمارے پاس سو ہماری خبر تمہارے پاس کیا ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ تکلم اور سماع موتے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کی وجہ سے تھا بنا بر اعجاز کے تاکہ کافروں کو حسرت زیادہ ہو اور وہ جو صحیح مسلم میں حدیث مرفوع ہے کہ میت جوتیوں کی آواز سنتا ہے جب لوگ اس کو دفن کرکے پھرتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ابتداء دفن کا یہ سماع اور فہم مقدمہ ہے جواب دہی سوال منکر اور نکیر کا اس خصوصیت کی یہ وجہ ہے تا اور حدیث اور آیتوں کے مضمون میں اتفاق ہو جائے تعارض نہ باقی رہے اس واسطے کہ دونوں آیتیں عدم سماع موتے کے مفید ہیں انتہی کلام الفتح نہر الفائق میں کہا کہ جواب ثالث نہایت خوب جواب ہے یعنی حضرت کا تکلم اور اسماع بطریق معجزہ تھا تو اس سے عموم سماعت موتی ثابت نہیں ہو سکتی چنانچہ بنا بر اعجاز کے حضرت سے شجر اور حجر نے بھی کلام کیا ہے حالانکہ شجر اور حجر محل کلام نہیں اور صحیح مسلم کی روایت کے جواب کی تقویت دوسری حدیث صحیح سے ہو سکتی ہے کہ جب منکر اور نکیر مومن سے جواب معقول سنتے ہیں تو اس سے کہتے ہیں کہ تم کنومة العروس یعنے آرام سے سو جیسے دولہ سوتا ہے ظاہرا یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ مومن اس عالم سے غافل ہو جاتا ہے جیسے سوتا آدمی غافل ہوتا ہے اور کلام نہیں سنتا۔ بالجملہ ہم لوگ اہل تقلید ہیں پایۂ اجتہاد کا نہیں رکھتے پھر جن فقہا کے ہم مقلد ہیں جب ان کے نصوص سے ثابت ہوا کہ میت کو فہم اور سماع نہیں تو اس میں زیادہ گفتگو اور تفتیش کرنا بے موقع ہے۔ واللہ اعلم انتہی ما فی غایة الاوطار صفحہ ۳۸۵ جلد ۲۔

الحاصل میت کے سماع اور شعور کے متعلق زید کا قول کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں ہے لہذا اس کا قول غلط و باطل ہے اور آیات مذکورہ بالا سے اور بعض احادیث سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مردے سنتے نہیں ہیں ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالی اپنی قدرت سے بعض اوقات مردوں کو سنا دے جیسا کہ وہ اپنی قدرت سے شجر و حجر وغیرہ کو سنا سکتا ہے واللہ تعالے اعلم کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نہایت بدکار اور بے نماز ہے کبھی نماز پڑھتا ہے یا بالکل نہیں پڑھتا ایسے شخص کے گھر کا کھانا اور اس شخص کے جنازہ کی نماز پڑھنی اور تجہیز و تکفین کرنی چاہیے یا نہیں۔

الجواب۔ بدکار و بے نماز کے گھر کا کھانا متقی و پرہیزگار لوگوں کو نہ چاہیے اور اس کے جنازہ کی نماز بھی جو عالم و مقتدا ہو وہ نہ پڑھے بلکہ کسی معمولی شخص سے پڑھوا دے تاکہ لوگوں کو عبرت ہو۔ واللہ اعلم بالصواب حررہ السید محمد ابوالحسن۔

سید محمد ابوالحسن	سید محمد نذیر حسین	سید محمد عبدالسلام

ھوالموفق۔ فاسق اور بدکار کے یہاں کھانا کھانے اور ان کی دعوت قبول کرنے کی ممانعت عمران بن حصین کی اس حدیث سے ثابت ہے نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اجابۃ طعام الفاسقین اخرجہ الطبرانی فی الاوسط یعنی منع کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاسقین کے کھانے کی دعوت قبول کرنے سے روایت کیا اس حدیث کو طبرانی نے اوسط میں اس حدیث کو حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں باب ہل یرجع اذا رأی منکرا فی الدعوۃ کے تحت میں ذکر کیا ہے اور یہ حدیث حافظ ابن حجر کے اس قاعدہ سے جس کو انہوں نے اوائل مقدمہ فتح الباری میں بیان کیا ہے حسن و قابل احتجاج ہے واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آیا مردے کلام زندوں کا سنتے ہیں یا نہیں اگر سنتے ہیں تو کیا دلیل ہے اور اگر نہیں سنتے تو کیا دلیل ہے اس کو قرآن و حدیث سے بیان فرمادیں اور عند اللہ اجر جزیل پاویں۔

الجواب۔ ھو الموفق للصواب جواب صورت مذکورہ کا یہ ہے کہ مردہ کلام نہیں سنتا اور نہ اس میں یہ طاقت سننے کی ہے جیسا کہ اس پر قرآن شریف شاہد عدل ہے او کالذی مر علی قریۃ وھی خاویۃ علی عروشہا قال انی یحیی ھذہ اللہ بعد موتہا فاماتہ اللہ مائۃ عام ثم بعثہ۔ قال کم لبثت قال لبثت یوما او بعض یوم قال بل لبثت مائۃ عام فانظر الی طعامک وشرابک لم یتسنہ لہ قال اعلم ان اللہ علی کل شئ قدیر اس آیت شریف میں واردات عزیر علیہ السلام کی بیان فرمائی ہے وہ سو برس مرے رہے سو برس کے اندر دھوپ سردی پڑی بادل گرجے بجلیاں چمکیں آدمی چلتے پھرتے تھے مگر ان کو کسی بات کی خبر نہ ہوئی اگر مردہ میں طاقت کلام زندوں کے سننے کی ہوتی تو بادل کا گرجنا ضرور سنتے اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل مردوں کے عدم سماع پر ہوگی۔ ومن اضل ممن یدعوا من دون اللہ من لایستجیب لہ الی یوم القیمۃ وھم عن دعائھم غافلون۔ اس آیت میں زندوں کے کلام سے مردوں کو غافل فرمایا اگرچہ قیامت تک کیوں نہ پکاریں اس سے صاف انکار مردوں کے سننے کا ہے کہ ان میں یہ طاقت سننے کی نہیں۔ تفسیر جامع التفاسیر میں لکھا ہے کہ شان نزول اس کا عام ہے بتوں کے بارے میں اس کا شان نزول لگانا دھوکا فریب لوگوں کا ہے بلکہ عام ہے جس میں بزرگ وغیرہ بھی داخل ہیں ان تدعوھم لایسمعوا دعاءکم ولو سمعوا ما استجابوا لکم ویوم القیمۃ یکفرون بشرککم ولاینبئک مثل خبیر اس آیت شریف میں ارشاد فرمایا کہ جس کو تم پکارتے ہو وہ تمہاری پکار کو نہیں سنتے اگر بالفرض سن بھی لیں

لہ یا اس آدمی کی طرح جو ایک بستی پر گذرا وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی تھی کہنے لگا اسے اللہ موت کے بعد کیسے زندہ کرے گا سو اللہ نے اس کو سو سال تک مار دیا پھر اس کو اٹھایا اور فرمایا تو کتنی دیر ٹھہرا۔ کہنے لگا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو پورا سو سال ٹھہرا ہے اپنے کھانے پینے کی طرف دیکھ وہ ابھی تک خراب نہیں ہوا اور اپنے گدھے کو دیکھ ہم تجھ کو لوگوں کے لئے ایک نشانی بنائیں گے اب ہڈیوں کی طرف دیکھ کہ ہم نے ان کو کس طرح اوپر گوشت چڑھاتے ہیں جب اس کو معلوم ہو گیا تو کہنے لگا اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ لہ اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار نہیں سنتے اور اگر سن بھی لیں تو تمہیں جواب نہیں دے سکتے اور قیامت کے دن تمہارے شرک کا انکار کریں گے اور خبر دار کی طرح تجھے اور کوئی خبر نہ دے سکے گا۔

تو جواب نہیں دے سکتے اس میں صاف انکار ہے اموات کے سننے کا۔ دوسرا یستوی الاحیاء ولا الاموات ان اللہ یسمع من یشاء وما انت بمسمع من فی القبور۔ اس آیت شریف میں بھی مردوں کے سننے کا انکار کیا ہے اور تفسیر جامع التفاسیر میں اس کی شان نزول میں بتایا ہے کہ جنگ بدر کے مقتولوں کو جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ سنتے ہیں اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ تو مردوں کو نہیں سنا سکتا کیونکہ مردہ زندہ برابر نہیں ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ مذہب امام اعظم اور اکثر مشائخ ہمارے کا عدم سماع ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ غرائب اور عینی شرح ہدایہ اور تفسیر نیشاپوری اور کافی اور فتح القدیر حاشیہ ہدایہ اور مستخلص شرح کنز اور عینی شرح کنز اور کفایہ شرح ہدایہ میں اس مسئلہ کو خوب ثابت کیا ہے اور مخالفین پر خوب رد کیا ہے۔ انک لا تسمع الموتی ولا تسمع الصم الدعاء اذا ولوا مدبرین۔ اس آیت شریف میں بھی انکار مردوں کے سننے کا پایا جاتا ہے ان آیات مذکورہ کے سوا اور بھی آیات ہیں جن سے مردوں کا عدم سماع ثابت ہوتا ہے اور بحیز حدیث قرع نعال سے مردوں کا ایک خاص وقت میں سننا ثابت ہوتا ہے جس وقت کہ مردہ قبر میں نکیرین کے سوال کے جواب دینے کے لئے زندہ کر دیا جاتا ہے اور اس وقت مردہ مردہ نہیں رہتا اور حدیث قلیب بدر اسی واقعہ بدر کے ساتھ خاص ہے کیونکہ حدیث بخاری ونسائی میں بلفظ الان آچکا ہے پس یہ حدیث عموم سماع موتے پر دلالت نہیں کرتی۔ الغرض کوئی حدیث صحیح قابل اطمینان سماع موتے میں نہیں آئی ہے اور جو ہیں وہ ضعاف ومنکرات ہیں اور آیات قرآنیہ کے خلاف اور مسائل اربعین میں مولانا اسحق صاحب محدث نے بھی سماع موتے سے انکار کیا ہے۔ حررہ فقیر حقیر عبد الحکیم مدرس مدرسہ حقانی چھاؤنی نصیر آباد ضلع اجمیر راجپوتانہ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال۔ ماقولکم رحمکم اللہ درمسئلہ سماع موتے درمذہب امام ابوحنیفہ رحمۃ

۱؎ زندے اور مردے برابر نہیں ہوتے اللہ تعالیٰ جسے چاہے سنائے اور تو قبر والوں کو نہیں سنا سکتا۔ ۲؎ تو مردوں کو نہیں سنا سکتا اور نہ ہی بہروں کو سنا سکتا ہے جب کہ وہ پھیر کر چل دیں۔ ۳؎ جناب کیا خیال ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مردے سنتے ہیں یا نہیں؟

اللہ علیہ بقید باب کتاب ہدایت فرمایند ونیز معنے سماع ارشاد فرمایند۔

الجواب۔ باید دانست کہ در کتب فقہ حنفی مانند کنز الدقایق وشرح وقایہ وہدایہ وعنایہ وکفایہ وبنایہ حواشی ہدایہ ومستخلص وعینی شرح کنز ودر مختار وغیرہ در کتاب ایمان یعنی کتابیکہ در حلف کردن در قول وفعل مشتمل است مذکور است کہ اگر کسے حلف کند کہ از فلان کس کلام نخواہم کرد وایں فلان کس بمرد وحالف بعد مردن او بر جنازہ یا بر قبر وے کلام از وکرد حانث نخواہد بود زیراکہ مقصود از کلام افہام یعنی فہمیدن است وفہمیدن تعلق بہ شنیدن می دارد ومردہ لیاقت شنیدن ندارد زیراکہ در مردہ حیات نیست لان الموت زوال الحیات کذا فی الہدایۃ وغیرہا وقولہ وکذلک الکلام بان حلف لا یکلم فلانا لان المقصود من الکلام الافہام وذا بالاستماع وذا لا یتحقق بعد الموت کذا فی الکفایۃ والعینی حاشیۃ الہدایۃ اما الکلام فلان المقصود منہ الافہام والموت ینافیہ ولا یرد ما فی صحیح البخاری من قولہ صلعم لاہل قلیب بدر ہل وجدتم ما وعد ربکم حقا فقال عمر اتکلم المیت یا رسول اللہ فقال ع والذی نفسی بیدہ ما انتم باسمع من ہؤلاء او منہم فقد اجاب عنہ المشایخ بانہ غیر ثابت یعنی من جہۃ المعنی وذلک لان عائشۃ

کتاب اور باب کے حوالے سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب۔ کتب فقہ حنفی مثلاً کنز الدقائق۔ شرح وقایہ۔ ہدایہ۔ عنایہ۔ کفایہ۔ بنایہ۔ مستخلص عینی شرح کنز۔ در مختار وغیرہ کے باب الایمان میں مذکور ہے کہ ”اگر کوئی آدمی قسم کھلئے کہ فلاں آدمی سے بات نہیں کروں گا پھر اس کے مرنے کے بعد یا اس کے جنازہ پر یا قبر پر جا کر بات کرے تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ کلام سے مقصود سمجھانا ہے اور سمجھ کا تعلق سننے سے ہے اور مردہ سننے کی قابلیت نہیں رکھتا کیونکہ مردہ میں زندگی نہیں ہے کیونکہ موت زندگی کے زوال کا نام ہے باقی رہا یہ سوال کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قلیب بدر والوں سے گفتگو فرمائی تھی تو اس کا جواب مشائخ نے مختلف طریقوں سے دیا ہے بعض نے کہا یہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا۔ بعض نے کہا کہ اس وقت تھا جب کہ سوال وجواب کے لئے قبر میں مردہ کی روح لوٹائی جاتی ہے اور اس کے بعد پھر کچھ نہیں رہتا اور بعض نے کہا یہ من حیث المعنی ثابت نہیں بلکہ مقصد زندوں کو تنبیہ کرنا تھا نہ کہ کافروں کو سنانا جب کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا اور قرآن مجید میں ہے کہ مردوں کو نہیں سنا سکتا

رد تہ بقولہ تعالی وما انت بمسمع من فی القبور انک لا تسمع الموتی وانہ انما قال
علی وجہ الموعظۃ للاحیاء وبانہ مخصوص باولئک تضعیفا للحسرۃ علیہم وبانہ
خصوصیۃ لہ علیہ السلام معجزۃ لکنہ یشکل ما فی مسلم ان المیت یسمع
قرع نعالہم اذا انصرفوا الا ان یخص ذلک باول الوضع فی القبر مقدمۃ للسوال
جمعا بینہ وبین الآیتین فانہ شبہ فیہما الکفار بالموتی لعدم الافاضۃ بعد
سماعہم وہو فرع عدم سماع الموتی ہذا حاصل ما ذکرہ فی الفتح فی الجنائز
ومعنی الجواب الاول انہ وان صح سندہ لکنہ معلول من جہۃ المعنی لعلۃ
تقتضی عدم ثبوتہ عنہ علیہ السلام وہی مخالفۃ للقرآن تمام شد عبارت رد المحتار
در آخر باب کتاب الایمان وہم چنین مفتی الثقلین صاحب منار وکنز در کافی شرح وافی
کہ در اعتبار واعتماد مثل ہدایہ است بہ بسط وتفصیل نوشتہ است ہر کرا شک وشبہ
باشد در کافی نظر کند وببیند فان قلت ما وجہ ذکر حدیث ابن عمر وحدیث عائشہؓ
وہما متعارضان فی ترجمۃ عذاب القبر قلت لما ثبت من سماع اہل القلیب
کلامہ وتوبیخہ صلعم لہم دل ادراکہم کلامہ بحاسۃ السمع علی جواز
ادراکہم الم العذاب بہ بقیۃ الحواس فحسن ذکرہما فی ہذہ الترجمۃ ثم التوفیق
بین الخبرین ان حدیث ابن عمر محمول علی ان مخاطبۃ اہل القلیب کانت

البتہ اس حدیث کے جواب میں اشکال واقع ہوتا ہے کہ مردہ واپس آنے والے لوگوں کی جوتیوں کی آواز بھی سنتا ہے تو اس کو بھی اول وقت کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے کہ جب منکر ونکیر قبر میں سوال کرنے کے لئے آتے ہیں اس وقت روح لوٹائی جاتی ہے اس وقت سن بھی لیتا ہے اس طرح حدیث اور قرآن کا مطلب آپس میں متعارض نہیں ہوتا کیونکہ قرآن میں کفار کو سننے کے بعد عدم افاضہ میں مردوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور وہ عدم سماع موتی کی شاخ ہے یہ خلاصہ ہے کتب مندرجہ بالا کا۔
اور صاحب منار وکنز نے کافی شرح وافی میں اس مسئلہ کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے اگر یہ سوال کیا جائے کہ امام بخاری نے باب عذاب القبر میں حضرت عائشہؓ وابن عمر کی متعارض حدیثیں بیان کی ہیں اگر مردہ میں سماع نہیں ہے تو ابن عمر کی حدیث بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی اس کا جواب یہ ہے کہ منکر نکیر کے سوال کے وقت سننے کی قوت بحال کر دی جاتی ہے اس وقت سن لیتا ہے بعد میں نہیں سنتا جب کہ کافر اور مومن ہیں بعد ازاں راحت یا عذاب محسوس کرنے کی قوت باقی رکھی جاتی ہے۔ علامہ عینی حنفی

وقت المسئلة وقتها اعادة الروح الى الجسد وقد ثبت من الاحاديث الاخرى ان الكافر المسئول يعذب وان حديث عائشة محمول على غير وقت المسئلة فبهذا اتفق الخبران كذا قال العينى الحنفى فى شرح البخارى من باب عذاب القبر واما قوله تعالى وما انت بمسمع من فى القبور فتمثيل حال الكفرة بحال الموتى ولا نزاع فى ان الميت لا يسمع انتهى ما قال التفتازانى فى شرح المقاصد من كتب العقائد در روايات فقہ حنفی در باب عدم سماعت موتی بسیار اند بنا بر اختصار بر دو سہ روایت اکتفا کردہ شد و فرقہ صالحیہ از معتزلہ قیام علم و قدرت و ارادہ و سمع و بصر بمیت تجویز می کنند و ثابت می نمایند الصالحیة اصحاب الصالحی مذهبهم انهم جوزوا قيام العلم والقدرة والارادة والسمع والبصر بالميت ويلزمهم جواز ان يكون الناس مع اتصافهم بهذه الصفات امواتا وان لا يكون البارى تعالى حيا انتهى ما فى شرح المواقف فقط۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سید محمد نذیر حسین

سوال ۔ چہ می فرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ کہ سماعت موتے کلام احیاء را ثابت است یا نہ بینوا توجروا

الجواب ۔ درصورت مرقومہ باید دانست کہ ارواح مفارقہ را ادراکے بحلق نوع حیات بقدر ما یتالم و یتلذذ بہ حاصل است قال الامام الاعظم رحمہ اللہ فى الفقه الاكبر واعادة الروح الى العبد فى قبره حق وقال على القارى فى شرحه

نے شرح بخاری باب عذاب القبر میں لکھا ہے کہ قرآن مجید کی آیت کہ "تو مردوں کو نہیں سنا سکتا اور تو قبر والوں کو نہیں سنا سکتا" کے بعد اس مسئلہ میں کوئی جھگڑا ہی باقی نہیں رہ جاتا کہ مردے نہیں سنتے فقہ حنفی کی کتابیں اس مضمون سے بھری پڑی ہیں صرف دو چار اقتباس بطور نمونہ درج کئے ہیں۔

ان معتزلہ فرقہ کی شاخ صالحیہ کا عقیدہ ہے کہ مردہ میں علم سماعت قدرت اور ارادہ کی قوتیں بحال رہتی ہیں اور ان پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر مردہ ان صفات کی موجودگی میں بھی مردہ ہے تو پھر خدا تعالے بھی زندہ نہیں ہیں کیونکہ یہ صفات تو ان کے نزدیک مردہ کی ہوئیں۔ واللہ اعلم۔

سوال ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ مردے زندوں کی کلام سن سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب ۔ روح کو جسم سے الگ ہونے کے بعد قبر میں ایک [illegible] زندگی نصیب ہوتی ہے جس سے وہ لذت حاصل کرسکتا ہے یا عذاب محسوس کرتا ہے امام اعظم نے اس کو فقہ اکبر میں [illegible]

بعد اتمام القول اعلم ان اهل الحق اتفقوا علی ان الله تعالی یخلق فی المیت نوع حیات فی القبر قدر ما یتألم و یتلذذ انتہی۔ اما سماع موتے پس ائمہ حنفیہ متفق اند بر نفی آں چنانچہ در کتاب ایمان باتفاق تصریح کردہ اند کہ میت راسماع نیست و آنکہ شیخ عبدالحق در شرح مشکوۃ نوشتہ کہ اکثر فقہا منکر اند و بعضے فقہاء و اکثر مشائخ قایل اند۔ ادعائے محض است بشہادت یک روایت کہ مفید مدعایش باشد و موجب اذعان سامع گردد و تصدیق اختلافے کہ ہست در سماع موتے قلیل است ام المومنین حضرت عائشہؓ و من تبعہا ازاں منکر اند و حدیث حضرت عمرؓ ما انتم باسمع منہم را بر سہو و نسیان حمل کردند و بعضے دیگر آں را قبول نمودہ بہ محل اعجاز و خرق عادت فرود آوردہ اند و جواب از استدلال ام المومنین بر داشتہ از چنانچہ از مواہب لدنیہ مفہوم می شود و در نفی سماع مطلق از موتے ہیچ شکے نیست و در اینجا بنابر انکہ ازاں ایراد کردہ می شود و احادیثے کہ در شرح صدور در اثبات سماع موتے وارد اند قابل تمسک نمی تواں شمرد کہ اکثر احادیث رسائل جلال الدین سیوطی از طبقہ رابعہ می باشند و احادیث طبقہ رابعہ قابل آں نیستند کہ در اثبات عقیدہ یا عملے تمسک باں کردہ شود چنانچہ مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی در عجالہ نافعہ می فرمایند کہ ما بہ تصانیف شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ در رسائل و نوادر خود ہمیں کتابہا ہست پس مادامیکہ تصحیح

نے اس کی شرح میں فرمایا ہے کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مردے کو قبر میں دکھ اور لذت کا احساس ہوتا ہے باقی رہا سننے کا معاملہ تو اس پر بھی علماء کا اتفاق ہے کہ مردے نہیں سنتے چنانچہ کتاب الایمان میں اس کی تصریح ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جو یہ لکھا ہے کہ "اکثر فقہا سننے کا انکار کرتے ہیں اور کچھ فقہا اور اکثر مشائخ اس کے قایل ہیں" یہ دعوی محض بلا دلیل ہے اور شیخ صاحب نے اپنے اس دعوے پر ایک بھی دلیل بیان نہیں فرمائی جو ان کے دعوی کی تصدیق کرتی اور یہ تو تحقیق سے ثابت ہے کہ علماء حنفیہ میں سے ایک بھی سماع موتے کا قائل نہیں ہے ہاں دوسرے لوگوں میں بقدر قلیل کچھ لوگ سماع موتی کیطرف گئے ہیں اور حضرت عائشہؓ نے ان لوگوں کے جواب دے دیئے تھے اور حضرت عمرؓ کی حدیث میں جو یہ لفظ آئے ہیں کہ ما انتم باسمع منہم (تو ان سے زیادہ نہیں سنتا) تو بعض نے ان الفاظ کو حضرت عمر کے نسیان پر محمول کیا ہے اور بعض نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ پر چنانچہ اس کے جواب میں حضرت عائشہؓ کے استدلال کو پیش کیا ہے چنانچہ مواہب لدنیہ میں اس کی تصریح ہے اور جن احادیث سے

احادیث متحقق نمی شود استدلال بآنہا از داب محققین نیست حالا نقل روایات فقیہہ کہ در عدم سماع موتے در کتب متداولہ واقع اند پرداختہ می آید در در مختار مرقوم است فلو قال ان ضربتك او کسوتك او کلمتك او دخلت علیك او قبلتك تقید کل منہا بالحیات حتی لو علق بہا طلاقا او عتقا لم یحنث بفعلہا بمیت انتہی ما فی الدر المختار وعلامہ سید محمد امین معروف بابن عابدین در رد المختار حاشیہ در المختار نوشتہ اند قولہ تقید کل منہا بالحیات الخ اما الضرب فلانہ اسم لفعل مولم یتصل بالبدن او استعمال آلۃ التادیب فی محل یقبل والایلام والادب لا یتحقق فی المیت ولا یرد تعذیب المیت فی قبرہ لانہ توضع فیہ الحیوۃ عند العامۃ بقدر ما یحس بالالم والبنیۃ لیست بشرط عند اہل السنۃ بل تجعل الحیوۃ فی تلك الاجزاء المتفرقۃ التی لا یدرکہا البصر واما الکسوۃ فلان التملیك معتبر فی مفہومہا کما فی الکفارۃ ولہذا لو قال کسوتك ہذا الثوب کان ہبۃ والمیت لیس اہلا للتملیك وقال الفقیہ ابو اللیث لو کان بالفارسیۃ ینبغی ان یحنث لانہ یراد بہ اللبس دون التملیك ولا یرد قولہم انہ لو نصب شبکۃ فتعلق بہا صید بعد موتہ ملکہ لانہ مستند الی وقت الحیوۃ والنصب والمراد انہ علی حکم ملکہ فتملکہ الورثۃ حقیقۃ لا ہو وایضا ہذا ملك لا تملیك

مردے کا سننا ثابت ہوتا ہے وہ جلال الدین سیوطی کے رسائل سے نقل کی گئی ہیں اور سیوطی کا مانند طبقہ رابعہ کی کتابیں ہیں جو عقیدہ کے اثبات کے لئے غیر معتبر ہیں شاہ عبد العزیز دہلوی نے عجالہ نافعہ میں لکھا ہے کہ سیوطی کی روایات جب تک ثابت نہ ہو جائیں وہ قابل استدلال نہیں ہیں۔

اب فقہ حنفی اور تفسیر کی کتابوں کا دوبارہ سماع موتی اقتباس ملاحظہ فرمادیں۔ در مختار رد المختار۔ فتح القدیر۔ جامع صغیر۔ ہدایہ۔ شرح مواقف۔ شرح مقاصد۔ فصول فی علم الاصول۔ نظم الدلائل۔ اصول شاشی۔ تفسیر درمنثور۔ تفسیر نیشاپوری۔ تفسیر جامع البیان۔ تفسیر جلالین۔ تفسیر معالم التنزیل۔ تفسیر موضح القرآن۔ عینی شرح کنز میں لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی قسم اٹھائے کہ میں تجھ سے بات کروں یا تجھ کو کپڑا پہناؤں یا تجھ کو ماروں یا میں تیرے پاس آؤں یا میں تیرا بوسہ لوں تو میری عورت کو طلاق ہو یا میرا غلام آزاد ہو جائے تو یہ تمام چیزیں زندگی کے ساتھ مفید ہوں گی اگر مرنے کے بعد اس سے کلام کرے یا اس کو کفن پہنائے یا مرنے کے بعد اس کو مارے یا اس کی میت کے پاس جائے

هذا ما ظهر لی واما الکلام فلان المقصود منه الافهام والموت ینافیه ولا یرد ما فی الصحیح من قوله صلعم لاهل قلیب بدر هل وجدتم ما وعدکم ربکم حقا فقال عمر اتکلم المیت یا رسول الله فقال علیه السلام والذی نفسی بیده ما انتم باسمع من هولاء او منهم فقد اجاب عنه المشائخ بانه غیر ثابت یعنی من جهة المعنی وذلك لان العایشة ردته بقوله تعالی وما انت بمسمع من فی القبور انك لا تسمع الموتی وانه انما قاله علی وجه الموعظة للاحیاء وبانه مخصوص باولئك تضعیفا للحسرة علیهم وبانه خصوصیة له علیه السلام معجزة لکن یشکل علیهم ما فی مسلم ان المیت لیسمع قرع نعالهم اذا انصرفوا الا ان یخصوا ذلك باول الوضع فی القبر مقدمة للسوال جمعا بینه وبین الآیتین فانه شبه فیهما الکفار بالموتی لافادة عدم سماعهم وهو فرع سماع الموتی هذا حاصل ما ذکره فی الفتح ههنا وفی الجنائز ومعنی الجواب الاول انه وان صح سنده لکنه معلول من جهة المعنی بعلة یقتضی عدم ثبوته عنه علیه السلام وهی مخالفة للقرآن فافهم انتهی۔ ودر جامع صغیر نوشته وکذلك الکلام لان معناه الافهام والموت ینافیه الاتری الی قوله وما انت بمسمع من فی القبور ودر ہدایه نوشته من قال ان ضربتك فعبدی حر فمات فضربه فهو علی الحیات لان الضرب اسم لفعل مولم یتصل بالبدن والایلام لا یتحقق فی المیت ومن یعذب فی القبر یوضع فیه الحیوة فی قول العامة وکذا الکلام والدخول لان المقصود من الکلام الافهام والموت ینافیه ودر عنایه فی قوله وکذلك الکلام بان حلف لا یکلم فلانا ولا یدخل دار فلان لان

تو اس صورت میں نہ اس کی قسم ٹوٹے گی نہ عورت کو طلاق ہوگی نہ اس کا غلام آزاد ہوگا کیونکہ مارنا ادب سکھانے کے لئے ہوتی ہے یا سزا دینے کے لئے اور یہ دونوں چیزیں مردے میں نہیں ہیں اگر کہا جائے کہ میت کو قبر میں عذاب ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قبر میں رکھے جانے کے بعد ایک طرح کی زندگی اس میں پیدا کی جاتی ہے جس سے وہ برزخ کے عذاب کو محسوس کرتا ہے اور یہ جو فقہا لکھتے ہیں کہ اگر ایک آدمی مچھلی کے شکار کے لئے کنڈی لگائے اور اس کے مرنے کے بعد مچھلی کنڈی میں اٹک جائے تو اس مچھلی کا وہ مالک ہوگا اگر مردہ کسی چیز کا مالک نہیں تو پھر اس کا مالک کیسے بنے گا اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے وارث اس کے مالک ہوں گے اور میت کی ملک سمجھ کر ورثاء میں تقسیم ہو جائے گی۔ اور

المقصود من الکلام الافہام وذا بالاسماع وذا لا یتحقق بعد الموت الخ انتہی ۔
درشرح مواقف نوشتہ کہ تجویز قیام علم وقدرت وارادہ وسمع وبصر بمیت مذہب
فرقہ صالحیہ از معتزلہ است عبارتش این است الصالحیۃ اصحاب الصالحی وھذا
من مذھبھم انھم جوزوا قیام العلم والقدرۃ والارادۃ والسمع والبصر بالمیت
ویلزمھم جواز ان یکون الناس مع اتصافھم بھذہ الصفات امواتا وان
لا یکون تعالی حیا انتہی ودرشرح مقصد علامہ تفتازانی مرقوم است ۔ اما قولہ
وما انت بمسمع من فی القبور فتمثیل حال الکفرۃ بحال الموتی ولا نزاع فی ان
الموتی لا تسمع انتہی ودر غرائب فی تحقیق المذاہب نوشتہ رأی الامام الاعظم
ابی حنیفۃ من یاتی قبور اھل الصلاح فیسلم ویخاطب ویتکلم ویقول یا
اھل القبور ھل لکم من خبر وھل عندکم من اثر انی اتیتکم ونادیتکم من
شھور ولیس سوالی منکم الا الدعاء فھل دریتم ام غفلتم فسمع ابو حنیفۃ
یقول مخاطبتہ لھم فقال ھل اجابوا لک قال لا فقال سحقا لک وتربت یداک کیف
تکلم اجسادا لا یستطیعون جوابا ولا یملکون شیئا ولا یسمعون صوتا وقرأ وما
انت بمسمع من فی القبور انتہی ۔ ودر فصول فی علم الاصول می نویسد لو حلف لا
یکلم فلانا وکلمہ بعد الموت او ضرب بعد الموت لا یحنث لعدم معنی الافہام
والایلام انتہی ۔ ودر نظم الدلائل می نویسد ان الذین فی القبور لا یسمعون ما یکون
مرتی انتہی ودرشامی نویسد من حلف لا یکلم فلانا فکلمہ بعد الموت لا یحنث

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بدر کے کافروں سے خطاب کیا تھا تو وہ من حیث المعنی ثابت
نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہ نے قرآن پاک کی آیت وما انت بمسمع من فی القبور اور
انک لا تسمع الموتی سے اس کی تردید کردی تھی۔ پھر بعض نے اس کو معجزہ پر محمول کیا بعض نے زندوں
کی عبرت کے لئے اس کو کہا اور وہ جو حدیث میں ہے کہ مردہ جوتیوں کی آواز سنتا ہے وہ قبر میں منکر نکیر
کے سوال وجواب کے وقت ہوتا ہے آگے پیچھے نہیں ہوتا۔

اہل سنت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے کہ مردے نہیں سنتے البتہ معتزلہ فرقہ کی شاخ صالحیہ مردے کے
لئے علم۔ قدرت۔ سماعت۔ بصارت ثابت کرتے ہیں ان کے مذہب کے مطابق خداوند تعالی ان
صفات کے ہوتے ہوئے بھی زندہ نہیں ہیں بلکہ مردہ ہیں۔ غرائب فی تحقیق المذاہب میں ہے کہ ایک

لعدم الاسماع انتہی و در تفسیر درمنثور می نویسد اخرج ابو سہل السری بن سہل بن الجنید النیشاپوری فی الخامس من حدیثہ من طریق عبد القدوس عن ابی صالح عن ابن عباس فی قولہ تعالے انک لا تسمع الموتی وما انت بمسمع من فی القبور قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقف علی القتلی یوم بدر و یقول اھل وجدتم ما وعدکم ربکم حقا یا فلان یا فلان الم تکفر بربک الم تکذب بنبیک الم تقطع رحمک فقالوا یا رسول اللہ ایسمعون ما نقول فقال ما انتم باسمع منہم بما اقول فانزل اللہ وانک لا تسمع الموتی وما انت بمسمع من فی القبور انتہی و در تفسیر بیضاوی نوشتہ انما یستجیب الذین ای یستجیب الذین یسمعون بفہم وتامل کقولہ تعالے او القی السمع وھو شہید وھولاء کالموتی الذین لا یسمعون و در تفسیر جامع البیان تحت آیت کریمۃ والموتی یبعثہم اللہ می نویسد ای الکفار الذین کالموتی لا یسمعون انتہی و در جلالین تحت والموتی می نویسد ای الکفار شبہھم بہم فی عدم السماع انتہی و در نیشاپوری و کشاف تحت آیۃ کریمۃ انما یستجیب الذین یسمعون می نویسد یعنی ان الذین تحرص علی ان یصدقوک بمنزلۃ الموتی الذین لا یسمعون وانما یستجیب من سمع انتہی۔ و در معالم التنزیل تحت ہمیں آیت می نویسد انہم لفرط اعراضہم عما یدعون اللہ کالمیت الذی لا سبیل الی سماعہ والصم الذی لا یسمع انتہی۔ در موضح القرآن تحت فائدہ والموتے یبعثہم اللہ مرقوم است کہ یہ کافر مثل مردے کے ہیں سنتے نہیں قیامت میں دیکھ کر یقین کریں گے انتہی و فی فتح القدیر فی کتاب

آدمی قبرستان میں نیک لوگوں کی قبروں کے پاس جاکر کہہ رہا تھا کہ کیا تم کچھ سنتے ہو یا نہیں؟ تم میں کوئی بھلائی ہے یا نہیں؟ میں کئی مہینوں سے تمہارے پاس آرہا ہوں میری التجا صرف یہ ہے کہ تم میرے حق میں دعائے خیر کردو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سن رہے تھے آپ نے فرمایا کیا انہوں نے تجھ کو کوئی جواب دیا ہے؟ کہنے لگا نہیں آپ نے فرمایا تیرے ہاتھ خاک آلودہ ہوں تجھ پر افسوس تو مردوں سے کلام کرتا ہے جو تجھے کوئی جواب نہیں دے سکتے جو آواز نہیں سن سکتے پھر آپ نے قرآن مجید کی آیت پڑھی وما انت بمسمع من فی القبور۔ (تو قبر والوں کو نہیں سنا سکتا) تفسیر نیشاپوری میں ہے کہ جب نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر میں کفار کے مقتولوں سے سوال کیا تو اس وقت اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی

الجنائز هن اعتنا انتہ مشاعنا وهو ان الميت لا يسمع عندهم على ما صرحوا به فی كتاب الايمان فی باب اليمين بالضرب لو حلف لا يكلمه فلانا فكلمه ميتا لا يحنث لانها تنعقد على ما حيث يفهم والميت ليس كذلك لعدم استماع انتهى وايضا فيه فی ذلك الباب قوله وكذلك الكلام يعنی اذا حلف لا يكلمه اقتصر على الحيوة فلو كلمه بعد موته لا يحنث فان المقصود منه الافهام والموت ينافيه لانه لا يسمع فلا يفهم انتهى وفی العينی شرح الكنز عبارته هكذا اليمين فی الضرب و القتل وغير ذلك و لو قال رجل ان ضربتك فعبدی حر وان كسوتك فعلی كذا وان كلمتك فامرأتی طالق وان دخلت عليك فامتی حرة تقيد يمينه بحيوة المخاطب ولو فعل بهذه الاشياء بعد موت المخاطب لم يحنث لان هذه الاشياء لا يتحقق فی الميت لان الضرب ايقاع الالم وبعد الموت لا يتصور ومن يعذب فی القبر توضع فيه الحيوة على الصحيح وان اختلفوا فی كيفيتها الى ان قال و الكلام للافهام فلا يتحقق فی الميت فان قلت قال صلی الله عليه وسلم لقتلی بدر من المشركين هل وجدتم ما وعد ربكم حقا قلت رد تہ عائشةؓ وقالت قال الله تعالى انك لا تسمع الموتى وما انت بمسمع من فی القبور ولئن ثبت فهو مختص بالنبی صلی الله عليه وسلم ويجوز ان يكون ذلك لوعظ الاحياء لا على سبيل الخطاب للموتى انتهى۔ بالجملہ از کتاب وسنت ثابت ست کہ موتی را سماع حاصل نیست واللہ تعالے اعلم حررہ السید شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین	سید شریف حسین

سوال ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سارق ۔ قرضدار ۔ ڈاکو رہزن وغیرہ کا جنازہ پڑھنا درست ہے یا نہیں۔

الجواب ۔ عالمگیری میں ہے وتصلی[1] علی کل مسلم مات بعد الولادۃ صغیرا

کہ مُردوں کو نہیں سنا سکتا" دوسرا یہ تو ظاہر بات ہے کہ خداوند تعالے نے کفار کو عدم سماع کی وجہ سے مُردوں سے تشبیہ دی ہے اگر مردے سن سکتے ہوتے تو اللہ تعالے یہ تشبیہ بیان نہ کرتے قصہ مختصر یہ کہ قرآن وحدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مُردے نہیں سنتے واللہ اعلم۔

[1] ہر مسلمان پر نماز جنازہ پڑھی جائے جو زندہ پیدا ہونے کے بعد مرا ہو چھوٹا ہو یا بڑا۔ مرد ہو یا عورت آزاد

کان اوکبیرا ذکرا کان او انثی حرا کان او عبدا الا البغاۃ وقطاع الطریق ومن بقتل حالھم۔ اس سے ثابت ہوا کہ ڈاکو و رہزن و سارق وغیرہ پر نماز جنازہ نہیں پڑھنی چاہئے باقی رہا مقروض سو اس کے واسطے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نماز نہیں پڑھی بلکہ صحابہؓ کو حکم دیا کہ پڑھ لو۔ بلوغ المرام میں ہے[1] عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یوتی بالرجل المتوفی علیہ الدین فیسائل ھل ترک لدینہ من قضاء فان حدث انہ ترک وفاء صلی اللہ علیہ والا قال صلوا علی صاحبکم متفق علیہ۔ واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین

ھو الموفق۔ بغاۃ اور قطاع الطریق وامثالھم پر جنازہ کی نماز پڑھنے میں امت کا اختلاف ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان پر جنازہ کی نماز نہیں پڑھنی چاہیے اور بعض کہتے ہیں کہ پڑھنی چاہیے مگر ظاہر یہ ہے کہ ہر مسلمان کلمہ گو پر جنازہ کی نماز پڑھنی چاہیے ہاں بغاۃ و قطاع الطریق وغیرہم فساق و فجار پر جنازہ کی نماز اہل علم و مقتدی لوگ نہ پڑھیں بلکہ اور لوگ پڑھ دیں اس بات کے ثبوت میں احادیث و عبارات مندرجہ ذیل پڑھو مشکوۃ شریف میں ہے[2] عن زید بن خالد ان رجلا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توفی یوم خیبر فذکروا لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال صلوا علی صاحبکم فتغیرت وجوہ الناس لذلک فقال ان صاحبکم غل فی سبیل اللہ ففتشنا متاعہ فوجدنا خرزا من خرز یہود لا یساوی درھمین رواہ مالک وابو داؤد والنسائی اور صحیح مسلم میں ہے[3] عن جابر بن سمرۃ قال اتی النبی صلی اللہ علیہ و

---

[1] ہو یا غلام ما سوائے باغیوں اور ڈاکوؤں اور ان جیسے لوگوں کے ۔ لے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بعض ایسے جنازے لائے جاتے جن پر قرض ہوتا آپ پوچھتے کیا قرض ادا کرنے کے لئے کچھ مال چھوڑا ہے یا نہیں؟ اگر مال اتنا ہوتا جس سے قرض ادا ہو جائے تو اس پر نماز پڑھتے ورنہ فرماتے اپنے ساتھی کا جنازہ پڑھو۔

[2] صحابہ میں سے ایک آدمی خیبر کے دن شہید ہو گیا نبی صلعم سے اس کا تذکرہ کیا آپ نے فرمایا جا کر اس کا جنازہ پڑھو لوگ اس سے بڑے غمگین ہوئے آپ نے فرمایا اس نے خیانت کی ہے ہم نے اس کے سامان کی تلاشی لی تو اس میں یہودیوں کی کچھ کوڑیاں نکلیں جو دو درہم کی قیمت کی بھی نہیں تھیں۔

[3] نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جنازہ لایا گیا اس نے خودکشی کی تھی تو آپ نے اس کا جنازہ نہ پڑھا

سلم برجل قتل نفسہ بمشاقص فلم یصل علیہ وفی روایۃ النسائی اما انا فلا اصلی علیہ اور بلوغ المرام میں ہے وعن ابن عمر رضی اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوا علی من قال لا الہ الا اللہ وصلوا خلف من قال لا الہ الا اللہ رواہ الدارقطنی باسناد ضعیف اس حدیث کے تحت میں علامہ محمد بن اسمٰعیل سبل السلام صفحہ ۱۵۳ جلد ۱ میں لکھتے ہیں[۲] وھو دلیل علی انہ یصلی علی من قال کلمۃ الشھادۃ و ان لم یأت بالواجبات وذھب الی ھذا زید بن علی واحمد بن عیسی و ذھب الیہ ابو حنیفہ الا انہ استثنی قاطع الطریق والباغی وللشافعی اقوال فی قاطع الطریق اذا اصلب والاصل ان من قال کلمۃ الشھادۃ فلہ ما للمسلمین ومنہ صلوۃ الجنازۃ علیہ ویدل لہ حدیث الذی قتل نفسہ بمشاقص فقال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اما انا فلا اصلی علیہ ولم ینھھم عن الصلوۃ علیہ ولان عموم شرعیۃ صلوۃ الجنازۃ لا یخص منہ احد من اھل کلمۃ الشھادۃ الا بدلیل انتہی اور نیل الاوطار صفحہ ۲۶۱ جلد ۳ میں ہے[۳] قولہ فقال صلوا علی صاحبکم فیہ جواز الصلوۃ علی العصاۃ واما ترک النبی صلی اللہ علیہ وسلم الصلوۃ علیہ فلعلہ للزجر عن الغلول کما امتنع من الصلوۃ علی المدیون وامرھم بالصلوۃ علیہ قولہ فلم یصل علیہ فیہ دلیل لمن قال انہ لا یصلی علی الفاسق وھم العترۃ وعمر ابن عبد العزیز والاوزاعی فقالوا لا یصلی علی الفاسق تصریحا وتاویلا و وافقھم ابو حنیفہ واصحابہ فی الباغی والمحارب ووافقھم الشافعی فی قول

اور فرمایا میں اس کا جنازہ نہ پڑھوں گا [۱] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے لا الہ پڑھا اس کا جنازہ بھی پڑھو اور اس کے پیچھے نماز بھی پڑھ لو [۲] یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو لا الہ الا اللہ کہے اس کا جنازہ پڑھا جائے اگرچہ واجبات کا تارک ہو۔ زید بن علی ۔ احمد بن عیسٰی کا یہی مذہب ہے ۔ امام ابو حنیفہ ڈاکو اور باغی کے جنازہ کے قائل نہیں ہیں ڈاکو کے متعلق امام شافعی کے اقوال مختلف ہیں ۔ اصل یہ ہے کہ جو بھی لا الہ الا اللہ کہے اس کو مسلمانوں کے تمام حقوق مل جاتے ہیں اور اس میں سے جنازہ کی نماز بھی ہے اور جس نے خودکشی کی تھی اس کا جنازہ آپ نے تو نہ پڑھا لیکن صحابہ کو منع نہ فرمایا ۔ اور پھر کلمہ پڑھنے والے کا جنازہ پڑھنا ہی ہے جب تک کسی دلیل سے اس کا ناجائز ہونا ثابت نہ ہو جائے [۳] اس سے گنہگاروں پر نماز جنازہ پڑھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے اور آنحضرت کا خیانت کرنے والے اور مقروض کا جنازہ نہ

له في قاطع الطريق ومذهب مالك والشافعي وابوحنيفة وجمهور العلماء الى انه يصلى على الفاسق واجابوا عن حديث جابر بان النبي صلى الله عليه وسلم انما لم يصل عليه بنفسه زجرا للناس وصلت عليه الصحابة ويؤيد ذلك ما عند النسائي بلفظ اما انا فلا اصلي عليه وايضا مجرد الترك لو فرض انه لم يصل عليه هو ولا غيره لا يدل على الحرمة المدعاة ويدل على الصلوة على الفاسق حديث صلوا على من قال لا اله الا الله انتهى وقال صاحب المنتقى قال الامام احمد ما يعلم ان النبي صلى الله عليه وسلم ترك الصلوة على احد الا على الغال وقاتل نفسه انتهى والله تعالى اعلم

كتبه محمد عبد الرحمن المباركفوري عفا الله عنه۔

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر میت کو حائضہ غسل دے تو جائز ہے یا نہیں بینوا توجروا

الجواب۔ حائضہ کو غسل دینا جائز ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے زانو پر سر رکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھتے تھے اور حضرت عائشہ حائضہ ہوتی تھیں و نیز آپ حضرت عائشہؓ سے جب کہ وہ حالت حیض میں ہوتیں مصلے وغیرہ طلب کرتے تھے تو یہ بدرجہ اولے جائز ہوگا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

سید محمد نذیر حسین

ہو الموفق۔ اگر میت کو حائضہ غسل دے تو بلاشبہ جائز ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف میں ہوتے تو اپنے سر مبارک کو مسجد سے نکالتے اور حضرت عائشہؓ اپنے حجرہ میں بیٹھی ہوئی حالت حیض میں آپ کے سر مبارک کو دھوتیں۔ صحیح

پڑھنا تو بیجا و نیبھا ہے کیونکہ اگر ان کا جنازہ پڑھنا جائز نہ ہوتا تو آپ صحابہ کو بھی منع کر دیتے اہل بیت اور عمر بن عبد العزیز اور امام اوزاعی فاسق کا جنازہ پڑھنے کے قائل نہیں ہیں امام شافعیؒ ڈاکو کے جنازہ کے منکر ہیں اور امام مالک و ابوحنیفہ اور ان کے ساتھی اور جمہور علماء فاسق کے جنازہ کے قائل ہیں۔ ہاں امام ابوحنیفہ ڈاکو و رباغی کے جنازہ کے منکر ہیں اگر بالفرض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام بھی مقروض اور خائن کا جنازہ نہ پڑھتے تو بھی اس سے فاسق کے جنازہ کی حرمت ثابت نہ ہوتی کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو آدمی لا الہ الا اللہ کہے اس کا جنازہ پڑھو امام احمد کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں کہ انھوں نے خائن اور خودکشی کرنے والے کو سوا کسی اور کا جنازہ نہ پڑھا ہو۔

بخاری میں ہے[1] وکان یخرج راسہ وھو معتکف فاغسلہ وانا حائض۔ پس جب حائضہ کو زندہ کا بعض عضو دھونا جائز ہے تو میت کو غسل دینا بھی بلا شبہ جائز ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ دہلی میں کفن پر تین بند باندھنے اور قبر میں دو بند کھولنے اور کمر کے بند نہ کھولنے کی رسم ہے اور مٹی دیتے وقت آیت منہا خلقناکم الخ پڑھتے ہیں اور کفن کو کھول کر قبلہ رخ میت کا منہ موڑ دینے کا رواج ہے پس سوال یہ ہے کہ شرع شریف میں بند باندھنے کی صورت اور وقت اور موقع کیا لکھا ہے اور کس چیز سے باندھنے کا حکم ہے اور جب کہ بند باندھنا ضروری نہیں تو تمام ملک میں اس کا رواج لازمی طور سے کیوں ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ کسی آیت یا حدیث میں کفن پر بند باندھنے کا کچھ ذکر نہیں آیا ہے نہ اس کی صورت کا کچھ ذکر آیا ہے اور نہ اس کے وقت اور موقع کا کچھ تذکرہ آیا ہے اور نہ اس کا بیان آیا ہے کہ کس چیز سے باندھنا اور کے بند باندھنا چاہئے ہاں فقہائے لکھتے ہیں کہ اگر کفن کے منتشر ہونے اور میت کے کھل جانے کا خوف ہو تو کفن کو دھجی سے باندھ دیں اور قبر میں رکھنے کے بعد کفن کے منتشر ہونے کا خوف نہیں رہتا اس وجہ سے قبر میں بند کھول دینے کو لکھا ہے ہدایہ میں ہے وان خافوا ان ینتشر الکفن عنہ عقدوہ بخرقۃ صیانۃ عن الکشف واذا وضع فی لحدہ یحل العقدۃ لوقوع الامن من الانتشار انتہی ملخصاً اور آیہ منہا خلقناکم الخ کا مٹی دیتے وقت پڑھنا معلوم نہیں ہوتا اور میت کو لحد میں قبلہ رخ متوجہ کر دینا حدیث سے ثابت ہے۔ حافظ ابن حجر تخریج ہدایہ میں لکھتے ہیں۔ واما التوجہ الی القبلۃ ففیہ حدیث ابی ھریرۃ وقتادۃ ان البراء بن معرور لما توفی اوصی ان یوجہ الی القبلۃ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصاب صححہ الحاکم حررہ عبد الرحیم عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف کی حالت میں اپنا سر مسجد سے حجرہ کے اندر کر دیتے اور میں سر دھو دیتی حالانکہ میں حائضہ ہوتی۔

ہوالموفق - کفن پر بند باندھنے اور اس کو قبر میں کھول دینے کے بارے میں کوئی حدیث مرفوع نظر سے نہیں گزری ہاں سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کا ایک اثر اس بارے میں دیکھنے میں آیا ہے شرح معانی الآثار صفحہ ۲۹۲ جلد اول میں عثمان بن جحاش سے روایت ہے کہ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کا ایک لڑکا انتقال کر گیا تو انہوں نے اس کو غسل دیا اور کفنایا پھر اپنے غلام سے کہا کہ اسے دفن کے لئے لے جاؤ اور جب اس کو قبر میں رکھنا تو بسم اللہ وعلی سنت رسول اللہ کہنا پھر اس کے سر کی گرہ اور اس کے پیر کی گرہ کھول دینا بلفظہ هکذا انغسل بین یدیه وکفن بین یدیه ثم قال لمولاه انطلق به الی حفرته فاذا وضعته فی لحده فقل بسم الله وعلی سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم ثم اطلق عقد راسه وعقد رجلیه - اور علمائے حنفیہ وشافعیہ نے لکھا ہے کہ مٹی دیتے وقت آیت منها خلقناکم الخ پڑھنا مستحب ہے علامہ شوکانی نیل الاوطار صفحہ ۳۲۲ جلد ۳ میں لکھتے ہیں[2] قوله من قبل راسه فیه دلیل علی ان المشروع ان یحثی علی المیت من جهة راسه ویستحب ان یقول عند ذلك منها خلقناکم وفیها نعیدکم ومنها نخرجکم تارة اخری ذکره اصحاب الشافعی انتهی اور اسی طرح سبل السلام میں بھی لکھا ہے اور اس بارے میں ایک ضعیف حدیث آئی ہے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے وروی احمد باسناد ضعیف انه یقول مع الاولی منها خلقناکم ومع الثانیه وفیها نعیدکم ومع الثالثة ومنها نخرجکم تارة اخری - یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پہلی بار مٹی ڈالنے کے وقت منها خلقناکم پڑھتے اور دوسری بار میں وفیها نعیدکم پڑھتے اور تیسری بار میں ومنها نخرجکم تارة اخری - پڑھتے اور ایک حدیث ضعیف میں میت کو قبر میں رکھنے کے وقت بھی اس آیت کا پڑھنا آیا ہے نیل الاوطار صفحہ ۳۲۱ جلد ۳ میں ہے وعن ابی امامة عند الحاکم والبیهقی بلفظ لما وضعت ام کلثوم بنت

---

[1] اس کو غسل اور کفن دیا پھر اپنے غلام کو کہا اس کو قبر میں لے جا کر دفن کر دو جب اسے لحد میں رکھو تو کہو اللہ کے نام اور رسول اللہ کی سنت پر پھر اس کا پاؤں اور سر کا بند کھول دینا [2] اس میں دلیل یہ ہے کہ میت پر مٹی سر کی جانب سے ڈالنا مستحب ہے اور یہ بھی مستحب ہے کہ اس وقت یہ آیت پڑھے " اسی سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی میں لوٹائیں گے اور اسی سے دوسری مرتبہ نکالیں گے اس کو امام شافعی کے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی القبر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منہا خلقناکم وفیہا نعیدکم ومنہا نخرجکم تارۃ اخری وفی سبیل اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ الحدیث وسندہ ضعیف انتہی واللہ تعالے اعلم کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سوال۔ درینولا بسبب ناواقفیت دریں مسئلہ بسیار احتمال افتادہ است کہ برائے دفن کردن یک قبر میکنندچون نوبت بہ تیار شدن قبر افتاد نشان قبر کہنہ پدید آمد یعنی استخوان دست وپا وتمام بدن موجود بودند باز آن قبر را بند کردہ دیگر جا قبر کندیدند آنجا نیز ہمان طور بظہور آمد آن را نیز دفن کردند باسوم قبرے کندیدند آنجا ہم نشان مردہ بظہور رسید باز چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ نعش میت را در آنجا دفن کنند یا نکنند جواب مسئلہ ہذا از روئے کتب معتبرہ احادیث ترقیم فرمایند ومعہ امثلہ وحدیث نگارش نمایند فقط۔

الجواب۔ درصورت مرقومہ ہرگاہ در ہر جا قبر کندیدند ودست وپا مردہ برآمد وہمہ جائے مقبرہ خالی از اعضاء مردہ نمی یابند پس در وقت لاچاری اگر دریک قبر کہ در آن اعضاء میت نمودار می شود میت نو را دفن کنند مضایقہ ندارد زیرا کہ بروقت ضرورت دفن کردن دو میت وسہ میت دریک قبر جائز است چنانکہ در شہداء احد ہمیں طور بوقوع آمد کہ آنحضرت صلعم دو سہ میت دریک قبر

اصحاب نے ذکر کیا ہے۔

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ اس علاقہ میں ایک قبر کھودی گئی اتفاق سے وہاں کسی مردہ کی ہڈیاں نکل آئیں اس کو دفن کر کے پھر دوسری جگہ قبر کھودی گئی وہاں بھی یہی معاملہ ہوا پھر تیسری جگہ قبر کھودی گئی پھر وہی کیفیت ہوئی بتایا جائے کہ اس صورت میں کسی پرانی قبر میں میت کو دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟۔ مسئلہ ہذا کتب معتبرہ سے تحریر فرمادیں اور امثلہ بھی بیان فرمادیں۔

الجواب۔ جب ہر جگہ سے قبر برآمد ہوئی اور قبرستان میں کوئی خالی جگہ نہیں ملتی تو اس صورت میں پرانی قبر میں دفن کرنا جائز ہے احد کے شہیدوں کو ایک قبر میں دو دو تین تین کر کے دفن کیا گیا تھا فتاوی عالمگیری میں ہے "ضرورت کے سوا دو یا تین آدمیوں کو ایک ہی قبر میں دفن نہ کیا جائے" اور اگر کسی اور خالی جگہ میں تازہ میت کو دفن کردیا جائے تو بہتر ہے ورنہ مجبوری کی حالت میں کسی پرانی قبر میں دفن کردینا

دفن کردند چنانچہ در کتب احادیث مذکور است واز فتاوے عالمگیریہ مستفاد می شود ولا یدفن اثنان او ثلثۃ فی قبر واحد الا عند الحاجۃ انتہی ما فی الفتاوے العالمگیریہ۔ واگر جائے دیگر کہ خالی از میت باشد قبر کندیدہ دفن کنند بہتر واولی است وبر وقت نیافتن جائے خالی از اعضاء میت پس در قبر کہنہ کہ اعضاء ظاہر می شود میت نو را دران در حالت لاچاری دفن کردن مضائقہ ندارد۔ الضرورات تبیح المحظورات واللہ اعلم بالصواب۔ الراقم سید محمد نذیر حسین عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال۔ چہ فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندرین مسئلہ کہ تا وقتیکہ نان بوجہ خوب مہیا نشود ہرگز مردہ را تجہیز وتکفین ودفن نکنند وبریں طور اگر مردہ راسہ روز یا کم یا زیادہ دفن نکنند گندہ ومنتفخ باشد یا نہ حکم صلوۃ جنازہ چگونہ است بینوا توجروا۔

الجواب۔ در تجہیز وتکفین ودفن میت عجلت وشتابی پر ضرور است بدلیل حدیث ابوداؤد عن حصین بن وحوح ان طلحۃ بن البراء مرض فاتاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعودہ فقال انی لا اری الا قد حدث بہ الموت فاذنونی بہ وعجلوا فانہ لاینبغی لجیفۃ مسلم ان تحبس بین ظہرانی اہلہ رواہ ابوداؤد کذا فی المشکوۃ ودر بدر التمام ومسک الختام شرح بلوغ المرام نقل می کند از فتح الباری

جائز ہے۔

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ بعض لوگ جب تک اچھی طرح کھانا تیار نہ ہو جائے مردہ کو دفن نہیں کرتے اگر اسی طرح دو تین روز تک مردہ کو دفن نہ کیا جائے اور وہ پھول جائے یا وہ بھی پھوٹے تو ایسے آدمی کا جنازہ پڑھنا چاہیے یا نہیں؟؟

الجواب میت کو دفن کرنے میں بڑی جلدی کرنی چاہیے حدیث میں ہے کہ طلحہ بن براء بیمار تھے نبی صلے اللہ علیہ وسلم بیمار پرسی کے لیے تشریف لائے آپ نے فرمایا میرے خیال میں ان پر اب موت آیا ہی چاہتی ہے جب موت ہو جائے تو مجھ کو اطلاع دینا اور جلدی کرنا یہ درست نہیں کہ مسلمان کی لاش گھر والوں کے سامنے پڑی رہے" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جب تم میں سے کوئی آدمی فوت ہو جائے اس کو روک نہ رکھنا چاہیئے اس کی قبر کی جلد از جلد تیاری کرنی چاہیے" ان دونوں

حدیث عبداللہ بن عمر راکہ شنیدم رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم راکہ می فرمود چون بمیرد یکے ازشما پس حبس نکنید او را و شتابی کیند بوے بسوئے قبرِ وے اخرجہ الطبرانی باسناد حسن انتہی پس حدیث ابوداؤد وطبرانی مخبر است بتعجیل وشتابی تجہیز و تکفین و دفن میت واین چہ معنی کہ تا وقتیکہ نان بوجہ خوب مہیا نشود ہرگز تکفین و تجہیز و دفن نہ کردہ شود مردہ این طریقہ خلاف حدیث ماثور و مخالف تعامل قرون ثلثہ و عمل مجتہدین و محدثین است و داخل در وعید این حدیث من عمل عملا لیس علیہ امرنا فھو رد رواہ البخاری پس حبس میت برائے مہیا و موجود شدن نان از بدعت ضلالت و گمراہی است و این امر قبیح از اختراع امامان جہلہ مساجد است کہ ازین بہانہ مال مردم می خورند۔ نعوذ باللہ من ہذہ الجرأۃ الشنیعۃ

سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱

مسئلہ۔ واضح ہو کر ڈھیلے مٹی پر سورہ اخلاص وغیرہ پڑھ کر قبر میں رکھنا قول و فعل آنحضرت صلعم وصحابہ کرام سے ثابت نہیں و نیز قول و فعل تابعین و تبع تابعین وطبقات ہفتگانہ فقہاء حنفیہؒ وغیرہ سے بھی کتب معتبرہ ومعتمدہ میں ثابت نہیں غرض اس کی کچھ سند نہیں ہے اور جو کسی نے بلا سند کسی کتاب غیر معتبر میں لکھا ہو اس کا ہرگز اعتبار نہیں کیونکہ کتب اصول فقہ اور حدیث میں مقرر ہو چکا ہے کہ حدیث بلا سند حجت نہیں اور اسی طرح سے جواب نامہ کی کچھ اصل نہیں پائی جاتی شرع شریف میں وقد افتی ابن الصلاح بانہ لایجوز ان یکتب علی الکفن یٰس والکھف ونحوھما خوفا من صدید المیت کذا فی ردالمختار حاشیہ الدرالمختار

حدیثوں سے ثابت ہوا کہ میت کو جلد از جلد دفن کرنا چاہیے اور روکنا نہ چاہیئے اور کھانا پکانے کے لئے میت کو روک رکھنا ایک عجیب سی بات ہے اور یہ طریقہ خلاف حدیث ہے قرون ثلاثہ میں اس کا نام ونشان نہیں ملتا۔ مجتہدین اس کے برخلاف ہیں اور مطابق حدیث من عمل عملاً لیس علیہ امرنا فھو رد یہ کام مردود ہے اور یہ جاہل اماموں کی اختراع ہے جو حرام طریقہ سے لوگوں کے مال کھاتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ہذہ الخرافات۔

لہ ایمانداروں کے لئے. تنی ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہے ؎ جائز نہیں ہے کہ کفن پر سورہ یٰس یا کہف یا اور کوئی سورت لکھی جائے کیونکہ میت کی پیپ سے اس کے آلودہ ہونے کا خوف ہے

اور اسی طرح جمع ہو کر تیسرے دن قرآن مجید پڑھنا جیسا کہ معمول ہو رہا ہے یا چنوں پر کلمہ پڑھنا یہ بھی قرون ثلثہ اور ائمہ اربعہ اور محدثین اور دیگر فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ سے منقول نہیں۔ اور اسی طرح سیوم اور دسواں بیسواں چہلم و چھ ماہی برسی وغیرہ رسمیں بھی کہیں سے ثابت نہیں بلکہ یہ رسمیں ہنود اور کفار کی ہیں اجتناب اور حذر ان امور مذکورہ سے واجب ہے اور ان رسموں میں صریح تشبہ ساتھ کفار کے پایا جاتا ہے اور فرمایا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مَن تشبہ بقوم فہو منہم[1] کذا فی المشکوٰۃ وبلوغ المرام۔ ان امور کو فتاوٰے جامع الروایات اور شرح مہذب نووی اور فتاوٰے قرطبی اور نصاب الاحتساب اور رسالہ علامہ حسام الدین عبدالوہاب متقی وغیرہ میں بدعت شنیعہ اور کراہت شدیدہ لکھا ہے اور اسی طرح سے مستملی و صغیری شرح منیۃ المصلی و فتاوٰے بزازی وغیرہ میں بھی صراحۃً بدعت اور کراہت ان امور مذکورہ کو لکھا ہے اور طعام پر فاتحہ وغیرہ پڑھنا بھی تشبہ ساتھ ہنود کے ہے کیونکہ مسلمان جاہل فاتحہ کہتے ہیں اور ہنود کے برہمن اشلوک کہتے ہیں یہ واہیات رسمیں کفار سے مسلمان جاہلوں نے اخذ کی ہیں یہ امور مذکورہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین و مجتہدین اور محدثین متقدمین اور متاخرین سے ہرگز ثابت نہیں اور نہ ان امور مذکورہ کا تعامل اور رواج قرون ثلثہ وغیرہ میں پایا گیا وفی تلخیص السنن قال مؤلفہ[2] ان ھذا الاجتماع فی الیوم الثالث خصوصا لیس فیہ فرضیۃ ولا فیہ وجوب ولا فیہ سنۃ ولا فیہ استحباب ولا فیہ منفعۃ ولا فیہ مصلحۃ فی الدین بل فیہ طعن ومذمۃ وملامۃ علی السلف حیث لم یبینہ ھو الیہ بل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیث ترک حقوق المیت بل علی اللہ

---

[1] جو کسی قوم سے مشابہت کرے وہ انہی میں سے ہے [2] یہ تیسرے دن کا اجتماع جو خصوصاً منعقد ہوتا ہے یہ نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت نہ مستحب نہ اس میں کوئی فائدہ ہے نہ کوئی دینی مصلحت ہے بلکہ اس میں ایک طرح کا سلف صالحین پر الزام ہے کہ ان کو یہ مفید باتیں معلوم نہ ہو سکیں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کہ انہوں نے میت کے حقوق چھوڑ دیئے بلکہ یہ الزام تو اللہ تعالےٰ پر بھی آئے گا کہ اس نے شریعت کو مکمل نہ کیا اور ویسے ہی کہہ دیا" کہ میں نے آج تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم کو پوری طرح

---

[1] اخرجہ ابو داؤد و صححہ ابن حبان۔

سبحانہ وتعالی حیث لم یکمل شریعتہ وقد قال اللہ تعالی فی تکمیل الشریعۃ المحمدیۃ صلعم الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا الایۃ کذا فی الرسالۃ للعلامۃ حسام الدین الشہیر بالمتقی وذکر البزازی انہ یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی المقبرۃ واتخاذ الدعوۃ لقراءۃ القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم او القراءۃ سورۃ الانعام او الاخلاص قال والحاصل ان اتخاذ الطعام عند قراءۃ القرآن لاجل الاکل یکرہ وان اتخذ طعاما للفقراء کان حسنا انتہی ما فی الصغیری والکبیری والعینی شرح الھدایۃ ورد المختار وغیرہ من کتب الفقہ وقال النووی فی شرح المنہاج اتخاذ الطعام فی الیوم الثالث والسادس والعاشر والعشرین وغیرھا بدعۃ مستقبحۃ ھکذا فی جامع الروایات وغیرھا من کتب الفقہ اور ایصال ثواب مالی یا بدنی بلا تقرر وتعیین وقت اور دن میں جب چاہے پہنچاوے درست اور طریقہ مسلوکہ فی الدین ہے اور امور مذکورہ بالا محدث فی الدین ہیں جیسا کہ علمائے ربانی محققین پر مخفی نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال: (۱) اذان قبر پر بعد دفن میت کے درست ہے یا نہیں۔ (۲) جواب نامہ کفن پر لکھنا اور قل کے ڈھیلے قبر میں رکھنا اس کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ اذان قبر پر دینا مکروہ اور بدعت قبیحہ ہے کیونکہ آنحضرت صلعم اور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین اور تبع تابعین اور مجتہدین رحمہم اللہ سے ثابت نہیں فرمایا رسول خدا نے جو دین میں نئی بات نکالے وہ مردود ہے

سے دین اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔ علامہ حسام الدین المعروف متقی کے رسالہ میں بھی ایسا ہی ہے۔ اور بزازیہ میں ہے کہ پہلے اور تیسرے اور ساتویں روز کھانا تیار کرنا اور اس کو قبر پر لے جانا اور قرآن پڑھنے کے لئے دعوت پکانا اور نیک لوگوں اور قاریوں کو ختم قرآن یا سورہ انعام یا اخلاص پڑھنے کے لئے بلانا مکروہ ہے۔ حاصل یہ کہ قرآن پڑھنے کے وقت قاریوں کے لئے کھانا تیار کرنا مکروہ ہے اور اگر فقیروں کے لئے کھانا پکایا جائے تو اچھا ہے۔ امام نووی نے شرح منہاج میں کہا تیسرے۔ چھٹے۔ دسویں اور بیسویں دن کھانا تیار کرنا ایک بدترین قسم کی بدعت ہے۔

من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد کما رواہ البخاری وغیرہ کذا فی المشکوٰۃ اور فقہاء لکھتے ہیں کہ قبر کے نزدیک جو امر معہود سنت سے نہ ہو وہ مکروہ ہے یکرہ عند القبر ما لم یعہد من السنۃ والمعہود ھھنا لیس الا زیارتہ والدعاء عندہ قائما کذا فی فتح القدیر والبحر والنہر والعالمگیریۃ۔ اور اصرار کرنا مکروہ پہ گناہ ہے چنانچہ ملا علی قاری وطیبی وغیرہ نے لکھا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۲) جواب سوال دوم کا یہ ہے کہ کفن پر لکھنا جواب نامہ کا اور نقل کے ڈھیلے قبر میں رکھنا درست نہیں بلکہ یہ دونوں کام بدعت ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب حررہ سید شریف حسین عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔[۱]

الجواب۔ اور اسی طرح جو کچھ کفن پر لکھنے کی روایت نقل کی ہے محض بے اصل اور اس کا کچھ پتا اور نشان کتب ائمہ اربعہ بروایت صحیحہ اور محدثین محققین کی کتابوں میں نہیں پایا جاتا اور ظاہر ہے کہ کفن پر آیات ودعا لکھنا سراسر بے ادبی ہے کہ پیپ اور خون میں ملوث ہوں گے اس لئے ابن عابدین شامی نے حاشیہ درمختار میں کفن پر آیت وحدیث کے لکھنے سے منع کیا ہے[۲] حیث قال افتی ابن الصلاح بانہ لا یجوز ان یکتب علی الکفن سورۃ یٰسین او الکھف ونحوھما خوفا من صدید المیت فلا یجوز تعریضہ للنجاسۃ والقول بانہ یطلب فعلہ مردود لان مثل ذلک لا یحتج الا اذا صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم طلب ذلک ولیس کذلک اکاذیب منا

---

[۱] قبر کے پاس ہر وہ چیز مکروہ ہے جو سنت کے خلاف ہے [۲] ابن صلاح نے فتویٰ دیا ہے کہ کفن پر سورہ یٰسین یا سورہ کہف لکھنا منع ہے کیونکہ میت کی پیپ سے کفن ناپاک ہو جائے گا اور قرآن مجید کی توہین ہوگی اور یہ کہتے ہیں "کہ لینا چاہیے" یہ بات مردود ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہے اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ روپے کے سکوں یا محرابوں دیواروں پر خدا تعالیٰ کے نام یا قرآن پاک لکھنا منع ہے کیونکہ اس سے ان کا احترام نہیں رہے گا۔ اور یہاں زیادہ منع ہونا چاہیے۔

---

[۱] سوال کی عبارت نہیں ملی اس وجہ سے صرف جواب لکھا گیا ہے۔ جواب سے سوال بخوبی معلوم ہو سکتا ہے۔

قبیل باب المیاہ عن الفتح انہ انکرکتابۃ القرآن واسماء اللہ تعالیٰ علی الدراہم والمحاریب والجدران وماتخالف الا الاحترامہ وخشیتہ وطئہ ونحوہ مما فیہ اہانۃ فالمنع ھنا بالاولیٰ مالم یثبت عن المجتہد او ینقل فیہ حدیث ثابت فتامل کذا فی ردالمختار حاشیۃ درالمختار للعلامۃ ابن عابدین الشامی۔ ودر فوائد الفواد حضرت نظام الدین اولیاء نیز مذکور است کہ گفتے سخن در دعا اموات افتاد بندہ عرضداشت کرد کہ ایں بر تربت ہا قرآن و دعاے نویسند چگونہ است فرمودند کہ نمی باید نوشت و بر جامہ کفن نیز انتہی کلامہ پس فوائد الفواد حضرت نظام الدین اولیا سے بھی صاف معلوم ہوا کہ کفن پر آیت قرآنیہ و دعا کا لکھنا منع ہے اور جو مستفتی نے اس باب میں حدیث نقل کی ہے وہ محض بے اسل و دروغ بے فروغ ہے[1] وآنچہ در باب تقبیل قبر مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم از مسند امام احمد نقل کردہ صریح دروغ و محض افتراپردازی وحیلہ سازیست وہرگز در مسند امام احمد فعل ابوایوب انصاری منقول نیست ناقلان کاذبین افترا کردہ بر امام احمد دروغ بستند و نوشتند چہ از ائمہ اربعین و محدثین و متقدمین و متاخرین محققین در کتب فقہ وحدیث معتبرہ ومتداولہ ازین فعل اثرے ونشانے نیست بلکہ منع ونہی ازاں ثابت است چنانکہ در کتب مذاہب اربعہ و محدثین محققین مذکور است در شرح حصن الحصین ملا علی قاری ودیگر کتب فقہیہ مذکور است لایمس ای القبر ولا الجدار ولا التابوت فوحالنہی عن مثل ذلک بقبرہ علیہ السلام فکیف بقبور سائر الانام ولا یقبل فانہ زیادۃ علی المس فھو اولیٰ بالنہی۔ انتہی کلامہ وھکذا فی تبیین المحارم وغیرہ من کتب الفقہ۔

[1] وہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو بوسے دینے کے متعلق مسند احمد کے حوالہ سے حدیث نقل کرتے ہیں بالکل بکواس ہے صاف جھوٹ ہے اس میں ایسی کوئی حدیث نہیں ہے ناقلین نے امام احمد پر یہ بہتان لگایا ہے کیونکہ ائمہ اربعہ اور فقہا و محدثین متقدمین ومتاخرین کی کتابوں میں اس کا کوئی نام ونشان نہیں ہے بلکہ کتب فقہ میں اس کی ممانعت مذکور ہے۔ ملا علی قاری شرح حصن الحصین میں لکھتے ہیں "قبر یا اس کی دیوار یا تابوت کو ہاتھ نہ لگایا جائے یہ نہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے متعلق ہے پھر دوسرے لوگوں کی قبروں پہ ایسا کرنا کیسے جائز ہوگا۔

وآنچہ از کفایہ شعبی نقل کردہ از ہمہ واہیات وخرافات است واز جملہ مکذوبات و مفتریات از چنیں مفتریان ودروغ گویان خدا امان بخشد وپناہ دہد زیراکہ در کتب متداولہ بسند صحیح وہم ضعیف لہ از ائمہ اربعہ ومحدثین متقدمین ومتاخرین محققین اصلا ثابت نہ شدہ ودر قرون ثلثہ مشہور نہ گردیدہ این واہیات در تذکرہ نورالدین محدث ودیگر موضوعات نظر باید کرد کہ حال ایں دروغ بربستہ ہویدا گردد۔ واللہ اعلم بالصواب۔ الراقم العاجز سید محمد نذیر حسین عفی عنہ | سید محمد نذیر حسین |

نعم التحقیق وحبذا التوفیق والحق ان ہذا لشئی عجاب فاعتبروا یا اولی الالباب۔

محمد عبد الرب	حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ	محمد اسد علی اسلام آبادی

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو طعام بوقت ہوجانے موت کسی آدمی کے بنام نہاد حاضری سوم وچہلم وغیرہ حسب رواج ہر قوم پکواکر خواہ بطریق دعوت خواہ بطریق بھاجی گھر بگھر تقسیم ہوتا ہے اور فقرے غربا باقی تمام اہل برادری کو کھلایا جاتا ہے اور اس میں اکثر مالدار ہوتے ہیں اور یہ کھانا وارثان میت حسب رواج اپنی قوم کے اکراہًا وبلا اکراہ کرتے ہیں اور بعض اوقات بخوف طعنہ زنی قرض دام کرکے خواہ مال فروخت کرکے پکواتے ہیں بلکہ بعض اوقات یتیم کے مال کا بھی خیال نہیں کرتے ایسا کرنا جائز ہے یا ناجائز اور اس کا کھانا کیسا ہے اور از روئے شریعت اسلامی اور زمانہ سلف سے ثواب رسانی موتے کو کس طریق سے ثابت ہے اور کیونکر کرنا چاہیئے اور ایسا کرنے والا جو اس پر طریق مروج ہے مسرف کہلائے گا یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب۔ جو طعام حاضری کا یا سوم یا چہلم میت کا ہے اس میں رواج کسی قوم کا معتبر نہیں کیونکہ کوئی حدیث نبوی صلے اللہ علیہ وسلم یا روایت فقہی اس باب میں نہیں پائی جاتی پس یہ بالکل بے اصل ہے اور اس کا ضروری اور

لہ اور وہ جو شعبی کے حوالہ سے کفایہ کی حدیث نقل کرتے ہیں سب بکواس ہے سفید جھوٹ ہے۔ بد ترین الزام ہے خدا ایسے کذابوں سے بچائے کیونکہ کسی معتبر کتاب میں ائمہ اربعہ اور محدثین متقدمین ومتاخرین سے ایسی کوئی حدیث ثابت نہیں ہے اور قرون ثلاثہ میں اس کا کوئی نشان نہیں ملتا اگر ان واہیات حدیثوں کا حال معلوم کرنا ہو تو نورالدین کا تذکرہ اور موضاعات کی دوسری کتابیں ملاحظہ فرمائیں آپ کو سب کچھ معلوم ہو جائیگا

لازم جاننا بدعت ہے اور دعوت بھی نادرست ہے کیونکہ دعوت شادی اور خوشی میں مشروع ہے نہ غمی میں اور رسم بھاجی کی غمی اور شادی دونوں میں بدعت ہے کیونکہ اس میں تباری ہے یعنی آپس میں فخر اور ریا و نمود کرنا ہے ایسے طعام سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے مشکوٰۃ شریف صفحہ ۲۲۰ میں ہے عن عکرمۃ عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن طعام المتباریین ان یوکل رواہ ابوداؤد وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المتباریان لا یجابان ولا یوکل طعامھما قال الامام احمد یعنی المتعارضین بالضیافۃ فخرا وریاء خلاصہ ان دونوں حدیثوں کا یہ ہے کہ جو لوگ فخر و مباہاۃ اور نام و نمود کے واسطے کھانا کھلاویں اور دعوت کریں تو ایسے لوگوں کا کھانا نہیں چاہیئے اور قرض کرنا ایسے کام کے لیئے کہ جو نہ سنت ہے نہ مستحب ہے نہ مباح ہے ہرگز درست نہیں قرض کا ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے اور یہ کام مباح بھی نہیں اور مرتکب ایسے افعال کا بلاشبہ مسرف ہے بلکہ مبتدع ہے اور مال یتیم کا ظلم سے کھانا حرام ہے قال اللہ تعالی ان الذین یاکلون اموال الیتمی ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا وسیصلون سعیرا یعنی بے شک جو لوگ کھاتے ہیں مال یتیموں کا ظلم سے وہ کھاتے ہیں اپنے شکموں میں آگ کو اور عنقریب داخل ہونگے دوزخ میں اور ثواب رسانی میں موتے کے طریق سلف کا اور آج تک متبعین سنت کا یہ ہے کہ عبادت مالی کا ثواب مثلاً کنواں بنا کر یا نقد یا لباس وغیرہ مساکین کو دے کر یا طعام فقراء کو دے کر بے مقرر کرنے کسی دن سوم چہلم کے یا عبادت بدنی کا مثل نفل نماز روزہ تلاوت قرآن مجید و ذکر اللہ و درود و سلام کے ایصال کرکے میت کو پہنچاوے واللہ اعلم بالصواب کتبہ الفقیر محمد حسین عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

یقال لہ ابراہیم

جس طور پر امور مرجہ درج سوال ہیں بے شک ناجائز ہیں۔ مال یتیم کا کھانا حرام ہے رسومات کی پابندی بدعت ہے ہاں ایصال ثواب میت کو مال حلال سے یا کلمہ کلام سے جایز اور مستحسن ہے خواہ بطور تعیین یا لاعلی التعیین

مگر وہ تعیین داخل دین قرار دینا اور امر مستحب پر اصرار بطور لزوم کرنا بیشک بدعت وگمراہی ہے مطلق کو مقید اور مقید کو مطلق کرنا شرک فی النبوت ہے۔

کرامت اللہ

ہو الموفق۔ بوقت ہو جانے موت کے طعام پکوا کر کھلانا یا گھر گھر تقسیم کرنا جس طور پر کہ سوال میں مذکور ہے بلاشبہ حرام و ناجائز ہے اور ایسے طعام کا کھانا ممنوع ہے اور ایسا کرنے والا بلاشک مسرف ہے منتقی الاخبار میں ہے۔ عن جریر بن عبد اللہ البجلی قال کنا نعد الاجتماع الی اہل المیت وصنعۃ الطعام بعد دفنہ من النیاحۃ رواہ احمد نیل الاوطار صفحہ ۲۴۰ جلد ۳ میں ہے حدیث جریر اخرجہ ایضا ابن ماجہ واسنادہ صحیح ونیز اس میں ہے یعنی انہم کانوا یعدون الاجتماع عند اہل المیت بعد دفنہ واکل الطعام عندہم نوعا من النیاحۃ لما فی ذلک من التثقیل علیہم وشغلتہم مع ما ہم فیہ من شغلۃ الخاطر بموت المیت وما فیہ من مخالفۃ السنۃ لانہم مامورون بان یصنعوا لاہل المیت طعاما فخالفوا ذلک وکلفوہم صنعۃ الطعام لغیرہم انتہی ایسے طعام کے کھانے کھلانے کی حرمت وممانعت کتب فقہ حنفی میں بھی مصرح ہے فتح القدیر وغیرہ میں ہے اتخاذ الطعام من اہل المیت بدعۃ مستقبحۃ لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور انتہی اور دعا کا نفع موتے کو باتفاق علمائے سلف وخلف پہنچتا ہے اور عبادات مالیہ کا بھی ثواب موتی کو بالاتفاق پہنچتا ہے اور عبادات بدنیہ کے ثواب پہنچنے میں اختلاف ہے بعض علما کے نزدیک پہنچتا ہے اور بعض کے نزدیک نہیں پہنچتا ہے۔ واللہ تعالے اعلم بالصواب کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت کے جنازہ میں تابوت بنانا کہیں ثابت ہے یا نہیں۔ بعض مولویوں نے ایک عورت کے جنازہ پر تابوت کو تڑوادیا اور ناجائز بتایا اور وقت دفن کرنے کے قبر میں چادر سے پردہ کرنا ثابت ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من ستر مسلما سترہ اللہ یوم القیمۃ متفق علیہ[1] قولہ (من ستر مسلما سترہ اللہ یوم القیمۃ) فیہ الترغیب فی ستر عورات المسلم وظاہرہ عدم الفرق بین الحی والمیت فیدخل فی عمومہ ستر ما یراہ الغاسل ونحوہ من المیت وکراہۃ انشائہ والتحدث بہ (نیل الاوطار کتاب الجنائز) واما کونہا امرأۃ فیحتمل ان یکون معتبرا فان القیام علیہا عند وسطہا لسترہا وذلک مطلوب فی حقہا بخلاف الرجل ویحتمل ان لا یکون معتبرا وان ذلک کان قبل اتخاذ النعش للنساء فاما بعد اتخاذہ فقد حصل الستر المطلوب (فتح الباری) عن نافع ابی غالب قال کنت فی سکۃ المربد فمرت جنازۃ معہا ناس کثیر قالوا جنازۃ عبد اللہ بن عمر فتبعتہا فاذا انا برجل علیہ کساء رقیق علی بریذینۃ علی راسہ خرقۃ تقیہ من الشمس فقلت من ہذا الدہقان قالوا ہذا انس بن مالک فلما وضعت الجنازۃ قام انس فصلی علیہا وانا خلفہ لا یحول بینی وبینہ شیء فقام عند راسہ فکبر اربع تکبیرات لم یطل ولم یسرع ثم ذہب یقعد فقالوا یا ابا حمزۃ المرأۃ الانصاریۃ فقربوہا وعلیہا نعش اخضر فقام عند عجیزتہا فصلی علیہا نحو

[1] نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا قیامت کے دن اس کی اللہ پردہ پوشی کرے گا" اس میں ترغیب ہے کہ مسلمان کے نقائص کی پردہ پوشی کرنا چاہیے خواہ زندہ ہو یا مردہ۔ اس عموم میں یہ بھی داخل ہے جو غسل دینے والا میت کی شرم گاہ وغیرہ کو دیکھتا ہے مکروہ ہے اس کا حال بیان کرنا عورت کے جنازہ میں امام کا وسط میں کھڑا ہونا بھی اسی لئے ہے کہ عورت کی پردہ پوشی ہو بخلاف مرد کے اور عورتوں کے لئے تابوت بن جانے سے پردہ کا انتظام تو ہو گیا اب درمیان میں کھڑا ہونا ضروری معلوم نہیں ہوتا۔

صلوتہ علی الرجل ثم جلس فقال العلاء بن زیاد یا ابا حمزۃ ھکذا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی علی الجنازۃ کصلوتک یکبر علیہا اربعا ویقوم عند راس الرجل وعجیزۃ المرأۃ قال نعم (سنن ابی داؤد) ۔

واما[1] الرجل فعند راسہ لئلا یکون ناظرا الی فرجہ بخلاف المرأۃ فانھا فی النعش کما ھو الغالب ووقوفہ عند وسطھا یسترھا عن اعین الناس وفی حدیث ابی داؤد والترمذی وابن ماجہ عن انس انہ صلی علی رجل فقام عند راسہ وعلی امراۃ علیہا نعش اخضر فقام عند عجیزتہا فقال لہ العلاء بن زیاد یا ابا حمزۃ ھکذا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی علی الجنازۃ قال نعم (قسطلانی) اور نیل الاوطار میں نسبت حدیث ابوداؤد کے لکھا ہے الحدیث الثانی حسنہ الترمذی وسکت عنہ ابوداؤد والمنذری والحافظ فی التلخیص ورجال اسنادہ ثقات اور مولوی وحید الزماں ترجمہ ابوداؤد میں تحریر کرتے ہیں ترجمہ نافع سے جن کی کنیت ابوغالب ہے روایت ہے میں سکۃ المربد (ایک موضع ہے) میں تھا اتنے میں ایک جنازہ نکلا اس کے ساتھ بہت لوگ تھے لوگوں نے کہا عبداللہ بن عمر کا جنازہ ہے یہ سن کر میں بھی اس کے پیچھے چلا تو میں نے ایک شخص کو دیکھا باریک کمبل اوڑھے ہوئے ایک چھوٹی راس کے گھوڑے پر سوار ہے اور اپنے سر پر ایک کپڑے کا ٹکڑا دھوپ سے بچاؤ کے لئے ڈالے ہوئے ہے میں نے پوچھا یہ زمیندار کون ہے لوگوں نے کہا انس بن مالک ہیں (جنہوں نے دس برس تک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی سنہ ۹۲ یا سنہ ۹۳ میں ان کا انتقال ہوا اور سو سے زیادہ ان کی عمر ہوئی) جب جنازہ رکھا گیا تو انس کھڑے

---

[1] مرد کے جنازہ میں سر کے مقابل امام کھڑا ہو تاکہ اس کی شرمگاہ پر اس کی نظر نہ پڑے بہ خلاف عورت کے کہ اس کی کمر کے مقابل کھڑا ہو کیونکہ وہ عموماً تابوت میں ہوتی ہے اور اس کے وسط میں کھڑا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کی آنکھوں سے امام آڑ بن جائے حضرت انس نے ایک جنازہ پر نماز پڑھائی اس کے سر کے مقابل کھڑے ہوئے اور ایک جنازہ آیا اس کا سبز رنگ کا تابوت تھا آپ اس کے وسط میں کھڑے ہوئے علاء بن زیاد نے پوچھا اے ابو حمزہ کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جنازہ پر اسی طرح نماز پڑھایا کرتے تھے کہنے لگے۔ ہاں۔

ہوئے اور انہوں نے نماز پڑھائی میں ان کے پیچھے تھا بیچ سے اور ان کے بیچ میں کچھ آڑ نہ تھی انہوں نے چار تکبیریں کہیں نہ بہت دیر میں نماز پڑھی نہ جلدی پھر جانے لگے بیٹھنے کو لوگوں نے کہا اے ابا حمزہ (کنیت ہے حضرت انس کی) ایک عورت انصاریہ کا جنازہ ہے پھر اس کو نزدیک لائے اور وہ ایک سبز تابوت میں تھی تو انس کھڑے ہوئے اس کے کولے کے سامنے (یعنی سر کے سامنے کھڑے نہیں ہوئے جیسے مرد کے سر کے مقابل کھڑے ہوئے) پھر نماز پڑھی اس پر اسی طرح جیسے مرد پر نماز پڑھی تھی بعد اس کے بیٹھے تو علاء بن زیاد نے کہا اے ابا حمزہ کیا رسول صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ پر اسی طرح نماز پڑھتے تھے جیسے تم نے پڑھی اور چار تکبیریں کہتے تھے اور مرد کے سر کے سامنے کھڑے ہوتے تھے اور عورت کے کولے کے سامنے انس نے کہا ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح نماز پڑھتے اور اسی مقاموں میں کھڑے ہوتے تھے اور اسد الغابہ میں تحت احوال زینب بنت جحش کے لکھا ہے [لہ] وصلی علیہا عمر بن الخطاب ودخل قبرھا اسامۃ بن زید ومحمد بن عبد اللہ بن جحش وعبد اللہ بن ابی احمد بن جحش قیل ھی اول امرأۃ صنع لہا النعش ودفنت بالبقیع انتہی اور تحت احوال فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لکھا ہے [لہ] لما حضرھا الموت قالت لاسماء بنت عمیس یا اسماء انی قد استقبحت ما یصنع بالنساء یطرح علی المرأۃ الثوب فیصفہا قالت اسماء یا ابنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا اریک شیئا رأیتہ بارض الحبشۃ فدعت بجرائد رطبۃ فحنتہا ثم طرحت علیہا ثوبا فقالت فاطمۃ ما احسن ھذا واجملہ فاذا امت فاغسلینی انت وعلی ولا تدخلی علی احدا فلما توفیت جاءت

لہ ان پر عمر بن الخطاب نے نماز پڑھائی اور ان کی قبر میں اسامۃ بن زید اور محمد بن عبد اللہ بن جحش اور عبد اللہ بن ابی احمد بن جحش اترے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ پہلی عورت تھی جس کے لئے تابوت بنایا گیا اور جنت البقیع میں دفن کیا گیا لہ جب ان کی موت کا وقت قریب آیا تو اسماء بنت عمیس سے کہا جو کچھ عورتوں کے متعلق کیا جاتا ہے میں تو اس کو برا سمجھتی ہوں کہ عورت پر ایک کپڑا سا ڈال دیتے ہیں اور پھر لوگ اس کی باتیں کرتے رہتے ہیں (میت بھاری تھی، ہلکی تھی۔ فلاں عورت بڑی موٹی تھی وغیرہ وغیرہ)

عایشۃ فمنعتہا اسماء فشکتہا عائشۃ الی ابی بکر وقالت ھذہ الخثعمیۃ تحول بیننا وبین بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوقف ابوبکر علی الباب وقال یا اسماء ما حملک علی ان منعت ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یدخلن علی بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد صنعت لہا ھودجا قالت ھی امرتنی ان لا یدخل احد وامرتنی ان اصنع لہا ذلک قال فاصنعی ما امرتک وغسلہا علی واسماء وھی اول من غطی نعشا فی الاسلام ثم بعدھا زینب بنت جحش وصلے علیہا علی بن ابی طالب وقیل صلے علیہا العباس واوصت ان تدفن بیلا ففعل ذلک بہا ونزل فی قبرھا علی والعباس والفضل بن العباس قیل توفیت لثلاث خلون من رمضان سنۃ احدی عشرۃ واللہ اعلم انتہی) قال الامام النووی فی المنہاج فی کتاب الجنائز ویندب للمرأۃ ما یسترھا کتابوت قال فی تحفۃ المحتاج لابن حجر المکی یعنی قبۃ مغطاۃ لان اول من اتخذ لہا ذلک ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا بہ وکانت قد رأتہ بالحبشۃ لما ھاجرت وروی البیہقی ان فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوصت ان یتخذ لہا ذلک انتہی وقد روی عبد الرزاق عن ابن جریج عن الشعبی عن رجل ان سعد بن مالک قال امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فستر علی القبر حتی دفن سعد بن معاذ فیہ فکنت ممن امسک الثوب وروی یوسف القاضی باسناد لہ عن رجل عن علی انہ اتاھم وھم یدفنون میتا وقد بسط الثوب علی قبرہ فجذبہ وقال انما یصنع

اسماء نے کہا اے رسول اللہ کی بیٹی میں تجھے ایک چیز دکھلاتی ہوں جو میں نے حبشہ کے علاقہ میں دیکھی تھی اس کھجور کی تازہ شاخیں منگائیں ان کو جھکایا اور اس پر کپڑا ڈال دیا حضرت فاطمہ نے فرمایا یہ چیز تو بہت اچھی ہے جب میں مر جاؤں تو مجھے تو اور علی دونوں مل کر غسل دے دینا اور کسی دوسرے کو قریب نہ آنے دینا جب فاطمہ فوت ہو گئیں تو حضرت عائشہ آئیں اسماء نے ان کو روک دیا حضرت عائشہ نے ابوبکر کے پاس شکایت کی کہ یہ خثعمی عورت ہمیں رسول اللہ کی بیٹی کے پاس نہیں جانے دیتی تو ابوبکر نے دروازہ پر کھڑے ہو کر فرمایا اے اسماء تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو فاطمہ کے پاس جانے سے کیوں روکتی ہے اور اسماء نے فاطمہ کے لئے تابوت بنایا تھا اسماء نے کہا فاطمہ ہی وصیت کر گئی تھیں کہ کسی کو میرے پاس نہ آنے دینا اور مجھے تابوت بنانے کا حکم بھی دیا تھا۔ ابوبکر نے کہا۔ اچھا

ھذا بانتسار تلخیص الحبیر۔ ان سب عبارات سے صاف ظاہر ہوا کہ اجلہ اصحاب کرام جیسے حضرت انس و حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت علی و حضرت عباس وجم غفیر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے سامنے ایسا جنازہ کہ جس پر تابوت تھا سبھوں نے نماز جنازہ خوشی سے ادا کی۔ اور حضرت فاطمہؓ کی وصیت ہوئی واسطے بنانے تابوت کے اور قبیح سمجھا بغیر تابوت کے ہونے کو چنانچہ بعد وفات آپ کے حسب وصیت کے عمل سامنے جمیع صحابہ کے کیا گیا اور نیز حضرت زینب ام المومنین زوجہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جنازہ پر تابوت تھا اور حضرت عمر جیسے صحابی ماحی المنکرات نے نماز بخوشی پڑھائی تھی اور قسطلانی اور فتح الباری کی عبارت سے ظاہر ہوا کہ اسلام میں دستور تابوت کا تھا اور تلخیص کی عبارت سے ظاہر ہوا کہ عورت کے دفن کرنے کے وقت چادر کا پردہ کرنا چاہیے اور بہت کتب میں اس کا ثبوت موجود ہے اہل سنت کے لئے اس قدر کافی ہے پس باوجود ایسے ثبوت کے کون انکار کر سکتا ہے کیونکہ یہ مسئلہ سنت صحابہ کرام کا ہوا موافق فرمودہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا

بنا و پھر حضرت علے اور اسماء نے فاطمہؓ کو غسل دیا یہ سب سے پہلی عورت تھی جس کی لاش اسلام میں ڈھانپی گئی پھر اس کے بعد زینب بنت جحش کی لاش ڈھانپی گئی پھر فاطمہ کا جنازہ حضرت علی نے پڑھا بعض کہتے ہیں حضرت عباس نے پڑھایا تھا اور فاطمہ وصیت کر گئی تھیں کہ ان کو رات کے وقت دفن کیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا ان کی قبر میں حضرت علی۔ عباس اور فضل بن عباس اترے آپ کی وفات ۳ رمضان سلہ کو ہوئی۔

امام نووی نے منہاج میں کہا مستحب ہے کہ عورت کے لئے تابوت بنا دیا جائے تاکہ اس کی پردہ پوشی ہو جائے ابن حجر مکی نے کہا ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے لئے تابوت بنانے کی وصیت کی تھی کیونکہ وہ ہجرت حبشہ میں وہاں تابوت دیکھ آئی تھیں۔ بیہقی نے کہا حضرت فاطمہؓ رضی اللہ عنہا نے اپنے لئے تابوت بنانے کی وصیت کی حضرت سعد بن معاذ کو جب دفن کیا جانے لگا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ قبر پر پردہ کرو چنانچہ ایک چادر پھیلا دی گئی جب قیس کو دفن کیا جانے لگا تو ان کی قبر پر چادر پھیلائی گئی حضرت علی آئے اور چادر کو کھینچ لیا اور فرمایا عورتوں پہ پھیلائی

بعد اور اہل سنت اسی سبب سے اہل سنت والجماعت کے لقب سے ملقب ہوئے پس باوجود اتنے ثبوت کے جو کوئی انکار کرے وہ جاہل ہے عالم نہیں یا اس میں مادہ رفض ہے کہ جنازہ مسلمین کی بے حرمتی چاہتا ہے حالانکہ آنحضرت کا حکم ہے من ستر مسلما ستره الله يوم القيامة جیسا کہ اوپر گذرا۔ فی زمانناابوداؤد کا ترجمہ ہوگیا ہے اس کو بھی جس نے دیکھا ہے کبھی ایسی بات زبان پر نہیں لاسکتا سچ ہے حضرت نے فرمایا ہے کہ بنائیں گے لوگ اپنا پیشوا جاہلوں کو پس پوچھے جاویں گے تو فتوے دیں گے بغیر علم کے پس گمراہ ہوں گے اور گمراہ کریں گے قال اتخذ الناس رؤسا جهالا فسئلوا فافتوا بغير علم فضلوا واضلوا متفق عليه كذا في المشكوة ۔ الراقم ہیچمیز تلطف حسین عفی عنہ ۔ تاریخ ۲۶ ۔ جمادی الثانی ۱۳۱۸ھ ہجری ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال ۔ بر پیشانی میت بسم اللہ از انگشت نوشتن و چیزے از قسم تبرک مثل پردہ مکہ معظمہ بر کفن میت بستن جائز است یا نہ

الجواب ۔ بسم اللہ نوشتن از انگشت بر پیشانی میت از کتاب اللہ تعالےٰ وسنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم واجماع امت وقیاس مجتہدین ثابت نیست و ہر چہ کہ ازیں ادلہ اربعہ ثابت نباشد کردنش روا نیست و ہمچنیں ادعیہ واذکار نوشتن بکفن یا عمامہ یا دیگر اعضائے میت ہم جائز نیست واگر گوئی کہ در بعض کتب فقہ روایت جواز ہم یافتہ می شود پس چگونہ عدول ازاں

جاتی ہے [1] جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا تو قیامت کے دن اللہ اس کی پردہ پوشی کرے گا

سوال ۔ میت کی پیشانی پر انگلی سے بسم اللہ لکھنا اور کوئی متبرک چیز مثلاً غلاف کعبہ کا ٹکڑا کفن پر باندھنا جائز ہے یا نہیں ؟ ۔

الجواب ۔ میت کی پیشانی پر انگلی سے بسم اللہ لکھنا کتاب الہیٰ وسنت رسول واجماع صحابہ وقیاس مجتہدین سے ہرگز ثابت نہیں ہے اور جو ان چار دلیلوں میں سے کسی سے بھی ثابت نہ ہو وہ کام کرنا منع ہے اور اسی طرح کفن پر کوئی چیز لکھنا یا کسی متبرک چیز کا رکھنا بھی جائز نہیں ہے اگر سوال کیا جائے کہ فقہ کی بعض کتابوں سے لکھنا ثابت ہوتا ہے جیسا کہ محمد بن محمد بزازی نے فتاویٰ بزازیہ میں

کردہ شود چنانکہ علامہ فقیہ محمد بن محمد بزازی در فتاوے بزازیہ گفتہ وذکر الامام الصفار لو کتب علی جبھۃ المیت او علی عمامتہ او کفنہ عھد نامہ یرجی ان یغفر اللہ تعالیٰ للمیت ویجعلہ امنا من عذاب القبر انتھی و در فتاوے تاتارخانیہ گفتہ حکی ان بعض انہ اوصی ابنہ اذا مت وغسلت فاکتب فی جبھتی وصدری بسم اللہ الرحمن الرحیم قال ففعلت ثم رایتہ فی المنام وسألت عن حالہ فقال لما وضعت فی القبر جائتنی ملائکۃ العذاب فلما رأوا مکتوبا علی جبھتی وصدری بسم اللہ الرحمن الرحیم قالوا امنت من العذاب انتھی وابراھیم حلبی در صغیری شرح منیہ گفتہ وذکر البزازی عن الصفار لو کتب علی جبھۃ المیت او عمامتہ او کفنہ عھد نامہ یرجی ان یغفر اللہ تعالیٰ سبحانہ الی ان قال وعن بعض المتقدمین انہ اوصی ان یکتب فی جبھتہ وصدرہ بسم اللہ الرحمن الرحیم الخ وعلاؤ الدین حصکفی در در مختار گفتہ کتب علی جبھۃ المیت او عمامتہ او کفنہ عھد نامہ یرجی ان یغفر اللہ للمیت واوصی بعضھم ان یکتب فی جبھتہ وفی صدرہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ففعل ثم رؤی فی المنام فسئل فقال لما وضعت فی القبر جائتنی ملائکۃ العذاب فلما رأوا مکتوبا علی جبھتی بسم اللہ الرحمن الرحیم قالوا امنت من عذاب اللہ انتھی وابن عابدین در رد المختار گفتہ

لکھا ہے کہ "صفار نے کہا ہے "کہ اگر میت کی پیشانی یا پگڑی یا کفن پر عہد نامہ لکھا جائے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے، اور تاتارخانیہ میں ہے کہ کسی نے اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں اور غسل دے دیا جائے تو میری پیشانی پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھ دینا چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا پھر خواب میں باپ کو دیکھا اس کا حال پوچھا تو اس نے کہا جب مجھے قبر میں رکھا گیا تو عذاب کے فرشتے آئے جب انہوں نے میری پیشانی اور سینہ پر بسم اللہ لکھی دیکھی تو کہنے لگے تو عذاب سے بچ گیا۔ اور ابراہیم نے صغیری شرح منیہ میں اور علاؤ الدین حصکفی نے در مختار میں اور ابن عابدین نے رد المختار میں بزازیہ کے حوالہ سے اس عبارت کو لکھا ہے اور جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ اور ابن عجیل پہلے اس کا فتوے دیتے تھے بعد ازاں صدقہ کے اونٹوں پر جو لفظ "اللہ" لکھا جاتا ہے اس پر قیاس کر کے لکھنے کا فتوے بھی دینے لگے۔ اور اسی طرح شرجی کے حوالہ سے بعض محشین

قولہ یرجی الخ مفادہ الاباحۃ اوالندب وفی البزازیۃ قبیل کتاب الجنایات وذکر الامام الصفار لو کتب علی جبھۃ المیت اوعلی عمامتہ اوکفنہ عہد نامہ یرجی ان یغفر اللہ تعالیٰ للمیت ویجعلہ امنا من العذاب قال نصیر ھذہ روایۃ فی تجویز ذلک وان الفقیہ ابن عجیل کان یامر بہ ثم افتی بجواز کتابتہ قیاسا علی کتابۃ اللہ فی ابل الزکوۃ واقرہ بعضھم انتھی مختصراً ونیز در رد المحتار گفتہ نقل بعض المحشین عن فوائد الشرجی ان مما یکتب علی جبھۃ المیت بغیر مداد بالاصبع المسبحۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وعلی الصدر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ وذلک بعد الغسل قبل التکفین انتہی۔ ودر مایۃ المسائل لمولانا محمد اسحٰق مذکور است ودر کتاب درہم الکیس فارسی مرقوم است دنویسند برپیشانی میت بغیر مداد بانگشت انتہی وہم چنین است در مفتاح الجنان وکفایہ شعبی پس ازیں روایات معلوم شد کہ نوشتن برپیشانی میت بانگشت بغیر سیاہی یا بسیاہی بسم اللہ وغیر آن وہمچنیں بر سینہ وکفن جائز ودرست وموجب نجات میت از عذاب است گویم بفضل اللہ العلام اصل ایں از ادلہ اربعہ ثابت نیست وبناء این بر قیاس فاسد است ومدار این بر رویا منام است اما بیان امر اول ایں است کہ ادعیہ واذکار وہیأت ادا آن توقیفی اند پس ادا کردن آن را بر غیر ہیأت مخصوصہ ثابتہ از صاحب شرع چگونہ روا باشد وہمچنیں حکم کردن بہ ترتب اجر ومقدار آن از شان او تعالیٰ ورسول او است صلی اللہ علیہ وسلم کسے را نمیرسد کہ حکم بر آن کند شیخ جلال الدین

نے سینہ پر انگلی سے بسم اللہ اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھنا نقل کیا ہے اور یہی فتوی محمد اسحٰق دہلوی نے مایۃ مسائل میں اور مفتاح الجنان وکفایہ شعبی میں درج ہے تو اس سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں میں کہتا ہوں کہ ادلہ اربعہ میں سے کوئی دلیل بھی مذکورہ کتابوں میں نقل نہیں کی گئی اور اس کی بنا قیاس فاسد پر ہے یا پھر خواب پر قیاس کے متعلق عرض یہ ہے کہ اذکار اور ادعیہ اور ان کی ہیئت کذائی سب توقیفی (جن میں قیاس کو دخل نہ ہو) ہیں ان کو از خود تجویز کرنے اور ان پر اجر مرتب کرنے کا کسی کو بھی حق نہیں ہے یہ حق صرف اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول کا ہے بعض چیزیں بظاہر دیکھنے میں اچھی معلوم ہوتی ہیں لیکن چونکہ وہ منقول نہیں ہیں لہٰذا منع ہیں۔ دیکھئے صبح طلوع

سیوطی در فتوے خود گفتہ الاذکار توقیفیۃ و ترتب الاجر علیہا و مقدار ہ توقیفی فمن اتی بذکر او دعاء لم یرد فلیس لاحد ان یحکم علیہ بشئی من الاجر بمقدار معین لان ذلک مرجعہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وحدہ کا انتہی و در رد المحتار گفتہ والقول بانہ یطلب فعلہ مردود لان مثل ذلک لا یحتج بہ الا اذا صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم طلب ذلک ولیس کذلک انتہی ما فی کتاب الجنائز فی مطلب فیما یکتب علی کفن المیت وبسیاری از افعال اند کہ بظاہر عبادت و موجب اجر معلوم می شوند و ہر اجزا ء ادہم احسن ونیکو اند مگر مجموعہ ان بایں ہیئت مخصوصہ ثابت از صاحب شرع نیستند پس کردنش روا نہ باشد چنانکہ علامہ فقیہ برہان الدین مرغینانی در ہدایہ گفتہ ان یتنفل بعد طلوع الفجر باکثر من رکعتی الفجر لانہ علیہ السلام لم یفعل مع حرصہ علی الصلوۃ انتہی ونیز دراں گفتہ لا یتنفل فی المصلی قبل العید لانہ علیہ السلام لم یفعل مع حرصہ علی الصلوۃ انتہی و در فتاوی عالمگیری مرقوم است قراءۃ الکافرون الی الآخر مع الجمع مکروھۃ لانہا بدعۃ لم ینقل ذلک عن الصحابۃ والتابعین کذا فی المحیط انتہی ۔ وبیان امر ثانی این است کہ قیاس کردن این را بر صدقۃ اہل قیاس مع الفارق است چرا کہ بر صدقۃ اہل کتابت لفظ اللہ برائے علامت وتمیز است ونوشتن بسم اللہ خواہ بانگشت بلا سیاہی خواہ بسیاہی بر پیشانی یا کفن میت برائے تبرک است وموافق زعم ایشان موجب نجات است فاین القیاس ابن العابدین در رد المحتار

ہونے کے بعد آنحضرت سے صرف دو رکعت سنت ثابت ہیں اب اگر کوئی زیادہ پڑھے تو ناجائز ہوگا حالانکہ نماز فی نفسہ بہت اچھی چیز ہے عیدگاہ میں نفل چونکہ آنحضرت سے ثابت نہیں ہیں اگر وہاں نفل پڑھے تو جائز نہ ہوگا فتاوی عالمگیری میں ہے کہ سورۃ قل یاایہا الکفرون سے لے کر آخر تک ایک ہی رکعت میں نہ پڑھے کیونکہ یہ بدعت ہے ثابت نہیں ہے اور صدقہ کے اونٹوں پر قیاس کرکے لکھنا قیاس مع الفارق ہے کیونکہ اونٹوں پر جو لکھا جاتا ہے وہ علامت کے لئے لکھا جاتا ہے اور یہاں جو کچھ لکھا جاتا ہے وہ تبرک اور نجات کیلئے لکھا جاتا ہے اور پھر وہاں بے ادبی کا امکان نہیں اور یہاں پیپ وغیرہ میں ملوث ہونے کا یقین ہے ۔

گفتہ والقیاس المذکور ممنوع بان القصد ثم التمییز وھھنا التبرک فالاسماء المعظمۃ
باقیۃ علی حالھا فلا یجوز تعریضھا للنجاسۃ انتھی وبہین کہ قیاس کردن اذان را
کہ بعد دفن میت میدہند بہ اذان مولود بظاہر صحیح معلوم میشود وبعض کسان
برین قیاس کردہ حکم جواز ہم دادہ اند۔ چنانکہ بجائے خود مصرح است مگر چونکہ
این اذان بالخصوص درین موضع ثابت نیست حکم بجوازش دادن خلاف امر
حق سنت لہذا اکثر علما این اذان را محدث فی الدین قرار دادہ اند ابن عابدین در
رد المحتار گفتہ لا یسن الاذان عند ادخال المیت فی قبرہ کما ھو المعتاد الآن
وقد صرح ابن حجر فی فتاویہ ببدعۃ وقال من ظن انہ سنۃ قیاسا علی
ندبھا للمولود الحاقا لخاتمۃ الامر بابتدائہ فلم یصب انتھی وقد صرح بعض
علمائنا وغیرھم بکراھۃ المصافحۃ المعتادۃ عقب الصلوۃ مع ان المصافحۃ
سنۃ وما ذاک الا لکونھا لم توثر فی خصوص ھذا الموضع فالمواظبۃ علیھا
فیہ توھم العوام بانھا سنۃ فیہ ولذا منعوا عن الاجتماع لصلوۃ الرغائب
التی احدثھا بعض المتعبدین لانھا لم توثر علی ھذہ الکیفیۃ فی تلک اللیالی
المخصوصۃ وان کانت الصلوۃ خیر موضوع انتھی وچنین تصریح فرمودہ اند
عمدۃ المحدثین اسناذ الاستاذ مولانا محمد اسحق الدہلوی در مائۃ مسائل در بیان
امر ثالث این کہ رد یاے غیر انبیا صلے اللہ علیہ والسلام حجۃ شرعیہ نیست واز ان
ثبوت احکام شرعیہ نمی توان شد شیخ الاسلام جمال المسلمین علامہ شمس الدین کرمانی
در کواکب الدراری شرح صحیح البخاری تحت حدیث قال عروۃ وثویبۃ مولاۃ لابی
لہب کان ابولہب اعتقھا فارضعت النبی صلے اللہ علیہ وسلم فلما مات ابولہب
راٰہ بعض اھلہ الخ گفتہ فان قلت فیہ دلیل علی ان الکافر ینفعہ العمل فقد

پھر یہ بھی دیکھیں کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کے کانوں میں اذان کہتے ہیں کہ وہ اس کی زندگی کی ابتدا
تھی اسی پر انتہاء کو قیاس کرکے بعض لوگوں نے دفن کے وقت بھی اذان کہنا شروع کردی تو فقہاء نے
اس پر انکار کیا چنانچہ ابن عابدین نے رد المحتار میں اور ابن حجر نے اپنے فتاوی میں اس کو بدعت لکھا عید
اور جمعہ کی نماز کے بعد بعض لوگوں نے مصافحہ کرنا شروع کر دیا تو گو مصافحہ فی نفسہ بری چیز نہیں لیکن
فقہاء نے اس کا انکار کیا کیونکہ یہ اس موقع میں ثابت نہیں۔ صلوۃ الرغائب کہ جس کو بعض بدعتی لوگوں

قال اللہ تعالیٰ فجعلناہ ھباء اقلت لا اذ الرؤیا لیست بدلیل انتہی ترجمۃ الاسلام حافظ ابن حجر در فتح الباری شرح صحیح بخاری گفتہ وفی الحدیث دلالۃ علی ان الکافر قد ینفعہ العمل الصالح فی الآخرۃ لکنہ مخالف بظاهر القرآن قال اللہ تعالیٰ وقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلناہ ھباء منثورا واجیب اولا بان الخبر مرسل ارسلہ عروۃ ولم یذکر من حدثہ وعلی تقدیر ان یکون موصولا فالذی فی الخبر رؤیا منام فلا حجۃ فیہ انتہی وعلامہ قسطلانی در ارشاد الساری گفتہ استدل بھذا علی ان الکافر ینفعہ العمل الصالح فی الآخرۃ وھو مردود بظاهر قولہ وقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلناہ ھباء منثورا لاسیما والخبر مرسل ارسلہ عروۃ ولم یذکر من حدثہ بہ وعلی تقدیر ان یکون موصولا فلا یحتج بہ اذ ھو رؤیا منام لا یثبت بہ حکم شرعی انتہی ودر التلویحات مالیہ شرح منار النسفی گفتہ ولا اعتبار بالالهام غیر النبی درد یاہ انتہی وجملہ کسان مذکورین ناقلین جواز اعنی ابراہیم حلبی وعلاؤ الدین حصکفی وصاحب تاتارخانیہ وصاحب فوائد الشرعیہ وصاحب درہم الکیس وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ ناقل وآخذ از صاحب فتاوے بزازیہ کہ خود بران مواخذہ دلیل است ہستند وکلامے دلیل انداد لمار لیہ قائم نکردہ اند فلا یلتفت الیہ وجواب کرد علامہ حافظ عثمان بن عبد الرحمن الشہیر بابن الصلاحؒ کہ فتوے بعدم جواز داد چنانکہ در رد المحتار است وقد افتی ابن الصلاح بانہ لا یجوز ان یکتب علی الکفن یٰسین والکہف ونحوھما خوفا من صدید المیت انتہی۔ ونیز در رد المحتار است وقدمنا قبیل باب المیاہ عن الفتح انہ تکرہ کتابۃ القرآن واسماء اللہ تعالیٰ علی الدراہم والمحاریب والجدران وما یفرش وما ذاک الا لاحترامہ وخشیۃ وطئہ ونحوہ مما فیہ اہانۃ فالمنع ھھنا بالاولی مالم یثبت عن المجتہد او ینقل فیہ حدیث ثابت انتہی وسید احمد طحطاوی در حاشیہ در المختار گفتہ قولہ کتب علی جبھۃ الخ

نے جاری کر دیا ہے اس کے خلاف فقہاء نے آواز اٹھایا

باقی رہا خواب کا معاملہ تو نبی کی خواب کے سوا کسی کی خواب حجت شرعی نہیں ہے اور اس سے احکام کا استنباط نہیں کیا جا سکتا۔ دیکھیے علامہ کرمانی نے شرح صحیح بخاری میں اس حدیث کے ماتحت کہ ابولہب کی ایک لونڈی ثویبہ تھی اس نے ابولہب کو آنحضرت کی پیدائش کی جب خوشخبری سنائی تو ابولہب نے اس کو آزاد کر دیا۔ پھر ثویبہ نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا جب ابولہب مر گیا تو اس کے گھر والوں میں سے کسی نے اس کو

اخذ من ذلك جواز الكتابة ولو بالقرآن ولم يعتبر ذلك من مآله الى النجس بما يسيل
من الميت وانظر هذا مع كراهتهم الكتابة على المحراب وجدار المساجد وهم چیزی تصریح
بعدم جواز کرده در فوائد الفواد پس برائے ثبوت مطلب اعنی بعدم جواز کتابت بر پیشانی وصدر
وکفن بسیاهی یا بغیر سیاهی بانگشت قول مذکور ابن عابدین فالمنع ههنا بالاولى مالم
يثبت عن المجتهد او ينقل فيه حديث ثابت کافی است اگرچه ابن عابدین این عبارت
را درصورت کتابت بدلا گفته لیکن حق صریح همین است که برائے هر امور متعلقه دین اجازت
از شرع شریف باید وبغیر آن کارے نباید شد اگرچه بظاهر صورت حسن نمایان شود هذا غاية
التحقيق في هذا الباب والله اعلم بحقيقة الحال وجواب تحقیقی صورت ثانیه این است
که از روایات معلوم مے شود که وجود استار کعبه معظمه در زمانه خلفاء رضوان الله علیهم بود
وکسے انکار بران نه کرد چنانکه علامه کرمانی در شرح صحیح بخاری تحت باب کسوة الکعبه گفته
قلت لعل الكعبة كانت مكسوة وقت جلوس عمر فحيث لم ينكره وقررها
دل على جوازها انتهى وهمچنین از روایت آینده عینی ظاهر مے شود مگر در خریدن وفروختن
وقطع کردن ونقل کردن استار کعبه از مکه معظمه بجائے دیگر اختلاف علماء اعلام است بعض
قائل بجواز وبعض بعدم جواز اند چنانکه علامه بدر الدین عینی در عمدة القاری شرح صحیح بخاری
تحت همان باب گفته فقال صاحب التلخيص لا يجوز بيع استار الكعبة المشرفة
وكذا قال ابو الفضل بن عبدان لا يجوز قطع استارها ولا قطع شيء من ذلك و
لا يجوز نقله وبيعه ولا شراؤه وما يفعله العامة يشترونه من بني شيبة لزمه
رده ووافقه على ذلك الرافعي وقال ابن الصلاح الامر فيها الى الامام يصرفه في
مصارف بيت المال بيعا وعطاء واحتج بما ذكره الازرقي ان عمر كان ينزع

خواب میں دیکھی الخ اگر کہا جائے کہ اس میں دلیل ہے کہ کافر کو بھی نیک اعمال نفع دیتے ہیں تو میں کہتا ہوں
کہ یہ واقعہ قرآن مجید کی آیت فجعلناه هباء منثورا کے مخالف ہے حافظ ابن حجر نے بھی ایسا ہی
لکھا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث سے دلیل نہیں لی جا سکتی کیونکہ یہ مرسل ہے اس کو عروہ نے بیان
کیا ہے اور کسی سے سنی ہے یہ بیان نہیں کرتا اور اگر بالفرض یہ حدیث موصول بھی ہوتی تو ایک خواب
ہونے کی وجہ سے اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا قسطلانی بھی یہی کہتے ہیں بلکہ نسفی کی شرح منار میں
تو یہاں تک لکھا ہے کہ نبی کے علاوہ کسی کا الہام بھی حجت نہیں ہے اور نہ کسی کی خواب حجت ہے۔

کسوۃ الکعبۃ کل سنۃ فیقسمها علی الحاج وعند الازرقی عن ابن عباس وعائشۃ انهما قالا ولا باس ان یلبس کسوتها من صارت الیه من حائض وجنب وغیرهما انتهیٰ پس آنانکہ بجواز بیع وشراء وقطع ونقل استار کعبہ رفتہ اند نزد ایشان پس آن استار متبرکہ وتکفین میت ازان جائز است وکفن دادن میت را در جامہ متبرکہ از احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثابت است حافظ الحدیث حجۃ اللہ فی الارض امام المحدثین محمد بن اسمٰعیل البخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما در صحیح خود روایت فرمودہ عن عبد اللہ بن عمر ان عبد اللہ بن ابی لما توفی جاء ابنه الی النبی صلی اللہ علیه وسلم فقال اعطنی قمیصك اکفنه فیه وصل علیه واستغفر له فاعطاه قمیصه رواه البخاری عن سهل ان امراۃ جاءت النبی صلی اللہ علیه وسلم ببردۃ منسوجۃ فیها حاشیتها اتدرون ما البردۃ قالوا الشملۃ قال نعم قالت نسجتها بیدی فجئت لاکسوکها فاخذها النبی صلی اللہ علیه وسلم محتاجا الیها وانها ازاره فحسنها فلان فقال اکسنیها ما احسنها فقال القوم ما احسنت لبسها النبی صلی اللہ علیه وسلم محتاجا الیها ثم سألته وعلمت انه لا یرد سائلا قال انی واللہ ما سألته لالبسه وانما سألته لتکون کفنی فکانت کفنه رواه البخاری

باقی یہ جتنی کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے انھوں نے بزازیہ سے نقل کیا ہے اور بزازیہ نے اس پر کوئی شرعی دلیل قائم نہیں کی ہے لہٰذا وہ توجہ دینے کے قابل نہیں۔ ابن صلاح اور صاحب درمختار نے بھی صحیح لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ کا نام یا قرآن کی کوئی سورت میت پر یا کفن پر لکھنا تو درکنار۔ ملاحظہ ۔ مطلقہ دیوار اور فرش پر بھی نہیں لکھنا چاہیے کیونکہ اس سے بے ادبی کا احتمال ہے اور کفن پر لکھنے میں تو بے ادبی کا یقین ہے پس ایسی صورت میں یہ لکھنا کیسے جائز ہو جائے گا

اور کفن میں متبرک شے کا اضافہ کرنے کے متعلق تحقیقی جواب یہ ہے کہ روایات سے ثابت ہے کہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا تھا اور کسی نے اس کا انکار نہ کیا اس سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ پر غلاف چڑھانا درست ہے لیکن اس کے بعد اس کو خریدنا یا فروخت کرنا اور دوسرے ممالک میں بطور تبرک لے جانا اس میں علما کا اختلاف ہے چنانچہ علامہ عینی عمدۃ القاری میں اسی باب کے تحت لکھتے ہیں کہ اس کا بیچنا اور دوسرے ممالک میں لے جانا جائز نہیں ہے اور فضل بن عدلان کا فتوےٰ بھی یہی ہے ابن صلاح نے کہا کہ اگر اس کا خریدنا یا فروخت کرنا جائز بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس کی خرید وخت سے جو مال میسر ہو اس کو بیت المال میں داخل کرنا ضروری ہے ازرقی نے بھی لکھا ہے

قال عمرو سمعت جابر بن عبد الله قال اتی رسول الله صلی الله علیه وسلم عبد الله ابن ابی بعد ما ادخل حفرته فامر به فاخرج فوضعه علی رکبتیه ونفث فیه من ریقه والبسه قمیصه رواه البخاری عن ام عطیة قالت توفیت احدی بنات النبی صلی الله علیه وسلم فامرنا النبی صلی الله علیه وسلم فقال اغسلنها بالسدر وترا او شیئا من کافور فاذا فرغتن فآذنتی فلما فرغنا آذناه فالقی الینا حقوه فضفرنا شعرها ثلاثة قرون والقیناها خلفها رواه البخاری اما زیادتی برکفن مسنونه اگرچه بیک پارہ جامه باشد خلاف امر مسنون است مثل نہی که عمامه بستن بر سر میت بجہت عدم ثبوتش علماء کرام تصریح بکراہت کرده اند بخاری از عائشه رضی الله عنہا روایت کرده عن عائشه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کفن فی ثلثة اثواب بیض لیس فیها قمیص ولا عمامة رواه البخاری قاضی حسن بن منصور در فتاویٰ قاضی خان گفته اکثر ما یکفن فیه الرجل ثلثة اثواب لیس فیها عمامة عندنا انتہی۔ وعلامه زین بن نجیم در بحر الرائق شرح کنز الدقائق گفته وفی المجتبی وتکره العمامة فی الاصح انتہی ومحمد بن عبد الله الغزی در تنویر الابصار گفته وتکره العمامة للمیت فی الاصح وقہستانی در جامع الرموز گفته والاصح انه یکره العمامة کما فی الزاہدی انتہی۔ پس

حضرت عباس اور عائشہ صدیقہ کا فتوے ہے کہ خانہ کعبہ سے اتر جانے کے بعد جنبی اور حائضہ اس کو پہن سکتے ہیں جو اس کی خرید و فروخت کے قائل ہیں ان کے نزدیک کعبے کے اترے ہوئے غلاف کا کفن دینا جائز ہے اور متبرک کپڑے کا کفن دینا حدیث سے ثابت ہے چنانچہ عبد اللہ بن ابی منافق جب مرگیا تو اس کے بیٹے عبد اللہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اپنی قمیص عنایت فرمادیں تاکہ اس میں اس کو کفن دیا جاسکے چنانچہ آپ نے قمیص دے دی ایک عورت نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک کپڑا ان کر دیا آپ نے اس کو پہن لیا پھر کچھ مدت کے بعد اس نے حضور سے کپڑا مانگا آپ نے دے دیا اس نے اس کپڑے کو اپنے کفن کے لئے رکھ لیا نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک صاحبزادی فوت ہوئیں تو کفن کے لئے آپ نے اپنا تہ بند اتار کر دے دیا ان روایات سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ متبرک کپڑے میں کفن دینا درست ہے لیکن یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مسنون کفن کے بعد اس پر متبرک کپڑے کا اضافہ کیا جائے چنانچہ میت کو پگڑی پہنانے کے خلاف فقہاء نے فتوی دیا کیونکہ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا ان میں قمیص اور

پارہ از پردہ کعبہ معظمہ سوائے کفن درکفن میت بستن جائز نیست چراکہ نداشتن چیزے در
قبر جز کفن کہ ہمراہ میت است سنت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وداشتن
ایں پردہ ہمراہ کفن رافع آں سنت است پس نباشد ایں مگر بدعت و ازینجا ظاہر
شد کہ شجرہ وغیرہ قبر داشتن کہ معمول بہا مشائخین تصوف است آن ہم بدعت
است بدلیل مذکورہ ودر حدیث شریف آمدہ عن غضیف بن الحارث الثمالی
قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث قوم بدعۃ الا رفع مثلہا
من السنۃ فتمسک بسنۃ خیر من احداث بدعۃ رواہ احمد خلاصہ مرد وجواب
ایں شد کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم یا غیر آن نوشتن بر جبہہ میت یا صدر یا کفن بانگشت یا بسیاہی
و پردہ کعبہ معظمہ بستن بر کفن علاوہ کفن میت بدعت است چراکہ در موت مسلم ہماں باید
کرد کہ معہود از سنت است و ایں ہمہ معہود از سنت نیست امامان حافظان
جہتان بخاری ومسلم از عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کردہ اند عن عائشۃ قالت قال رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احدث فی امرنا ہذا ما لیس منہ فہو رد متفق علیہ
من عمل عملا لیس علیہ امرنا فہو رد رواہ البخاری عن عبد اللہ بن مسعود رض
ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انما ہما اثنتان الکلام والہدی فاحسن

عمامہ نہیں تھا۔ فتاوے قاضی خاں میں ہے کہ کفن تین کپڑے ہیں جن میں ہمارے مذہب کے مطابق
پگڑی نہیں ہے۔ بحر الرائق۔ جلبی۔ تنویر الابصار۔ قہستانی۔ جامع الرموز۔ زاہدی وغیرہ میں بھی اسی
طرح ہے۔ تو کفن کے ہمراہ غلاف کعبہ کا ٹکڑا رکھنا ایک زائد چیز ہو گی جو سنت کے خلاف ہے
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جب کوئی قوم کوئی بدعت رائج کرتی ہے تو اللہ
تعالیٰ اس کے بدلے ایک سنت اس قوم سے اٹھا لیتے ہیں تو سنت کا تھام لینا بدعت کے جاری
کرنے سے بہتر ہے" خلاصہ یہ کہ بسم اللہ کا انگلی سے پیشانی پر لکھنا اور غلاف کعبہ کا ٹکڑا کفن پر رکھنا
دونوں بدعت ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو کوئی دین میں کوئی نیا کام جاری
کرے جس کے متعلق ہمارا حکم نہیں ہے تو وہ کام مردود ہے" اور آپ نے یہ بھی فرمایا "دو چیزیں
ہیں۔ کلام اور ہدایت تو بہترین کلام اللہ تعالیٰ کی کلام ہے اور بہترین راستہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے۔ تم نئے کاموں سے بچنا کہ بدترین کام نئے کام ہیں اور دین میں ہر نیا کام
بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے واللہ اعلم۔

الکلام کلام اللہ واحسن الھدی ھدی محمد الا وایاکم ومحدثات الامور فان شر الامور محدثاتہا وکل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ رواہ ابن ماجۃ فقط العبد الفقیر ابو الطیب محمد المدعو بشمس الحق عفا عنہ ذنوبہ رب الفلق العظیم آبادی

ابو الطیب محمد شمس الحق ۱۲۶۵	علیم الدین حسین ۱۲۸۲

المجیب مصیب

محمد اشرف ۱۲۹۵	الجواب حق فماذا بعد الحق الا الضلال	حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ ۱۲۸۱

سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱	قد اصاب من اجاب	الجواب صحیح

ز شرف سید کونین شریف حسین ۱۲۹۲	سید احمد حسن ۱۲۸۹

بہ طفیل نبی الٰہی بخش ۱۲۹۲

مسئلہ۔ واضح ہو کہ بلند ہونا قبر کا ایک بالشت یا چار انگشت جواز میں داخل ہے اور اسی قدر یعنی اس کی اور زیادہ اس سے غیر جائز ہے چنانچہ کتب فقہ واحادیث سے واضح ہے فی[1] البحر الرائق ویسنم قدر شبر وقیل قدر اربع اصابع وما ورد فی الصحیح من حدیث علیؓ لاتدع قبرا مشرفا الا سویتہ فمحمول علی ما زاد علی التسنیم انتہی وفی النہر الفائق ویسنم لا یربع فقیل قدر شبر وقیل قدر اربع اصابع لروایۃ البخاری عن سفیان انہ رأی قبرہ علیہ الصلوۃ والسلام مسنما وجعلہ فی الظھیریۃ وجوبا قدر شبر انتہی وکذا فی فتاوی العالمگیریۃ والزیلعی والعینی پس اس سے معلوم ہوا کہ تسنیم مستحب ہے اور غیر تسنیم مستحب نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب حررہ السید شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

مسئلہ۔ واضح ہو کہ بلند ہونا قبر کا ایک بالشت یا چار انگشت جواز میں داخل ہے اور اسی قدر یعنی اس کی اور زیادہ اس سے غیر جائز ہے چنانچہ کتب فقہ واحادیث سے واضح ہے فی[2] بحر الرائق ویسنم قدر شبر وقیل قدر اربع اصابع وما ورد فی

---

[1] اور قبر کوہان نما بنائی جائے اور بقدر ایک بالشت۔ یا چار انگل کے برابر رکھی جائے حضرت علی کی حدیث میں ہے کہ میں جس قبر کو بلند دیکھوں اس کو برابر کر دوں۔ برابر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو ایک بالشت کے برابر کوہان نما بنا دوں اور خود نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی اپنی قبر بھی کوہان نما ہے جیسا کہ بخاری۔ ظہیریہ مجتبیٰ در مختار عالمگیری زیلعی عینی میں ہے واللہ اعلم

[2] بحر الرائق میں ہے کہ قبر ایک بالشت یا چار انگل کوہان نما ہو صحیح بخاری میں جو حضرت علی کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا

الصحیح من حدیث علی الا تدع قبرا مشرفا الاسویتہ محمول علی مازاد علی التسنیم انتہی وفی النہر الفائق ای یسنم ای یرفع فقبل قدر اربع اصابع لروایۃ البخاری عن سفیان انہ رای قبرہ علیہ الصلوۃ والسلام مسنما وجعلہ فی الظہیریۃ وجوبا وفی المجتبی مندوبا انتہی وفی الدر المختار ویسنم مندوبا دفی الظہیریۃ وجوبا قدر شبر انتہی وکذا فی فتاوی العالمگیریۃ والزیلعی والعینی پس اس سے معلوم ہوا کہ تسنیم مستحب ہے اور غیر تسنیم مستحب نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پختہ بنانا قبر کا چونہ اور اینٹ اور پتھر وغیرہ سے درست ہے یا نہیں اور بلند قبر کا پست کر دینا درست ہے یا نہیں اور جو قبریں کہ پتھر سے سنگین اور پختہ بنائی گئی ہوں ان سے پتھروں کا علیحدہ کرنا اور انکا بیع کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ پختہ بنانا قبر کا اینٹ اور پتھر وغیرہ سے درست نہیں ہے۔ اور بلند قبروں کا جو ایک بالشت سے زیادہ بلند ہوں پست کرنا درست ہے یہاں تک کہ بقدر ایک بالشت کے بلندی باقی رہ جاوے اور جو قبریں کہ پتھر سے سنگین اور پختہ بنائی گئی ہوں ان کو منہدم کر کے پتھر علیحدہ کر لینا درست ہے اور چونکہ وہ پتھر متعلق قبر سے نہیں ہے اس لئے اس کا بیع کرنا شرعاً درست ہے عن جابر قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبر [1] نہی کرد آنحضرت از گچ کردن گور و گفتہ اند کہ اگر گل کنند تا دیران نشود درست است دان یبنی علیہ و نہی کرد از انکہ بنا کردہ شود بر گور بعض گفتہ اند کہ مراد بنا کردن است از سنگ و مانند آں و بعض گفتہ

کہ جس قبر کو بلند دیکھو برابر کر دو۔ اس سے مراد وہ قبر ہے۔ جو ایک بالشت سے زائد ہو۔

اور النہر الفائق میں ہے کہ کوہان نما ہو یعنی بلند ہو بعض کہتے ہیں چار انگل کے برابر ہو کیونکہ بخاری میں حضرت سفیان سے ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کوہان نما تھی۔ ظہیریہ میں اسے واجب اور مجتبی میں مندوب لکھا ہے یہی در مختار میں ہے ظہیریہ میں بالشت کا وجوب لکھا ہے۔ اسی طرح عالمگیری، زیلعی اور عینی میں ہے ۱۲

[1] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قبر پختہ بنانے اور قبر پر عمارت بنانے سے منع فرمایا" اور عمارت خواہ اینٹ اور لکڑی کی ہو یا چمڑ وغیرہ دونوں منع ہیں (مشکوۃ و شرح مشکوۃ اشعۃ اللمعات) قبر کو پختہ بنانا

کہ مراد بہ بنا خیمہ زدن وما نند آن است کہ آن نیز مکروہ ومنہی عنہ است الخ رواہ
مسلم کذا فی المشکوۃ واشعۃ اللمعات شرح المشکوۃ وایضا فیہما عن جابر
قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبور نہی کرد آنحضرت
از انکہ گچ کردہ شوند قبرہا از جہت آنچہ در وے است از تکلف وتزیین ودرو داشتہ
است حسن بصری گل کردن وشافعی گفتہ مستحب است گل کردن ودر خانیہ
گفتہ کہ تطیین قبور لاباس بہ کذا فی مطالب المومنین ونیز گفتہ اند کہ مکروہ است برپا
کردن الواح مکتوبہ کہ بے فائدہ است انتہی . ویکرہ الآجر والخشب لانہما
لاحکام البناء والقبر موضع البلی کذا فی الہدایۃ ویکرہ الآجر والخشب کذا فی
فی شرح الوقایۃ والکنز ای یکرہ ان یوضع علی القبر آجر وخشب لان النبی صلی
اللہ علیہ وسلم نہی ان یبنی القبور بالعمران والآجر والخشب للعمران
ولانہما یستعملان للزینۃ ولا حاجۃ الیہا للمیت کذا فی البدائع ہکذا فی
المستخلص شرح الکنز وغیرہ واصل النہی للتحریم کما ہو مذکور فی
اصول الفقہ کذا فی مائۃ المسائل فی تحصیل الفضائل فی البحر الرائق ویسنم
قدر شبر وقیل قدر اربع اصابع انتہی وفی در المختار ویسنم مندوبا وفی
الظہیریۃ وجوبا قدر شبر انتہی وکذا فی العالمگیریۃ وغیرہا عن ابی الہیاج
الاسدی قال قال لی علی الا ابعثک علی ما بعثنی علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
سلم ان لا تدع تمثالا الا طمستہ ولا قبرا مشرفا الا سویتہ ونگذاری گور

اور اس میں زیب وزینت کرنا منع ہے۔ حسن بصری کچی مٹی سے قبر کو لیپنے کی اجازت دیتے تھے۔
امام شافعی کا بھی یہی خیال ہے فقہ کی کتاب خانیہ میں ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور قبر پر
کتبہ لکھ کر لگانا مکروہ ہے اور پختہ اینٹ اور لکڑی کو قبر کو مضبوط بنانے کے لئے استعمال کرنا مکروہ
ہے کیونکہ قبر فنا کی جگہ ہے بدائع اور مستخلص وغیرہ میں ہے کہ قبر پر پختہ اینٹ اور لکڑی استعمال کرنا مکروہ
ہے کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو آبادی کی طرح بنانے سے منع فرمایا ہے اور لکڑی اور
اینٹ آبادی کے لئے ہیں مردے کو ان کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور نہی کا اصل حرمت ہے جیسے کہ
اصول فقہ کی کتابوں میں ذکر ہے۔ بحر الرائق میں ہے کہ قبر کو کوہان نما بنائی جائے اور ایک بالشت کا اندازہ
زمین سے بلند رکھی جائے۔ ابو الہیاج اسدی نے کہا کہ مجھ کو حضرت علی نے فرمایا کیا میں تجھ کو اس ملازمت

بلند را مگر آنکہ بزمین برابر و ہموار کنی یعنی پست کنی چنانکہ نزدیک بزمین باشد آنقدر کہ پیدا و نمایاں بود مقدار یک شبر چنانکہ سنت است رواہ مسلم کذا فی المشکوٰۃ و اشعۃ اللمعات واللہ اعلم بالصواب حررہ سید شریف حسین عفی عنہ

سید شریف حسین
سید محمد نذیر حسین

سوال۔ قبر کا بوسہ لینا جائز ہے یا حرام (۲) قبر کا طواف کرنا کیسا ہے؟

الجواب۔ قبر کا بوسہ لینا حرام ہے فی المدارج و بوسہ دادن قبر را و سجدہ کردن آنرا و سر نہادن حرام و ممنوع است و در بوسیدن قبر والدین روایت فقہی نقل مے کنند و صحیح آنست کہ لا یجوز انتہی و ادنی لا یجوز گناہ صغیرہ است و اصرار بر آن کبیرہ است ہکذا فی شرح عین العلم (۲) قبر کا طواف کرنا حرام ہے اگر مستحب جان کر کرے کافر ہوگا فی شرح المناسک للقاری ولا یطوف ای لا یدور حول البقعۃ الشریفۃ لان الطواف من مختصات الکعبۃ المنیفۃ فیحرم حول قبور الانبیاء والاولیاء ولا عبرۃ بما یفعلہ العامۃ من الجہلۃ ولو کانوا فی صورۃ المشائخ والعلماء انتہی ہکذا فی البحر والنہر

ابو الفیض محمد عبد اللہ حنفی	سید محمد نذیر حسین

الجواب صحیح

احمد الدین

جواب سب صحیح ہیں

رشید احمد گنگوہی

جواب صحیح اور درست ہیں

محمد ہاشم	پیر محمد وارم صد شکر کرمن
سید محمد عبد السلام غفرلہ	

پر مقرر نہ کر دوں جس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو مقرر کیا تھا جہاں کوئی تصویر دیکھو اسے مٹا ڈالو اور جہاں کوئی قبر بالشت سے بلند دیکھو اس کو ایک بالشت کے برابر کر دو

لے قبر کو بوسہ دینا اس کو سجدہ کرنا اور سر جھکانا حرام و ممنوع ہے۔ ماں باپ کی قبر کو بوسہ دینے کے متعلق ایک روایت بیان کرتے ہیں اور صحیح یہی ہے کہ جائز نہیں ہے اور لا یجوز کا ادنیٰ درجہ گناہ صغیرہ ہے اور اس پر اصرار کرنا کبیرہ گناہ ہے

سے ملا قاری لکھتے ہیں کہ آپ کی قبر مبارک کے گرد طواف نہ کرے کیونکہ طواف خانہ کعبہ کی خصوصیت ہے اور نبیوں اور ولیوں کی قبروں کے گرد طواف کرنا جائز نہیں ہے اور جو عوام جاہل لوگ ایسا کرتے ہیں اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ اگرچہ وہ جاہل علماء و مشائخ کی صورت میں ہی کیوں نہ ہوں۔

کتاب ایصال الثواب الی الموتیٰ

سوال - کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے بہ نیت ایصال ثواب موتے کے پچاس مساکین کے لئے کھانا تیار کیا اور اس کے ساتھ پچاس اغنیاء کو بھی کھانا کھلوانے کے لئے ایک ہی دیگ میں ملاکر کھانا پکایا پس اس طعام مخلوط میں سے اغنیاء کھا سکتے ہیں یا نہیں اگر نہیں کھا سکتے ہیں تو اس پر کونسی دلیل شرعی مانع ہے اور اگر جائز ہے تو اس کی رخصت پر کیا دلیل ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب - صدقہ باخلاط غیر صدقہ کے ساتھ جائز تو ہے ولیکن یہ غور کرنا چاہیے کہ وہ اغنیاء کو کس نیت سے شامل کرتا ہے اگر ریا ونا موری کی نیت سے ہے تو حرام ہے لقوله[1] علیہ السلام المتباریان لایجابان ولا یوکل طعامهما وان بیسیر الریا شرك وغیر ذلك من الآیات والاحادیث الدالۃ علی ذم الریاء والخیلاء اور اگر دعوت دوستانہ کی نیت سے ہے وبطور ہدیہ اغنیاء کو کھلاتا ہے تو محل اس کا نہیں ہے شریعت میں تعزیت موت پر دعوت کرنا نہیں آیا اس کا محل نکاح ہے چنانچہ فتح القدیر میں ابن ہمام نے ذکر کیا ہے کہ یہ دعوت جائز نہیں ہے لانها[2] شرعت فی السرور لا فی الشرور اور جب کہ دعوت میں ان نیتول فاسدہ سے غیر خدا کے تقرب کی بھی نیت ہے تو وہ ساری دعوت نامقبول ہے اور خدا کی طرف سے مردود قال[3] اللہ تعالیٰ فی الحدیث القدسی انا اغنی الشرکاء عن الشرك من عمل عملا اشرك

---

[1] فخر سے دعوت کرنے والوں کی دعوت قبول نہ کی جائے نہ ان کا کھانا کھایا جائے کیونکہ ریا شرک اصغر ہے

[2] کیونکہ دعوت خوشی میں ہوتی ہے غمی میں نہیں ہوتی۔

[3] حدیث قدسی میں ہے کہ میں شرکاء میں سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں اگر کوئی ایسا عمل کرے جس میں میرے سوا کسی اور کو بھی شریک کرے تو میں اس سے دست بردار ہو جاتا ہوں!

فیہ ترکتہ وشرکہ دانا منہ بری ہاں سوائے تقرب ایصال ثواب موتی کے اگر کوئی ایسا کھانا پکاوے جس میں کسی قدر صدقہ کی نیت سے ہے اور کسی قدر ہدیہ شرعیہ کی نیت سے بدوں فساد نیت و بلا دخل بدعت تو اس کے جواز میں کچھ کلام نہیں لیکن اس میں تحری بکار ہے کہ جس قدر صدقہ اللہ کی نیت سے ہے اس قدر صدقہ اپنے ذمہ پر نہ رہ جاوے اللہ تعالے اخلاط مال یتیم کے باب میں جس کا کھانا بلا وجہ حرام ہے فرماتا ہے قل اصلاح لهم خير وان تخالطوهم فاخوانكم في الدين والله يعلم المفسد من المصلح ولو شاء الله لاعنتكم ان الله عزيز حكيم[1] اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس مال کا کھانا اپنے لئے درست نہیں ہے اس لئے کہ وہ حق غیر کا ہے اللہ تعالے کا یا بندہ کا تو اس کا خلط اپنے مال سے درست ہے بشرطیکہ اس میں اصلاح بکار لائی جاوے اللہ کے حق کو اپنے حق میں نہ لیا جاوے فقط حررہ ابو سعید محمد حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین	محمد عبد الحکیم	بر طفیل نبی الٰہی بخش
ز شرف سید کونین شد شریف حسین	خادم شرع عزیز محمد عبد العزیز	
خادم شریعت رسول الثقلین تلطف حسین	شہود الحق توفیق خدا باد	
ابو الطیب محمد شمس الحق	نعم المولیٰ ونعم النصیر	محمد یعقوب بابا خیلی

سوال۔ میت کی طرف سے خیرات کرے تو میت کو ثواب پہنچتا ہے یا نہیں میت کے لئے قرآن خوانی جائز ہے یا نہ اور ختم پڑھنا سنت ہے یا بدعت بینوا توجروا۔

الجواب۔ میت کی طرف سے خیرات کی جائے تو اس کا ثواب میت کو بلا شبہ پہنچتا ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے وعن عائشة ان رجلا قال للنبي صلى الله عليه وسلم ان امي افتلتت نفسها واراها لو تكلمت تصدقت فهل لها اجران تصدقت عنها قال نعم[2] اور قرآن خوانی اور ختم خوانی جس طریقہ پر فی زمانا رائج

---

[1] کہہ ان کے لئے درستی بہتر ہے اگر تم ان کو اپنے ساتھ ملالو تو وہ تمہارے دین کے بھائی ہیں اور اللہ تعالے فسادی اور مصلح میں خوب امتیاز کر سکتے ہیں اگر اللہ تعالے چاہتے تو تم کو مشقت میں ڈال دیتے اور اللہ تعالے غالب حکمت والے ہیں [2] ایک آدمی نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میری ماں ناگہانی طور پر فوت ہو گئی ہے میرا خیال ہے اگر اسے بولنے کی مہلت ملتی تو صدقہ کے متعلق حکم

ہے سو یہ طریقہ بالکل بے اصل اور محدث ہے اور اس کے علاوہ قرأت قرآن کے ثواب پہنچنے اور نہ پہنچنے میں اختلاف ہے امام احمد بن حنبل اور ایک جماعت علما کے نزدیک قرأت قرآن کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور امام شافعی کا مشہور مذہب یہ ہے کہ نہیں پہنچتا ہے واللہ تعالےٰ اعلم حررہ عبد الوہاب عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ زید کی زوجہ جمیلہ نے بحکم خدا اس جہان فانی سے انتقال کیا اور زید واسطے ثواب کے قرآن شریف پڑھوا کر دعا مغفرت متوفیہ کی کرے یا پسر جمیلہ متوفیہ کا قرآن شریف پڑھ کر یا حافظ سے پڑھوا کر دعا مغفرت متوفیہ کی کرے تو ثواب قرآن شریف کا مرحومہ کو اللہ تعالیٰ دے گا یا نہیں اور کسی قدر فایدہ قرآن شریف کا میت کو پہنچے گا یا نہیں اور پڑھنا قرآن شریف کا واسطے ثواب میت کے جائز ہے یا نہیں اس کا جواب قرآن شریف یا حدیث شریف سے ملنا چاہیے اس کا اجر اللہ تعالےٰ دیوے گا۔

الجواب۔ درصورت مرقومہ واضح ہو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے زمانہ میں قرآن مجید پڑھ کر میت کو بخشنے کا دستور و رواج نہیں پایا گیا حدیث صحیح سے۔ اسی وجہ سے اس مسئلہ میں ائمہ دین کا اختلاف ہے امام اعظم اور امام مالک کے نزدیک ثواب عبادات بدنیہ کا مثل قرأت قرآن شریف و نماز روزہ وغیرہ پہنچتا ہے اور امام شافعی اور امام احمد بن حنبل اور جمہور علماء کے نزدیک نہیں پہنچتا ہے اور اجرت دے کر قرآن شریف پڑھوانا کسی کے نزدیک درست نہیں۔ جیسا کہ شامی حاشیہ درمختار وغیرہ میں مذکور ہے ہاں اگر اولاد یا اور کوئی شخص بلا اجرت پڑھ کر ثواب بخشے تو نزدیک امام اعظم وغیرہ کے روا ہوگا اور دعا کا نفع میت کو بالاتفاق پہنچتا ہے اور ثواب عبادات مالیہ کا بھی بالاتفاق پہنچتا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

سید محمد نذیر حسین

سوال۔ قبر پر کسی کے قرآن شریف ختم کرنا کیسا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ تلاوت قرآن مجید فی نفسہ عبادت ہے اور قبور محل عبادت

دیتی۔ اگر میں اس کی طرف سے کچھ صدقہ کر دوں تو ٹھیک ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔

نہیں ہے تو تلاوت وختم قرآن قبر پر یعنی حول قبر بیٹھ کر مکروہ و بدعت ہوگا بدلیل اس حدیث کے بنا بر اس کے ادائے نماز قبرستان میں مکروہ تحریمی یا حرام عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال اجعلوا فی بیوتکم من صلوتکم ولا تتخذوا ھا قبوراً ان القبور لیست بمحل للعبادۃ فیکون الصلوۃ فیھا مکروھۃ اور زمانہ قرون ثلاثہ میں ختم قرآن شریف کا مقابر میں منقول وماثور نہیں ہوا لہذا صاحب قاموس سفر السعادت میں لکھتا ہے عادت نبود کہ برائے میت در غیر وقت نماز جمع شوند و قرآن خوانند وختمات خوانند نہ بر سر گور نہ غیر آن این مجموع بدعت است انتہی کلامہ و شیخ عبد الحق محدث دہلوی رح مدارج النبوۃ میں لکھتے ہیں وعادت نبود کہ برائے میت جمع شوند و قرآن خوانند و ختمات خوانند نہ بر سر گور نہ غیر آن این مجموع بدعت است و شیخ علی متقی استاد شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے رسالہ رد بدعات میں لکھا ہے الاولی الاجتماع للقرءۃ بالقرآن علی المیت بالتخصیص فی المقبرۃ او المسجد او البیت بدعۃ مذمومۃ انتہی کما فی نصاب الاحتساب فی الجملۃ قرآن شریف قبر پر بیٹھ کر ختم کرنا اور پڑھنا قرون ثلثہ میں نہیں پایا گیا خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم انتہی ما فی الصحاح مختصراً وما علینا الا البلاغ۔

سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون ۔ وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین

زشرف سید کونین شد شریف حسین	طالب حسنین سید محمد نذیر حسین

الجواب صحیح وخلاف قبیح

محمد حفیظ اللہ	محمد عبد العلیم

محمد یوسف جواب مجیب صحیح ہے جو اس پر بھی نہ سمجھے تو جہل ہے خدا نے مہر ہے دل پر لگائی

بست منقود علی ازاحمد	محمد غلام اکبر خاں سنی محمدی

بسم اللہ الرحمن الرحیم ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم محمد حسن قادری دغفوری

محمد صدیق

سوال۔ مردہ کے واسطے ختم قرآن پڑھ کر بخشنا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ اس بارے میں علما کا اختلاف ہے کہ قراءت قرآن کا ثواب مردہ کو پہنچتا ہے یا نہیں علماء حنفیہ کے نزدیک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک اور بعض اصحاب شافعی کے نزدیک پہنچتا ہے اور اکثر علما شافعیہ کے نزدیک نہیں پہنچتا ہے اور امام شافعی کا مشہور مذہب یہی ہے کہ نہیں پہنچتا ہے پس جن لوگوں کے نزدیک پہنچتا ہے ان کے نزدیک مردہ کے واسطے ختم قرآن پڑھ کر بخشنا جائز ہے اور جن کے نزدیک نہیں پہنچتا ہے ان کے نزدیک نہیں جائز ہے شرح کنز میں ہے ان للانسان ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلوٰۃ کان اوصوما اوحجا اوصدقۃ اوقراءۃ قرآن اوغیر ذلک من جمیع انواع البر ویصل ذلک الی المیت وینفعہ عند اھل السنۃ۔ امام نووی شرح مقدمہ مسلم میں لکھتے ہیں واما قراءۃ القرآن فالمشھور من مذھب الشافعی انہ لا یصل ثوابھا الی المیت وقال بعض اصحابہ یصل الی المیت وثواب جمیع العبادات من الصلوٰۃ والصوم والقراءۃ وغیر ذلک اور اذکار میں لکھتے ہیں۔ وذھب احمد بن حنبل وجماعۃ من العلماء وجماعۃ من اصحاب الشافعی الی انہ یصل۔ واللہ اعلم بالصواب حررہ علی محمد عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

ھو الموفق۔ متاخرین علمائے اہل حدیث سے علامہ محمد بن اسمٰعیل امیر رحمۃ اللہ علیہ نے سبل السلام میں مسلک حنفیہ کو امتح ولیلاً بتایا ہے یعنی یہ کہا ہے کہ قراءت قرآن اور تمام عبادات بدنیہ کا ثواب میت کو پہنچنا از روئے دلیل کے زیادہ قوی ہے اور علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نیل الاوطار میں اسی کو حق کہا ہے مگر اولاد کے

لہ انسان کو حق پہنچتا ہے کہ اپنے کسی عمل کا ثواب کسی اور آدمی کو بخش دے نماز ہو یا روزہ حج ہو یا صدقہ یا قرآن مجید کی تلاوت تاکوئی اور عمل نیک اور اس کا ثواب اہل سنت کے نزدیک میت کو پہنچتا ہے

لہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قرآن کی تلاوت کا ثواب نہیں پہنچتا البتہ بعض شوافع تلاوت اور دوسرے نیک اعمال کے ثواب پہنچنے کے قائل ہیں

لہ امام احمد بن حنبل اور علماء کی ایک جماعت اور بعض شوافع کے نزدیک تلاوت اور دوسرے نیک اعمال کے ثواب پہنچنے کے قائل ہیں۔

ساتھ خاص کیا ہے یعنی یہ کہا ہے کہ اولاد اپنے والدین کے لئے قراءت قرآن یا جس عبادت بدنی کا ثواب پہنچانا چاہے تو جائز ہے کیونکہ اولاد کا تمام عمل خیر مالی ہو خواہ بدنی اور بدنی میں قراءت قرآن ہو یا نماز یا روزہ یا کچھ اور سب والدین کو پہنچتا ہے ان دونوں علامہ کی عبارتوں کو مع ترجمہ یہاں نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے سبل السلام شرح بلوغ المرام جلد اول صفحہ ۲۰۶ میں ہے ان هذه الادعية و نحوها نافعة للميت بلا خلاف واما غيرها من قراءة القرآن له فالشافعي يقول لا يصل ذلك اليه وذهب احمد وجماعة من العلماء الى وصول ذلك اليه وذهب جماعة من اهل السنة والحنفية الى ان للانسان ان يجعل ثواب عمله لغيره صلوة كان او صوما او حجا او صدقة او قراءة قرآن او ذكرا او اي نوع من انواع القرب وهذا هو القول الارجح دليلا فقد اخرج الدارقطني ان رجلا سأل النبي صلى الله عليه وسلم انه كيف يبر ابويه بعد موتهما فاجابه بانه يصلي لهما مع صلوته ويصوم لهما مع صيامه واخرج ابو داؤد من حديث معقل بن يسار عنه صلى الله عليه وسلم اقرؤا على موتاكم سورة يس وهو شامل للميت بل هو الحقيقة فيه واخرج الشيخان انه صلى الله عليه وسلم كان يضحي عن نفسه بكبش وعن امته بكبش وفيه اشارة الى ان الانسان ينفعه عمل غيره وقد بسطنا الكلام في حواشي ضوء النهار بما يتضح منه قوة هذا المذهب انتهى۔ یعنی یہ زیارت قبر کی دعائیں اور مثل ان کے اور دعائیں میت کو نافع ہیں بلا اختلاف اور میت کے لئے قرآن پڑھنا سو امام شافعی کہتے ہیں کہ اس کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا ہے اور امام احمد اور علما کی ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ قرآن پڑھنے کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور علمائے اہل سنت سے ایک جماعت کا اور حنفیہ کا یہ مذہب ہے کہ انسان کو جائز ہے کہ اپنے عمل کا ثواب غیر کو بخشے خواہ نماز ہو یا روزہ یا صدقہ یا قراءت قرآن یا کوئی ذکر یا کسی قسم کی کوئی اور عبادت اور یہی قول دلیل کی رو سے زیادہ راجح ہے اور دارقطنی نے روایت کیا ہے کہ ایک مرد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ ان کے مرنے کے بعد کیونکر نیکی و احسان کرے آپ نے فرمایا اپنی نماز کے ساتھ ان دونوں کے لئے نماز پڑھے اور اپنے روزہ

کے ساتھ ان دونوں کے لئے روزہ رکھے اور ابوداود میں معقل ابن یسار سے روایت
ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مردوں پر سورۃ یٰس پڑھو اور یہ
حکم میت کو بھی شامل ہے بلکہ حقیقۃً میت ہی کے لئے ہے اور صحیح بخاری و صحیح مسلم
میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بھیڑ اپنی طرف سے قربانی کرتے تھے
اور ایک اپنی امت کی طرف سے اور اس میں اس بات کیطرف اشارہ ہے کہ آدمی
کو غیر کا عمل نفع دیتا ہے اور ہم نے حواشی ضوء النہار میں اس مسئلہ پر مبسوط کلام کیا ہے
جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہی مذہب قوی ہے نیل الاوطار میں ہے صفحہ ۲۵۳ جلد ۳
والحق انه يخصص عموم الآية بالصدقة من الولد كما في احاديث الباب وبالحج
من الولد كما في خبر الخثعمية ومن غير الولد ايضا كما في حديث المحرم عن
اخيه شبرمة ولم يستفصله صلے الله عليه وسلم هل اوصى شبرمة ام لا وبالعتق
من الولد كما وقع في البخاري في حديث سعد خلافا للمالكية على المشهور عندهم
وبالصلوة من الولد ايضا لما روى الدارقطني ان رجلا قال يا رسول الله انه كان
لي ابوان ابرهما في حال حياتهما فكيف لي ببرهما بعد موتهما فقال صلى الله عليه
وسلم ان من البر بعد البر ان تصلي لهما مع صلوتك وان تصوم لهما مع صيامك
وبالصيام من الولد لهذا الحديث ولحديث ابن عباس عند البخاري ومسلم
ان امرأة قالت يا رسول الله ان امي ماتت وعليها صوم نذر فقال ارأيت
لو كان دين على امك فقضيته اكان يؤدي عنها قالت نعم قال فصومي عن امك
واخرج مسلم وابوداؤد والترمذي من حديث بريدة ان امرأة قالت انه كان
على امي صوم شهر فاصوم عنها قال صومي عنها ومن غير الولد ايضا لحديث
من مات وعليه صيام صام عنه وليه متفق عليه وبقراءة يس من الولد
وغيره لحديث اقرؤا على موتاكم يس وبالدعاء من الولد لحديث او ولد صالح
يدعو له ومن غيره لحديث استغفروا لاخيكم وسلوا له التثبيت ولقوله
تعالى والذين جاؤا من بعدهم يقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذين سبقونا
بالايمان ولما ثبت من الدعاء للميت عند الزيارة وبجميع ما يفعله الولد
لوالديه من اعمال البر لحديث ولد الانسان من سعيه انتهى ۔ حاصل اور

خلاصہ ترجمہ اس عبارت کا بقدر ضرورت یہ ہے کہ حق یہ ہے کہ آیۃ (وان لیس للانسان الا ما سعی) اپنے عموم پر نہیں ہے اور اس کے عموم سے اولاد کا صدقہ خارج ہے یعنی اولاد اپنے مرے ہوئے والدین کے لئے جو صدقہ کرے اس کا ثواب والدین کو پہنچتا ہے اور اولاد اور غیر اولاد کا حج بھی خارج ہے اس واسطے کہ خثعمیہ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اولاد جو اپنے والدین کے لئے حج کرے اس کا ثواب والدین کو پہنچتا ہے اور شبرمہ کے بھائی کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حج کا ثواب میت کو غیر اولاد کی طرف سے بھی پہنچتا ہے اور اولاد جو اپنے والدین کے لئے غلام آزاد کرے تو اس کا بھی ثواب والدین کو پہنچتا ہے جیسا کہ بخاری میں سعد کی حدیث سے ثابت ہے اور اولاد جو اپنے والدین کے لئے نماز پڑھے یا روزہ رکھے سو اس کا بھی ثواب والدین کو پہنچتا ہے اس واسطے کہ دارقطنی میں ہے کہ ایک مرد نے کہا یا رسول اللہ میرے ماں باپ تھے ان کی زندگی میں ان کے ساتھ نیکی واحسان کرتا تھا پس ان کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ کیونکر نیکی کروں آپ نے فرمایا نیکی کے بعد نیکی یہ ہے کہ اپنی نماز کے ساتھ اپنے والدین کے لئے بھی نماز پڑھ اور اپنے روزہ کے ساتھ اپنے والدین کے لئے بھی روزہ رکھ اور صحیحین میں ابن عباس کی حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے کہا یا رسول اللہ میری ماں مرگئی اور اس کے ذمہ نذر کے روزے تھے آپ نے فرمایا بتا اگر تیری ماں کے ذمہ قرض ہوتا اور اس کی طرف سے تو ادا کرتی تو ادا ہو جاتا یا نہیں اس نے کہا ہاں ادا ہو جاتا آپ نے فرمایا روزہ رکھ اپنی ماں کی طرف سے اور صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ ایک عورت نے کہا کہ میری ماں کے ذمہ ایک مہینہ کے روزے ہیں تو کیا میں اس کی طرف سے روزہ رکھوں آپ نے فرمایا اپنی ماں کی طرف سے روزہ رکھ اور غیر اولاد کے روزہ کا بھی ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ اس واسطے کہ حدیث متفق علیہ میں آیا ہے کہ جو شخص مر جائے اور اس کے ذمہ روزے ہوں تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزے رکھے اور سورہ یٰس کا ثواب بھی میت کو پہنچتا ہے اولاد کی طرف سے بھی اور غیر اولاد کی طرف سے بھی اس واسطے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اپنے مردوں پر سورہ یٰس پڑھو اور دعا کا نفع بھی میت کو پہنچتا ہے اولاد دعا کرے یا کوئی اور۔ اور جو کار خیر اولاد اپنے

والدین کے لئے کرے سب کا ثواب والدین کو پہنچتا ہے اس واسطے کہ حدیث میں آیا ہے کہ انسان کی اولاد اس کی سعی سے ہے جب علامہ شوکانی اور محمد بن اسمٰعیل امیر کی تحقیق ایصال ثواب قراءت قرآن وعبادات بدنیہ کے متعلق سن چکے تو اب آخر میں علامہ ابن النحوی کی تحقیق بھی سن لینا خالی از فائدہ نہیں آپ شرح المنہاج میں فرماتے ہیں لا یصل عندنا ثواب القراءۃ علی المشہور والمختار الوصول اذا سأل اللّٰہ ایصال ثواب قراءتہ وینبغی الجزم بہ لانہ دعاء فاذا جاز الدعاء للمیت بما لیس للداعی فلان یجوز بما ھو لہ اولی ویبقی الامر فیہ موقوفا علی استجابۃ الدعاء وھذا المعنی لا یختص بالقراءۃ بل یجری فی سائر الاعمال والظاھر ان الدعاء متفق علیہ انہ ینفع المیت والحی القریب والبعید بوصیتہ وغیرھا وعلی ذلک احادیث کثیرۃ بل کان افضل ان یدعو لاخیہ بظھر الغیب انتھی ذکرہ فی نیل الاوطار۔ یعنی ہمارے نزدیک مشہور قول پر قراءت قرآن کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا ہے اور مختار یہ ہے کہ پہنچتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ سے قراءت قرآن کے ثواب پہنچنے کا سوال کرے (یعنی قرآن پڑھ کر دعا کرے اور یہ سوال کرے کہ یا اللہ اس قراءت کا ثواب فلاں میت کو تو پہنچا دے) اور دعا کے قبول ہونے پر امر موقوف رہے گا (یعنی اگر دعا اس کی قبول ہوئی تو قراءت کا ثواب میت کو پہنچے گا اور اگر دعا قبول نہ ہوئی تو نہیں پہنچے گا) اور اس طرح پر قراءت کے ثواب پہنچنے کا جزم کرنا لایق ہے اس واسطے کہ یہ دعا ہے پس جب کہ میت کے لئے ایسی چیز کی دعا کرنا جائز ہے جو داعی کے اختیار میں نہیں ہے تو اس کے لئے ایسی چیز کی دعا کرنا بدرجہ اولےٰ جائز ہوگا جو داعی کے اختیار میں ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ دعا کا نفع میت کو بالاتفاق پہنچتا ہے اور زندہ کو بھی پہنچتا ہے نزدیک ہو خواہ دور ہو اور اس بارے میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں بلکہ افضل یہ ہے کہ آدمی اپنے بھائی کے لئے غائبانہ دعا کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ میت کے واسطے بطریق صدقہ بلا تعیین ایام جو کھانا کھلایا جاوے اس میں کچھ ثواب نہیں ہے کیونکہ اس کا حکم حدیث میں نہیں ہے عمرو کہتا ہے کہ بخاری اور مسلم کی حدیث میں صاف آچکا ہے

کہ صدقہ سے البتہ میت کو ثواب ہے افتلتها[1] اجران تصدقت عنها قال نعم۔ کھانا کھلانے کا صدقہ کی قسم سے ہونا احادیث سے ظاہر ہے انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل الصدقة ان تشبع کبدا جائعا رواہ البیہقی (مشکوٰۃ شریف) اور جلال الدین سیوطی نے شرح الصدور میں نقلا طبرانی اس طرح ذکر کیا ہے افلها[3] اجران تصدقت عنها قال نعم ولو بکراع شاة محرق پس سوال یہ ہے کہ عمرو کا یہ قول کہ جو کھانا کہ بلا تعیین ایام بطریق صدقہ کھلایا جاتا ہے اس میں میت کو ثواب ہے حق ہے یا زید کا یہ قول کہ اس میں ثواب نہیں ہے حق ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ عمرو کا قول حق ہے۔ بے شک میت کے واسطے جو کھانا بلا تعیین ایام و بلا آمیزش کسی بدعت کے بطور صدقہ کے فقرا و مساکین کو کھلایا جاوے تو اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے کیونکہ میت کی طرف سے صدقہ کرنے کا ثواب میت کو بلا شبہ پہنچتا ہے اور میت کے واسطے فقرا و مساکین کو کھانا کھلانا بھی میت کی طرف سے صدقہ کرنا ہے لہذا اس کا بھی ثواب میت کو پہنچے گا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب حررہ العبد العاجز عین الدین عفی عنہ سید محمد نذیر حسین

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اولیاء اللہ کی قبر پر اس غرض سے قرآن پڑھنا کہ وہاں پر ان کی دعا کی برکت سے یاد ہو جاوے گا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ قرات قرآن عند القبر مکروہ ہے ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں ثم[4] القراءة مکروهة عند ابی حنیفة ومالک واحمد وفی روایة انه محدث لم یرد به السنة واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب حررہ عبد الرحیم اعظم گڈھی

---

[1] اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کردوں تو کیا اس کو کوئی ثواب پہنچے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں۔

[2] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین صدقہ یہ ہے کہ تو کسی بھوکے آدمی کو کھانا کھلاوے۔

[3] اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کردوں تو کیا اس کو اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں اگرچہ بکری کی جلی ہوئی کھری ہی کیوں نہ ہو۔ [4] قبر پر قرآن پڑھنا امام ابو حنیفہ۔ مالک اور امام احمد کے نزدیک مکروہ ہے اور ایک روایت میں اس کو بدعت کہا ہے کیونکہ حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

کو پوری ۴ ربیع الاول سنہ ۱۳۱۷ ہجری

سید محمد نذیر حسین

تمت

الحمد للہ کہ فتاوی نذیریہ کی پہلی جلد ختم ہوئی
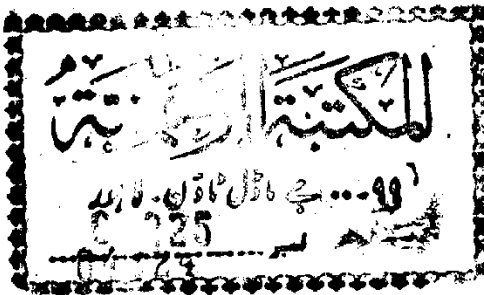
سنن ابن ماجہ شریف (اردو ترجمہ)

چار ہزار سے زائد احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کلامی فقہی احکام و مسائل کا بہترین مجموعہ جسے حضرت امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی نے مرتب فرما کر مسلمانان عالم پر احسان عظیم فرمایا ہے۔

یہ امر مخفی نہیں کہ صحاح ستہ کتب احادیث میں بڑی اہمیت رکھتی ہیں اور محدثین نے ان کتابوں کے درجے قرار دے کر ان کی ترتیب دی ہے۔ سنن ابن ماجہ شریف صحاح ستہ میں ایک صحیح و مستند کتاب تسلیم کی گئی ہے۔

یہ ترجمہ کئی سال سے نایاب تھا اب اس کو ضروری قواعد و تشریحات کے اضافے کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ احادیث و ابواب کے سلسلہ وار نمبر دئیے گئے ہیں صفحہ کے اوپر والے حصہ میں عربی متن مع اعراب، درمیان میں ترجمہ اور نیچے حاشیہ و تشریح ہے۔ کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے مگر علیحدہ علیحدہ حصے بھی مل سکتے ہیں۔

ترجمہ و فوائد: حضرت علامہ وحیدالزمان خان رحہ

تشریح و تصحیح: مولانا محمد سلیمان صاحب کیلانی

کتابت۔ طباعت و جلد سازی عمدہ۔ کاغذ گلیز۔ دیدہ زیب ڈسٹ کور

قیمت جلد اول -/۲۰ - جلد دوم -/۱۶ - جلد سوم -/۱۲ - کامل سیٹ ۴۸ روپے۔

"مفردات القرآن"

امام راغب اصفہانی کا شاھکار ہے۔ یہ کتاب اپنی اہمیت اور افادیت کے اعتبار سے جس درجہ علمائے متاخرین میں مقبول ہوئی اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ شارحین حدیث علامہ ابن حجر اور علامہ عینی اور دیگر فضلاء نے اس سے استفادہ کیا ہے۔ یہ کتاب عربی کی ادق ترین کتب میں شمار ہوتی ہے اردو دان حضرات جو قرآن کے مطالعہ کا شوق رکھتے ہیں اس کتاب سے مستفید نہیں ہو سکتے تھے۔ فاضل مترجم نے اس کو اردو کا لباس پہنا کر ان لوگوں کیلئے سہولت پیدا کر دی ہے۔ طبع جدید میں احادیث و اشعار کی مکمل تخریج کر دی ہے۔ آیات قرآنیہ کے نمبر لگا دئیے ہیں جس سے قرآن پاک کی ایک مکمل لغات اور بہت سے علمی فوائد کا مرقع بن گئی ہے۔

یہ لغات تیرہ سو صفحات پر مشتمل ہے۔

مقدمہ میں اصول تفسیر پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔

ترجمہ۔ شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد عبدہ صاحب

قیمت ۳۲ روپے

اہلحدیث اکادمی کشمیری بازار۔ لاہور